علمائے اہلِ سنت اتر دیناج پور کے زیرِ اہتمام منعقد
امام احمد رضا نیشنل سیمینار میں پیش کیے گئے
مقالات کا مجموعہ
عرفانِ امام احمد رضا
ترتیب و تدوین
محمد ساجد رضا مصباحی
محمد عارف حسین مصباحی
زیرِ اہتمام
علمائے اہلِ سنت اتر دیناج پور بنگال

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت نبیرۂ حجۃ الاسلام جانشین مفتیٔ اعظم ہند جگر گوشۂ مفسرِ اعظم شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد اختر رضا خان قادری ازہری

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ کے لئے وزٹ کریں

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammmd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com
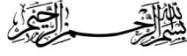
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام منعقد

”امام احمد رضا نیشنل سیمینار“ میں پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ

بنام

عرفانِ امام احمد رضا

ترتیب وتدوین

محمد ساجد رضا مصباحی

استاذ: دار العلوم غریب نواز، داہو گنج کشی نگر، یوپی

متوطن: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

محمد عارف حسین قادری مصباحی

استاذ: الجامعۃ المخدومیہ سراج العلوم، جاج مئو، کان پور

متوطن: تال چیوا، اتر دیناج پور، بنگال

زیر اہتمام

علماے اہل سنت، اتر دیناج پور، بنگال

تقسیم کار

سُنی علما کونسل، اتر دیناج پور، بنگال

- نام کتاب : **عرفان امام احمد رضا** (مجموعۂ مقالات)
- ترتیب و تصحیح : محمد ساجد رضا مصباحی، محمد عارف حسین قادری مصباحی
- صفحات : ۶۶۸
- سن اشاعت : ۱۴۴۳ھ/۲۰۲۲ء
- زیر اہتمام : علماے اہل سنت اتر دیناج پور، بنگال
- تقسیم کار : سُنی علما کونسل، اتر دیناج پور، بنگال
- کمپوزنگ : مولانا عسجد رضا قادری دیناج پوری
- تزئین : مولانا محمد اسلم مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

درج ذیل علماے کرام نے مقالات کی تصحیح میں جزوی تعاون کیا:

حضرت مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی، حضرت مفتی محمد شعیب عالم نعیمی، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا سبحان رضا مصباحی، حضرت مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی

ملنے کے پتے

(۱)....... دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

(۲) ..... جامعۃ الزہراللبنات، ناظرپور، پران نگر، راساکھوا، اتر دیناج پور، بنگال

(۳) ..... جامعہ نوریہ، شام پور، راے گنج، اتر دیناج پور، بنگال

(۴) ..... دارالعلوم امام احمد رضا، مومن ٹولہ، بھاٹول، راے گنج، اتر دیناج پور، بنگال

(۵)..... دارالعلوم فدائیہ نوریہ، پاچھورسیا، اتر دیناج پور، بنگال

(۶) ..... المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

انتساب

عالم اسلام کی عبقری شخصیت

شیخ الاسلام والمسلمین، امام اہل سنت، مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ

[۱۲۷۲ھ ——— ۱۳۴۰ھ]

کے نام

جنھوں نے پورے عالم اسلام میں علم وعرفاں اور عشق ووفا کی شمع روشن کیا۔

گر قبول افتد زہے عزوشرف

من جانب

علماے اہل سنت، اتر دیناج پور، بنگال

ان تمام علماے کرام اور فرزندان اسلام کی بارگاہوں میں

ہدیۂ تشکر وامتنان کا گل دستہ پیش ہے

جن کی سعی پیہم اور مساعی جمیلہ سے

مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے عرس صد سالہ کے بابرکت موقع پر

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس

مورخہ: ۲۰ و ۲۱ / ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ / ۲۹ و ۳۰ / دسمبر ۲۰۱۸ء شنبہ اور یک شنبہ کو

پوری شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہو سکا۔

جنھوں نے اس سیمینار و کانفرنس کے انعقاد کے لیے مخلصانہ مالی تعاون بھی پیش فرمایا، جن کے بیش بہا تعاون سے یہ مجموعۂ مقالات منظر عام پر آسکا۔

محمد ساجد رضا مصباحی

نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

۲۵/ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ

محمد عارف حسین قادری مصباحی

تال چیوا، اتر دیناج پور، بنگال

۲۵/ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ

فہرست عرفان امام احمد رضا

نمبر شمار..........مضامین..صفحہ نمبر

ابتدائیہ

بابِ اول

تقریظات

تاثرات

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس پر علما و مشائخ، اہل فکر و قلم اور ارباب علم و دانش کے تاثرات

بابِ دوم

امام احمد رضا نیشنل سیمینار: پس منظر و پیش منظر

باب سوم

خطبات و مشاہدات

باب چہارم

مقالات: عقائد و کلام

علم حدیث و اصول حدیث

فقہ و اصول فقہ

معاشیات وسماجیات

اصلاح وموعظت

ادبیات

اوصاف و کمالات

خدمات واثرات اور روابط وتعلقات

ضمیمہ

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی کہانی اخبارات ورسائل کی زبانی

ذکر ان کا جن کو یاد رکھا جائے گا

ابتدائیہ

حدیثِ دل

علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیرِ اہتمام منعقد **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار"** کے گراں قدر مقالات کا مجموعہ **"عرفان امام احمد رضا"** آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کی جانب سے اہل علم وادب کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

دراصل ۲۰۱۸ء کی آخری تاریخوں میں امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا انعقاد ہوا، اس کے بعد سے ہی مقالات کی کمپوزنگ، تصحیح اور ترتیب وتدوین کا کام شروع ہوگیا تھا، امید تھی کہ چار چھ مہینے میں اس کام سے فراغت حاصل ہوجائے گی اور "عرفان امام احمد رضا" قارئین کے مطالعہ کی میز پر ہوگا، لیکن مقالات کی کمپوزنگ اور تصحیح ونظر ثانی کے مراحل بڑے جاں گسل ثابت ہوئے، دوسال تک لاک ڈاؤن کے غیر یقینی حالات نے اس راہ کو مزید دشوار گزار بنادیا، رہی سہی کسر ذاتی مصروفیات نے پوری کردی، جس کی وجہ سے قدرے تاخیر سے یہ کام تکمیل آشنا ہوسکا۔ اس دوران "یاران وفا" کے پیہم گلے، شکوے اور شکایت آمیز تقاضے بھی برداشت کرنے پڑے، اور کئی صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا، لیکن کہتے ہیں نا کہ ہر کام کا ایک وقت ہے۔

اے رضؔا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

"امام احمد رضا نیشنل سیمینار" کے موقع پر موصول ہونے والے مقالات میں اکثر غیر کمپوز شدہ تھے، ان کی کمپوزنگ پھر تصحیح ومقابلہ میں کافی وقت صرف ہوا، بعض مقالات حشو وزوائد سے پُر اور مقالہ نگاری کے اصولوں سے پرے تھے، ایسے مقالات کو لائق اشاعت بنانے کے لیے ہمیں کافی محنت کرنی پڑی اور اچھا خاصا وقت اس کام میں بھی صرف ہوگیا، ہم نے مکمل کوشش کی کہ سیمینار کے موقع پر موصول ہونے والے تمام مقالات کو **"عرفان امام احمد رضا"** میں شامل کرلیں، لیکن کوشش کے باوجود مطلوبہ معیار پر نہ اترنے کی وجہ سے بعض مقالات کو رد کرنا پڑا۔

"عرفان امام احمد رضا" کو کل چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب : تقریظات وتاثرات

دوسرا باب : امام احمد رضا نیشنل سیمینار: پس منظر وپیش منظر

تیسرا باب : خطبات و مشاہدات

چوتھا باب : مقالات

پانچواں باب: امام احمد رضا نیشنل سیمینار کی کہانی اخبارات ورسائل کی زبانی

چھٹا باب : ذکران کا جن کو یاد رکھا جائے گا۔

پہلے باب میں اہل سنت و جماعت کی متعدّد علمی وروحانی شخصیتوں کی تقریظات اور تاثرات شامل ہیں، خاص طور سے شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خان قادری مدظلہ العالی، بریلی شریف، مناظر اہل سنت، فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی، بانی وسربراہ اعلیٰ جامعہ نوریہ شام پور، رائے گنج اتر دیناج پور اور خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی عبد الغفور رضوی دام ظلہ العالی وغیرہ کے کلمات طیبات شامل ہیں۔

دوسرے باب میں خطبۂ استقبالیہ اور امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی دوروزہ تقریبات کی مشاہداتی رپورٹ شامل ہے، تیسرے باب میں سیمینار و کانفرنس کے پس منظر و پیش منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے، چوتھے باب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے اوصاف وکمالات اور خدمات و کارنامے سے متعلق ۶۶/ قیمتی مقالات شامل کیے گئے ہیں، پانچویں باب میں اخبارات ورسائل میں شائع رپورٹس اور اخباری تراشوں کو جگہ دی گئی ہے، جب کے چھٹے باب میں خصوصی جدوجہد فرمانے والے علما و خواص اہل سنت اور مالی تعاون فرمانے والے علمائے کرام کے اسمائے گرامی شامل کیے گئے ہیں۔

مقالات کے باب میں درج ذیل ذیلی ابواب ہیں:

- عقائد وکلام [اس باب میں ۷/ مقالات شامل ہیں]
- علم حدیث واصول حدیث [اس باب میں ۳/ مقالات شامل ہیں]
- فقہ واصول فقہ [اس باب میں ۵/ مقالات شامل ہیں]
- معاشیات وسماجیات [اس باب میں ۵/ مقالات شامل ہیں]
- اصلاح وموعظت [اس باب میں ۸/ مقالات شامل ہیں]
- ادبیات [اس باب میں ۸/ مقالات شامل ہیں]
- اوصاف وکمالات [اس باب میں ۲۲/ مقالات شامل ہیں]
- خدمات واثرات اور روابط وتعلقات [اس باب میں ۷/ مقالات شامل ہیں]
- ضمیمہ [اس باب میں ۱/ مقالہ شامل ہے]

”امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس“ سے علمائے اہل سنت کی جذباتی وابستگی رہی، یہی وجہ ہے کہ امام اہل سنت سے عقیدت رکھنے والے ہر عالم دین نے دامے، درمے اور قدمے، سخنے اس کا تعاون کیا، ہم نے پورے اہتمام کے ساتھ سیمینار

وکانفرنس کی یادوں کو اس مجموعۂ مقالات میں محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے، کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ مستقبل میں ”عرفان امام احمد رضا“ محض چند مقالات کا مجموعہ نہیں کہلائے گا بلکہ اِس عہد کی زرین تاریخ کا گواہ بھی بنے گا اور اتر دیناج پور کے خوش عقیدہ مسلمانوں کے فکری رجحانات کا اشاریہ بھی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ وعدے کے مطابق ان تمام علمائے کرام کے نام بھی اس مجموعے کے آخری صفحات میں شامل کر لیے گئے ہیں جنھوں نے بڑی کشادہ قلبی کے ساتھ ” امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس“ کے لیے مالی تعاون کیا تھا، یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ معاونین کی فہرست میں صرف انھیں علما کے اسما شامل ہیں جنھوں نے ”جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت“ واٹسپ گروپ کے ذریعہ مالی تعاون پیش کیا تھا۔

ترتیب و تدوین کے کاموں میں حضرت مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی، حضرت مفتی محمد شعیب عالم نعیمی اور حضرت مولانا مختار عالم مصباحی دام ظلہم نے مفید مشوروں سے نوازا، ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

اس مجموعۂ مقالات کو طباعت کے مرحلے تک پہنچانے میں کئی احباب نے بڑے اخلاص کے ساتھ کام کیا ہے، خاص طور پر محب گرامی حضرت مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی حفظہ اللہ جنھوں نے مقالات کی ترتیب میں اپنے اوقات کا ایک بڑا حصہ صرف فرمایا۔ حضرت مولانا شارب ضیا رضوی مصباحی، حضرت مولانا سبحان رضا مصباحی، حضرت مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی اور حضرت مولانا مظفر حسین رضوی نے پروف کے کاموں میں تعاون کیا۔ حضرت مولانا شکیل انور مصباحی، حضرت مولانا احمد رضا قادری، حضرت مولانا شمس الدین رضوی، حضرت مولانا اسمعیل رضوی اور حضرت مولانا شاکر رضا نظامی وغیرہ مسلسل حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

مقالات کی تصحیح اور پروف ریڈنگ میں حتی الامکان احتیاط سے کام لیا گیا ہے، لیکن ہزار کوششوں کے باجود غلطیوں اور خامیوں سے براءت کا اظہار نہیں کیا جاسکتا، اگر کوئی خامی نظر آئے تو امید ہے کہ دامن عفو و کرم میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

شہ زادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خان قادری دامت برکاتہم القدسیہ، مناظر اہل سنت، فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی دام ظلہ العالی اور نمونۂ اسلاف حضرت مفتی عبد الغفور رضوی دام ظلہ کے دعائیہ کلمات اور تقریظات نے اس مجموعے کے وقار و اعتبار میں اضافہ کیا ہے، ان نفوس قدسیہ کی کرم فرمائیوں پر ہم بے پناہ شکر گزار ہیں اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاگو ہیں کہ ان بزرگوں کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رہے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

محمد ساجد رضا مصباحی

نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

۲۵/ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ/ ۲۸/ مارچ ۲۰۲۲ء دوشنبہ

کچھ ترتیب کے بارے میں

حَامِداً وَ مُصَلِیاً وَ مُسَلِماً

اللہ عزوجل کے محبوب بندوں سے محبت وعقیدت کا تعلق قائم رکھتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنا یقینا بہت بڑی سعادت کی بات ہے کیوں کہ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں کہ جن پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے انعام واکرام کی بارشیں نازل فرماتے ہوئے قرآن حکیم میں انھیں انعام یافتہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ [سورۃ النساء، آیت: ۶۹]

انہی نفوس قدسیہ میں ایک بہت ہی ممتاز اور نمایاں نام مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ کا سرسری مطالعہ کرنے پر بھی عربی زبان کا یہ معروف شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے:

وَلَيْسَ عَلَى اللهِ بِمُسْتَنْكَرٍ أَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِي وَاحِدٍ

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بڑی بات نہیں ہے کہ وہ ساری دنیا ایک شخص میں جمع فرما دے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف و کمالات، فضائل و محاسن، علمی تحقیقات و تخلیقات کو دیکھنے کے بعد یہ حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے کہ بلاشبہہ رب قدیر کی مشیت ہو تو فرد واحد میں سارا عالم جمع ہو سکتا ہے، ہمارے ارباب قرطاس و قلم نے ماضی قریب کے علما، فقہا اور محدثین میں سب سے زیادہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لکھا ہے مگر اس کے باوجود آپ کی حیات طیبہ اور خدمات جلیلہ کا ہر گوشہ آج بھی تشنہ ہے، لگتا ہے بہت کم لکھا گیا ہے، ارباب علم و دانش کو مزید اس جانب عنان توجہ مبذول کرنے کی حاجت ہے، یہ مسلمات سے ہے کہ اسلاف شناسی بھی ایک گراں مایہ دولت اور اللہ رب العزت کی عطا کردہ بیش بہا نعمت ہے، کہ وہ نفوس قدسیہ منارۂ نور اور مشعل ہدایت ہیں، ان کے تذکار جمیل عقدہ کشا ہوتے ہیں، تعطل و انجماد کے شکار ذہن و دماغ میں امت مصطفویہ کی فلاح و صلاح کے لیے کچھ کر گزر جانے کے جذبے پنپنے لگتے ہیں، اسلاف شناسی

کے انہی جذبات سے سرشار ہو کر اتر دیناج پور کے ارباب علم و دانش اور اصحاب قرطاس وقلم نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس صد سالہ کے موقع پر آپ کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر شایان شان ایک نیشنل سیمینار کا انعقاد کیا، ہندوستان کے سرخیل اور موقر علما، فقہا، مقالہ نگاران حضرات کو مدعو کیا، سیمینار میں جن حضرات کے مقالات ومضامین موصول ہوئے وہ تقریبًا اس مجموعے میں شامل کر لیے گئے ہیں۔

آساں نہیں ہے جادۂ حیرت عبورنا

نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال کی سرزمین پر امام احمد رضا سیمینار کے منعقد ہوئے تقریبًا تین سال تین ماہ ہو رہے ہیں، ہمارے کچھ احباب ورفقا کے ذہن ودماغ میں یہ خیال بھی آسکتا ہے کہ مقالات کے مجموعے کی ترتیب وتدوین میں اتنا سارا وقت کیسے لگ گیا، مگر جن لوگوں نے اس جاں گداز اور خار دار وادی کی آبلہ پائی کی ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس نوعیت کے کاموں کو قابل اطمینان بنا کر مطالعہ کی میز تک پہنچانے میں کن دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، یہ کام وقت طلب بھی ہے اور مشقت خیز بھی۔ وسعت مطالعہ، دقت نظر، قوت تنقید اور حسن ذوق کے ساتھ ساتھ اخلاص وللٰہیت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے، ہمیں اس حقیقت کا سوفیصدی اعتراف ہے کہ یہ فقیر بے مایہ ان اوصاف سے یکسر خالی ہے مگر کیا کرتا کہ:

ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

محب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی زید مجدہ اور فقیر بے مایہ کے ناتواں کندھوں پر تدریس، فتویٰ نویسی، مقالہ نگاری، تذکرہ نویسی، تقریبًا اسّی [۸۰] علماے کرام کی تربیت افتا کی ذمہ داری بھی ہے، یہ سب بھی تاخیر کے اسباب وعوامل سے ہیں۔ مقالات کی تصحیح اور نظر ثانی میں کن امور کو مطمح نظر رکھا گیا، ان کی قدرے تفصیل پیش خدمت ہے:

- اردو کی کتابت کے طریقوں میں کافی تبدیلی آئی ہے، اکثر مقالے جدید قواعد کتابت اور قوانین املا کی بجاے قدیم عادت کے مطابق ہی لکھے گئے تھے، متعدّد مراحل میں کافی جد وجہد کے بعد کتابت واملا کے نو پید قوانین کے مطابق سارے مقالات کی تصحیح کی گئی ہے، اس کے لیے اردو قواعد املا وانشا سے متعلق متعدّد کتابیں پیش نظر رہی ہیں، کچھ الفاظ کی جدید شکلیں ہمارے کچھ قارئین پر گراں گزر سکتی ہیں لیکن اگر ان کی رعایت ملحوظ رہی تو امید ہے کہ کچھ ہی دنوں میں گرانی کا خیال ذہن ودماغ سے یکسر نکل جائے گا اور یہ نئی شکلیں بھی مانوس ہی محسوس ہوں گی۔
- کچھ مضامین ومقالات کو پڑھ کر ایسا بھی محسوس ہوا کہ مقالہ نگار نے فی البدیہ قلم برداشتہ خامہ فرسائی کر دی ہے، نظر ثانی یا تصحیح کی اصلاً انھوں نے ضرورت محسوس نہیں کی ہے، غالبًا ان کے خیال میں آیا ہو گا کہ یہ کام تو مدونین ومرتبین کا ہے، ہم خواہ مخواہ سرکیوں کھپائیں، ایسے مقالات کی تصحیح میں از حد محنت کرنی پڑی اور متعدّد مراحل میں تصحیح کرتے کرتے انہیں لائق اشاعت بنایا گیا ہے، اولاً ہمارے کچھ احباب کی تو رائے یہ تھی کہ اس نوعیت کے مقالات شامل اشاعت نہ کیے جائیں مگر پھر یہ سوچ کر کہ ان حضرات کا مطمح نظر بھی امام احمد رضا کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کرنا ہے اس لیے مناسب ہے کہ

انہیں حتی المقدور درست کر کے مجموعہ میں شامل کر لیا جائے۔

- کچھ مقالہ نگار حضرات نے اپنی وہ تحریریں بھیجی تھیں جو کسی رسالے، میگزین یا اخبار میں چھپ چکی ہیں یا ان کی کتابی شکل میں طباعت ہو چکی ہے، جہاں تک ہو سکا ہے ہم نے ایسے مضامین کو شامل اشاعت کرنے سے احتراز کیا ہے۔
- یہ مسلمات سے ہے کہ حسن خطاب تکرار میں ہے جب کہ تحریر کا حسن اس میں ہے کہ وہ حشو و زوائد کے ساتھ ساتھ تکرار سے بھی پاک ہو۔ مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق کچھ واقعات ایسے بھی تھے جنہیں متعدّد مقالہ نگاروں نے نقل کیا تھا، وہ واقعات و روایات کسی ایک مناسب و موزوں مضمون میں باقی رکھ کر باقی اکثر مقامات سے حذف کر دیے گیے ہیں۔
- مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق واقعات و روایات اور کرامات کی خوب چھان بین کی گئی ہے، جو روایتیں من گھڑت، ضعیف، غیر مستند اور غیر معقول تھیں انہیں یکسر حذف کر دیا گیا ہے۔
- کچھ مقالات ایسے بھی موصول ہوئے جن میں تحریر اور سرخی میں اصلاً مطابقت نہیں تھی، ایسے مقالات میں مشمولات کے حساب سے نئی سرخیاں بھی لگائی گئی ہیں۔
- امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ کی ولادت، خاندانی پس منظر، عہد طفولیت کے کمالات، فضائل و مناقب اکثر مقالہ نگار حضرات نے آغاز میں تمہیدی گفتگو کے طور پر بیان کیے تھے، مقالہ کی روح اور مقصد و مطمح کو ٹھیس پہنچائے بغیر اس نوعیت کی گفتگو حذف کر دی گئی ہے، اور کہیں کہیں کچھ اضافہ کر کے ماسبق کو مالحق سے مربوط و ملحق کر دیا گیا ہے۔
- اس مجموعے کو بہتر بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود ہمیں سو فیصدی اعتراف واقرار ہے کہ بشری تقاضوں کے پیش نظر کچھ خامیاں رہ سکتی ہیں، قارئین سے گزارش ہے کہ اگر کوئی شرعی سقم ملے تو آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو جائے۔ واللہ المستعان وعلیه التکلان والصلاۃ والسلام علی خیر الانام وعلی آله واصحابه نجوم الهدایة والایمان.

خاک پائے رضا

محمد عارف حسین قادری مصباحی

خادم درس و افتا: جامعہ مخدومیہ سراج العلوم جاج مئو، کان پور

متوطن: تال چپوا، کونیہ بھیٹہ، گوال پوکھر، اتر دیناج پور، بنگال

۲۴ر شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ/ ۲۷ر مارچ ۲۰۲۲ء یک شنبہ

بابِ اول

تقریظات و تاثرات

دعائیہ کلمات

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ تاج الشریعہ

حضرت علامہ **مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری** دامت برکاتہم القدسیہ

سربراہ اعلیٰ جامعۃ الرضا، بریلی شریف، یوپی

مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ اتر دیناج پور بنگال کے علماے اہل سنت نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت اور خدمات سے متعلق [اواخر دسمبر ۲۰۱۸ء میں] سیمینار کا انعقاد کیا، جس میں بہت سارے علما نے شرکت کر کے اپنے تحقیقی مقالے پیش کیے، انہی مقالوں کو محب گرامی مولانا ساجد رضا صاحب اور مولانا عارف حسین صاحب نے جمع و ترتیب کے مراحل سے گزار کر علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے تعاون سے شائع کرنے کا ارادہ کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی یہ کوشش قبول فرمائے اور انھیں بیش از بیش دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ وعلی آلہ أفضل الصلاۃ وأکرم التسلیم .

فقیر محمد عسجد رضا خان قادری

۱۸ر شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ/ ۲۲مارچ ۲۰۲۲ء

کلماتِ تحسین

مناظر اہل سنت، فقیہ النفس

حضرت علامہ **مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطرؔ رضوی** دامت برکاتہم القدسیہ

بانی وسربراہ اعلیٰ جامعہ نوریہ، شام پور، رائے گنج، اتر دیناج پور، بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹، ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو سہ ماہی ''پیغامِ مصطفیٰ'' اتر دیناج پور کے مدیر اعلیٰ عزیز محترم حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی اور ان کی ٹیم کی مسلسل جدوجہد اور مساعی جمیلہ سے اتر دیناج پور کے مقام ''کونہ کمات'' میں پہلی بار **امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس** منعقد ہوئی تھی اور یہ فقیر رضوی علالت کی وجہ سے شرکت سے محروم رہا تھا، جس کا قلق اب بھی ہے۔ مگر سیمینار کی بہترین کامیابی کی بابت سن کر حد درجہ مسرت ہوئی تھی، منتظر تھا کہ کب وہاں پڑھے گئے مقالوں کی اشاعت ہو اور آنکھیں دید سے سیراب ہوں!

اب خدا خدا کر کے دیر آید درست آید کے مطابق محترم مولانا ساجد رضا صاحب اور مولانا عارف حسین صاحب ان مقالات کو باب درباب ترتیب دے کر **''عرفان امام احمد رضا''** کے نام سے علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام شائع فرمانے جا رہے ہیں، اس وقت اس فقیر رضوی کے سامنے صرف اس کی کمپوز شدہ اجمالی فہرست ہے، جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس مجموعہ سے امام احمد رضا کی علمی و روحانی زندگی کے کچھ نئے گوشے ضرور سامنے آئیں گے، جس کے لیے عزیزم مولانا ساجد رضا اور ان کی ٹیم بہر حال قابل تحسین و ستائش ہے۔

دعا جو

فقیر محمد مطیع الرحمن رضوی غفرلہ

۲۴/ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ / ۲۷/ مارچ ۲۰۲۲ء

تقریظِ جلیل

خلیفۂ مفتی اعظم ہند

حضرت علامہ مفتی عبدالغفور رضوی دام ظلہ

صدر المدرسین: الجامعۃ الحفیظیہ سراج العلوم، راساکھوابازار، اتر دیناج پور، بنگال/ متوطن: ڈبکول، شاہ پور، اتر دیناج پور، بنگال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے برصغیر ہند و پاک ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام مالامال ہے، ہر خطے میں امامِ اہل سنت کے عقیدت مند پائے جاتے ہیں، اتر دیناج پور بنگال بھی اولیاے کرام کے عقیدت مندوں کی سرزمین ہے، خاص طور سے خانوادۂ رضویہ سے محبت کرنے والے خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کی یہاں بڑی تعداد آباد ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں یہاں مرکزِ اہل سنت بریلی شریف کے مشائخ اور پیران طریقت کی آمد ہوتی رہی ہے، خاص طور سے تاج دار اہل سنت، مرشد طریقت، مفتی اعظم ہند، حضرت علامہ مصطفیٰ رضاخان نوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہاں کئی بار تشریف آوری ہوئی ہے، ان کے نام سے آج بھی متعدّد دینی وتعلیمی ادارے یہاں چل رہے ہیں، گویا ہر زمانے میں خانوادۂ رضویہ سے یہاں کے سنی مسلمانوں کی گہری وابستگی رہی ہے، بحمدہ تعالیٰ عقیدت و محبت کا یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔

۱۴۴۰ھ کو پورے عالم اسلام میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے جشنِ صد سالہ کے طور پر منایا گیا، اس موقع پر محبت کرنے والوں نے الگ الگ انداز میں اپنے امام کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا، اتر دیناج پور کے علما اس معاملے میں کیسے پیچھے رہ سکتے تھے، یہاں بھی ایک عظیم الشان کانفرنس اور امام احمد رضا نیشنل سیمینار کا پروگرام طے کیا گیا، پورے اتر دیناج پور کے علمانے اس پروگرام کو کام یاب بنانے کے لیے اپنی اپنی وسعت کے مطابق دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون کیا۔ ۲۹، ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات اتر دیناج پور بنگال میں بہت ہی تزک واحتشام کے ساتھ **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس"** کا انعقاد ہوا، ملک کے مختلف گوشوں سے علما و مشائخ، ارباب علم

و دانش اور دانشورانِ قوم و ملت نے شرکت فرمائی، اس خادم کو بھی اس بابرکت اور یادگار پروگرام میں شر کت کا موقع ملا، دل مسرت سے باغ باغ ہو گیا اور علماے اہل سنت اتر دیناج پور کی کاوشوں کو دیکھ کر قلبی اطمینان حاصل ہوا۔

سیمینار میں پڑھے گئے گراں قدر مقالات کی کتابی شکل میں اشاعت کا منصوبہ پہلے ہی طے شدہ تھا، پروگرام کے بعد مسلسل اس پر کام جاری رہا، عزیز گرامی مولانا محمد ساجد رضا مصباحی اور مولانا محمد عارف حسین مصباحی اور ان کے رفقاے کار اپنی منصبی ذمے داریوں کی انجام دہی کے ساتھ اس کام کے لیے بھی وقت نکالتے رہے، طویل محنت شاقہ کے بعد سیمینار کے گراں قدر مقالات کا مجموعہ **"عرفان امام احمد رضا"** کے نام سے طباعت کے لیے تیار ہے۔ میں جملہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور خاص طور سے امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کو کام یاب بنانے کے لیے کلیدی رول ادا کرنے والے ان تمام جواں سال علما کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں، جنھوں نے شہرت طلبی کے اس دور میں بھی پردے کے پیچھے رہ کر بڑے اخلاص کے ساتھ کام کیا اور آج ان کی سعی پیہم سے سیمینار و کانفرنس کی کام یابی کے بعد مجموعۂ مقالات کی زیارت سے بھی ہم شاد کام ہو رہے ہیں۔ اللہ جل شانہ حضرت مولانا احمد رضا قادری، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا نور محمد رضوی وغیرہم اور ان کے تمام رفقاے کار کو صحت و سلامتی سے نوازے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فیضان سے حظِ وافر عطا فرمائے آمین بجاہ حبیبہ سید المر سلین .

عبد الغفور رضوی

صدر المدرسین: الجامعۃ الحفیظیہ سراج العلوم، راساکھوا بازار، اتر دیناج پور، بنگال

متوطن: ڈبکول، شاہ پور، اتر دیناج پور، بنگال

۲۴؍ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ / ۲۷؍ مارچ ۲۰۲۲ء

باب اوّل تقریظات و تاثرات

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس:

علما و مشائخ، اہل فکر و قلم اور ارباب علم و دانش کے گراں قدر تاثرات

مرتب: مولانا احمد رضا قادری: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

حضرت مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں صاحب

سابق ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ، بہار

حضرت مولانا احمد رضا صاحب کے توسط سے علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کی دعوت پر مورخہ ۲۹، ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو دار العلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات میں علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس"** میں شرکت کی سعادت ملی، سیمینار و کانفرنس کے اہتمام و انصرام کو دیکھنے کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ اتر دیناج پور کے علما انٹر نیشنل پیمانے پر بڑا سے بڑا کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس سیمینار کے اندر سو سے زائد مقالہ نگار موجود تھے، بڑے بڑے سیمیناروں میں اور بڑے بڑے شہروں میں دانش وروں کی اتنی بڑی باوقار شخصیتیں اکٹھا نظر نہیں آتی ہیں، علما اور دانش وروں کا ہجوم اس سیمینار و کانفرنس کو اوج ثریا کا وقار بخشا اور اس سیمینار و کانفرنس نے یہ ثابت کر دیا کہ افتخار ملت کا نام امام احمد رضا ہے، وقار امت کا نام امام احمد رضا ہے، فکر و تخیل کے جبل شامخ کا نام امام احمد رضا ہے، حق و صداقت کی آفاقی دعوت کا نام امام احمد رضا ہے، جس کی عظمت کا اعتراف سب کو ہے، اس عالمی مسلم شخصیت کا نام امام احمد رضا ہے، آج کے دور میں صراط مستقیم کا نام امام احمد رضا ہے۔

سیمینار میں انتظامیہ کے جذبۂ سرفروشانہ کو دیکھ کر مسرت ہوئی، خاص طور سے مولانا احمد رضا صاحب کا رول کافی اہم اور مجاہدانہ دیکھا، اتر دیناج پور کے گاؤں میں اور دیہات میں اتنا اچھا انتظام اور اتنا کامیاب پروگرام میں نے پہلی بار دیکھا ہے، اتر دیناج پور کے علما کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے، ان لوگوں نے یہ ثابت کر دیا کہ

وہ پابند قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے — بنا لیتا ہے موج خون دل سے اک چمن اپنا

مولا تعالیٰ علمائے اہل سنت کو عروج و ترقی عطا فرمائے اور عظمتوں کے قطب مینار تک پہنچائے۔ آمین بجاہ حبیبہ المرسلین، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی

رکن المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

۲۹، ۳۰؍ دسمبر ۲۰۱۸ء بمقام دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات اتردیناج پور بنگال میں ایک سیمینار اور دو روزہ امام احمد رضا نیشنل کانفرنس کا انعقاد ہوا، اس اہم اور یادگار سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد علمائے اہل سنت اتردیناج پور کی طرف سے ہوا۔ دو روزہ کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کا موقع نہیں ملا، لیکن ۳۰؍ دسمبر کو دن میں صبح نو بجے سے ڈھائی بجے جو امام احمد رضا سیمینار منعقد ہوا اس میں شرکت کی سعادت ملی، کافی تعداد میں مندوبین اور سامعین موجود تھے، جن میں اکثر علما تھے، بعض علما تو دور دراز سے تشریف لائے تھے، میں نے کسی سے سیمینار میں اتنے علما کو نہیں دیکھا، دوسری خاص بات یہ کہ اکثر بلکہ سبھی مندوبین نے اپنے اپنے مقالات کی تلخیص پیش کی اور دو یا ڈھائی بجے یہ سیمینار اختتام پذیر ہوا۔

اس سیمینار کے انعقاد میں مولانا ساجد رضا مصباحی پیش پیش تھے، دیگر مقامی حضرات نے بھی ساتھ دیا اور شریک کار رہے، حتیٰ کہ پورے اتردیناج پور کے علما نے ذاتی طور سے بھی اس تقریب کے لیے اپنا مالی تعاون پیش کیا جو ایک اچھی مثال ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اتردیناج پور کے علمائے اہل سنت بالخصوص نوجوان علما میں بڑی بیداری ہے اور آئندہ بھی وہ لوگ تذکرۂ علمائے اہل سنت اتردیناج پور کی تیاری اور اس کے لیے کوشاں ہیں اور تعاون کے لیے مستعد، یہ تحریک بھی ایک بہت ہی اچھی تحریک ہے، جس سے گزشتہ اور موجودہ علمائے اہل سنت کے تذکرے منضبط ہو جائیں گے، ان کے کارناموں سے دنیا واقف ہو جائے گی اور دوسرے علاقوں کے لیے یہ تحریک نمونہ بھی ہوگی۔ میری تنظیم کے افراد سے گزارش ہے کہ اس تذکرے میں پورے بنگال کو شامل کیا جائے، چاہے اس کی دو یا تین جلدیں کیوں نہ ہو جائیں۔ اس کام کے لیے **آئینۂ ہند اکیڈمی اتردیناج پور** کے نام سے اشاعتی اور تصنیفی ادارے کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے۔

بالعموم کانفرنسیں صرف نشستن و برخاستن تک محدود رہ جاتی ہیں، لیکن خوشی کی بات ہے کہ اس امام احمد رضا نیشنل کانفرنس کے بطن سے تذکرۂ علمائے اہل سنت اتردیناج پور کا جو کام ہو رہا ہے وہ گویا کہ کانفرنس کا بہت بڑا فائدہ ہے، امید کہ یہ سورج جلد اپنی روشنی بکھیرے گا۔

ایک اور خوشی کی بات یہ ہے کہ عاشقان مصطفی کے نام سے ایک تنظیم ایسی بھی ہے جس کے تحت سہ ماہی پیغام مصطفی اتردیناج پور کا اجرا عمل میں آچکا ہے، اس کے ۳؍ شمارے بھی منظر عام پر آچکے ہیں، اس کے مدیر اعلی مولانا ساجد رضا مصباحی ہیں جب کہ پورے درجن بھر ان کے رفقائے کار ہیں جو اس بار کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس رسالے کے اجرا پر مولانا محمد ساجد رضا مصباحی اور ان کے رفقا کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، یہ کام بڑے دل گردے کا ہے، بڑی جاں کاہی، جفاکشی اور دل جمعی سے کرنے کا کام ہے۔ خدائے تعالیٰ جملہ کارپردازان رسالہ کو استقامت عطا فرمائے، بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ وصحبہ الصلاۃ والتسلیم۔

شفیق ملت حضرت مفتی شفیق احمد شریفی

بانی دارالعلوم افضل المدارس و قاضی شہر الہ آباد

علمائے اہل سنت اتر دیناج پور بنگال کے زیر اہتمام جشن صد سالہ کے موقع پر امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا کامیاب انعقاد اور ہزاروں علما و مشائخ اور عوام اہل سنت کی شرکت نے ایوانِ باطل میں زلزلہ پیدا کر دیا ہے، ہر صوبے سے ائمۂ مساجد و نظمائے مدارس اور روسائے تنظیم کی آمد سے اتحاد سنیت اور اسلام مخالف طاقتوں کے سدباب کے لیے جس متحدہ عملی اقدام کی ضرورت ہے اس کا ایک نمونہ علمائے بنگال نے پیش کر دیا۔ یہ کانفرنس اپنی امتیازی نوعیت اور انفرادی حیثیت سے دوسرے صوبوں کے علمائے اہل سنت کے لیے ایک مشعل راہ تھی، اس کانفرنس کے انعقاد سے جہاں ایوان باطل کی عام شاہ راہوں، گلی کوچوں تک اتحاد سنیت کی دھمک محسوس کی جانے لگی وہیں مختلف صوبوں سے آئے نمائندوں نے امتِ مسلمہ کو متحد کر کے ترویج مسلک اعلی حضرت کی انقلابی سرگرمیوں کے لیے ایک مثال بھی علمائے بنگال نے پیش کر دیا ہے۔

افضل المدارس کے وائس پرنسپل مولانا احمد رضا افضلی نے شہر الہ آباد میں بھی کانفرنس کے لیے محنت کی، مولا تعالی آپ تمام شرکا کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مالامال فرمائے۔

حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی

استاذ: دارالعلوم غریب نواز الہ آباد یوپی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ چودھویں صدی کی اس فقید المثال شخصیت کا نام ہے جو پچاس سے زائد علوم و فنون پر مہارت تامہ رکھتی تھی، جس پر ان کی سیکڑوں تصنیفات شاہد عدل ہیں۔ ان کا اردو ترجمۂ قرآن بنام ”کنز الایمان“ وہ ترجمہ ہے جس میں شان الوہیت اور شان رسالت کا شایان شان لحاظ کیا گیا ہے، اردو فارسی عبارات کے ترجموں کے ساتھ ۳۰؍ جلدوں میں شائع ان کے فتاوے کا مجموعہ ”فتاویٰ رضویہ“ ان کی فقہی بصیرت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ ”جد الممتار“ کے نام سے موسوم ”ردالمحتار“ کا حاشیہ فقہ حنفی میں ان کی دقتِ نظر کا آئینہ دار ہے۔ مختلف مکاتب فکر سے جڑے ہوئے عرب و عجم کے نامور ارباب علم و دانش نے ان کے تبحر علمی کا لوہا مانا ہے، اپنے عہد میں انہوں نے مذہبی سماجی سیاسی اور معاشی ہر سطح پر قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے، اس بے مثال شخصیت کے وصال کو ۱۴۴۰ھ میں سو سال پورے ہو چکے ہیں، اس مناسبت سے پورے ملک میں ان کے احسانات تلے دبی ہوئی قوم، ان کے خدمات اور کارناموں سے عامۃ المسلمین کو

روشناس کرانے کے لیے جابجا صد سالہ جشن کا اہتمام کر رہی ہے، اسی سلسلے کی ایک قابل قدر کڑی ۲۹، ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو علماے اہل سنت اتر دیناج پور مغربی بنگال کے زیر اہتمام دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور بنگال کے احاطے میں منعقد امام احمد رضا نیشنل سیمینار اور دو روزہ امام احمد رضا کانفرنس بھی ہے۔

عموماً سیمینار کا انعقاد کسی جامعہ، دانش گاہ یا کسی تحقیقی ادارے میں ہوتا ہے، اس روایت کو توڑتے ہوئے علماے اہل سنت اتر دیناج پور مغربی بنگال نے امام احمد رضا نیشنل سیمینار کا انعقاد ایک دور دراز گاؤں کونہ ونوری نگر کمات میں کیا، جن بزرگوں کو اس بات کا خدشہ تھا کہ ایسا دیہات جہاں لوگ ڈھنگ کی سنجیدہ تقریریں سننے میں دل چسپی نہیں لیتے وہاں اس سیمینار میں لوگ کیا دل چسپی لیں گے، مگر ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کی صبح جب اپنی جماعت کی نام آور شخصیت اور قلم کار حضرت مولانا عبد المبین نعمانی صاحب قبلہ کی صدارت اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کے تفقہ پر پٹنہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے والے معروف خطیب ڈاکٹر حسن رضا صاحب قبلہ کی موجودگی میں سیمینار کا آغاز ہوا اور مختلف عناوین پر تقریباً سو مقالات کی آمد ہوگئی، عوام کے ساتھ تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں علما اور دانشور اکٹھا ہو گئے اور کچھ منتخب تحقیقی مقالات کے اقتباسات گھنٹوں پڑھ کر سنائے گئے، سنجیدہ تقریریں بھی ہوئیں اور پوری توجہ کے ساتھ مجمع ہمہ تن گوش رہا تو سب کی زبان سے علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے اراکین کے لیے دعائیں نکلنے لگیں۔

۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کی شب میں منعقد امام احمد رضا کانفرنس میں بھی ہزاروں سامعین نے شرکت کی۔ ایک گاؤں میں اتنے شان دار اور کام یاب پروگرام کرنے پر تمام ارکان عموماً اور حضرت مولانا احمد رضا صاحب رضوی، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی، خصوصاً مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ رب العزت اس علاقے کے تمام علماے کرام کو صحت و سلامتی کے ساتھ شاد و آباد رکھے اور مزید دینی و جماعتی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحی صاحب

استاذ و مفتی جامعہ امجدیہ گھوسی مئو یوپی

۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کا وہ پر کیف دن آج بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہو پاتا اور شاید کبھی اوجھل نہ ہو، جس میں علماے اہل سنت اتر دیناج پور کی جانب سے عالم اسلام کی معروف و مستند شخصیت آیۃ من آیات اللہ، معجزۃ من معجزات سید المرسلین مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت اور حیات و خدمات کے مختلف و متنوع پہلوؤں پر منعقدہ ایک روزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ شرکا و مندوبین میں علما کی کثرت اور کونہ و نوری نگر کمات جیسے کوردہ دیہات میں ایک خالص علمی سیمینار کی غیر معمولی کامیابی پر مجھے سخت حیرت بھی ہوئی، کیوں کہ یہ علاقے

خالص جلسوں اور کانفرنسوں کے ہیں۔ علماے اہل سنت اتر دیناج پور کی محنتوں اور کاوشوں نے اس اعرابی روایت کو ایک ایسے خوب صورت علمی و مذہبی ماحول میں تبدیل کیا ہے کہ اہل علم ششدر رہ گئے اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سب نے علاقے کے علما کو ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ علماے بنگال کے اخلاص اور خدمت و اخلاق نے بھی نہ صرف ہمیں بلکہ تمام مندوبین کو بڑا متاثر کیا۔ توقع سے زیادہ سیمینار کی کامیابی سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ مستقبل میں بھی یہ جواں سال علما، علمی و فکری میدان میں اپنا قدم آگے بڑھاتے رہیں گے اس جذبہ کے ساتھ کہ:

ہاتھ پر ہاتھ دھرے شکوۂ قسمت کیسا
ضرب مرداں سے اگل دیتا ہے پتھر پانی

از اول تا آخر سیمینار کے ناظرین و سامعین کا محویت کے ساتھ تمام پروگرام کو سننا اور دیکھنا خصوصًا جب کہ موضوعات بھی خشک ہوں اور خالص علمی ہوں خوش آئند بات ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے گوشہاے علمیہ میں علم کلام، مسئلۂ تکفیر میں احتیاط، جرح و تعدیل، اصول نقد اور معاشیات جیسے اہم موضوعات پر مقالہ نگاروں کے مقالوں کو غور سے سننے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اب اس دور میں بنگال کا یہ علاقہ بڑی تیزی کے ساتھ کاروان علم فن میں شامل ہو رہا ہے۔ سہ ماہی پیغام مصطفی کا اجرا بھی علمی و ادبی افکار و رجحانات کی خوش آئند علامت ہے۔

مولیٰ تعالیٰ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ان علما کے حوصلوں میں بلندی و ثبات عطا فرمائے اور انہیں مزید علمی و دینی تبلیغی کارہائے نمایاں انجام دینے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی

بانی جامعۃ الزہرا للبنات، ناظر پور، راسا کھوا، اتر دیناج پور، بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   حامداً ومصلیا ومسلماً

رب قدیر نے خطۂ اتر دیناج پور کو وہ جلیل و جمیل تمغہ ارزانی فرمایا ہے کہ یہ مردم خیز سرزمین بے شمار عبقری شخصیات اور کثیر ارباب علم و دانش اور صاحبان فکر و قلم سے شاد و آباد ہے۔ ماضی کی یہ نسبت حال کے احوال و کوائف از حد خوش آیند ہیں۔ برسوں سے اس فقیر کے ذہن و دماغ میں یہ خیال انگڑائی لے رہا تھا کہ یہ خطہ بھی دین متین کی امتیازی خدمات انجام دینے والے بلاد و امصار کی فہرست میں شمار ہو جائے، کچھ کوششیں بھی ہوتیں مگر حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہونا پڑتا اور حیات نو کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے سے رہ جاتا۔ بقول امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حسرت نو کا سانحہ سنتے ہی دل بگڑ گیا   ایسے مریض کو رضاؔ مرگ جواں سنائی کیوں

مگر آج جواں سال علما میں دین کے تئیں درد و کرب، عشق و وارفتگی، جذبات اور ولولوں کے دلکش و دل ربا مناظر دیکھ کر کیف و سرور اور فرحت و انبساط کا سماں بندھ جاتا ہے۔ لیکن اس زریں اور مہتم بالشان کام کی تاخیر سے ہونے والے خساروں سے افسردگی اور کبیدگی کا پژمردہ ماحول پیدا ہو جاتا ہے؛ مگر یہ اضطراب بھی باعث خیر اور خوش آیند ہے، میرے قلبی واردات کو نظم کا جامہ پہنایا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے۔

یاد حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم — خوب ہیں قید غم میں ہم، کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

امام احمد رضا نیشنل سیمینار، اس کے نظم و نسق اور کامیابی و کامرانی سے دیرپا اور دور رس اثرات محسوس کیے گئے ہیں، سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کا اجرا، تذکرۂ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کی ترتیب اور فرزندان دیناج پور کی انفرادی طور پر تصنیفی و تحقیقی خدمات قابل صد رشک ہیں۔

دست بدعا ہوں کہ رب قدیر ان اکابر و اصاغر علما کی علمی، فقہی، قلمی و لسانی صلاحیتوں میں روز فزوں کرے اور اوج ثریا کی طرح عروج و ارتقا کی دولت ارزانی فرمائے، آمین بجاہ قائد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت مفتی محمد شعیب عالم قادری نعیمی

شیخ الحدیث یادگار حبیب الہ آباد، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ...... نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

یہ جان کر بے حد مسرت و شادمانی ہوئی کہ ۲۹/ اور ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو دار العلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات میں جو عظیم الشان سیمینار بنام **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار"** منعقد ہوا تھا، اس مناسبت سے لکھے گئے مقالات کا مجموعہ **"عرفان امام احمد رضا"** کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آرہا ہے، دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اس عظیم کارنامہ کو قبول عام و تام عطا فرمائے۔

اس دور پر فتن میں دینی کام انجام دینا مشکل ہوتا جا رہا ہے، مگر خوش آیند بات یہ ہے کہ اس ناسازگار ماحول میں بھی ہمارے علما اپنے منصبی فرائض سے غافل نہیں ہیں اور اپنی تصنیفات و خطابات سے ہمہ وقت قوم مسلم کی رہنمائی فرماتے رہتے ہیں، ایسے ہی مخلص اور دینی درد رکھنے والے علما میں ہمارے اتر دیناج کے ان جواں سال علما کے نام بھی بڑے جلی حروف میں لکھے جانے کے لائق ہیں جنھوں نے اتر دیناج پور کے ایک کوردہ گاؤں میں **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار"** منعقد کر کے جہاں اتر دیناج پور کا نام روشن کیا ہے وہیں مسلک اعلیٰ حضرت کو مزید فروغ و استحکام بخشا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سچی عقیدت اور والہانہ محبت کا بین ثبوت ہے۔ ان جواں سال علمائے کرام کی پیہم کوشش، مخلصانہ جدو جہد یقیناً اس لائق ہے کہ انہیں مبارک بادی دی جائے اور ہر طرح سے تعاون کر کے ان کے دست و بازو مضبوط کیے جائیں۔

ملک کے مقتدر علمائے کرام اور خصوصاً اتر دیناج پور کے عظیم علما و دانشواران نے اس سیمینار کے لیے مقالے لکھے ،کچھ علما کو اپنے مقالے کی تلخیص پیش کرنے کا موقع بھی فراہم ہوا، راقم الحروف کو چند مقالوں پر طائرانہ نظر ڈالنے کا موقع میسر آیا، پڑھ کر بے پناہ خوشی ہوئی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان علمائے کرام کے حوصلوں میں بلندی وثبات عطا کرے اور ان کی علمی کاوشوں کو قبول فرما کر اجر جزیل عطا فرمائے، مزید ملی و جماعتی خدمات خصوصاً مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت مفتی احمد حسین نوری رضوی

شیخ الحدیث وصدر مفتی الجامعۃ المدینہ، رضانگر کھیکر بستی مجھ یا، کشن گنج بہار

باسمہ وحمدہ تعالیٰ وتقدس

عزیزم محمد انور عالم مصباحی سلمہ کے ذریعہ یہ خبر سن کر قلبی مسرت ہوئی کہ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات میں منعقد تاریخ ساز **امام احمد رضا نیشنل سیمینار** میں پیش کیے گئے علمی و تحقیقی مقالات کا خوبصورت مجموعہ بنام **"عرفان امام احمد رضا"** شائع ہونے جا رہا ہے۔اس اہم اور نیک کام کی تکمیل پر ماہر علم وفن عزیز گرامی قدر مفتی محمد ساجد رضا مصباحی زید اقبالہ اور ان کے جملہ رفقا و معاونین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ اپنے حبیب اکرم کے طفیل اس تاریخی و تحقیقی کام کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کے مرتبین ومعاونین کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔آمین۔

گذشتہ چند سالوں سے ہمارے اتر دیناج پور کے علمائے کرام کے اندر درس وتدریس اور تقریر کے ساتھ تحریر کی طرف بھی اچھی دلچسپی دکھائی دے رہی ہے۔ ان کی عمدہ تحریری کاوشیں دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید قلمی توانائی عطا کرے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور کی اشاعت بھی ہے ۔ میری دیرینہ تمنا تھی کہ ہمارے اتر دیناج پور سے بھی کوئی ایسا معیاری رسالہ نکلے کہ جس سے تعلیمات اسلامیہ وعقائد شرعیہ کی نشر واشاعت، معاشرہ میں پھیلی ہوئی غلط رسوم ورواج کی اصلاح ،مسلک ومذہب سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ،اتر دیناج پور کا علمی ودینی اور ثقافتی نمائندہ اور مسلک اعلیٰ حضرت کا سچا ترجمان ہو۔خیر "دیر آید درست آید"

الحمدللہ ! اتر دیناج پور کے جفاکش نوجوان علما اور اصحاب فکر وقلم نے میری اس آرزو کو پوری کر دیا اور بہت ہی قلیل مدت میں سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور کو کامیابی وکامرانی کی اعلیٰ منزل تک پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو تمام تر رعنائیوں کے

ساتھ قائم و دائم رکھے۔ رسالۂ مذکورہ کے تمام شمارے میرے زیر مطالعہ آئے، ہر ایک کو میں نے اعلی و تحقیقی اور اصلاحی و ادبی اعتبار سے معیاری اور صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ پایا۔

رضا صدی کے حسین موقع پر ہمارے علاقے کے متحرک علماے کرام نے دارالعلوم فیض عام کونہ نوری نگر کمات میں امام احمد رضا نیشنل سیمینار منعقد کر کے اور پیش کیے گئے مستند علما و مشایخ کے گراں قدر مقالات کو کتابی شکل میں مرتب کر کے پورے بنگال کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ فالحمد للہ علی ذٰلك۔

بلا شبہہ امام اہل سنت مجدد اعظم احمد رضا قدس سرہ کی عبقری شخصیت کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کی تحقیقی و تجدیدی خدمات اور اصلاحی و دینی کارناموں کا اعتراف اپنوں کے علاوہ اغیار نے بھی کیا ہے۔ لیکن اس دور کی نئی نسل میں ان کے اصلاحی پیغامات و دینی نظریات، رد بدعات و منکرات، ان کی صوفیانہ و مصلحانہ زندگی اور شریعت و دین میں ان کی احتیاط کا تعارف و تذکرہ اپنوں کے علاوہ اغیار میں ہونا ابھی بہت حد تک باقی ہے۔ امید ہے کہ ان چیزوں کی طرف بھی توجہ دی جائے گی۔ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کے مدیر اعلیٰ و اراکین اور اتر دیناج پور کے علماے کرام کی محنت و کاوش، جہد مسلسل، دلی لگن اور خلوص و للّٰہیت سے اس مجموعۂ مقالات کا منظر عام پر آنا یقینا ایک تاریخی کام اور بنیادی ضرورت کی تکمیل ہے۔ امید واثق ہے کہ کتاب **"عرفان امام احمد رضا"** اپنے متنوع عناوین اور ممتاز خصوصیات کے اعتبار سے اہل سنت کا قیمتی اثاثہ ہونے کے ساتھ ساتھ آنے والی نسلوں کے لیے بھی مشعل راہ و مینارۂ نور ثابت ہوگی اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و تقویت میں معاون ہوگی۔

میں دعا گو ہوں کہ اس کتاب کی ترتیب و تزئین اور اشاعت میں حصہ لینے والوں کو دارین میں کامیابی عطا کرے۔ اس اہم کام کے محرک ماہر علم و ادب مفتی محمد ساجد رضا مصباحی سلمہ القوی اور ان کے رفقا و معاونین کے علم و عمل، رزق و عمر اور قلم میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کی قربانیاں و مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر انھیں بہترین صلہ و جزا عطا فرمائے، مزید اس طرح کی دینی و ملی خدمات کی توفیق بخشے اور اس مبارک کتاب کو عوام و خواص میں مقبول عام فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ خاتم المرسلین علیہ وعلیہم وعلی آلیہ وصحبہ التحیۃ والتسلیم۔

حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ صاحب

قاضی مرکزی دار القضا ادارۂ شرعیہ پٹنہ بہار

"صدی تقریبات" کے حوالہ سے آپ حضرات کا منعقدہ "امام احمد رضا نیشنل سیمینار" بہت کامیاب اور اثر انداز رہا۔ مندوبین سے لے کر سامعین تک کی تعداد علما پر مشتمل تھی جس سے یہ سمینار واقعی بہت اہم، کامیاب اور تاریخ ساز رہا۔ میں اس کی کامیابی پر آپ کو مولانا احمد رضا صاحب کو اور دیگر رفقاے کار کو تہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

خدا کرے جلد سیمینار کے مقالات شائع ہو کر منظر عام پہ آجائیں تاکہ ہمیں اس سے استفادہ کا موقع مل سکے۔آپ سب کے لیے دعاؤں کے ساتھ اپنے لیے طالب دعا ہوں۔اللہ تعالیٰ سبھوں کو سلامت باکرامت رکھے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے افکار و نظریات کا تابع و ترجمان بنا کر رکھے۔آمین۔

حضرت مولانا ڈاکٹر سجاد عالم رضوی مصباحی

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ تاریخ پریسڈنسی یونی ورسٹی، کولکاتا

علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام دارالعلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات، ضلع اتر دیناج پور میں منعقد امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں ۲۹/ ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کی تاریخوں میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس سیمینار و کانفرنس کا انعقاد اعلی حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس صد سالہ کی صدی تقریبات کی مناسبت سے ہوا۔امام احمد رضا قادری اپنے دور میں ایک معروف و مشہور اور تہ دار شخصیت کے حامل تھے۔علم و عمل کے میدان میں انفرادیت رکھتے تھے۔آپ ایک باعمل عالم، مخلص داعی، عظیم مفکر اور بلند پایہ فقیہ تھے۔آج بھی فکر و فن، علم و ادب، شعر و سخن کے میدانوں میں آپ کے تحقیقی جواہر پارے اہل علم سے داد تحسین پا رہے ہیں۔دین و مذہب، قرآن و حدیث، فقہ و شریعت، اخلاق و تصوف، منطق و فلسفہ، تاریخ و سیرت اور معاشرت و سیاست میں آپ کی فکر و تحقیق کے تابندہ نقوش ملتے ہیں۔

سیمینار میں ارباب فکر و قلم اور اہل علم و دانش نے امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات و خدمات اور افکار و خیالات کے متعدّد گوشوں پر گراں قدر مقالات پیش کیے۔اس سیمینار کی ایک خصوصیت یہ رہی کہ اس میں مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی [چریاکوٹ]، مولانا ڈاکٹر حسن رضا خان [پٹنہ]، مفتی آل مصطفی مصباحی [جامعہ امجدیہ، گھوسی]، مولانا مجاہد حسین [الہ آباد] اور ڈاکٹر امجد رضا امجد [پٹنہ]، مفتی عبدالغفور صاحب [اتر دیناج پور]، مفتی ذوالفقار رشیدی مصباحی [اتر دیناج پور] جیسے تجربہ کار اکابر علماے کرام کی نگرانی اور سرپرستی میں نوجوان علما کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی اور اپنے قیمتی مقالات پیش کیے۔اس طرح سے نوجوان علما کو تحریر و تحقیق کے میدان میں تربیت بھی ملی۔

سیمینار میں شریک ہونے والے اہل علم و دانش نے اعلی حضرت امام احمد رضا خان قادری کی تحریروں میں شرعی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی مسائل کی توضیح و تشریح کے لیے رہنما اصول و نقوش کو دریافت کرنے کی اور اعلی حضرت امام احمد رضا خان قادری کی فکری و علمی تحقیقات اور تعلیمات و ارشادات کو تحقیقی منہج پر اور مختلف زبانوں میں عام کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔اس کے علاوہ سیمینار کے شرکا نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں جامع منصوبہ بندی اور منظم انداز سے کام کرنے کی اہمیت پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس سیمینار میں شرکت کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے انتظام و انصرام میں علماے اہل سنت اتر دیناج پور نے بھرپور حصہ لیا اور اس سلسلے میں بنیادی طور انہوں نے مالی تعاون بھی پیش کیا۔ اس سیمینار کے انعقاد نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اگر علماے کرام پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کام کریں اور اتحاد اور ہم آہنگی کا مظاہرہ کریں تو وہ معاشرہ میں صالح اور صحت مند انقلاب لا سکتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالی سے دعا ہے کہ ہم سب کو خلوص و للّٰہیت کے ساتھ دعوتی اور اصلاحی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اخیر میں تمام علماے اہل سنت، اتر دیناج پور اور مقامی انتظامیہ کے جملہ افراد، بالخصوص مفتی ساجد رضا مصباحی، مولانا احمد رضا قادری، مولانا سبحان رضا مصباحی، مولانا مظفر حسین رضوی، مولانا شکیل انور مصباحی وغیرہم کو اس کامیاب سیمینار کے انعقاد پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اور حسن انتظام و انصرام اور مہمان علماے کرام اور دانشوروں کی شایان شان مہمان نوازی کے لیے ان تمام حضرات کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک و تعالی ان سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ ان سے مزید خدمت دین کا کام لے اور ان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰت و اکرم التسلیم.

حضرت مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی

صدر المدرسین دار العلوم عربیہ اہل سنت منظر اسلام، التفات گنج، امبیڈکر نگر

اسلام پور سے شاہ پور، شاہِ اسلام ﷺ کے صدقے ہم بسلامت پہنچے، ہمراہی حضرت مفتی کمال الدین اشرفی صاحب تھے، اپنے وجود سے سفر کی تنہائی سے بچایا اور اپنے کمالات سنا کر تحریر کی اہمیت بتایا، شاہ پور سے سیمینار گاہ کونہ ونوری نگر کمات کا فاصلہ تقریبا سات کیلو میٹر تھا، تھوڑی ہی دیر میں ایک آرام دہ گاڑی آئی، سوار ہوتے ہی گاڑی رینگنے لگی، پھر چل پڑی، استقبال میں آئے میزبانوں نے کرم کیا، اپنا تعارف کرایا، کولکاتا ہائی کورٹ کے کوئی وکیل صاحب تھے، جو اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے ہمیں لینے آئے تھے، راہ چلتے یقین ہو گیا؛ مجدد دین و سنت، اعلیٰ حضرت، امام عشق و محبت، امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے عشق کی زنجیر میں علما و کلا اور عقلا سبھی کو سمیٹ رکھا ہے۔

کونہ نوری نگر کمات شہر ہے اور نہ شہر نما، دیہی علاقہ ہے، کسانوں کی بستیاں ہیں، خالی پڑی زمینیں ہیں، لہلہاتی کھیتیاں ہیں، سورج روپوش ہوتے ہم یہاں پہنچے، رات کا سماں دن سے کم نہ تھا، ہر طرف برقی قندیلیں، قمقمے، جھالر روشن تھے، پانی کے فواروں میں کیوڑہ گلاب کی آمیزش نے پوری فضا کو معطر بنا دیا تھا، ہر طرف بہار کا موسم تھا، تقریبا پچاس بیگہ زمین پر پھیلا پنڈال تھا، دسمبر کا مہینہ فصل کے لحاظ سے ربیع کا موسم، کسانوں کے کام کاج کا موسم، اس موسم میں گیہوں، چنا، رائی، سرسوں اور دیگر ربیع کی فصلیں لگائی جاتی ہیں، یہاں کی زمینیں ان فصلوں کے لیے زرخیز ہیں، لیکن سیمینار گاہ کے آس پاس

زمینیں خالی تھیں، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ کسانوں نے اپنی زمینیں امام عشق و محبت علیہ الرحمۃ کے نام پر چھوڑ رکھی ہیں، ان کا یقین ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے نام کانفرنس ہوگی، سیمینار ہوگا، علما و مشائخ آئیں گے، ان کے قدموں کی برکتیں ملیں گی، پہلے سے زیادہ فصلیں اگیں گی، ہم نے بھی باور کر لیا، امام عشق و محبت کا یہی مقام ہے، شہری ہو کہ دیہاتی سبھی آپ پر قربان ہیں۔

مہمان علما و مشائخ سے جوں جوں ملاقاتیں ہوتی رہیں، ہمارے دل میں میزبان علمائے کرام کا وقار بڑھتا چلا گیا، خالص دیہی علاقہ، نوع بنوع دانش گاہوں کے اہل علم کا اجتماع، مدارس اسلامیہ کے اہالیانِ جبہ و دستار، عصری دانش کدوں کے لکچررز و پروفیسران، میڈیا کے رپوٹرس و عہدیداران، فلاحی، سماجی اور سیاسی اہل کاران مختصر یہ کہ ہر شعبۂ حیات کے لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس طرح علمائے اتر دیناج پور نے ایک ہی پلیٹ فارم سے مختلف شعبوں میں اعلیٰ حضرت امام عشق و محبت علیہ الرحمہ کا تعارف کرایا، ان کے نام کا چرچا کیا، اور ہر گوش و ہوش تک ان کا نام پہنچایا۔

اتر دیناج پور بنگال کی عوام امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے نام سے واقف ہیں، ان کے نام کے نعروں سے یہاں کی محفلیں گرم رہتی ہیں، یہاں کے مدارس اسلامیہ ان ہی کا لکھا ہوا مشہور سلام "مصطفیٰ جانِ رحمت" سے کھلتے ہیں، اس علاقے میں مقررین و شعرا حضرات کے لیے ان کا نام حرارت و جوش ایمانی پیدا کرنے کا ہتھیار ہے۔ زور دے کر ایک بار امام عشق و محبت کا نام لے لیا، شعرا مالا مال ہو گئے اور خطبا نہال ہو گئے، مگر عوام ان کی تعلیمات سے ناآشنا ہیں، ان کی خدمات سے غافل ہیں۔ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس نے عوام اہل سنت ان کی خدمات و تعلیمات سے آگاہ کیا، بڑا کام کیا، نیک نام کمایا۔

ضلع اتر دیناج پور سے میرا تعلق ہے، ہم اپنی معلومات کی حد تک یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس ضلع میں ہر گھر نہ سہی ہر گاؤں میں درجنوں علما ہیں، ہر عالم اپنی بساط کے مطابق مذہب و مسلک کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہمیں یہ کہنے میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ ان علما میں انفرادیت ہے، اجتماعیت کا فقدان ہے، ان کی کوئی مرکزی تنظیم نہیں ہے، کوئی مرکزی ادارہ نہیں ہے، "امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس" نے سیکڑوں علما کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا ہے۔ اس اجتماعیت کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے دس نکاتی پروگرام ہیں، ان میں سے کسی پروگرام سے کام کی شروعات کر کے تسلسل برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔ علامہ مفتی ساجد رضا مصباحی اور ان کے رفقائے کار سے ہم یہی امید رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

صدر دار الافتاو شیخ الحدیث ادارۂ شرعیہ رائے بریلی

فقیہ اسلام، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ کے جشن صد سالہ کی تقریبات عالم اسلام میں نہایت ہی دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوئیں، ان تمام تقریبات میں ایک اہم تقریب

علماے اہل سنت اتردیناج پور کے زیر اہتمام دارالعلوم فیض عام کونہ نوری نگر کمات علاقہ چکلیہ اتردیناج پور میں منعقدہ دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس بھی ہے جو صرف اتردیناج پور کی سرزمین میں ہی نہیں بلکہ ریاست بنگال کی تاریخ کے زریں صفحات میں ایک انمول نمونہ اور شاندار ریکارڈ قائم کیا ہے، بنگال کی سرزمین پر اس طرح کا اجلاس نہ صرف قابل ستائش ہے بلکہ اس کی خوبیاں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

میری معلومات کے مطابق ضلع اتردیناج پور میں اس نوعیت کا یہ پہلا اجلاس تھا جو روایتی جلسوں سے ہٹ کر بالکل منفرد اور جداگانہ تھا۔ جس کی نظیر حال اور ماضی قریب میں نہیں ملتی۔ اس اجلاس کی قیادت و نمائندگی از اول تا آخر اور اس کی پوری تیاری کی ذمہ داری عوام کی بجاے علما، فضلا، حفاظ اور مفتیان کرام کے ہاتھوں میں تھی یہی حضرات منتظمین بھی تھے اور میزبانی کرتے نظر آرہے تھے، معاونین میں نہ صرف یہ کہ اہل خیر حضرات تھے بلکہ علماے اہل سنت کی حصہ داری بھی کافی تعداد میں تھی۔ علماے کرام نے اس اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے نہ صرف اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا تھا بلکہ حسب استطاعت لاکھوں میں مالی تعاون پیش کیا تھا، سیمینار و کانفرنس کی اطلاع اخبار و رسائل اور سوشل میڈیا کے توسط سے ملک کے کونے کونے تک پہنچائی گئی تھی اور تقریباً نصف سال سے اس کی تیاریاں چل رہی تھیں، علماے اتردیناج پور جو ملک کے مختلف خطوں میں دینی خدمات میں مصروف ہیں ان سے رابطہ کر کے ایک مضبوط نیٹ ورک اور پلیٹ فارم تیار کیا گیا تھا۔

راقم الحروف بھی بحیثیت مقالہ نگار مدعو تھا اور مقررہ تاریخ میں مقالہ خوانی کی غرض سے حاضر ہوا، سیمینار و کانفرنس کے تمام مندوبین اور شرکا موجود تھے جن میں ایسی ایسی شخصیتیں جلوہ بار تھیں جو فقہ و تحقیق، درس تدریس، قرطاس و قلم اور افق خطابت میں اہم شناخت اور انفرادی حیثیت کے مالک ہیں، اتنے سارے ماہرین علوم و فنون اور عظیم شخصیات کو ایک ساتھ جمع کر لینا بھی کتنا مشکل اور دشوار گزار ہوتا ہے اس کا صحیح اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنہیں اس طرح کا سابقہ پڑتا ہے۔

حسنِ انتظام اور عمدہ نظم و نسق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور سامعین کا امنڈتا ہوا سیلاب دیکھ کر حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی، عوام اہل سنت کے ساتھ علاقہ کے معزز علماے کرام، مفتیان عظام، اصحاب فکر و قلم اس قدر کثیر تعداد میں شریک ہوئے کہ دیکھ کر ایسا محسوس رہا تھا کہ یہ کوئی جلسہ گاہ اور سیمینار کی مجلس نہیں بلکہ شہر علم و عرفاں ہے۔ اس قدر علما، فضلا اور ارباب علم و دانش کی موجودگی جلسوں اور کانفرنسوں میں ریاست بنگال میں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

اس موقع پر تصنیفی و اشاعتی ادارہ ''آئینۂ ہند اکیڈمی اتردیناج پور'' کے زیر اہتمام ''تذکرہ علماے اہل سنت اتردیناج پور'' کی ترتیب و تدوین سے متعلق اعلان اور اس کا خاکہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، بلا شبہہ یہ اہم کام بہت جلد کرنے کا متقاضی ہے، تذکرہ علماے بستی، تذکرہ علماے ستیامڑھی تذکرہ علماے نیپال اور اس طرح کی درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں تذکرے کی کتابیں وہاں کے علما اور اہل فکر و قلم کی مشترکہ کوششوں سے منظر عام پر آچکی ہیں مگر اتردیناج پور جو کہ ملک ہند کا ایک مردم خیز خطہ اور ریاست بنگال کا ایک مذہبی و دینی حصہ ہے اس خطہ سے تعلق رکھنے والے ہزاروں کی تعداد میں علما، فضلا، ادبا، نقبا اور اصحاب

فکر و دانش ملک کی مختلف ریاستوں میں علمی، تحقیقی، تصنیفی، تالیفی اور دینی و ملی خدمات میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں، سینکڑوں کی تعداد توان کی ہے جو داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں جن پر اب تک کوئی مستقل کام نہیں ہوا ہے ان کی دینی و ملی خدمات کے روشن و تابندہ نقوش ہمیں تاریخ کے صفحات میں محفوظ و مرقوم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، اگر منظم طریقے سے یہ کام ہو جائے تو ایک بہت بڑا قیمتی ذخیرہ اور علمی سرمایہ جمع ہو سکتا ہے۔

میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں محب گرامی نازش فکر و قلم حضرت مولانا مفتی ساجد رضا مصباحی زید مجدہ واطال اللہ عمرہ اور ان کے جمیع رفیقان گرامی کو جن کی انتھک کوششوں اور شب و روز کی جہد مسلسل سے آج اتر دیناج پور میں یہ عظیم الشان تاریخ ساز اور انقلاب آفریں اجلاس منعقد ہوا اور کامیابی کی منزل تک پہنچا، اسی کی بدولت علماے اہل سنت اتر دیناج پور کا ایک مضبوط پلیٹ فارم تیار ہوا اور تذکرۂ علماے اہل سنت اتر دیناج پور کی ترتیب و تدوین کا خاکہ تیار ہوا نیز دیگر اہم منصوبے معرض وجود میں آئے، یقیناً اگر ان سارے خطوط پر عمل ہو جائے تو مستقبل میں اتر دیناج پور میں جماعت اہل سنت کے بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

دعا گو ہوں کہ مولی تعالی علماے اہل سنت اتر دیناج پور، آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور اور دار العلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات کے جمیع اغراض و مقاصد حسنہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور ان کے سارے ارکان و معاونین کو اجر جزیل عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین۔ اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

حضرت مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی پورنوی

نوری دار الافتا سنی جامع مسجد بھیونڈی، مہاراشٹر

سب سے پہلے میں آپ اور آپ کی ٹیم کو امام احمد رضا نیشنل سیمینار منعقد کرنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کر رہا ہوں۔ سیمینار میں شرکت کے لیے آپ کی جانب سے دعوت ملی، مگر میری حرماں نصیبی کہیے کہ مقررہ وقت پر مقالہ سپرد قرطاس کرنے کے باوجود شریک سیمینار نہیں ہو سکا، مولانا عبد ضا قادری دیناج پوری کی بھیجی ہوئی آڈیو لنک سے امام احمد رضا کی مختلف الجہات شخصیت پر مندوبین کے علمی و تحقیقی مضامین اور آپ کی عمدہ اور سنجیدہ نظامت سے اپنے آپ کو محظوظ کیا، بعض احباب کی زبانی حسن انتظام و انصرام کی خبر سن کر بے پناہ خوشی بھی ہوئی، ساتھ ہی یہ سن کر مزید دلی مسرت ہوئی کہ سیمینار کے مقالات کا مجموعہ شائع ہونے جا رہا ہے۔

پچھلے دو تین دہائیوں سے اسلاف شناسی کا جو رجحان تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، یہ یقیناً امت مسلمہ کی نسل نو کے لیے خوش آئند بات ہے، آج جب کہ نئی نسل کے افراد جدید تعلیم غیر ثقافتی ماحول اور مغربی تہذیب سے متاثر ہوتے جا رہے ہے

ہیں ایسے وقت میں امت کے فرزندوں کو اپنے اسلاف و اخلاف خصوصا امام احمد رضا کی سیرت و کردار اور ان کے افکار و نظریات سے آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ بدعقیدوں کی خفیہ سازشوں سے محفوظ رہ سکیں۔

بہار و بنگال کی اس سرحد نے ہمیشہ علم و تحقیق اور مذہب و ملت کے فروغ و استحکام میں کلیدی کردار ادا کیا ہے؛ مگر کچھ دہائیوں سے یہ سلسلہ مدھم نظر آرہا تھا، آپ حضرات نے امام احمد رضا کی حیات و کارنامے پر کامیاب سیمینار منعقد کر کے اپنی قدیم روایت کی نشأۃ ثانیہ کی اور اس سرحدی علاقے کی جانب سے فرض کفایہ ادا کیا، اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کو نعمت اخروی سے مالا مال فرمائے۔

حضرت مولانا محمد شفیع اللہ رضوی

صدر المدرسین: دار العلوم غریب نواز، داہوگنج، منی پٹی، کشی نگر، یوپی

امام احمد رضا نیشنل سیمینار منعقدہ: ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کے مقالات کا گراں قدر اور ضخیم مجموعہ **"عرفان امام احمد رضا"** کے نام سے میرے سامنے ہے، ہمارے ادارے کے قابل قدر استاذ حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی زید مجدہ نے اس مجموعے کو سلیقے سے مرتب فرمایا ہے، اس مجموعۂ مقالات میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ–۱۳۴۰ھ] کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر ۶۶/ مقالات شامل ہیں، ان مقالات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے بعض نئے گوشوں پر بھی مقالات لکھوائے گئے ہیں اور ان گوشوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے، خاص طور سے امام اہل سنت کے اخلاق کریمانہ پر کئی مقالات شامل کیے گئے ہیں، عام طور پر آپ کی علمی خدمات اور فرق ضالہ کے رَدّ و ابطال کے حوالے سے مقالات لکھے اور لکھوائے جاتے ہیں، لیکن ذاتی اوصاف و خصائل سے صَرفِ نظر کر لیا جاتا ہے، اس مجموعۂ مقالات میں اس روش سے ہٹ کر امام اہل سنت کے اخلاقی پہلوؤں پر بھی توجہ دی گئی ہے۔

میں اس ضخیم مجموعۂ مقالات کی اشاعت پر حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی استاذ: دار العلوم غریب نواز داہوگنج، کشی نگر اور ان کے جملہ رفقاے کار کو دِلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ رب ذوالجلال اس کوشش کو قبول فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا غلام جیلانی مصباحی مظفرپوری

استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف اوریا یوپی

عالم اسلام کی عبقری شخصیت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی یاد میں رضا صدی تقریبات کا سلسلہ جاری ہے، اس سلسلے کی ایک اہم کڑی اتر دیناج پور بنگال میں منعقد ہونے والا امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس بھی ہے۔ اس کانفرنس و سیمینار کا انعقاد اتر دیناج پور کے ایک مردم خیز گاؤں کونہ و نوری نگر کمات میں [جو کشن گنج ریلوے اسٹیشن سے

تقریباً ۱۶؍ کیلو میٹر کے فاصلے پر مشرق اور جنوب میں واقع ہے]۲۹، ۳۰؍ دسمبر ۲۰۱۸ء کو بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر ہوا۔

اتر دیناج پور کے نوجوان عالم دین اور محقق و مصنف حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی کی قیادت اور علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے تعاون و اشتراک سے منعقد ہونے والے اس جشن میں اس خادم کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، اور اپنے مقالے کی تلخیص پیش کرنے کا موقع بھی نصیب ہوا، سیمینار و کانفرنس میں ملک کے مقتدر اور معروف علما، رضویات کے نامور محققین اور اہل فکر و بصیرت شریک تھے، اتر دیناج پور بنگال کے اس دیہی علاقے میں جس حسنِ نظم کے ساتھ سیمینار و کانفرنس کا انعقاد ہوا، دور دراز سے آنے والے مندوبین نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا، بلکہ ہمارے بعض احباب نے دورانِ سفر تشویش کا اظہار بھی کیا تھا کہ سخت ٹھنڈک کے موسم میں ایک دور افتادہ گاؤں میں سامعین کیسے اکٹھا ہو سکیں گے، اور مہمانوں کے طعام و قیام کا کس طرح انتظام ہو سکے گا؟ لیکن ٹرین سے اترنے کے بعد جب ہمارا قافلہ دارالعلوم فیض عام پہنچا اور سیکڑوں علما کو بہ نفس نفیس میزبانی کی ذمے داریاں نبھاتے دیکھا تو ہماری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، بڑے بڑے اصحاب علم و فضل جو اپنے اپنے حلقے میں خود مخدوم کی حیثیت رکھتے ہیں یہاں اپنے ہاتھوں سے دسترخوان بچھاتے اور سامان خورد و نوش اٹھاتے نظر آئے، علماے کرام کا جم غفیر مختلف ذمے داریوں کو انجام دینے میں مصروف تھا اور مندوبین ان کے بلند اخلاقی کے نظارے حیرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے، ہمیں اس بات کو محسوس کرنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ پروگرام تاریخ ساز ہونے والا ہے اور اتر دیناج پور کی تاریخ میں اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

پہلی شب کی کانفرنس کے بعد جب ۳۰؍ دسمبر کو صبح نو بجے امام احمد رضا نیشنل سیمینار کا آغاز ہوا اور ملک بھر کے علما و مشائخ اور اصحاب فکر و قلم کو سرخ رنگ کی خوب صورت لگزری کرسیوں پر بٹھایا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں پنڈال میں لگی ایک ہزار کرسیاں اس علاقے کے زندہ دل علماے کرام سے پُر ہو گئیں تو عجب کیف و سرور کا ماحول پیدا ہو گیا، پوری فضا امام احمد رضا بریلوی کے روحانی فیضان سے مشک بار ہو گئی، سیمینار گاہ میں ایسی رونق پیدا ہوئی اور رعب جما کہ کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ بنگال کی کھاری کا ایک پس ماندہ گاؤں ہے اور ہم لوگ گیہوں اور دھان بوئے جانے والے ایک نشیبی کھیت میں جمع ہیں۔

ناظم سیمینار مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی زید فضلہ نے تمام مہمانوں کا مختصر اور جامع تعارف جس انداز میں کرایا وہ انہی کا حصہ تھا، خطبۂ استقبالیہ کے بعد تمام مندوبین نے اپنے مقالات کا خلاصہ پیش فرمایا، حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب قبلہ دام ظلہ کے خطبۂ صدارت کے بعد ڈھائی بجے دن سیمینار مکمل کام یابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

ہمیں ملک کے مختلف گوشوں میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کا موقع ملتا ہے، ہر جگہ کا اپنا نظم اور اپنا نصب العین ہوتا ہے، لیکن اتر دیناج پور بنگال میں منعقد اس سیمینار و کانفرنس کو چند باتیں ممتاز کرتی ہیں:

- اس سیمینار و کانفرنس کا سارا نظم و نسق علماے کرام کے ہاتھوں میں تھا، اور اس کے انعقاد کے لیے اچھی خاصی رقم علماے کرام نے اپنی جیب خاص سے عطا فرمایا تھا۔

○ سیمینار و کانفرنس کو اس علاقے کے علما نے اپنی مکمل تائید و حمایت سے نوازا اور بہ نفس نفیس اس میں شریک ہوئے، یہی وجہ ہے کہ یہ سیمینار و کانفرنس بامقصد ثابت ہوئی اور اس کے دور رس اثرات محسوس کیے گئے۔

○ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے توسط سے علمائے اتر دیناج پور کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا موقع فراہم ہوا۔

○ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے بطن سے ”تذکرۂ علمائے اہل سنت کی ترتیب“ کا منصوبہ وجود میں آیا۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی یادیں اب بھی ذہن و دماغ کو معطر کی ہوئی ہیں، اس تاریخ ساز کانفرنس و سیمینار کے انعقاد پر جملہ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور خصوصاً اس کارواں کے قافلہ سالار حضرت مولانا احمد رضا قادری، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا شکیل انور مصباحی، حضرت مولانا اسمٰعیل رضوی، حضرت مولانا شاکر رضا نظامی اور جملہ اساتذۂ دارالعلوم فیض عام نیز قرب وجوار کے مدارس کے اساتذہ جنھوں نے دل وجان سے کوششیں کیں، انہیں مبارک باد پیش کرتے ہوئے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام علمائے کرام کو فیضان اعلیٰ حضرت سے مالا مال فرمائے اور جملہ آفات سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا اختر الاسلام نعمانی علیمی

استاذ: دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ، ضلع مئو، یوپی

خطۂ بنگال صدیوں سے علم و ادب کا مرکز اور علما و مشائخ کا گہوارہ رہا ہے، اس سرزمین کو بطور خاص غوث بنگالہ حضرت شیخ علاء الحق والدین اور قطب وقت شیخ اخی سراج قدس سرہما کی ذات بابرکات سے نسبت ہے اور قدم قدم پر ان کے روحانی آثار بکھرے پڑے ہیں۔

اتر دیناج پور ایک زرخیز علمی و ادبی ضلع ہے جہاں بے شمار علما و فضلا پائے جاتے ہیں اور اپنی علمی و ادبی کارگزاریوں سے خطے کو بافیض بنائے ہوئے ہیں، اسی ضلع میں ایک چھوٹی سی بستی ہے کونہ و نوری نگر کمات جہاں بتاریخ ۲۹ اور ۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء کو ملک گیر سطح پر ”امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس“ کا انعقاد ہوا، جس میں اس فقیر کو بھی شرکت کا موقع ملا، اس دو روزہ کانفرنس و سیمینار کو جس حسن و خوبی سے منایا گیا وہ قابل تحسین و تعریف ہے، ہندوستان کے طول و عرض سے اکابر علما و مشائخ اور ادبا و قلم کار کو بلا کر علاقے کے جیالوں نے ایک تاریخ رقم کی ہے، بالخصوص محب گرامی قدر حضرت مولانا مفتی ساجد رضا مصباحی حفظہ اللہ کی قیادت میں جس طرح قدر افزائی کی گئی وہ صد بار شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اپنے احباب کو لے کر جنگل میں منگل کا سا سماں پیدا کر دیا، شرکائے سیمینار کی جس طرح عزت افزائی ہوئی اور علاقائی علما نے سارے مہمانوں کی مل کر جو مہمان نوازی کی وہ یاد رکھے جانے کے لائق ہے۔ سیمینار کی ساری کاروائیاں جس خوبی سے انجام دی گئیں وہ سارے لوگ جن کا اس میں حصہ رہا قابل مبارک باد ہیں۔

حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب

الہ آباد، یوپی

دوروزہ ''امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس''شرکت کے لیے الہ آباد سے اتر دیناج پور کا سفر بڑا مبارک رہا، چھ مہینہ قبل ہی سے محب گرامی قدر حضرت مولا احمد رضا قادری کی زبانی اس تاریخی سیمینار و کانفرنس کی تیاریوں کی تفصیلات معلوم ہو رہی تھیں ،۲۹/ ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو جب دارالعلوم فیض عام پہنچا تو پروگرام کے نظم ونسق اور وہاں کے علما کا اخلاص، عوام کے جذبات اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے حوالے سے ان کی عقیدت و محبت دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی تمام تقریبات میں شرکت ہوئی۔ دور افتادہ علاقے میں علماے اہل سنت اتر دیناج پور نے جس طرح علم وعرفاں کا شہر آباد کیا تھا، اس کی یادیں برسوں تک ذہن ودماغ میں محفوظ رہیں گی، حضرت مولانا احمد رضا قادری کے بڑے بھائی جناب ڈاکٹر اسرائیل صاحب کے دولت کدے میں اکابر علما کا قیام تھا، اس ناچیز کو بھی از راہ محبت یہیں ٹھہرایا گیا تھا، دوروزہ قیام کے دوران میں نے دیکھا کہ اکابر علماے کرام سے ملاقات کے لیے علاقائی علما کا تانتا لگا ہوا ہے، جناب ڈاکٹر اسرائیل صاحب اور ان کے گھر کے لوگ دودنوں تک ان علما کی شایان شان میزبانی کا شرف حاصل کرتے رہے۔

واپسی کے پورے سفر میں مندوبین سیمینار اتر دیناج پور کے علما کی اعلیٰ ظرفی اور خوش اخلاقی کے تذکرے کرتے رہے اور کہا کہ واقعی ان حضرات نے ایک تاریخ رقم کی ہے جس کے لیے انہیں دل کی گہرائیوں سے مبارک بادی پیش کرنی چاہیے۔ میں جملہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ جل شانہ اس مخلصانہ کوشش کو قبول فرمائے اور دنیا وآخرت کی سعادتوں سے نوازے، آمین بجاہ حبیبہ الکریم .

حضرت مولانا عبد الجبار صاحب رضوی

اترا ملیہ، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے عرس صد سالہ کے مبارک موقع پر ہمارے دیار میں ایک تاریخ ساز سیمینار و کانفرنس کا انعقاد ہوا، جس کی شہرت ملک کے دور دراز علاقوں تک پہنچی، ملک کے الگ الگ حصوں کے علماے کرام ومشائخ عظام نے اس کانفرنس میں شرکت فرمائی، **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس"** کے نام سے موسوم اس پروگرام کی انفرادی شان تھی، شیر بنگال حضرت علامہ غیاث الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات میں منعقد ہونے والے اس پروگرام کی خاص بات یہ تھی کہ پورے اتر دیناج پور کے علماے اہل سنت نے مکمل جوش وخروش کے ساتھ

اس میں شرکت کی تھی، بلکہ پروگرام کو کام یاب بنانے کے لیے علاقے کے علماے کرام نے اپنے اپنے طور پر ہر ممکن تعاون کیا تھا، اس پروگرام میں ہمیں علماے کرام کی اجتماعیت اور اس اجتماعیت کے اثرات بھی محسوس ہوئے تھے، اور یہ اندازہ لگا تھا کہ اگر ہمارے علما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں تو بڑا سے بڑا کام بہت آسانی کے ساتھ ہو جاتا ہے اور اتحاد و اتفاق کی برکتیں بھی ملتی ہیں۔

۲۹ و ۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء کو امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی دو روزہ تقریبات بہت ہی کام یابی کے ساتھ منعقد ہوئیں، ملک کے گوشوں سے علما و مشائخ اور قرب و جوار کے چار پانچ اضلاع سے ہزاروں سامعین یہاں تشریف لائے تھے، اس دور افتادہ علاقے کی بستیاں علما، ائمہ اور عشاقان رضا کی شکل میں مہمانوں سے بھرے ہوئے تھے، شیر بنگال علیہ الرحمہ کے مزار سے متّصل سڑک کے دونوں جانب کے کھیت کئی دنوں تک شہر کی رونقیں پیش کر رہے تھے، بڑا دل آویز ماحول تھا، اس روحانی تقریب کی بہاریں برسوں تک یاد رہیں گی۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات و خدمات پر کثیر تعداد میں مقالات پیش کیے گئے تھے۔ اللہ کا کرم ہوا کہ اب یہ مقالات کتابی شکل میں **"عرفان امام احمد رضا"** کے نام سے شائع ہو کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں۔ یہ صرف مجموعۂ مقالات نہیں ہے، بلکہ اس علاقے کے علما اور عوام و خواص کو عشاقان رضا کی فہرست میں دوام بخشنے کا سامان ہے، گویا رہتی دنیا تک ہمیں اس حوالے سے یاد کیا جائے گا اور جب جب **"عرفان امام احمد رضا"** کی ورق گردانی قارئین کریں گے، ان کے دل کی گہرائیوں سے علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے لیے دعائیں نکلیں گی۔ اللہ جل شانہ اس کام میں اپنا تن من دھن لگا کر کام یابی کی منزل تک پہنچانے والے تمام علماے کرام کو دارین کی سعادتوں سے نوازے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین، و علی آلہ و صحبہ اجمعین.

حضرت مولانا شکیل انور مصباحی

استاذ دار العلوم محمود الاسلام، پربھاس پاٹن، ضلع گیر سومناتھ گجرات۔ متوطن: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

امامِ اہل سنت، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی عبقری شخصیت پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا، کہنے والوں نے بہت کچھ کہا، درجنوں ضخیم نمبرات شائع ہوئے، متعدّد سوانحی کتابیں منظر عام پر آئیں، ڈیڑھ درجن سے زائد علما و دانشوران نے آپ کی شخصیت پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، بہت سارے تحقیقی اداروں نے برسوں آپ کی شخصیت پر کام کیا، لیکن آپ کی تہ دار شخصیت کے بہت سارے پہلو اب بھی تشنہ نظر آتے ہیں، جوں جوں تحقیق و جستجو کا سلسلہ آگے بڑھ رہا ہے آپ کی حیات و خدمات اور افکار و نظریات کے نئے نئے پہلو سامنے آ رہے ہیں، آپ کی تصانیف اور تحقیقات کی نئی نئی خوبیاں اجاگر ہو رہی ہیں۔

"عرفان امام احمد رضا" بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی شخصیت، افکار اور کارناموں کو اجاگر کرنے کی

ایک مبارک کوشش ہے، جو علماے اہل سنت اتر دیناج پور کی مساعی جمیلہ سے منظر عام پر آرہی ہے۔ در اصل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے عرس صد سالہ کے موقع پر اتر دیناج پور میں مورخہ ۲۹/ ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس"** کا انعقاد ہوا، جو اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور انقلاب آفریں پروگرام تھا، اس جشن میں ملک کے مختلف گوشوں سے سیکڑوں علماے کرام اور ارباب علم و دانش نے شرکت فرمائی، امام احمد رضا نیشنل سیمینار میں کئی درجن علمی و فکری مقالات پیش کیے گئے، امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی دو روزہ تقریبات کے نظم و نسق اور انفرادی شکل و صورت نے عوام و خواص کے دلوں پر بڑا گہرا اثر مرتب کیا، دور دراز سے تشریف لائے جلیل القدر علما و مشائخ نے جو گراں قدر تاثرات پیش کیے وہ امید سے کہیں بالا تر تھے۔ اس طرح اس کام یاب پروگرام نے اتر دیناج پور کی تاریخ میں ایک نیا باب قائم کیا۔

"امام احمد رضا نیشنل سیمینار" میں پیش کیے گئے مقالات کی اشاعت کا منصوبہ ابتدائی مرحلے میں ہی بن چکا تھا، بلکہ اس پورے پروگرام کا سب سے اہم پہلو یہی تھا کہ جشن صد سالہ کے موقع پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے والوں میں علماے اہل سنت اتر دیناج پور بھی شامل ہو جائیں اور مقالات کا یہ مجموعہ ہمیشہ کے لیے ان کی عقیدتوں کا گواہ بن جائے۔

بحمدہ تعالیٰ **"عرفان امام احمد رضا"** کے نام سے **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار"** کے مقالات کا مجموعہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس کی ترتیب میں عزیز گرامی مفتی محمد ساجد رضا مصباحی زید مجدہ اور ان کے رفقا نے بڑی محنت صرف کی ہے، اور متعدّد علمی اور دینی کاموں کے درمیان اس اہم کام کے لیے وقت نکالا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں اس کا اخروی جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

"عرفان امام احمد رضا" کی اشاعت پر جملہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور ڈھیر ساری مبارک بادیوں کے مستحق ہیں، کہ ان کی مشترکہ کوششوں سے ملکی سطح کی ایک عظیم الشان کانفرنس اور ایک کام یاب سیمینار اتر دیناج پور میں منعقد ہو سکا، اب سیمینار کے مقالات کا خوب صورت مجموعہ پورے اہتمام کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔ اللہ جل شانہ اس اہم کام میں تعاون فرمانے والے جملہ علماے کرام کو دارین کی سعادتوں سے نوازے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین.

❋❋❋❋❋

بابِ دوم

امام احمد رضا نیشنل سیمینار: پس منظر و پیش منظر

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس

کے انعقاد کے لیے دو ابتدائی اہم مشاورتی نشستیں

محمد ساجد رضا مصباحی: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

دارالعلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور، بنگال کے احاطے میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے جشن صد سالہ کے مبارک موقع پر ایک عظیم الشان سیمینار و کانفرنس کے انعقاد کے لیے مورخہ ۲۸؍ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ پنج شنبہ، پھر ۲؍ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ یک شنبہ کو دو اہم اور کامیاب مشاورتی نشستیں منعقد ہوئیں، جن میں علاقے کے علما، حفاظ، طلبہ اور عوام اہل سنت نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔

پہلی میٹنگ خاص علمائے کرام کی تھی جو استاذ العلماء حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں منعقد ہوئی، جس میں جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے انعقاد کے لیے علمائے کرام نے غور و خوض کیا اور متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ دارالعلوم فیض عام کے احاطے میں جشن صد سالہ کا اہتمام بہت ہی تزک و احتشام کے ساتھ ہوگا۔ علمائے کرام نے اس بات پر زور دیا کہ اس موقع پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ہمہ جہت علمی و دینی خدمات کو شایان شان خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ہمارے دیار کے عام جلسوں کی روش سے ہٹ کر مختصر دورانیے کا ایک شفاف اور کارآمد جلسہ منعقد کیا جائے، اور جشن صد سالہ کو یادگار بنانے کے لیے ۳۰؍ دسمبر کو دن میں اعلیٰ حضرت سیمینار کا انعقاد کیا جائے جس میں ملک کے مایہ ناز اہل قلم اور ارباب علم و دانش کو مدعو کر کے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فضائل و مناقب اور خدمات اور کارناموں پر مقالات لکھائے جائیں گے، پھر بعدِ سیمینا ران مقالات کی کتابی شکل میں اشاعت بھی ہو۔

انھی امور کی عوامی تائید و تصدیق کے لیے مورخہ ۲؍ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ بروز یک شنبہ ایک جنرل میٹنگ کا انعقاد ہوا، جس میں علمائے کرام کے علاوہ کثیر تعداد میں کونہ و نوری نگر کمات کے علاوہ قرب و جوار کی عوام نے شرکت کی، عوام اہل سنت نے جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت کے انعقاد کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا، اس موقع پر جشن صد سالہ کے لیے ایک کمیٹی کا انتخاب بھی عمل میں آیا، جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

- **سرپرست اعلیٰ** استاذ العلما حضرت مولانا ظہیر الدین صاحب، کونہ، اتر دیناج پور، بنگال

- **صدر اعلیٰ** حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، صدر المدرسین دار العلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات
- **نائب صدر** حضرت حافظ شاہ جہاں صاحب مدرسہ گلشن رضا سید العلوم رحمن نگر و حضرت مولانا ایوب اشرفی رحمن نگر
- **سکریٹری** عالی جناب سلیم الدین صاحب، عالی جناب ڈیلر شہاب الدین صاحب، نوری نگر کمات
- **نائب سکریٹری** جناب عبد الملک صاحب، عالی جناب طیب صاحب، کونہ
- **خازن** حضرت مولانا شاکر رضا صاحب، حضرت مولانا نور محمد صاحب

اس موقع پر جشن کے انعقاد کے لیے نشست میں موجود علماے کرام کے تعاون کی لسٹ سازی کی گئی جس میں علماے کرام وحفاظ وقرا نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سے حد درجہ عقیدت و محبت کا ثبوت پیش کیا اور میٹنگ میں موجود علما نے بے پناہ سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تعاون کی فہرست میں اپنا نام درج کرایا، میٹنگ کے بعد دور دراز علاقوں میں قیام پذیر علما سے رابطہ اور باہمی مشورہ کے لیے "جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت" کے نام سے ایک اہم واٹسپ گروپ بنایا گیا، جس کے ذریعہ اتر دیناج پور کے علما سے رابطہ کی کوشش کی گئی، علما و حفاظ کی ایک بڑی تعداد اس گروپ کے ذریعہ مربوط ہو کر جشن صد سالہ کی تیاریوں کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال کر رہے ہیں اور خاص بات یہ کہ علما جشن صد سالہ کے انعقاد کے لیے مالی تعاون بھی پیش کر رہے ہیں۔ اس گروپ میں تقریباً اتر دیناج پور کے تمام علاقوں کے علما شامل ہیں اور مزید علما سے رابطہ کی کوشش جاری ہے۔ اہل فکر و قلم اور ارباب علم و دانش سے رابطہ جاری ہے۔ جلد ہی تفصیلی پوسٹر جاری کیا جائے گا۔ [یہ رپورٹ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور شمارہ ستمبر تا نومبر ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی۔]

نوٹ:

ان دونوں نشستوں کی صدارت استاذ العلما حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی، افسوس کہ ۱۱؍ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کو معمولی علالت کے بعد آپ کا وصال پُر ملال ہو گیا، آپ کا وصال اس علاقے کا بڑا علمی خسارہ ہے، اللہ جل شانہ حضرت کی بے حساب مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ [**محمد ساجد مصباحی**]

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس

کو کام یاب بنانے کے لیے ضلعی سطح کی ایک اہم مشاورتی نشست

محمد ساجد رضا مصباحی: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے عظیم الشان اور تاریخی پروگرام کو حتمی اور آخری شکل دینے کے لیے ضلع اتر دیناج پور کے ذمے دار اور نمائندہ علمائے کرام اور عمائدین ملت کی ایک اہم مشاورتی نشست مورخہ ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۱ر ستمبر ۲۰۱۸ء بروز سنیچر نو بجے دن دارالعلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور کے وسیع صحن میں منعقد ہوئی، جس میں درج ذیل امور پر مشاورت ہوئی:

- جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے موقع پر منعقد **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس"** کے بحسن وخوبی انعقاد پر غور وخوض۔
- امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس سے علمائے اہلِ سنت اتر دیناج پور کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مربوط کرنے اور ان تک دعوت نامہ پہنچانے کے طریقہ کار پر غور وخوض۔
- امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے پوسٹر کی ترتیب اور اس کو حتمی شکل دینا۔
- جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت کے بجٹ کا تخمینہ اور اس کی فراہمی کی صورتوں پر غور۔
- علمائے کرام کے طعام وقیام اور ان کی بہتر مہمان نوازی لیے نظم ونسق پر تبادلۂ خیال۔
- دو روزہ پروگرام کا شیڈول اور اسٹیج کے نظم وضبط پر تبادلۂ خیال۔
- اتر دیناج پور کے علما سے ربط باہم کے طریقے پر غور وخوض
- اور دیگر تجاویز جو جشن صد سالہ کی کام یابی کے لیے معاون ہوں۔

اس اہم مشاورتی نشست میں کثیر تعداد میں علمائے اہل سنت، عمائدین ملت اور دانشوران قوم نے شرکت کی، جن کی شرکت نے ہمارے حوصلوں کو مہمیز کیا، اور سیمینار و کانفرنس کی تیاریوں کو صحیح رُخ عطا کیا۔ ہم یہاں ان مقتدر شخصیات میں سے جن کے اسما ایجنڈہ رجسٹر میں محفوظ ہو سکے یا جن حضرات کے نام ذہن و دماغ میں محفوظ رہ سکے یہاں نقل کرنے کی

سعادت حاصل کرتے ہیں:

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سکونت	نمبر شمار	اسمائے گرامی	سکونت
۱	حضرت مفتی عبدالغفور رضوی	ڈبکول شاہ پور	۲۴	حضرت مولانا ظہیرالدین رضوی	کونہ
۲	حضرت مفتی ذوالفقار علی رشیدی	پران نگر	۲۵	حضرت مولانا عبدالجبار رضوی	املیہ
۳	حضرت مفتی احمد حسین نوری	مالنگاؤں	۲۶	حضرت مولانا مسعود عالم	مالنگاؤں
۴	حضرت مولانا حسن امام ادیبؔ	گوہرہ	۲۷	حضرت مولانا مختار عالم مصباحی	مجگاؤں
۵	حضرت مفتی محمد فیروز عالم مصباحی	گنجریا	۲۸	حضرت مولانا جمیل اختر اشرفی	اسلام پور
۶	حضرت مفتی محبوب عالم نعیمی	گوالڈوب	۲۹	حضرت حافظ غفران رضا	ڈیبہر
۷	حضرت مولانا بدرالدجیٰ مصباحی	ہربھنگہ	۳۰	حضرت مولانا ضمیرالاسلام مصباحی	کوکیلا
۸	حضرت مولانا تنویر احمد مصباحی	گنجریا	۳۱	حضرت مولانا بشیرالدین رشیدی	املیہ
۹	حضرت مولانا اظہر جلیل مصباحی	جین گاؤں	۳۲	حضرت مولانا غلام سرور رشیدی	شیشہ باڑی
۱۰	حضرت مولانا احمر رضوی	رائے گنج	۳۳	حضرت مولانا فرید عالم	پوٹی
۱۱	حضرت مولانا عبدالسبحان رضوی	بگرا گاچھی	۳۴	حضرت مولانا محمد سعید اختر	کوکیلا
۱۲	حضرت مولانا احمد رضا قادری	نوری نگر	۳۵	حضرت مولانا شعیب عالم مصباحی	رحمن نگر کونہ
۱۳	حضرت مولانا شمس الدین رضوی	مکھان پوکھر	۳۶	حضرت مولانا محمد انظار عالم	شیشہ باڑی
۱۴	حضرت مولانا مظفر حسین رضوی	ڈیبہر	۳۷	حضرت حافظ حبیب الرحمن	رحمن نگر کونہ
۱۵	حضرت مولانا نور محمد رضوی	مکھان پوکھر	۳۸	حضرت مولانا وسیم اختر	بگرا گاچھی
۱۶	حضرت مولانا غلام حسین مصباحی	دگھلی	۳۹	حضرت مولانا انظر القادری	بشن پور
۱۷	حضرت حافظ شاہ جہاں	بشن پور	۴۰	حضرت مولانا محمد رفیق الاسلام	دھنلیا
۱۸	حضرت مفتی داؤد عالم مصباحی	رحمن نگر	۴۱	حضرت مولانا محمد ارشد رضا	کالو گاؤں
۱۹	حضرت مولانا عبدالغفار رضوی	کونہ	۴۲	حضرت مولانا محمد شاکر عالم رضوی	بر ہوٹ
۲۰	حضرت مولانا فیض الرحمن رضوی	کونہ	۴۳	حضرت مولانا مزمل حسین رضوی	راساکھوا
۲۱	حضرت مولانا منظور عالم رضوی	گوداسیمل	۴۴	حضرت مولانا عطاء الرحمن جمالی	رحمت پور
۲۲	حضرت مفتی عارف حسین نعیمی	کھمار پوکھر	۴۵	حضرت مولانا عسجد رضا قادری	ڈیبہر
۲۳	حضرت مفتی مشتاق احمد رضوی	کیہ پک ٹولہ	۴۶	حضرت مولانا ایوب عالم	رحمن نگر کونہ

۴۷	حضرت مولانا نورانی برکاتی	دیبی گنج	۶۶	حضرت مولانا عبید الرحمن	بالیچر
۴۸	حضرت مولانا اسلام نوری	نارگون	۶۷	حضرت مولانا حیدر علی	نوری نگر کمات
۴۹	حضرت مولانا محفوظ عالم مصباحی	تلیاباڑی	۶۸	حضرت مولانا سرفراز عالم	کونہ
۵۰	حضرت مولانا امین ضیائی	رائے گنج	۶۹	حضرت حافظ محمد حسین	بشن پور
۵۱	حضرت مولانا اظہر امام	گوہرہ	۷۰	حضرت مولانا جمیل اختر رضوی	پچکایہ بستی
۵۲	حضرت مولانا نوشاد عالم مصباحی	شیشہ باڑی	۷۱	حضرت مجاہد الاسلام	کونہ
۵۳	حضرت مولانا نور عالم	مالن گاؤں	۷۲	حضرت مولانا محمد ربیع الاسلام	بلدیہ بھاسہ
۵۴	حضرت مولانا کفیل الدین اشرفی	جبرا بستی	۷۳	حضرت مولانا جمال احمد	کٹھل باڑی
۵۵	حضرت مولانا محسن رضا	گواگاؤں	۷۴	حضرت مولانا شاہ عالم	بلدیہ بھاسہ
۵۶	حضرت مولانا اعمال الدین	رائے گنج	۷۵	حضرت مولانا انصار رضا	دھرم پور
۵۷	حضرت مولانا عابد حسین مصباحی	لوہاگاچھی	۷۶	حضرت مولانا مغفور عالم	شاہ پور
۵۸	حضرت مولانا فرید اختر	کونہ	۷۷	مولانا پھول محمد صاحب	رحمن نگر
۵۹	مولانا تجمل حسین صاحب	کونہ	۷۸	جناب ماسٹر شاہد صدیقی صاحب	چکنی
۶۰	جناب سلیم الدین صاحب	نوری نگر	۷۹	جناب پرویز عالم صاحب	املیہ
۶۱	جناب نوشاد عالم صاحب	نوری نگر کمات	۸۰	جناب اسلام الدین صاحب	نوری نگر کمات
۵۲	جناب عبد الحلیم صاحب	نوری نگر کمات	۸۱	جناب عبد الرزاق صاحب	کونہ
۶۳	جناب محمد حسین رضوی	نوری نگر کمات	۸۲	جناب ماسٹر ایوب پیام صاحب	بالیچر
۵۴	جناب الحاج عبد الخالق صاحب	کونہ	۸۳	جناب حنیف صاحب	کونہ
۶۵	جناب عبد الغنی صاحب	کونہ	۸۴	جناب طیب عالم صاحب	کونہ

❊❊❊❊❊

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس

اور علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے بلند عزائم

محمد ساجد رضا مصباحی: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

"امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس" کی تیاریوں کے دوران علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے حوصلوں کو مہمیز کرنے اور ان کی مخلصانہ کوششوں کو تقویت پہنچانے کے لیے یہ تحریر لکھی گئی تھی، جو سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور شمارہ دسمبر ۲۰۱۸ء تا فروری ۲۰۱۹ء میں **"شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے"** کے عنوان سے شائع ہوئی۔[محمد ساجد رضا مصباحی]

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت، امام احمد رَضا قادری بریلوی قدس سرہ کے عرس صد سالہ کا جشن پورے عالمِ اسلام میں مکمل آب وتاب کے ساتھ منایا جارہا ہے، اس صد سالہ جشن کو بامقصد اور یادگار بنانے کے لیے علماے اہل سنت بے شمار علمی، فکری اور تحقیقی منصوبوں پر مکمل یک سوئی کے ساتھ کام کررہے ہیں، امامِ اہل سنت کی غیر مطبوعہ تصانیف کی طباعت و اشاعت اور مطبوعہ تصانیف کی جدید اشاعت، آپ کی حیات وخدمات پر مختلف زاویوں سے تحقیق، جشن صد سالہ کو دوام واستحکام بخشنے کے لیے سیمینار اور سمپوزیم کا انعقاد، عوامِ اہل سنت کو آپ کے فضائل وکمالات سے آگاہ کرنے کے لیے اعلیٰ سطح پر کانفرنس کا اہتمام اور دوسرے مختلف طریقوں سے خراج عقیدت پیش کرنے کا شرف حاصل کیا جارہا ہے۔

علم وادب، دین ومذہب اور ملک وملت کے حوالے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رَضا قادری بریلوی قدس سرہ کی زرّین اور لازوال خدمات کا تقاضا ہے کہ ان کی بارگاہ میں اس سے بھی اعلیٰ پیمانے پر خراج عقیدت پیش کیا جائے، ان کی تعلیمات کو عام کیا جائے، ان کے نظریات کو فروغ دیا جائے، ان کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جائے، ان کے دینی اور علمی مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے، ان کی یادوں کو زندہ اور تابندہ رکھا جائے، آنے والی نسلوں کو ان کے افکار ونظریات سے آشنا کرایا جائے، ان کے نام پر تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں، ان کے نام نامی سے منسوب ریسرچ سنٹرز قایم کیے جائیں، رفاہِ عام کے لیے خدمتِ خلق کی تنظیمیں قائم کی جائیں، اسپتال اور شفاخانے تعمیر کیے جائیں، ان کی تصانیف کو مختلف زبانوں میں شائع کیا جائے، عصرِ جدید کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے برقی شعاؤں میں فکر رضا کی ترسیل کا اعلیٰ انتظام کیا جائے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ذات کو اہلِ سنت کے لیے نقطۂ اتحاد قرار دے کر محبت کا پیغام عام کیا جائے، ان کی عبقری شخصیت کو اپنے مفادات کے

حصول کا ذریعہ نہ بنا کر امت مسلمہ کی فلاح و ظفر کا وسیلہ بنایا جائے۔ الحمدللہ، علماے اہل سنت مذکورہ تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوشاں ہیں اور ان شاء اللہ ضرور اس کے بہتر نتائج بر آمد ہوں گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے صد سالہ عرس کے موقع پر آپ کی بارگاہ میں شایانِ شان خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اتر دیناج پور بنگال کے بلند فکر اور جواں عزم و حوصلے کے حامل علماے اہل سنت نے اعلیٰ سطح پر **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس"** کے انعقاد کا فیصلہ کیا، اس سیمینار و کانفرنس کو باضابطہ تحریک کی شکل دے کر اس کی تیاریاں رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ سے ہی شروع کر دی گئیں، علماے اہل سنت کے اتفاق راے سے اس تاریخی جشن کے لیے ۲۰، ۲۱ر ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۹، ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۸ء کی تاریخیں طے ہوئی ہیں۔ اس سیمینار و کانفرنس میں ملک بھر کے علما و مشائخ، اربابِ علم و دانش، اہلِ فکر و قلم، اصحاب علم و فضل، اربابِ صحافت، محققین و مصنفین اور عصری دانش گاہوں کے اساتذہ کثیر تعداد میں شرکت فرما رہے ہیں۔ اتر دیناج پور کی سرزمین پر علم و ادب کی قد آور شخصیتوں کا وُرُودِ مَسعود یقیناً باعثِ فرحت و انبساط ہے۔ یہاں کی عوام، یہاں کے علما و طلبہ اس سلسلے میں بہت پر جوش ہیں اور جشن کی تیاریوں میں مکمل طور پر شریک و سہیم ہیں۔ پہلی بار کسی جشن کے حوالے سے اس قدر جوش و خروش اور اجتماعیت کا مُظاہرہ ہو رہا ہے۔ اتر دیناج پور کے علماے کرام ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں، اور مختلف میدانوں میں دینی و مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ علماے کرام جہاں بھی قیام فرما ہیں وہیں سے اس جشن کو کامیاب بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اتر دیناج پور کے علماے اہل سنت نے اس جشن کے انعقاد کے لیے خطیر رقم بھی پیش کی ہے، جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ سیمینار کے مجموعۂ مقالات میں پیش کریں گے۔
[معاونین علماے کرام کی فہرست آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔]

اتر دیناج پور اجلاس اور کانفرنسوں کے لیے مشہور ہے، یہاں ہر سال بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہوا کرتی ہیں، نصف صدی قبل جب اس خطے میں دیوبندیوں اور وہابیوں کی بد مذہبیت اور گمراہیت کا طوفان بلاخیز اہل سنت کی آبادیوں کو نگلنے کی پوری کوشش کر رہا تھا، ایسے میں یہی جلسے اور اکابر علما کی تقریریں ان کے چہروں کو بے نقاب کرتی تھیں، بہت سارے قریات میں ان کے تقیہ باز مولوی بھی چولہ بدل کر لوگوں کو دھوکہ دے رہے تھے، علماے اہل سنت کے مواعظ سے ان کا بھی پردہ فاش ہوتا تھا، عالم باعمل حضرت علامہ عبد الحمید صاحب بستہ ڈانگی، نصیر ملت علامہ شاہ نصیر الدین اشرفی پناسی اور ناشر مسلک اعلیٰ حضرت علامہ غیاث الدین شیر بنگال رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کی کوششوں سے اس علاقے میں بہت حد تک دیوبندیت کا قلع قمع ہوا، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ یہاں کے جلسوں کا روپ رنگ بھی بدلتا گیا، ان کی معنویت ختم ہوتی گئی، رسم رہ گئی، روح ختم ہوگئی، آج یہاں کے جلسے تفریح کا ذریعہ یا ایک قدیم روایت کو برتنے کی بے معنی کوشش ہوتے ہیں، ان کے لیے کوئی خاص منصوبہ بندی نہیں ہوتی، اور نہ ہی انھیں بامقصد بنانے کے لیے کوئی طریقۂ کار اپنایا جاتا ہے۔ جلسوں کے بگڑتے مزاج پر ہمارے سنجیدہ علما متفکر ہیں، اب اس رفتارِ بے ڈھنگی سے عام پڑھا لکھا طبقہ بھی بیزاری کا اظہار کرنے لگا ہے، جلسوں کے بگڑتے حالات پر کنٹرول کی کوششیں جاری ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ

برسوں کا بگڑا امزاج درست کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے علمائے کرام اگر مسلسل کوشش جاری رکھیں اور اپنی وسعت کے مطابق اصلاح کے لیے کوشاں رہیں تو مستقبل میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور آئے گی۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے حوالے سے مشاورت کے درمیان علمائے اتر دیناج پور نے بار بار اس بات کا اظہار کیا کہ یہاں کے جلسوں کے مروجہ نظام کو بدلنے اور انھیں بامقصد بنانے کے لیے ہمیں اجتماعی کوشش کرنی چاہیے، اسی جذبے کے تحت اس تاریخی کانفرنس وسیمینار کے لیے ایک ایسا خاکہ تیار ہوا جو یہاں کی روایتی کانفرنسوں سے مختلف ہے، اور بہت حد تک مروجہ نظام میں اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ ہزار کوششوں کے باوجود ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ اب بھی اس خاکے میں یہاں کے روایتی اجلاس کے کچھ نقوش باقی رہ گئے ہیں لیکن وہ نادانستہ نہیں بلکہ اصلاح کے تدریجی اصول اور دعوت کی حکمتوں کو پیش نظر رکھ کر بالقصد اور دانستہ ہیں۔

میری معلومات کے مطابق اتر دیناج پور میں اس پیمانے پر سیمینار کا انعقاد پہلی بار ہو رہا ہے، لچھے دار تقریریں اور قہقہہ انگیز لطیفے سننے والی قوم کو خالص علمی سیمینار کے انعقاد کے لیے آمادہ کرنا کس قدر دشوار کام ہے، بتانے کی ضرورت نہیں، لیکن یہ دشواری بہت حد تک اس لیے آسان ہو گئی کہ سیمینار کے انعقاد کے لیے سب سے پہلے اتر دیناج پور کے علمائے اہل سنت نے دستِ تعاون بڑھایا اور بے پناہ سخاوت کا مظاہرہ کیا، ماضی میں یہاں اس سخاوت کی کوئی مثال نہیں ملتی، لوگ حیران ہیں، علمائے کرام خود ایک دوسرے کا تعاون دیکھ کر ششدر ہیں، سات ہزار ماہانہ مشاہرہ پر خدمت انجام دینے والا عالمِ دین اگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے جشنِ صد سالہ کے انعقاد کے لیے پانچ ہزار روپے نذر کر دے تو یقیناً ان کی یہ سخاوت صحابۂ کرام کے جذبۂ ایثار کی یاد دلائے گی، علمائے اتر دیناج پور کا یہ مالی تعاون نہ صرف یہ کہ ان کی سخاوت وفیاضی اور جذبۂ ایثار کا مظہر ہے بلکہ ان اصحاب ثروت کے لیے درسِ عبرت ہے جن کی تجوریاں خزانوں سے پُر ہیں، لیکن دینی کاموں کے لیے ان کے دَروازے کبھی نہیں کھلتے، اگر کسی ادارے کا کوئی محصل ان کے یہاں پہنچ جاتا ہے تو ان کے چہروں کا جغرافیہ بدل جاتا ہے اور بادل نخواستہ دس بیس روپے دے کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علمائے اُتر دِیناج پور کی قربانیوں کو عوامِ اہلِ سُنت کے لیے نمونۂ عمل بنائے۔

اعلیٰ حضرت اِمام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے عرسِ صد سالہ کے موقع پر اتر دیناج پور میں **"امام احمد رضا نیشنل کانفرنس وسیمینار"** کے انعقاد کا منصوبہ پہلے پہل دار العلوم فیضِ عام کونہ ونوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور میں بنا اور یہاں کے علمائے اہلِ سُنّت نے اپنے طور پر امام اہل سنت کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے کانفرنس وسیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا، لیکن جب یہ منصوبہ شوسل میڈیا کے ذریعہ منظرِ عام پر آیا تو اتر دیناج پور کے ذمے دار علما نے مشورہ دیا کہ اس جشن کو علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام منعقد کیا جائے تاکہ یہ جشن ہم سب کی طرف سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت ہو جائے اور اس کے انتظام وانصرام میں ضلع بھر کے علمائے کرام اور عوام اہل سنت حصہ لیں، اکابر علمائے اتر دیناج پور کا یہ مشورہ مبارک ثابت ہوا، آج اتر دیناج پور کے جملہ علمائے کرام اس جشن کے ارکان ہیں، اور دامے، درمے، قدمے، سخنے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

اس عظیم الشان اور تاریخی **"امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس"** کا انعقاد دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور بنگال میں ہو رہا ہے، جس کے لیے احاطۂ دارالعلوم سے باہر ایک وسیع و عریض آراضی کا انتخاب ہوا ہے جس میں ایک لاکھ سے زائد افراد سما سکتے ہیں۔ دارالعلوم فیض عام کو قدیم زمانے سے علما و مشائخ کی میزبانی کا شرف حاصل رہا ہے، بانی ادارہ ناشرِ مسلک اعلیٰ حضرت ،شیر بنگال حضرت علامہ غیاث الدین علیہ الرحمۃ والرضوان اس علاقے میں مسلک اعلیٰ حضرت کے بے باک نقیب و ترجمان تھے، ملک بھر کے علما و مشائخ سے ان کے روابط تھے، اس سرزمین کو بدمذہبیت اور گمراہیت کی نحوستوں سے پاک کرنے اور مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کے تحفظ کے لیے خود بھی کوشاں رہتے اور اہل سنت کے قدر آور علما و مشائخ کی بارگاہوں میں دعوت پیش کر کے یہاں کا دورہ کراتے، آپ ہی کوششوں سے اس سرزمین کو شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاج دار اہلِ سنت، مفتی اعظم ہند، علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ کی قدم بوسی کا شرف کئی بار حاصل ہوا، آج بھی آپ کے متعدّد مریدین یہاں باحیات ہیں۔ آپ ہی کی دعوت پر مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمن قادری اڑیسوی، مناظر اہل سنت، پاسبانِ ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہما نے اس سرزمین کو اپنی قدومِ میمنت لزوم سے شرف یاب فرمایا اور دوسرے بہت سارے اکابر علما کی یہاں تشریف آوری ہوئی۔

ابھی چند روز قبل حضرت مولانا عبید الرحمن رضوی بالیچر نے بتایا کہ ان کے والد ماجد جناب منشی عبدالعزیز قادری صاحب کے ذخیرۂ کتب میں دارالعلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات کے جلسے کا ایک پوسٹر دستیاب ہوا ہے جو ۱۹۶۱ء کا ہے، یہ پوسٹر دارالعلوم فیض عام کے سالانہ جلسۂ میلاد النبی کا ہے اور ستاون سالہ قدیم ہے، اس جہت سے یہ پوسٹر بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس پوسٹر کی مدد سے کئی تاریخی کڑیوں کو جوڑنے میں مدد ملے گی اور اس سرزمین کی تاریخی اور مذہبی حیثیت بھی اجاگر ہوگی، اس لیے ہم یہاں اس پوسٹر کو من وعن نقل کرتے ہیں تاکہ یہ تاریخی ثبوت ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے اور قارئین بھی اس کو ملاحظہ فرما سکیں۔

نقل پوسٹر

۷۸۶

کامراں ہوتا ہے انساں فرض کی تکمیل سے   روشنی پاتی ہے ہستی عزم کی قندیل سے

مدرسہ اسلامیہ فیض عام کونہ وڈانگی پارہ علاقہ گوال پوکھر جدید بنگال، سابق پورنیہ کا بارہواں **سالانہ میلاد النبی** صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان جلسہ ہونے جا رہا ہے۔

زیر صدارت: مولوی محمد غیاث الدین صاحب گواگاؤں اسٹیٹ۔

مسلمانوں خواب غفلت سے چونکو اور اپنے پروردگار سے ڈرو، حساب کا دن سامنے کھڑا ہے، اپنے اعلیٰ مقصد کو اصولِ اہل سنت کے مطابق پہچانو اور اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لو، بایں غرض یہ عظیم الشان جلسہ بمقام موضع کونہ بتاریخ ۱۷، ۱۸، ۱۹/ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ بروز سنیچر، اتوار، سوموار مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴/ ماگھ، ۴، ۵، ۶/ فروری ۱۹۶۱ء منعقد ہونے والا ہے، جس میں ہندوستان کے مشاہیر زعمائے ملت و اکابرین صوفیائے طریقت تشریف آوری فرما کر مسلمانوں کے مذہبی و اخلاقی و اصلاحی و دیگر ضروری امور

پر کماحقہ روشنی ڈال کر سنی بھائیوں کے نورِایمان کو مجلیٰ و مصفیٰ فرماویں گے، موقع غنیمت ہے، جوق در جوق تشریف لاویں اور اپنے دامنِ مراد کو۔۔۔۔گوہر فشاں سے مالامال فرماکر جلسہ کو ہر طرح کامیاب بناکر مشکور فرماویں۔

اسمائے گرامی حضرات علمائے ربانی و حقانی مندرجہ ذیل ملاحظہ فرماویں:

- حامیٔ سنت، ماحی بدعت، قامع نجدیت، امام المناظرین، رئیس المفسرین، فاضل نوجوان حضرت مولانا و مولوی مشاہد رضا خاں صاحب، جانشین شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب مرحوم مغفور علیہ رحمۃ پیلی بھیت۔
- علامۂ فروع واصول، جامع معقول، شیخ المناظر، حضرت مولانا و مولوی محمد حسین صاحب سنبھلی۔
- شمعِ شبستان رضویت، نور من انوار صمدیت، صاحب اوصاف، حضرت مولانا و مولوی و نائب مفتی شریف الحق صاحب بریلی شریف۔
- واقفِ اسرار شریعت، حامی ملت، جناب حضرت مولانا و مولوی محمد رجب علی صاحب نان پارہ، ہند۔
- شمس العلماء، فخر الفضلا، صاحب کمالاتِ ظاہرہ و باطنہ حضرت الحاج مولانا و مولوی محمد غیاث الدین صاحب شیر بنگال۔
- احقر الوریٰ جناب مولانا محمد غیاث الدین صاحب، خادم الطلبہ مدرسہ فیض عام موضع کونہ، پورنوی، بہاری، بینی باڑوی۔
- اور مقامی علمائے کرام بھی تشریف آوری فرمائیں گے۔

نوٹ: دورانِ تقریر میں یا بعد کو کوئی سیاسی گفتگو نہیں کرسکتا ہے، اگر کوئی کرے گا، اراکین جلسہ کو کاروائی کا پورا حق ہوگا۔
مستورات کے لیے پردے کا معقول انتظام رہے گا اور ہوٹل کا معقول انتظام رہے گا۔

منجانب: اراکین مدرسہ فیض عام موضع کونہ وڈانگی پارہ علاقہ گوال پوکھر [جہاں گیر پریس، کشن گنج]

یہ اجلاس مورخہ ۴، ۵، ۶/ فروری ۱۹۶۱ء میں منعقد ہوا ہے، اور پوسٹر کے سرنامے میں جلی حرفوں میں اس کی وضاحت ہے کہ مدرسہ فیض عام کا یہ بارہواں سالانہ جلسہ تھا، یعنی ۱۹۶۱ء عیسوی سے گیارہ سال قبل ہی سے اس ادارے میں جلسہ میلاد النبی بہت ہی اہتمام کے ساتھ منعقد ہوتا تھا جس میں اکابر علمائے کرام تشریف لایا کرتے تھے، اس پوسٹر سے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں ہے کہ دارالعلوم فیض کا قیام ۱۹۴۹ء سے قبل ہی ہوچکا تھا اور مکمل شان و شوکت کے ساتھ یہ ادارہ دینی و تعلیمی خدمات انجام دے رہا تھا، اس حساب سے اس ادارے کی عمر تقریباً ستر سال ہے، اور اس کا شمار علاقے کے قدیم ترین اداروں میں ہے، یہ ادارہ اس زمانے سے دینی خدمات انجام دیتا آرہا ہے جب کہ اس علاقے میں گنے چنے چند ادارے ہی تھے۔

اس پوسٹر میں جن علمائے ربانیین کے اسمائے گرامی درج کیے گئے ہیں ان میں ہر ایک علم و فن کے آفتاب و ماہتاب اور دینی و مذہبی اور علمی خدمات کے اعتبار سے ہندوستان کے اکابر اور منتخب علما میں شمار ہوتے تھے۔ شیر بیشۂ اہل سنت کے صاحب زادے مشاہد ملت حضرت علامہ مشاہد رضا خاں پیلی بھیتی علیہ الرحمہ، بلبل ہند، مفتی نان پارہ حضرت مفتی رجب علی صاحب نان پاروی علیہ الرحمہ، شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ جو ان دنوں بریلی شریف میں مقیم

تھے اور حضرت مولانا محمد حسین سنبھلی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی علمی شخصیتوں کی شرکت حضرت شیر بنگال کے جلسے کے معیار اور ان کی اعلیٰ کاوشوں کا پتہ دیتی ہے۔ دار العلوم فیض عام کی اس ستر سالہ تاریخ میں اس سرزمین کو بارہا ملک کے مقتدر علمائے کرام کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اب ایک بار پھر عصر حاضر کے علم وفن اور فکر وقلم کی مایہ ناز اور ممتاز ہستیوں کا ایک عظیم قافلہ اس سرزمین پر اترنے والا ہے اور یہ خطۂ ارض ہندوستان بھر کے مقتدر علما کی میزبانی کا شرف حاصل کر کے اپنی تاریخ دہرانے والا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے عرس صد سالہ کی مناسبت سے منعقد اس نیشنل سیمینار و کانفرنس کی تیاریاں تقریباً ساڑھے چار مہینے سے جاری ہیں، قدم قدم پر برکتوں کا ظہور ہو رہا ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا فیضان جھوم جھوم کر برس رہا ہے، بار بار رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں لیکن ان کا ازالہ بھی خود بخود ہوتا جا رہا ہے، اس تاریخی سیمینار و کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے اتر دیناج پور اور قرب وجوار کے اضلاع کے علمائے کرام مخلصانہ طور پر تعاون کر رہے ہیں۔ ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ کو ضلع بھر کے نمائندہ علمائے کرام کی ایک اہم مشاورتی نشست ہوئی، جس میں ۲۰۰ر سے زائد علمائے کرام نے شرکت کی، جہاں جہاں تک اطلاع پہنچ سکی، علمائے کرام دور دراز کا سفر کر کے میٹنگ میں تشریف لائے، مختلف نکات پر اہم تجاویز پاس ہوئیں اور جشن کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی گراں قدر رائیں سامنے آئیں۔ اتنی بڑی تعداد میں علمائے کرام کا جمع ہونا ہی اپنے آپ میں ایک خوش آئند بات ہے۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی تیاری کے دوران ہمیں اس بات کا شدید احساس ہوا کہ یہ علاقہ ارباب علم ودانش اور اہل فکر وقلم کا مرکز رہا ہے، آج بھی یہاں علم وادب کے ہیرے جواہرات موجود ہیں اور ماضی میں بھی اس خطے میں علوم وفنون اور معرفت وطریقت کی عظیم ہستیاں جلوہ گر ہوئیں، لیکن یہاں کے رجال علم وادب، ان کی خدمات، ان کے کارناموں کو فراموش کیا جاتا رہا ہے، گزرتے وقت کے ساتھ ان کے نام ونشان بھی مٹتے جا رہے ہیں، اگر ہم نے ہوش کے ناخن نہیں لیے تو باقی ماندہ سرمایہ بھی لٹ جائے گا، شہر خموشاں کے چراغوں کے ساتھ ہماری موجودہ نسل کی مشعلیں بھی گل کر دی جائیں گی اور ہماری داستاں یہاں کی داستانوں سے غائب ہو جائے گی، اسی احساس نے ہمیں اپنے حلقۂ احباب اور اپنی قلمی ٹیم سے مشاورت پر مجبور کیا، اور ہم نے فیصلہ لیا کہ اتر دیناج پور کے علمائے کرام کے حالات اور ان کی گراں قدر خدمات کو اجاگر کرنے اور ان کو تاریخ کے سینے میں محفوظ کرنے کے لیے **تذکرۂ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور** مرتب کیا جائے۔ اس مجوزہ تذکرے کا تفصیلی خاکہ ہم نے اسی شمارے میں شامل کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس سے فراغت کے فوراً بعد ہم اپنی پوری ٹیم کے ساتھ اس اہم منصوبے پر کام شروع کر دیں گے اور ان شاء اللہ اس علمی و تاریخی کام کو بہت ہی احتیاط اور سوانح نگاری کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔ اس اہم منصوبے کو بھی ہم اس سیمینار و کانفرنس کی برکت اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا خصوصی فیضان سمجھتے ہیں۔

محمد ساجد رضا مصباحی

نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

کسی بھی علمی وفکری مشن کو کام یاب کرنے کے لیے مثبت نقطۂ نظر اور تعمیری فکر وخیال کا ہونا بہت ضروری ہے۔ نام ونمود کی خواہش، انا، نفسانیت، خود پسندی یہ وہ بلائیں ہیں جو سارے منصوبوں کو خاکستر کرنے کے لیے کافی ہیں، ہمارے اکثر منصوبے اسی بلا کی نذر ہوجاتے ہیں، جس دن ہم نے اپنے اس مرض کا علاج کرالیا، اسی دن انقلاب آجائے گا، ہماری تنظیمیں، ہمارے ادارے، ہمارے منصوبے سب کام یاب ہوجائیں گے، سارا اختلاف، ساری مخالفتیں، سارا انتشار اور سارا اضطراب کافور ہوجائے گا، بس ہمیں اپنے فکر وعمل میں اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے، الحمد للہ ہمارے حلقۂ احباب اور قلمی ٹیم کے اندر یہ جذبۂ ایثار بدرجۂ اتم موجود ہے اور وہ کنج خمولی میں نہایت خاموشی کے ساتھ مسلسل مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو سلامت رکھے۔

اب اخیر میں اس عظیم الشان تاریخی امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے انعقاد کے لیے کوشاں اتر دیناج پور کے جملہ علمائے کرام کے حوصلوں کو سلام کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں اور اپنے معبود حقیقی کے حضور دست بدعا ہوں کہ ہمارے جملہ علمائے اہل سنت حاسدین کے حسد، شریروں کے شر، بدخواہوں کی بدخواہی سے محفوظ رہیں، امین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

بابِ سوم

خطبات ومشاہدات

امام احمد رضا نیشنل سیمینار میں پیش کیا گیا

خطبۂ استقبالیہ

محمد ساجد رضا مصباحی: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

اتر دیناج پور کی سرزمین پر امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی اس پاکیزہ محفل میں ہم اپنے تمام مندوبین اور دور دراز سے تشریف لانے والے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے بے پناہ فرحت و مسرت کے جذبات سے سرشار ہیں۔ اہلِ علم و دانش، اربابِ فکر و قلم، اصحابِ فقہ و افتا اور جماعت اہل سنت کی بڑی قدر آور ذمے دار شخصیتیں یہاں جلوہ بار ہیں۔ علماے اہل سنت اتر دیناج پور ان تمام مقدس ہستیوں کی بارگاہ میں تشکر و امتنان کا گل دستہ لیے حاضر ہیں، ہم آپ کی اس ذرہ نوازی پر سراپا سپاس ہیں کہ آپ نے اپنے قیمتی اوقات کا ایک اہم حصہ صرف کر کے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ] کے عرس صد سالہ کی مناسبت سے منعقد اس سیمینار و کانفرنس میں شرکت کے لیے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور موسم کی شدت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس سرزمین کو اپنی قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ اس بندہ نوازی اور علم دوستی پر ہم جس قدر شکریہ ادا کریں کم ہے۔

ناشرِ مسلک اعلیٰ حضرت، مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ غیاث الدین شیر بنگال علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس دیارِ بابرکت میں ملک کے سرخیل علماے اہل سنت کی تشریف آوری کا مبارک سلسلہ نصف صدی سے زائد عرصے سے جاری ہے، ماضی میں تاج دارِ اہل سنت، مفتی اعظم ہند، حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ، عاشق رسول، تارک دنیا، مناظر اعظم ہند، مجاہد ملت، حضرت علامہ حبیب الرحمن اڑیسوی قدس سرہ، شیر بیشۂ اہل سنت، حضرت علامہ حشمت علی لکھنوی ثم پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شہزادۂ شیر بیشۂ اہل سنت، مشاہد ملت، حضرت علامہ شاہ مشاہد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، پاسبانِ ملت، مناظر اہل سنت، خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، فقیہ اعظم ہند، نائب مفتی اعظم، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی عبقری شخصیات کی قدم بوسی اور مہمان نوازی کا شرف اس سرزمین کو حاصل ہوا ہے، آج تاریخ پھر اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے اور ہندوستان کے قدآور علما، مستند و معتمد مفتیانِ اسلام، مذہبی صحافت کی دنیا میں عالم گیر شہرت کے حامل اصحاب فکر و قلم اور عصری اداروں سے تعلق رکھنے والی علمی و ادبی شخصیتوں کا ایک نورانی قافلہ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ اس سرزمین کو فیض بخش رہا ہے۔

مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی عظمتوں کے اظہار اور ملت اسلامیہ پر آپ کے بے پایاں احسانات کے اعتراف میں آپ کے وصال کے سوسال پورے ہونے پر جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت کی مناسبت سے اس تاریخی ”امام احمد رضا نیشنل سیمینار“ کا انعقاد یقیناعلماے اہل سنت اتر دیناج پور کے لیے ایک عظیم سعادت کی بات ہے۔ علم وادب، دین ومذہب اور ملک وملت کے حوالے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رَضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کی دَرّین اور لازوال خدمات کا تقاضا ہے کہ ان کی بار گاہ میں اس سے بھی اعلیٰ پیمانے پر خراج عقیدت پیش کیا جائے، ان کی تعلیمات کو عام کیا جائے، ان کے نظریات کو فروغ دیا جائے، ان کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جائے، ان کے دینی اور علمی مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے، ان کی یادوں کو زندہ اور تابندہ رکھا جائے، آنے والی نسلوں کو ان کے افکار ونظریات سے آشنا کرایا جائے، ان کے نام پر تعلیمی ادارے کھولے جائیں، ان کے نام سے منسوب ریسرچ سنٹرز قایم کیے جائیں، رفاہ عام کے لیے خدمتِ خلق کی تنظیمیں قائم کی جائیں، اسپتال اور شفاخانے تعمیر کیے جائیں، ان کی تصانیف مختلف زبانوں میں شائع کی جائیں، عصرِ جدید کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے برقی شعاؤں میں فکر رضا کی ترسیل کا اعلیٰ انتظام کیا جائے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ذات کو اہلِ سنت کے لیے نقطۂ اتحاد قرار دے کر محبت کا پیغام عام کیا جائے، ان کی عبقری شخصیت کو اپنے مفادات کے حصول کا ذریعہ نہ بنا کر امت مسلمہ کی فلاح وظفر کا وسیلہ بنایا جائے۔ الحمدللہ، علماے اہل سنت اتر دیناج پور مذکورہ تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پورے اخلاص اور لگن کے ساتھ کوشاں ہیں، ان شاء اللہ اس کے بہتر نتائج بر آمد ہوں گے۔

اعلیٰ حضرت اِمام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے عرسِ صد سالہ کے موقع پر اتر دیناج پور میں ”امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس“ کے اانعقاد کا منصوبہ پہلے پہل دار العلوم فیضِ عام کونہ ونوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور میں بنا اور یہاں کے علماے اہلِ سُنّت نے اپنے طور پر امام اہل سنت کی بار گاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے کانفرنس اور سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا، لیکن جب یہ منصوبہ شوسل میڈیا کے ذریعہ منظرِ عام پر آیا تو اتر دیناج پور کے ذمے دار علماے اہل سنت نے مشورہ دیا کہ اس جشن کو علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام منعقد کیا جائے تاکہ یہ جشن ہم سب کی طرف سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بار گاہ میں خراج عقیدت ہو جائے اور اس کے انتظام وانصرام میں ضلع بھر کے علماے کرام اور عوام اہل سنت حصہ لیں، اکابر علماے اتر دیناج پور کا یہ مشورہ مبارک ثابت ہوا، اتر دیناج پور کے علماے کرام نے مکمل جوش وخروش کے ساتھ اس جشن کے انعقاد میں حصہ لیا اور اپنی جیب خاص سے اس کے لیے ایک خطیر رقم بھی پیش کی، جس کی حیرت انگیز تفصیل ان شاء اللہ ہم سیمینار کے بعد شائع ہونے والے مجموعۂ مقالات میں پیش کریں گے۔ (یہ تفصیل اسی مجموعۂ مقالات کے آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔)

ایک اہم بات جس کا ذکر علماے کرام کی اس مقدس جماعت کی موجودگی میں ضروری ہے کہ ”امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس“ کی تیاری کے دوران ہماری ٹیم کو اس بات کا شدید احساس ہوا کہ یہ علاقہ ہمیشہ ارباب علم ودانش اور اہل فکر وقلم کا مرکز

رہا ہے، آج بھی یہاں علم وادب کے ہیرے جواہرات موجود ہیں اور ماضی میں بھی اس خطے میں علوم وفنون اور معرفت وطریقت کی عظیم ہستیاں جلوہ گر ہوئیں، لیکن یہاں کے رجالِ علم وادب، ان کی خدمات اور ان کے کارناموں کو فراموش کیا جاتا رہا ہے، گزرتے وقت کے ساتھ ان کے نام ونشان بھی مٹتے جارہے ہیں، اگر ہم نے اب بھی ہوش کے ناخن نہیں لیے تو باقی ماندہ سرمایہ بھی لٹ جائے گا، شہرِ خموشاں کے چراغوں کے ساتھ ہماری موجودہ نسل کی مشعلیں بھی گل کردی جائیں گی اور ہماری داستاں یہاں کی داستانوں سے ہمیشہ کے لیے غائب ہوجائے گی، اسی احساس نے ہمیں اتر دیناج پور کے سرکردہ علمائے کرام سے مشاورت پر مجبور کیا، اور ہم نے فیصلہ لیا کہ اتر دیناج پور کے علمائے کرام کے حالات اور ان کی گراں قدر خدمات کو اجاگر کرنے نیز انہیں تاریخ کے سینے میں محفوظ کرنے کے لیے ٹیم ورک [Team work] کے ذریعہ تذکرۂ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور مرتب کیا جائے۔ اس اہم مقصد کے حصول اور علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے دیگر تصنیفی واشاعتی کاموں کو مستحکم اور منظم کرنے کے لیے ہم نے آئینۂ ہند، شیخ المشائخ، حضرت شیخ اخی سراج الدین عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار کے طور پر آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور قائم کیا ہے اور مواد کی فراہمی میں آسانی کے لیے ''تذکرہ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور'' کا ایک چار ورقی فارم تیار کیا ہے، جسے اتر دیناج پور سے تعلق رکھنے والے علما ''آئینۂ ہند اکیڈمی'' کے دفتر سے اسی وقت حاصل کرسکتے ہیں۔ ان شاء اللہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس سے فراغت کے فوراً بعد ہم اپنی پوری ٹیم کے ساتھ اس منصوبے پر کام شروع کردیں گے، اس اہم منصوبے کو بھی ہم اس سیمینار وکانفرنس کی برکت اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا خصوصی فیضان سمجھتے ہیں۔

معزز سامعین! آج کا یہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار اور کل سے جاری احمد رضا نیشنل کانفرنس یقیناً اتر دیناج پور کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا، اس لیے نہیں کہ اس کانفرنس وسیمینار میں ہزاروں افراد کی بھیڑ اکٹھا ہوئی، ایک خطیر رقم صرف کرکے تزئین وآرائش کا اہتمام کیا گیا اور ملکی سطح پر اس کانفرنس وسیمینار کو شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، بلکہ اس لیے کہ اس کی برکتوں سے اتر دیناج پور کے علمائے کرام کو ایک دوسرے سے قریب ہونے کا موقع ملا، انفرادی جذبات کو اجتماعیت کی شکل نصیب ہوئی، یہاں کے نوجوان فضلا کے منتشر کاموں کو ایک مضبوط پلیٹ فارم نصیب ہوا، سیمینار کے اسی پلیٹ فارم سے کئی اہم علمی ودینی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا بھی حوصلہ ملا، اسی سیمینار کے فیضان سے ہمارے درمیان پائے جانے والے بہت سارے تکلفات دور ہوئے اور قربتیں بڑھیں، اس جشن کے طریقۂ کار اور اس کے نظم ونسق سے اس علاقے میں منعقد ہونے والے جلسوں کو بامقصد بنانے کا ایک نیا زاویہ ملا، بحمدہ تعالیٰ اتر دیناج پور کے دو ہزار سے زائد علمائے کرام سے اس وقت ہمارا رابطہ ہے، علمائے کرام کی یہ وہ جماعت ہے جو کسی بھی دینی، مذہبی اور علمی کام کے لیے ہمہ وقت تیار ہے، اللہ کرے ہماری یہ اجتماعیت برقرار رہے اور اس کے مثبت اور دوررس نتائج برآمد ہوں۔

اس سیمینار وکانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے کئی سعادت مند شخصیتوں اور علمائے کرام کی ایک مقدس جماعت نے کئی مہینوں سے شب وروز انتھک محنت کی ہے، بجٹ کی فراہمی کے لیے دردر کی خاک چھانی ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی

قدس سرہ کی عقیدت و محبت میں اپنے آرام وآشائش کو تج کر بڑا صبر آزما اور مشقت بھرا سفر طے کیا ہے، میں کس کس کا نام لوں اور کس کس کو مبارک باد پیش کروں، اس مقدس جماعت کے حق میں بس اتنا کہنا ہی کافی ہوگا:

ع   خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہم اخیر میں ایک بار پھر اپنے تمام مندوبین اور مختلف علاقوں سے تشریف لانے والے مہمانوں کی بارگاہ میں شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض گزار ہیں کہ آپ نے ہماری دعوت قبول فرمائی، اپنا قیمتی وقت صرف کر کے اس سمینار و کانفرنس کو رونق بخشا، ہمیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ ہم آپ کی شایانِ شان ضیافت اور مہمان نوازی کا اہتمام نہیں کر سکے ہیں اور نہ ہی آپ کے آرام وآشائش کا خاطر خواہ انتظام ہو سکا ہے، ہم جملہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور اپنی کوتاہیوں کے لیے معذرت خواہ ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اپنے دامن عفو وکرم میں جگہ عنایت فرماتے ہوئے آئندہ بھی اپنی نوازشات اسی طرح جاری رکھیں گے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم ان تاریخی لمحات میں علماے اہل سنت اتر دیناج پور اور ہندوستان کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے ان علماے کرام کو فراموش کر جائیں جنھوں نے اس سمینار و کانفرنس کے مصارف کی تکمیل کے لیے نامساعد حالات میں بھی حیرت انگیز سخاوت وفیاضی اور دریا دلی کا مظاہرہ فرمایا، اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے ہمیں بے پناہ مسرت ہو رہی ہے کہ اس جشن کے انعقاد میں جو صرفہ آیا ہے اس کا نصف سے زائد حصہ علماے کرام نے اپنی جیب خاص سے عنایت فرمایا ہے، یقیناً یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے گہری وابستگی اور سچی عقیدت کا بین ثبوت ہے، ہم ان تمام علماے کرام کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے دامے، درمے، قدمے، سخنے اس سیمینار و کانفرنس میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ اس جذبۂ انفاق کو سلامت رکھے۔ آمین۔

رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہماری اس حاضری کو قبول فرمائے اور ہمیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم

من جانب: علماے اہل سنت اتر دیناج پور بنگال

مورخہ ۲۱/ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ/ مطابق ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء یک شنبہ

[**نوٹ:** اس خطبۂ استقبالیہ کو علماے اہل سنت اتر دیناج پوری کی جانب سے **حضرت مولانا سبحان رضا مصباحی** زید مجدہ نے امام احمد رضا نیشنل سیمینار میں پیش فرمایا۔]

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس: دو روزہ روح پرور تقریبات کی داستانِ شوق

محمد ساجد رضا مصباحی: استاذ دار العلوم غریب نواز داہو گنج، کشی نگر

اتر دیناج پور بنگال عوامی جلسوں اور کانفرنسوں کی سرزمین ہے، یہاں ماضی میں بھی بڑے بڑے اجلاس ہوتے رہے ہیں، گزرتے وقت اور بدلتے زمانے کے ساتھ جلسوں کے رنگ و آہنگ میں تبدیلیاں تو ہوتی رہیں، لیکن یہ سلسلہ کبھی ٹوٹا نہیں، کبھی یہ جلسے بڑی سادگی کے ساتھ منعقد ہوا کرتے تھے اور معتقدات اہل سنت کی تبلیغ و تشہیر کا ایک مضبوط ذریعہ سمجھے جاتے تھے، آج بھی یہی مقصد بیان کر کے ان کانفرنسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ الگ موضوع ہے کہ یہاں کے مروجہ جلسے اس وقت اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہیں اور کتنے ناکام؟۔

۲۰۱۸ء کے اختتام کے ساتھ سرزمین اتر دیناج پور بنگال میں اس حوالے سے ایک ایسی تاریخ رقم ہوئی جس کے دور رس اثرات دیر تک محسوس کیے جائیں گے اور جسے یہاں کی مذہبی تاریخ لکھنے والا انصاف پسند مورخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گا۔ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا انعقاد علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کا وہ لازوال کارنامہ ہے جس کے اثرات ملکی و بین الاقوامی سطح پر محسوس کیے گئے، ملک کے مقتدر علما و مشائخ نے اسے تاریخی قرار دیتے ہوئے مبارک بادیاں پیش کیں اور گراں قدر تاثرات سے نوازا۔ اس سیمینار و کانفرنس کے انعقاد کے لیے علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کی جاں فشانیاں، ان کی مخلصانہ جد و جہد اور مقامی علمائے اہل سنت کی کوششیں یقیناً اس لائق ہیں کہ انہیں ہدیہ تبریک پیش کیا جائے، ان کے حوصلوں کو جھک کر سلام کیا جائے اور ان کے طرز عمل کو نمونۂ عمل بنایا جائے۔ آج کی صحبت میں ہم اس سیمینار و کانفرنس کا پس منظر اور دو روزہ کانفرنس و سیمینار کی دل چسپ داستان رقم کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

پس منظر: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ذات بابرکات سے ہماری فکری و قلبی وابستگی اس قدر مستحکم ہے کہ ان کے نام سے جڑا ہر کام ہمیں ذہنی تسکین اور روحانی آسودگی فراہم کرتا ہے، جب تک ہم اپنی گفتگو میں ان کا ذکر شامل نہیں کر لیتے ہمیں اپنی مجلسیں ادھوری محسوس ہوتی ہیں، ان کی ہر بات ہمارے لیے سند اور ان کی ہر عبارت ہماری دلیل ہوتی ہے، دراصل ہم نے جس سرزمین پر اپنی آنکھیں کھولیں وہاں کی فضائیں عشق رضا کی سرفرازیوں سے مشک بار تھیں، وہاں کے گلی کوچے فکر رضا کی خوشبوؤں سے معطر تھے، وہاں کی پوری آبادی امام عشق و محبت کی شیدائی اور مفتی اعظم ہند کی غلامی کی زنجیروں میں

جکڑی ہوئی تھی، ظاہر ہے یہ چیزیں ہمارا رشتہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے مستحکم کرنے کے لیے کافی تھیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے وصال کو سو سال پورے ہونے پر عالم اسلام میں جگہ جگہ **"رضا صدی تقریبات"** کی منصوبہ بندی شروع ہوئی تو ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اتر دیناج پور اصحابِ علم و فضل کا مرکز اور خوش عقیدہ سنیوں کا مسکن ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے عقیدت رکھنے والے بلکہ ان کے نام پر جان چھڑکنے والے یہاں ہر گاؤں اور ہر قصبے میں موجود ہیں، اس مبارک موقع پر ہمیں بھی اتر دیناج پور کی سرزمین سے امام اہل سنت کی بارگاہ میں شایانِ شان خراج پیش کرنا چاہیے۔ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ کو دارالعلوم فیض عام کے فیض یافتگان میں پہلے پہل حضرت مولانا شکیل انور مصباحی، حضرت مولانا احمد رضا قادری، حضرت مولانا اسمٰعیل رضوی، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا شمس الدین رضوی، حضرت مولانا محمد سبحان رضا قادری مصباحی اور حضرت مولانا شاکر رضا نظامی وغیرہ سے میں نے اس منصوبے کا ذکر کیا، ان مقدس علماے کرام نے اس خیال کی نہ صرف تائید و حمایت کی بلکہ اس کے لیے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ ۲۸؍ رمضان المبارک اور ۲؍ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ کو دارالعلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات اتر دیناج پور میں دو اہم نشستیں ہوئیں جن میں جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت کی مناسبت سے "امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس" کے انعقاد پر غور و خوض ہوا اور باتفاق رائے ۲۹، ۳۰؍ دسمبر ۲۰۱۸ء کی تاریخیں اس عظیم الشان پروگرام کے لیے منتخب ہوئیں۔

تیاریوں کا پہلا مرحلہ: مقامی سطح پر منعقد دو نشستوں کے بعد امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے منصوبے کی اطلاع جب سوشل میڈیا اور اخبارات و رسائل کے ذریعہ عام ہوئی تو ملک کے مختلف گوشوں میں مقیم یہاں کے علما، حفاظ و قرا اور ائمہ کرام میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی، گویا اس سیمینار و کانفرنس کا انعقاد جملہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور کے دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل ہو، باہمی تبادلۂ خیال اور مشاورت کے لیے کئی واٹسپ گروپ تیار کیے گئے اور بہت قلیل مدت میں علماے کرام کی ایک عظیم جماعت اس سیمینار و کانفرنس سے وابستہ ہو گئی۔ کسی بھی بڑے پروگرام کے خاکے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بجٹ کی فراہمی کا مسئلہ بڑا اہم ہوتا ہے۔ ۲؍ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ کو منعقد نشست میں مشاورت کے بعد طے پایا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی یاد میں منعقد ہونے والے اس جشن میں مالی تعاون کے لیے علماے کرام کو پیش قدمی کرنی ہوگی۔

حضرت مولانا احمد رضا قادری صاحب نے اپنے جذباتی خطاب میں علماے کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے احسانوں تلے دبے ہیں، ہمارا علمی اور دینی کارواں انھی کے کھینچے ہوئے خطوط پر رواں دواں ہے، احسان شناسی کا تقاضا ہے کہ اپنے محسن کا زبانی طور پر ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے نام پر اپنی کمائی کا بھی ایک حصہ صرف کریں۔ بحمدہ تعالیٰ اس خطاب کا زبردست اثر ہوا اور اسی نشست میں موجود علماے کرام نے دست تعاون بڑھایا اور ایک معتدبہ رقم کی فہرست تیار ہو گئی، بعد میں واٹسپ گروپ کے ذریعہ یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور اس جشن کے اخراجات کا نصف حصہ علماے کرام نے جیب خاص سے پورا کیا۔ تقریباً چار سو علماے کرام نے بڑی دریا دلی کا مظاہرہ فرماتے ہو

ئے مالی تعاون میں حصہ لیا، میری معلومات کے مطابق اتر دیناج پور میں یہ پہلا موقع تھا جب اتنی بڑی تعداد میں علماے کرام نے کسی سیمینار و کانفرنس کے لیے مالی تعاون پیش کیا، اکابر علما نے سرپرستی فرمائی اور اصاغر نے اپنی اپنی ذمے داریوں کو بحسن وخوبی شوق وجذبے کے ساتھ نبھایا۔

تیاریوں کا دوسرا مرحلہ: ابتدائی مرحلے میں امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس مقامی سطح کا پروگرام تھا، اور اسی نہج پر اس کا خاکہ تیار کیا گیا تھا، لیکن جوں جوں اس کی خبریں عام ہوئیں اور اس کا خاکہ علما تک پہنچا، علماے کرام نے اس انقلابی خاکے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس میں شمولیت اختیار کرنا شروع کیا، لوگ آتے گئے کارواں بنتا گیا، اس لیے یہ طے پایا کہ پروگرام کے خاکے کو حتمی شکل دینے کے لیے ضلع بھر کے نمائندہ علماے کرام اور اصحاب فکر وبصیرت کی ایک اہم مشاورتی نشست منعقد کر کے اس کے سارے پہلوؤں پر غور و خوض کر لیا جائے، لہٰذا مورخہ ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۲ر ستمبر ۲۰۱۸ء کو دارالعلوم فیض عام میں ایک اہم مشاورتی نشست رکھی گئی، اس نشست میں اتر دیناج پور کے مختلف حلقوں سے تقریباً دو سو علماے کرام نے شرکت کی، جس میں نوجوان علما وفضلا کے ساتھ اتر دیناج پور کے اکابر علما ومفتیان عظام خاص طور سے شریک رہے، اس نشست میں سیمینار و کانفرنس کے مندوبین کی فہرست کو حتمی شکل دیا گیا، بجٹ کا تخمینہ اور اس کی فراہمی کی صورتوں پر غور وخوض ہوا، نظم ونسق کے مختلف پہلوؤں پر سنجیدگی کے ساتھ تبادلۂ خیال ہوا اور امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا تفصیلی پوسٹر مرتب کر کے پریس کے حوالے کیا گیا۔

تیاریوں کا تیسرا مرحلہ: ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ کو منعقد ہونے والی نشست کے بعد پروگرام کا حتمی خاکہ مکمل طور پر مرتب ہو کر منظر عام پر آچکا تھا، سیمینار کے لیے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات وخدمات کے مختلف گوشوں پر سو سے زائد عناوین کا انتخاب کیا گیا، فوری طور پر اصحاب فکر وقلم کی بارگاہوں میں دعوت نامے پیش کر دیے گئے اور ان کی شرکت کی منظوری بھی حاصل کر لی گئی اور بہت ہی توجہ کے ساتھ مندوبین کی آمد و رفت کا شیڈول تیار کر کے ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کر لیا گیا۔ بحمدہ تعالیٰ یہ سارا کام اپنے وقت پر بحسن وخوبی انجام پاتا گیا، پروگرام کو کام یاب بنانے کے لیے اس ناچیز اور گرامی قدر حضرت مولانا احمد رضا قادری استاذ دارالعلوم افضل المدارس الہ آباد نے کئی بار یوپی سے بنگال کا سفر کیا، الحمدللہ ہر سفر بامقصد اور کام یاب رہا، علماے اتر دیناج پور میں جو حضرات علاقے میں موجود تھے انھوں نے مسلسل توجہ بنائے رکھی اور جو حضرات دور دراز علاقوں میں خدمت دین پر مامور ہیں، وہیں سے اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے اور ذمے داران کے حوصلوں کو جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کیا، واٹسپ گروپ کے ذریعہ ایک دوسرے کو جشن کی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہے، دل کو موہ لینے والی شگفتہ تحریروں سے ماحول کو خوش گوار بنائے رکھا اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والے اشعار کے ذریعہ فضاؤں کو گل بداماں بنانے کا کام کیا۔

بجٹ کی فراہمی کے لیے ہمارے چند کرم فرماؤں نے دوسرے صوبوں کا بھی دورہ کیا، عالی جناب سلیم الدین صاحب

ابن الحاج عبد السلام صاحب نوری، نوری نگر کمات رضا کارانہ طور پر سورت، گجرات کے سفر پر گئے جہاں نوری نگر کمات اور قرب وجوار کے نوجوان فیکٹریوں میں ملازمت کرتے ہیں۔ سورت ہی کے معروف ادارہ جامعہ فاطمۃ الزہرا میں امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے دو خاص رکن حضرت مولانا شبیر احمد ثقافی اور حضرت مولانا عظمت رضا نظامی تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان حضرات کی معیت میں جناب سلیم الدین صاحب نے ان فیکٹریوں کا دورہ کیا، واپسی میں الہ آباد ہوتے ہوئے مرزاپور میں مقیم نوری نگر کمات اور قرب وجوار کے جوانوں کو اس سعادت میں شریک کر لیا، موصوف نے کہنہ سالی اور ناسازی طبع کے باوجود جس طرح پورے جشن کی نگرانی فرمائی وہ ان کے حد درجہ دینی جذبہ اور سعادت مندی کی دلیل ہے۔ نوری نگر کمات کے ایک وفا شعار نوجوان جناب شرافت حسین ابن جناب سلیم الدین صاحب اور جناب ضیاء الدین صاحب پانی پت کے دورے پر گئے، اللہ تعالیٰ ان مخلصین کو بے پناہ اجر و ثواب سے نوازے۔

ربیع النور ۱۴۴۰ھ کے آخری عشرے میں علاقے کا دورہ شروع ہوا، ان دوروں کے دو خاص مقاصد تھے، ایک یہ کہ بجٹ کی فراہمی میں آسانی ہو جائے اور دوسرا یہ کہ علاقے کے ہر ہر فرد تک کانفرنس و سیمینار کی دعوت پہنچ جائے، تقریباً ڈیڑھ مہینے تک قدرے وقفہ کے ساتھ علاقے کا دورہ جاری رہا، علاقے کے دوروں کو منظم کرنے اور کامیاب بنانے میں کونہ و نوری نگر کمات اور قرب وجوار کے علما، دار العلوم فیض عام، کونہ و نوری نگر کمات، دار العلوم گلشن رضا سید العلوم رحمن نگر، دار العلوم غریب نواز شیشہ باڑی اور قرب و جوار کے مدارس کے اساتذہ نے اہم کردار ادا کیا، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی ناظم تعلیمات دار العلوم فیض عام کی شان دار قیادت اور دیگر متعدّد علما کی رفاقت میں یہ مرحلۂ شوق بھی مکمل ہو گیا، یہاں ہم ان جاں باز اور مخلص علما کے نام طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کر سکتے جنھوں نے موسم کی شدت کی پروا کیے بغیر اپنے آرام وآسائش کو تج کر امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے لیے اپنا قیمتی وقت صرف کیا، لیکن مجھے یقین ہے ان کی یہ کاوشیں رائیگاں نہیں جائیں گی اور اپنے رب کی بارگاہ سے انہیں اس کا بہتر اجر ضرور ملے گا۔

یہاں اگر ہم کونہ و نوری نگر کمات کے ان کسانوں کا ذکر نہ کریں تو بڑی ناانصافی ہو گی جنھوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی عقیدت کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جو اعلیٰ حضرت کے نام پر زبانی جمع خرچ کرنے والوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔ ہوا یوں کہ ابتدائی مرحلے میں جشن صد سالہ کی تقریبات کا انعقاد دار العلوم فیض عام کے احاطے ہی میں ہونا تھا، لیکن بعد میں جب پروگرام کا دائرہ بڑھا تو دار العلوم فیض عام کا احاطہ ناکافی محسوس ہونے لگا، دار العلوم کے احاطے کے باہر کھیتوں میں یہ پروگرام منعقد ہو سکتا تھا، لیکن پریشانی یہ تھی کہ یہ گیہوں اور مکئی وغیرہ بونے کا موسم تھا، کسان اپنی اپنی زمینوں کو تیار کر رہے تھے، دار العلوم کے ذمے داران نے اس مسئلے کے حل کے لیے زمین مالکان کی ایک میٹنگ رکھی اور انہیں اس صورت حال سے آگاہ کیا، یہاں کے لوگ پہلے ہی سے اعلیٰ حضرت کے شیدائی ہیں، جب انھوں نے اس مسئلے کی نزاکت کو محسوس کیا تو متفقہ طور پر اپنی زمینوں کو سیمینار و کانفرنس تک کے لیے خالی چھوڑنے اور کھیتی کو وقت معین سے موخر کرنے پر آمادہ ہو گئے،

یہ ان کی ایسی قربانی ہے جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے اور امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی تاریخ میں اسے جلی حرفوں میں لکھا جائے گا۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں :انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، سیمینار و کانفرنس کے ایام قریب سے قریب تر ہو گئے، ۲۰/ دسمبر سے ہی ملک کے مختلف گوشوں میں رہنے والے یہاں کے علما، حفاظ، قرا، ائمہ مساجد اور یہاں کے نوجوانوں کے قافلے اترنے لگے، دارالعلوم فیض عام میں دن بھر اور دیر رات تک قرب وجوار کے علماے کرام اور ذمے داران کی ٹیمیں موجود رہتیں، دن بہ دن یہاں کی رونق میں اضافہ ہو رہا تھا، ۲۳/ دسمبر کو یہ خادم بھی حاضر ہو گیا، کئی اہم دورے باقی تھے، تیاریوں کا جائزہ بھی لینا تھا، نظم ونسق اور سیکوریٹی کے مسائل بہت اہم تھے، جس کے لیے بہت ہی توجہ کے ساتھ منصوبہ بندی کی ضرورت تھی، ۲۷/ دسمبر کو بعد نماز مغرب نوجوانوں کی ایک اہم نشست رکھی گئی، جس میں آٹھ دس گاؤں کے منتخب نوجوان اور مخصوص افراد شریک ہوئے، پکلیہ تھانے کا نمائندہ بھی شریک ہوا، اس نشست میں بڑی اہم تجاویز پاس ہوئیں اور طے پایا کہ ہر گاؤں سے دس یا بیس نوجوانوں کا انتخاب کر کے انہیں ذمے داریاں سونپ دی جائیں، جلسہ گاہ کی نگرانی، بیرونی علما کی ضیافت، انہیں اسٹیشن سے ریسیو کرنے، واپسی کے وقت اسٹیشن تک پہنچانے کے لیے الگ الگ ٹیمیں بنائی جائیں، کنٹرول روم، دفتر معلومات، میڈیا سینٹر، استقبالیہ کمیٹی، میڈیکل ہیلپ وغیرہ کے لیے الگ الگ افراد کا انتخاب کیا جائے۔ اسی نشست میں ان تمام ذمے داریوں کے لیے افراد کا انتخاب کر لیا گیا۔ ۲۸/ دسمبر کو ان منتخب نوجوانوں کو ٹریننگ کے لیے صبح نو بجے دارالعلوم فیض عام بلایا گیا، یہ دیکھ کر ہم حیرت ومسرت کے جذبات سے سرشار ہو گئے کہ تقریباً تین سو نوجوان وقت مقررہ پر دارالعلوم کے صحن میں موجود تھے، حضرت مولانا احمد رضا قادری، حضرت مولانا شکیل انور مصباحی، حضرت مولانا شمس الدین رضوی، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا نور محمد وغیرہ علماے کرام نے ان نوجوانوں کو ان کی ذمے داریوں سے آگاہ کیا، یہ پہلا موقع تھا جب میں نے ایک آواز پر ایک مذہبی کام کے لیے مختلف گاؤں سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کی اتنی بڑی تعداد کو برضا ورغبت کسی نشست میں شریک ہوتے دیکھا۔

۲۸/ دسمبر کو بعد نماز مغرب قرب وجوار کے علما کی مشاورتی نشست رکھی گئی تھی، بعد نماز مغرب دارالعلوم فیض عام کی جامع مسجد میں کثیر تعداد میں علما وطلبہ موجود تھے، پوری مسجد علماے کرام سے بھری ہوئی تھی، علماے کرام کی ٹیم بنا کر الگ الگ ذمے داریاں سپرد کی گئیں، سبھی علما نے بہت ہی خوش دلی کے ساتھ اپنی اپنی ذمے داریوں کو نبھانے کا عہد کیا، پنڈال میں نماز باجماعت کے اہتمام کے لیے امام وموذن کا انتخاب کیا گیا، اسی طرح دارالعلوم فیض عام کی جامع مسجد کے لیے بھی خصوصی امام وموذن اور اذان وجماعت کے خصوصی اوقات متعیّن کیے گئے، اس طرح یہ میٹنگ بھی مکمل کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

۲۷/ دسمبر سے ہی تیاریوں کے جائزے کے لیے علاقے کے ذمے دار علماے کرام ومفتیان عظام کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، حضرت مولانا قاری مسعود احمد رضوی بانی جامعہ تاج الشریعہ للبنات مالن گاؤں اور استاذی الکریم حضرت مولانا عبد

الجبار رضوی املیہ ایک قافلے کے ساتھ پہنچے اور انتظامات کا معائنہ فرمایا، گرامی وقار حضرت مفتی عارف حسین رضوی نعیمی کھمار پوکھر بھی اپنے احباب کے ایک قافلے کے ساتھ دارالعلوم فیض عام تشریف لائے، حضرت مولانا شارب ضیا رضوی مصباحی، چپوا، حضرت مولانا نوشاد عالم نظامی مالن گاؤں، حضرت مولانا مختار عالم رضوی ڈیہر اور بھی بہت سارے علمائے کرام نے جن کے اسمائی تفصیل ذکر کرنا ممکن نہیں ہے، اپنی اپنی ٹیموں کے ساتھ تشریف لائے، جلسہ گاہ اور دوسرے انتظامات کا جائزہ لیا، بہت سارے علمائے کرام نے فون کر کے انتظامات کی تفصیلات معلوم کیں اور حوصلہ بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا پہلا دن:

۲۹/ دسمبر ۲۰۱۸ء سنیچر کا دن تھا، صبح سے ہی دارالعلوم فیض عام میں عجیب رونق اور چہل پہل نظر آرہی تھی، چاروں جانب سے علاقائی علمائے کرام کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، کونہ و نوری نگر کمات کے علما اور قرب و جوار کے مدارس کے اساتذہ اپنی ذمے داریوں کی ادائیگی کے لیے دارالعلوم فیض عام پہنچ چکے تھے، خاص ذمے داران تو دو دن پہلے ہی سے دارالعلوم فیض عام میں بستر جما چکے تھے، اور ہر ہر مومنٹ پر نظر جمائے ہوئے تھے، اطمینان کی بات یہ تھی کہ تمام مندوبین ۲۸/ دسمبر کو اپنے اپنے مقررہ اوقات میں ٹرینوں پر سوار ہو چکے تھے، جنہیں ۲۹/ دسمبر کو کشن گنج ریلوے اسٹیشن پہنچنا تھا، ہم لوگ ان مندوبین سے مسلسل رابطے میں رہے، دس بجے شب جب مندوبین کا آخری قافلہ پٹنہ سے کیپٹل اکسپریس میں سوار ہو گیا تو ہم لوگوں نے چین کی سانس لی، بعد نماز فجر ہی سے مہمانوں کے ریسیو کرنے کے لیے منتخب کی گئی گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو الرٹ کر دیا گیا تھا اور حضرت مولانا عظمت رضا نظامی حضرت مولانا سبحان رضا مصباحی، حضرت مولانا حیدر رضا، حضرت مولانا صفدر رضا رضوی، حضرت مولانا محسن رضا نظامی اور حضرت حافظ احسان رضا کو اس اہم کام کی ذمے داری سونپ دی گئی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے نارتھ ایسٹ اکسپریس اور کیپٹل اکسپریس کے قافلے تقریباً ایک ساتھ کشن گنج پہنچے، ان قافلوں میں ماہر رضویات حضرت مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں پٹنہ، حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی الہ آباد، حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد ادارۂ شرعیہ پٹنہ، حضرت مولانا غلام جیلانی مصباحی پھپھوند شریف، حضرت مولانا مفتی قطب الدین رضا مصباحی دربھنگہ، حضرت مولانا صابر رضا رہبر مصباحی پٹنہ، حضرت مولانا قیصر اعظمی، اعظم گڑھ، حضرت مولانا مفتی غلام سرور صاحب پٹنہ شامل تھے، تقریباً بارہ بجے دن ان باوقار شخصیتوں کا ورود مسعود دارالعلوم فیض عام میں ہوا، علاقائی علمائے کرام نے زبردست انداز میں ان کا استقبال کیا، پوری فضا نعرہائے تکبیر و رسالت سے گونج اٹھی، چند منٹوں بعد ہی مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی اور ان کے شہ زادۂ گرامی حضرت مولانا اختر الاسلام نعمانی کا قافلہ بھی دارالعلوم فیض عام پہنچ گیا تھا، ایک بار پھر فضا میں نعروں کی گونج سنائی دی، بڑا روح پرور منظر تھا، دست بوسی اور مصافحہ اور معانقہ کا سلسلہ جاری تھا، مہمانوں کو ان کی قیام گاہوں تک پہنچایا جا رہا تھا، مختصر چائے ناشتے کے بعد ظہرانہ سے فارغ ہو کر مندوبین کے آرام کے لیے تخلیہ کر دیا گیا۔

بعد نماز ظہر پکلیہ تھانے کا ایس او سیکوریٹی کے تیس جوانوں کے ساتھ دارالعلوم فیض عام سے متّصل پنچایت آفس میں

پہنچا، پکلایہ تھانہ نے بھیڑ کو کنٹرول کرنے اور جشن میں شرکت کرنے والے ہزاروں سامعین کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے باضابطہ میپ تیار کر کے سیکوریٹی اہلکاروں کو تعینات کرنے کا فیصلہ کیا تھا،ایس او نے اس خادم سے مل کر سمینار و کانفرنس کے انعقاد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اتر دیناج پور میں منعقداس وِشال سبھا کو سیکوریٹی فراہم کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، ہم نے چاروں طرف کا دورہ کر کے ایک میپ تیار کرلیا ہے اور اسی کے مطابق ہمارے جوان تعینات رہیں گے اور ۳۰ر دسمبر کی صبح تک یہیں کیمپ لگا کر نگرانی کریں گے۔ ہم ضلع انتظامیہ اور تھانہ پکلایہ کا اس تعاون کے لیے شکر گزار ہیں۔

بعد نماز عشا امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی پہلی شب تھی، مقررہ وقت کے مطابق بعد نماز عشا بغیر کسی تاخیر کے عظیم الشان کانفرنس کا آغاز ہوا، آج کی کانفرنس میں بڑی جلیل القدر ہستیاں خطاب کے لیے مدعو تھیں، وقت کی قلت اور اصحابِ علم و فضل کی طویل فہرست کی وجہ سے ہر خطیب کے لیے آدھا گھنٹہ کا وقت متعیّن کرنا پڑا تھا، حضرت مولانا قیصر اعظمی مصباحی کی باوقار اور سنجیدہ نظامت میں پروگرام کا آغاز ہوا، ابتدائی خطاب نوجوان عالم دین حضرت مولانا نوشاد عالم مصباحی، صدرالمدرسین دارالعلوم غریب نواز شیشہ باڑی اور حضرت مولانا مفتی رفیق الاسلام مصباحی کولکاتا نے فرمایا۔ رضویات کی دنیا میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے والے بزرگ عالم دین اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی شخصیت پر اتھارٹی کی حیثیت رکھنے والے خطیب، حضرت مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں صاحب پٹنہ آج کے خطبا میں سرفہرست تھے، انھوں نے دل کو موہ لینے والے انداز میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے افکار و نظریات اور ان کی ہمہ جہت شخصیت کو جس سنجیدہ لب و لہجے میں بیان فرمایا وہ یقیناً انھی کا حصہ ہے، ان کے خطاب کے دوران پورا مجمع اور ہزاروں علما جو اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے، ہمہ تن گوش اور بڑی محویت کے ساتھ سراپا سماعت تھے۔ حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی استاذ دارالعلوم غریب نواز الٰہ آباد یوپی ہندوستان کے ان علما میں ہیں جو درس گاہی وقار کے ساتھ خطابت اور تحریر و قلم کے میدان میں بھی یکساں شہرت و مقبولیت کے حامل ہیں، آج کی اس تاریخ ساز کانفرنس میں حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی کا بھی زبردست خطاب ہوا، انھوں نے مختصر وقت میں بڑے ہی اچھوتے لب و لہجے میں امام عشق و محبت کا پیغام سامعین تک پہنچایا، معروف خطیب مولانا سیف اللہ علیمی کولکاتا کے مختصر بیان کے بعد کانفرنس کی پہلی شب اختتام کو پہنچی، نعت خوانِ رسول جناب شعیب رضا وارثی بھدوہی اور مداح خیر الانام حضرت مولانا عادل رضا نعیمی نے اپنی نغمہ سنجی سے کانفرنس کو لالہ زار بنائے رکھا اسٹیج پر اور پنڈال میں دور دراز اور قرب و جوار کے سیکڑوں علما کی موجودگی نے کانفرنس کو تاریخی اور یادگار بنا دیا۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا دوسرا دن۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا دوسرا دن خاص اہمیت کا حامل اور بہت مصروف دن تھا، خاص طور سے انتظامی کمیٹی کے لیے نظم و نسق کو بحال رکھنا اور سیکوریٹی پر مامور افراد کے لیے تحفظ فراہم کرنا ایک طرح کا چیلنج تھا، اس کے لیے نمازِ فجر کے بعد ہی سے پوری باڈی کا حرکت میں رہنا ضروری تھا، ذرا سی تساہلی اور تاخیر پورے شیڈول کو خراب اور آج منعقد ہونے

والے امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کو متاثر کر سکتی تھی، لیکن ہمارے ذمے داران نے حد درجہ تھکاوٹ اور سخت سردی کے باجود کہیں سے کسی غفلت کو راہ پانے نہیں دیا، حضرت مولانا احمد رضا قادری، حضرت مولانا شکیل انور مصباحی، حضرت مولانا شاکر رضا نظامی، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا انظر القادری وغیرہ اور دیگر اساتذۂ دارالعلوم فیض عام پوری چستی کے ساتھ فجر کے بعد ہی سے اپنی اپنی ذمے داریوں کو نبھانے میں مصروف رہے، اپنے آرام وآسائش کو تج کر ٹھنڈک کی شدت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مہمانوں کے چائے ناشتے کا انتظام اور سیمینار گاہ کو تیار کرنے میں مکمل طور پر مصروف ہو گئے۔

صبح ساڑھے آٹھ بجے سیمینار گاہ مکمل طور پر سج کر تیار تھا، عام طور پر سیمینار کا انعقاد کسی بڑے ہال میں ہوا کرتا ہے، جس کے لیے وہاں ہر طرح کی سہولیات دست یاب ہوتی ہیں، لیکن کھیتوں میں بنے ایک بڑے وسیع وعریض پنڈال میں سیمینار کا سیٹ اَپ تیار کرنا بہت ہی دشوار تھا، لیکن سابقہ تجربات کو مدِ نظر رکھ کر میں نے اپنے ذہن میں جو خاکہ بنایا تھا، جب وہ خاکہ مکمل رنگ وآہنگ کے ساتھ معرض وجود میں آیا تو اس کی رونقوں نے سب کا دل موہ لیا، گرامی وقار حضرت ڈاکٹر مولانا سجاد عالم مصباحی دیناج پوری نے جو اس سیمینار و کانفرنس کے اہم مشیر اور مخلص سرپرست تھے، بڑی اپنائیت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ساڑھے آٹھ بجے دانشوران کی ایک ٹیم کے ساتھ سیمینار گاہ کا جائزہ لیا اور اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے اہم مشوروں سے بھی نواز۔

ٹھیک نو بجے سیمینار کا آغاز حضرت مولانا توحید عالم مصباحی استاذ دارالعلوم افضل المدارس الہ آباد کی تلاوت سے ہوا، نظامت کی ذمے داری اس فقیر کے حصے میں آئی۔ صدرات کی کرسی پر معروف دانش ور، مبلغ اسلام، حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی، بانی و مہتمم دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ ورکن المجمع الاسلامی مبارک پور جلوہ فگن تھے، خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی عبد الغفور صاحب قبلہ سرپرستی فرمانے کے لیے بنفس نفیس موجود تھے، اس سیمینار کے لیے تقریباً سو اہل قلم نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات وخدمات اور افکار ونظریات کے مختلف گوشوں پر مقالے لکھے تھے، چند گھنٹوں کے سیمینار میں ان مقالوں کو پیش کرنا ناممکن تھا، اس لیے ذمے داران نے یہ فیصلہ لیا کہ چند اہم مقالوں کی تلخیص پیش کر دی جائے اور باقی مقالوں کا اعلان کر دیا جائے۔

سوا نو بجے اہل علم ودانش اور ارباب فکر وقلم اور علما ومشائخ کا نورانی قافلہ جب سیمینار گاہ میں پہنچا تو عجب روح پرور منظر تھا، میں کبھی اصحابِ علم وفضل کی اس نورانی جماعت کو دیکھتا اور کبھی کونہ ونوری نگر کمات کے پہلو میں واقع ان نشیبی کھیتوں پر نظر دوڑاتا، اللہ نے آج دیہات کی اس نشیبی سرزمین کو برکت وسعادت کی وہ رفعتیں عطا کی تھیں جس پر بڑے سے بڑا شہر بھی رشک کرتا ہے، عالم تصور نے مجھے ماضی کے ان لمحات میں پہنچا دیا جب تاج دار اہل سنت، شہ زادۂ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی جلوہ سامانیوں نے اس سرزمین کو بقعۂ نور بنایا تھا، اور عاشقوں کے قافلے پیادہ پا اور بیل گاڑیوں میں سوار ہو کر اس سرزمین پر اتر رہے تھے۔ شیر بنگال حضرت مولانا غیاث الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کی سعی پیہم نے اس سرزمین کو فیضان اعلیٰ حضرت کا سرچشمہ بنایا تھا اور آج انھی کے روحانی فیوض وبرکات سے ایک بار پھر یہاں

رحمت وانوار کی بارشیں برس رہی تھیں۔

جب ارباب علم ودانش کے قافلے اپنی قیام گاہوں سے میزبان علما کے جلو میں نعرہاے تکبیر ورسالت کی صداؤں کے ساتھ سیمینار گاہ تک پہنچ چکے تو میں نے دیکھا کہ ہماری انتظامیہ کمیٹی کے علما اور عوام اہل سنت کے چہرے خوشی ومسرت سے دمک رہے ہیں، کئی مہینوں کی تھکاوٹ اور کئی کئی راتوں کی شب بیداری کے آثار کافور ہو چکے ہیں، ہر فرد امام عشق ومحبت کی عقیدت میں نہاکر سراپا سماعت ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ اب ذکرِ رضا کی ساز چھیڑی جائے، فکرِ رضا کے جلوے بکھیرے جائیں، عشقِ رضا کی داستانیں سنائی جائیں اور اس سفر کو جلدی سے منز ل کی طرف رواں دواں کیا جائے۔

محب مکرم حضرت مولانا سبحان رضا مصباحی نے علماے اہل سنت اتر دیناج پور کی جانب سے تمام مندوبین اور شرکاے سیمینار کی خدمت میں ایک دل آویز اور جامع خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا۔ ملک کے مختلف گوشوں سے تشریف لانے والے باوقار مندوبین کا تعارف اور ان کی علمی ودینی خدمات کی ایک جھلک پیش کردینا ضروری تھا، اس بے بضاعت نے بہت ہی مختصر جملوں میں تمام مندوبین کا اجمالی تعارف پیش کیا، سیمینار گاہ میں اتر دیناج پور کے ہر حلقے سے ایک ہزار سے زائد نمائندہ علماے کرام جلوہ بار تھے، مدارس کے اساتذہ، اسکول اور کالج سے وابستہ اہل دانش اور مختلف شعبہاے حیات کے سرکردہ افراد کی موجودگی میں سیمینار کا کارواں آگے بڑھا، پہلے سے طے فیصلے کے مطابق اس خادم نے ان سعادت مندوں کے ناموں کا اعلان کیا جنھوں نے اس سیمینار کے لیے مقالے لکھے تھے۔ پھر درج ذیل علماے کرام نے اپنے مقالے کی تلخیص پیش فرمائی۔

ماہر رضویات حضرت مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں صاحب: سابق ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ، بہار، مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، رکن المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ، فاضل جلیل حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی، استاذ دار العلوم غریب نواز الہ آباد، عالم ربانی حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، استاذ ومفتی جامعہ امجدیہ گھوسی مئو یوپی، حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب، ادارۂ شرعیہ پٹنہ بہار، حضرت مولانا ڈاکٹر سجاد عالم رضوی مصباحی، اسسٹنٹ پروفیسر پریسیڈینسی یونی ورسٹی کولکاتا، حضرت مولانا مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی: پرنسپل دار العلوم منظرِ اسلام التفات گنج امبیڈکر نگر، حضرت مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی، صدر شعبۂ افتا وشیخ الحدیث ادارۂ شرعیہ راے بریلی، حضرت مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی، استاذ ومفتی جامعہ مخدومیہ سراج العلوم جاج مئو کان پور یوپی، حضرت مولانا غلام جیلانی مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف، حضرت مولانا صابر رضا رہبر مصباحی، سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب پٹنہ، حضرت مولانا اختر الاسلام نعمانی استاذ دار العلوم قادریہ چریاکوٹ مئو، حضرت مفتی قطب الدین رضا مصباحی، شیخ الحدیث مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ پٹنہ بہار، حضرت مولانا مفتی رفیق الاسلام مصباحی کولکاتا۔

بہت ہی اہم موضوعات پر گراں قدر مقالات پڑھے گئے، حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب کا آدھے گھنٹے کا خصوصی بیان بھی ہوا، مختلف عنوانات زیر بحث آئے۔ صدر سیمینار نے اخیر میں خطبۂ صدارت پیش فرمایا اور اتر دیناج پور کے معروف

عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی نے جملہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور کی جانب سے سامعین ومندوبین کا شکریہ ادا کیا اور پھر حضرت نعمانی صاحب قبلہ کی دعاؤں پر سیمینار اختتام پذیر ہوا۔

سیمینار نو بجے شروع ہوا اور ڈھائی بجے مکمل کام یابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، ساڑھے پانچ گھنٹے کا یہ وقفہ کیسے گزرا، کسی کو احساس ہی نہیں ہوا، تمام سامعین سراپا سماعت بنے رہے، اسلام پور، سلی گوڑی، راے گنج، پنڈوہ، مالدہ، کشن گنج، پورنیہ، کٹیہار اور ارریا وغیرہ سے سفر کر کے علماے کرام کی ایک بڑی جماعت سیمینار میں شرکت کے لیے پہنچی، مختلف اخبارات سے وابستہ صحافی حضرات بھی موجود رہے، خاص طور سے اخبارِ مشرق کے نامہ نگار جناب فیضان اشرف صاحب اور روز نامہ انقلاب کے نامہ نگار جناب انس مسرور رحمانی صاحب موجود رہے۔ کام یاب اور تاریخی سیمینار کے انعقاد پر تمام مندوبین نے علماے اہل سنت اتر دیناج پور کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا ہم لوگوں نے تصور نہیں کیا تھا کہ اس دور افتادہ علاقے میں عمدہ نظم ونسق کے ساتھ اس قدر کام یاب سیمینار منعقد ہو سکے گا، ملک کے مرکزی شہروں میں منعقد ہونے والے بڑے بڑے سیمیناروں میں علماے کرام کا ایسا ہجوم اور اہل علم ودانش کی اتنی بڑی جماعت نظر نہیں آتی۔ اس حوالے سے ملک کے مقتدر علماے کرام کے گراں قدر تاثرات اسی مجموعۂ مقالات میں شامل ہیں۔

بعد نمازِ عصر امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہوئے مہمانوں کو ایک اور سعادت حاصل ہوئی، استاذ العلما حضرت مولانا شکیل انور مصباحی متوطن نوری نگر کمات، استاذ دار العلوم محمود الاسلام پربھاس پاٹن ضلع گیر سوم ناتھ گجرات کی کوششوں سے انہیں اسی سال سرکار دو عالم ﷺ کا موئے مبارک شریف سند کے ساتھ حاصل ہوا تھا، وہ اس عظیم نعمت کو گجرات سے یہاں لائے تھے، بعد نماز عصر پنڈال میں ''زیارت موئے مبارک'' کا پروگرام تھا، یہ ایک بڑی سعادت اور عاشقوں کے دلوں کی تسکین کا سامان ہے، ہزاروں افراد نے اس زیارت میں شرکت کی اور بہت ہی روح پرور ماحول میں اس سعادت سے مشرف ہوئے۔

آج امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا آخری دن تھا، صبح سے ہی مختلف اطراف سے گاڑیوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، چار بجے تک سارے راستے بھر چکے تھے، فورویلر گاڑیوں کے لیے چاروں طرف سے ایک کیلو میٹر پہلے ہی نوانٹری لگا دی گئی تھی، اور چاروں طرف پارکنگ کا بھی معقول انتظام کر دیا گیا تھا، دیہات کی کشادہ جگہ ہونے کے باوجود کہیں قدم رکھنے کی جگہ نہیں تھی، دار العلوم فیض عام سے جلسہ گاہ پانچ سو میٹر کی دوری پر تھا، لیکن یہ فاصلہ بڑی مشکل سے طے ہو پاتا تھا، گاؤں کا کوئی ایسا آنگن اور کھلیان نہیں تھا جہاں قطار در قطار گاڑیاں نہ کھڑی ہوں، ہر گھر میں مہمانوں کا ہجوم تھا، ہر گلی کوچے میں لوگوں کا ازدحام عجیب منظر پیش کر رہا تھا، انتظامیہ کمیٹی کے سربراہان لمحہ لمحہ حالات کا جائزہ لے رہے تھے، نظم ونسق پر گہری نظر بنائے ہوئے تھے، مقامی علماے کرام دور دراز سے آنے والے علما کی ضیافت اور مہمان نوازی میں مصروف ہو کر اپنی اخلاقی اور منصبی ذمے داریوں سے سبک دوش ہو رہے تھے، دار العلوم فیض عام میں لنگر کا خصوصی انتظام تھا، پندرہ آدمی کا ایک عملہ مسلسل

طباخی میں مصروف تھا، حضرت مولانا شاکر رضا نظامی اپنی پوری ٹیم کے ساتھ علماے کرام کی ضیافت کا کام مکمل ذمے داری کے ساتھ انجام دے رہے تھے ، دارالعلوم فیض عام اور کونہ پرائمری اسکول میں مہمانوں کے ٹھہرنے کا معقول انتظام کیا گیا تھا، مغرب کی نماز تک دارالعلوم کا وسیع وعریض احاطہ باوقار علما سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، بعد نماز مغرب تا عشا علماے کرام اور دور دراز کے مہمانوں کے کھانے کا سلسلہ چلا۔

بعد نماز عشا جب ناظم کانفرنس حضرت مولانا قیصر اعظمی اور نعت خوان رسول حضرت مولانا عادل رضا نعیمی کو ساتھ لے کر اسٹیج پر پہنچا تو حیرت زدہ رہ گیا کہ ابھی رات کے آٹھ بھی نہیں بجے ہیں، اسٹیج اور پنڈال دونوں ہی بھر چکے ہیں، علماے کرام کے لیے لگائی گئیں ایک ہزار کرسیاں بھی فل ہوگئی ہیں، دیدۂ حیرت سے اما احمد رضا بریلوی کے عاشقوں کا یہ جن سیلاب دیکھتا رہ گیا، دل بھر آیا، نگاہیں خود بخود جھک گئیں، امام عشق ومحبت نے اسلامیان ہند کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کے لیے جو قربانیاں پیش فرمائیں اور اپنی زندگی کو جس طرح احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے وقف کیا یقیناً اس عبقری ذات سے یہی عقیدت اور یہی لگاؤ ہونا چاہیے ، سچ کہا گیا ہے کہ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے ، آج ماتھے کی نگاہوں سے ہم اس منظر کو ملاحظہ کر رہے تھے ، ساڑھے تین سو میٹر تک پھیلا ہوا یہ پنڈال عاشقان رضا سے ایسا بھرا ہوا تھا کہ کہیں قدم رکھنے کی جگہ نہیں تھی ، اسٹیج پر مقتدر علماے کرام جلوہ بار تھے ، حضرت مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی مسند صدارت پر جلوہ افروز تھے ، حضرت مفتی شعیب عالم نعیمی، حضرت مفتی احمد حسین رضوی ، حضرت مولانا مسعود عالم مصباحی بھاٹول ، حضرت مولانا حسن امام ادیب ، حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی ، حضرت مولانا عبد الجبار رضوی ، حضرت مولانا مختار احمد مصباحی ، حضرت مولانا قاری مسعود احمد رضوی ، حضرت مولانا عبد القیوم مصباحی گجرات ، حضرت مولانا مفتی احمد رضا مصباحی گجرات ، حضرت مفتی عبد الحق مصباحی سیتامڑھی اور علاقے کے تمام ذمے دار علما اسٹیج پر جلوہ فرما کر ہو کر کانفرنس کی کام یابی کی ضمانت بنے ہوئے تھے، اسٹیج اپنی کشادگی کے باوجود تنگ دامانی کا شکوہ کر رہا تھا، تقریباً ڈھائی سو علما اسٹیج پر رونق افروز تھے، صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان علما کے اسماذکر کروں، امام احمد رضا بریلوی کے یہ سپاہی ان کی عقیدت میں ہی یہاں جمع ہوئے تھے، میں ان کا نام لوں یا نہ لوں امام عشق ومحبت کے روحانی فیوض وبرکات انہیں ضرور ملے ہوں گے ۔

آج کی کانفرنس کا اک اک لمحہ بڑا قیمتی تھا، پروگرام کے لیے پہلے سے تیار فہرست میں صدر کانفرنس کی اجازت سے جزوی ترمیم کرتے ہوئے سب سے پہلے بنگلہ زبان کے معروف خطیب حضرت مفتی نعیم الدین صاحب مرشد آبادی کو دعوت خطابت دی گئی ، موصوف نے آدھے گھنٹے میں عظمت مصطفیٰ کے عنوان پر جامع خطاب فرمایا، مولانا عادل رضا نعیمی اور جناب شعیب رضا وارثی کی نعت ومنقبت کے اشعار نے مجمع میں زندگی پیدا کردی۔ اتر دیناج پور کے ذمے دار خطیب حضرت مولانا مفتی فیروز عالم مصباحی آج کی کانفرنس کے اہم خطیب تھے ، انہوں نے فکر رضا اور اصلاح معاشرہ کے عنوان پر ایسا جامع اور زبردست خطاب فرمایا کہ پورا پنڈال بار بار نعروں سے گونجتا رہا، اہل اسٹیج بھی ان کی حق گوئی وبے باکی پر صداے آفریں بلند

کرتے رہے، حق یہ ہے کہ انہوں نے خطاب کا حق ادا کر دیا۔ خصوصی خطیب کی حیثیت سے معروف خطیب مولانا غلام رسول بلیاوی تشریف لائے، انھوں نے بھی امام احمد رضا بریلوی کی عظمتیں بیان کرتے ہوئے اصلاح معاشرہ پر زور دیا اور جہیز کی لعنت سے پھیل رہی تباہیاں ذکر کر کے مسلمانوں کو جھنجھورنے کی کوشش کی۔ حضرت مولانا شارب ضیا رضوی مصباحی نے معمولات اہل سنت کی حقانیت پر جامع خطاب فرمایا، آج کی کانفرنس کے چیف گیسٹ حضرت علامہ توصیف رضا خاں دام ظلہ خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کا اختتامی بیان ہوا، سیکڑوں افراد داخل سلسلہ ہوئے اور مکمل کام یابی کے ساتھ دو بجے شب یہ کانفرنس اختتام کو پہنچی۔ اندازہ یہ تھا کہ بارہ بجے تک بھیڑ ختم ہو جائے گی لیکن حیرت انگیز طور پر کانفرنس کے اختتام تک اچھی خاصی تعداد میں سامعین موجود رہے اور تاریخی کانفرنس کی آخری لحات کے گواہ بنے۔

سیمینار و کانفرنس کو اردو اور بنگلہ میڈیا نے خصوصی کوریج دیا اور ہندوستان کے تقریبا پندرہ اخبارات نے نمایاں سرخیوں کے ساتھ سیمینار و کانفرنس کی خبریں شائع کیں، میڈیا کے شان دار کوریج کے لیے ہم گوال پوکھر کے بے باک صحافی جناب فیضان اشرف نامہ نگار روزنامہ اخبار مشرق کے بے حد شکر گزار ہیں۔ حضرت مولانا راقب علی زید مجدہ نے آڈیو لنک تیار کر کے سوشل میڈیا کے ذریعہ عام کیا، جس کی وجہ سے دور دراز مقامات میں سیمینار و کانفرنس کا پروگرام سنا گیا، ملک و بیرون ملک کے ہزاروں سامعین نے پروگرام کو سنا، فون اور میسیج کے ذریعہ پسندیدگی کا اظہار کیا گیا، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس مکمل کام یابی کے ساتھ اختتام پذیر ہو گیا، لیکن اس کے اثرات ان شاء اللہ دیر تک باقی رہیں گے، اور سیمینار و کانفرنس کے بطن سے جو منصوبے معرض وجود میں آئے ہیں ان پر مکمل یک سوئی کے ساتھ کام ہو گا، اجتماعیت کا جو ماحول قائم ہوا ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا، تعلیمات امام احمد رضا کے فروغ کے لیے جو مشن علماے اتر دیناج پور نے چلایا ہے، اسے مکمل استحکام کے ساتھ باقی رکھا جائے گا، کیوں کہ ہمارا سلوگن ہے **"زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام"**۔

❋❋❋❋❋

بابِ چہارم

مقالات

☆عقائد و کلام ☆علم حدیث و اصول حدیث ☆فقہ و اصول فقہ

☆معاشیات و سماجیات ☆اصلاح و موعظت ☆ادبیات

☆اوصاف و کمالات ☆خدمات و اثرات اور روابط و تعلقات

☆ضمیمہ

مقالات

☆عقائد و کلام

امام احمد رضا اور مسئلۂ تکفیر میں کمال احتیاط

مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی: استاذ دار العلوم غریب نواز، الہ آباد

ایمان و کفر: ایمان اجمالی طور پر ان تمام باتوں کی تصدیق کا نام ہے جن کا دین اسلام سے ہونا، علمائے کرام کے ساتھ ساتھ ان کی صحبت سے شرفیاب، مسائل دینیہ کا ذوق رکھنے والے عوام کے علم میں بھی ہو، جب کہ اسی شان کی کسی ایک بات کا زبانی طور پر انکار بھی تصدیق مذکور کے منافی اور کفر ہے، خواہ اس کے دل میں انکار کی جگہ تصدیق ہی کیوں نہ ہو۔ علم کلام کی اصطلاح میں ایسی ہی باتوں کا نام ضروریات دین رکھا گیا ہے۔

اللہ کی وحدانیت، انبیا کی نبوت، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کی فرضیت، اس معنیٰ کی رو سے نبی کریم ﷺ کی خاتمیت کہ آپ کے بعد کسی نئے نبی کی بعثت محال ہے، شراب اور مردار کی حرمت ضروریات دین سے ہیں۔

شرح عقائد نسفی میں ہے:

ان الایمان فی الشرع هو التصدیق بما جاء به من عند الله تعالیٰ ای تصدیق النبی علیه السلام بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة مجیئه من عنده تعالیٰ اجمالا . [۱]

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

وفسرت الضروریات بما یشترك فی علمه الخواص والعوام اقول المراد العوام الذین لهم شغل بالدین و اختلاط بعلماء.[۲]

در مختار میں ہے:

مَنْ هَزَلَ بِلَفْظِ كُفْرٍ ارْتَدَّ وَإِنْ لَمْ يَعْتَقِدْهُ لِلِاسْتِخْفَافِ فَهُوَ كَكُفْرِ الْعِنَادِ. [۳]

اسی طرح ایک مسلمان کو مسلمان ماننا اور ایک کافر کو کافر ماننا بھی ضروریات دین سے ہیں، اگر کوئی آدمی کسی مسلمان کو کافر مان لے تو بھی کافر ہو جائے گا۔

بخاری شریف میں ہے:

ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الرجل لاخیه یا کافر فقد باء به احدهما.

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی کو اے کافر کہہ دے تو یہ کفران میں سے کسی ایک پر لوٹ جائے گا۔[۴]

مسلم شریف میں ہے: اذا کفر الرجل اخاہ فقد باء بها احدهما .

جب کوئی شخص اپنے بھائی کی تکفیر کرے گا تو یہ کفران میں سے کسی ایک پر لوٹ جائے گا۔[۵]

اسی طرح ایک انسان خواہ وہ اسلام کا کلمہ ہی کیوں نہ پڑھتا ہو، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ ہی کیوں نہ ادا کرتا ہو، اگر اس سے قطعی طور پر کفر کا صدور ہو جائے تو اسے مسلمان ماننا تو درکنار اس کے کافر ہونے میں شک کرنا بھی آدمی کو کافر بنا دیتا ہے۔

الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی میں ہے:

الاجماع علیٰ کفر من لم یکفر احدا من النصاریٰ و الیهود و کل من فارق دین المسلمین او وقف فی تکفیرهم او شك قال القاضی ابو بکر لان التوقیف و الاجماع اتفقا علیٰ کفرهم فمن وقف فی ذلك فقد کذب النص و التوقیف اوشك فیه و التکذیب والشك فیه لا یقع الا من کافر . [٦]

حقیقت حال جب یہ ہے تو اس افواہ کی دین میں قطعاً کوئی بنیاد نہیں ہے کہ [کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے، کیا پتہ آئندہ وہ مسلمان ہو جائے] البتہ ارتکاب کفر کی بنا پر کسی شخص معین کو کافر قرار دینے کے لیے مفتی کو کمال احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو خود اس کا ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے کثیر وجوہ سے مولوی اسماعیل دہلوی کے اقوال میں کفر ثابت کرنے کے باوجود اسے کافر قرار دینے سے کف لسان فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ:

لزوم و التزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا، حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔[۷]

مندرجہ بالا اقتباس میں دو باتیں تشریح طلب ہیں۔ نمبر ایک [لزوم و التزام میں فرق ہے]۔ نمبر دو: اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہے۔ ذیل میں اس کی قدرے توضیح کر دی جارہی ہے تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ اعلیٰ حضرت کسی کی تکفیر میں کس قدر محتاط تھے۔

لزوم و التزام کی تعریف: لزومِ کفر کا معنٰی ہے کسی بات پر کفر کا لازم آنا، اور التزام کفر کا معنٰی ہے کسی شخص کا اپنے اوپر کفر لازم کر لینا، اس کی وضاحت یہ ہے کہ کسی مسلمان کی زبان سے اگر کوئی ایسی بات نکل جائے جو از روئے شرع کفر ہے، تو یہ لزوم کفر ہو گیا، اب اس مسلمان کو بتایا جائے کہ تیری اس بات سے لزوم کفر ہے اور وہ شخص توبہ کرنے کی بجائے اپنی بات پر اڑ جائے تو یہ التزام کفر ہو گا اور اب اس شخص کو کافر ماننا پڑے گا۔ ہاں اگر وہ اڑ جانے اور ضد کرنے کی بجائے توبہ کر لے تو وہ مسلمان ہو گا کیوں کہ التزام کفر ثابت نہ ہوا۔ حالت اکراہ، حالات سکر، غلبۂ حال، نیند اور جنون بھی التزام کفر کے منافی ہیں، یعنی ان حالتوں میں بھی لزوم کفر والی بات منہ سے نکل جائے تو التزام کفر ثابت نہیں ہوتا، اس لیے صاحب کلام کافر نہیں ہوتا۔

لزوم و التزام کی مثالوں سے وضاحت: مشکوٰۃ شریف، باب الاستغفار والتوبہ میں بحوالہ مسلم شریف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے، اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کا اونٹ جنگل میں اس سے بھاگ گیا اور اس پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی تھا، وہ شخص اپنے اونٹ سے مایوس ہوگیا، ایک درخت کے سائے میں آکر ستانے کے لیے لیٹا اور وہ بہ یقین اونٹ سے مایوس ہو چکا تھا کہ اچانک اس کا اونٹ ساز و سامان سمیت اس کے سامنے آگیا، پھر اس شخص نے اونٹ کی مہار پکڑ لی [وقال من شدة الفرح اللهم انت عبدي و انا ربك اخطاء من شدة الفرح] یعنی اس نے خوشی کے غلبہ سے مغلوب الحال ہو کر کہا کہ اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا ہوں، یعنی اس نے غلبۂ حال اور فرط مسرت میں غلطی کر دی۔

ملاحظہ کیجیے اس حدیث شریف میں وارد یہ الفاظ کہ اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا ہوں؛ کفر ہیں اور اس کلام پر کفر لازم آتا ہے، مگر صاحب کلام اپنے غلبۂ حال کے سبب اس لزوم کفر سے بے خبر اور لاعلم ہے، اس لیے اس کا التزام کفر ثابت نہ ہوا، لہٰذا وہ صرف خطا کار ٹھہرا۔

بعض مشرکین نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مذمت اور اپنے بتوں کے لیے تعریف کے الفاظ جبراً کہلوائے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا تمھارا دل کس حال میں تھا؟ عرض کی ایمان کے ساتھ کامل طور پر مطمئن، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی، سورۃ النحل کی آیت نمبر ۱۰۶ کی شان نزول یہ بھی ہے، آیت ملاحظہ ہو: [مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ] یعنی جو ایمان لا کر اللہ کے ساتھ کفر کرے سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو، ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

مشرکوں نے جو کلمات کہلوائے تھے وہ یقیناً لزوم کفر کے کلمات تھے، مگر حالت اکرہ کے سبب صحابی کا التزام کفر ثابت نہیں ہوا، اور اس بات کی تصدیق اللہ جل جلالہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما کر صحابی کو مطمئن کر دیا۔

لزوم کفر کی تعریف اور مثالیں امام احمد رضا کے الفاظ میں: التزامی یہ کہ ضروریات دین سے کسی شے کا تصریحاً خلاف کرے، یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے، اگرچہ نام کفر سے چڑے اور کمال اسلام کا دعویٰ کرے۔ کفر التزامی کے یہی معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو، جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں۔ یہ اقرار تو بہت طوائف کفار میں بھی نہ پایا جائے گا، ہم نے دیکھا ہے بہتیرے ہندو کافر کہنے سے چڑتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ جو انکار سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعویٰ کیا وہ بعینہ کفر و مخالف ضروریات دین ہو، جیسے طائفہ تالفہ نیاچرہ کا وجود ملک جن و شیطان و آسمان و نار و جنان و معجزات انبیا علیہم

افضل الصلوٰۃ والسلام سے ان معانی پر کہ اہل اسلام کے نزدیک حضور ہادی بر حق صلوت اللہ وسلامہ علیہ سے متواتر ہیں انکار کرنا اور اپنی تاویلات باطلہ و توہمات عاطلہ کو لے مرنا نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انہیں کفر سے بچائیں گے نہ محبت اسلام و ہمدردی اقوام کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے [قاتلهم الله انی یو فکو ن] اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

اور لزومی یہ کہ جوبات اس نے کہی، عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیت مقدمات وتتمیم تقریبات کرتے لے چلیے توانجام کار اس سے کسی ضرور دینی کا انکار لازم آئے، جیسے روافض کا خلافت حقہ راشدہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جناب صدیق اکبر وامیر المومنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انکار کرنا کہ تضلیل جمیع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف مؤدی اور وہ قطعاً کفر مگر انہوں نے صراحتاً اس لازم کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہل بیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام علی مولاھم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے اور خلافت صدیقی و فاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں، اس قسم کے کفر میں علمائے اہل سنت مختلف ہوگئے، جنہوں نے مآل مقال ولازم سخن کی طرف نظر کی حکم فرمایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعت وبد مذہبی وضلالت وگمراہی ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔[۸]

احتمال کی قسمیں اور لزوم والتزامِ کفر: احتمال کی تین قسمیں ممکن ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

اول۔[احتمال فی الکلام] یعنی کلام میں کوئی جائز توجیہ و تاویل ہو سکتی ہو، یہ احتمال لزوم کفر کی نفی کرتا ہے، یاد رہے کہ صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے۔

دوم۔[احتمال فی التکلم] یعنی اس بات میں شبہہ آجائے کہ قائل نے وہ کفر کا کلمہ بولا یا نہیں، یہ احتمال جب آئے گا تو قائل کا التزام کفر ثابت نہ ہوسکے گا۔

سوم۔[احتمال فی المتکلّم] یعنی خود قائل کے مطابق شبہہ ہو کہ اس نے بے خیالی و بے خبری میں یا حالت سُکر یا غلبہ حال میں یہ کلام کہا ہے اور اس کی قباحت پر آگاہ نہ کیا گیا یا کوئی ضعیف قول اس کی توبہ کا مل جائے تو بھی قائل کا التزام کفر ثابت نہ ہوگا۔

اعلیٰ حضرت نے لزوم کفر و التزام کفر کے اسی فرق کو ملحوظ رکھا اور مولوی اسماعیل دہلوی کے اقوال کفریہ سے قائل کے توبہ کر لینے کی شہرت کے سبب ان کی نظر میں یک گونہ احتمال فی المتکلّم پیدا ہوگیا اور التزام کفر متحقق نہ ہوا، اس لیے اسے کافر کہنے سے اپنی زبان روک لی اور فرمایا کہ:

ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لاالہ لا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی نہ رہے۔ [فان الاسلام یعلو ولا یعلی] اسلام غالب ہے مغلوب نہیں [مگر یہ کہتا ہوں کہ اور بے شک کہتا ہوں کہ بلا ریب ان تابع و متبوع سب پر ایک گروہ علما کے مذہب میں بوجوہ کثیرہ کفر لازم۔ والعیاذ باالله ذی الفضل الدائم[9]

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

بالجملہ تکفیر اہل قبلہ و اصحاب کلمہ طیبہ میں جرأت و جسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت جس میں وبال عظیم و نکال کا صریح اندیشہ والعیاذ باللہ رب العالمین، فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول و فعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع و قطعی ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں، اگر کوئی ضعیف سے ضعیف نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو جس کی رُو سے حکم اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی طرف جائیں، اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانب کفر جاتے ہوں خیال میں نہ لائیں۔[۱۰]

تکفیر سے متعلق امام احمد رضا کی یہ تصریحات روشن دلیل ہیں کہ وہ اس معاملے میں خود بھی انتہائی محتاط تھے اور دوسروں کو بھی مکمل احتیاط کی تلقین کرتے تھے۔ اگر بعض متعیّن اشخاص کو انہوں نے کافر قرار دیا ہے تو یہ وہی ہیں جن کا کفران کی نظر میں آفتاب سے زیادہ ایسا روشن و جلی ہو گیا تھا کہ اگر وہ انہیں کافر نہ کہتے تو خود ان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا اور جن کا کفران کی نظر میں ایسا روشن و جلی نہیں ہوا ان کی تکفیر سے کف لسان کیا۔

اس کی پوری تفصیل فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب قبلہ نے اپنی معرکہ آرا تصنیف: "اہل قبلہ کی تکفیر" میں کردی ہے جس سے اہل علم کو کامل اطمینان ہو جاتا ہے کہ امام احمد رضا نے دیوبندی مکتب فکر کے اساطین اربعہ کی تکفیر کیوں کی اور مولوی اسماعیل دہلوی کو کافر کہنے سے زبان کیوں روکی۔

---

[1] شرح العقائد النسفیہ ص:276

[2] فتاویٰ رضویہ جلد اول مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف ص386

[3] الدر المختار جلد:4، ص:406، 407[المكتبة الشاملة]

[4] صحیح بخاری جز:20 ص:260[المكتبة الشاملة]

[5] صحیح مسلم جز:ا ص:263[المكتبة الشاملة]

[6] الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ للعلامۃ القاضی ابو الفضل عیاض المالکی م544ھ[المكتبة الشاملة]

[7] تمہید ایمان، ص:50

[8] فتاویٰ رضویہ جلد:15 ص:431-32

[9] فتاویٰ رضویہ مترجم جلد:15 ص:429-30

[10] فتاویٰ رضویہ مترجم جلد:21 ص:317

*****

امام احمد رضا اور مسئلۂ تکفیر

محمد عارف حسین قادری مصباحی: تال چھوا، اتر دیناج پور، بنگال

عربی زبان کا معروف شعر ہے:

وَلَيْسَ على الله بمُسْتَنْكَرٍ أَنْ يَجْمَعَ العَالَمَ فِي وَاحِد

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بڑی بات نہیں ہے کہ وہ ساری دنیا ایک شخص میں جمع فرمادے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف و کمالات، فضائل و محاسن، علمی تحقیقات و تخلیقات کو دیکھنے کے بعد یہ حق الیقین حاصل ہوجاتا ہے کہ بلا شبہ رب قدیر کی مشیت ہو تو فرد واحد میں سارا عالم جمع ہوسکتا ہے، مقام حیف ہے کہ اتنی بڑی عبقری شخصیت کے فضائل و کمالات پر پردہ ڈالنے کے لیے اور انہیں بدنام کرنے کے لیے کچھ غالی لوگوں نے یہ واویلا مچایا ہے کہ وہ تو تکفیری مشین تھے، انہوں نے لوگوں کو کافر و مشرک بنانے کے سوا کیا کام کیا ہے، والعیاذ باللہ۔

زیر نظر مقالہ میں اسی کذب صریح کے داغ دار چہرے کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقصود کی گفتگو سے قبل چند بنیادی باتیں ذہن نشیں کرلینا ضروری ہے تاکہ فہم کلام میں دشواری نہ ہو۔

عقائد کے درجات:

مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”مانی ہوئی باتیں چار قسم [کی] ہوتی ہیں:

[۱] **ضروریاتِ دین:** ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی قطعیات الدلالت، واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے، جن میں نہ شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ، اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

[۲] **ضروریات مذہب اہل سنت و جماعت:** ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے، مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوعِ شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

[۳] **ثابتات محکمات:** ان کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی ہے، جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانب خلاف کو مطروح و مضمحل اور التفاتِ خاص کے ناقابل بنادے۔ اس کے ثبوت کے لیے حدیث احاد، صحیح یا حسن کافی، اور قول سواد اعظم و جمہور علما کا سندِ وافی، فاِن

ید اللہ علی الجماعۃ" ان کا منکر وضوحِ امر کے بعد خاطی و آثم، خطاکار و گناہ گار قرار پاتا ہے، نہ بد دین و گمراہ نہ کافر و خارج از اسلام۔

[۴] **ظنیاتِ محتملہ:** ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل ظنی بھی کافی، جس نے جانب خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو، ان کے منکر کو صرف مخطی و قصوروار کہا جائے گا نہ گنہگار، چہ جائیکہ گمراہ، چہ جائیکہ کافر۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۲۹، ص:۳۸۵، رسالہ: اعتقاد الاحباب]

ضروریات دین:

تعریف: دین کے وہ احکام و مسائل جو قرآن کریم یا حدیث متواتر یا اجماع سے اس طرح ثابت ہوں کہ ان میں نہ کسی شبہہ کی گنجائش ہو، نہ تاویل کی کوئی راہ، اور ان کا دین سے ہونا خواص و عوام سبھی جانتے ہوں۔[فتاویٰ حدیثیہ، ص:۵۷۴ / رد المحتار، ج:۲، ص:۵، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل / التقریر والتحریر، ج:۳، ص:۱۵۱، دار الفکر، بیروت]

کچھ ضروریات دین:

☆ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ☆ ذات و صفات میں شریک سے پاک ہونا ☆ جھوٹ، وعدہ خلافی اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ماننا ☆ یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ رحیم، خبیر، حی، قیوم، قدیم، ازلی، ابدی، سمیع، بصیر، متکلّم، علم والا، قدرت والا، ارادہ والا، لم یلد، لم یولد، معز[عزت دینے والا]، مذل ہے۔ ☆ اس پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ شکل، حد، طرف، نہایت، طول، عرض، مکان، زمان، جگہ، اور جسم و جسمانیت کے تمام عوارض سے پاک ہے ☆ اللہ تعالیٰ کا علم تمام کلیات اور جزئیات کو محیط ہے ☆ حضور اقدس ﷺ اور دیگر انبیاے کرام علیھم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بعض غیوب کا علم عطا فرمایا ہے ☆ حضور اقدس ﷺ کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے ☆ اس کا اعتقاد رکھنا کہ ابلیس لعین کا علم حضور اقدس ﷺ کے علم شریف سے ہر گز ہر گز وسیع نہیں ہے ☆ یہ تسلیم کرنا کہ حضور اقدس ﷺ کے علم شریف کو بچوں، جانوروں، پاگلوں، کے علم کے مشابہ یا برابر ماننا توہین ہے جو بلا شبہہ کفر ہے ☆ یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں، اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ہر گز ہر گز کوئی نبی نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے ☆ حضور اقدس ﷺ اور تمام انبیاے کرام کی تعظیم ☆ یہ ماننا کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر معراج حق ہے ☆ مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر ماننا۔ [فتاویٰ حدیثیہ، المعتقد المنتقد، فتاویٰ رضویہ]

حکم: ضروریات دین میں سے کسی بھی ایک کا انکار کرنا بلکہ ان میں ادنیٰ سا شک کرنا بھی کفر قطعی ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور ایسا کافر کہ اس کے کفر پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں جو ادنیٰ سا شک کرے وہ بھی کافر ہے۔[در مختار، ج:۱، ص:۳۰۰، ۳۰۱، باب الامامۃ، دار الفکر، بیروت / فتاویٰ حدیثیہ، ص:۱۴۴، دار الفکر، بیروت / نسیم الریاض، ج:۶، ص:۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ضروریات اہل سنت و جماعت:

تعریف: وہ مسائل ہیں جن کا مذہب اہل سنت و جماعت سے ہونا عوام و خواص سب کو معلوم ہو، ساتھ ہی ان کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوع شبہہ اور احتمالِ تاویل ہو۔

ضروریات اہل سنت و جماعت:

☆ حیات انبیا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ محض وعدۂ الٰہی کی تکمیل کے لیے ایک آن کے لیے ان پر موت آتی ہے پھر وہ مثل

سابق باحیات ہو جاتے ہیں ☆معراج جسمانی کو حق جاننا ☆یہ ماننا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو علوم خمسہ کے کچھ جزئیات کا بھی علم عطا فرمایا ہے ☆شیخین [حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنھما] کو باقی تمام صحابہ کرام سے افضل ماننا ☆ختنین [حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما] سے محبت کرنا ☆اس پر ایمان رکھنا کہ اولیاے کرام کو انبیاو رسل کی وساطت سے کچھ علوم غیب حاصل ہوتے ہیں ☆اجماع کی حجیت کو تسلیم کرنا ☆کرامات اولیا کو حق ماننا ☆تقلید شخصی کے وجوب کا اعتقاد کرنا ☆خف پر مسح کو جائز سمجھنا ☆معرکہ کربلا میں امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے قصور اور شہید ماننا ☆یزید کو فاسق و فاجر ماننا ☆اشعری یا ماتریدی ہونا۔ [شرح عقائد، تکملہ بحر الرائق، الروضۃ البھیۃ، فتاویٰ رضویہ]

حکم: ضروریات مذہب اہل سنت و جماعت میں سے کسی بھی امر کا انکار کفر نہیں البتہ ضلالت و گمرہی ضرور ہے، اس کا مرتکب گمراہ بد مذہب سخت فاسق و فاجر ہے۔ [قواطع الادلۃ فی الاصول، ج:۱، ص:۲۷۴، دار الکتب العلمیہ/ فتاویٰ رضویہ، ج: ۲۹، ص:۶۶، رسالہ: رماح القہار علی کفر الکفار، رسالہ: اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب، ص: ۶۲]

کفر کی اقسام

کفر کی دو قسم ہیں۔[۱] کفر لزومی۔[۲] کفر التزامی۔

[۱] **کفر لزومی**: یہ ہے کہ جو بات اس نے کی وہ عین کفر تو نہیں مگر کفر تک پہنچانے والی ہے یعنی کلام کا انجام اور حکم کا لازم کفر حقیقی ہے مراد یہ کہ اگر مقدمات کو ترتیب دیا جائے اور اور تقریبات کو مکمل کرتے جائیں تو بالآخر کسی ضروری دینی کا انکار لازم آئے، جیسے رافضیوں کا حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا انکار کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام صحابۂ کرام گمراہ ہوں اور یہ بات قطعی طور پر کفر ہے مگر شیعوں نے اس بات کا صراحتًا اقرار نہ کیا بلکہ اپنے طور زبانی دعووں سے بعض صحابہ کرام مثلاً اہل بیت کرام کو اپنا پیشوا مانتے ہیں، اس کفر لزومی کے بارے میں علماے اہل سنت مختلف ہو گئے، جنہوں نے کلام کے انجام و لازم کی طرف نظر کی انہوں نے کفر کا حکم لگایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بلکہ بدعت و بد مذہبی و گمراہی ہے [فتاویٰ رضویہ، مترجم، ج۱۵، ص۴۳۱، رسالہ سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح]

[۲] **کفر التزامی**: یہ کہ ضروریات دین میں سے کسی شے کا صراحتًا انکار کرے یہ قطعًا اجماعًا کفر ہے اگرچہ کفر کے نام سے چڑے اور کمال اسلام کا دعویٰ کرے۔ کفر التزامی کے یہی معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو جیسا کہ بعض جاہل لوگ سمجھتے ایسا اقرار تو بہت سے کافر لوگوں میں بھی نہ پایا جائے گا۔ ہم نے بہت سے ہندوؤں کو دیکھا ہے کہ کافر کہلانے سے چڑتے ہیں بلکہ کفر التزامی کا یہ معنی ہے کہ جو انکار اس سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعویٰ کیا وہ بعینہ کفر اور ضروریات دین کے خلاف ہو جیسے نیچری فرقے نے فرشتوں، جنوں، شیطان، آسمان، جنت، جہنم، اور معجزات انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ان معنوں پر انکار کیا جو مسلمانوں کے نزدیک حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہیں، نیچروں نے مذکورہ تمام چیزوں کے اپنی طرف سے گڑھ کر مفہوم بیان کیے، ان کی تاویلیں ہرگز انہیں کفر سے نہیں بچا سکیں گی اور نہ ہی اسلام سے محبت اور

قوم سے ہمدردی کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے۔[ملخص از فتاویٰ رضویہ مترجم، ج۱۵ ص۴۳۱، رسالہ سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح]

صریح لفظ میں تاویل کی گنجائش نہیں:

یہ مسلّمات میں سے ہے کہ اگر کسی مسلمان سے ایسا لفظ صادر ہو جائے جس میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال اسلام کا ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ اس میں ایک احتمال اسلام کا بھی ہے ہو سکتا ہے، اس کی یہی صورت مراد ہو لیکن اگر اس کی مراد احتمال کفر ہی ہو یا کسی کے کلام میں غیر کفر کا احتمال ہی نہ ہو، یقینی اور حتمی طور پر کلمۂ کفر ہی ہو تو پھر وہ لاکھ کہے اس کی ایک نہیں سنی جائے گی، ہزاروں تاویل کرے، مردود قرار دیے جائیں گے اور اس کلمہ کو کلمۂ کفر مان کر اس کے قائل کی تکفیر کی جائے گی، اور توبہ، تجدید ایمان، شادی شدہ ہو تو تجدید نکاح، اور کسی پیر سے بیعت ہو تو تجدید بیعت کا حکم دیا جائے گا۔

شفا شریف میں ہے:

ادعاؤ ہ التاو یل فی لفظ صراح لا یقبل .

ترجمہ: صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا۔

[الشفاء بتعر یف حقوق المصطفیٰ ،ج:۲،ص: ۲۱۰، ۲۰۹،القسم الرابع ،الباب الاوّل ،المکتبۃ الشر کیۃ الصحافیۃ]

شرح شفا میں ہے:

هو مر دو د عند القوا عد الشر عیۃ

ترجمہ: ایسا دعویٰ شریعت میں مردود ہے۔[شرح الشفاء لملا علی القاری، ج:۲، ص:۳۹۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

و کذ لك لو قال انا رسو ل اللہ او قال بالفارسیۃ ،من پیغمبرم ،یر ید بہ ،من پیغام می برم، یکفر .

ترجمہ: اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کا رسول یا پیغمبر کہے اور مراد یہ لے کہ میں پیغام لے جاتا ہوں، قاصد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔[فتاویٰ عالم گیری، ج:۲، ص:۲۶۳، کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”تمہید ایمان“ میں اس کی بھی صراحت فرما دی ہے۔

”احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو، صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی، ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے۔ مثلاً زید نے کہا خدا دو ہیں۔ اس میں یہ تاویل ہو جائے کہ لفظ خدا سے بحذف مضاف، حکم خدا مراد ہے یعنی قضا دو ہیں مبرم و معلق،،[تمہید ایمان، ص:۴۱]

اہل قبلہ اور ان کی تکفیر کا حکم:

اہل قبلہ کی تعریف: اصطلاح ائمہ میں اہل قبلہ وہ ہے جو تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھے، ان میں سے ایک بات کا بھی انکار نہ کرے، نماز میں قبلہ یعنی کعبۂ معظمہ کی طرف رُخ کرنے سے کوئی اہل قبلہ نہیں ہوتا۔

اس تعریف سے واضح ہو گیا کہ اہل قبلہ، قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے والوں کو نہیں کہا جاتا، بلکہ ان خوش نصیب

مسلمانوں کو کہا جاتا ہے جو ایک بھی دینی ضرورت کا انکار نہ کرے بلکہ تمام ضروریاتِ دین کو بہ دل و جان تسلیم کرے۔ ایسا شخص اگر گناہ صغیرہ یا گناہ کبیرہ یا اشد کبیرہ ہی کا ارتکاب کرلے تو وہ گناہ گار ضرور ہوگا مگر کافر نہیں، اسی نوعیت کے افراد کی تکفیر سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کفِ لسان کیا ہے اور محض کسی گناہ کی بنا پر ان کی تکفیر کرنے کو جرأتِ بے جا اور خالص جہالت قرار دیا ہے۔

اہل قبلہ کی تکفیر کا حکم:

متکلّمین اور فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل قبلہ یعنی وہ جو تمام ضروریات دین پر ایمان رکھے، ان میں سے ایک کا بھی انکار نہ کرے، ایسے شخص کی یوں ہی یا محض کسی گناہ کی بنیاد پر تکفیر کرنا حرام، حرام، حرام ہے، اسے کافر کہنے والا خود کافر ہے۔

ہاں! اگر وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی امر ضروری کا انکار کرے تو پھر نہ وہ اہل قبلہ ہے اور نہ اس کی تکفیر ممنوع ہے، بلکہ بلا شبہہ اس کی تکفیر جائز، بلکہ امت محمدیہ کو اس کے شرّ و فساد سے بچانے کے لیے تکفیر فرض ہے۔

شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی المواقف: لا یکفر اھل القبلة الا فیما فیه انکار ما علم مجیئه بالضرورة او المجمع علیه ،کا ستحلال المحرمات .و لا یخفی ان المراد : یقول علمائنا : لا یجوز تکفیر اھل القبلة بذنب ،لیس مجرد التوجه الی القبلة ،فان الغلاة من الروافض الذین یدعون ان جبرئیل علیه الصلا ة والسلام غلط فی الوحی فان الله تعالیٰ ارسله الی علی رضی الله تعالیٰ عنه ،و بعضھم قالوا: انه اله،و ان صلوا الی القبلة لیسوا بمو منین و ھٰذا ھو المراد بقوله ﷺ : من صلی صلاتنا ،واستقبل ذبیحتنا فذٰ لك مسلم .

ترجمہ: مواقف میں ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جائے گا، مگر جب ضروریاتِ دین یا اجماعی باتوں سے کسی بات کا انکار کریں جیسے حرام کو حلال جاننا اور مخفی نہیں کہ ہمارے علما جو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کے باعث اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، اس سے صرف قبلہ یعنی کعبۂ معظمہ کی طرف منہ کرنا مراد نہیں ،غالی رافضی جو بکتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کو دھوکا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا تھا، اور بعض تو مولی علی کو خدا بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھیں، مسلمان نہیں اور اس حدیث کی بھی یہی مراد ہے جس میں فرمایا کہ جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے [یعنی جب کہ تمام ضروریات دین کی تصدیق اور اقرار کرے اور ان میں سے کسی کا انکار نہ کرے]۔ [منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر، ص: ۴۴۷، ۴۴۶، مطلب فی ایراد الالفاظ المکفرۃ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت]

اسی میں ہے:

اعلم ان المراد با ھل القبلة الذین اتفقو ا علی ھو من ضرو ر یات الدین ،کحدوث العالم ، وحشر الا جساد ،وعلم الله تعالیٰ بالکلیات و الجزئیات و ما اشبه ذٰلك من المسائل المھمات ،فمن واظب طول عمره علی الطا عات و العبا دات مع اعتقاد قدم العالم او نفی الحشر او نفی علمه

سبحانه بالجز ئيات ،لا يكون من اهل القبلة و ان المراد بعد م تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر ما لم يو جد شئى من اما رات الكفر و علا ما ته و لم يصدر عنه شئى من مو جبا ته .

ترجمہ: اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین میں موافق ہیں، جیسے عالم کا حادث ہونا، اجسام کا حشر ہونا، اللہ تعالیٰ کا علم تمام کلیات و جزئیات کو محیط ہونا اور ان کے مثل دیگر اہم مسئلے، تو جو تمام عمر طاعتوں، عبادتوں میں رہے، اس کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ عالَم قدیم ہے یا حشر نہ ہوگا یا اللہ تعالیٰ جزئیات کو نہیں جانتا، وہ اہل قبلہ سے نہیں اور اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اسے کافر نہ کہیں گے جب تک اس میں کفر کی کوئی علامت و نشانی نہ پائی جائے اور کوئی بات موجبِ کفر اس سے ثابت نہ ہو۔[منح الروض الازھر، ص: ۴۲۹ مطلب عدم جواز تکفیر اھل القبلۃ]

امام اجل سیدی عبد العزیز بن محمد بخاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ "تحقیق شرح اصول حسامی،، میں فرماتے ہیں:

ان غلا فيه [أى فى هواه]حتى وجب اكفا ره به لا يعتبر و وفاقه ايضاً لِعدم دخوله فى مسمىّ الامة المشهود لها بالعصمة وان صلى الى القبلة واعتقد نفسه مسلماً لا ن الامة ليست عبارة عن المصلين الى القبلة بل عن المو منين وهو كا فر و ان كان لا يدرى انه كا فر .

ترجمہ: بد مذہب اگر اپنی بد مذہبی میں غالی ہو جس کے سبب اُسے کافر کہنا واجب ہو تو اجماع میں اس کی مخالفت، موافقت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا کہ خطا سے معصوم ہونے کی شہادت تو امت کے لیے آئی ہے اور یہ امت میں ہی سے نہیں، اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان اعتقاد کرتا ہو اس لیے کہ امت، قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں بلکہ مسلمان کا نام ہے اور یہ شخص کافر ہے اگرچہ اپنے کو کافر نہ جانے۔[التحقیق، باب الاجماع، ص:۲۰۸، نول کشور، لکھنو]

ردالمحتار میں ہے:

لا خلا ف فى كفر المخالف فى ضرور يات الاسلام وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطا عات كما فى شرح التحر ير .

ترجمہ: ضروریات اسلام میں سے کسی چیز میں خلاف کرنے والا بالاجماع کافر ہے اگرچہ اہل قبلہ سے ہو اور عمر بھر عبادتوں کا پابند رہے، جیسا کہ امام ابن الہمام کی کتاب "شرح تحریر"میں ہے ۔[رد المحتار ،کتاب الصلاۃ ،باب الاما مۃ ، ج:۱، ص:۳۷۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"خود مسئلہ بدیہی ہے۔ کیا جو شخص پانچ وقت قبلہ کی طرف نماز پڑھتا اور ایک وقت مہادیو کو سجدہ کرلیتا ہو، کسی عاقل کے نزدیک مسلمان ہوسکتا ہے؟ حالاں کہ اللہ کو جھوٹا کہنا یا محمد رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا [جیسا کہ دیوبندیوں اور وہابیوں کا شیوہ ہے] مہادیو کے سجدے سے کہیں بدتر ہے، اگرچہ کفر ہونے میں برابر ہے۔[تمہید ایمان بآیات قرآن، ص: ۳۲،۳۳]

دیوبندیوں کا مکر:

دیوبندیوں نے اس طور پر بھی عوام اہل سنت کو فریب دینے کی کوشش کی ہے کہ ہم امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور پیرو کار ہیں اور ان کا مذہب بھی یہی ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے، اس لیے علماے اہل سنت و جماعت کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے امام کے مذہب پر عمل کریں اور اہل قبلہ خواہ وہ دیوبندی ہو یا کوئی اور ہرگز ہرگز ان کی تکفیر نہ کریں۔

بلا شبہہ یہ حق و درست ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہابی، دیوبندی اہل قبلہ سے ہیں یا نہیں؟ تو ماقبل میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جو تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرے وہی اہل قبلہ ہے، اور جو ان میں سے ایک کا بھی انکار کر دے وہ ہرگز ہرگز اہل قبلہ نہیں، وہ قطعاً یقیناً اجماعاً کافر و مرتد ہے، یہی وجہ ہے کہ ائمۂ ثلاثہ امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قرآن کو مخلوق کہنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ اگرچہ وہ قبلہ ہی کی طرف نماز پڑھتے ہوں مگر قرآن کو مخلوق کہنے کی وجہ سے کافر ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیوبندیوں کے اس مکر کا رد بلیغ کرتے ہوئے فرمایا:

”مسلمانو! اس مکر خبیث میں ان لوگوں نے نری کلمہ گوئی سے عدول کر کے صرف قبلہ روئی کا نام ایمان رکھ دیا یعنی قبلہ رو ہو کر نماز پڑھ لے مسلمان ہے، اگرچہ اللہ عزوجل کو جھوٹا کہے، محمد رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے کسی صورت کسی طرح ایمان نہیں ٹلتا۔۔۔۔ اس وہم شنیع کو مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتانا حضرت امام پر سخت افترا و اتہام، امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عقائد کریمہ کی کتابِ مطہر ”فقہ اکبر،، میں فرماتے ہیں:

صفاته تعالیٰ فی الازل غیر محدثة و لا مخلوقة .فمن قال انها مخلوقة او محدثة او وقف فیها او شك فیها فهو كا فر بالله تعالیٰ .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی صفتیں قدیم، نہ تو پیدا ہیں نہ کسی کی بنائی ہوئی، تو جو انہیں مخلوق یا حادث کہے یا اس باب میں توقف کرے یا شک لائے وہ کافر ہے اور خدا کا منکر۔ [الفقہ الاکبر، ص:۵]

نیز امام ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”کتاب الوصیۃ“ میں فرماتے ہیں:

من قال بان كلام الله تعالیٰ مخلوق فهو كافر بالله العظیم .

ترجمہ: جو شخص کلام اللہ کو مخلوق کہے اس نے عظمت والے خدا کے ساتھ کفر کیا۔ [کتاب الوصیۃ، فصل تقر بان اللہ تعالیٰ علی العرش استویٰ، ص:۲۸]

شرح فقہ اکبر میں ہے:

قال فخر الاسلام قد صح عن ابی یوسف انه قال ناظرت ابا حنیفة فی مسئلة خلق القرآن فا تفق رائی و رائیه علی ان من قال بخلق القرآن فهو كا فر،وصح هٰذالقول ایضاً عن محمد رحمه الله تعالیٰ.

ترجمہ: امام فخر الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ خلق قرآن میں مناظرہ کیا، میری اور ان کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ جو قرآن مجید کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اور یہ قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی بصحت ثبوت کو پہنچا۔[منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر، ص:۹۵، القرآن کلام اللہ غیر مخلوق][تمہید ایمان با یات قرآن، ص:۳۰،۲۸]

"لاالٰہ الااللّٰہ" پڑھنے والوں کی تکفیر کا حکم:

حدیث پاک میں ہے: من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ یعنی جو لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے وہ جنت میں جائے گا۔ دیوبندی، وہابی اس حدیث پاک کو سنا سنا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والا جنت میں جائے گا تو پھر کسی فعل یا قول کی وجہ سے وہ کیسے کافر ہو سکتا ہے؟

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی نوعیت کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

سوال: یہ بات ٹھیک ہے یا نہیں کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرے اور صدق دل سے اعتقاد رکھے، وہ مسلمان ہے؟

جواب: ہاں! صدق دل سے مانے تو ضرور مسلمان ہے اور وہ یوں ہی ہو گا کہ ضروریاتِ دین سے کسی چیز کا انکار نہ کرے، ورنہ نری کلمہ گوئی کافی نہیں۔[اظہار الحق الجلی، ص:۵۳]

تمہید ایمان میں ہے:

"مسلمانو! ذرا ہوشیار، خبردار، اس مکر ملعون کا حاصل یہ ہے کہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا، گویا خدا کا بیٹا بن جانا ہے، آدمی کا بیٹا اگر اُسے گالیاں دے، جوتیاں مارے، کچھ کرے اس کے بیٹے ہونے سے نہیں نکل سکتا، یونہی جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا اب وہ چاہے خدا کو جھوٹا، کذاب کہے، چاہے رسول کو سڑی سڑی گالیاں دے اس کا اسلام نہیں بدل سکتا۔"[معاذ اللہ][تمہید ایمان، ص:۲۵]

پھر منافقین سے متعلق دو آیتیں نقل کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"دیکھو! کیسی لمبی چوڑی کلمہ گوئی، کیسی کیسی تاکیدوں سے موکد، کیسی کیسی قسموں سے مؤید ہرگز موجبِ اسلام نہ ہوئی اور اللہ واحد قہار نے ان کے جھوٹے، کذّاب ہونے کی گواہی دی، تو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کا یہ مطلب گڑھنا صراحتاً قرآن عظیم کا رد کرنا ہے، ہاں! جو کلمہ پڑھتا، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو ہم اسے مسلمان جانیں گے جب تک اس سے کوئی کلمہ، کوئی حرکت، کوئی فعل منافی اسلام نہ صادر ہو، بعد صدورِ منافی ہرگز کلمہ گوئی کام نہ دے گی۔"[تمہید ایمان، ص:۲۶]

نیز اسی میں ہے:

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ [پ،۲۰،ع۱۳، سورۃ العنکبوت]

کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی۔

یہ آیت مسلمانوں کو ہوشیار کر رہی ہے کہ دیکھو کلمہ گوئی اور زبانی ادعائے مسلمانی پر تمھارا چھٹکارا نہ ہوگا۔ہاں ہاں سنتے ہو!آزمائے جاوگے ،آزمائش میں پورے نکلے تو مسلمان ٹھہروگے ۔ہر شئی کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو باتیں اس کے حقیقی وواقعی ہونے کو درکار ہیں،وہ اس میں ہیں یا نہیں ؟ابھی قرآن وحدیث ارشاد فرما چکے کہ ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم۔[تمہید ایمان،ص:۱۰]

ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو تو تکفیر نہیں کی جائے گی،، فقہا کے اس قول کی وضاحت:

’’اگر ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو، تو اس کو کافر نہیں کہنا چاہیے،، فقہاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا یہ ارشاد بلا شبہہ حق ودرست ہے،اس کی وضاحت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ نے اس طور پر فرمائی ہے:

’’جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو، جس میں سو پہلو نکل سکیں،ان میں ۹۹؍ پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کوئی پہلو کفر کا مراد رکھا ہے ہم اسے کافر نہ کہیں گے آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے،کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ اگر واقع میں اس کی مراد کوئی پہلوے کفر ہے تو ہماری تاویل سے فائدہ نہ ہوگا،وہ عند اللہ کافر ہی ہوگا،اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً زید کہے: عمرو کو علم قطعی یقینی غیب کا ہے،اس کلام میں اتنے پہلو ہیں۔

[۱] عمرو اپنی ذات سے غیب دان ہے،یہ صریح کفر وشرک ہے۔قل لا یعلم من فی السموٰات و الارض الغیب الا اللہ . تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ[پ،۲۰،ع۱][۲] عمرو آپ تو غیب دان نہیں مگر جن علم غیب رکھتے ہیں۔ان کے بتائے سے اس کو غیب کا علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے،یہ بھی کفر ہے۔تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین ،جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے[پ۲۲،ع۸][۳] عمرو نجومی ہے۔[۴] رمال ہے۔[۵] سامندرک جانتا ہے۔[۶] کوے وغیرہ کی آواز۔[۷] حشرات الارض کے بدن پر گرنے[۸] کسی پرندے یا وحشی چرندے کے داہنے یا بائیں نکل کر جانے۔[۹] آنکھ یا دیگر اعضا کے پھڑکنے سے شگون لیتا ہے[۱۰] پانسہ پھینکتا ہے۔[۱۱] فال دیکھتا ہے۔[۱۲] حاضرات سے کسی کو معمول بنا کر اس سے احوال پوچھتا ہے۔[۱۳] مسمریزم جانتا ہے۔[۱۴] جادو کی میز۔[۱۵] روحوں کی تختی سے حال دریافت کرتا ہے۔[۱۶] قیافہ دان ہے۔[۱۷] علم زایرجہ سے واقف ہے۔ان ذرائع سے اسے غیب کا علم قطعی یقینی ملتا ہے،یہ سب کفر ہیں [۱۸] عمرو پر وحی رسالت آتی ہے،اس کے سبب غیب کا علم یقینی پاتا ہے،جس طرح رسولوں کو ملتا تھا،یہ اشد کفر ہے۔[۱۹] وحی تو نہیں آتی مگر بذریعۂ الہام جمیع غیوب اس پر منکشف ہو گئے ہیں،اس کا علم تمام معلومات الٰہی کو محیط ہو گیا،یہ یوں کفر ہے کہ اس نے عمرو کو علم میں حضور پر نور سید عالم ﷺ پر ترجیح دے دی کہ حضور کا علم بھی جمیع معلومات الٰہی کو محیط نہیں۔[۲۰] جمیع

کا احاطہ نہ سہی مگر جو علومِ غیب اسے الہام سے ملے ان میں ظاہرًا باطنًا کسی طرح کسی رسول انس و ملک کی وساطت و تبعیت نہیں اللہ تعالیٰ نے بلا واسطۂ رسول اصالۃً اسے غیوب پر مطلع کیا، یہ بھی کفر ہے۔[۲۱] عمرو کو رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے سمعاً یا عیاناً یا الہاماً بعض غیوب کا علم قطعی اللہ عزوجل نے دیا یا دیتا ہے، یہ احتمال خالص اسلام ہے تو محققین فقہا اس قائل کو کافر نہ کہیں گے کہ اگرچہ اس کی بات کے اکیس پہلوؤں میں بیس کفر ہیں مگر ایک اسلام کا بھی ہے۔ احتیاط و تحسینِ ظن کے سبب اس کا کلام اسی پہلو پر حمل کریں گے جب تک ثابت نہ ہو کہ اس نے کوئی پہلوئے کفر ہی مراد لیا، نہ کہ ایک ملعون کلام تکذیب خدا یا تنقیص شانِ سید انبیا علیہ و علیہم الصلاۃ والثناء میں صاف صریح نا قابل تاویل و توجیہ ہو، اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو، اب تو اسے کفر نہ کہنا، کفر کو اسلام ماننا ہوگا اور جو کفر کو اسلام مانے خود کافر ہے۔[تمہید ایمان بآیات قرآن، ص: ۳۹]

فتاویٰ خلاصہ و جامع الفصولین و محیط و فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

" اذا كا نت فى المسئلة وجوه تو جب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير فعلى المفتى و القاضى ان يميل الى ذلك الوجه و لا يفتى بكفره تحسينا للظن بالمسلم ثم ان كا نت نية القائل الوجه الذى يمنع التكفير فهو مسلم و ان لم يكن لا ينفعه حمل المفتى كلا مه على وجه لا يو جب التكفير .

[خلاصۃ الفتاویٰ، ج: ۴، ص: ۳۸۲، کتاب الفاظ الکفر، الفصل الثانی، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ / جامع الفصولین، ج: ۲، ص: ۲۹۸، الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر، اسلامی کتب خانہ، کراچی / المحیط البرہانی، ج: ۵، ص: ۵۵۰، فصل فی مسائل المرتدین واحکامھم، دار احیاء التراث العربی، بیروت / فتاویٰ عالم گیری، ج: ۲، ص: ۳۰۱، کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین]

وہ اسباب جن کی بنا پر تکفیر قطعی ہو جاتی ہے:

اس بارے میں تو علمائے اہل سنت نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے، مگر دیو بندیوں اور وہابیوں پر اتمام حجت کے لیے دیو بندی جماعت کے مذہبی پیشوا مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگوی سابق ناظم تعلیمات، دار العلوم دیو بند کی کتاب "اشد العذاب" سے کچھ ایسے اقتباسات نقل کیے جارہے ہیں، جن کا مسئلۂ تکفیر کی فرضیت سے بڑا گہرا ربط اور تعلق ہے۔ لکھتے ہیں:

☆ جب ایک شخص نے قطعًا یقینًا ایک ضروری دین کا انکار کیا اور وہ انکار محقق ہو گیا تو اب اس کو کافر نہ کہنا خود بے احتیاطی سے کافر و مرتد ہونا ہے۔[اشد العذاب، ص: ۹]

☆ جیسے کسی مسلمان کو اقرارِ توحید و رسالت وغیرہ عقائدِ اسلامیہ کی وجہ سے کافر کہنا کفر ہے کیوں کہ اس نے اسلام کو کفر بنایا اسی طرح کسی کافر کو عقائد کفریہ کے باوجود مسلمان کہنا بھی کفر ہے، کیوں کہ اس نے کفر کو اسلام بنایا، حالاں کہ کفر کفر ہے اور اسلام اسلام ہے، اس مسئلہ کو مسلمان خوب اچھی طرح سمجھ لیں، اکثر لوگ اس میں احتیاط کرتے ہیں حالانکہ احتیاط یہی ہے کہ جو منکر ضروری دین ہو اُسے کافر کہا جائے، کیا منافقین توحید و رسالت کا اقرار نہ کرتے تھے؟، پانچوں وقت قبلہ کی طرف نماز نہ پڑھتے تھے؟ مسیلمہ کذّاب وغیرہ مدعیانِ نبوت اہل قبلہ نہ تھے؟ انہیں بھی مسلمان کہو گے؟ اہل قبلہ کے یہی معنی ہیں کہ تمام

ضروریاتِ دین کو تسلیم کرتا ہو ورنہ پھر دیانند، سرسوتی اور شردھانند جی اور گاندھی جی کا قصور کیا ہے۔ [اشد العذاب، ص:۱۰،۹]

☆جو نماز اور روزہ بھی ادا کرتا ہے اور تبلیغ اسلام میں ہندوستان ہی میں نہیں تمام یوروپ کی خاک چھانتا ہو بلکہ فرض کرو کہ اس کی سعی اور کوشش سے تمام یوروپ کو اللہ تعالیٰ حقیقی ایمان و اسلام بھی عنایت فرمادے مگر اس دعوائے اسلام و ایمان اور سعی بلیغ اور کوشش وسیع کے ساتھ انبیا علیھم السلام کو گالیاں دیتا ہو، رسول اللہ ﷺ کو خاتم الانبیا بمعنی آخر الانبیا نہ جانتا ہو، اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ جھوٹا جانتا ہو۔۔۔۔۔ یا اور ضروریاتِ دین کا انکار کرے وہ قطعاً یقیناً تمام مسلمانوں کے نزدیک مرتد ہے، کافر ہے، اس کی مثال ایسی ہے جس کو کسی دیوانے کتے نے کاٹ لیا ہو اور اس کا زہر اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا ہو اور ہڑک اٹھ چکی ہو، وہ تمام دنیا کو چاہے سیراب کر دے، تمام ہندوستان کے دریا اور نہریں اسی کے قدموں کے نیچے سے بہتی ہوں مگر اس بدنصیب کو ایک قطرہ پانی کا نصیب نہیں ہو سکتا، وہ دنیا کو سیراب کرے مگر خود تشنہ کام ہی دنیا سے رخصت ہو گا، ان اللہ لیؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر، دین کے کام کرنے سے مغرور نہ ہونا چاہیے، قابل لحاظ یہ ہے کہ وہ خود بھی مسلمان ہے یا نہیں؟۔ [اشد العذاب، ص:۱۵]

☆انبیا علیھم السلام کی تعظیم کرنی اور توہین نہ کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔ [اشد العذاب، ص:۹]

مولوی مرتضی حسن دربھنگوی کی مذکورہ بالا عبارتوں سے جو باتیں عیاناً، کھلے طور پر ثابت ہوئیں، وہ یہ ہیں:

[۱]حضور اقدس ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیھم الصلاۃ والسلام کی تعظیم ضروریاتِ دین سے ہے، اس لیے جو جاہل، مولوی، مفتی، حکیم الامت، قاسم العلوم یا کوئی اور بلا، سید عالم ﷺ یا کسی بھی نبی کی شانِ رفیع میں گستاخی کرے وہ ضروریِ دین کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہے۔

[۲]اہل قبلہ،، سے مراد وہی لوگ ہیں جو تمام ضروریاتِ دین کا اقرار کرے، جو کسی بھی ضروریِ دین کا انکار کرے وہ اگرچہ پانچوں نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے، ہر گز ہر گز اہل قبلہ سے نہیں بلکہ کافر و مرتد ہے۔

[۳]اگر کوئی شخص کسی ایک ضروریِ دین کا انکار کرے تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو کافر کہا جائے۔

[۴]اگر کوئی ضروریِ دین کا انکار کرے، اور وہ یقینی طور پر ثابت ہو جائے تو اسے کافر کہنا فرض ہے، ورنہ اس بے احتیاطی کی وجہ سے یہ خود کافر ہو جائے گا۔

[۵]جو شخص حضور اقدس ﷺ کو خاتم الانبیا مانے اور آخری نبی نہ مانے، وہ کافر و مرتد ہے۔

[۶]جس انسان کی سعیِ پیہم اور جہدِ مسلسل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پوری دنیا کو اسلام کی دولتِ لازوال عطا فرمادے، اگر وہ کسی ضروریِ دین کا انکار کرے تو وہ بھی بلا شبہہ کافر و مرتد ہے۔

[۷]دہلی کا رہنے والا ہو یا بھون کا باشندہ اگر اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہے تو وہ بلا شبہہ کافر و مرتد ہے۔

[۸]جو شانِ الوہیت اور شانِ رسالت میں گستاخی کرے، اگرچہ وہ پوری دنیا کے گوشہ گوشہ میں دینِ متین کی تبلیغ کرے، تب بھی وہ کافر و مرتد ہی مانا جائے گا۔

علمائے دیوبند کی کفریہ عبارتیں:

محترم قارئین! ابھی ابھی آپ کی نگاہوں سے گزرا کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے مذہبی پیشوا اور دارالعلوم دیوبند کے سابق ناظمِ تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگوی نے صریح اور دوٹوک الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہنے والا، نبی اکرم، نور مجسم ﷺ کو آخری نبی ماننے سے انکار کرنے والا اور حضور اقدس ﷺ یا کسی بھی نبی کی توہین کرنے والا یا کسی بھی ضرورتِ دینی کا انکار کرنے والا اگرچہ پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور نماز میں چہرہ بھی قبلہ ہی کی طرف کرے تب بھی وہ اہل قبلہ سے نہیں بلکہ کافر و مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ اب دیوبندی مذہب کے پیشوایان کی کفری عبارتیں پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ نانوتوی، گنگوہی، اور تھانوی وغیرہ نے کسی ضرورتِ دینی کا انکار کیا ہے یا نہیں؟ اور ان کی تکفیر کرنا فرض قطعی ہو گیا ہے یا نہیں؟ اب کفریہ عبارتیں پیش کرنے سے پہلے یہ جملہ دہرا دینا مناسب ہے کہ دربھنگوی صاحب کے نزدیک نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا، نبی ﷺ کو آخری نبی ماننے سے انکار کرنے والا کافر و مرتد ہے، وہ ہرگز اہل قبلہ سے نہیں۔

دیوبندی مذہب کے دینی پیشوا مولوی قاسم نانوتوی نے حضور اقدس ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرتے ہوئے لکھا:

”اول معنیٔ خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم [ﷺ] کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔“ [تحذیر الناس، ص:۳]

محترم قارئین! قاسم نانوتوی کی اس عبارت کا صریح اور واضح مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ کو سب سے آخری نبی ماننا ناسمجھ لوگوں کا خیال ہے، اہل عقل و خرد کے نزدیک خاتم النبیین کا معنی آخری نبی کرنا غلط ہے، معاذ اللہ، واضح رہے کہ امت کے تمام علما، فقہا، محدثین بلکہ جملہ اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہی ہے، جس پر شفا، کتاب الاقتصاد، شرح الفوائد، الاشباہ والنظائر کے ساتھ کلام اور فقہ کی کثیر کتابیں بلکہ دیوبندی مذہب کے معتمد مفتی شفیع دیوبندی کی عبارتیں بھی شاہد عدل ہیں۔ اور اجماع کا اقرار ضروریات دینیہ سے ہے اور کسی بھی دینی ضرورت کا انکار کفر ہے۔ نانوتوی صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہہ بیٹھے کہ زمانے کے لحاظ سے آخر میں آنے میں کوئی خوبی اور فضیلت نہیں۔ معاذ اللہ، جب کہ حضور اقدس ﷺ نے کثیر احادیث نبویہ میں اس وصف کو اوصاف جلیلہ میں سے شمار فرمایا ہے اور یہ واضح بھی کیا ہے کہ اس وصف میں کوئی دوسرا بھی میرا سہیم و شریک نہیں ہے۔

مولوی رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی نے حضور اقدس ﷺ کی شانِ عظیم میں گستاخی کرتے ہوئے لکھا:

”الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علمِ محیط زمین کا فخر عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلادلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے؟ کہ شیطان و ملک الموت کو یہ [علم کی] وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نصِ قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“ [براہین قاطعہ، ص:۵۵]

محترم ناظرین! براہین قاطعہ کی اس عبارت کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ حضرت سیدنا عزرائیل علیہ السلام اور شیطانِ لعین کے علم کا زیادہ ہونا قرآن سے ثابت ہے مگر حضور اقدس ﷺ کے علم کا زیادہ ہونا کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں۔ شیطان اور ملک الموت کے علم سے حضور اقدس ﷺ کے علم کو کم بتا کر رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی نے سید عالم ﷺ کی شانِ رفیع میں شدید ترین گستاخی کی ہے۔

اشرفعلی تھانوی نے حضور اقدس ﷺ کے علم غیب کا انکار کرتے ہوئے لکھا:

”پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمرو و بکر بلکہ ہر صبی [بچے] مجنون [پاگل] بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔“ [حفظ الایمان، ص:۷]

اس عبارت کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ اشرفعلی تھانوی نے حضور سید عالم ﷺ کے علم پاک کو ہر کس و ناکس، بلکہ بچوں اور پاگلوں بلکہ چوپایوں کے علم کے مشابہ کہا یا اس کے مساوی اور برابر قرار دیا۔ اور دونوں صورتوں میں حضور ﷺ کی شانِ اقدس کی صریح توہین اور انتہائی تحقیر ہے اور کسی بھی نبی کی توہین بلا دغدغہ کفر ہے۔

کیا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بلا تحقیق پیشوایان دیوبند کی تکفیر کی ہے؟

اعلیٰ حضرت، مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کلمہ گو کی تکفیر میں سخت احتیاط فرماتے تھے اور بلا ثبوتِ شرعی ہر گز ہر گز کسی بھی مسلمان کو کافر نہیں کہتے، کمالِ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ۱۳۰۷ھ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مستطاب ”سبحٰن السبوح“، میں رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے عقیدۂ باطلہ [امکانِ کذب باری تعالیٰ یعنی خدا جھوٹ بول سکتا ہے] کا رد بلیغ فرماتے ہوئے اُٹھتر وجوہ سے لزوم کفر ثابت فرمایا، مگر اس کے باوجود آپ نے ان لوگوں کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ صرف بدمذہب اور گمراہ قرار دینے پر اقتصار واکتفا کیا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ خود ہی رقمطراز ہیں: ”حاش للہ، حاش للہ، ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر [یعنی مولوی گنگوہی وغیرہ کو کافر کہنا] پسند نہیں کرتا، ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید [مولوی گنگوہی وغیرہ] کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت وضلالت یعنی ان کے بدمذہب و گمراہ ہونے میں شک نہیں۔“ [سبحٰن السبوح، ص:۸۰]

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پیشوایان دیوبند گنگوہی، نانوتوی، تھانوی اور انبیٹھوی وغیرہ ان لزومی کفریات سے توبہ کر کے اصلاحِ حال کر لیتے مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ مزید اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی شانِ رفیع میں کثیر گستاخیاں کیں، ضروریاتِ دین کا انکار کیا اور ڈھیر وں التزامی کفریات کیے اور کتابوں، رسالوں کے ذریعہ انہیں شائع کر کے عوام اہل سنت کو گمراہ کرنے اور انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا باغی و دشمن بنانے کی مذموم کوشش بھی کیا۔

اب احتیاط کا تقاضہ یہی تھا جیسا کہ دربھنگوی صاحب نے بھی کہا ہے، کہ ان ضروریاتِ دین کے انکار کرنے والوں پر کفر و ارتداد کا حکم صادر کیا جائے، اسی لیے مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب ”المستند المعتمد“ میں دیوبندی

مذہب کے بانیان اور اس کے پیشوایان کی کفریہ عبارتیں نقل فرمایا جو قطعی اور التزامی ہیں، پھر ان پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے ان کے قائلین کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور یہ مبارک و میمون فتویٰ ”المستند المعتمد“ کے نام سے ۱۳۲۱ھ میں پٹنہ سے شائع ہوا۔

اس کی صراحت خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دوسرے مقام پر کر دیا ہے۔

”جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ و رسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی، سنی تھی، اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایتِ احتیاط سے کام لیا حتی کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلّمین عظام کا مسلک اختیار کیا، جب صاف صریح انکار ضروریاتِ دین و دشنام دہی رب العلمین و سید المرسلین ﷺ آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحیں سن چکے کہ من شك فی عذابه و کفره فقد کفر جو ایسے کے معذّب و کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔ اپنا اور اپنے دینی بھائیوں عوام اہل اسلام کا ایمان بچانا ضروری تھا لاجرم حکم کفر دیا اور شائع کیا۔“ [تمہید ایمان، ص:۴۷]

خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے نام آوری یا کسی غرضِ فاسد کی بنیاد پر دیوبندی مذہب کے پیشوایان کی تکفیر نہیں کی ہے بلکہ جب کفر کا فتویٰ دینا فرض ہو گیا تب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کی تکفیر کی ہے۔ اور اس بات کا اعتراف تو دار العلوم دیوبند کے سابق ناظمِ تعلیما ت مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگوی کو بھی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”اگر [مولانا احمد رضا] خانصاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند [مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرفعلی تھانوی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھی] واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو [مولانا احمد رضا] خانصاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی، اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے، جیسے علمائے اسلام نے جب مرزا غلام احمد صاحب کے عقائد کفریہ معلوم کر لیے اور وہ قطعاً ثابت ہو گئے، تو اب علمائے اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر و مرتد کہنا فرض ہو گیا، اگر وہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں، چاہے وہ لاہوری ہوں یا قدنی وغیرہ وغیرہ تو وہ خود کافر ہو جائیں گے، کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔“ [اشد العذاب، ص:۱۳]

کیا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کو کافر کہا ہے؟

کیا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی تکفیر کی ہے؟ اس کا جواب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ملاحظہ کریں۔ حضرت لکھتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت قدس سرّہ نے ان لوگوں کی تکفیر کی ہے جنھوں نے اللہ و رسول کی کھلی کھلی توہینیں کیں، اس سبوح قدوس جل مجدہ کو عیبی جانا، جھوٹ جیسے عیب کو اس سے واقع مانا، چوری شراب خوری، جہل و ظلم جیسے عیوب کا اس پاک ذات پر دھبہ لگایا، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علمِ عظیم سے شیطان لعین کے علم کو وسیع بتایا، شیطان کے لیے علمِ غیب نص سے ثابت مانا اور حضور کے لیے ماننے کو شرک بتایا۔ یوں یا شیطان کو غیر خدا نہ جانا یا اپنے منھ شیطان کے لیے علمِ غیب مان کر مشرک ہوا اور شرک کو نص سے ثابت

جانا، اور وہ جس نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علم شریف کے بارے میں یہ لکھا کہ ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے حاصل ہے [معاذاللہ] اور وہ جس نے حضور خاتم النبیین علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد نبوت کی تجویز کی اور قرآن پر بے ربطی کی لم لگائی، حضور کے بعد بلکہ حضور کے زمانہ میں کہیں کوئی نبی پیدا ہونے سے ختمِ نبوت میں کوئی خلل نہ جانا، خاتم النبیین کے نئے معنی گڑھے اور جو معنی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور آج تک تمام مسلمان سمجھتے رہے اُسے خیالِ عوام ٹھہرایا اور اسے صحیح نہ جانا اور وہ جنھوں نے اپنی نبوت کا ادّعا کیا اور جو اُن جھوٹے مدعیوں کو نبی مانتے یا مجدد جانتے یا کم از کم مسلمان جانتے ہیں۔ اور وہ جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام یا کسی اور نبی کی توہینیں کی ہیں یا ان کی نبوت سے انکار کیا ہے اور محض مقدس بھاری واعظ اور ایک مصلح جانا ہے، اور وہ جنہوں نے مولیٰ علی کو خدا مانا یا خدا کو ان میں رما ہوا ٹھہرایا یا حضرات اہل بیت کرام کو سوائے حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل جانا، جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام کو غلط کار اور خائن ٹھہرایا، یا غیر نبی مولیٰ علی کو نبوت کا اہل اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام نبی الانبیاء کو نبوت کے لائق نہ جانا، جن کا یہ عقیدہ ہے کہ نبوت بھیجی تو اللہ نے مولیٰ علی کو تھی اور جبرئیل غلطی سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو دے گئے اور وہ جنہوں نے اس قرآن کو دخلِ بشری سے محفوظ نہ جانا، بیاضِ عثمانی ٹھہرایا یا ناقص بتایا، جنہوں نے خدا پر عیب لگایا کہ وہ حکم دے کر پچھتاتا ہے وغیرہ وغیرہ کفریات اور وہ جن کا یہ عقیدہ ہے جو لا الٰہ کہتا ہے، کیسے گندے گھنونے کفری عقیدہ رکھتا ہو مسلمان، اور وہ جو گاندھی کی آندھی میں اڑے، جنہوں نے کھلے کھلے الفاظ کفریہ بکے اور افعال کفریہ کیے۔" [فتاویٰ مصطفویہ، ص:۲۵۹، رضا اکیڈمی، ممبئی]

مسئلۂ تکفیر میں امام احمد رضا کا کمال احتیاط:

ذیل میں فتاوی رضویہ سے کچھ اقتباسات نقل کیے جا رہے ہیں، انہیں پڑھ کر ان شاء اللہ الرحمٰن مزید شرح صدر ہو گا اور مسئلۂ تکفیر سے متعلق امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حد درجہ احتیاط کے مناظر بھی دیکھنے کو ملیں گے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

بالجملہ تکفیر اہل قبلہ واصحاب کلمۂ طیبہ میں جرأت وجسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت جس میں وبال عظیم و نکال صریح کا اندیشہ، والعیاذ باللہ رب العلمین، فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول وفعل کو اگر چہ بظاہر کیسا ہی شنیع فضیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں، اگر کوئی ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو جس کی رو سے حکم اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی طرف جائیں۔ اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانب کفر جاتے ہوں، خیال میں نہ لائیں۔ حدیث: الاسلام یعلو و لا یعلی [حضور ﷺ فرماتے ہیں: اسلام غالب رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا] احتمال اسلام چھوڑ کر احتمالات کفر کی طرف جانے والے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں۔ حدیث: "لا الٰہ الا اللہ" کہنے والوں سے زبان روکو، انہیں کسی گناہ پر کافر نہ کہو۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو جو کافر کہے خود کفر سے نزدیک تر ہے"۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۲، ص:۳۱۷، رسالہ مبارکہ اطائب التہانی فی النکاح الثانی]

ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں، مگر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات میمون کے مطالعہ سے قبل وہ سوال بھی پڑھ لیں جس کے جواب میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی وہ تحریر انیق موجود ہے۔ سوال یہ کہ زید نے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس کے شروع میں عربی عبارت میں اس طرح لکھا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم .الٰھنا محمد و ھو معبود جل شانہ و عز برھانہ و رسولنا محمد و ھو محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ان الفاظ کی کوئی تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسے لکھنے والے پر شرعاً حکم کیا ہے اور اس سے میل جول رکھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے اعتقاد رکھنے والے سے نکاح وغیرہ پڑھوانا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا و توجروا

مسئلہ کس قدر گنجلک اور پیچیدہ ہے سوال پڑھ کو آپ پر واشگاف ہو گیا ہوگا، اب اس کے بعد جواب کے پاکیزہ کلمات تعصب و عناد کی عینک اتار کر حق و صداقت کے جذبوں سے سرشار ہو کر انصاف و دیانت کی آنکھوں سے پڑھیں، لکھتے ہیں:

الجواب: ہمارے ائمہ نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہیں اور ایک احتمال اسلام کا، تو واجب ہے کہ احتمال اسلام پر کلام کو محمول کیا جائے، جب تک اس کا خلاف ثابت نہ ہو۔ پہلے جملے میں محمد بفتح میم کیوں پڑھا جائے محمد بکسر میم کہا جائے۔ یعنی حضور سید عالم محمد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار بکثرت حمد و ثنا کیے گئے اور ان کا رب عزوجل ان کا محمد ہے بار بار بکثرت ان کی مدح و تعریف فرمانے والا۔

اب یہ معنیٰ صحیح ہو گئے اور لفظ بالکل کفر سے نکل گیا اور اگر بفتح میم ہی پڑھا جائے اور معنیٰ لغوی مراد لیں، ہمارا رب بکثرت بار بار حمد کیا گیا جب بھی عند اللہ کفر نہ ہوگا مگر اب صرف نیت کا فرق ہوگا۔

بہر حال ناجائز ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: مجرد الایھام لمعنی المحال کاف فی المنع محض معنیٰ محال کا وہم بھی منع کے لیے کافی ہوتا ہے، مصنف کو توبہ چاہئے اور اسے متنبہ کیا جائے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں مگر یہ کہ کوئی حالت خاصہ داعی ہو۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۴، ص:۶۰۴، برکات رضا پور بندر گجرات]

خلاصہ یہ ہے کہ پیشوایان دیوبند کی تکفیر اڑتی ہوئی بے ثبوت اور بے سروپا باتوں کی بنیاد پر نہیں کی گئی ہے بلکہ جب ان لوگوں کی کفریہ عبارتوں سے متعلق آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن شہادتیں فراہم ہوئیں تب کفر وارتداد کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ حکم صرف اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا نہیں ہے بلکہ عرب و عجم اور ہندوسندھ کے کثیر معتمد علما وفقہا کا بھی ہے۔ لطف اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ دیوبندی جماعت کے ذمہ دار مفتیوں نے بھی مولوی اسماعیل دہلوی اور قاسم نانوتوی کو کافر، فاسق، خارج از ایمان، بیہودہ اور جاہل آدمی لکھا ہے اور نانوتوی صاحب سے تو مقاطعہ اور قطع تعلق کا بھی حکم دیا ہے۔ واضح رہے کہ سائل نے قائل کا نام چھپا کر فرضی نام سے استفتا کیا تھا، اس لیے دیوبندی مفتیوں نے بھی کفر وارتداد کا حکم جاری کیا لیکن جب قائلین کے نام معلوم ہو گئے تو یہ فتوے بھی بدل گئے، اس سے معلوم ہوا کہ دیوبندی مذہب کی بنیاد قرآن وحدیث پر نہیں بلکہ اکابر پرستی پر ہے۔

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا خان ناموس رسالت کے عظیم پاسبان

مولانا شارب ضیا رضوی مصباحی: استاذ جامعہ قادریہ بنگلور

تاریخ اسلامی سے شغف رکھنے والوں پر یہ حقیقت مہر نیم روز سے زیادہ روشن ہے کہ تیرہویں صدی میں برصغیر میں گستاخان رسول کے ایک نامراد طبقے نے سر ابھارا، اس وقت جن ارباب علم وفن اور اصحاب عشق وعرفان نے تحفظ ناموس رسالت کا گراں بہا کارنامہ انجام دیا ان میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا نام سرفہرست ہے۔ یقیناً عاشق رسول مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے انہی حضرات صحابہ کی سیرت طیبہ کے ہر گوشے کو اپنی حیات مستعار کا سنگ میل مقرر کیا اور بالخصوص اسوۂ صدیقی وبلالی، غیض فاروقی وخالدی، فراست عثمان وعلی اور عشق کعبی وحسانی کو اپنی تمام تر محبتوں کی محراب کا امام بنایا اور جان ودل ہوش وخرد سب کچھ اپنے معظم ومکرم رسول ﷺ کی نبوت ورسالت کے ناموس کی حفاظت کے لیے قربان کر دیا۔

واضح رہے کہ تحفظ ناموس رسالت، اشاعت مذہب وملت اور ابطال عقائد مخالفین اہل سنت کے لیے امام احمد رضا محدث بریلوی نے نہ صرف اپنی ذہنی وفکری توانائیاں صرف کیں بلکہ والد محترم کی طرف سے بطور وراثت ملی ہوئی تقریباً چھپن ایکڑ زمین قسط وار بیچ کر پوری کی پوری رقم بہار سنت مصطفی اور وقار نبوت کی بقا کے لیے اشاعت کتب میں لگا دی اور رات کی تاریکیوں میں دولت عشق رسول اور ثروت ایمان پر شب خون مارنے والے درندوں بھیڑیوں سے امت مرحومہ کو ہوشیار بھی کرتے رہے۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ لگے ہاتھ ناموس رسالت سے متعلق مخالفین کی چند ہرزہ سرائیاں اور محدث بریلوی کے دندان شکن جوابات قارئین کی نذر کر دیے جائیں تاکہ محقق بریلوی کے عطا کردہ حفاظت ایمان کے نسخوں سے آپ بھی واقف ہو جائیں اور اپنے اور اپنے اہل وعیال اور خویش واقارب کے ایمان وعقیدے کا تحفظ کر سکیں۔

اٹھارہویں صدی کے وسط میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور سعودی سرپرست نے باہم مل کر عالم اسلام کے ہر بادشاہ کو جو خطوط بھیجے تھے ان خطوط میں مندرجہ ذیل عبارت موجود تھی ”اللہ ایک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، مگر محمد کی تعریف کرنا یا ان کی تعظیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ [بحوالہ تاریخ نجد وحجاز]

کون نہیں جانتا کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف اور آپ کی تعظیم ہی جان ایمان بلکہ عین ایمان

ہے، سچا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دل میں عشق مصطفی کی شمع فروزاں ہو، آقاے کریم کا فرمان عالیشان ہے ”اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ، اول اپنے آقا سے محبت۔ دوم ان کے اہل بیت سے محبت اور سوم قرآن کا پڑھنا۔[الجامع الصغیر]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ۙ ﴿۸﴾ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِیۡلًا ﴿۹﴾ [الفتح، آیت ۸۔۹]

اے نبی بیشک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

درج بالا آیہ کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے محب رسول امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمھارا مولیٰ تبارک و تعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے: اول یہ کہ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔ دوم یہ کہ رسول اللہ کی تعظیم کریں۔ سوم یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو، سب میں پہلے ایمان کو ذکر فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کی تعظیم کو، اس لیے کہ بغیر ایمان، تعظیم کارآمد نہیں۔ بہت سے عیسائی ہیں کہ کفار نا ہنجار کی طرف سے حضور ﷺ پر ہونے والے اعتراض کے جواب میں کتابیں لکھ چکے، لکچر دے چکے، مگر جب کہ ایمان نہ لائے، کچھ مفید نہیں۔ کہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس ﷺ کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔ پھر جب تک نبی کریم ﷺ کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الٰہی میں گزارے، سب بے کار و مردود ہے۔ بہت سے جوگی اور راہب ترک دنیا کر کے، اپنے طور پر ذکر و عبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں، کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں مگر جب تک کہ محمد ﷺ کی تعظیم نہیں، کیا فائدہ؟ بالکل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کے قابل نہیں، اللہ تعالیٰ ایسوں ہی کو فرماتا ہے: وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا [الفرقان ۲۵/۲۳] ترجمہ: جو کچھ اعمال انہوں نے کئے تھے، ہم نے سب برباد کر دیے۔ ایسوں ہی کو فرماتا ہے۔ ”عاملة ناصبة تصلیٰ نارا حامیة“ [الغاشیہ، آیت ۴، ۳] ترجمہ: عمل کریں مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہو گا یہ کہ بھڑکتی آگ میں بیٹھیں گے۔

مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم، ایمان کی بنیاد، نجات کا سبب، اعمال کی قبولیت کا سبب ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی اور ضرور ہوئی!

تمھارا رب عزوجل فرماتا ہے:

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ وَ اِخۡوَانُكُمۡ وَ اَزۡوَاجُكُمۡ وَ عَشِیۡرَتُكُمۡ وَ اَمۡوَالُ ۣاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَ تِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ

اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۠ [التوبۃ، آیت ۲۴]

ترجمہ: اے نبی تم فرمادو، کہ اے لوگو! اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیبیاں، تمھارا کنبہ اور تمھاری کمائی کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمھاری پسند کے مکان، ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے، تو انتظار رکھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اتارے اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے دنیا جہان میں کوئی معزز، کوئی عزیز، کوئی مال، کوئی چیز، اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب ہو، وہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہے، اللہ عزوجل اسے اپنی طرف راہ نہ دے گا، اسے عذاب الٰہی کے انتظار میں رہنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

تمھارے پیارے نبی فرماتے ہیں:

لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین.

ترجمہ: تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ، اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ یہ حدیث، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس نے تو یہ بات صاف فرمادی کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے، ہرگز مسلمان نہیں۔ مسلمانو کہو! محمد، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں سے زیادہ محبوب رکھنا مدار ایمان و مدار نجات ہوا یا نہیں؟ کہو ہوا اور ضرور ہوا۔

یہاں تک تو سارے کلمہ گو خوشی خوشی قبول کرلیں گے کہ ہاں ہمارے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم عظمت ہے۔ ہاں ہاں ماں باپ اولاد سارے جہان سے زیادہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پیاری ہے۔ بھائیو! خدا ایسا ہی کرے، مگر ذرا کان لگا کر اپنے رب کا ارشاد سنو!

اللہ رب العزت کا فرمان عالی شان ہے:

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ [العنکبوت آیت ۱،۲]

ترجمہ: کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔

یہ آیت مسلمانوں کو ہوشیار کر رہی ہے کہ دیکھو کلمہ گوئی اور زبانی ادعائے مسلمانی پر تمھارا چھٹکارا نہ ہوگا۔ ہاں ہاں سنتے ہو! آزمائے جاؤ گے، آزمائش میں پورے نکلے تو مسلمان ٹھہرو گے۔ ہر شئی کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو باتیں اس کے حقیقی وواقعی ہونے کو درکار ہیں، اس میں ہیں یا نہیں؟ ابھی قرآن وحدیث ارشاد فرما چکے کہ ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کی دو باتیں ضرور ہیں [۱] محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم۔ [۲] محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم، تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو۔ جیسے تمھارے باپ، تمھارے

استاد، تمھارے پیر، تمھاری اولاد، تمھارے بھائی، تمھارے احباب، تمھارے اصحاب، تمھارے مولوی، تمھارے حافظ، تمھارے مفتی، تمھارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں اصلا تمھارے قلب میں ان کی عظمت ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے، فوراان سے الگ ہوجاؤ، ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت، مشیخیت، بزرگی، فضلیت، کو خاطر میں لاؤ، آخر یہ جو کچھ تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کی بنا پر تھا، جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا، اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں، کیا بہترے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ کیا عمامے نہیں باندھتے؟ اس کے نام وعلم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں؟ کیا بہترے پادری، بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی اس نے حضور ﷺ سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پروائی منائی یا تمھارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی، تو للہ اب تم ہی انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان، قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنے دور نکل گئے۔ مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگوکی وقعت کر سکے گا اگرچہ اس کا پیر یا استاد یا پدر ہی کیوں نہ ہو، کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو۔

مزید امام احمد رضا خان فاضل بریلوی سورۃ المجادلہ: آیت: ۲۲، سورۃ التوبہ، آیت: ۶۱، ۲۳، سورۃ الممتحنہ: آیت: ۳، ۲، ۱، سورۃ المائدہ: آیت: ۵۱، سورۃ الاحزاب: ۵۷ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

دیکھو اللہ واحد قہار فرمارہا ہے کہ تمھارے رشتے، علاقے قیامت میں کام نہ آئیں گے، مجھ سے توڑ کر کس سے جوڑتے ہو۔ دیکھو! وہ فرمارہا ہے کہ میں غافل نہیں، میں بے خبر نہیں، تمھارے اعمال دیکھ رہا ہوں، تمھارے اقوال سن رہا ہوں، تمھارے دلوں کے احوال سے خبر دار ہوں، دیکھو! بے پروائی نہ کرو، پرائے پیچھے، اپنی عاقبت نہ بگاڑو، اللہ ورسول کے مقابل ضد سے کام نہ لو، دیکھو اور گناہ تو نرے گناہ ہوتے ہیں جن پر عذاب کا استحقاق ہو، مگر ایمان نہیں جاتا، عذاب ہوکر خواہ رب کی رحمت، حبیب کی شفاعت سے، بے عذاب ہی چھٹکارا ہوجائے گا یا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا مقام ہے ان کی عظمت، ان کی محبت، مدار ایمان ہے، قرآن مجید کی آیتیں سن چکے کہ جو اس معاملے میں کمی کرے اس پر دونوں جہان میں خدا کی لعنت ہے۔ دیکھو جب ایمان گیا، پھر اصلا ابدالآباد تک کبھی، کسی طرح ہرگز، اصلا، عذاب شدید سے رہائی نہ ہوگی۔ گستاخی کرنے والے، جن کا تم یہاں کچھ پاس ولحاظ کرو، وہاں اپنی بھگت رہے ہوں گے، تمھیں بچانے نہ آئیں گے اور آئیں تو کیا کرسکتے ہیں؟ پھر ایسوں کا لحاظ کرکے، اپنی جان کو ہمیشہ ہمیشہ غضب جبار وعذاب نار میں پھنسا دینا، کیا عقل کی بات ہے۔؟ [ماخوذ از تمہید الایمان]

ان تمام تر تفصیلات کو امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے کلام منظوم میں یوں ارشاد فرمایا:

اللہ کی سرتابہ قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

ابن عبدالوہاب نجدی کہتا ہے کہ محمد[ﷺ] کی تعریف و تعظیم ضروری نہیں۔ حالاں کہ بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام کے ادب و تعظیم سے متعلق صریح احادیث موجود ہیں۔

عن اسامه بن شريك رضى الله تعالىٰ عنه قال:اتيت النبى ﷺ واصحابه حوله كأن على روسهم الطير.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور کے اصحاب حضور کے گرد تھے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ [ابوداؤد شریف، ج:۲، ص:۵۳۹]

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

یعنی سرجھکائے، گردنیں خم کیے، بے حس و حرکت کہ پرندے لکڑی یا پتھر جان کر سروں پر آ بیٹھیں، اس سے بڑھ کر اور خشوع کیا ہوگا۔ ہند بن ابی ہالہ اوصاف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث حلیہ اقدس میں ہے۔ اذا تكلم اطرق جلساء ه كان على رؤسهم الطير۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام فرماتے جتنے حاضران مجلس ہوتے سب گردنیں جھکا لیتے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۵۳۴]

(۲) رشید احمد گنگوہی لکھتا ہے:

"شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان وملک الموت کو یہ وسعت، نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے۔؟" [براہین قاطعہ، ص:۵۵ مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند]

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ:

[الف] حضور ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ ﷺ کو زمین کے ذرے ذرے کا علم ہے شرک ہے۔

[ب] شیطان وملک الموت کو زمین کے ذرے ذرے کا علم حاصل ہے، اور یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

[ج] قرآن و حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے وسیع ہونے کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں مگر شیطان اور ملک الموت کے وسعت علمی کے لیے نص صریح ہے۔ اس لیے شیطان وملک الموت پر قیاس کر کے وہ وسعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ماننا، قیاس فاسد یعنی غلط قیاس ہے۔

[د] ملک الموت و شیطان کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ نعوذ باللہ من هذا القول الشنيع الفظيع۔

❹ اشرف علی تھانوی لکھتا ہے:

"آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو [یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا ہے] اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید، عمرو بلکہ ہر صبی، مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے"۔ [حفظ الایمان، ص:۸]

اس مردود، ملعون اور منحوس کلام کو سمجھنا بالکل دشوار نہیں عام سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اس گستاخ کے کہنے کے مطابق بعض علم غیب صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو نہیں بلکہ ایسا کچھ علم تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ گویا بقول تھانوی تمام جانور، جن میں گدھے، کتے اور خنزیر بھی شامل ہیں، اور پاگل بھی علم کی بعضیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ہو گئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگر بعض علم غیب ملا بھی ہے تو اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا کمال و خصوصیت، کیوں کہ اسی طرح "کچھ نہ کچھ علم غیب" تو ہرایرے غیرے کو بھی حاصل ہے۔ [معاذ اللہ]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی فرماتے ہیں:

"للہ للہ ذرا دیر کو اللہ عزوجل و رسول اللہ ﷺ کے سوا سب ایں و آں سے نظر اٹھا کر آنکھیں بند کرو اور گردن جھکا کر اپنے آپ کو اللہ واحد قہار کے سامنے حاضر سمجھو اور نرے خالص سچے اسلامی دل کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی عظیم عظمت بلند عزت رفیع وجاہت جو ان کے رب نے انہیں بخشی اور ان کی تعظیم کی، ان کی توقیر پر ایمان و اسلام کی بنا رکھی اسے دل میں جما کر انصاف و ایمان سے کہو، کیا جس نے کہا کہ شیطان کو یہ وسعت، نص سے ثابت ہوئی فخر عالم ﷺ کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے؟ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی نہ کی؟ کیا اس نے ابلیس لعین کے علم کو رسول اللہ ﷺ کے علم اقدس پر نہ بڑھایا؟ کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی وسعت علم سے کافر ہو کر شیطان کی وسعت علم پر ایمان نہ لایا؟ مسلمانو! خود اس بدگو سے اتنا ہی کہہ دیکھو کہ وہ علم میں شیطان کے ہمسر، دیکھو! تو وہ برا مانتا ہے یا نہیں حالاں کہ اسے تو علم میں شیطان سے کم بھی نہ کہا بلکہ شیطان کے برابر ہی بتایا، پھر کم کہنا کیا توہین نہ ہوگی؟ اور اگر وہ اپنی بات پالنے کو اس پر ناگواری ظاہر نہ کرے اگرچہ دل میں قطعاً ناگوار مانے گا، تو اسے چھوڑیئے اور کسی معظم سے کہہ دیجیے اور پورا ہی امتحان مقصود ہو تو کیا کچہری میں جا کر آپ کسی حاکم کو ان ہی لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں؟ دیکھیے! ابھی ابھی کھلا جاتا ہے کہ توہین ہوئی اور بے شک ہوئی پھر کیا رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا کفر نہیں؟ ضرور ہے اور بالیقین ہے۔ کیا جس نے شیطان کی وسعت علم کو نص سے ثابت مان کر حضور اقدس ﷺ کے لیے وسعت علم ماننے والے کو کہا "تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے" اور کہا "شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے" اس نے ابلیس لعین کو خدا کا شریک مانا یا نہیں؟ ضرور مانا، کہ جو بات مخلوق میں ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہوگی، وہ کسی کے لیے ثابت کی جائے، قطعاً شرک ہی رہے گی کہ خدا کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا، جب رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ وسعت علم مانی

شرک ٹھرائی، جس میں کوئی حصہ ایمان کا نہیں تو ضرور اتنی وسعت خدا کی وہ خاص صفت ہوئی جس کو خدائی لازم ہے جب تو نبی کے لیے اس کا ماننے والا کافر مشرک ہوا اور اس نے وہی وسعت، وہی صفت خود اپنے منہ، ابلیس کے لیے ثابت مانی تو صاف شیطان کو خدا کا شریک ٹھہرایا۔ مسلمانو! کیا یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی توہین نہ ہوئی؟ ضرور ہوئی، اللہ تعالیٰ کی توہین تو ظاہر ہے کہ اس کا شریک بنایا اور وہ بھی کسے؟ ابلیس لعین کو اور رسول اللہ ﷺ کی توہین یوں، کہ ابلیس کا مرتبہ اتنا بڑھا دیا، کہ وہ تو خدا کی خاص صفت میں حصہ دار ہے، اور یہ اس سے ایسے محروم، کہ ان کے لیے ثابت مانو، تو مشرک ہو جاؤ، مسلمانو! کیا خدا اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والا کافر نہیں؟ ضرور کیا جس نے کہا کہ "بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے" کیا اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو صریح گالی نہ دی؟ کیا نبی کریم ﷺ کو اتنا ہی علم غیب دیا گیا تھا، جتنا ہر پاگل اور ہر چوپائے کو حاصل ہے؟

مسلمان! مسلمان! اے محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی! تجھے اپنے دین و ایمان کا واسطہ، کیا اس ناپاک و ملعون گالی کے صریح ہونے میں تجھے کچھ شبہہ گزر سکتا ہے؟ معاذ اللہ! کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت تیرے دل سے ایسی نکل گئی ہو کہ اس شدید گالی میں بھی ان کی توہین نہ جانے اور اگر اب بھی تجھے اعتبار نہ آئے، تو خود ان ہی بدگویوں سے پوچھ دیکھ، کہ آیا تمہیں اور تمھارے استادوں، پیر جیوں کو کہہ سکتے ہیں کہ اے فلاں! تجھے اتنا ہی علم ہے جتنا سور کو ہے تیرے استاد کو اتنا ہی علم تھا جیسا کتے کو ہے، تیرے پیر کو اسی قدر علم تھا جیسا گدھے کو ہے، یا مختصر طور پر اتنا ہی ہو کہ او علم میں الو، گدھے، کتے، سور کے ہمسرو! دیکھو تو وہ اس میں اپنی اور اپنے استاد، پیر کی توہین سمجھتے ہیں یا نہیں؟ قطعاً سمجھیں گے اور قابو پائیں تو سر ہو جائیں، پھر کیا سبب کہ جو کلمہ ان کے حق میں توہین و کسر شان ہو، محمد رسول اللہ ﷺ کی توہین نہ ہو؟ کیا معاذ اللہ ان کی عظمت ان سے بھی گئی گزری ہے؟ کیا اسی کا نام ایمان ہے؟ حاشا للہ حاشا للہ! کیا جس نے کہا کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے، پھر اگر زید اس کا التزام کر لے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے؟ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے؟ اور اگر التزام نہ کیا جائے تو نبی و غیر نبی، میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے، انتہیٰ۔ کیا رسول اللہ ﷺ اور جانوروں، پاگلوں میں فرق نہ جاننے والا حضور ﷺ کو گالی نہیں دیا؟ کیا اس نے اللہ کے کلام کا صراحۃً رد و ابطال نہ کر دیا؟

دیکھو: تمھارا رب عزوجل فرماتا ہے "وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما."

ترجمہ: اے نبی! اللہ نے تم کو سکھایا جو تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بڑا ہے۔ [النسآء آیت ۱۱۳]

یہاں نامعلوم باتوں کا علم عطا فرمانے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے کمالات و مدائح میں شمار فرمایا۔

اور فرماتا ہے: "وانه لذو علم لما علمنٰه".

ترجمہ: اور بے شک یعقوب ہمارے سکھائے سے علم والا ہے۔ [یوسف: آیت ۶۸]

اور فرماتا ہے:"وبشروہ بغلٰم علیم". ترجمہ: ملائکہ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ایک علم والے لڑکے اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت دی۔[ذاریات: آیت،۲۸]

اور فرماتا ہے:"وعلمنٰہ من لدنا علما".

ترجمہ: اور ہم نے خضر کو اپنے پاس سے ایک علم سکھایا۔[الکھف: آیت،۶۵]

وغیرہا آیات، جن میں اللہ تعالیٰ نے علم کو کمالات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام والثناء میں گنا۔ اب زید کی جگہ اللہ عزوجل کا نام پاک لیجیے اور علم غیب کی جگہ مطلق علم جس کا ہر چوپائے کو ملنا اور بھی ظاہر ہے اور دیکھیے کہ اس بدگوے مصطفی کی تقریر کس طرح کلام اللہ کا رد کر رہی ہے یعنی یہ بدگو خدا کے مقابل کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے کہ آپ [یعنی نبی] کی ذات مقدسہ پر علم کا اطلاق کیا جانا اگر بقول خدا صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس علم سے مراد بعض علم ہے یا کل علوم، اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں حضور ﷺ اور دیگر انبیا علیہم السلام کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم کہا جائے، پھر اگر خدا اس کا التزام کرلے کہ ہاں میں سب کو عالم کہوں گا تو پھر علم کو منجملۂ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے اور اگر التزام نہ کیا جائے تو نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا لازم ہے، اور اگر تمام علوم مراد ہیں، اس طرح اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے انتہی۔ پس ثابت ہوا کہ خدا کے وہ سب اقوال اس کی دلیل سے باطل ہیں۔ مسلمانو دیکھو! کہ اس بدگو نے فقط محمد رسول اللہ ﷺ ہی کو گالی نہ دی بلکہ ان کے رب جل جلالہ کے کلاموں کو بھی باطل و مردود کر دیا۔[ماخوذ از تمہید ایمان]

حالاں کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو بعض علم غیب عطا فرمایا اس کا اندازہ لگانا انسان کے بس سے باہر ہے، اس بعض علم غیب کی وسعت کی ایک جھلک کتب اعلیٰ حضرت کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں!

اس بات کو ہر مسلمان جانتا اور مانتا ہے کہ رب العزت کی آخری کتاب قرآن مجید اور برہان رشید میں ہر شئ کا بیان ہے۔ خود خداے وحدہ لاشریک کا ارشاد پاک ہے:

"ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"

ترجمہ: اور کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔[الانعام۔ آیت:۵۹]

پتہ چلا کہ قرآن عظیم میں ہر شئ کا بیان موجود ہے۔ اور یہ بات بھی ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارا قرآن پاک اپنے پیارے حبیب ﷺ کو سکھایا۔ جیسا کہ خود اللہ پاک کا ارشاد پاک ہے "الرحمٰن علم القرآن".

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو پورے قرآن پاک کا علم حاصل ہے اور قرآن مجید میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کا بیان موجود ہے پس ثابت ہوا حضور ﷺ کو ہر چھوٹی و بڑی بات کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا۔ یہ بات ہم اپنی

طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ خود صاحب قرآن، محمد مصطفی ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں، صحیح بخاری شریف میں ہے:

قام علی المنبر فذکر الساعۃ وذکران بین یدیھا امور عظام ثم قال مامن رجل یحب ان یسأل عن شیئ فلیسئل عنه فواللہ لا تسئلونی عن شیئ الا اخبرتکم مادمت فی مقامی ھذا فقام رجل فقال این مدخلی قال النار فقام عبد اللہ ابن حذافة فقال من ابی قال ابوك حذافه ثم کثر ان یقول سلونی سلونی..الخ

ترجمہ: حضور ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا، اور بتایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے امور ہوں گے، پھر فرمایا جو شخص مجھ سے جو بات بھی پوچھنا چاہے پوچھ لے خدا کی قسم! جب تک میں یہاں کھڑا ہوں تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھوگے میں تمہیں اس کا جواب ضرور دوں گا، چنانچہ ایک [منافق] شخص کھڑا ہوا، اور پوچھا میرا ٹھکانہ کہاں ہے، فرمایا جہنم میں۔ پھر عبد اللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے عرض کیا، میرا اصلی باپ کون ہے، فرمایا، حذافہ پھر بار بار فرماتے رہے پوچھو پوچھو۔ [بخاری شریف۔ ج۲۔ ص۱۰۸۳]

دیکھیے جنت میں ٹھکانہ ہوگا کہ جہنم میں، اس کا پتہ تو قیامت کے دن چلے گا، آج یہ بات غیب ہے، لیکن ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے اس کی خبر دی اور کیوں نہ ہو کہ بذات خود ارشاد فرماتے ہیں:

ان اللہ عز وجل قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والیٰ ماھو کائن الی یوم القیٰمة کانما انظر الی کفی ھذا جلیان من امر اللہ عز وجل جلاہ لنبیه کما جلاہ للنبیین قبله۔

ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے میرے سامنے دنیا کو رکھ دیا ہے پس میں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اسے ایسے دیکھ رہا ہوں جیسا اپنے ہاتھ کی اس ہتھیلی کو۔ [مجمع الزوائد، کتاب علامات النبوۃ، ج:۸، ص:۲۸۷]

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے روشن ہے کہ جو کچھ سماوات وارض میں ہے اور جو قیامت تک ہوگا اس سب کا علم اگلے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی عطا ہوا تھا اور حضرت عزت عزجل جلالہ نے اس تمام ما کان وما یکون کو اپنے ان محبوبوں کے پیش نظر فرما دیا۔ مثلا مشرق سے مغرب تک سماک سے سمک تک ارض سے فلک تک اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے سیدنا ابراھیم خلیل علیہ الصلوۃ والسلام ہزارہا برس پہلے اس سب کو ایسا دیکھ رہے تھے گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ ایمانی نگاہ میں یہ نہ قدرت الٰہی پر دشوار اور نہ عزت ووجاہت انبیا کے مقابل بسیار مگر معترض بیچارے جن کے یہاں خدا ہی کی حقیقت اتنی ہو کہ ایک پیڑ کے پتے گن دیئے وہ آپ ہی ان حدیثوں کو شرک اکبر کہنا چاہیں اور جو ائمۂ کرام وعلمائے اعلام ان سے سند لائے انہیں مقبول مسلم رکھتے آئے جیسے امام خاتم الحفاظ جلالۃ الملۃ والدین سیوطی مصنف خصائص کبریٰ وامام شہاب احمد محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ وامام ابو الفضل شہاب ابن حجر مکی ہیثمی شارح ہمزیہ وعلامہ شہاب احمد مصری خفاجی صاحب نسیم الریاض شارح شفاء قاضی عیاض وعلامہ

محمد بن عبد الباقی زرقانی شارح مواہب وغیرہم رحمھم اللہ تعالیٰ انہیں مشرک کہیں، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

بے شک ہمارے آقا ﷺ کو اللہ عزوجل نے جو بعض علم غیب عطا فرمایا ہے اس کی حدود متعیّن کرنا قوت بشری سے باہر ہے۔ دیکھیے بخاری شریف کتاب بدء الخلق میں کیسا صاف بیان موجود ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قام فینا رسول اللہ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتیٰ دخل اھل الجنة منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذلك من حفظه ونسی من نسیه.

ترجمہ! ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہمیں مخلوقات کی پیدائش کے بارے میں بتایا۔ یہاں تک کہ جنتی اپنے ٹھکانوں پر اور دوزخی اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے اسے جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔ [بخاری شریف کتاب بدء الخلق]

پتہ چلا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام علیھم الرضوان کو جب سے مخلوق بنی اس وقت سے لے کر آئندہ قیامت تک کے واقعات کی خبر دے دی، یہ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو عطا کردہ بعض علوم غیب کی ایک جھلک ہے۔ [ماخوذ از الدولۃ المکیہ]

④ مولوی محمد قاسم نانوتوی لکھتا ہے:

"اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" [تحذیر الناس، ص:۲۴]

اس شنیع و قبیح عبارت کا مطلب یہ ہے کہ!

"حضور ﷺ کے مبارک زمانے کے بعد اگر کوئی نیا نبی آئے تو یہ جائز و ممکن ہے اور اس طرح سے حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا"

ہر کہ و مہ جانتا ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور اقدس ﷺ اللہ عزوجل کے آخری نبی ہیں اور اب کوئی نیا نبی ہرگز ہرگز نہیں آسکتا۔ جو کسی نئے نبی کے آنے کو جائز مانے کافر ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"حضور پر نور خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیا و مرسلین بلا تاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنیٰ شک و شبہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون ہے۔ آیۂ کریمہ "ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین" اور حدیث متواتر "لا نبی بعدی" سے تمام امت مرحومہ نے سلفاً و خلفاً ہمیشہ یہ ہی معنیٰ سمجھے کہ حضور اقدس ﷺ بلا تخصیص تمام انبیا میں آخری نبی ہوئے۔ حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔

فتاویٰ یتیمۃ الدھر، الاشباہ والنظائر و فتاویٰ عالمگیری وغیرھا میں ہے:

اذالم یعرف الرجل ان محمدا ﷺ آخر الانبیاء فلیس بمسلم.

جو شخص یہ نہ جانے کہ محمد ﷺ تمام انبیا میں سب سے پچھلے نبی ہیں وہ مسلمان نہیں۔

شفا شریف میں ہے:

جو ہمارے نبی ﷺ کے زمانے میں خواہ حضور کے بعد کسی کی نبوت کا ادعا کرے، کافر ہے اور نبی ﷺ کی تکذیب کرنے والا کہ نبی ﷺ نے خبر دی کہ حضور خاتم النبیین ہیں اوران کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے اور امت نے اجماع کیا ہے کہ یہ آیات واحادیث اپنے ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور رسول کی مراد ہے، نہ ان میں کوئی تاویل ہے نہ کچھ تخصیص تو جو لوگ اس کا خلاف کریں وہ بحکم اجماع امت و بحکم قرآن و حدیث سب یقینا کافر ہیں۔

ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحفظ کے حوالے سے امام احمد رضا کی خدمات کا یہ ایک معمولی اور از حد سرسری جائزہ تھا ویسے تحفظ ناموس رسالت کے لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریرات، تصنیفات، تحقیقات اور نگارشات کا دریا اتنا وسیع و عریض ہے جس کے ایک ساحل کے گوشے کی سیر بھی خیلے دشوار ہے، اتنا عمیق ہے کہ اس میں غوطہ لگانا کسی مرد قلندر اور بطل جلیل ہی کی بس میں ہے۔ مناسب ہے کہ ان خدمات کا ایک خاکہ قارئین کی نذر کر دیا جائے تاکہ اس عنوان سے متعلق آپ کی گراں مایہ خدمات کی جھلک سے ہماری اور آپ کی آنکھیں شاد کام ہو جائیں۔

ناموس مصطفی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اہم اور اٹوٹ گوشہ علم غیب مصطفوی ہے۔ جس کا مخالفین نے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کی آڑ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو از حد سب وشتم بھی کیا ہے۔ اس کے تحفظ وبقا اور مخالفین کی ہرزہ سرائیوں کے رد بلیغ کے لیے آپ نے متعدّد کتب ورسائل اور فتاوے تحریر فرمائے جن میں سے کچھ اہم تخلیقات کے مبارک و میمون اسما یہ ہیں۔

- ابراء المجنون عن انتهاك علم المكنون
- ماحية العيب بايمان الغيب
- اراحة جوانح الغيب عن ازاحة اهل العيب
- انباء المصطفى بحال سر و اخفى
- اللولوء المكنون فى علم البشير ماكان و ما يكون
- مالى الحبيب بعلوم الغيب
- الدولة المكية بالمادة الغيبية
- خالص الاعتقاد

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختار ہیں، رب قدیر نے اپنے خزانۂ اختیارات و تصرفات سے آپ کو نہ صرف دولت و ثروت عزت وعفت بلکہ ہدایت وایمان بھی عطا کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ آپ جسے حلال فرمادیں وہ حلال، جسے ناروا قرار دیں صبح قیامت تک کوئی ترمیم نہیں کر سکتا، عکاشہ بن محصن کو بغیر حساب کے جنت میں جانے والوں میں شمار فرمانا، مدینہ منورہ کو حرم بنانا،

اذخر گھاس کی اجازت مرحمت کرنا، سراقہ کے لیے سونے کا کنگن اور براء بن عازب کے لیے سونے کی انگوٹھی جائز کر دینا، عصر کے بعد ام المومنین عائشہ صدیقہ کے لیے نماز نفل کی اجازت عطا کرنا، ام عطیہ اور خولہ بنت حکیم کے لیے نوحہ خوانی جائز قرار دینا، اسماء بنت عمیس کے لیے عدت وفات اور سوگ صرف تین روز متعیّن کرنا، خزیمہ کی گواہی دو کے برابر ماننا، ابو بردہ بن نیار اور عقبہ بن عامر جہنی کے لیے چھ ماہ کی بکری کی قربانی درست قرار دینا اور امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے یہ فرمانا کہ علی حالت جنابت میں بھی مسجد میں جا سکتے ہیں۔ یہ وہ عظیم و جلیل نظائر و شواہد ہیں جن سے کتب احادیث و سیر مالا مال ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اختیارات مصطفی سے متعلق تحقیقات و تدقیقات کے وہ دریا بہائے جن کی اٹھتی ہوئی موجیں دیکھ کر ہی ایمان و عقیدہ کی کھیتی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ ان میں سے چند اہم اور معروف رسائل کے اسمائے شریفہ یہ ہیں:

- الامن و العلیٰ لناعتی المصطفی بدافع البلاء
- منیة اللبیب بان التشریع بید الحبیب
- سلطنة المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ
- فقہ شہنشاہ و ان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ

جملہ اہل اسلام کا یہ اجماعی عقیدہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کی تشریف آوری کے بعد اب کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم اور کثیر احادیث کریمہ اور متعدّد اقوال فقہا و محدّثین اس پر شاہد عدل ہیں۔ قاسم نانوتوی اور اس کے جملہ متبعین نے اس اجماعی عقیدہ سے انحراف کیا اور قرآن و حدیث کے صریح نصوص کو پس پشت ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس مبارک پر گھناؤنا حملہ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی تو اس سے بھی دو چار قدم آگے نکلا اور اس نے موقع غنیمت جان کر نبوت کا دعویٰ ہی کر دیا۔ ان روسیاہ دجالوں کے فریب سے لوگوں کو نجات دلانے کے لیے بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدّد رسائل تصنیف فرمائے، ان میں سے چند رسائل یہ ہیں:

- جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوة
- السوء و العقاب علی المسیح الکذاب
- قہر الدیان علی مرتد بقادیان
- الصارم الربانی علی اسراف القادیانی
- المبین ختم النبیین
- حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین

ان کے علاوہ شفاعت سے متعلق اسماع الاربعین فی شفاعة المحبوبین، قیام سے متعلق ”اقامة القیامة علی طاعن القیام لنبی تہامة“ استعانت و استمداد سے متعلق ”برکات الامداد لاھل الاستمداد“ مسئلہ امتناع النظیر سے متعلق ” مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ “اسم رسالت مآب سن کر انگوٹھوں کو

چومنے سے متعلق "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین"اور"نھج السلامۃ فی حکم تقبیل الابھامین فی الاقامۃ"،مصطفی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیادت سے متعلق " تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین " ندائے یارسول اللہ کے جواز واستحسان سے متعلق " انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ "حضور کے آبا واجداد کے اسلام سے متعلق "شمول الاسلام لاصول الرسل الکرام "اور خاص شاتم رسول کی سزا سے متعلق "المجمل المسدد أنّ سابّ المصطفی مرتد "از حد شہرت وقبولیت کے حامل ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

تبلیغی جماعت اور گروہ وہابیہ کے سرخیل مولوی اسماعیل دہلوی جسے ان کے پیروکار"شہید" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، نے اپنی بدنام زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان "میں اللہ تعالیٰ کے پیارے انبیاے کرام علیہم السلام اور بزرگان دین کی شان میں بے حد گستاخیاں کیں اور سچے مسلمان کو بے محابہ ،بیک جنبش قلم کافر ومشرک قرار دیا جس کی وجہ سے تحریک آزادی ہند ۱۸۵۷ء کے عظیم رہنما حضرت سیدنا امام علامہ فضل الحق خیر آبادی نے اسماعیل دہلوی کے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔اور فرمایا تھا"من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر "یعنی جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

آج بعض وہابیہ اور دیوبندی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمھارے ایک عالم نے یعنی علامہ فضل حق خیر آبادی نے تو ہمارے اسماعیل دہلوی کو کافر کہا اور یہ حکم لگایا کہ جو اسماعیل دہلوی کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔اور تمھارے دوسرے عالم یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے اس کے کفر کا فتویٰ جاری نہیں کیا تو وہ خود کافر ہوگئے۔العیاذ باللہ

مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہوجائے کہ [۱] اس شخص کا کلام واقعی کفر ہے [۲] جس شخص کی طرف کفریہ کلام کی نسبت کی جارہی ہے ،ثابت ہوجائے کہ واقعی اسی نے وہ کلام کہا ہے۔[۳] کفریہ کلام کہنے کے بعد توبہ نہیں کی۔اگر ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو اس شخص کو کافر نہیں کہہ سکتے۔

اب حال یہ ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کے دور میں تو اسماعیل دہلوی کے بارے میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی تھیں اس لیے انہوں نے اسماعیل دہلوی کو کافر قرار دیا۔لیکن تقریباً پچاس سال کے بعد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کے دور میں یہ افواہ مشہور ہوئی تھی کہ اسماعیل دہلوی نے اپنے کفریات سے توبہ کرلی تھی ،حالاں کہ خبر غلط تھی لیکن مشہور ہوچکی تھی۔

اب امام اہل سنت کا احتیاط دیکھیے کہ آپ نے اسماعیل دہلوی کے کلام میں ستر ستر کفر ثابت کرنے کے بعد بھی محض توبہ کی افواہ کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کافر نہیں قرار دیا۔

کیا اب بھی کوئی ذی شعور امام اہل سنت پر یہ الزام لگاسکتا ہے کہ آپ خواہ مخواہ اپنے مخالفین کو کافر کہہ دیا کرتے تھے۔

باب چہارم مقالات : عقائد و کلام

امام احمد رضا اور تردید فرقۂ وہابیہ

مولانا شمیم احمد رشیدی مصباحی: پران نگر راساکھوا، اتر دیناج پور، بنگال

مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو خالق جل وعلا نے ایسے پر فتن اور پر آشوب دور میں پیدا فرمایا کہ جب وہابیت، دیوبندیت، نیچریت، قادیانیت اور دیگر مذاہب باطلہ کے ناصرین وناشرین اپنی اپنی بدعقیدگی اور گمراہی کی بڑی بڑی منڈیاں سجاکر سیدھے سادے بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے، خوش عقیدہ مسلمانوں کے دلوں سے محبت رسول اور اطاعت رسول کا جذبہ سرد کرنے کی پیہم کوششیں کرنے لگے تھے، ان ہی حالات میں خالق ارض وسما نے دین ومذہب کی حفاظت کے لیے امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کو پیدا فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات محبت وعداوت میں بالکل اس حدیث کا آئینہ تھی۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّهُ قَالَ : مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ .[سنن ابی داؤد، ج۴، ص۳۵۴، حدیث ۴۶۸۳]

دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أوحى الله تعالىٰ الى نبي من الأنبياء ان قل لفلان العابد اما زهدك في الدنيا فتعجلت راحة لنفسك واما انقطاعك الى فتعذرت به فمالي عليك قال يارب ومالك علي قال هل والله لي وليا او عاديت لي عدوا. رواه ابو نعيم في الحلية والخطيب في التاريخ وغيره عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه.

یعنی اللہ عزوجل نے انبیاے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کو وحی بھیجی کہ فلاں عابد سے کہہ دیجیے کہ تیرا دنیا میں زہد اختیار کرنا تو اس سے تو نے اپنے نفس کی راحت جلد حاصل کرلی اور دنیا سے کٹ کر میری طرف متوجہ ہونا تو اس ذریعہ سے تو نے عزت حاصل کرلی تو جو حق میرا تجھ پر ہے اس کے بارے میں تو نے کیا کیا؟ عابد نے کہا: اے میرے رب اور تیرا حق مجھ پر کیا ہے؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا میرے لیے تو نے کسی شخص سے دوستی کی اور میرے لیے کسی شخص کو دشمن بنایا۔ [حلیہ، ج۱۰، ص:۳۱۶]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تحریر وتقریر میں مخالفین کی پرواہ نہ کرتے کہ میری مخالفت کریں گے،

کسی فاسق و فاجر، تارک الصلوٰۃ، ڈاڑھی منڈھے، شرابی، جواری، بدمذہب، بددین، مفسقہ تفضیلیہ، روافض، خوارج، ندویہ، وہابیہ، دیوبندیہ، قادیانیہ، گاندویہ، نیچریہ، نصاریٰ، آریہ اور ہنود سے کبھی محبت والفت، بروجہ موالات، تعظیم و تکریم، تعریف و توصیف نہ فرمائی اور نہ ان کے موافقین کی کوئی پرواہ کی کہ وہ لوگ ہمیں برا سمجھیں گے، بے قدری کریں گے، نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ بلکہ اپنی تحریر میں تقریر میں جب کبھی موقع ہوا اور ضرورت پڑی بے تامل جو حکم شرعی جس کا تھا بیان فرمایا دیا، جس مسئلہ میں جس رد کی ضرورت سمجھی رد کیا۔

چوں کہ میرا عنوان "**امام احمد رضا اور تردید فرقۂ وہابیہ**" ہے، اسی لیے وہابیت اور ان کے پیروکاروں کے رد پر اعلیٰ حضرت کے تحریری رد و ابطال کے چند اقتباسات کو نمونہ کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فتاویٰ رضویہ جلد ۲۷، ص: ۵۵۴ میں وہابیوں نجدیوں کے بارے تحریر فرماتے ہیں کہ:

یہ ناپاک ترکہ اس بے باک اخبث امام اول دین مستحدث یعنی ابن عبدالوہاب نجدی علیہ ماعلیہ کا ہے کہ اپنے موافقان ناخردمند نفرے چند، بے قید و بند، آزادی پسند کے سوا تمام عالم کے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتا اور خود اپنے باپ دادا، اساتذہ، مشائخ کو بھی صراحۃ کافر کہ کر پوری سعادت مندی ظاہر کرتا اور نہ صرف انہیں پر قانع ہوتا بلکہ آج سو برس تک کے تمام علما و اولیا، سائر امت مرحومہ کو [خاک بدہان ناپاک] صاف صاف کافر بناتا اور جو شخص اس کے جال میں پھنس کر اس کے دست شیطان پرست پر بیعت کرتا اس سے آج تک اس کے اور اس کے ماں باپ اور اکابر علمائے سلف نام بنام سب کے کفر پر اقرار لیتا اور اگرچہ بظاہر ادعائے حنبلیت رکھتا مگر مذاہب ائمہ کو مطلقاً باطل جانتا اور سب پر طعن کرتا اور اپنے اتباع پر کندہ ناتراشیدہ کو مجتہد بننے کا حکم دیتا۔ یہ دو چار حرف اردو کے پڑھ کر استر بے لگام اور شتر بے مہار ہو جانا بھی اسی خرنا شخص کی تعلیم ہے۔

خاتم المحققین مولانا امین الملۃ والدین سیدی محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار علی الدر المختار کی جلد ثالث کتاب الجہاد باب البغاۃ میں زیر بیان خوارج فرماتے ہیں:

كَمَا وَقَعَ فِي زَمَانِنَا فِي أَتْبَاعِ عَبْدِ الْوَهَّابِ الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوا عَلَى الْحَرَمَيْنِ وَكَانُوا يَنْتَحِلُونَ مَذْهَبَ الْحَنَابِلَةِ ، لَكِنَّهُمْ اعْتَقَدُوا أَنَّهُمْ هُمْ الْمُسْلِمُونَ وَأَنَّ مَنْ خَالَفَ اعْتِقَادَهُمْ مُشْرِكُونَ ، وَاسْتَبَاحُوا بِذَلِكَ قَتْلَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَقَتْلَ عُلَمَائِهِمْ حَتَّى كَسَرَ اللَّهُ تَعَالَى شَوْكَتَهُمْ وَخَرَّبَ بِلَادَهُمْ وَظَفِرَ بِهِمْ عَسَاكِرُ الْمُسْلِمِينَ عَامَ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ وَمِائَتَيْنِ وَأَلْفٍ

یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں پیروان عبدالوہاب سے واقع ہوا جنہوں نے نجد سے خروج کر کے حرمین محترمین پر تغلب کیا اور جو وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان بس وہی ہیں اور جو ان کے مذہب پر نہیں وہ سب مشرک ہیں اس وجہ سے انہوں نے اہل سنت کا قتل اور ان کے علما کا شہید کرنا مباح ٹھہرا لیا یہاں تک

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہر ویران کیے اور لشکر مسلمین کو ان پر فتح بخشی، ۱۲۳۳ھ میں"۔

اب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی اس تحریری کو پیش کرنے جارہا ہوں جس میں آپ نے ان وہابیوں نجدیوں کے بارے میں احکام شرعیہ بیان فرمایا ہے جو کہ ایک استفتا کے جواب کے طور پر فتاویٰ رضویہ جلد ششم ۸۶، تا ۹۱۔ میں مرقوم ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

طوائف مذکورین وہابیہ و نیچریہ و قادیانیہ و غیر مقلدین و دیوبندیہ و چکڑالویہ خذلھم اللہ تعالیٰ اجمعین ان آیات کریمہ کے مصداق بالیقین اور قطعًا یقینًا کفار مرتد ہیں، ان میں ایک آدھا اگرچہ کافر فقہی تھا اور صدہا کفر اس پر لازم تھے جیسے اسمٰعیل دہلوی مگر اب اتباع واذناب میں اصلاً کوئی ایسا نہیں جو قطعًا یقینًا اجماعًا کافر کلامی نہ ہوا ایسا کہ "من شك فى كفره فقد كفر" جو ان کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

آگے دیکھیے اعلیٰ حضرت نے ان بدمذہبوں سے ترک تعلقات پر کس شدومد کے ساتھ رد عمل ظاہر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

ان کے پیچھے اقتدا باطل محض ہے۔ ان سب کی کتب کا مطالعہ حرام ہے مگر عالم کو بغرض رد، ان سے میل جول قطعی حرام ان سے سلام و کلام حرام، انہیں پاس بٹھانا حرام، ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کی عیادت حرام، مرجائیں تو مسلمانوں کا سا غسل و کفن دینا حرام، ان کی قبر پر جانا حرام، ان پر نماز پڑھنا حرام، انہیں مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام، ان کا جنازہ اٹھانا حرام، انھیں ایصال ثواب کرنا حرام، مثل نماز جنازہ کفر۔ قال اللہ تعالیٰ: وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸ . اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھ اور فرماتا ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار. اور میل نہ کرو ظالموں کی طرف کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم "ان سے دور بھاگو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا: "لاتجالسوھم ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم واذا مرضوا فلا تعودوھم وإذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم"۔ نہ ان کے پاس بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پانی پیو۔ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔ نہ ان پر نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ رب عزوجل فرماتا ہے: ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ.

اور پھر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا یہ رد بلیغ بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں اعلیٰ حضرت نے غیر مقلدوں کی ترک تقلید کے باعث گوشمالی کرتے ہوئے ان کی جہالت کو کس طرح سرعام برہنہ کرکے پیش فرمایا ہے جس سے وہابیت مفلوج نجدیت مبہوت ہو کر رہ گئی۔ فرماتے ہیں:

اف رے مغالطہ کہ کل دین پر یک لخت عمل چھوڑنے کا نام سارے دین پر عمل کرنا رکھا بھلا مسائل اختلافیہ میں سب اقوال پر ایک وقت میں عمل تو محال عقلی ہاں یوں ہو کہ آج امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی مگر یہ کل دین متین کے خلاف ہوا کیا امام

ابوحنیفہ [رضی اللہ عنہ] کے نزدیک مقتدی کو قراءت بعض اوقات ناجائز تھی حاشابلکہ ہمیشہ کیاامام شافعی کی رائے میں ماموم پر فاتحہ احیاناواجب تھی حاشابلکہ دواماتو جو نہ دائماتارک نہ دائماعامل وہ دونوں قول کا مخالف وناقل پر ظاہر کہ ایجاب وسلب فعلی سلب وایجاب دوامی دونوں کا واقع و منافی اب تو کھلا کہ تم رفض و خروج دونوں کا جامع کہ چاروں اماموں میں سے کسی کے معتقد نہ کسی کے تابع ۔[فتاویٰ رضویہ مترجم ،ج۲۷،ص۱۸۱،کتاب الشتیٰ]

اور یہیں سے ظاہر کہ لقب رافضی اور خارجی کے مستحق بھی یہی حضرات ہیں کہ چاروں ائمہ کرام اوران کے سب مقلدین سے تبری کرتے اور تصریحاو تلویحاسب پر تبرا بھیجتے ہیں بخلاف اہل سنت کہ سب کوامام اہل سنت جانتے اور سب کی جناب عقیدت رکھتے سب کے مقلدوں کو رشدو ہدایت پر مانتے ہیں طرفہ یہ کہ زید بیچارہ رافضیوں پر تین خلفا کے نہ ماننے کاالزام رکھتا ہے حالاں کہ اس کا امام مذہب خود حضرات انبیا علیھم الصلوٰۃ والسلام کو ماننا بھی حرام و شرک بتاتا ہے ۔اپنی کتاب تقویت ایمان جہاں خراب میں صاف لکھتا ہے کہ ’’اللہ کے سوا کسی کو نہ مان‘‘ اسی میں کہتا ہے ’’سب سے اللہ صاحب نے قول وقرار لیا کہ کسی کو میرے سوا نہ مانیو‘‘ کے فروعت محکم آمدنے اصول ۔ شرم بادت از خدا و از رسول ۔ نہ تیرے فروع محکم ہیں نہ تیرے اصول تجھے اللہ ورسول سے شرم آنی چاہیے ۔[فتاویٰ رضویہ مترجم ،ج۲۷،ص۱۸۰،کتاب الشتیٰ]

امام احمد رضا اور ردِّ دیابنہ

مولانا محمد شاکر رضا نظامی: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور بنگال

عوام کا ایک طبقہ وہابی اور سنی اختلافات کے بارے میں کچھ اس طرح رائے اور خیال رکھتا ہے کہ بریلوی اور دیوبندی آپس میں سر بگریباں ہیں، وہ دونوں اپنے اپنے دلائل قرآن واحادیث کی روشنی میں پیش کرتے ہیں، کس کی تسلیم کریں اور کس سے انکار کریں ؟ ہم تو سیدھے سادھے مسلمان ہیں۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اگر اختلاف ذاتی وجوہات کی بنا پر ہوں یا اس کا تعلق کیفیت عمل کے ساتھ ہو تو اس میں نہ الجھنا ہی بہتر ہے، مثلا: حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی اختلافات ایسے نہیں ہیں جن پر محاذ آرائی کی جائے، کیوں کہ یہ فروعی اختلافات ہیں۔ لیکن بنیادی عقائد میں اختلاف رونما ہو جائے تو اس سے ہرگز چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے، یہ اختلاف کسی طرح بھی فروعی نہیں اصولی ہوگا، ایسی صورت میں وجوبی طور پر ایک جانب کی حمایت اور دوسری جانب سے براءت کرنی پڑے گی۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد فرمایا۔ حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے معتزلہ کی قوت حاکمہ کی پروانہ کرتے ہوئے کلمۂ حق بلند کیا اور کوڑے تک کھائے، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو طوق وسلاسل کی سزادی گئی، پھر بھی نعرۂ حق بلند کیا۔

کیا ان تمام اقدامات اور ساری کاروائیوں کو یہ کہہ کر غلط قرار دیا جاسکتا ہے کہ سیدھے سادھے مسلمان کو کسی کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے اور اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے [ہرگز نہیں]، یقینا کوئی مسلمان ایسا انداز فکر رکھ کر غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔

اہل سنت وجماعت [بریلوی] اور دیوبندی، وہابی اختلافات کی نوعیت بھی ایسی ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ عوام الناس کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے ایصال ثواب، اعراس، گیارہویں شریف، بارہویں شریف، نذرونیاز، میلاد شریف وغیرہ عناوین و مسائل پر برق بار خطابات کے ذریعہ یہ یقین دلانے کی سعی پیہم کی جاتی ہے کہ اختلافات انہی مسائل میں ہیں، حالاں کہ اصل اختلاف ان مسائل میں نہیں ہے بلکہ بنائے اختلاف وہ عبارات ہیں جن میں بارگاہ خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام میں علی الاعلان گستاخی اور اہانت کی گئی ہے، کوئی بھی مسلمان خالی الذہن ہو کر ان عبارات کو پڑھنے کے بعد ان کے حق میں فیصلہ نہیں دے سکتا اور نہ ہی ان کی حمایت کے لیے تیار ہو سکتا ہے۔

اب وہ عبارات ملاحظہ فرمائیں جن میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کی گئی ہیں اور شان الوہیت اور شان رسالت میں

توہین آمیز جملے استعمال کیے گئے ہیں۔

ہندوستان میں سب سے پہلے مولوی اسماعیل دہلوی نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب ''کتاب التوحید'' سے متاثر ہوکر تقویۃ الایمان نامی ایک کتاب کی تصنیف کی اور مسلمانان عالم کو کافر و مشرک قرار دیا، یہ بھی کہہ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممکن ہے جس کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی دوسرا شخص خاتم النبیین وغیرہ اوصاف سے متّصف ہوسکتا ہے۔

علمائے اہل سنت خاص طور پر علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے اس نظریہ کا تحریری اور تقریری طور پر رد بلیغ فرمایا تھا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوگئی بلکہ مولوی قاسم نانوتوی نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

''اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔'' [حوالہ تحذیر الناس ص:۲۴ مطبع کتب خانہ امدادیہ دیوبند سن طباعت ۱۲۱۰ھ]

غور کیجیے کہ کیا یہ امت مسلمہ کے اجماعی اور یقینی عقیدہ [کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا] کا صاف اور کھلم کھلا انکار نہیں ہے؟

واضح طور پر خاتم النبیین کا ایسا معنی تجویز کیا گیا، جس سے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کا راستہ ہموار ہوگیا، مرزا قادیانی کی تردید و تکفیر کے ساتھ ساتھ اس عبارت کی تائید و حمایت وہی شخص کر سکتا ہے جو نصف النہار کے وقت ظہور آفتاب کا منکر ہو۔

بعد ازاں ۱۳۰۴ھ میں مولوی رشید احمد گنگوہی کی تالیف براہین قاطعہ، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام شائع ہوئی، جس میں مولوی رشید احمد گنگوہی کی تقریظ مرقوم ہے، اس میں دیگر بہت سی غلط باتوں کے علاوہ یہ بھی رقم ہے کہ:

''شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہے، فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے۔ [براہین قاطعہ، ص:۵۱]

حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ کس دیدہ دلیری سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پاک شیطان کے علم سے گھٹانے کی سعی پلید کی گئی، پھر بڑی معصومیت سے پوچھا جاتا ہے کہ ہم نے کیا جرم کیا؟ پھر یہ بات بھی دعوت فکر دیتی ہے کہ جو علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک ہے، اس کا شیطان کے لیے اثبات بھی شرک ہوگا تو شیطان کے لیے یہ علم قرآن پاک سے کس طرح ثابت ہوگا۔ کیا قرآن پاک بھی شرک کی تعلیم دیتا ہے؟ معاذ اللہ۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق سے ۱۳۱۹ھ میں مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک مجلہ [رسالہ] لکھا جس کا نام حفظ الایمان رکھا، جو شائع ہوکر منظر عام پر آیا، جس میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بڑے جارحانہ انداز میں لکھا:

''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے

مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید، عمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔'' [حفظ الایمان، ص:۷]

عبارات مذکورہ کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی بھی صاحب ایمان خاموش نہیں رہ سکتا ہے کیوں کہ یہ اس ذات کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عزت وناموس کا مسئلہ ہے جن کی بارگاہ ناز میں جنید و بایزید ہی نفس گم کردہ حاضری نہیں دیتے بلکہ ملائکہ بھی باادب حاضر ہوتے ہیں یہ وہ بارگاہ ہے جہاں بلند آواز میں گفتگو کرنے کی ممانعت اور زندگی بھر کے اعمال ضائع ہونے کا حکم خود قرآن کریم نے دیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ [الحجرات/۲]

ترجمہ:۔اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔[کنزالایمان]

مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے لکھا:

''حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات علیہ السلام ہو اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو جب بھی کہنے والا کافر ہوجاتا۔'' [الشہاب الثاقب:۵۷، بحوالہ علماے عرب کے خطوط فاضل بریلوی کے نام]

مذکورہ عبارات کے الفاظ صرف موہم تحقیر نہیں بلکہ کھلم کھلا گستاخانہ ہیں، ان کا قائل کیوں کافر نہ ہوگا۔؟ یہی وجہ تھی کہ علماے اہل سنت اپنی تحریر وتقریر میں ان عبارات کی قباحت بیان کرتے رہے اور علماے دیوبند سے مطالبہ کرتے رہے کہ یا تو ان عبارات کا صحیح محمل بیان کیجیے یا پھر توبہ کر کے ان عبارات کو قلم زد کردیجیے۔ اس سلسلے میں رسائل تحریر کیے گئے، مکتوبات ارسال کیے گئے، بالآخر علماے دیوبند کسی طرح ٹس سے مس نہ ہوئے تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحذیر الناس کی تصنیف کے تیس سال بعد اور براہین قاطعہ کی اشاعت کے غالباً سولہ سال بعد اور حفظ الایمان کی طباعت کے تقریباً ایک سال بعد ۱۳۲۰ھ میں المعتقد المنتقد کے حاشیہ المعتمد المستند میں مرزاے قادیان اور مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے بارے میں ان عبارات کی بنا پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ علماے دیوبند پر کفر کا فتویٰ کسی مخاصمت کی بنا پر نہیں تھا بلکہ ناموس رسول ﷺ کے تحفظ کی خاطر ایک فریضہ ادا کیا گیا تھا۔ خود دیوبندیوں کے عظیم پیشوا مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی ناظم تعلیمات شعبۂ دارالعلوم دیوبند مذکورہ فتویٰ کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ۔

''اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک بعض علماے دیوبند واقعتاً ایسے ہی تھے جیسا کہ انھوں نے انہیں سمجھا تو خان صاحب پر ان علماے دیوبند کی تکفیر فرض تھی، اگر وہ انہیں کافر نہ کہتے تو خود کافر ہوجاتے۔'' [اشد العذاب ص:۱۴، مولوی مرتضیٰ حسین در بھنگوی]

مذکورہ خلاصہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ناموس رسالت کی پاس داری

کا کماحقہ فریضہ انجام دیا۔ لہٰذا اس مقام پر پہنچ کر یہ کہنے کی حاجت نہیں رہتی کہ حق پر کون ہے۔

۱۳۲۴ھ میں سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے المعتمد المستند کا وہ جز جو فتویٰ پر مشتمل تھا حرمین طیبین کے علمائے کرام کی خدمت میں پیش فرمایا جس پر وہاں کے غالباً ۲۵ر فائز المناصب و جلیل القدر علمائے کرام نے زبردست تقریظیں رقم کیں اور صریح الفاظ میں قلم بند کیا کہ مرزائے قادیان کے ہمراہ افراد مذکورہ بلاشک و شبہہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اور امام احمد رضا قدس سرہ کو حمایت دین کے سلسلے میں بھرپور خراج تحسین پیش کیا۔

یہاں یہ بات بتادینا بھی مناسب اور بہتر سمجھتا ہوں کہ دیوبندی وہابی علما نے جب علم غیب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا پر طرح طرح کے سوالات و اعتراضات کیے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ان کے سوالات و اعتراضات کے جواب میں ایک ضخیم کتاب کی تصنیف فرمائی، جس کا نام ”الدولة المكية بالمادة الغيبية“ رکھا۔

دراصل جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان ۱۳۲۳ھ میں دوسری بار حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں علم غیب مصطفیٰ کا مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا تھا۔

دربار شاہی میں مسئلہ علم غیب پر گرما گرم بحث و مباحثہ جاری ہے اور مسئلہ علم غیب کے متعلق کچھ سوالات سابق قاضی مکہ رئیس العلماء حضرت مولانا صالح کمال کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں، یہ سن کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان رئیس العلماء مولانا صالح کمال کے دولت کدے پر تشریف لے گئے، مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے فرزند مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی بھی ہمراہ تھے، رئیس العلماء سے سلام و مصافحہ ہوا، بعدہ آپ نے بزبان عربی فصیح و سلیس مسئلہ علم غیب پر مسلسل دو گھنٹے خطاب فرمایا اور علم غیب کو آیات قرآنیہ، احادیث رسول، آثار صحابہ اور اقوال ائمہ سے ثابت کیا اور اس مسئلہ میں من جانب الوہابیۃ پیدا کیے گئے شکوک و شبہات کا دنداں شکن جواب دیا۔ حضرت مولانا صالح کمال اس دو گھنٹے تک ہمہ تن گوش ہوکر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ایمان افروز خطابت کو سکوت کے ساتھ سماعت کرتے رہے، جب تقریر اختتام پذیر ہوئی تو مولانا صالح کمال خاموشی سے اٹھے اور قریب ہی الماری سے ایک کاغذ نکال لائے، جس میں مسئلہ علم غیب سے متعلق پانچ سوالات مرقوم تھے، اسی میں ایک سوال حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری کے اس قول کے متعلق تھا جو انہوں نے اپنی کتاب ”أعلام الاذکیاء“ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں رقم کیا تھا۔ هوالاول والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم. اور چار سطر میں اپنا تمام جواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کو دکھایا اور پھر اسے چاک فرمادیا۔ اور عریضہ پیش کرنے لگے کہ مکہ مکرمہ میں آپ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی ورنہ مولانا سلامت اللہ رامپوری کے کفر کا فتویٰ یہاں سے جاچکا ہوتا۔

۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ کو نماز عصر سے فارغ ہوکر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کتب خانہ حرم کی جانب تشریف لے جارہے تھے، جب دفتر کے زینے پر قدم رنجہ ہوئے تو پیچھے سے آہٹ محسوس ہوئی، مڑکر دیکھا تو رئیس العلماء حضرت مولانا صالح کمال ہیں، بعد سلام و مصافحہ دونوں حضرات کتب خانہ کے دفتر میں تشریف رکھے، اس وقت وہاں دیگر علمائے کرام کے علاوہ

حضرت مولاناسید اسماعیل مکی ان کے برادر گرامی مولاناسید مصطفیٰ نیر ان کے پدر بزرگوار مولاناسید خلیل تشریف فرماتھے۔

حضرت مولاناصالح کمال نے اپنے جیب سے ایک پرچہ نکالاجس پرعلم غیب کے تعلق سے پانچ سوالات مرقوم تھے۔ یہ وہی سوالات تھے جن کے جواب کا مولاناموصوف نے آغاز کیاتھا،لیکن اعلیٰ حضرت کی تقریر سماعت کرنے کے بعد چاک فرمادیا تھاانہوں نے وہ پرچہ اعلیٰ حضرت کی جانب بڑھاتے ہوئے فرمایاکہ یہ سوالات وہابیہ نے سید شریف علی پاشاکے ذریعہ پیش کیے ہیں اورآپ سے جواب مقصود ہے۔

اعلیٰ حضرت جواب لکھنے کے لیے فوراً تیار ہوگئے اور مولاناسید مصطفیٰ سے فرمایاکہ قلم اوردوات دیجیے رئیس العلماء مولاناصالح کمال ،مولاناسید اسماعیل مکی اور مولاناخلیل صاحبان نے فرمایاکہ ہم ایسافوری جواب کے خواہش مند نہیں ہیں جو مختصر ہوبلکہ ایسامدلل ومفصل جواب ہوکہ خبیث وہابیوں کے دندان ترش ہوجائیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں نے فرمایاکہ اس طرح کے جواب کے لیے کچھ مہلت درکار ہے اس وقت صرف دوساعت دن باقی ہے اس میں کیاہوسکتاہے ،مولاناصالح کمال نے فرمایاکہ کل سہ شنبہ اور پرسوں چہارشنبہ ہے ان دویوم میں آپ جواب مکمل فرمادیں اور ہمیں آپ کاجواب پنج شنبہ کومل جائے تاکہ میں سید شریف علی پاشاکے سامنے پیش کردوں، اعلیٰ حضرت نے رب قدیر کے فضل اورنبی بشیر کی عنایت پر توکل کرکے وعدہ فرمالیااور شان الٰہی کہ دوسرے ہی روز بخار آگیا، لیکن اسی حالت تپ وعلالت میں رسالہ مبارکہ ''الدولة المكية بالمادة الغيبية'' تصنیف کرتے اورآپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولاناحامد رضاصاحب اس کی تبییض کرتے رہے۔

مکہ مکرمہ میں یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ وہابیوں نے علم غیب پرسوالات کیے ہیں اوراعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان فاضل بریلوی علیہ رحمۃ الباری ان کاجواب تحریر فرمارہے ہیں، ابھی الدولة المكية کی قسم اول ختم ہوئی تھی جس میں مسلک اہل سنت کاثبوت ہے اورقسم دوم زیر کتابت تھی جس میں وہابیوں کارداوران کے سوالات کاجواب ہے، دریں اثناکبیر العلماء مولانااحمد ابوالخیر میرداد کاپیغام موصول ہواکہ میں چلنے سے معذور ہوں اوررسالہ ''الدولة المكية'' سنناچاہتاہوں تواعلیٰ حضرت ان کے یہاں تشریف لے گئے اوررسالہ کاجتناحصہ رقم ہوچکاتھاان کے گوش گزار کیا۔ حضرت کبیر العلماءنے ازابتداتاآخر سماعت کرنے کے بعد بہت پسند فرمایااوریہ خیال ظاہر کیاکہ رسالہ میں علوم خمسہ کی بحث مذکور نہیں ہوئی،اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایاکہ اس کے متعلق کوئی سوال نہ تھاتوانہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس رسالہ میں علوم خمسہ کی بحث کااضافہ کردیاجائے تواعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور فرمالیااوربوقت رخصت تعظیماًان کے زانوئے مبارک کوہاتھ لگایا۔ حضرت موصوف نے باآں فضل وکمال وکہ سنی کہ عمر شریف سترسال سے زائد تھی بزبان مبارک یہ جملہ ارشادفرمایا:أنا اقبل ارجلكم أنااقبل نعالكم.یعنی میں آپ کے قدموں کوبوسہ دوں میں آپ کے جوتوں کوبوسہ دوں۔ پھراعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے اپنے قیام گاہ پرتشریف لائے اورشب ہی میں علوم خمسہ کی بحث کااضافہ کردیا۔اب دوسراروزچہارشنبہ کاہے،اس روزکچھ علماسے ملاقات میں نصف روزگزرگیا،یہاں تک کہ

ظہر کی اذان ہوگئی، بعد نماز ظہر وہ عازم مدینہ منورہ ہوگئے، آج کے روز کا بیشتر حصہ یوں خالی گزر گیا اور بخار بھی ساتھ نہیں چھوڑا ہے، لیکن رب لم یزل کے فضل خاص نے عشا کے بعد "الدولة المكية بالمادة الغيبية" کی تکمیل تبییض سب پوری کرادی اور روز پنج شنبہ علی الصباح ہی یہ کتاب یعنی [الدولة المكية بالمادة الغيبية] حضرت مولانا صالح کمال کے یہاں پہنچادی گئی۔

رسالہ الدولة المكية بالمادة الغيبية اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندہ جاوید کرامت ہے، جس کو آپ نے شدت علالت و بخار میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے صرف اپنی خداداد استعداد و صلاحیت اور یادداشت کے بل پر تفاسیر، احادیث رسول، اثار صحابہ اور کتب ائمہ کی اصل عبارتوں کے حوالہ جات کثیرہ نقل فرماتے ہوئے محض ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں تصنیف فرمایا۔ جس میں حقائق و دقائق معارف و عوارف کے بحر زخار موجیں مار رہے ہیں اور اس کے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے کافی ہیں، رئیس العلماء مولانا صالح کمال نے ۲۸؍ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو دن ہی میں "الدولة المكية" کا کامل طور پر نشاط وانہماک کے ساتھ مطالعہ کیا اور شام کو شریف علی پاشا کے دربار میں لے کر پہنچے، بارہ بجے شب تک شریف علی پاشا کا دربار ہوتا تھا، رئیس العلماء مولانا صالح کمال نے دربار میں "الدولة المكية" پیش کی اور علی الاعلان فرمایا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے وہ علم ظاہر فرمایا جس کے انوار چمک اٹھے ہیں جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا، شریف علی پاشا نے دربار میں کتاب پڑھنے کا حکم صادر فرمایا اور مولانا صالح کمال نے رسالہ "الدولة المكية" پڑھنا شروع کیا اور پڑھتے پڑھتے رات کے بارہ بج گئے، اس کے دلائل قاہرہ و براہین ساطعہ سن کر شریف علی پاشا نے باآواز بلند فرمایا "الله يعطى و هو لآء يمنعون" یعنی اللہ تعالیٰ جلہ شانہ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں، نصف شب تک نصف کتاب کے مضامین سنائے جاچکے اور دربار برخاست ہونے کا وقت آگیا۔ شریف علی پاشا حضرت مولانا صالح کمال سے فرمایا کہ یہاں نشانی رکھ دیجیے اور پھر کتاب بغل میں لے کر بالاخانے پر بغرض استراحت تشریف لے گئے۔ وہ کتاب پھر انہیں کے پاس رہ گئی اور اصل کتاب سے متعدّد نقلیں مکہ معظمہ کے علمائے کرام نے حاصل کیں اور کتاب کا شہرہ پورے مکہ مکرمہ میں پھیل گیا، وہابیوں پر آفت آپڑی، بفضل رب قدیر ان کے سب لوہے ٹھنڈے پڑ گئے اور ساری کاوشیں ضائع ہوگئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منہ پر بارہ بج رہے ہیں، مکہ معظمہ کے بچے جب وہابیوں کو دیکھتے تو ان سے تمسخر کرتے کہ تم لوگوں کی بولتی کیوں بند ہوگئی، تمھارے جوش و خروش کیوں رفوچکر ہوگئے، نبی آخر الزماں ﷺ کے لیے علوم غیب تسلیم کرنے والوں کو کافر و مشرک کہنا کدھر چلا گیا، تمھارا کفر و شرک خود تمھاری ہی جانب رجوع کر لیا، وہابیہ نادم و پشیماں ہو کر جواب دیتے کہ مولانا احمد رضا نے "الدولة المكية" میں منطقی تقاریر بھر کر شریف علی پاشا پر جادو کر دیا ہے۔ [ملخصا از سوانح اعلیٰ حضرت از مولانا بدر الدین احمد رضوی، ص: ۲۹۶ تا ۳۰۰]

اس طرح امام احمد رضا بریلوی نے دیابنہ کے فریب اور ان کے باطل عقائد کا قلع قمع فرمایا اور ان کے اصل چہرے کو عوام اہل سنت کے سامنے پیش فرما کر اہل سنت کے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرمائی۔

*****

امام احمد رضا اور ردِّ روافض

مولانا عظمت رضا نظامی: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور

اللہ جل مجدہ الکریم نے اپنے دین متین کی حفاظت وصیانت اور دفاع کا اہم کام ہمیشہ اپنے مخصوص بندوں انبیاے کرام، اولیاے عظام اور علماے ذوی الاحترام سے ہی لیا ہے، جس زمانے میں بھی کسی فتنہ نے سر اٹھایا اور روے زمیں پر اہل اسلام میں بگاڑ پیدا کرنا چاہا تو یہی جانباز اور سرفروش بندے اپنے سروں پر کفن باندھ کر اس فتنہ وفساد کے مقابلہ کے لیے میدان میں اتر آئے اور ہر قسم کی جانی، مالی قربانیاں پیش فرما کر ان فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلام کے پرچم کو سربلند رکھا، فتنۂ اعتزال ہو یا فتنۂ رفض وخروج، فتنۂ قادیانیت ہو یا نیچیریت، ان سب کے مقابلے میں ہمیشہ یہی بندگان خدا سینہ سپر رہے اور اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہندو پاک بشمول بنگلہ دیش بھی ہمیشہ طرح طرح کے فتنوں کا آماجگاہ رہے ہیں، مغلیہ دور میں اگر اکبر کے دین الٰہی کا فتنہ اٹھا ہے تو اس کی سرکوبی کے لیے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ میدان میں آجاتے ہیں اور اس فتنہ کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیست ونابود کردیتے ہیں اور جب رفض وبدعت سر اٹھاتے ہیں تو اس کے مقابلے کے لیے اللہ عزوجل نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے لائق فرزند اور سچے جانشین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کو پیدا فرماتا ہے اور ان سے اپنے دین کی حفاظت کا کام لیتا ہے جو دین میں طرح طرح کی آلائشوں کو اپنی تحریر وتقریر سے پاک وصاف کردیتے ہیں۔ پھر جب نجدیت، وہابیت، دیوبندیت، قادیانیت، مرزائیت، رافضیت، خارجیت جیسے مذاہب باطلہ نے اپنے غلط عقائد وفاسد نظریات کو عام کرنا چاہا اور لوگوں کو راہ راست سے بہکانے کی ناپاک کوششیں کیں تو خداے وحدہ لاشریک نے اپنے فضل وکرم سے ان بدبختوں اور بدنصیبوں کی سرکوبی کے لیے شہر بریلی شریف کے محلہ سوداگران میں رضا علی کے پوتے علامہ نقی علی خاں کے نور نظر عاشق مصطفیٰ جان رحمت امام عشق ومحبت سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا، جن کی ذات بابرکات محتاج تعارف نہیں، وہ اہل ایمان کے عقائد ونظریات کے تحفظ کے لیے تادم حیات کوشاں رہے، زبان وقلم سے مسلسل یہ خدمات انجام دیتے رہے اسی طرح باطل افکار ونظریات کے ردوابطال میں بھی آپ نے

مثالی کارنامے انجام دیے، سیکڑوں کتب ورسائل تصنیف فرما کر ہر اٹھنے والے باطل و فاسد فتنے کا تعاقب کیا، آج اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے افکار و خیالات پر نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ پوری دنیاے اسلام میں تحقیقی مقالات لکھے جارہے ہیں۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے

ردروافض اور امام احمد رضا بریلوی:

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ردروافض پر کثیر تعداد میں فتاوے و رسائل قلم بند فرمائے ہیں۔ حقیر بخوف طوالت بعض کو نقل کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔

[۱] کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بی بی سیدہ سنی المذہب نے انتقال کیا ان کے بعض بنی عم رافضی تبرائی ہیں وہ عصبہ بن کر ورثہ سے ترکہ لینا چاہتے ہیں حالاں کہ روافض کے یہاں عصوبت اصلاً نہیں اس صورت میں وہ مستحق ارث ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

امام عشق و محبت سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس سوال کے جواب میں اپنا قلم مبارک اٹھایا تو آپ کے نوک قلم سے نکلنے والی پاکیزہ تحریروں نے ایک رسالہ بنام ردالرفضہ ۱۳۲۰ھ کی صورت اختیار کرلی۔ جواب لاجواب کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

الجـــواب: الحمدلله الذی هدانا وکفانا وأوانا عن الرفض والخروج وکل بلاء نجانا والصلوٰة والسلام علی سیدنا ومولانا وملجانا وماوانا محمد واٰله وصحبه الاولین ایمانا والاحسنین احسانا والامکنین ایقانا آمین.

صورت مستفسرہ میں یہ رافضی ان مرحومہ سیدہ سنیہ کے ترکہ سے کچھ نہیں پاسکتے، اگرچہ وہ عصوبت کے منکر بھی نہ ہوتے کہ ان کی محرومی دینی اختلاف کے باعث ہے۔ سراجیہ میں ہے:

موانع الارث اربعة [الی قوله] واختلاف الدینین.

تحقیق مقام و تفصیل مرام یہ ہے کہ رافضی تبرائی جو حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما خواہ ان میں سے ایک کی شان پاک میں گستاخی کرے اگرچہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام و خلیفۂ برحق نہ مانے۔ کتب معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامۂ ائمہ ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے۔

درمختار مطبوعہ مطبع ہاشمی ص: ۶۴ میں ہے:

ان انکر بعض ماعلم من الدین ضرورة کفر بها کقوله ان الله تعالیٰ جسم کالاجسام وانکاره صحبة الصدیق اگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو تو کافر ہے مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے مانند جسم ہے یا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا۔

طحطاوی حاشیہ درمطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۴۴ر میں ہے: وکذا خلافته. اور ایسے ہی آپ کی خلافت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

فتاویٰ خلاصہ قلمی کتاب الصلوٰۃ فصل ۱۵، اور خزانۃ المفتیین قلمی کتاب الصلوٰۃ فصل فی من یصح الاقتدابہ و من لایصح میں ہے:

الرافضی ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع ولو انکر خلافۃ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فھو کافر۔

ترجمہ: رافضی اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل جانے تو بدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے۔

اسی فتوے میں چند صفحات کے بعد آپ نے اس فرقہ باطلہ کے کفر کو مزید واضح فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

کفر اول: قرآن عظیم کو ناقص بتاتے ہیں اس میں سے کچھ سورتیں امیر المومنین عثمان غنی ذوالنورین یا دیگر صحابہ یا اہل سنت رضی اللہ عنہم نے گھٹادیں، کوئی کہتا ہے کچھ لفظ بدل دیے، کوئی کہتا ہے یہ نقص و تبدیل اگرچہ یقیناً ثابت نہیں محتمل ضرور ہے اور جو شخص قرآن مجید میں زیادت یا نقص یا تبدیل کسی طرح کے تصرف بشری کا دخل مانے یا اسے محتمل جانے بالاجماع کافر و مرتد ہے کہ صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب کر رہا ہے۔

اللہ عزوجل سورہ حجر میں فرماتا ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون۔

بے شک ہم نے اتارا یہ قرآن اور بے شک بالیقین ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔[ملخصا]

آگے لکھتے ہیں:

کفر دوم: ان کا ہر متنفس سیدنا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم و دیگر ائمہ طاہرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حضرات عالیات انبیاے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتحیات سے افضل بتاتا ہے اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔

شفا شریف صفحہ ۳۶۵ر میں انہی اجماعی کفروں کے بیان میں ہے:

وکذلک نقطع بتکفیر غلاۃ الرافضۃ فی قولھم ان الائمۃ افضل من الانبیاء۔

ترجمہ: اور اسی طرح ہم یقینی کافر جانتے ہیں ان غالی رافضیوں کو جو ائمہ کو انبیا سے افضل بتاتے ہیں۔[ملخصا]

اپنے اس معرکۃ الآرا فتویٰ کے اخیر میں خلاصہ کے طور پر یوں رقم طراز ہیں:

بالجملہ ان رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی یہ ہے کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے ان کے ساتھ مناکحت نہ صرف حرام بلکہ خالص زنا ہے، معاذاللہ مرد رافضی اور عورت مسلمان ہو تو یہ سخت قہر الٰہی ہے اگر مرد سنی اور عورت ان خبیثوں میں کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا محض زنا ہوگا اولاد ولد الزنا ہوگی باپ کا ترکہ نہ پائے گی اگرچہ اولاد بھی سنی ہی ہو کہ شرعاً ولد الزنا کا باپ کوئی نہیں، عورت نہ ترکے کی مستحق ہوگی نہ مہر کی کہ زانیہ کے لیے مہر نہیں، رافضی اپنے کسی قریب حتیٰ کہ باپ بیٹے، ماں، بیٹی کا ترکہ نہیں پاسکتا۔ سنی تو سنی کسی مسلمان بلکہ کسی کافر کے بھی یہاں تک کہ خود اپنے ہم مذہب رافضی کے ترکے میں اس کا اصلاً کچھ حصہ نہیں، ان کے مرد عورت عالم جاہل کسی سے میل جول سلام کلام سب سخت کبیرہ اشد حرام، جو ان کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر پھر بھی انھیں مسلمان جانے یا ان کے

کافر ہونے میں شک کرے باجماع تمام ائمہ دین خود کافر بے دین ہے۔ اور اس کے لیے بھی یہی سب احکام ہیں جو ان کے لیے مذکور ہوئے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتوے کو بگوش ہوش سنیں۔ اور اس پر عمل کر کے سچے پکے مسلمان سنی بنیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم کو خلیفۂ رسول بلافصل کھنے کی تردید:

کیا فرماتے ہیں علماے اہل سنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ بالفعل اہل تشیع نے اپنی اذان وغیرہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کلمہ خلیفۂ رسول اللہ بلافصل کہنا اختیار کیا ہے۔ پس اہل سنت کو اس کلمہ کا سننا بمنزلہ سننے تبرا کے ہے یا نہیں، اور اس کے انسداد میں کوشش کرنا باعث اجر ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ السلام علی سیدالمرسلین محمدوخلفاء الاربعة الراشدین والہ وصحبہ واھل سنتة اجمعین.

الحق یہ کلمہ مغضوبہ مبغوضہ مذکورۂ سوال خالص تبرا ہے اور اس کا سننا سنی کے لیے بمنزلہ تبرا سننے کے نہیں بلکہ حقیقۃً تبرا سننا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ رب العالمین۔

محدث بریلوی سے سوال ہوا کہ روافض وغیرہم مبتدعین کہ کفار داخل مرتدین ہیں یا نہیں؟ جواب مفصل بدلائل عقلیہ ونقلیہ مدلل درکار ہے۔

کئی صفحات پر مشتمل یہ جواب آپ نے بہت ہی مدلل اور مبرہن تحریر فرمایا ہے، یہاں صرف اس کا ایک اقتباس ہدیۂ قارئین ہے:

فتاویٰ عالم گیری کے حوالے سے آپ لکھتے ہیں کہ ”رافضیوں کی ان باتوں پر کہ مردے دوبارہ دنیا میں آئیں گے، روح دوسرے جسموں میں آئیں گے، اللہ تعالیٰ کی روح ائمہ اہل بیت میں منتقل ہوئی ہے، امام باطن خروج کریں گے، امام باطن کے خروج تک امرونہی احکام معطل رہیں گے، جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت علی کے مقابلہ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے، ان کی تکفیر ضروی ہے، یہ لوگ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہوں گے، ظہیریہ میں ایسے ہی ہے“۔ [ملخصا فتاویٰ رضویہ، ج:۱۴، ص:۱۲۹]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی رد شیعیت میں ردالرفضہ کے علاوہ بھی متعدّد رسائل ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

- الادلة الطاعنة فی أذان الملاعنة ۱۳۰۶ھ [روافض کی اذان میں کلمہ خلیفہ بلافصل کا شدید رد]
- اعالی الافادہ فی تعزیة الھندو بیان الشھادة ۱۳۲۱ھ [تعزیہ داری اور شہادت نامہ کا حکم]
- جزاءاللہ عدوہ بابا بہ ختم النبوة ۱۳۱۷ھ [مرزائیوں کی طرح روافض کا بھی رد]
- لمعة الشمعة لھدی شیعة الشنعة ۱۳۱۲ھ [تفصیل وتفسیق کے متعلق سات سوالوں کے جواب]
- شرح المطالب فی مبحث ابی طالب ۱۳۱۶ھ [ایک سو کتب تفسیر وعقائد وغیرہا سے ایمان نہ لانا ثابت کیا]

*****

امام احمد رضا اور اصلاح عقائد

مولانا احمد رضا رضوی ضیائی: کٹھل باڑی، اکبر چلا، پانچی پارہ، اتر دیناج پور، بنگال

امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے بے دینوں اور بد مذہبوں کے گمراہ کن و دین سوز عقائد باطلہ کے ردو ابطال میں تاریخی کارنامہ انجام دیا اور اصلاح عقائد کے ساتھ مسلمانوں میں پھیلی ہوئی غلط رسومات اور فاسد اعمال کی بیخ کنی اور اصلاح کے لیے بھی سعی پیہم فرمائی۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے معاشرتی برائیوں کے خاتمے کے لیے بے مثال کاوشیں کیں اور زبان سے زیادہ قلم کا استعمال کیا اور کئی ایک اصلاحی کتب قوم مسلم کو عطا فرمائیں، بقول علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی قبلہ:

"امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ [۱۲۷۲ھ — ۱۳۴۰ھ] کی تصنیفات تین اہم حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں جن کی روشنی میں ان کی تجدیدی، اصلاحی اور علمی خدمات کا اجمالی نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

[۱] اصلاح عقائد اور تصحیح نظریات

[۲] اصلاح اعمال اور تصحیح عادات

[۳] علمی افادات اور فنی تحقیقات

مگر امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے بارے میں اغیار نے یہ غلط فہمی پھیلا دی کہ امام احمد رضا کی وجہ سے برصغیر ہندو پاک میں بدعات کو فروغ حاصل ہوا اور دین میں ایسی نئی نئی باتیں پیدا ہوئیں جن کا شرع سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا، لیکن اگر ہم امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی تحریروں اور خاص طور پر ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ عقائد گڑھنے اور بدعات کو فروغ دینے کا الزام نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ سراسر ان کی تعلیمات سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی تحریروں اور فتاویٰ کے مطالعے سے امام اہل سنت کی جو تصویر ابھر کر ہمارے سامنے آتی ہے وہ ایک ایسے مصلح، داعی اور دینی رہنما کی ہے، جس نے اپنے زمانے میں شدت کے ساتھ عقائد باطلہ اور باضابطہ طور پر بدعات و منکرات کے خلاف تحریک چلا رکھی تھی۔

لہٰذا ہم اس مضمون میں ان بعض عقائد باطلہ کا ذکر کریں گے جن کی نسبت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی طرف کی جاتی ہے اور آپ ہی کی کتب سے ان کی مخالفت ثابت کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اصلاح عقائد اور ابطال باطل کے

چند حوالے بھی پیش کیے جائیں گے تاکہ عام مسلمانوں پر واضح ہوجائے کہ ان تمام خرافات اور بدعات کا امام احمد رضا خان فا ضل بریلوی اور ان کے سچے مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔

اس مضمون کو پڑھنے کے بعد اپنی بدگمانی کا محاسبہ کریں نیز اندازہ لگائیں، کہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے عقائد باطلہ اور بدعتوں کا سدباب کیا یا ان کو فروغ دیا؟ آج بھی ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی کوشش کی جائے تو معاشرہ میں نکھار آسکتا ہے اور بدعات ومنکرات کی بیخ کنی کے لیے تصنیفات امام احمد رضا سے ہمیں بہت کچھ مل سکتا ہے۔

امام احمد رضا اور اصلاح عقائد

[۱] غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی حرام اور سجدۂ عبادت کفر ہے:

احکام شرع سے بعض ناواقف لوگ مزارات اولیاے کرام پر جاکر اپنے سروں کو ٹیک دیتے ہیں، اس کی وجہ سے واویلا کیا جاتا ہے اور عامۃ الناس کے اس طریقۂ نامرضیہ کو اہل سنت کا طریقہ بتایا جاتا ہے، نیز اس غیر شرعی فعل کو امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تعلیمات سے جوڑ کر اہل سنت کو قبر پرست وقبر پجوا جیسے دل خراش ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دیکھو مولانا احمد رضا خان کے ماننے والے قبر کو سجدہ کررہے ہیں، العیاذ باللہ صحیح بات تو یہ ہے کہ فکر رضا کا حامل کوئی بھی سنی صحیح العقیدہ مسلمان مزارات اولیا پر سجدہ نہیں کرتا، اور نہ ہم اس کے قائل ہیں اور اگر کچھ جہلا کرتے بھی ہیں ، تو جہلا کے عمل کو امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے کھاتے میں ڈالنا بہت بڑی خیانت ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی تعلیمات کا مصدر ان کی کتابیں ہیں، ان کو مطالعہ کے میز پر لایا جائے، تو عیاں ہوجائے گا کہ اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اسلام کو کس قدر شفافیت دی ہے۔ سجدۂ تعظیمی کے حوالے سے آپ کی یہ عبارت آپ کی تعلیمات کی کتنی عکاسی کرتی ہے، اس کا فیصلہ قارئین کریں، فرماتے ہیں:

مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان! کہ سجدہ حضرت عزت عزّجلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقینا اجماعا شرک مھین وکفر مبین اور سجدہ تحیت [تعظیمی] حرام وگناہ کبیرہ بالیقین۔ [الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ، ص:۵]

مسئلہ مذکورہ میں دلائل کی کثرت کے ساتھ استدلال کی جو پختگی آپ کے یہاں ملتی ہے، مخالفین کی سرکردہ ہستیوں کی تحریرات میں دور دور تک اس کی بو میسر نہیں۔

[۲] مسئلہ علم غیب اور فکر رضا

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان پر یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ امام احمد رضا خان نے نبی کے لیے علم غیب ذاتی مان کر نبی کو خدا کے برابر کردیا اور یہ شرک ہے العیاذ باللہ۔ غیرت ایمانی رکھنے والوں کے لیے امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ جملہ ہی کافی ہے، فرماتے ہیں:

اس کا فیصلہ قرآن مجید نے فرمادیا: فنجعل لعنة الله علی الکٰذبین [پارہ:۳ اٰل عمران :۶۱]
ترجمہ: توجھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔
جو میرے عقائد ہیں وہ میری کتابوں میں لکھے ہیں، وہ کتابیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں، کہیں اس کا نام ونشان ہو تو کوئی دکھادے، ہم اہل سنت کا مسئلہ علم غیب میں یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علم غیب عنایت فرمایا، رب عزوجل فرماتا ہے: وما ھو علی الغیب بضنین.
ترجمہ: یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔ [پارہ:۳۰، سورہ تکویر:۲۴]
باقی رہا علم غیب نبی کے تعلق سے آپ کا موقف اور اہل زیغ وضلال کا ردبلیغ تو آپ کے استدلال کی کچھ جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں، فرماتے ہیں:
تفسیر معالم وتفسیر خازن میں ہے یعنی [حضور ﷺ] کو علم غیب آتا ہے، وہ تمہیں تعلیم بھی فرماتے ہیں [تفسیر خازن، تکویر تحت الآیۃ :۲۴، ج:۴، ص:۳۵۷] اور وہابیہ، دیوبندیوں کا یہ خیال ہے کہ کسی غیب کا علم حضور کو نہیں، اپنے خاتمہ کا بھی علم نہیں، دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں، بلکہ حضور ﷺ کے لیے علم غیب ماننا شرک ہے اور شیطان کی وسعت علم نص سے ثابت ہے اور اللہ کے دیے سے بھی حضور کو علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔
مزید فرماتے ہیں:
برابری تو درکنار، میں نے کتابوں میں تصریح کردی ہے، کہ اگر تمام اولین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے، پھر یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی [یعنی لامحدود]، متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت ہے۔ [الملفوظ، حصہ اول، ص:۹۳]
علم غیب کے حوالے سے اہم اور بنیادی بات کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت مزید فرماتے ہیں:
علم غیب ذاتی کہ اپنی ذات سے ہو، بے دیے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، ان آیتوں میں یہی معنیٰ مراد ہے، کہ بے خدا کے دیے کوئی نہیں جان سکتا اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے انبیاے کرام کو معلوم ہونا ضروریات دین سے ہے، قرآن مجید کی بہت آیتیں اس کے ثبوت میں ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲۷، ص:۲۳۳]
اور فرماتے ہیں: کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کو ہے پھر اس کی عطا سے اس کے حبیب ﷺ کو ہے۔ [مصدر سابق]
قارئین اب آپ سمجھ چکے ہوں گے، کہ نبی ﷺ کے لیے علم غیب عطائی کا ماننا ہی اسلامی عقیدہ ہے، اور امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اسی عقیدے کی تعلیم دی ہے، یہ عقیدہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا خانہ ساز نہیں ہے، اس کے باوجود اگر کوئی امام احمد رضا خان کو نبی کے لیے علم غیب عطائی ماننے کی وجہ سے مشرک کہتا ہے، تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔
حالاں کہ نبی کریم ﷺ کے لیے علم غیب عطائی نہ ماننا خود کفر ہے، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی سے پوچھا گیا: کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم علم غیب کی تعریف کرتے ہیں: ''وہ علم جو بلا واسطہ ہو'' اور اس معنی سے علم غیب کا مطلقا منکر ہو تو اس پر کیا حکم ہے؟

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے جواب ارشاد فرمایا:

علم بلاواسطہ کے ساتھ غیب کو خاص کرنا قرآن کے خلاف ہے، قرآن فرماتا ہے: وماھو علی الغیب بضنین یعنی اور یہ غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ [پارہ:۳۰، سورۂ تکویر:۲۴]

کیا نبی علم بلاواسطہ بتانے پر بخیل نہیں ہیں؟ یہ تو کفر ہو جائے گا! جو شخص ذرہ برابر غیر خدا کے لیے علم بلاواسطہ مانے کافر ہے [کیونکہ یہ شان صرف خدا کی ہے] اگر کوئی انسان کے معنی پاگل گڑھ لے تو وہ خود پاگل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول یعنی غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ کیا [اللہ] بلاواسطہ اپنے رسولوں کو علم غیب دیتا ہے؟۔ [الملفوظ، ص:۳۳۴]

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں، اللہ تعالی نے دنیا میرے سامنے اٹھائی کہ وہ اور جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی ہتھیلی کو۔ [کنز العمال:۱۱/ ۳۷۸]

علم غیب مصطفی ﷺ کے تعلق سے آپ کی ساری تحریرات کو پڑھ جائیے، کہیں کوئی بات بھی قرآن و حدیث کے حوالہ کے بغیر نہیں ملے گی۔ اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ حضور ﷺ کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا غلط ہے، یا قرآن و حدیث کا دیا ہوا عقیدہ ہے۔

[۳] غیر خدا کو نافع یا ضار سمجھنا مطلقا شرک ہے؟

غیر خدا کو نافع یا ضار سمجھنا مطلقا شرک نہیں جب تک مستقل بالذات نہ مانا جائے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ صحیح فکر دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"غیر خدا کو نافع یا ضار جاننا مطلقا شرک ہے یا خاص اس صورت میں کہ نفع و ضرر مستقل بالذات مانے۔ بر تقدیر اول یہ وہ شرک ہے جس سے عالم میں کوئی محفوظ نہیں، جہاں شہد کو نافع اور زہر کو مضر جانتا ہے، سچے دوست سے نفع کی امید پکے دشمن سے ضرر کا خوف رکھتا ہے، عالم کی خدمت اور حاکم کی اطاعت اسی لیے کرتا ہے کہ دینی یا دنیوی نفع کی توقع ہے، مخالف مذہب سے احتیاط، سانپ سے احتراز اسی لیے رکھتے ہیں کہ روحانی یا جسمانی ضرر کا اندیشہ ہے، خود قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

اٰباؤکم وابناؤکم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا.

ترجمہ: تمھارے باپ تمھارے بیٹے نہیں جانتے ان میں کون تمہیں نفع دینے میں زیادہ نزدیک ہے۔ اور قرآن فرماتا ہے:

وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ

ترجمہ: اور وہ اس سے ضرر نہ پہنچائیں گے بے حکم خدا کے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ.

ترجمہ: تم میں جو اپنے مسلمان بھائی کو نفع دے سکے نفع دے۔

امام احمد وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ بسند حسن مالک بن قیس سے راوی رضی اللہ عنہم حضور ﷺ فرماتے ہیں:

من ضار ضار اللہ بہ ومن شاق شق اللہ علیہ.

ترجمہ: جو شخص کسی کو ضرر دے گا اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا اور جو کسی پر سختی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈالے گا۔

حاکم کی حدیث میں ہے:

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حجر اسود کی نسبت فرمایا: بلیٰ! یا امیر المومنین یضر و ینفع. یعنی: کیوں نہیں اے امیر المومنین یہ پتھر [کافروں کو] نقصان دے گا اور [مسلمانوں کو] نفع پہنچائے گا۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۶۹۱]

معلوم ہوا کہ غیر خدا کو نافع یا ضار سمجھنا مطلقاً شرک نہیں۔

[۴] ختم نبوت کا انکار کفر ہے:

حضور پر نور سید عالم ﷺ کو جب کچھ پڑھے لکھے جاہلوں نے آخری نبی ماننے سے انکار کیا اور ان نام نہاد ملاؤں نے نبی آخر الزماں ﷺ کی شان ختم نبوت پر انگلی اٹھائی اور لفظ خاتم النبیین میں بے جا تاویلیں کرنے لگے تو امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قلم اٹھایا اور ایسا دندان شکن جواب دیا، کہ وہ اپنے دعویٰ ودلیل میں ناپائیدار ہوگئے، آپ لکھتے ہیں:

"ایسا شخص کافر ومرتد ہے، اس کے مرتد ہونے کے لیے صرف انکار خاتمیت ہی کافی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ولکن رسول اللہ وخاتم النبین [اللہ تعالیٰ نے فرمایا:] اور لیکن اللہ کے رسول ﷺ اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

تتمۃ الفتاویٰ اور الاشباہ والنظائر میں ہے:

ان لم یعرف ان محمدا ﷺ أخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات.

یعنی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں کیوں کہ یہ ضروریات دین سے ہے۔" [فتاویٰ رضویہ، ج:۸ ص:۷۴]

[۵] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں:

صحابی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن وتشنیع کرنا ناصبیوں اور رافضیوں کا وطیرہ رہا ہے اور دور حاضر میں کچھ اہل سنت کے دعویدار اور نام نہاد ٹھیکے دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دعوی کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور طعن وتشنیع کرتے ہیں اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ امام اہل سنت مجدد اعظم اس حوالے سے صحیح فکر اور عقیدہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"معاویہ بھی سردار، طعن ان پر بھی کار فجار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذا باللہ اسد اللہ کی سبقت واولیت وعظمت واکملیت

سے آنکھ پھیرے، وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت و نسبت بارگاہ حضرت رسالت بھلادے وہ شیعی زیدی، یہی روش آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہل توسط و اعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے، یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیدنا غوث اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتم ولایت محمدیہ شیخ اکبر سے ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰، ص:۲۰۱]

[۶] تکفیر مسلمین اور فکر رضا

بدمذہبوں نے اپنے عقائد باطلہ فاسدہ و مفسدہ پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ پروپیگنڈہ پھیلانا شروع کیا کہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ مکفر المسلمین تھے۔ عیاذاباللہ اور انہوں نے بہت سارے مسلمانوں کو بلاوجہ شرعی اسلام سے خارج کردیا اور معاذاللہ بعض بدمذہبوں نے یہاں تک کہہ دیا، کہ امام احمد رضا خان کافر بنانے کی مشین تھے، آئیے ہم امام احمد رضا کی تحریرات سے اسکا جائزہ لیتے ہیں، تکفیر مسلمین کا حکم بیان کرتے ہوئے امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

ایما امرء قال لا خیه کافر فقد باء بها احدهما ان کان کما قال والا رجعت علیه. [صحیح مسلم، بیان حال ایمان ۱/۵۷]

یعنی جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے تو ان دونوں میں سے ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی، اگر جسے کہا وہ حقیقۃ کافر تھا جب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔

امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

لیس من دعارجلا بالکفر او قال عدواللّٰه ولیس کذلك الا حار علیه ولا یرمی رجل رجلا بالفسق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن کذلك .الخ

یعنی جو شخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے اور ایسا نہ ہو یہ کہنا اسی پر پلٹ آئے گا اور کوئی شخص کسی کو فسق یا کفر کا طعن نہ کرے گا مگر یہ کہ وہ اسی پر الٹ پھرے گا اگر جس پر طعن کیا تھا ایسا نہ ہو۔

[۷] کلمہ گو کے ہر قول کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع و فظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچانا فرض قطعی ہے۔

بالجملہ تکفیر اہل قبلہ و اصحاب کلمۂ طیبہ میں جرأت و جسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت، جس میں وبال عظیم و نکال کا صریح اندیشہ۔ والعیاذ باللّٰه رب العلمین، فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول و فعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع و فظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں، اگر کوئی ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو، جس کی رو سے حکم اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی طرف جائیں، اور اس کے سوا ہزار احتمال جانب کفر جاتے ہوں خیال میں نہ لائیں۔

حدیث میں ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الاسلام یعلو ولا یعلی یعنی اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ [سنن الدار قطنی، ج:۳، ص:۲۵۲]

احتمال اسلام چھوڑ احتمال کفر کی طرف جانے والے اسلام کو مغلوب کفر کو غالب کرتے ہیں۔ والعیاذ باللّٰه رب العالمین. [فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۱۷]

[۸] لاالٰہ الااللہ کہنے والوں کو جو کافر کہے وہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔

امام اہل سنت کا یہ فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں:

حدیث میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛ کفوا من اھل لاالٰہ الااللہ لا تکفروھم بذنب فمن اکفر اھل لاالٰہ الااللہ فھو الی الکفر اقرب، یعنی لاالٰہ الااللہ کہنے والوں سے زبان روکو، انہیں کسی گناہ پر کافر نہ کہو، لاالٰہ الااللہ کہنے والوں کو جو کافر کہے وہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔ [المعجم الکبیر ج:۱۲، ص:۲۷۲]

حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛ تین باتیں اصل ایمان میں داخل ہیں: لاالٰہ الااللہ کہنے والے سے باز رہنا، اور اسے گناہ کے سبب کافر نہ کہا جائے، اور کسی عمل پر اسلام سے خارج نہ کہیں۔

حدیث میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہو۔ [نصب الرایہ، ج:۲، ص:۲۸] [فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۱۸]

[۹] جو کسی مسلمان کے لیے چاہے کہ کافر ہو جائے اس کے ہونے سے پہلے وہ خود کافر ہو گیا۔

ہمارے امام، امام اعظم رضی اللہ عنہ وغیرہ ائمہ دین فرماتے ہیں: جو کسی مسلمان کی نسبت یہ چاہے کہ اس سے کفر صادر ہو، کفر کرے یا نہ کرے یہ ابھی کافر ہو گیا کہ مسلمان کا کافر ہونا چاہا۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۴۰۳]

[۱۰] اہل قبلہ کون؟

امام اہل سنت اور علماے عرب و عجم نے جن لوگوں کو کافر کہا، کیا واقعتاً وہ اہل قبلہ تھے؟ ہرگز نہیں، کیوں کہ وہ سب کے سب توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتکب تھے، ان بدبختوں نے اللہ و رسول جل وعلا، صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان میں صریح گستاخیاں کیں، جب ان سے توبہ کا مطالبہ ہوا تو وہ اپنی ضد پہ اڑے رہے اور اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا اور بغیر توبہ کے فوت ہو گئے، بظاہر کلمہ گو تھے، لیکن اہل کلمہ ہونا تبھی مفید اور باعث نجات ہے، جب کہ دیگر ضروریات دین پر مکمل ایمان ہو، ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار یا تخفیف موجب کفر ہے۔

[۱۱] اہل قبلہ سے کون لوگ مراد ہیں؟

امام اہل سنت فرماتے ہیں: ''اہل قبلہ وہی ہے جو ضروریات دین پر ایمان لاتا ہو اور کوئی قول وفعل قاطع ایمان اس سے صادر نہ ہو، ورنہ صرف قبلہ کی طرف ہماری سی نماز پڑھنا اور ہمارا ذبیحہ کھانا نصوص قطعیہ قرآن کے لیے کافی نہیں، منافقین یہ سب کچھ کرتے تھے اور یقینا کافر تھے۔'' [فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱، ص:۱۶۴]

[۱۲] امام اہل سنت اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ کا ادب۔

جناب رسالت مآب ﷺ کو ادب کے ساتھ پکارنا چاہیے، ادب اور تعظیم کا تقاضہ یہی ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کو آپ کے ذاتی نام محمد ﷺ سے نہ پکارا جائے، بلکہ یارسول اللہ، یاحبیب اللہ، یانبی اللہ، یارحمۃ للعالمین ﷺ کہہ کر ندا دی جائے۔

جہاں کہیں مساجد میں، محرابوں میں، پوسٹر میں، اور بینروں میں بھی یا محمد ﷺ کی جگہ یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا نبی اللہ، یا رحمۃ للعالمین ہی تحریر کیا جائے تا کہ حضور ﷺ کا ادب واحترام ملحوظ رہے۔

چناں چہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

قرآن مجید کی آیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پکارنا اپنے میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اب ایک دوسرے میں باپ اور مولیٰ اور بادشاہ سب آگئے۔ اس لیے علما فرماتے ہیں: نام پاک لے کر ندا کرنا حرام ہے۔ اگر روایت میں مثلاً یا محمد ﷺ آیا تو اس کی جگہ بھی یا رسول اللہ ﷺ کہے" [فتاویٰ رضویہ جدید، ج:۱۵، ص:۱۷۱]

اس مسئلے کا بیان امام اہل سنت کا رسالہ "تجلی الیقین بان بینا سیدالمرسلین" اور "انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ" میں دیکھیے۔

[۱۳] غیر خدا سے کس قسم کی استعانت شرک ہے؟

ابتداے اسلام ہی سے مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ محبوبان بارگاہ الٰہی کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں اور بسا اوقات ان کی خدمت میں استغاثہ پیش کرتے ہیں اور مدد طلب کرتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسا کرنے والوں کو کافر و مشرک اور بدعتی گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عہد کرتے ہیں ایاك نستعین یعنی ہم تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں تو پھر اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔

تو کیا محبوبان بارگاہ کا وسیلہ لینا، ان سے مدد طلب کرنا اور استغاثہ پیش کرنا وغیرہ ایاک نستعین کے خلاف ہے؟

کچھ لوگ ان چیزوں کو ایاك نستعین کے خلاف مان کر بہت سے اہل اسلام کو اسلام اور ایمان سے خارج قرار دے رہے ہیں، اس سلسلے میں امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں امام احمد رضا خان فرماتے ہیں:

استعانت حقیقتاً یہ ہے کہ اسے قادر بالذات ومالک مستقیم وغنی بے نیاز جانے، کہ بے عطاے الٰہی خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے، اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے، نا ہر گز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے، بلکہ واسطۂ وصول فیض وذریعہ ووسیلۂ قضاے حاجات جانتے ہیں اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود رب العزت نے قرآن مجید میں حکم فرمایا: وابتغوا الیہ الوسیلۃ اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

بایں معنی استعانت بالغیر ہر گز اس سے حصر وایاک نستعین کے منافی نہیں، جس طرح وجود حقیقی کی خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کیے موجود ہونا خالص بجناب الٰہی تعالیٰ وتقدس ہے پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کہنا شرک نہ ہو گیا جب تک کہ وہی وجود حقیقی مراد نہ لے، حقائق الاشیاء ثابتۃ پہلا عقیدہ اہل اسلام کا ہے۔ یوں ہی علم حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور تعلیم حقیقی کی بذات خود بے حاجت بدیگرے القاے علم کرے اللہ عزوجل سے خاص ہے پھر دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے علم طلب کرنا شرک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہی معنی اصلی مقصود نہ ہو۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱، ص:۳۰۳]

[۱۴]نذر شرعی و نذر باطل میں فرق:

نذر شرعی و نذر باطل کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے مجدد اعظم فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے جو تحریر فرمایا وہ قابل تقلید اور لائق عمل ہے، امام اہل سنت سے سوال ہوا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص یہ نیت کی کہ اگر میری نوکری ہو جائے تو پہلی تنخواہ زیارت پیران کلیر شریف کی نذر کروں گا وہ شخص ۱۳؍ تاریخ سے نوکر ہوا اور تنخواہ اس کی ایک مہینہ سترہ دن بعد ملی اب یہ ایک ماہ کی تنخواہ صرف یا سترہ دن کی؟ اور اس تنخواہ کا صرف کس طرح پر کرے، یعنی زیارت شریف کی سفیدی و تعمیر وغیرہ میں لگائے یا حضرت صابر پیا صاحب علیہ الرحمہ کی روح پاک کو فاتحہ ثواب بخشے یا دونوں طرف صرف کر سکتا ہے؟

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

جواب: صرف نیت سے تو کچھ لازم نہیں آتا، جب تک زبان سے الفاظ نذر ایجاب کہے اور اگر زبان سے الفاظ مذکور کہے اور ان سے معنی صحیح مراد لے یعنی پہلی تنخواہ اللہ کے نام پر صدقہ کروں گا اور اس کا ثواب حضرت مخدوم صابر کلیری علیہ الرحمہ کے آستانہ کے فقیروں کو دوں گا یہ نذر صحیح شرعی ہے اور استعانا وجوب ہو گیا، پہلی تنخواہ اسے فقیروں پر صدقہ کرنی لازم ہوگی، مگر یہ اختیار ہے کہ آستانہ پاک کے فقیروں کو دے اور جہاں کے فقیروں اور محتاجوں کے چاہے اور اگر یہ معنی صحیح مراد نہ تھے، بلکہ بعض بے عقل جاہلوں کے صرف یہی مقصود تھا کہ پہلی تنخواہ خود حضرت مخدوم صاحب کو دوں گا تو یہ نذر باطل محض و گناہ عظیم ہوگی۔ مگر مسلمان پر ایسے معنی مراد لینے کی بدگمانی جائز نہیں جب تک وہ اپنی نیت سے صراحتاً اطلاع نہ دے۔ اس طرح اگر نذر زیارت کرنے سے اس کی یہ مراد تھی کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے عمارت زیارت شریف کی سفیدی کروادوں گا یا احاطہ مزار پرانوار میں روشنی کروں گا۔ جب بھی یہ نذر غیر لازم و نامعتبر ہے کہ ان افعال کی جنس سے کوئی واجب شرعی نہیں۔ رہا یہ کہ جس حالت میں نذر صحیح ہو جائے پہلی تنخواہ سے کیا ہوگی یہ ظاہر ہے کہ عرف میں مطلق تنخواہ خصوصاً پہلی تنخواہ ایک مہینے کی اجرت کو کہتے ہیں اگر چہ اس کا ایک جز بھی تنخواہ ہے اور عمر بھر کا واجب بھی تنخواہ ہے تو پہلی تنخواہ کہنے سے اول تنخواہ ایک ماہ ہی عرفا لازم آئے گی، کیوں کہ کسی عقد والے قسم والے نذر والے اور وقف کرنے والے کے کلام کو متعارف معنی پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے۔ [فتاویٰ رضویہ ج:۱۳، ص:۵۹۱]

مسلمان جو نذر و نیاز بقصد ثواب کرتے ہیں اس میں ہرگز قصد عبادت نہیں رکھتے۔ امام اہل سنت اس بارے میں فرماتے ہیں:

نذر و نیاز کہ مسلمین بقصد ایصال و ارواح طیبہ حضرات اولیاے کرام نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہم کرتے ہیں، ہرگز قصد عبادت نہیں رکھتے، نہ انہیں معبود، الٰہ و مستحق عبادت جانتے ہیں، نہ جو چیز پیش کی جائے اصطلاح عرفی ہے کہ سلاطین و عظمیٰ کے حضور جو چیز پیش کی جاتی ہے اسے نذر کہتے ہیں اور نیاز تو اس سے بھی عام تر ہے عام محاورہ ہے کہ مجھے فلاں سے نیاز، میں تو آپ کا نیاز مند ہوں۔ [فتاویٰ رضویہ ج:۲۱، ص:۱۳۲]

*****

مقالات

☆علم حدیث واصول حدیث

امام احمد رضا اور علم اسماء الرجال

مفتی محمد شعیب عالم نعیمی: شیخ الحدیث وصدر شعبۂ افتا یادگار حبیب، الہ آباد

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے جب اپنے نوک قلم کا رخ میدان تحقیق کی طرف کیا تو ان گنت صفحات گہرہائے معانی سے مزین ہوتے چلے گئے۔ اغلاط کے متلاشی حریفوں نے محدث بریلوی کی تصانیف کے ایک ایک ورق کی چھان بین کی اور بار بار تجسس کیا لیکن وہ اس عظیم محدث وفاضل اور عبقری شخصیت کے کسی حرف کو جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے، بالآخر انہیں آپ کی علمی حیثیت کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔

یہ امر واقعی ہے کہ تحقیق کے میدان میں ایک عام محقق ایک یا دو فن میں کامل ہوتا ہے اور بس۔ مگر بہت کم افراد ایسے ہوتے ہیں جنہیں کثیر فنون کی گہرائیوں تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا وہ جید عالم اور دینی پیشوا ہیں جنہیں نہ صرف کثیر علوم وفنون سے کما حقہ آگاہی حاصل تھی بلکہ انہیں کئی ایک فنون کا موجد بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی فن بغیر محنت وریاضت کے حاصل نہیں ہوتا، البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کسی بندے کو شکم مادر ہی میں علوم ظاہری وباطنی عطا فرمادے تو یہ اس کا خاص کرم اور فیاضی ہے اور وہ اس پر قادر ہے۔

علم حدیث اپنے تنوع کے اعتبار سے نہایت وسیع علم ہے۔ امام سیوطی قدس سرہ نے تدریب الراوی میں اس طرح کے تقریباً سو علوم شمار کرائے ہیں جن سے علم حدیث میں واسطہ ضروری ہے۔ لہٰذا ان تمام علوم میں مہارت کے بعد ہی علم حدیث کا جامع اور اس علم میں درجۂ کمال کو پہنچ سکتا ہے۔ علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو جس راوی کے بارے میں جرح یا تعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے، تقریب وتہذیب اور تذہیب وغیرہ کتب اسماء الرجال دیکھی جاتی تو وہی الفاظ ملتے۔ اسے کہتے ہیں علم راسخ، مہارت تامہ، وسعت مطالعہ اور روایت ودرایت کا کامل ادراک۔ کبھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ہر عیب سے پاک ہے، صحیح ہے، جرح کی کوئی گنجائش نہیں، مگر حقیقت میں کوئی ایسا سقم ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث ساقط الاعتبار ہوجاتی ہے، مثلاً بظاہر متّصل ہے مگر حقیقت میں متّصل نہیں، بظاہر مرفوع ہے مگر حقیقت میں موقوف ہے، متن میں ردوبدل ہوگیا ہے یا سند میں، یا کسی راوی سے وہم ہوگیا ہے، اس کی شناخت خیلے دشوار ہے۔ حتیٰ کہ عبد الرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ ان علل کی معرفت بغیر الہام کے نہیں ہوسکتی۔ امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ اس پر

کامل درک ومہارت اور وسیع اطلاع معدودے محدثین ہی کو ہے۔ جن میں علی بن المدینی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، ابن ابی شیبہ، ابو حاتم، ابوذرعہ رازی، امام دارقطنی کے اسماسرفہرست ہیں۔ اس فن میں بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا یکتا تھے، محض اپنے حافظے کی قوت سے علم حدیث کا سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال میں مہارت تامہ بس آپ کے لیے انعام الٰہی تھا، جس کے لیے زبان ودل دونوں بیک وقت پکاراٹھتے ہیں: ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

راویان حدیث پر جرح وتعدیل:

راویان حدیث پر جرح وتعدیل اور مخالفین کے مدعیٰ کا ابطال، اس حیثیت سے جب رضویات کا مطالعہ کیا جائے تو صرف فتاویٰ رضویہ میں ہی اتنی کثرت سے نظائر ملتے ہیں، جن کی جمع وتدوین سے کئی ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔ سردست اس کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

[۱]۔ جمعہ کے دن اذان ثانی کہاں ہو؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے فتویٰ دیا کہ اذان مطلقا اندرون مسجد مکروہ ہے، لہذا اذان اول ہو یا ثانی بیرون مسجد ہی ہوگی۔ اس کے ثبوت میں خاص اذان کے بارے میں ایک حدیث ابوداؤد سے نقل فرمائی کہ حضور اقدس ﷺ کے مبارک زمانے میں یہ اذان خارج مسجد ہوتی تھی اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی عمل رہا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اس فتویٰ کو رد کرتے ہوئے بعض حضرات نے حدیث ہی کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہیں جن پر رافضی ہونے کی تہمت ہے۔ لہذا حدیث معتبر نہیں۔ اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مخالفین کے دہن دوزی کے لیے ایک معرکۃ الآراء کتاب "شمائم العنبر فی آداب النداء امام المنبر" نام سے عربی زبان میں تصنیف فرمائی اور اس موضوع پر بحث آخری حد کو پہنچادی، محمد بن اسحاق پر جو جرح کی گئی تھی اس کی دھجیاں اڑادیں اور ان کی تعدیل وتوثیق میں تحقیقات کے ایسے دریا بہادیے جو اپنی مثال آپ ہیں۔ محدث بریلوی کی راویان حدیث پر عمیق نگاہ کا اندازہ لگائیے، لکھتے ہیں:

اس حدیث کے راوی محمد بن اسحاق قابل بھروسہ، نہایت سچے اور امام ہیں، ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابوزرعہ اور ابن حجر نے فرمایا "صدوق" یہ بہت سچے ہیں، امام عبد الوہاب ابن مبارک فرماتے ہیں: ہم نے انہیں صدوق پایا، ہم نے انہیں صدوق پایا، ہم نے انہیں صدوق پایا۔ امام عبداللہ بن مبارک، امام شعبہ ابن عیینہ اور امام ابویوسف نے ان سے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کی ہیں اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ امام ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا اجلہ علما کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے اور آپ کو اہل علم نے آزمایا تو اہل صدق وخیر پایا۔ ابن عدی نے کہا آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، آپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، امام علی ابن المدینی نے کہا کسی امام یا محدث کو ابن اسحاق پر جرح کرتے نہیں دیکھا۔ امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں: ستر سال اوپر ابن اسحاق کی خدمت میں رہا، اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا، نہ ان پر تنقید کی۔ امام معاذ نے فرمایا ابن اسحاق سب لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے، امام ابواللیث نے فرمایا: یزید بن حبیب سے روایت کرنے والوں میں ابن اسحاق سے زائد مثبت کوئی نہیں، امام شعبہ نے فرمایا میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحاق کو محدثین پر حاکم بناتا، یہ تو امیر المؤمنین

فی الحدیث ہیں، ایک روایت میں ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں تو حضرت شعبہ نے فرمایا ان کے حفظ کی وجہ سے، دوسری روایت میں ہے، حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہوسکتا ہے تو وہ محمد بن اسحاق ہیں۔ امام زہری فرماتے ہیں: مدینہ مجمع العلوم رہے گا، جب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے۔ آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحاق پر ہی بھروسہ کرتے تھے ،ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاذ تھے، بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے، ابن اسحاق کے دوسرے استاذ عاصم بن عمر بن قتادہ نے فرمایا: جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں دنیا میں علوم باقی رہیں گے، عبداللہ بن قائد نے کہا ہم ابن اسحاق کی مجلس میں ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کردیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہوجاتی، ابن حبان نے کہا: مدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہویا دیگر علوم وفنون کی، ابن اسحاق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی۔ ابو یعلی جلیلی نے فرمایا: محمد بن اسحاق بہت بڑے عالم حدیث روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے یحیٰ بن معین یحیٰ بن یحیٰ، علی ابن عبداللہ المدینی استاذ امام بخاری، احمد عجلی اور محمد بن سعد وغیرہ نے کہا محمد بن اسحاق ثقہ ہیں۔ حضرت ابن البرقی نے فرمایا: علم حدیث والوں میں محمد بن اسحاق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ان کی حدیث حسن ہے، حاکم نے ابوشیخی شیخ بخاری سے روایت کی کہ ابن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: ابن اسحاق ثقہ ہیں ثقہ ہیں۔ اس میں نہ ہمیں شبہہ ہے نہ محققین محدثین کو شبہہ ہے۔ محمد بن اسحاق کی توثیق حق صریح ہے۔ اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں۔ اور بر تقدیر صحت روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیا۔ علی ابن المدینی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں، پھر ان سب کے نام گنوائے اور فرمایا اس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائر ہیں اور ابن اسحاق ان بارہ میں ہیں، اکیس محدثین کے اقوال سے محمد بن اسحاق کی توثیق وتعدیل ہے اور وہ بھی نہایت زوردار الفاظ میں۔ اب بھی کیا کسی کو شبہہ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث محمد بن اسحاق کے سبب ساقط الاعتبار ہے۔

[۲]۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" تصنیف فرمایا، جس میں حضور اقدس ﷺ کے نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنے کا جواز واستحباب ثابت فرمایا۔ مخالفین نے بعض محدثین کے اقوال کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنے کی سعی بے جا اور ناکام کوشش کی تھی کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں، بلکہ موضوع وبے اصل ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس رسالہ نافعہ میں ایسی معرکۃ الآرا بحث فرمائی اور قوانین وضوابط بیان کیے کہ ہر وہ شخص جو علمی شغف رکھتا ہے پڑھ کر جھوم اٹھے، اور مخالف حیران وششدر رہ جائے۔

محدث بریلوی نے جو قوانین وضوابط بیان کیے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

[۱] نفی صحت، نفی حسن کو مستلزم نہیں [۲] کثرت طرق سے حدیث کا ضعف رفع ہوجاتا ہے اور وہ حسن کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے [۳] عمل علما اور قبول قدما بھی حدیث کو ضعف سے ہٹا کر قوی کردیتا ہے [۴] فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول ہوتی ہے [۶] اکابر واسلاف کے مجربات کے لیے نقل اور سند کی ضرورت ہی نہیں [۷] جو عمل کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہ ہو وہ بھی شرعاً معمول ہوتا ہے [۸] شرعاً سند نہ ہو تو بھی اس عمل کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا، جب تک کہ اس کے خلاف حکم صریح نہ ہو [۹] احادیث کو لایصح کہہ دینا احادیث مرفوعہ تک محدود ہے ورنہ احادیث موقوفہ کو بھی لایصح نہیں کہا جاسکتا [۱۰] حدیث تقبیل الابھامین موقوف ہے، کما

صرح علی القاری رحمۃ اللہ علیہ۔ اسی طرح کے سیکڑوں قواعد وضوابط کتاب میں موجود ہیں پھر انہیں سیکڑوں کتب معتبرہ ومعتمدہ کے حوالہ جات سے مزین فرمایا اور عقلی دلائل ایسے حسین پیرایہ میں دیے کہ مخالف ذرا بھی انصاف سے کام لے تو وہ اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے، ایک جگہ مخالفین کے بھاری اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپ نے قواعد وضوابط کی بھرمار فرمائی۔ مثلاً [۱۱] کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر انداز ہے تو صرف اس قدر کہ اسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل وموضوع [۱۲] بلکہ علما کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادح صحت ومانع حجت بھی ہے یا نہیں؟ تفصیل مقام یہ ہے کہ:

[۱۳] مجہول کی تین قسمیں ہیں [۱] مستور، جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں [۲] مجہول العین۔ جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو [۳] مجہول الحال۔ جس کی عدالت ظاہری و باطنی کچھ ثابت نہیں۔ ان قوانین کو محدث بریلوی نے بے شمار کتب معتبرہ کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے اور پھر ان کے متعلق بلحاظ فن حدیث جو احکام ومسائل ہیں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے اور ان احکام کے متعلق جتنے اعتراضات ممکن ہیں وارد کر کے بڑے تسلی بخش جوابات سے مطمئن فرمایا، آگے چل کر کئی ایک فوائد تحریر فرمائے اور مخالفین کے اس اعتراض کے جوابات دیے کہ انگوٹھے چومنے والی روایات منقطع ہیں، اس کے جواب میں درج ذیل قواعد ارشاد فرمائے۔

[۱] سند کا انقطاع، مستلزم اس بات کا نہیں کہ وہ حدیث موضوع ہو۔ [۲] حدیث منقطع حدیث مرسل کی طرح ہے۔ [۳] منقطع پر فضائل میں عمل کرنا مجمع علیہ ہے، کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔ [۴] حدیث کی سند مضطرب یا منکر ہو جائے تو بھی وہ حدیث موضوع نہیں ہوتی [۵] مجہول راوی سے بھی حدیث موضوع نہیں بن جاتی۔ [۶] شاید مجہول راوی ثقہ ہو اسی لحاظ سے اس کی روایت بھی مردود نہیں۔ اس پر بیشتر حوالہ جات لکھے۔ [۷] طعن کی دس اقسام گنوائیں اور اس کی تفصیل بتائی۔ [۸] امام بخاری بھی اگر چہ جسے منکر الحدیث کہہ دیں تب بھی اس کی مرویہ حدیث موضوع نہیں ہوتی۔ [۹] ضعیف احادیث میں سب سے کم درجہ متروک کا ہے، اس کے بعد موضوع کا۔ [۱۰] باوجودیکہ متروک کم درجہ کی حدیث ہے لیکن فضائل عمل میں وہ بھی مقبول، اس کے بعد موضوع حدیث اور ضعیف کا موازنہ فرمایا اور دلائل قاہرہ پیش کیے کہ محدثین کے قول "لم یصح" سے حدیث موضوع نہیں ہو جاتی، محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط وباطل ہے، پھر حدیث موضوع کی تعریف فرمائی جس میں پندرہ فوائد بتائے اور اخیر میں تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کہ یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں۔ پھر امام احمد رضا موضوع حدیث پرکھنے کے کئی فائدے بتائے اور ثابت فرمایا اگر چہ کوئی محدث کسی حدیث کو موضوع کہہ دے تب بھی ضروری نہیں کہ اس کا مضمون بھی وضع کردہ ہو۔ ان ابحاث کے علاوہ کتاب کی ایک ایک سطر کئی کئی قواعد وضوابط اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی فن حدیث میں مہارت تامہ کی روشن دلیل ہے۔ پوری کتاب اصول حدیث کا بحر ذخار ہے غرض کہ صرف اس کتاب کے مطالعہ سے بے شمار کتب اصول کی ورق گردانی سے نجات مل جاتی ہے۔

[۳]۔ حالت سفر میں نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو حقیقی طور پر جمع کرنا ہمارے یہاں عرفہ ومزدلفہ کے سوا جائز

نہیں، غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے معیار الحق کتاب لکھ کر احناف کی مستدل احادیث صحاح کو رد کرنے کی ناپاک کوشش کی تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین" نامی ایک عظیم کتاب تحریر فرما کر معیار الحق کا رد فرمایا، پوری کتاب اسماء الرجال، جرح وتعدیل اور تحقیق وتنقیح کا عظیم شاہکار ہے، اس کے شروع میں ان صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے اسمائے گرامی گنائے ہیں جن کا مذہب ہے باستثنائے "عرفہ ومزدلفہ" دو نمازوں کو قصدًا ایک وقت میں جمع کرنا سفرًا وحضرًا کسی طرح جائز نہیں، یہ وہ گنتی ہے کہ جسے صرف ماہر حدیث واسماء الرجال اور صحابہ وتابعین کے مذاہب فی المسائل کے اختلاف کا پورا واقف ہی بیان کر سکتا ہے ورنہ اہل علم جانتے ہیں کہ خیر القرون میں مسائل شرعیہ کے متعلق کتنے مذہب تھے؛ لیکن اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کا کمال سمجھیے یا کرامت۔؟ اس مسئلہ کے مذاہب کی تنقیح کر کے انگلیوں پر تمام حضرات کے اسمائے گرامی گن دیے۔ پہلے جمع بین الصلوتین کی اقسام اور ان کے احکام سپرد قرطاس فرمائے تاکہ دلائل پڑھتے وقت قاری کو آسانی ہو۔ چنانچہ فرمایا تحقیق الکلام یہ ہے کہ جمع بین الصلوتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنے کی دو قسمیں ہیں [۱] جمع فعلی۔ جسے جمع صوری بھی کہا جاتا ہے [۲] جمع وقتی۔ جسے جمع حقیقی بھی کہا جاتا ہے، پھر اس جمع حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں [۱] جمع تقدیم [۲] جمع تاخیر، ان میں ہر ایک کو واضح طریق پر مثالیں دے کر سمجھایا اس غرض سے کتاب کی چار فصلیں باندھیں اور کتب حدیث کو سامنے رکھ کر ایسی لاجواب اور فقید المثال تحقیق پیش کی کہ اگر اس وقت میاں نذیر حسین زندہ ہوتے اور ان کے دل میں خوف خدا ہوتا تو محدث بریلوی امام احمد رضا کے قدم چوم لینے کو اپنی سعادت مندی سمجھتے۔

فصل اول جمع صوری کے بیان میں یعنی ایک نماز کو آخری وقت میں پڑھنا کہ اس کے ادائیگی کے بعد دوسری نماز کا اول وقت شروع ہو جائے۔ اس میں میاں نذیر حسین کے علمی اضافے کے لیے کئی صفحات تحریر فرما دیے، اس لیے کہ اس بیچارے کے قلم نے لکھ مارا کہ کوئی حدیث صحیح ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ آں حضرت ﷺ سفر میں جمع صوری کیا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی نے حدیث نمبر ایک، لکھی اولا اس کے حوالے دیے۔ غرض کہ جتنی اس فصل میں حدیثیں درج فرمائیں سب کی پوری سند بلکہ اسناد لکھیں اور یہ کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ تاکہ میاں صاحب کی جماعت یہ نہ کہہ بیٹھے کہ امام احمد رضا نے جن حدیثوں سے استناد کیا ہے ان کے راوی نامعلوم کیسے تھے، جیسا کہ ان حضرات کی عادت ہے، چنانچہ خود ان کے شیخ الکل میاں صاحب آخر از عادت معلوم کہہ چکے تھے کہ روایات ابن عمر جن سے جمع صوری کرنا واضح ہوتا ہے سب واہیات اور مردود اور شاذ اور مناکیر ہیں۔ اس قول پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے میاں صاحب اور ان کے متبعین کی جو درگت بنائی اور اسی قول پر کچھ ایسے شاندار لطائف پیش کیے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ گیا ہو گا، ان لطائف میں بے شمار کتب اسماء الرجال سے واضح فرمایا کہ مذکورہ احادیث کے راوی کس پائے کے بزرگ ہیں اور میاں صاحب نے جان بوجھ کر زبردست جرم کا ارتکاب کیا کہ ایسے اکابر کی مرویہ احادیث کو مردود کہا بلکہ ان لطائف میں محدث بریلوی نے ان کی سیکڑوں تحریفوں اور علمی بے مائیگی پر میاں صاحب کی علمیت اور دیانت کا پول کھولا اور حواشی پر اسماء الرجال کی لاجواب بحث لکھی۔

محدث بریلوی امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ نے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی حدیث دانی کے ڈھول کا پول ظاہر کرنے کے لیے، جو لطائف تحریر فرمائے ہیں ان میں سے صرف پانچ ملاحظہ کریں:

لطیفہ[۱] ملاجی نے امام طحاوی کی حدیث بطریق ابن جابر عن نافع پر بشر بن بکر سے طعن کیا ہے کہ وہ غریب الحدیث ہے، ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف۔ قالہ الحافظ فی التقریب۔

اقول اولا: ذرا کچھ شرم کی ہوتی کہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں۔ صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیا: اس صریح خیانت کو دیکھیے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا، وہ ہضم کر گئے۔

ثالثا: محدث جی! تقریب میں "ثقہ یغرب" ہے، کسی ذی علم سے پوچھو سیکھو کہ فلان یغرب، اور فلان غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔

رابعا: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف، محدث جی! غریب اور منکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامسا: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجیے یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھیے کہ بخاری ومسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

سادسا: ذرا میزان تو دیکھیے کہ اما بشر بن بکر التینسی فصدوق ثقة لا طعن فیہ یعنی بکر بن تینسی خوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلا کسی وجہ سے طعن نہیں۔ کیوں شرمائے تو ہوگے۔ ایسی ہی اندھیری ڈال کر جاہلوں کو بہکا دیا کرتے ہو کہ حنفیہ کی حدیثیں ضعیف ہیں۔

لطیفہ[۲] ملاجی نے طریق ابن جابر سے سنن نسائی کی حدیث کو ولید بن قاسم سے رد کیا ہے کہ روایت میں اس سے خطا ہوتی تھی، کہا تقریب میں صدوق یخطی۔ **اقول اولا:** مسلمانو! اس تحریف شدید کو دیکھنا اسناد نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا کہ اخبرنا محمود بن خالد، ثنا الولید، ثنا ابن جابر ثنا نافع الحدیث۔۔ ملاجی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلّم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا، حالاں کہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں، رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر بحمد اللہ احتمال یہاں مفقود کہ وہ صراحۃ حدثنا ابن جابر قال حدثنی نافع فرما رہے ہیں۔ میزان میں ہے: الولید بن مسلم ابو العباس الدمشقی احد الاعلام وعالم اهل الشام له مصنفات حسنة قال احمد ما رائیت فی الشامیین اعقل منه وقال ابن المدینی عنده علم کثیر الخ ھ ملخصا۔

ملاجی! در بساط نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست یا سخن دانستہ گو اے مرد غافل یا خموش

تم نے جانا کہ آپ کے کید پر کوئی آگاہ نہ ہوگا ذرا بتائیے تو آپ نے ولید کا ولید بن قاسم کی دلیل سے متعیّن کر لیا کیا اس طبقہ میں اس نام کا رواۃ نسائی میں کوئی اور نہ تھا اگر اب عاجز آکر ہم سے پوچھنا ہو کہ تم نے ولید بن مسلم کیسے جانا اول تو بقانون مناظرہ

جب آپ غاصب منصب ہیں ہم سے سوال کا محل نہیں اور استفادۃً پوچھو تو پہلے اپنی جزاف کا صاف اعتراف کرو پھر شاگردی کیجیے تو ایک یہی کیا بعونہ تعالیٰ بہت کچھ سیکھا دیں وہ قواعد بتا دیں جس سے اسمائے مشترکہ میں اکثر جگہ تعیین نکال سکو۔

ثانیاً بفرض غلط ابن قاسم ہی صحیح پھر وہ بھی کب مستحق رد ہیں، امام احمد نے ان سے روایت کی محدثین کو حکم دیا کہ ان سے حدیث لکھو، ابن عدی نے کہا "اذا روا عن ثقة فلا بأس به" وہ جب کسی ثقہ سے روایت کرے تو اس میں کوئی عیب نہیں اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثاً ذرا رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہوتے کہ ان میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق یخطی بلکہ اس سے زائد کہا ہے، کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا ردہی کر دو گے۔

رابعاً: صحیح بخاری میں ابن مندہ بالذی قبلہ فوھم وھذ ضعیف دیکھو صاف بتا دیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں۔ ملاجی اپنی جہالت سے مردود واہیات گا رہے ہیں۔

لطیفہ[۳] حدیث صحیح نسائی وطحاوی و عیسیٰ ابن ابان بطریق عطاف عن نافع کو عطاف سے معلول کیا کہ وہ وہمی ہے، کہا تقریب میں صدوق یھم اقول اولاً عطاف کو امام احمد و امام ابن معین نے ثقہ کہا و کفی بھما قدوۃ۔ میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسر منقول نہیں۔ ثانیاً کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یھم میں کتنا فرق ہے۔ ثالثاً صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی، تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی ان میں کس قدر ہیں۔ رابعاً بالفرض یہ سب رواۃ مطعون ہی صحیح مگر جب بالیقین ان میں کوئی بھی درجہ سقوط میں نہیں تو تعدد طرق سے پھر حدیث حجت تامہ ہے۔

لطیفہ[۴] اقول وہاں ایک ستم خوش ادائی یہ کی ہے کہ وہ تخمینا برابر ہونا بھی مع سایہ اصلی کہ ہے نہ سایۂ اصلی الگ کر کے وھذ لا یخفی علی من لہ ادنیٰ عقل تو دراصل سایہ ٹیلوں کا بعد نکالنے سایہ اصلی کے تخمینا آدھی مثل ہو گیا یا کچھ زائد اور مثل کے ختم ہونے میں اتنی دیر ہوگی کہ بخوبی فارغ ہوئے ہوں گے۔ ملاجی! ذرا کچھ دنوں جنگل کی ہوا کھاؤ، ٹیلوں کی ہری ہری دوب، ٹھنڈے وقت کی سنہری دھوپ دیکھو کہ آنکھوں کے تیور ٹھکانے آئیں علما تو فرما رہے ہیں کہ ٹیلوں کا سایہ پڑتا ہی نہیں جب تک آدھے سے زیادہ وقت ظہر نہ نکل جائے، ملاجی ان کے لیے ٹھیک دوپہر کا سایہ بتا رہے ہیں اور یہ بھی تھوڑا اور نہ بہت آدھی مثل جبھی تو کہتے ہیں کہ وہابی ہو کر آدمی کی عقل ٹیلوں کا سایہ زوال ہو جاتی ہے۔

لطیفہ[۵] ملاجی کی یہ ساری کارگزاریاں حیاداریاں حدیث صحیح عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق تھیں، حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا مروی امام طحاوی و نیز امام احمد و ابن ابی شیبہ استادان بخاری و مسلم کے رد کو پھر وہی معمولی شگوفہ چھوڑا کہ ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیاد موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا قالہ الحافظ فی التقریب۔ اقول اولاً تقریب میں صدوق کہا تھا وہ صدوق میں رہا۔ ثانیاً وہی اپنی وہمی نزاکت کہ لہ اوھام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔ ثالثاً وہی صحیحین سے پرانی عداوت تقریب دور نہیں، دیکھیے تو کتنے رجال بخاری و مسلم کو یہی صدوق لہ اوھام کہا ہے۔ رابعاً مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے۔ امام ابن معین و امام نسائی

دونوں صاحبوں نے باآں تشدد شدید فرمایا لیس به بأس اس میں کوئی برائی نہیں۔ زاد یحیٰ له حدیث واحد منکر اس کی صرف ایک حدیث منکر ہے، لاجرم وکیع نے ثقہ ابوداؤد نے صالح ابن عدی نے عندی لا بأس به کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں، اگرچہ درجۂ صحاح پر بالغ نہ ہو، جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی ابواحمد حاکم نے لیس بالمتین عندھم کہا الا انه لیس بقوی لیس بمتین۔ حافظ نے ثقہ سے درجۂ صدوق میں رکھا، اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

الحجة المؤتمنة میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ مسجد میں ذمی کافر کا داخلہ جائز ہے یعنی ذمی کتابی کا اس حدیث کی سند کو امام بدرالدین عینی نے جید کہا تھا، حالاں کہ تقریب التہذیب میں اس سند میں وارد اشعث بن سوار کو ضعیف بتایا گیا ہے، اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا:

اس حدیث کی سند ہمارے اصول پر جید ہے، ہمارے لیے جائز نہیں کہ محدثین کی خاطر اپنے اصول ترک کردیں، چہ جائے کہ متاخرین علما میں سے ایک شافعی عالم کے قول کے سبب۔ پھر اشعث بن سوار کی تعدیل وتوثیق میں فرمایا: یہ امام شعبہ امام ثوری اور یزید بن ہارون وغیرہم جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کے استاد ہیں اور امام شعبہ کا روایت حدیث میں محتاط ہونا خوب معلوم ہے، اشعث کی جلالت شان کے پیش نظر ہی ان کے شیخ ابواسحاق سبیعی نے ان سے روایت کی، حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ اشعث مجالد سے اثبت ہیں، ابن مہدی نے کہا یہ مجالد سے ارفع ہیں اور مجالد صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں، ابن معین کہتے ہیں مجھے اسماعیل بن مسلم سے زیادہ محبوب ہیں، امام عجلی کہتے ہیں حدیث میں محمد بن سالم سے امثل ہیں، ابن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہیں، عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں صدوق ہیں ابن شاہین نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے ابن عدی کہتے ہیں میں نے ان کی کسی حدیث کو منکر نہیں پایا، بزار کہتے ہیں ہم کسی ایسے محدث کو نہیں جانتے جنھوں نے ان کی حدیث کو چھوڑا ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اشعث کے بارے میں یہ توثیق وتعدیل تو منقول ہے، لیکن کوئی جرح مفسر مذکور نہیں، لہذا ان کی یہ حدیث حسن ہے۔

[۴]۔ مصافحہ کے سلسلے میں حدیث نقل فرماکر نہایت نفیس تحقیق فرمائی اور ارشاد فرمایا:

”حدیث میں لفظ ید اگرچہ واحد ہے لیکن استعمال دونوں ہاتھ کے لیے شائع وذائع ہے۔ تو اس حدیث کے ذریعے ایک ہاتھ سے مصافحہ ہرگز ثابت نہیں، پھر فرماتے ہیں یہ اس وقت ہے کہ حدیث مذکور کو قابل احتجاج مان بھی لیں ورنہ اگر نقد وتنقیح پر آیئے تو وہ ہرگز نہ صحیح ہے، نہ حسن بلکہ ضعیف ومنکر ہے۔ مدار اس کا حنظلہ بن عبداللہ سدوسی پر ہے اور حنظلہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام یحیٰ بن سعید قطان نے کہا ترکته عمدا کان قد اختلط میں نے اس کو عمداً متروک کیا۔ صحیح الحواس نہ رہا تھا۔ امام احمد نے فرمایا: ضعیف منکر الحدیث ہے یحدث باعاجیب تعجب خیز روایتیں لاتا ہے۔ امام یحیٰ بن معین نے کہا: لیس بشیء تغیر فی آخر عمرہ کوئی چیز نہ تھی آخر عمر میں متغیّر ہوگئی تھی، امام نسائی نے کہا ”ضعیف“ ایک بار فرمایا لیس بقوی۔ یہ تمام تفصیلات امام ذہبی نے میزن الاعتدال میں ذکر فرمائیں یوں ہی امام ابوحاتم نے کہا: قوی نہیں ہے اور آخر میں خاتم الحفاظ امام ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں اس کے ضعف پر جزم فرمایا، یہ ہے نقد رجال پر امام احمد رضا محدث

بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمیق نگاہ کہ سات ائمہ حدیث کے اقوال سے حنظلہ سدوسی پر جرح مفسر ومبہم نقل فرمائی۔

[۵]۔ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں وارد حدیث جو حضرت سالم بن عبداللہ سے مروی ہے، اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

حق یہ کہ یہ حدیث موضوع نہیں، اس کی سند میں نہ کوئی وضاع ہے نہ متہم بالوضع نہ کوئی کذاب ہے نہ متہم بالکذب، نہ اس میں عقل یا نقل کی اصلا مخالفت لاجرم اسے امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین السیوطی نے جامع صغیر میں ذکر فرمایا، جس کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: میں نے اس کتاب میں پوست چھوڑ کر خالص مغز لیا ہے اور اسے ہر ایسی حدیث سے بچایا ہے جسے تنہا کسی وضاع یا کذاب نے روایت کیا ہے، اس کے بعد ابن النجار کے حوالے سے اس حدیث کی مکمل سند بیان فرمائی، جس میں چار راوی عباس بن کثیر ابوبشر بن سیار محمد بن مہدی مروزی اور مہدی بن میمون کے بارے میں خاتم الحفاظ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی کا قول نقل کیا کہ یہ مجہول ہیں اور اسی وجہ سے علامہ ابن حجر اس حدیث کو منکر بلکہ موضوع کہتے ہیں۔

اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کی باادب تنقید وتحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر پر رحم فرمائے کہ انہوں نے اس حدیث کو موضوع کیسے کہہ دیا جب کہ اس کی سند میں کوئی وضاع ہے نہ کوئی متہم بالوضع، نہ کوئی کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ نیز اس کا مفہوم بھی عقلا و شرعا محال نہیں، محض راوی کے مجہول ہونے سے حدیث موضوع نہیں ہو جاتی کہ فضائل میں بھی قابل استدلال نہ رہے، حالاں کہ خود حافظ ابن حجر نے القول المسدد میں ایسی دو حدیثیں جس کے راوی مجہول مضطرب الحدیث کثیر الخطا فاحش الوہم ہیں، یا غلط احادیث منسوب کرنے میں پیش پیش ہیں، ان کو موضوع نہیں کہا بلکہ یوں فرمایا کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو ان احادیث کو موضوع ہونے کا فیصلہ کرے بلکہ دوسری حدیث کے لیے تو یہ فرمایا کہ اس حدیث میں تو ایسا کوئی مضمون بھی نہیں جسے عقل وشرع محال قرار دیتی ہو اور یہ احادیث باب فضائل کی ہیں لہذا مقبول۔

واضح رہے کہ باب فضائل میں خود امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس نوعیت کی حدیثوں کو اختیار فرمایا اور ان سے احتجاج و استدلال کیا ہے اور عمامہ والی حدیث بھی چوں کہ اسی قبیل سے ہے، اس لیے امام ابن حجر یہاں بھی وہی روش اختیار کرتے تو بہتر ہوتا۔ اسی وجہ سے امام احمد رضا محدث بریلوی نے اخیر میں یہ فیصلہ کن عبارت تحریر فرمایا کہ:

’’یہی بات عمامہ والی حدیث میں کیوں نہیں کہی گئی، حالاں کہ یہ بھی باب فضائل سے ہے اور اس میں بھی کوئی بات ایسی نہیں جو شرعا وعقلا محال ہو بلکہ اس حدیث کے راویوں میں تو اس طرح کے وجوہ طعن بھی منقول نہیں جو ابن حجر کی پیش کردہ ہیں،،

غور فرمائیے! اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے کیسی تنقید فرمائی اور خود انہی کے قول سے اپنے مدعا کا ثبوت فراہم کر دیا، بلاشبہہ ایسی تحقیقات عالیہ، تدقیقات جلیلہ اور ہر فن میں مہارت تامہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حصہ ہے اور علوم وفنون کے بحر عمیق سے جواہر عالیہ چن چن کر صفحۂ قرطاس کی لڑی میں پرو دینا ان کا کمال ہے، ان کے مولیٰ رب ذوالجلال کا ان پر جود ونوال ہے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

*****

امام احمد رضا ایک عظیم ناقد حدیث

محمد عارف حسین مصباحی: الجامعۃ المخدومیہ سراج العلوم، جاج مئو، کان پور، یوپی

حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میمون میں ہی تحمل حدیث کے دو طریقے پائے جاتے تھے۔ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے سینوں میں احادیث کریمہ کا لازوال اور بیش قیمت ذخیرہ محفوظ کیا اور پوری امانت و دیانت کے ساتھ ان کی روایت بھی کی۔ کثرت سے روایت کرنے والے نفوس قدسیہ میں حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسمائے گرامی وقار سرفہرست ہیں۔ اور کچھ صحابہ کرام عہد رسالت مآب ہی میں حدیثیں لکھتے تھے۔ ان حضرات میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اسم گرامی بڑی اہمیت کے ساتھ کتب احادیث میں مرقوم و مسطور ہے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کے فیوض و برکات سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سینے صاف و شفاف تھے، آپس میں ایک دوسرے پر ایسا اعتماد تھا کہ ایک دوسرے سے حدیثیں سنتے اور حق مان کر ان پر عمل پیرا ہوتے۔ یہ مقدس و مہتم بالشان سلسلہ خلفائے ثلاثہ، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق، امیر المومنین حضرت فاروق اعظم اور امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور مسعود تک جاری رہا۔ اس درمیان دشمنان اسلام انتھک کوششوں کے باوجود حدیثیں نہیں گڑھ سکتے تھے، اور نہ ان میں کبھی ایسی جرأت ہوئی، اگر گڑھتے بھی تو کبار صحابہ فوراً ان کی گرفت کرتے اور ان سے مواخذہ ہوتا۔

مگر جب امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت طیبہ ئی، تو دنیا میں مختلف و متنوع فتنے بپا ہو گیے، امت مرحومہ مغفورہ کا شیرازہ از حد پاش پاش ہو گیا، جس کی وجہ سے معاندین اسلام کو احادیث گڑھنے کا موقعہ مل گیا، معروف و مشہور محدث حماد بن زید نے فرمایا: وضعت الزنادقة علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اربعة عشر الف حديث.

ترجمہ: زنادقہ نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چودہ ہزار حدیثیں گڑھیں۔ [تدریب الراوی، ص:۲۵۲]

عبدالکریم بن ابی العوجاء جسے خلیفہ مہدی کے دور میں وضع حدیث کے جرم عظیم کی پاداش میں قتل کیا گیا اس کے بارے میں یہ صراحت ہے کہ جب اسے گرفتار کیا گیا تو اس نے بزبان خود یہ اعتراف کیا:

وضعت فيكم اربعة آلاف حديث احرم فيها الحلال و احلل فيها الحرام.

ترجمہ: میں نے تم میں چار ہزار حدیثیں گڑھی ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے۔[تدریب الراوی، ص:۲۵۲]

روافض نے اہل بیت کے فضائل میں بے شمار حدیثیں گڑھیں اور ان کے مقابلہ میں نواصب اور جماعت اہل سنت کے کچھ جاہلوں نے حضرت امیر معاویہ بلکہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فضائل میں حدیثیں وضع کیں۔ لسان المیزان میں امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسا ہی تحریر فرمایا ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حافظ ابو یعلی اور حافظ خلیلی کے حوالے سے یہ صراحت فرمائی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل میں رافضیوں نے تقریباً تین لاکھ حدیثیں وضع کیں۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۲،ص:۴۴۲، رسالہ مبارکہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین]

فتح المغیث میں شیخ الاسلام زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابو سعید مدائنی کے بارے میں تحریر فرمایا کہ وہ جاہ وحشم، دولت و ثروت اور مال و منال کی تحصیل کے لیے حدیثیں وضع کرتا تھا۔ مامون مروزی نے بھی خلفاو حکام اور امراء و سلاطین کی رضا جوئی کے لیے حدیثیں گڑھی ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے خراسان میں شافعیوں کی کثرت کی وجہ سے جل بھن کر یہ حدیث گڑھی تھی۔ کہ مجھ سے احمد بن عبید نے حدیث بیان کی، ان سے عبید اللہ بن معدان ازدی نے بیان کی، انہوں نے حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علی امتی من ابلیس ،، ترجمہ: میری امت میں ایک شخص محمد بن ادریس [حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ] ہو گا وہ میری امت کے لیے شیطان سے بھی زیادہ نقصان دہ ہو گا۔ نعوذ باللہ من ھٰذ القول الشنیع الفظیع ۔[فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، ص:۱۲۲-۱۲۸]

اس طرح مختلف اغراض و مقاصد کے لیے وضع احادیث کے کثیر وعیدوں کے باوجود بے شمار ناخلفوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ہی سے وضع حدیث کا شنیع و مذموم سلسلہ شروع کر دیا، جس کی وجہ سے یہ ضرورت از حد شدت کے ساتھ محسوس کی جانے لگی کہ احادیث کی تحقیق و تفتیش کی جائے، اسانید و متون کا تعمق نظر سے جائزہ لیا جائے، راویان حدیث کا حسب حقیقت تزکیہ و تعدیل یا طعن و تجریح کی جائے اور کھرے، کھوٹے کے مابین خط فاصل کھینچ دیا جائے۔ چنانچہ محدثین کرام میں رب قدیر کے فضل و کرم سے ایسے عباقر اور نابغۂ روزگار شخصیات پیدا ہوئیں، جن کو علوم حدیث میں کامل مہارت تھی، عام و تام درک تھا، روایت و درایت پر بڑی گہری نگاہ رکھتے، رجال کے احوال و کوائف پر انہیں کامل اطلاع حاصل تھی، شریعت طاہرہ کے تحفظ و دفاع کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب علیہ التحیۃ والثنا کی رضا جوئی کے جذبوں کے ساتھ انتہائی امانت و دیانت سے نقد احادیث کا صد رشک کام انجام دیے۔ اجلۂ محدثین نے اپنی تصنیفات میں طلب اسناد اور جرح و تعدیل سے متعلق مستقل ابواب قائم کیے بلکہ خاص جرح و تعدیل کے موضوع پر عظیم الشان کتابیں تصنیف کیں۔ ان

نفوس قدسیہ کی ایک طویل فہرست ہے مگر سر دست راقم الحروف کا منشود اور مطمح نظر مجد د اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات مجمع فضائل ومحاسن ہے۔ محدث بریلوی امام احمد رضا رحمہ اللہ کی تصانیف خصوصًا فتاویٰ رضویہ میں جرح وتعدیل سے متعلق خاصًا ذخیرہ موجود ہے۔ اصول وضوابط کے ساتھ ساتھ کثیر عادل وثقہ اور مجروح ومطعون راویوں کی بھی معتمد کتب واسفار کی روشنی میں نشان دہی کی گئی ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اسی کا ایک سر سری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

جرح وتعدیل کا مفہوم

جرح کا لغوی مفہوم: جرح ... جرحاً، باب فتح سے ہے، جس کے معنی ہیں: زخمی کرنا۔ جرح بلسانه،، اس وقت بولا جاتا ہے، جب کہ زبان سے کسی کو سب وشتم کیا جائے، اسی سے: جرح الشاهد،، ہے۔ یہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب گواہ کو مطعون اور عیب دار قرار دے کر اس کے قول اور گواہی کو کالعدم کر دیا جائے۔

جرح کا اصطلاحی مفہوم: جامع الاصول میں ہے: الجرح وصف متى التحق بالراوى والشاهد سقط الاعتبار بقوله، وبطل العمل به.

یعنی راوی اور شاہد میں ایسا وصف بتانا جس کی وجہ سے اس کی روایت نا قابل اعتبار ہو جائے، اور اس پر اعتماد کرنا باطل ٹھہرے۔ [جامع الاصول، ج:۱، ص:۸۵]

تعدیل کا لغوی مفہوم: تعدیل کے معنی ہیں: اچھا، ستھرا بتانا۔ عدل فلا نا،، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے، جب کوئی کسی کا تزکیہ کرے اور اسے عادل اور بے عیب بتائے۔

تعدیل کا اصطلاحی مفہوم: جامع الاصول میں ہے: التعدیل: وصف متى التحق بهما اعتبر قولهما وأخذ به،، ترجمہ: تعدیل ایسا وصف ہے جو راوی اور شاہد میں متحقق ہو تو اس کی بات مان لی جائی اور قابل عمل ہو جائے۔ [مصدر سابق]

جرح کا شرعی حکم

جرح سے کسی کی غیبت، عیب جوئی اور طعن وتشنیع ہر گز مقصود نہیں، بلکہ محض تحفظ شریعت اور دفاع شریعت مقصود ہے، اور یہ ایک دینی ضرورت ہے جو نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ احادیث کریمہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: [أترعون عن ذكر الفاجر اذكروه بما فيه يعرفه الناس. وفى كنز العمال: يحذره الناس۔

ترجمہ: حضرت بھز بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم فاسقوں کے فسق وفجور کو بیان کرنے سے پہلوتہی کرتے ہو، فاسق کا فسق خوب بیان کرو تاکہ لوگ اسے پہچانیں اور اسے پرہیز کریں۔ [المعجم الکبیر، ج:۱۹، ص:۴۱۸، حدیث:۱۶۶۸۰/کنز العمال، ج:۳، ص:۵۹۵، حدیث:۸۰۶۸]

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: ليس للفاسق غيبة.

ترجمہ: حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاسق وفاجر کے عیب بیان کرنا غیبت نہیں۔ [المعجم الکبیر، ج:۱۹، ص:۴۱۸، حدیث:۱۶۶۸۱/کنزالعمال، ج:۳، ص:۵۹۵، حدیث:۸۰۷۱]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا:

اعلم ان جرح الرواۃ جائز بل واجب بالاتفاق للضرورۃ الداعیۃ الیہ لصیانۃ الشریعۃ المکرمۃ و لیس ھو من الغیبۃ المحرمۃ بل من النصیحۃ للہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والمسلمین ولم تزل فضلاء الامۃ واخیارھم و اھل الورع منھم یفعلون ذلک کما ذکر مسلم فی ھذاالباب عن جماعات منھم ما ذکرہ.

ترجمہ: راویوں کی جرح جائز بلکہ بالاتفاق واجب ہے، اس لیے کہ شریعت طاہرہ کے تحفظ کے لیے ضرورت اس بات کی داعی ہے۔ اور یہ عمل غیبت محرمہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی خیر خواہی سے ہے، امت مرحومہ کے فضلا، اخیار، اہل زہد وورع برابر یہ عمل کرتے آئے ہیں۔ [المنہاج شرح مسلم، ج:۱، ص:۲۰]

بہار شریعت میں ردالمحتار سے ہے: حدیث کے راویوں اور مقدمہ کے گواہوں اور مصنفین پر جرح کرنا اور ان کے عیوب بیان کرنا جائز ہے، اگر راویوں کی خرابیاں بیان نہ کی جائیں تو حدیث صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح مصنفین کے حالات نہ بیان کیے جائیں تو کتب معتمدہ وغیر معتمدہ میں فرق نہ رہے گا۔ گواہوں پر جرح نہ کی جائے تو حقوق مسلمین کی نگہداشت نہ ہو سکے گی، اول سے آخر تک گیارہ صورتیں وہ ہیں، جو بظاہر غیبت ہیں اور حقیقت میں غیبت نہیں اور ان میں عیوب کا بیان کرنا جائز ہے، بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے۔ [ردالمحتار، ج:۹، ص:۵۰۱، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع/بہار شریعت، حصہ:۱۶، ص:۱۵۳]

جرح وتعدیل سے متعلق کچھ رہنما اصول تصانیف رضا کی روشنی میں

راوی کا مبہم ہونا موجب وضع نہیں، صرف مورث ضعف ہے:

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

خیر جہالت راوی کا تو یہ حاصل تھا کہ شاگرد ایک یا عدالت مشکوک شخص تو معین تھا کہ فلاں ہے، مبہم میں تو اتنا بھی نہیں، جیسے حدثنی رجل [مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی] یا بعض اصحابنا [ایک رفیق نے خبر دی] پھر یہ بھی صرف مورثِ ضعف ہے نہ کہ موجبِ وضع۔

امام الشان علامہ ابنِ حجر عسقلانی رسالہ قوۃ الحجاج فی عموم المغفرۃ للحجاج پھر خاتم الحفاظ لآلی میں فرماتے ہیں:

لا یستحق الحدیث ان یؤ ۰ وصف بالوضع بمجرد ان روایہ لم یسم .

ترجمہ: صرف راوی کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے حدیث موضوع کہنے کی مستحق نہیں ہوجاتی۔[اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، کتاب اللباس، مطبعۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر، ج:۲، ص:۲۶۴/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۱۰۴، رسالہ: منیر العین]

تعددِ طرق سے حدیث مبہم کا ضعف ختم ہوجاتا ہے:

منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں ہے:

تعددِ طرق سے مبہم کا جبر نقصان ہوتا ہے ولہذا تصریح فرمائی کہ حدیث مبہم کا طرق دیگر سے جبر نقصان ہوجاتا ہے، تعقبات میں زیر حدیث: اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ [حسین چہرے والوں سے بھلائی طلب کرو۔] کہ عقیلی نے بطریق یزید بن ھارون: قال انبأنا شیخ من قریش عن الزھری عن عائشۃ رضی اللہ عنھا روایت کی، فرمایا: اوردہ [یعنی اباالفرج] من حدیث عائشۃ من طرق، فی الاول رجل لم یسم، وفی الثانی عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی متروک، وفی الثالث الحکم بن عبداللہ الایلی احادیثہ موضوعۃ، قلت عبدالرحمٰن لم یتھم بکذب، ثمّ انہ ینفرد بہ بل تابعہ اسمٰعیل بن عیاش وکلاھما یجبران ابھام الذی فی الطریق الاول،، مختصرا۔

ترجمہ: اسے ابوالفرج نے حدیثِ عائشہ سے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے، پہلی سند میں مجہول شخص ہے [نامعلوم] اور دوسری میں عبدالرحمن بن ابی بکر الملیکی متروک راوی ہے، تیسری میں حکم بن عبداللہ الایلی ہے جس کی احادیث موضوع ہیں، میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمن متہم بالکذب نہیں، پھر وہ اس میں منفرد بھی نہیں بلکہ اسمٰعیل بن عیاش نے اس کی متابعت کی ہے اور ان دونوں نے اس ابہام کی کمی کا ازالہ کردیا جو سند اول میں تھا اھ مختصراً [التعقبات علی الموضوعات، باب الادب والرقائق، ص:۳۵/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۱۰۴، رسالہ منیر العین]

حدیث مبہم دوسری حدیث کی مقوی ہوسکتی ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

بلکہ وہ خود حدیثِ دیگر کو قوّت دینے کی لیاقت رکھتی ہے استاذ الحفّاظ تو الحجاج پھر خاتم الحفاظ تعقبات میں فرماتے ہیں:

رجالہ ثقات الا ان فیہ مبھما لم یسم فان کان ثقۃ فھو علی شرط الصحیح، وان کان ضعیفا فھو عاضد للمسند المذکور۔

ترجمہ: اس کے رجال ثقہ ہیں مگر اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام معلوم نہیں ہے پس اگر وہ ثقہ ہے تو یہ صحیح کے شرائط پر ہے اور اگر وہ ثقہ نہیں تو ضعیف ہے مگر سندِ مذکور کو تقویت دینے والی ہے۔[التعقبات علی الموضوعات، باب الحج، ص:۲۴/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۱۰۴، رسالہ منیر العین]

ضعف رواۃ کے سبب حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے:

امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیر العین میں فرمایا:

پھر علما کی تصریح ہے کہ مجرد ضعف رواۃ کے سبب حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم و جزاف ہے، حافظ سیف الدین احمد بن ابی المجد پھر قدوۃ الفن شمس ذہبی اپنی تاریخ پھر خاتم الحفاظ تعقبات ولآلی و تدریب میں فرماتے ہیں:

صنف ابن الجوزی کتاب الموضوعات فاصاب فی ذکر احادیث مخالفة للنقل والعقل، ومما لم یصب فیه اطلاقه الوضع علی احادیث بکلام بعض الناس فی رواتها، کقوله فلان ضعیف اولیس بالقوی اولین ولیس ذلك الحدیث ممایشهد القلب ببطلانه ولا فیه مخالفة ولا معارضة لکتاب ولا سنة ولا اجماع ولا حجة بانه موضوع سوی کلام ذلك الرجل فی رواته وھٰذا عدوان ومجازفة،،

ترجمہ: ابن جوزی نے کتاب الموضوعات لکھی تو اس میں انہوں نے ایسی روایات کی نشان دہی کر کے بہت ہی اچھا کیا جو عقل و نقل کے خلاف ہیں، لیکن بعض روایات پر وضع کا اطلاق اس لیے کر دیا کہ ان کے بعض راویوں میں کلام تھا، یہ درست نہیں کیا، مثلاً راوی کے بارے میں یہ قول کہ فلاں ضعیف ہے یا وہ قوی نہیں یا وہ کمزور ہے یہ حدیث ایسی نہیں کہ اس کے بطلان پر دل گواہی دے نہ اس میں مخالف ہے نہ یہ کتاب و سنّت اور اجماع کے معارض ہے اور نہ ہی یہ اس بات پر حجت ہے کہ یہ روایت موضوع ہے ماسوائے راویوں میں اس آدمی کے کلام کے اور یہ زیادتی و تخمین ہے۔

[تدریب الراوی، النوع الحادی والعشرون، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ،ج:۱،ص:۲۷۸/التعقبات علی الموضوعات، باب فضائل القرآن ص:۸/فتاویٰ رضویہ مترجم ،ج:۵،ص:۱۰۴،رسالہ منیر العین]

کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر ضعف کو مستلزم نہیں :

منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں ہے:

کتابیں کہ بیان احادیث موضوعہ میں تالیف ہوئیں دو قسم ہیں:

ایک :وہ جن کے مصنفین نے خاص ایراد موضوعات ہی کا التزام کیا جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی واباطیل جوزقانی وموضوعات صغانی ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنّف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحةً نفی موضوعیت نہ کردی ہو ایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجا ہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے پھر اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعمِ مصنّف میں موضوع ہے بہ نظر واقع عدمِ صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضعف نہ کہ سقوط نہ کہ بطلان ان سب کتب میں احادیث ضعیفہ درکنار بہت احادیث حسان وصحاح بھر دی ہیں اور محض بے دلیل اُن پر حکمِ وضع لگادیا ہے جسے ائمہ محققین و نقاد منقحین نے بدلائل قاہرہ باطل کر دیا جس کا بیان مقدمہ ابن الصلاح وتقریب امام نووی والفیہ امام عراقی وفتح المغیث امام سخاوی وغیرہا تصانیف علما سے اجمالاً اور تدریب امام خاتم الحفاظ سے قدرے مفصلاً اور انہی کی تعقبات ولآلی مصنوعہ والقول الحسن فی الذب عن السنن وامام الشان کے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد وغیرہا سے بنہایت تفصیل واضح و روشن مطالعہ تدریب سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اور تصانیف درکنار خود صحاح ستّہ و مسند امام

احمد کی چوراسی ۸۴ حدیثوں کو موضوع کہ دیا جن کی تفصیل یہ ہے:

[۱]۔ مسند امام احمد۔ ۳۸ [۲]۔ صحیح بخاری شریف بروایت حماد بن شاکر۔ ۱ [۳]۔ صحیح مسلم شریف۔ ۱ [۴] سنن ابی داوٗد۔ ۴ [۵]۔ جامع ترمذی۔ ۲۳ [۶] سنن نسائی شریف۔ ۱ [۷]۔ سنن ابن ماجہ۔ ۱۶۔

دوم: وہ جن کا قصد صرف ایراد موضوعات واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکم وضع کی تحقیق وتنقیح جیسے لآلی امام سیوطی یا نظر وتنقید کے لیے اُن احادیث کا جمع کر دینا جن پر کسی نے حکم وضع کیا۔ بُر ظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع ہی تنہا ایراد موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سند متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضعف یا سقط یا بطلان کیا نکلتا ہے مثلاً: لا یصح [یہ صحیح نہیں۔] یا: لم یثبت،، [یہ ثابت نہیں۔] یا سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضعف معلوم ہُوا، اور اگر رفعہ،، کی قید زائد کر دی تو صرف مرفوع کا ضعف اور بنظرِ مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہُوا، وعلیٰ ہذا القیاس اور کچھ کلام نہ کیا تو امر محتاج نظر وتنقیح رہے گا،، ملخصًا [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۵۴۹، ۵۴۸، رسالہ میمونہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

سند کا منقطع ہونا مستلزمِ وضع نہیں:

ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علما کے نزدیک تو انقطاع سے صحت وحجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔ اور جو اُسے قادح جانتے ہیں وہ بھی صرف مورثِ ضعف مانتے ہیں نہ کہ مستلزم موضوعیت، مرقاۃ شریف میں امام ابن حجر مکی سے منقول لا یضر ذلک فی الاستدلال بہ ھھنا لان المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعا،، یعنی یہ امر یہاں کچھ استدلال کو مضر نہیں کہ منقطع پر فضائل میں تو بالاجماع عمل کیا جاتا ہے۔ [مرقاۃ المفاتیح، الفصل الثانی من باب الرکوع، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ج:۲، ص:۳۱۵] ملخصًا۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۴۸، افادہ:۳، رسالہ: منیر العین فی تقبیل الابھامین]

حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں:

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

انقطاع تو ایک امر سہل ہے جسے صرف بعض نے طعن جانا، علما فرماتے ہیں: حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ دربارہ فضائل مقبول رہے گی۔ بلکہ فرمایا کہ مدرج بھی موضوع سے جُدا قسم ہے، حالانکہ اُس میں تو کلام غیر کا خلط ہوتا ہے۔

تعقبات میں ہے: المضطرب من قسم الضعیف لا الموضوع.

ترجمہ: مضطرب، حدیث ضعیف کی قسم ہے موضوع نہیں۔ [التعقبات علی الموضوعات، باب الجنائز، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ، ص:۶۲]

اُسی میں ہے: المنکر نوع اٰخر غیر الموضوع وھو من قسم الضعیف.

ترجمہ: منکر، موضوع کے علاوہ ایک دوسری نوع ہے جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے۔ [التعقبات علی الموضوعات، باب

الاطعمہ، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ، ص:۳۰][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۵۱، ۴۵۰، منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہے، موضوع نہیں:

ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف مہتم بالوضع یا کذاب دجال کا مرتبہ ہے۔

میزان میں ہے: اردی عبارات الجرح، دجال کذاب، او وضاع یضع الحدیث ثم متھم بالکذب ومتفق علی ترکہ، ثم متروک.

ترجمہ: جرح کے سب سے گھٹیا الفاظ یہ ہیں، دجال، کذاب، وضاع جو حدیثیں گھڑتا ہے اس کے بعد متہم بالکذب ومتفق علی ترکہ ہے پھر متروک کا لفظ ہے۔[میزان الاعتدال، مقدمۃ الکتاب، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ج:۱، ص:۴]

اس پر بھی علمانے تصریح فرمائی کہ متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہی ہے موضوع نہیں۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۵۷، ۴۵۶، افادہ:۹، منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں:

یوں ہی منکر الحدیث، اگرچہ یہ جرح امام اجل محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمائی ہو حالانکہ وہ ارشاد فرما چکے کہ میں جسے منکر الحدیث کہوں اُس سے روایت حلال نہیں، بلاشبہ علمانے فرمایا ایسے کی حدیث بھی موضوع نہیں، تعقبات میں ہے: قال البخاری منکر الحدیث، فغایۃ امر حدیثہ ان یکون ضعیفا.

ترجمہ: بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کی حدیث ضعیف ہوگی[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۵۵، رسالہ مبارکہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے
جو اصل حدیث کے موضوع اور ضعیف ہونے کو مستلزم نہیں:

منیر العین میں ہے:

جو حدیث فی نفسہٖ ان پندرہ دلائل [وضع کی صورتوں] سے منزّہ ہو محدّث اگر اُس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اُس سند پر جو اُس وقت اس کے پیشِ نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث اگرچہ فی نفسہٖ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع وباطل اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل حاصل ائمہِ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کو حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے، ناواقفوں کی فہم سخیف ہے،۔۔۔۔اگر بالفرض کسی امام معتمد کے کلام میں حکمِ وضع واقع ہُوا ہو تو وہ صرف کسی سند خاص کی نسبت ہوگا نہ اصل حدیث پر جس کے لیے کافی سندیں موجود ہیں جنہیں وضع واضعین سے کچھ تعلق نہیں کہ جہالت وانقطاع اگر ہیں تو مورِثِ ضعف نہ کہ مثبت وضع۔ بعونہٖ تعالیٰ یہاں تک کی تقریر سے موضوعیتِ حدیث کی نسبت منکرین

کی بالاخوانیاں بالا بالا گئیں، آگے چلیے وباللہ التوفیق۔ ملخصًا [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۶۸۔۴۷۲، منیر العین]

حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنٰی نہیں کہ غلط ہے:

محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلٰی درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت ودشوار اور موانع وعلائق کثیر وبسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور اِن سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرمادیتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں یعنی اس درجہ علیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حَسَن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حَسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عند التحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد واحتجاج کی پُوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اُسے صحیح نہیں کہتے برابر اُس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں،

[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۳۶۔۴۳۹، افادہ:۱، رسالہ مبارکہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

حدیث کے صحیح نہ ہونے اور موضوع ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے:

اعلٰی حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

خیر بات دُور پڑتی ہے کہنا اس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں تو انکارِ صحت سے اثباتِ وضع ماننا زمین وآسمان کے قلابے ملانا ہے، بلکہ نفیِ صحت اگر بمعنی نفیِ ثبوت ہی لیجئے یعنی اُس فرقہ محدثین کی اصطلاح پر جس کے نزدیک ثبوت صحت وحسن دونوں کو شامل، تاہم اُس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ صحیح وحسن نہیں نہ کہ باطل وموضوع ہے کہ حسن موضوع کے بیچ میں بھی دُور دراز میدان پڑے ہیں۔

لہٰذا کلماتِ علما سے اس روشن مقدمہ کی تصریحیں لیجیے:

امام سند الحفّاظ وامام محقق علی الاطلاق وامام حلبی وامام مکی وعلامہ زرقانی وعلامہ سمہودی وعلامہ ہروی کی عبارات کہ ابھی مذکور ہُوئیں بحکم دلالۃ النص وفحوی الخطاب اس دعوٰی بینہ پر دلیل مبین کہ جب نفیِ صحت سے نفیِ حسن تک لازم نہیں تو اثباتِ وضع تو خیال محال سے ہمدوش وقرین۔ تاہم عبارات النص سُنئے

امام بدرالدین زرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح پھر امام جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ پھر علامہ علی بن محمد بن عراق کنانی تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ الموضوعہ پھر علامہ محمد طاہر فتنی خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، فان الوضع اثبات الکذب والاختلاق، وقولنا لم یصح لایلزم منه اثبات العدم، وانما هو اخبار عن عدم الثبوت، وفرق بین الامرین.

یعنی ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا بل ہے، کہ موضوع کہنا تو اسے کذب وافتراء ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے نفیِ حدیث لازم نہیں، بلکہ اُس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے، اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔[مجمع بحارالانوار، فصل وعلومہ واصطلاحتہ، نول کشور لکھنؤ، ج: ۳، ص: ۵۰۶][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۵، ص: ۴۳۶۔ ۴۴۳، افادہ: ۱، رسالہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

عقائد میں حدیث احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں:

مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین در کار، علّامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علیٰ جمیع الشرائط المذکورة فی اصول الفقه لایفید الا الظن ولاعبرة بالظن فی باب الاعتقادات.

ترجمہ: حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔[شرح عقائد نسفی، بحث تعداد الانبیاء، مطبوعہ دارالاشاعت العربیۃ قندھار، ص: ۱۰۱]

مولانا علی قاری منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں: الاحاد لاتفید الاعتماد فی الاعتقاد.

ترجمہ: احادیث احاد دربارہ اعتقاد ناقابلِ اعتماد۔[منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر، الانبیاء منزهون عن الکبار والصغائر، مصطفی البابی مصر، ص: ۵۷][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۵، ص: ۴۷۸، افادہ: ۱۶، منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

دربارۂ احکام ضعیف کافی نہیں

منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں ہے:

دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لیے اگرچہ اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہئے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔[مصدر سابق]

فضائل ومناقب میں باتفاق علما حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے:

محدث بریلوی امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ علما ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خُوبی بیان ہوئی کہ اُنھیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کام کر کے اسے پایہ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشی، جیسے بعض جاہل بول اُٹھے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ اُن کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیز ومسلم

کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے، رسالہ قاری و مرقاۃ و شرح ابنِ حجر مکی و تعقبات وآلی امام سیوطی و قول مسدّد امام عسقلانی کی پانچ عبارتیں افادہ دوم و سوم و چہارم و دہم میں گزریں، عبارتِ تعقبات میں تصریح تھی کہ نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائلِ اعمال میں مقبول ہے، بآنکہ اُس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر ہے۔۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۷۹۔۴۸۱، منیر العین]

تعدّدِ طُرق سے ضعیف حدیث قوی ہوکر حسن ہوجاتی ہے:

حدیث اگر متعدّد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کرلیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایت شدّت وقوّت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہوکر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکامِ حلال وحرام میں حجّت ہوجاتی ہے۔ مرقاۃ میں ہے:

تعدد الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن .

ترجمہ: متعدّد روایتوں سے آنا حدیثِ ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔[مرقاۃ المفاتیح، الفصل الثانی، باب مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ، ج:۳، ص:۱۸][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۷۳، ۴۷۲، رسالہ مبارکہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

حصولِ قوت کے لیے حدیث کا صرف دو سندوں سے آنا کافی ہے:

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حصولِ قوّت کے لیے کچھ بہت سے ہی طرق کی حاجت نہیں صرف دو بھی مل کر قوت پاجاتے ہیں، اس کی ایک مثال ابھی گزری، نیز تیسیر میں فرمایا: ضعیف لضعف عمرو بن واقد لکنه یقوی بورودہ من طریقین .یعنی حدیث تو اپنے راوی عمرو بن واقد متروک کے باعث ضعیف ہے مگر دو سندوں سے آکر قوّت پاگئی۔[تیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی، مکتبہ الامام الشافعی ریاض سعودیہ، ج:۱، ص:۲۰۴][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۷۵، منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

اہلِ علم کے عمل سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہوجاتی ہے

منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں ہے:

اہلِ علم کے عمل کرلینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو۔ مرقاۃ میں ہے:

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم، قال النووی واسنادہ ضعیف نقله میرك، فکأن الترمذی یرید تقویة الحدیث بعمل اھل العلم، والعلم عنداللہ تعالٰی کماقال الشیخ محی الدین ابن العربی انه بلغنی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، انه من قال لاالٰه الااللہ سبعین الفا، غفراللہ تعالٰی له، ومن قیل له غفرله ایضا، فکنت ذکرت التھلیلة بالعدد المروی من غیران انوی لاحد بالخصوص،فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیھم شاب

مشہور بالکشف، فاذاھو فی اثناء الاکل اظھر البکأ، فسألته عن السبب، فقال اری امی فی العذاب،فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلة المذکورة لھا فضحك وقال انی اراھاالاٰن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحةالحدیث بصحة کشفه و صحة کشفه بصحة الحدیث .

یعنی امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور اہلِ علم کااس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے توگویاامام ترمذی عملِ اہل علم سے حدیث کوقوت دینا چاہتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم اس کی نظیروہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستّر ہزار بار لاالٰہ الا اللّٰہ کہے اس کی مغفرت ہواور جس کے لیے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو، میں نے لاالٰہ الااللّٰہ اتنے بار پڑھا تھااُس میں کسی کے لیے خاص نیت نہ کی تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیااُن میں ایک جوان کے کشف کا شُہرہ تھاکھاناکھاتے کھاتے رونے لگامیں نے سبب پُوچھا،کہااپنی ماں کوعذاب میں دیکھتاہُوں، میں نے اپنے دل میں کلمہ کاثواب اُس کی ماں کوبخش دیا فورًاوہ جوان ہنسنے لگااور کہااب میں اُسے اچھی جگہ دیکھتاہوں، امام محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اُس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔[مرقاة المفاتیح،الفصل الثانی، باب ماعلی الماموم من المتابعة، مطبوعہ امدادیہ ملتان، ج:۳،ص:۹۸][فتاویٰ رضویہ مترجم ،ج:۵،ص: ۴۷۷،افادہ:۱۲،رسالہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

فضیلت وافضلیت میں فرق ہے دربارہ تفضیل حدیث ضعیف ہرگز مقبول نہیں

مجد داعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

فضیلت وافضلیت میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ اسی باب سے ہے جس میں ضعاف بالاتفاق قابلِ قبول اور یہاں بالاجماع مردودونامقبول۔

اقول: جس نے قبول ضعاف فی الفضائل کا منشاکہ افاداتِ سابقہ میں روشن بیانوں سے گزراذہن نشین کرلیا ہے وہ اس فرق کوبنگاہِ اولین سمجھ سکتا ہے قبول ضعاف صرف محل نفع بے ضرر میں ہے جہاں اُن کے ماننے سے کسی تحلیل یاتحریم یااضاعتِ حق غیر غرض مخالفت شرع کابوجہ من الاجوہ اندیشہ نہ ہوفضائل رجال مثل فضائل اعمال ایسے ہی ہیں، جن بندگانِ خدا کافضل تفصیلی خواہ صرف اجمالی دلائل صحیحہ سے ثابت ہے اُن کی کوئی منقبت خاصہ جسے صحاح وثوابت سے معارضت نہ ہواگر حدیث ضعیف میں آئے اُس کاقبول توآپ ہی ظاہر کہ اُن کافضل توخود صحاح سے ثابت، یہ ضعیف اُسے مانے ہی ہوئے مسئلہ میں تو فائدہ زائدہ عطاکرے گی اور اگر تنہاضعیف ہی فضل میں آئے اور کسی صحیح کی مخالفت نہ ہووہ بھی مقبول ہوگی کہ صحاح میں تائید نہ سہی خلاف بھی تونہیں بخلاف افضلیت کے کہ اس کے معنی ایک کودوسرے سے عنداللہ بہتر وافضل ماننا ہے یہ جب ہی جائز ہوگا کہ ہمیں خدااور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے خوب ثابت ومحقق ہوجائے، ورنہ بے ثبوت حکم لگادینے

میں محتمل کہ عنداللہ امر بالعکس ہو تو افضل کو مفضول بنایا، یہ تصریح تنقیص شان ہے اور وہ حرام تو مفسدہ تحلیل حرام و تضیع حق غیر دونوں در پیش کہ افضل کہنا حق اس کا تھا اور کہہ دیا اس کو۔ یہ اس صورت میں تھا کہ دلائل شرعیہ سے ایک کی افضلیت معلوم نہ ہو۔ پھر وہاں کا تو کہنا ہی کیا ہے، جہاں عقائدِ حقّہ میں ایک جانب کی تفصیلی محقق ہو اور اس کے خلاف احادیث مقام وضعاف سے استناد کیا جائے، جس طرح آج کل کے جہال حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تفضیل حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں کرتے ہیں۔ یہ تصریح مضادتِ شریعت ومعاندتِ سنّت ہے۔ ولہذا ائمہ دین نے تفضیلیہ کو روافض سے شمار کیا۔

كمابيناه فى كتابنا المبارك "مطلع القمرين فى ابانة سبقة العمرين" ترجمہ: جیسا کہ ہم نے اسے اپنی مبارک کتاب: مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین،، میں بیان کیا ہے۔] بلکہ انصافاً اگر تفضیل شیخین کے خلاف کوئی حدیث صحیح بھی آئے قطعًا واجب التاویل ہے اور اگر بفرضِ باطل صالح تاویل نہ ہو واجب الرد کہ تفضیل شیخین متواتر واجماعی ہے۔ كما اثبتنا عليه عرش التحقيق فى كتابنا المذكور [جیسا کہ ہم نے اپنی اس مذکورہ کتاب میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ اور متواتر واجماع کے مقابل اعاد ہرگز نہ سُنے جائیں گے ولہذا امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث: عرض علی عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرّہ قالوا فما اولت ذلک یارسول اللہ [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] قال الذین [مجھ پر عمر بن الخطاب کو پیش کیا گیا اور وہ اپنی قمیص گھسیٹ کر چل رہے ہیں، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا دین۔] فرماتے ہیں:

لئن سلّمنا التخصيص به [اى بالفاروق رضى الله تعالٰى عنه] فهو معارض بالاحاديث الكثيرة البالغة درجة التواتر المعنوى الدالة على افضلية الصديق رضى الله تعالٰى عنه فلاتعارضها الاحاد، ولئن سلمنا التساوى بين الدليلين لكن اجماع اهل السنة والجماعة على افضليته وهو قطعى فلايعارضه ظنى.

ترجمہ: اگر ہم یہ تخصیص ان [یعنی فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ] کے ساتھ مان لیں تو یہ ان اکثر احادیث کے منافی ہے جو تواتر معنوی کے درجہ پر ہیں اور افضلیت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دال ہیں اور احاد کا ان کے ساتھ تعارض ممکن ہی نہیں اور اگر ہم ان دونوں دلیلوں کے درمیان مساوات مان لیں لیکن اجماعِ اہلسنت وجماعت افضلیت صدیق اکبر پر دال ہے اور وہ قطعی ہے، تو ظن اس کا معارض کیسے ہو سکتا ہے! [ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، باب تفاضل اہل ایمان فی الاعمال، مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت، ج:۱، ص:۱۰۶]

بالجملہ مسئلہ افضلیت ہرگز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف سن سکیں بلکہ موافقت وشرح مواقف میں تو تصریح کی کہ بابِ عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح بھی نامسموع، حیث قال: ليست هذه المسألة يتعلق بها عمل فيلتفى فيها بالظن الذى هو كاف فى الاحكام العلمية بل هى مسألة علمية يطلب فيها اليقين.

ترجمہ: ان دونوں نے کہا کہ یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اس میں دلیل ظنی کافی ہو جائے جو احکام میں کافی ہوتی ہے بلکہ

یہ معاملہ تو عقائد میں سے ہے اس کے لیے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے۔[شرح مواقف، المرصد الرابع از موقف سادس فی السمعیات، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ایران، ج:۸، ص:۲۷۳][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۵۸۱، ۵۸۰، منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین]

عمل بموضوع وعمل بمافی موضوع میں زمین آسمان کا فرق ہے:

عمل بموضوع وعمل بمافی موضوع میں زمین آسمان کا فرق ہے۔کما یظھر مما قدمناہ فی الافادۃ الحادیۃ والعشرین [جیسا کہ ظاہر ہے اسے ہم اکیسویں فائدے میں بیان کرآئے ہیں۔ت] ثانی مطلقا ممنوع نہیں ورنہ ایجاب وتحریم کی باگ مفتریان بیباک کے ہاتھ ہوجائے لاکھوں افعال مباحہ جن کے خصوص میں نصوص نہیں وضاعین ان میں سے جس کی ترغیب میں حدیث وضع کردیں حرام ہوجائے جس سے ترہیب میں گھڑلیں وہ واجب ہوجائے کہ تقدیر اول پر فعل ثانی پر ترک مستلزم موافقت موضوع ہوگا اور وہ ممنوع لطف یہ کہ اگر ترغیب وترہیب دونوں میں بنادیں تو فعل وترک دونوں کی جان پر بنادیں نہ کرتے بَن پڑے نہ چھوڑتے فاعلم وافھم ان کنت تفھم [جان لے سمجھ لے اگر تو سمجھ سکتا ہے۔ت][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۵۷۱، رسالہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین]

رمی بالتشیع،، اور شیعی،، کے درمیان فرق ہے:

ائمہ جرح وتعدیل کبھی کسی راوی کے بارے میں: رمی بالتشیع،، اور کبھی کسی کے بارے میں شیعی،، استعمال کرتے ہیں، ان دونوں کے مابین کیا فرق ہے، اسے جاننا اور یاد رکھنا از حد لازم وضروری ہے ع۔ گر فرق مراتب نہ کنی شدی زندیق۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے کثیر راویوں کے بارے میں کچھ ائمہ جرح وتعدیل نے رمی بالتشیع،، استعمال کیا ہے، اگر فرق ملحوظ نہ رکھے تو صحیحین کی حدیثوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ یاد رہے کہ جس راوی کے بارے میں: رمی بالتشیع،، استعمال کیا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر تشیع کا الزام ہے جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ راوی واقع میں شیعی ہو، جب کہ شیعی کا مفہوم ہے کہ وہ واقعۃً شیعی ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

ثم لا یذھب عنك الفرق بین شیعی و رمی بالتشیع وکم فی الصحیحن ممن رمی بہ وقد عد فی ھدی الساری عشرین منھم فی مسانید صحیح البخاری فضلاً عن تعلیقاتہ۔

ترجمہ: پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ رہنا چاہئے، صحیحین میں کتنے ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ ہدی الساری،، میں ایسے بیس راویوں کو شمار کیا گیا ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں، اور تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ ہے،،[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۸، ص:۹۷، رسالہ مبارکہ: شمائم العنبر فی اداب النداء امام المنبر]

تشیع،، اور رفض،، میں فرق ہے:

جو شخص جملہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حسن عقیدت رکھتا مگر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم کو خلفائے ثلاثہ سے افضل جانتا بلکہ جو صرف امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل بتاتا اسے بھی

متقدمین کی اصطلاح میں شیعی کہا جاتا تھا جب کہ متاخرین شیعہ روافض ہی کو کہتے ہیں۔ اس لیے حکم عائد کرنے سے قبل یہ تفتیش ازبس لازم ہے کہ راوی کو شیعی مذہب متقدمین کے مطابق کہا گیا ہے، یا پھر شیعی کہنے میں مذہب متاخرین ملحوظ ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

رفض وتشیع میں زمین وآسمان کا فرق ہے بسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے جبکہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے صاحب تقریب نے خود بھی: ہدی الساری،، میں فرمایا تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۸، ص:۷۷، رسالہ: شمائم العنبر]

اسی طرح اگر کر شیعی کو رافضی بنائیں گے تو بخاری ومسلم سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا، ان کے رواۃ میں تیس ۳۰/ سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاحِ قدما پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا: کتاب مسلم ملاٰن من الشیعة،، ترجمہ: مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔ [تدریب الرادی شرح تقریب النواوی، روایۃ المبتدع، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ج:۱، ص:۳۲۵] [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۱۷۵، رسالہ: حاجز البحرین الواقعی عن جمع الصلاتین]

امام ابوداؤد کے کلام میں لفظ: صالح،، عام ہے:

امام ابوداؤد سجستانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنن ابی داؤد میں کثیر مقامات پر حدیث کے اخیر میں لفظ: صالح،، استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب احادیث کے درجات کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔ اگر حدیث صحیح یا حسن ہو تو وہاں صالح احتجاج کے معنی میں ہوتا ہے۔ یعنی اس حدیث سے احکام ومسائل میں استدلال کرنا جائز ہے۔ اور اگر حدیث صحت یا حسن سے نیچے درجہ کی ہو تو وہ صرف دوسری حدیث کے لیے متابع یا شاہد بن سکتی ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

والصحیح ان لفظ صالح فی کلامه اعم من ان یکون للاحتجاج او للاعتبار فما ارتقی الی الصحة ثم الی الحسن فهو بالمعنی الاول وماعداهما فهو بالمعنی الثانی وماقصر عن ذلك فهو الذی فیه ومن شدید.

ترجمہ: اور صحیح یہ ہے کہ ابوداؤد کے کلام میں لفظ صالح استدلال اور اعتبار دونوں کو شامل ہے، پس جو حدیث صحت پھر حسن کے درجہ پر پہنچے وہ معنی اول کے لحاظ سے صالح ہے اور جو ان دونوں کے علاوہ ہے وہ معنی ثانی کے لحاظ سے صالح ہے اور جو اس سے بھی کم درجہ پر ہے وہ ایسی ہوگی جس میں ضعفِ شدید ہے،، [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۵۱۴، رسالہ مبارکہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

مجروح ومطعون رجال

ابوعقال ہلال بن زید

سرحد دار الحرب پر گھوڑے باندھنے کی ترغیب سے متعلق ایک حدیث ہے، جس کے ایک راوی کا نام ابوعقال ہلال بن زید ہے۔ ابن حبان نے کہا وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موضوعات روایت کرتا لہذا ابن الجوزی نے اُس پر حکم وضع کیا۔،

مجد داعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام ابن حجر کے حوالے سے فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ ابوعقال مجروح و مطعون ہے مگر محض اس کی وجہ سے حدیث عسقلان کو باطل کہنا درست نہیں کہ یہ از قبیل فضائل اعمال ہے اور احادیث فضائل میں نرمی برتی جاتی ہے، ملخصًا۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۶۳، رسالہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین]

اُبی بن عباس بن سہل بن سعد الساعدی

دولابی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں، ابنِ معین نے اسے ضعیف کہا اور امام احمد کے نزدیک یہ منکر الحدیث ہے اور میزان میں ہے نسائی کا قول دولابی کی طرح ہی ہے اور دونوں کتب میں اس کے بارے میں کسی کی توثیق منقول نہیں، لاجرم حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس میں ضعف ہے اور کہا کہ بخاری میں اس ایک حدیث کے علاوہ اس کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ مترجماً و ملخصًا۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۵۱۱، رسالہ مبارکہ: منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین]

ابراہیم بن ابی یحیی

اخبرنی ابن ابی یحیٰی عن حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن کریب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فذکر الحدیث، وفیہ جمع بین الظھر والعصر فی الزوال.

ترجمہ: خبر دی مجھے ابن ابی یحیٰی نے حسین ابن عبداللہ سے کہ کریب نے ابن عباس سے روایت کی ہے، اس کے بعد مندرجہ بالا روایت مذکور ہے اور اس میں ہے کہ زوال کے وقت ظہر وعصر کو جمع کرتے تھے۔[مسند الشافعی]

یہ حدیث پاک جمع بین الصلاتین کے جواز کی دلیل ہے جو مذہب حنفی کے یکسر خلاف ہے، اس کے ایک راوی ابراہیم بن ابی یحییٰ ہیں جن کے بارے میں محدثین کو سخت کلام ہے۔ اعلیٰ حضرت مجد داعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اور حدیث مذکور کے بارے میں فرماتے ہیں:

اقول: اس کی سند میں ابن ابی یحیٰی رافضی قدوری معتزلی جہمی بھی متروک واقع ہے امام اجل یحیٰی بن سعید قطعان وامام اجل یحیٰی بن معین وامام اجل علی بن مدینی وامام یزید بن ہارون وامام ابوداؤد وغیرہم اکابر نے فرمایا: کذاب تھا۔ امام احمد نے فرمایا: سار ی بلائیں اُس میں تھیں۔ امام مالک نے فرمایا: نہ وہ حدیث میں ثقہ ہے نہ دین میں۔ امام بخاری نے فرمایا: ائمہ محدثین کے نزدیک متروک ہے ابن حبان نے کہا کہ حدیث میں جھُوٹ بولتا تھا ابو محمد دارمی نے کہا کہ میں نے یزید ابن ہارون سے سنا کہ وہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی کو جھُوٹا قرار دیتے تھے، ابن معین اور ابوداؤد نے کہا: رافضی ہے، کذاب ہے۔ ملخصًا۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۲۱۹، ۲۱۸، رسالہ: حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین]

ابوصالح باذام

جامع ترمذی میں ہے: عن بن عباس قال : لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج -

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبروں کی زیارت کرنے والی، قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی۔[جامع ترمذی، ج:۲، ص:۱۳۶، حدیث:۳۲۰]

اس حدیث سے کچھ لوگوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ مزارات پر چراغاں کرنا جائز نہیں۔ جب کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبروں کے پاس چراغ جلانا اگر ہر طرح کے فائدہ سے خالی ہو تو ناجائز ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۱۴۵، رسالہ بریق المنار، رضا اکیڈمی میں تحریر فرمایا ہے۔

نیز اس حدیث پاک میں ایک راوی ابو صالح ہیں، جنہیں باذام بھی کہا جاتا ہے۔ ان پر محدثین نے کلام کیا ہے اس لیے یہ حدیث قابل احتجاج نہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کی سند کا مدار ابو صالح باذام پر ہے۔ باذام کو ائمہ فن نے ضعیف بتایا۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۵۱۲، بریق المنار بشموع المزار]

ابو صالح

ایک حدیث پاک ہے جس میں آیۂ کریمہ استویٰ علی العرش سے متعلق استویٰ کا معنیٰ ٹھہرنا مذکور ہے۔ اس کے ایک راوی ابو صالح بھی ہیں، ان پر محدثین کو کلام ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ یہ ابو صالح اور کلبی اور محمد بن مروان سب کے سب علمائے محدثین کے نزدیک متروک ہیں ان کی کوئی روایت حجت لانے کے قابل نہیں کہ ان کی روایتوں میں منکرات بکثرت ہیں اور ان میں ان کا جھوٹ بولنا آشکارا ہے، حبیب بن ابی ثابت نے فرمایا ہم نے اس ابو صالح کا نام ہی دروغ زن رکھ دیا تھا امام سفیان نے فرمایا خود کلبی نے مجھ سے بیان کیا کہ ابو صالح نے مجھ سے کہا جتنی حدیثیں میں نے تجھ سے بیان کی ہیں سب جھوٹ ہیں[فتاویٰ رضویہ، ج:۲۹، ص:۱۷۰-۱۷۶]

ابو نضر کلبی

مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارباب جرح و تعدیل کے حوالے سے اس کے بارے میں فرمایا کہ امام بخاری نے فرمایا ابو نضر کلبی کو امام یحییٰ بن معین و امام عبد الرحمن بن مہدی نے متروک کیا، یزید بن زریع نے کہا: کلبی رافضی تھا۔ امام سلیمٰن اعمش تابعی نے فرمایا کہ ان رافضیوں سے بچو، میں نے علما کو پایا کہ ان کا نام کذاب رکھتے تھے، جوزجانی وغیرہ نے کہا کہ کلبی کذاب ہے، دارقطنی اور ایک جماعت علما نے کہا: متروک ہے۔ ابن حبّان نے کہا اس کا کذب ا یسا واضح ہے کہ محتاجِ بیان نہیں کتابوں میں اس کا ذکر کرنا حلال نہیں اور نہ اس سے سند لانا اھ ملتقطاً[فتاویٰ رضویہ، ج:۲۹، ص:۲۱۶-۲۱۷]

بختری بن عبید

کثیر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے وضو و غسل کے بعد اعضا سے پانی پونچھا ہے، اکثر اوقات کپڑے سے اور بعض اوقات ہاتھوں سے لیکن پونچھنا دونوں صورتوں میں پایا گیا ہے اور یہی حکم شرعی ہے۔ کچھ حدیثوں سے ممانعت ثابت ہوتی ہے مگر ان پر محدثین اور ارباب جرح و تعدیل کو سخت کلام ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے:

عن ابی ھر یرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشربوا اعینکم من الماء عند الوضوء ولا تنفضوا ایدیکم فانھا مراوح الشیطان.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سرکار نے فرمایا: اپنی آنکھوں کو بھی وضو کے وقت کچھ پانی پلاؤ اور اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو کیوں کہ اس طرح وہ شیطان کے پنکھے ہیں۔ [کنز العمال، ج: ۹، ص: ۳۲۶، حدیث: ۲۶۲۵۶/ الجامع الصغیر، ج: ۱، ص: ۷۰، حدیث: ۱۰۶۴]

اس حدیث کی سند میں ایک راوی بختری بن عبید ہیں، تقریب التہذیب میں ہے کہ بختری ضعیف، متروک ہے، ابوحاتم نے بھی ضعیف کہا، ابنِ عدی فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے والد سے بیس حدیثیں روایت کی ہیں جن میں زیادہ تر منکر ہیں یہ بھی انہی میں سے ہے۔ ملخصًا۔ [فتاویٰ رضویہ، ج: ۱، ص: ۳۲۴]:

تمشیہ یزید بن عبد الرحمن الدالانی کدیمی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، اس میں ہے کہ تم صوف کا لباس پہنو اس سے تمھارے دلوں کو حلاوتِ ایمان نصیب ہوگی۔ اس میں ایک راوی کدیمی نام سے ہے، یہ حدیث گھڑنے والا ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج: ۵، ص: ۴۵۱-۴۵۴]

جویبر

جویبر کے بار میں محدثین کو سخت کلام ہے، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں محدثین کے اقوال کچھ اس طرح نقل کیے ہیں کہ نسائی وعلی بن جنید اور دار قطنی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں: کچھ نہیں ضعیف ہے۔ ابن المدینی فرماتے ہیں: بے حد ضعیف ہیں۔ یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا جن سے روایت نہ کی جائے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: وہ ضعف پر ہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔ حاکم ابواحمد نے فرمایا: ان کی حدیثیں ضائع ہیں۔ حاکم ابوعبد اللہ نے فرمایا: میں ان کی حدیثوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف براءت ظاہر کرتا ہوں۔ ابن حبان فرماتے ہیں: ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ لآلی میں فرمایا: ہلاک کرنے والے، برباد کرنیوالے، سخت متروک ہیں۔ اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے منقول ہے: محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ تقریب یں ہے: بے حد ضعیف ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ، ج: ۲۸، ص: ۲۶۲-۲۶۶]

حسین بن عبد اللہ

یہ سو فیصدی حق اور کثیر احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں حقیقۃً جمع کرنا حرام وگناہ ہے، ہاں اگر مرض، ضرورت سفر اور بارش وغیرہ اعذار کی بنا پر دو نمازوں کو صورۃً جمع کرے کہ پہلی کو اس کے آخر وقت میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھے تو جائز ہے۔ یہی احناف کا مذہب مہذب ہے۔ کچھ احادیث سے ظاہرًا جمع بین الصلاتین کے

جواز کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ان میں سے ایک یہ حدیث پاک بھی ہے۔

حدثنا عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج اخبرنی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس عن عکرمة وکریب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما قال: الا اخبرکم عن صلاة رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی السفر؟ قلنا: بلٰی. قال: کان اذا زاغت الشمس فی منزله جمع بین الظهر والعصر، قبل ان یرکب، واذا لم تزغ له فی منزلة سار، حتی اذاکانت العصر، نزل فجمع بین الظهر والعصر.

ترجمہ: حدیث بیان کی ہم سے عبدالرزاق نے، اس کو خبر دی ابن جریج نے، اس کو خبر دی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے کہ عکرمہ اور کریب، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے ہم سے پُوچھا: کیا میں تمہیں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں [ضرور بتائیں] انہوں نے کہا کہ اگر جائے قیام پر زوال ہوجاتا تھا تو سوار ہونے سے پہلے ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے اور اگر جائے قیام پر زوال نہیں ہوتا تھا تو چل پڑتے تھے اور جب عصر ہوتی تھی تو اتر کر ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔

اس حدیث پاک میں حسین بن عبداللہ ہیں جن پر محدثین کو سخت کلام ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ معلوم رہے کہ اُس کے راوی حسین مذکور ائمہ شان کے نزدیک ضعیف ہیں۔یحیٰی نے فرمایا: ضعیف۔ابوحاتم رازی نے فرمایا: ضعیف ہے، اس کی حدیث لکھی جائے مگر اس سے استدلال نہ کیا جائے ابوزرعہ وغیرہ نے کہا قوی نہیں ہے۔ابنِ حبان نے کہا اسنادوں کو پلٹ دیتا تھا اور مراسیل کو مرفوع بنادیتا تھا۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص: ۲۱۶، رسالہ مبارکہ: حاجزالبحرین الواقی عن جمع الصلاتین]

خالد بن قاسم مدائنی

عن ابی الطفیل: ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان فی غزوة تبوك، اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظهر حتی یجمعها الی العصر فیصلیهما جمیعا، واذا ارتحل بعدزیغ الشمس صلی الظهر والعصر جمیعا ثم صار، وکان اذاارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاها مع المغرب.

ترجمہ: یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جب سورج ڈھلنے سے پہلے کُوچ فرماتے تو ظہر میں دیر کرتے یہاں تک کہ اُسے عصر سے ملاتے تو دونوں کو ساتھ پڑھتے اور جب دوپہر کے بعد کُوچ فرماتے تو عصر میں تعجیل کرتے اور ظہر وعصر ساتھ پڑھتے پھر چلتے اور جب مغرب سے پہلے کُوچ کرتے مغرب میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ عشا کے ساتھ پڑھتے اور مغرب کے بعد کُوچ فرماتے تو عشا میں تعجیل کرتے اُسے مغرب کے ساتھ پڑھتے۔[جامع الترمذی، باب ماجاء فی الجمع بین الصلوٰتین، مطبوعہ مجتبائی لاہور، ج:۱، ص:۷۲]

رواه احمد وابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم والدارقطنی والبیهقی. زاد الترمذی بعد

قولہ: اذا ارتحل بعدزیغ الشمس، عجل العصر الی الظھر وصلی الظھر والعصر جمیعا.[جامع الترمذی، باب ماجاء فی الجمع بین الصلٰوتین، مطبوعہ مجتبائی لاہور، ج:۱ص:۷۲]

اس حدیث پاک سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے جب کہ یہ قرآن حکیم اور کثیر احادیث کریمہ کے یکسر خلاف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی خالد بن قاسم مدائنی ہے، امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے اور حدیث مذکور کے بارے میں فرمایا:

رئیس الناقدین امام بخاری نے اشارہ فرمایا کہ یہ حدیث نہ لیث نے روایت کی نہ قتیبہ نے لیث سے بلکہ خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع مطعون بالکذب نے قتیبہ کو دھوکا دے کر اُن سے روایت کرادی اُس کی عادت تھی کہ براہِ کروحیلہ شیوخ پر اُن کی ناشنیدہ روایتیں داخل کر دیتا لاجرم حاکم نے علوم الحدیث میں اُس کے موضوع ہونے کی تصریح کی یہ سب باتیں علمائے حنفیہ مثل امام زیلعی شارح کنز وامام بدر عینی شارح صحیح بخاری وعلّامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ کے سوا شافعیہ ومالکیہ وظاہریہ قائلان جمع بین الصلاتین مثلِ امام قسطلانی شافعی شارح بخاری وعلّامہ زرقانی مالکی شارح مؤطا ومواہب وشوکانی ظاہری شارح منتقی وغیرہم نے امام ابن یونس وامام ابوداؤد وابو عبداللہ حاکم وامام المحدثین بخاری سے نقل کیں۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۵، ص:۲۰۴-۲۰۶]

داؤد بن الزبرقان

افطار کی دعا سے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ دعا بعد افطار پڑھی جائے، یہی صحیح احادیث کریمہ سے ثابت ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسالہ مبارکہ: العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار،، میں کثیر احادیث کریمہ کی روشنی میں اسی حکم کو ترجیح و تنجیح بتایا ہے۔ کچھ احادیث سے بظاہر دعا قبل افطار کا حکم ثابت ہوتا ہے مگر وہ از حد ضعیف اور ناقابل احتجاج واستدلال ہیں۔ وہ حدیثیں یہ ہیں:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا قرب الیٰ احدکم طعامہ وھو صائم فلیقل، بسم اللہ والحمدللہ اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت وعلیک توکلت سبحٰنک وبحمدک تقبل منّی انک انت السمیع العلیم.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس کھانا لایا جائے اور تم حالتِ روزہ میں ہو تو یہ کلمات کہو اللہ کے نام کے ساتھ شروع، تمام حمد اللہ کے لیے ہے، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا اور تجھ پر توکّل کیا، تیری ذات مقدس ہے اور حمد تیری ہے، مجھ سے قبول فرمالے، بیشک تُو سُننے اور جاننے والا ہے۔[کنز العمال، ج:۸، ص:۵۰۹، حدیث:۲۳۸۷۳]

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا افطر قال بسم اللہ اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے:

اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔ [المعجم الاوسط، ج:۷، ص: ۲۹۸، حدیث:۷۵۴۹/مجمع الزوائد،ج:۸،ص:۱۵۶]

ان دونوں حدیثوں میں دعاے افطار کے ساتھ تسمیہ کا بھی ذکر ہے، اور تسمیہ چوں کہ کھانے سے پہلے پڑھنے کا حکم ہے اس لیے دعا بھی پہلے ہی پڑھنے کا حکم ہو گا۔ یہ حکم صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں حدیثوں اور اس کے راوی داؤد بن زبرقان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ظاہر تسمیہ مشعر تقدیم ہے، اگر افطار سے یہی طعامِ شام بمعنی مذکور مراد، جب توامرواضح ہے، ورنہ وہ بسببِ شدّت ضعف قابلِ احتجاج نہیں، اس کی سند میں داؤد بن الزبرقان متروک ہے۔ التقریب التہذیب میں ہے کہ یہ متروک ہے اور ازدی نے اسے کاذب کہا ہے اھ میں کہتا ہوں: یہی جوزجانی نے بھی کہا ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۶۵۷، رسالہ: العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار]

دراج

فتاویٰ رضویہ میں صحیح بخاری سے ہے:

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور حضور سدرہ سے واپس آئے آسمان ہفتم پر موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے تخفیف چاہنے کے لیے گزارش کی حضور بمشورہ جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم پھر عازمِ سدرہ ہوئے اور اپنے اسی مکان سابق پر پہنچ کر جہاں تک پہلے پہنچے تھے اپنے رب سے عرض کی: [حدیث یہ ہے] فقال وھو مکانه یارب خفف عنّا فان امتی لا تستطیع ھٰذا الٰھی !آپ نے اپنی جگہ پر فرمایا ہم سے تخفیف فرمادے کہ میری امت سے اتنی نہ ہو سکیں گی۔ [صحیح البخاری، کتاب التوحید باب قول اللہ عزوجل وکلم اللہ موسی تکلیما، قدیمی کتب خانہ کراچی، ج:۲، ص:۱۱۲۰]

یعنی۔ یہاں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکان ترقی کا ذکر ہے، باؤلے فاضل نے جھٹ ضمیر حضرت عزت کی طرف پھیر دی یعنی حضور نے عرض کی اس حال میں کہ خدا اپنے اسی مکان میں بیٹھا ہوا تھا کہیں چلا نہ گیا تھا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲۹، ص:۱۶۳]

فرقۂ مجسمہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم اور مکان کے قائل ہیں، دلیل کے طور پر اس حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں، وجہ استدلال یہ ہے کہ مکانہ میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ جب کہ حقیقت اس کے یکسر خلاف ہے، ضمیر کے مرجع کے حوالے سے گفتگو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے پیش کر دی گئی ہے۔ یہاں پر مقصود و منشود یہ ہے کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے، اور اس سے استدلال کرنا کیسا ہے۔

کتاب الاسماء والصفات،، جو غیر مقلدین کی مستند کتاب ہے، اس میں اس حدیث سند میں ایک راوی دراج نام کا ہے ،اسے محدثین نے متروک، ضعیف، منکر الحدیث وغیرہ قرار دیا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

امام احمد نے ان کی تضعیف فرمائی اور اُن کی حدیثوں کو منکر کہا۔ امام فضلک رازی نے کہا وہ ثقہ نہیں، امام نسائی نے فرمایا:

منکر الحدیث ہیں، امام ابوحاتم نے کہا ضعیف ہیں ابن عدی نے اُن کی حدیثیں روایت کر کے کہہ دیا۔ اور حفاظ ان کی موافقت نہیں کرتے۔ امام دارقطنی نے کہا: ضعیف ہیں، اور ایک بار فرمایا: متروک ہیں۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۲۹، ص:۱۶۳۔۱۷۰]

زید اور ابن زید

اضرار فی الوصیت کے حوالے سے سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث پاک موجود ہے:" من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة"

اس حدیث پاک کے روایوں میں زید اور ابن زید نام سے دو روای ہیں، ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"بطور محدثین اس کی سند میں کلام ہے۔ زید ضعیف ہیں اور ان کے لڑکے اور ضعیف، اسی لیے امام سخاوی نے اس حدیث کو مقاصد حسنہ میں نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ حدیث بڑی ضعیف ہے اور مناوی نے تیسیر میں اور جریری نے سراج منیر میں منذری کے حوالے سے اس کو ضعیف کہا"[فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۶۱، رضا اکیڈمی، ممبئی]

سعد بن سعید

مسئلہ یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھ لینے کے بعد طلوع آفتاب سے قبل سنتیں پڑھنا ممنوع ہے، البتہ طلوع آفتاب کے تقریبًا ۲۰، منٹ بعد ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پڑھ سکتا ہے۔ یہی کثیر احادیث کریمہ سے ثابت ہے۔ مگر کچھ احادیث سے ثابت ہو تا ہے کہ قبل طلوع آفتاب بھی سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

عن قیس قال : خرج رسول الله صلى الله عليه و سلم فأقيمت الصلاة فصليت معه الصبح ثم انصرف النبي صلى الله عليه و سلم فوجدني أصلين فقال مهلا يا قيس ! أصلاتان معا؟ قلت يا رسول الله إني لم أكن ركعت ركعتي الفجر قال فلا إذن.

ترجمہ: حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، جماعت کے لیے تکبیر کہی گئی، میں نے آپ کی اقتدا میں نماز صبح ادا کی، پھر حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چہرۂ اقدس پھیرا تو آپ نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا، فرمایا: اے قیس! ٹھہر جا، کیا دو نمازیں اکٹھا ہو گئی ہیں، عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، میں فجر کی دو سنتیں ادا نہیں کرسکا۔ فرمایا: تو اب حرج نہیں۔[جامع ترمذی، ج:۲، ص:۲۸۴، حدیث:۴۲۲]

اس حدیث کی سند میں یک راوی سعد بن سعید ہیں، مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اور حدیث مذکور کے بارے میں ارشاد فرمایا:

سعد باوصف توثیق مقال سے خالی نہیں، ان کا حافظہ ناقص تھا، امام احمد نے انھیں ضعیف کہا، امام نسائی نے فرمایا قوی نہیں، امام ترمذی نے فرمایا کہ ائمہ حدیث نے سعد میں ان کے حافظہ کی طرف سے کلام فرمایا، تقریب میں ہے آدمی سچے ہیں حافظہ برا ہے۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۸، ص:۱۵۳، فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۶۱۹، رضا اکیڈمی]

شبابہ بن سوار

جعفر فریابی نے بتقریر خود اسحٰق بن راہویہ سے روایت کی

عن شبابة بن سوار عن الليث عن عقيل عن الزهری عن انس رضی الله تعالىٰ عنه، قال: كان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذاکان فی سفر فزالت الشمس صلی الظهر والعصر جمیعا ثم ارتحل،،

ترجمہ: شبابہ ابن سواد سے، اس نے لیث سے، اس نے عقیل سے، اس نے زہری سے، اس نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے اور زوال ہوجاتا تھا، تو ظہر و عصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے پھر روانہ ہوتے تھے۔ [میزان الاعتدال بحوالہ جعفر فریابی ترجمہ: ۳۳۷۳ دارالمعرفۃ بیروت، ج:۱، ص:۸۳]

اس حدیث پاک سے بھی جمع بین الصلاتین کا جواز ثابت ہوتا ہے جو مذہب حنفی کے خلاف ہے۔ مگر اس میں ایک راوی شبابہ بن سوار ہے جس پر محدثین نے سخت کلام کیا ہے، ارباب جرح و تعدیل میں سے کچھ معتمد حضرات نے اسے مبتدع لکھا ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

شبابہ بن سوار میں کلام کی حاجت نہیں کہ وہ اگرچہ رجال جماعہ و موثقین ابنائے معین و سعد وابی شیبہ سے ہے مگر مبتدع مکار تھا امام احمد نے اُسے ترک کیا، امام ابوحاتم رازی نے درجہ حجیت سے ساقط بتایا۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۵، ص: ۲۲۴، ۲۲۳، حاجز البحرین]

ضحاک بن حجرہ

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أكرموا العلماء فإنهم ورثة الأنبياء.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علما کی تکریم کرو اس لیے کہ وہ انبیا کے وارث ہیں۔ [معجم ابن عساکر، ج: ۳۷، ص: ۱۰۴، شاملہ / الجامع الصغیر مع فیض القدیر، حدیث: ۱۴۲۸، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ج: ۲، ص: ۹۳]

خطیب بغدادی نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے اور اس سند میں ایک راوی ، ضحاک بن حجرہ ہیں۔ جس پر ارباب جرح و تعدیل نے جرح کی ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ضحاک بن حجرۃ کے ضعف سے یہ بھی ضعیف ہے مگر پہلی اسے طاقت بخشتی ہے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۵، ص: ۴۷۵، افادہ: ۱۴، منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین]

عمرو بن حصین، ابوعلاثہ اور ثویر

عن معاذ رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: والعمائم تیجان

العرب فاعتموا تزدادوا حلمًا ومن اعتم فله بكل كور حسنة فإذا حط فله بكل حطة حط خطيئة .

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمامے عرب کے تاج ہیں تو عمامہ باندھو تمھارا وقار بڑھے گا اور جو عمامہ باندھے اس کے لیے ہر پیچ پر ایک نیکی اور جب [بلا ضرورت یا ترک کے قصد پر] اتارے تو ہر اتارنے پر ایک خطا ہے یا جب [بضرورت بلا قصد ترک بلکہ باارادہ معاودت] اتارے تو ہر پیچ اتارنے پر ایک گناہ اترے۔ [کنز العمال، ج:۱۵، ص:۳۰۷، حدیث:۴۱۱۴۶/ جامع الاحادیث، ج:۱۰، ص:۴۹۳، حدیث:۱۰۱۰۶]

رامھر مزی نے اس کی تخریج اپنی کتاب: امثال الحدیث، میں کی ہے، اس کی سند میں عمرو بن حصین، ابو علاثہ اور ثویر ہیں، ان تینوں روایوں اور حدیث مذکور کے بارے میں مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اس حدیث میں شدید قسم کا ضعف ہے کیوں کہ اس کے تین راوی متروک ومہتم ہیں انھوں نے ابو علاثہ سے اور انہوں نے ثویر سے روایت کیا۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۷۳]

عمرو بن واقد

فرمان رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے: أكرموا المعزى وامسحوا الرغم عنها وصلوا في مراحها فإنها من دواب الجنة،، ترجمہ: بکری کی عزت کرو اور اس سے مٹی جھاڑو کیونکہ وہ جنتی جانور ہے۔ [جمع الجوامع، ج:۱، ص:۴۶۶۳/ جامع الاحادیث، ج:۵، ص:۳۹۲، حدیث:۴۳۵۶/ مسند بزار، ج:۲، ص:۴۶۲، حدیث:۸۷۷۱]

اس حدیث کی سند میں ایک راوی عمرو بن واقد ہیں جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حدیث تو اپنے راوی عمرو بن واقد متروک کے باعث ضعیف ہے مگر دو سندوں سے آکر قوت پاگئی۔ ملخصًا [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۷۴، رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین]

علی بن عروہ دمشقی

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیر العین میں حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے ارشاد فرمایا: مولانا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں حدیث ابن ماجہ در بارہ اتخاذ دجاج کی نسبت نقل کیا کہ اُس کی سند میں علی بن عروہ دمشقی ہے، ابن حبان نے کہا: وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ پھر فرمایا: والظاهر ان الحديث ضعيف لا موضوع،، ترجمہ: [ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں] [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۴۶۲]

عبد اللہ بن ابی نجیح یسار مکی

سفیان سے امام طحاوی نے یوں روایت فرمائی:

حدثنا فهد ثنا الحماني ثنا ابن عيينة عن ابن ابي نجيح عن اسمٰعيل بن ابي ذو يب قال: كنت مع

ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، فلما غربت الشمس، ھبنا ان نقول: الصلاۃ، فسار حتی ذھب فحمۃ العشاء ورأینا بیاض الافق، فنزل فصلی ثلثا المغرب، واثنتین العشاء، وقال: ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعل.

ترجمہ: حدیث بیان کی ہم سے فہد نے حمانی سے، اس نے ابن عیینہ سے، اس نے ابن ابی نجیح سے، اس نے اسمٰعیل بن ابی ذویب سے کہ میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب سورج ڈوب گیا تو ان کی ہیبت کی وجہ سے ہم انہیں نماز کا نہ کہہ سکے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ عشا کی سیاہی ختم ہوگئی اور ہم نے افق کی سفیدی دیکھ لی۔ اس وقت اُتر کر مغرب کی تین رکعتیں اور عشا کی دو رکعتیں پڑھیں اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ [شرح معانی الآثار، باب الجمع بین الصلاتین الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ج:۱، ص:۱۱۱]

اس کی سند میں ایک راوی ابن ابی نجیح ہے، اس کے بارے میں مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تقریب کے حوالے سے فرمایا: عبداللہ ابن ابی نجیح یسار مکی ابویسار ثقفی، بنی ثقیف کا آزاد کردہ، ثقہ ہے، قدری ہونے سے مہتم ہے، بسا اوقات تدلیس کرتا ہے۔ [فتاوٰی رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۲۴۵، رسالہ: حاجز البحرین]

علی بن یزید

آیۂ کریمہ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰٮنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ،، کے بارے میں کثیر کتب تفاسیر میں صراحت ہے کہ یہ آیۂ کریمہ ثعلبہ ابن ابی حاطب کے بارے میں نازل ہوئی، اس نے زکاۃ دینے سے انکار کیا تھا، بعد میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا مگر قبول نہ فرمایا، یہی سلسلہ عہد صدیقی وفاروقی وعثمانی میں بھی جاری رہا اور ان نفوس قدسیہ نے بھی قبول نہ فرمایا پھر یہ شخص عہد عثمانی ہی میں مرگیا۔ یہی قول راجح ہے اور جمہور مفسرین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اسی کی صراحت کی ہے۔

البتہ تفسیر بغوی، تفسیر ثعلبی، تفسیر ابن جریر وغیرہ میں ثعلبہ ابن ابی حاطب کی بجائے ابن حاطب مرقوم ومسطور ہے جب کہ یہ بدری صحابی ہیں جن کی مغفرت کی خبر قرآن حکیم میں بڑے تزک واحتشام کے ساتھ سنائی گئی ہے، یہ آیۂ کریمہ ان کے بارے میں ہرگز ہرگز نازل نہ ہوئی۔

تفسیر بغوی وغیرہ کی اس روایت کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے، اس کے بارے میں مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی نے فرمایا:

علی بن یزید میں کلام معلوم ہے۔ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا: ضعیف، امام دارقطنی نے فرمایا: متروک امام بخاری نے فرمایا: منکر الحدیث،، اور فرمایا: کل من اقول فیہ :منکر الحدیث لاتحل الروایۃ عنہ،، جسے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔ [فتاوٰی رضویہ، ج:۲۶، ص:۴۵۳۔۴۵۷]

علاء بن زید ثقفی

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَبُوكَ، فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ بِشُعَاعٍ وَضِيَاءٍ وَنُورٍ لَمْ نَرَهَا طَلَعَتْ بِهِ فِيمَا مَضَى، فَأَتَى جِبْرِيلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: " يَا جِبْرِيلُ، مَا لِي أَرَى الشَّمْسَ الْيَوْمَ بِضِيَاءٍ وَنُورٍ وَشُعَاعٍ لَمْ أَرَهَا طَلَعَتْ بِهِ فِيمَا مَضَى ؟ " قَالَ: إِنَّ ذَاكَ مُعَاوِيَةُ اللَّيْثِيُّ مَاتَ بِالْمَدِينَةِ الْيَوْمَ، فَبَعَثَ اللَّهُ سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ، قَالَ: " وَفِيمَ ذَاكَ ؟ " قَالَ: كَانَ يُكْثِرُ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، فِي مَمْشَاهُ، وَقِيَامِهِ، وَقُعُودِهِ، فَهَلْ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ أَقْبِضَ لَكَ الْأَرْضَ فَتُصَلِّيَ عَلَيْهِ ؟ قَالَ: " نَعَمْ "، فَصَلَّى عَلَيْهِ ثُمَّ رَجَعَ.

اس حدیث سے کچھ لوگوں نے غائبانہ نماز جنازہ کے جواز پر استدلال کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی علاء بن زید ثقفی ہے۔ اس پر محدثین نے سخت کلام کیا ہے، فتاویٰ رضویہ میں ہے:

امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام بخاری وابن عدی وابو حاتم نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم ودار قطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے،۔ امام علی بن مدینی استاد امام بخاری نے کہا: وہ حدیثیں دل سے گھڑتا تھا، ابن حبان نے کہا: یہ حدیث بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے، ابو الولید طیالسی نے کہا: علامہ کذاب تھا۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ۳۵۶،۳۵۷، رسالہ: الهادی الحاجب عن جنازة الغائب]

محمد بن سائب بن بشر کلبی

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

کلبی کا نہایت شدید الضعف ہونا کسے نہیں معلوم اُس کے بعد صریح کذاب وضّاع ہی کا درجہ ہے ائمہ شان نے اُسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کہا۔ ابن حبان اور جوزجانی نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے، بخاری کہتے ہیں کہ اسے یحییٰ اور ابن مہدی نے ترک کر دیا، دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ لاجرم حافظ نے تقریب میں فرمایا: اس پر کذب کا اتہام ہے اور اسے روافض کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۵۲۶]

مسیّب بن شریک

رسالہ: نطق الهلال بارخ ولاد الحبیب والوصال" میں ایک حدیث پاک ابو نعیم اور ابن عساکر کے حوالے سے ہے، وہ حدیث یہ ہے:

عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال: حمل برسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی عاشوراء المحرم و ولد یوم الاثنین ثنتی عشرة من رمضان.

یعنی استقرار نطفہٴ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دسویں محرم الحرام کو ہوا جب کہ بارہ رمضان المبارک میں ولادت ہوئی۔

اس حدیث کے راویوں میں ایک مسیب بن شریک ہیں جن کو اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے کلمات یہ ہیں:

" اقول: فیہ مسیب بن شریک ضعیف جدا" یعنی اس حدیث کے راویوں میں ایک مسیب بن شریک ہیں جو بہت ہی ضعیف ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۴، رسالہ: نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال]

نعیم بن حماد

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غربت لہ الشمس بمکۃ، فجمع بینھما بسرف.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکّہ میں تھے تو سُورج غائب ہوگیا چنانچہ آپ نے دونوں کو سَرِف میں جمع کیا۔ [شرح معانی الآثار، باب الجمع بین الصلاتین الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ج:۱، ص:۱۱۱]

ممکن ہے کہ کوئی دھوکہ کھا کر اس حدیث سے جمع بین الصلاتین کے جواز پر استدلال کرے، اس لیے یہ واضح کر دینا از حد ضروری ہے کہ یہ حدیث لائق استدلال نہیں، اس کی سند میں ایک راوی نعیم بن حماد ہیں، جو قابل احتجاج نہیں، ارباب جرح و تعدیل نے اسے کثیر الخطا، منکر الحدیث وغیر قرار دیا ہے، یہاں تک کہ ابوالفتح ازدی نے کہا: حدیثیں اپنے جی سے گھڑتا اور امام ابوحنیفہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا یہ اگرچہ مجازفات ازدی سے ہو مگر ذہبی نے طبقات الحفاظ و میزان الاعتدال دونوں میں اُس کے حق میں قول اخیر یہ قرار دیا: کہ وہ باوصف امامت منکر الحدیث ہے قابل احتجاج نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۲۶۵، رسالہ: حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین]

ھشام بن محمد سائب

مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علمائے جرح و تعدیل کے حوالے سے فرمایا کہ یہ از حد مجروح و مطعون ہے۔ امام دارقطنی وغیرہ نے فرمایا: متروک ہے۔ امام ابن عساکر نے کہا: رافضی نامعتمد ہے۔ ملخصًا۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۹، ص:۱۷۰۔۱۷۶]

یحییٰ بن مسلم طائفی

جامع ترمذی میں ہے:

حدثنا احمد بن عبدۃ الضبی نا یحیی بن مسلم الطائفی عن سفین عن منصور عن خیثمۃ عن رجل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من تمام التحیۃ الاخذ بالید.

ترجمہ: احمد بن عبدۃ الضبی نے یحییٰ بن مسلم سے اس نے سفین سے انھوں نے منصور انھوں نے خیثمہ انھوں نے ایک شخص کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ پکڑنا کامل سلام میں سے ہے۔ [جامع الترمذی، ابواب الادب، باب ماجاء فی المصافحۃ، ج:۲، ص:۹۷]

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدّد وجوہ سے فرمایا کہ یہ حدیث قابل احتجاج و استدلال نہیں، ضعیف ہے، پھر اس کے بعد اس کے ایک راوی یحییٰ بن مسلم طائفی کے بارے میں فرمایا کہ علمائے محدثین ان کا حافظہ برا بتاتے ہیں۔ کما فی التقریب [جیساکہ تقریب میں ہے۔] امام بخاری کہتے ہیں میرے نزدیک یہاں بھی ان کے حفظ نے غلطی کی۔ [صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین، ص:۱۵]

یحیٰ بن محمد جاری

سنن ابی داؤد میں ہے:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَارِىُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- غَابَتْ لَهُ الشَّمْسُ بِمَكَّةَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا بِسَرِفَ -

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سورج غروب ہوا تو حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مقام سرف میں عصر اور مغرب کے درمیان جمع کیے۔[سنن ابی داؤد، ج:۱، ص:۴۷۰، باب الجمع بین الصلاتین، حدیث:۱۲۱۷]

یہ حدیث پاک بھی جمع بین الصلاتین کے جواز کی دلیل ہے جو اہل سنت کے خلاف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی یحیٰ بن محمد جاری ہیں، جن پر محدثین کا کلام ہے۔ اب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلمات یہ ہیں:

اقول و باللہ التوفیق اصول حدیث و نیز اصول محدثہ ملاجی پر یہ حدیث ہرگز قابل حجت نہیں اصولِ حدیث پر اُس کی سند ضعیف اور اصولِ مُلّائیہ پر ضعف در ضعف در ضعف کیا جانیے کتنے ضعفوں کی طومار اور نری مردود متروک ہے۔

اولاً دو طریق پیشین میں یحیٰی بن محمد جاری ہے تقریب میں کہا: صدوق ویخطیئ [سچا ہے مگر خطا کرتا ہے۔] امام بخاری نے فرمایا: یتکلمون فیہ [ائمہ محدثین اُس پر طعن کرتے ہیں ۔] میزان میں یہی حدیث اس کے ترجمہ میں داخل کی اور کتب ضعفا میں زیر ترجمہ ضعفا اُن کی منکر حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۲۶۵]

یحیٰ بن ہاشم بن سمسار

اذا تطهرا حدکم فذکراسم اللہ علیه فانه یطهر جسده کله فان لم یذکراسم اللہ تعالیٰ علی طهوره لم یطهر الا امامر علیه الماء.

ترجمہ: کہ جب تم میں سے کوئی پاکی حاصل کرے اور اللہ کا نام لے تو اس کا پورا جسم پاک ہو جائے گا اور اگر اللہ کا نام نہ لے تو صرف وہی عضو پاک ہوگا جس پر پانی گزرا ہو۔ [دار قطنی، باب التسمیۃ علی الوضوء، مطبع القاہرہ ج:۱ص:۷۳]

اس حدیث شریف کی سند میں ایک راوی یحیٰ بن ہاشم سمسار ہے۔ اس کو ابن عدی نے وضاع قرار دیا، ابن معین اور صالح نے اس کی تکذیب کی اور نسائی نے اس کو متروک کہا۔ ملخصًا۔ [فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲، ص:۹۳، ۹۲]

وہ رواۃ جن کی ائمہ جرح وتعدیل نے توثیق فرمائی

ابو عثمان نہدی

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابو عثمان نہدی سے وہ ابن مینا تابعی سے راوی:

میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا، خدا کی قسم میں خوب جاگ رہا تھا کہ سنا کہ کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے: قم فقد اٰذیتنی اُٹھ کہ تو نے مجھے اذیت دی۔ پھر کہا کہ تم عمل کرتے ہو اور ہم نہیں کرتے خدا کی قسم اگر تیری طرح دو رکعتیں میں بھی پڑھ سکتا مجھے تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہوتا،، [شرح الصدور بحوالہ بیہقی فی دلائل النبوۃ، باب زیارۃ القبور، خلافت اکیڈمی سوات ص:۸۹]

اس میں ایک راوی ابو عثمان نہدی ہیں، ان کے بارے میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

[ابو عثمان نہدی] اجلہ اکابر تابعین سے ہیں، زمانہ رسالت پائے ہوئے ثقہ ثبت عمائد رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۷۱۶]

بکر بن عبد اللہ مزنی

عن بكر بن عبد الله المزني يقول :بلغني أنه ما من ميت إلا وروحه بيد ملك الموت فهم يغسلونه ويكفنونه وهو يرى ما يصنع أهله فلو أنه يقدر على الكلام لنهاهم عن الرنة والعويل.

ترجمہ: حضرت بکر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے حدیث پہنچی کہ جو شخص مرتا ہے اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے، لوگ اسے غسل وکفن دیتے ہیں اور وہ دکھتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کرتے ہیں، وہ ان سے بول نہیں سکتا کہ انھیں شور وفریاد سے منع کرے۔ [المنامات لابن ابی الدنیا، ص:۱۶، ۱۵]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردہ زندوں کو دیکھتا اور سنتا ہے، یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب مہذب ہے، اس کی سند اس طرح ہے:

حدثنا أبو بكر حدثني محمد بن الحسين حدثنا شبابة بن سوار حدثنا محمد بن طلحة بن مصرف قال سمعت بكر بن عبد الله المزني يقول:

اس میں ایک راوی بکر بن عبد اللہ مزنی ہیں، ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

تابعی جلیل ثقہ ثبت ہیں رواۃ صحاح ستہ سے ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۷۱۲]

بلال بن سعد

حضرت بلال بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے وعظ میں فرماتے: يا اهل الخلود يا اهل البقاء انكم لم تخلقوا

للفناء وانما خلقتم للخلود و الابد ولکنکم تنتقلون من دارٍ الیٰ دار ،،ترجمہ:اے ہمیشگی والو!اے بقا والو!تم فنا کونہ بنے بلکہ دوام و ہمیشگی کے لیے بنے ہو،ہاں ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہو۔][شرح الصدور،بحوالہ حلیہ،باب فضل الموت،خلافت اکیڈمی منگورہ سوات،ص:۵]

حضرت بلال بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فتاویٰ رضویہ میں ہے:

تابعی جلیل،عابد،فاضل،ثقہ،رجال نسائی وغیرہ سے ہیں۔[فتاویٰ رضویہ مترجم،ج:۹،ص:۷۴۴]

حبان بن ابی جبلہ

حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الشھید اذا استشھد انزل اللہ تعالیٰ جسد اکاحسن جسد ثم یقال لروحہ ادخلی فیہ فینظر الیٰ جسدہ الا ول مایفعل بہ و یتکلم فیظن انھم یسمعون کلامہ و ینظر الیھم فیظن انھم یرونہ حتی یاتیہ ازواجہ یعنی من الحور العین فیذھبن بہ.

ترجمہ: شہید کے لیے جسم نہایت خوبصورت یعنی اجسامِ مثالیہ سے اترتا ہے اور اس کی روح کو کہتے ہیں اس میں داخل ہو،پس وہ اپنے بدن کو دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور کلام کرتا ہے اور اپنے ذہن میں سمجھتا ہے کہ لوگ اس کی باتیں سن رہے ہیں،اور آپ جو انھیں دیکھتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ لوگ بھی اسے دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ حور عین میں سے اس کی بیبیاں آکر اسے لے جاتی ہیں۔[شرح الصدور،بحوالہ ابن مندہ باب مقر الارواح،خلافت اکیڈمی سوات،ص:۱۰۳]

یہ حدیث پاک اہل سنت و جماعت کی مستدل بہ ہے،اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔اس کی سند میں ایک اہم راوی حبان بن ابی جبلہ ہیں۔اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:حِبّان بن ابی جبلہ۔یہ تابعی ثقہ ہیں رجال بخاری سے ہیں۔[فتاویٰ رضویہ مترجم،ج:۹،ص:۷۰۹،رسالہ:حیات الموات فی بیان سماع الاموات]

سفیان[امام]

عن سفیان یقول إنه لیعرف کل شيء یعني المیت حتی إنه لیناشد غاسله بالله إلا خففت غسلي ،،ترجمہ: بیشک مردہ ہر چیز کو پہچانتا ہے یہاں تک کہ اپنے نہلانے والے کو خدا کی قسم دیتا ہے کہ آسانی سے نہلانا،اور یہ بھی فرمایا کہ اس سے جنازے پر کہا جاتا ہے کہ سن لوگ تیرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔[المنامات لابن ابی الدنیا،ص:۱۶]

اس میں ایک راوی حضرت امام سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں،ان کے بارے میں محدث بریلوی امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تبع تابعین ومجتہد ان کوفہ ورجال ستہ سے ہیں،امام ثقہ حجت محدّث مجتہد عارف باللہ ہیں ،،[فتاویٰ رضویہ مترجم،ج:۹،ص:۷۱۲،رسالہ:حیات الموات فی بیان سماع الاموات]

عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ:

عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ قال: الروح بید ملك یمشي مع الجنازة یقول اسمع ما یقال

لك فإذا بلغ حفرته دفنه معه -

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اسے جنازہ کے ساتھ لے کر چلتا اور اس سے کہتا ہے سن تیرے حق میں کیا کہا جاتا ہے۔[المنامات لابن ابی الدنیا، ص:۱۴]

اس میں ایک اہم راوی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ تابعی عظم القدر جلیل الشان میں رجال صحاح ستہ سے ہیں،،[فتاویٰ رضویہ مترجم،ج:۹،ص:۷۱۲،رسالہ مبارکہ:حیات الموات فی بیان سماع الاموات]

عمرو بن دینار

حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مامن میّت یموت الاّ وھو یعلم مایکون فی اھلہ بعدہ وانھم یغسلونہ و یکفونہ وانہ لینظر الیھم .

ترجمہ: ہر مردہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں میں کیا ہو رہا ہے لوگ اسے نہلاتے ہیں کفناتے ہیں اور وہ انھیں دیکھتا جاتا ہے۔[شرح الصدور، بحوالہ عمرو بن دینار، باب معرفۃ المیّت، خلافت اکیڈمی سوات ص:۳۹]

حضرت عمرو بن دینار کے بارے میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

یہ بھی تابعی جلیل ثقہ ثبت ہیں علمائے مکہ معظمہ ورجال صحاح ستہ سے ہیں۔[فتاویٰ رضویہ مترجم،ج:۹،ص:۷۱۰، رسالہ:حیات الموات فی بیان سماع الاموات]

علاء بن لجلاج

حضرت علاء بن لجلاج نے اپنے بیٹے عبد الرحمٰن سے فرمایا إِذَا أَدْخَلْتُمُونِي قَبْرِي فَضَعُونِي فِي اللَّحْدِ وَقُولُوا بِاسْمِ اللَّهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- وَسُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ سَنًّا وَاقْرَءُوا عِنْدَ رَأْسِي أَوَّلَ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتَهَا فَإِنِّي رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَحِبُّ ذَلِكَ.

ترجمہ: اے میرے بیٹے! جب مجھے لحد میں رکھے بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ کہنا۔ پھر مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا، پھر میرے سرہانے سورہ بقرہ کا شروع یعنی مفلحون تک اور خاتمہ یعنی آمن الرسول سے پڑھنا کہ میں نے ابن عمر کو یہ کرتے دیکھا ہے۔[السنن الکبریٰ،ج:۴،ص:۵۶،حدیث:۷۳۱۹/المعجم الکبیر،ج:۱۹،ص:۲۲۰،حدیث:۱۶۱۶۱]

قبر کے پاس قرآن حکیم کی تلاوت کے بارے میں یہ حدیث اہل سنت و جماعت کی مستدل بہ ہے۔اس کے راوی علاء بن لجلاج کے بارے میں اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

علا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔تابعی ثقہ ہیں اور ان کے بیٹے عبد الرحمان تبع تابعین مقبول الروایۃ سے دونوں صاحب رجال جامع الترمذی میں ہیں۔[فتاویٰ رضویہ مترجم،ج:۹،ص:۷۱۲،رسالہ:حیات الموات فی بیان سماع الاموات]

فضل بن موسیٰ

عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه قال : خرج رسول الله صلى الله عليه و سلم حتى إذا خلف ثنية الوداع إذا كتيبة قال من هؤلاء قالوا بني قينقاع وهم رهط عبد الله بن سلام قال وأسلموا قالوا لا قال بل هم على دينهم قال قل لهم فليرجعوا فإنا لا نستعين بالمشركين وهذا الإسناد أصح .

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے، جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا، ارشاد ہوا: یہ کون ؟ یہود بنی قینقاع قوم عبد اللہ بن سلام۔ فرمایا: کیا اسلام لے آئے ؟ عرض کی: نہ، وہ اپنے دین پر ہیں، فرمایا: ان سے کہدو لوٹ جائیں، ہم مشرکین سے مدد نہیں مانگتے۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۹، ص:۳۷، حدیث:۱۷۶۵۶]

اس حدیث پاک کی سند میں فضل بن موسیٰ ہیں، اس حدیث اور فضل بن موسیٰ کے بارے میں مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس کی سند میں فضل بن موسیٰ رجال صحاح ستہ سے ہیں، ثقہ، ثبت، صدوق ہیں،، [المحجۃ المؤتمنۃ، ص:۶۳]

قاسم بن سلام

انہیں ابو عبیدہ قاسم بن سلام کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد کتابوں کے حوالہ سے ارشاد فرمایا:

ابن خلکان نے کہا جیسا کہ فاضل عبد الحی نے مقدمہ ہدایہ میں کہا: ابو عبید بغیر تاء کتاب الحج کے باب الجنایات میں مذکور ہوا ان کا نام قاسم بن سلام ہے ادب کے فنون وفقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے دین میں فاضل مختلف علوم قراءت وفقہ وعربیت و تاریخ کے ماہر تھے ان کی روایت حسن ہے اور نقل صحیح ہے انہوں نے ابو زید واصمعی وابو عبیدہ وابن الاعرابی وکسائی وفراء وغیرہم سے روایت کی اور لوگوں نے ان کی تصنیفات سے حدیث وقراءت وامثال ومعنی شعر و احادیث غریبہ وغیرہا میں تئیس سے انتیس تک کتابوں کو روایت کیا، اور کہتے ہیں قاسم بن سلام نے سب سے پہلے غریب الحدیث میں تالیف فرمائی۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۸، ص:۵۵۸، ۵۵۷، رسالہ: الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقیٰ]

لیث

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

لیث صدوق [سچا] ہے مسلم اور چار دیگر کتابوں [ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ] کے رجال میں سے ہیں اور تعلیقات بخاری کے رواۃ میں سے ہیں البتہ زندگی کے آخری حصے میں انہیں اختلاط ہو گیا تھا لیکن اس وجہ سے ان کی حدیث ساقط نہیں

قرار پائی۔ جمہور کا کہنا یہ ہے کہ یہ ان لوگوں میں شمار ہے جن کی حدیث کو لکھا جاتا ہے، امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں یہ بیان فرمایا امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں فرمایا: ستر، صدق اور اخذ علم کا نام اس کو شامل ہے۔

حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریباً بتیس تعلیقات میں حضرت لیث کا ذکر ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ۱۵۰/سے زائد مقامات پر حضرت لیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی مذکور ہے۔ جامع ترمذی میں بھی تقریباً انیس احادیث کریمہ کی سندوں میں حضرت لیث رضی اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی موجود ہے۔

محمد بن اسحاق

حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ يُؤَذَّنُ بَيْنَ يَدَىْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- إِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ وَأَبِى بَكْرٍ وَعُمَرَ. ثُمَّ سَاقَ نَحْوَ حَدِيثِ يُونُسَ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ [سنن ابی داؤد، ج:۱، ص:۴۲۴، حدیث:۱۰۹۰، باب النداء یوم الجمعۃ]

امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث پاک کے جلیل الشان راوی حضرت محمد بن اسحاق کے بارے میں ارشاد فرمایا:

یہ حدیث حسن و صحیح ہے اسکے راوی محمد بن اسحق قابل بھروسہ، نہایت سچے امام ہیں۔ ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابو زرعہ اور ابن حجر نے فرمایا یہ بہت سچے ہیں۔ امام عبد اللہ ابن مبارک فرماتے ہیں: ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا۔ امام عبد اللہ بن مبارک، امام شعبہ اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ امام ابو زرعہ دمشقی نے فرمایا: اجلہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے، ابن عدی نے کہا: آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، امام علی ابن المدینی نے کہا: کسی امام یا محدث کو ابن اسحق پر جرح کرتے نہیں پایا، امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں میں ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت کرتا رہا اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا نہ ان پر کچھ تنقید کی، امام ابو معاویہ نے فرمایا: ابن اسحاق سب لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے، امام شعبہ نے فرمایا: میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحق کو محدثین پر حاکم بناتا یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ [شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر، ص:۷۰۔۷۷]

مجاہد [امام]

عن مجاهد قال :إذا مات الميت فملك قابض نفسه فما من شيء إلا وهو يراه عند غسله

وعند حمله حتى يصير إلى قبره .

ترجمہ: حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ جب مردہ مرتا ہے ایک فرشتہ اس کی روح ہاتھ میں لیے رہتا ہے، نہلاتے اٹھاتے وقت جو کچھ ہوتا ہے وہ سب دیکھتا جاتا ہے یہاں تک کہ فرشتہ اسے قبر تک پہنچا دیتا ہے۔ [المنامات،،ج:۱،ص:۱۵،حدیث:۹]

اس کی سند میں امام مجاہد ہیں، ان کے بارے میں مجدد اعظم، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

تابعی جلیل الشان امام مجتہد مفسر ثقہ علماء مکہ معظمہ واجلہ تلامذہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سب صحاح میں ان سے روایت ہے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۱۰۷، رسالہ: حیات الموات فی بیان سماع الاموات]

محمد بن عمرو بن علقمہ

عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه قال : خرج رسول الله صلى الله عليه و سلم حتى إذا خلف ثنية الوداع إذا كتيبة قال من هؤلاء قالوا بني قينقاع وهم رهط عبد الله بن سلام قال وأسلموا قالوا لا قال بل هم على دينهم قال قل لهم فليرجعوا فإنا لا نستعين بالمشركين وهذا الإسناد أصح .

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے، جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا، ارشاد ہوا: یہ کون؟ یہود بنی قینقاع قوم عبد اللہ بن سلام۔ فرمایا: کیا اسلام لے آئے؟ عرض کی: نہ، وہ اپنے دین پر ہیں، فرمایا: ان سے کہدو لوٹ جائیں، ہم مشرکین سے مدد نہیں مانگتے۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۹، ص:۳۷، حدیث:۱۷۶۵۶]

اس حدیث پاک کی سند میں ایک راوی محمد بن عمر ہیں، ان کے بارے میں محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس کی سند میں محمد بن عمرو بن علقمہ رجال صحاح ستہ سے ہیں ثقہ، ثبت، صدوق ہیں۔،،
[المحجة المؤتمنة،ص:۶۳]

محمد بن عجلان

عن أبي هريرة رضي الله عنه : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : كل شيء من لهو الدنيا باطل إلا ثلاثة انتضالك بقوسك و تأديبك فرسك و ملاعبتك أهلك فإنها من الحق.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر دنیوی کھیل باطل ہے مگر تین چیزیں، کمان کے ذریعہ تیر اندازی کرنا، اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا یہ تینوں حق ہیں۔ [المستدرک، ج:۲، ص:۱۰۴، حدیث:۲۴۶۸/المعجم الاوسط، ج:۵، ص:۲۷۸، حدیث:۵۳۰۹/کنز العمال، ج:۴، ص:۳۵۴، حدیث:۱۰۸۶۳]

اس حدیث کے راوی محمد بن عجلان اور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن کے بارے میں فتاویٰ رضویہ میں ہے:

محمد رجال مسلم سے صدوق ہیں اور عبد اللہ رجال صحاح ستہ سے ثقہ عالم ہیں۔ دونوں حضرات صغار تابعین سے ہیں تو ہمارے اصول پر حدیث صحیح ہے۔ [ہادی الناس، ص:۳۱]

محمد بن ابراہیم

محمد بن ابراہیم کے بارے میں فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

محدث ابونعیم نے اسے حلیۃ الاولیاء میں شمار کیا ہے۔ مزنی، ذہبی اور عسقلانی نے لقب: زاہد،، سے اس کی توصیف کی ہے جبکہ اس لفظ کو وہ اولیاء اللہ کی تعریف و توصیف ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ان کے محاوروں سے معلوم ہوتا ہے حتی کہ علامہ ذہبی نے سید الاقطاب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی یہی الفاظ استعمال کرنے پر اکتفا کیا ہے لہٰذا اس کی توثیق ہوئی پس اس سے بڑھ کر اور کون سی توثیق ہو سکتی ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲۳، ص:۶۶۴۔۶۶۷]

محمد بن واسع

حدیث پاک میں ہے: أن الموتی یعلمون بزوارھم یوم الجمعة و یوما قبله و یوما بعده.

ترجمہ: مردے اپنے زائرین کو جانتے ہیں، جمعہ کے دن ایک دن اس سے پہلے اور ایک دن اس کے بعد۔ [شعب الایمان للبیہقی، ج:۷، ص:۱۸، حدیث:۹۳۰۱]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردے دیکھتے ہیں۔ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن واسع ہیں، اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

حضرت محمد بن واسع۔ یہ تابعی ہیں، ثقہ، عابد، عارف باللہ، کثیر المناقب، رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۲۴۷، رسالہ مبارکہ: حیات الموات فی بیان سماع الاموات]

پیش رو محدثین کی تعلیقات [تصحیح و تحسین وغیرہ] پر کلام

امام ابو عیسیٰ ترمذی کی تعلیق پر کلام

[۱] عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول ﷺ: لعن اللہ زائرات القبور.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان عورتوں پر اللہ کی لعنت جو زیارت قبور کو جائیں۔ [جامع ترمذی، ج:۲، ص:۱۳۶، حدیث:۳۲۰]

امام ابو عیسیٰ ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: حدیث بن عباس حدیث حسن.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث حسن ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر پڑھنے سے پہلے حدیث مذکور کی سند ملاحظہ کر لیجئے!

حدثنا قتيبة حدثنا عبد الوارث بن سعيد عن محمد بن جحادة عن أبي صالح عن ابن عباس.

اب اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے کلمات پڑھئے:

اس کی سند ضعیف ہے اگر چہ ترمذی نے اس کی تحسین کی۔ اس میں ابو صالح باذام ہے یہ تابعی ہیں، امام بخاری نے ان کی تضعیف کی، امام نسائی نے ان کو غیر ثقہ کہا اور امام ابن معین کہتے ہیں: لیس به بأس،، [فتاویٰ افریقہ، ص:۸۱]

[۲]عن أنس بن مالك قال قال رجل : يا رسول الله الرجل منا يلقي أخاه أو صديقه أينحني له ؟ قال لا قال أفيلتزمه ويقبله ؟ قال لا قال أفيأخذ بيده ويصافحه ؟ قال نعم.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم میں کوئی آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لیے جھکے؟ فرمایا: نہ، عرض کی: اسے گلے لگائے اور پیار کرے، فرمایا: نہیں، عرض کی: اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ فرمایا: ہاں۔

قال أبو عيسى هذا حديث حسن -

ترجمہ: امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ [جامع ترمذی، ج:۵، ص:۷۵، حدیث:۲۷۲۸، باب ماجاء فی المصافحۃ]

یہ تو امام ترمذی کا موقف تھا کہ یہ حدیث حسن ہے اب اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ کے کلمات پڑھیے، فرماتے ہیں:

اگر نقد و تنقیح پر آئے تو وہ ہر گز نہ صحیح نہ حسن بلکہ ضعیف منکر ہے مدار اس کا حنظلہ بن عبداللہ سدوسی پر ہے اور حنظلہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام یحییٰ بن سعید قطان نے کہا: تر کته عمدا كان قد اختلط،، ترجمہ: میں نے اسے عمداً متروک کیا صحیح الحواس نہ رہا تھا۔

امام احمد نے فرمایا: ضعيف منكر الحديث يحدث باعاجيب،، ترجمہ: ضعیف اور منکر الحدیث ہے اور تعجب خیز روایات لاتا ہے،،

امام یحییٰ بن معین نے کہا: ليس بشيئ تغير فی اٰخر عمره،، ترجمہ: کوئی چیز نہ تھا آخر عمر میں متغیّر ہو گیا تھا۔

امام نسائی نے کہا: ضعیف ایک بار فرمایا: ليس بقوی،، ترجمہ: وہ قوی نہیں۔

ذکر کل ذٰلک الذهبی فی الميزان [ہر ایک کو امام ذہبی نے میزان مین بیان کیا۔] یوہیں امام ابو حاتم نے کہا: قوی نہیں۔ فی المغنی للامام الذهبی حنظلة السدوسی صاحب انس ضعفه ، وقال ابو حاتم ليس بالقوی،، امام

ذہبی کی مغنی میں ہے کہ حنظلہ سدوسی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کو اس نے ضعیف کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا قوی نہیں ہے۔ [میزان الاعتدال، ترجمہ حنظلۃ السدوسی دارالمعرفۃ بیروت، ج:۱، ص:۶۲۱]

لاجرم امام خاتم الحفاظ نے تقریب میں اس کے ضعف پر جزم فرمایا: حیث قال حنظلة السدوسی ابو عبد الرحیم ضعیف،، ترجمہ: ۔ جہاں انھوں نے فرمایا کہ حنظلہ سدوسی ابوعبدالرحیم ضعیف ہے۔ [تقریب التھذیب، ترجمہ حنظلۃ السدوسی، دارالکتب العلمیہ بیروت، ج:۱، ص:۲۵۰]

گر کہئے کہ امام ترمذی نے جو اس حدیث کی تحسین کی۔ اقول: ائمہ ناقدین نے امام ترمذی پر اس بارے میں انتقادات کیے ہیں اور وہ قریب قریب ان لوگوں میں ہیں جو تصحیح و تحسین میں تساہل رکھتے۔ امام عبدالعظیم منذری کتاب الترغیب میں فرماتے ہیں: انتقد علیه الحفاظ تصحیحه له بل و تحسینه،، ترجمہ: حفاظ نے ان کی تصحیح پر بلکہ تحسین پر بھی تنقید کی ہے۔ [الترغیب والترہیب، کتاب الجمعہ، حدیث: ۲۴ مصطفی البابی مصر، ج:۱، ص:۴۹۴]

ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: وَلهذا لایعتمد العلماء علی تصحیح الترمذی،، ترجمہ: اسی لیے ترمذی کی تصحیح پر علما اعتماد نہیں کرتے۔ [میزان الاعتدال ترجمہ، کثیر بن عبداللہ، دارالمعرفۃ بیروت ج:۳، ص:۴۰۷][صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین، ص:۱۱]

امام نسائی کی تعلیق پر کلام

مذہب حنفی میں شراب بلکہ اس کا قطرہ قطرہ حرام و نجس ہے، جس کی حرمت قرآن و احادیث میں جا بجا مصرح ہے۔ شراب کی حرمت میں قلت و کثرت کا فرق نہیں، کثیر احادیث کریمہ اس پر شاہد عدل ہیں، حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث بھی احناف کی مستدل بہ ہے، جس پر امام نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلام کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ احتجاج و استدلال کے لائق نہیں کہ اس کی سند میں ابن ابی شبرمہ کے استاذ عبداللہ بن شداد کو بتایا گیا ہے جب کہ ابن ابی شبرمہ کو اِن سے سماع حاصل نہیں مگر یہ ان کی تسامح ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں جو امام نسائی کی بطش شدید فرمائی ہے وہ انتہائی دیدنی ہے۔ سب سے پہلے اصل حدیث اور اس کی سند ذکر کی جا رہی ہے پھر اس کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صدر شک تعلیقات پیش کی جائیں گی۔

عن بن عباس قال : حرمت الخمر بعینها قلیلها وکثیرها والسکر من کل شراب،، ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خمر بعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ [سنن نسائی، ج: ۸، ص:۳۲۱، حدیث: ۵۶۸۴، کتاب الاشربہ، ذکر الاخبار التی اعتل بھا من اباح شراب السکر]

سند اس طرح ہے: أخبرنا أبو بکر بن علي قال حدثنا سریج بن یونس قال حدثنا هشیم عن

بن شبرمة قال حدثني الثقة عن عبد الله بن شداد عن بن عباس.

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

حديث ابن عباس رضى الله تعالیٰ عنهما حرمت الخمر بعينها والسكر من كل شراب، اخرجه النسائى فقال اخبرنا ابو بكر بن على اخبرنا القوار يرى ثنا عبدالوارث قال سمعت ابن شبرمة يذكره عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن ابن عباس رضى الله تعالیٰ عنهما قال حرمت الخمر قليلها وكثيرها والسكر من كل شراب وهو كما ترى سند نظيف نفيس، ابو بكر هو احمد بن على بن سعيد ثقة حافظ، والقوار يرى عبيدالله بن عمر بن ميسرة ثقة ثبت من رجال الشيخين، وعبدالوارث هو ابن سعيد بن ذكوان ثقة ثبت من رجال الستة، وابن شبرمة ثقة فقيه من رجال مسلم، وعبدالله بن شداد ثقة فقيه جليل من رجال الستة ولد على عهد رسول الله صلى الله تعالیٰ عله وسلم ومثله اوانظف واجود ماقدمنا من سند الامام الطحاوى، فهد هو ابن سليمٰن بن يحيٰى ثقة، وابونعيم هوالفضل بن دُكين ثقة ثبت من رجال الستہ من كبار شيوخ خ، بينه الحافظ ابوكر بن ابى خيثمة اذا روى هٰذا الحديث فى تاريخه فقال حدثنا ابونعيم الفضل بن دُكّين ثنا مسعرعن ابى عون كما سيأتى، ومسعر من لايجهل ثقة ثبت فاضل فقيه من رجال الستة، وابوعون هو محمد بن عبيدالله الثقفى ثقة من رجال الستة الا ابن ماجة، وعبدالله عبدالله بيدان ابا عبدالرحمٰن حاول ان يخدشه، فاتى بوجهين احدهما ان ابى شبرمة لم يسمعه عن عبدالله بن شداد اخبرنا ابو بكر بن على ثنا سريج بن يونس ثنا هشيم عن ابن شبرمة قال حدثنى الثقة عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضى الله تعالیٰ عنهما قال حرمت الخمر بعينها قليلها وكثيرها والسكر من كل شراب.

ترجمہ: حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ خمر بعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ امام نسائی نے اس کی تخریج کی، چنانچہ فرمایا: ہمیں ابوبکر بن علی نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں قواریری نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں نے ابن شبرمہ کو عبداللہ بن شداد بن الہاد سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ذکر کرتے ہوئے سنا، ابن عباس نے کہا کہ خمر کا قلیل وکثیر حرام کردیا گیا اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے، اور وہ جیسا کہ تو دیکھتا ہے صاف ستھری عمدہ سند ہے۔ ابوبکر احمد بن علی بن سعید ثقہ اور حافظ ہے۔ قواریری عبیداللہ بن عمر بن میسرہ ثقہ، ثبت اور شیخین کے رجال میں سے ہے۔ عبدالوارث ابن سعید بن ذکوان ثقہ، ثبت اور اصحاب صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ ابن شبرمہ عبداللہ ابوشبرمہ ثقہ، فقیہ اورامام مسلم کے رجال میں سے ہے۔ عبداللہ بن شداد ثقہ، فقیہ جلیل اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا، اور اس کی مثل یا اس سے زیادہ نظیف اور زیادہ جید امام طحاوی کی وہ سند ہے

جسے ہم پہلے ذکر کر آئے۔ فہد ابن سلیمان بن یحییٰ ثقہ ہے۔ ابونعیم فضل بن دکین ثقہ، ثبت، صحاح ستہ کے رجال اور بڑے شیوخ میں سے ہے، "خ" اس کو حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے بیان کیا جب انہوں نے اپنی تاریخ میں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہاکہ ہمیں ابونعیم فضل بن دکین نے حدیث بیان کی انہوں نے مسعر سے انہوں نے ابوعون سے، جیساکہ عنقریب آئے گا۔ مسعروہ ہے جومجہول نہیں ثقہ، ثبت، فاضل، فقیہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ ابوعون محمد بن عبیداللہ ثقفی ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے سوائے ابن ماجہ کے، اور عبداللہ عبداللہ ہے مگر جب ابوعبدالرحمن نے ارادہ کیاکہ اس پر عیب لگائے تو وہ دو وجہیں لایا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابن ابی شبرمہ نے اس کو عبداللہ بن شداد سے نہیں سنا۔ ہمیں خبر دی ابوبکر بن علی نے، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی سریج بن یونس نے اورانہیں بیان کی ہشیم نے ابن شبرمہ سے انہوں نے کہاکہ مجھے حدیث بیان کی ثقہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انہوں نے فرمایاکہ خمربعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کردی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام کیاگیا الخ۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۵، ص:۱۷۱، رسالہ: الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی]

اقول : هشيم ثقة ثبت من رجال الستة وقد بت سماعه هذا الحديث عن ابن ابى شبرمة اخرج ابوبكر بن ابى خيثمة قال حدثنا ايوب عن يزيد بن هارون عن قيس ثنا ابى ثنا هشيم اخبرنى ابن شبرمة عن عبدالله بن شدّاد عن ابن عباس قال حرمت الخمر بعينها قليلها وكثيرها و السكر من كل شراب، وقد علمت من كلام البزار ان عامة الحفاظ انما رووه عن ابن شبرمة عن ابن شداد ولم يدخل بينهما رجلا الا هُشَيم حيث عنعن ووافق الجماعة حيث نص على سماع نفسه من ابن شبرمة وسماع ابن شبرمة من ابن شداد صحيح فاذن انما كان الاولى بالطرح كونه بواسطة انه لم يثبت بسند يثبت وثانيها ان خالفه ابوعون اخبرنا محمد بن عبدالله بن الحكم ثنا محمد [غندر] ح واخبرنا الحسين بن منصور ثنا احمد بن حنبل ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبه عن مِسْعَر عن ابى عون عن عبدالله بن شدّاد عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قالت حرمت الخمر بعينها قليلها و كثيرها والمسكر من كل شراب لم يذكر ابن الحكم قليلها وكثيرها.

ترجمہ: اقول: [میں کہتاہوں] ہشیم ثقہ، ثبت اور اصحاب ستہ کے رجال میں سے ہے اوراس کا اس حدی کوسننا ابن شبرمہ سے ثابت ہے۔ ابوبکر بن ابوخیثمہ نے تخریج کرتے ہوئے کہاکہ ہمیں ایوب نے یزیدبن ہارون سے انہوں نے قیس سے حدیث بیان کی، قیس نے کہا مجھے میرے باپ نے انہوں نے کہا مجھے ہشیم نے انہوں نے کہا مجھے ابن شبرمہ نے عبداللہ بن شداد سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیث بیان کی، ابن عباس نے کہاکہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کردی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام کیاگیا، اور تحقیق بزار کے کلام سے تجھے معلوم ہوچکاکہ عام حفّاظ نے اس کوروایت کیا۔ ابن شبرمہ سے اس نے ابن شدّاد سے ان دونوں کے درمیان سوائے ہشیم کے کسی مرد کو داخل نہیں کیا۔ ہشیم نے جہاں عنعنہ کے

طور پر حدیث بیان کی اس میں انہوں نے جماعت کی موافقت کی کیونکہ انہوں نے اس بات پر نص کی کہ ان کا ابن شبرمہ سے سماع اور ابن شبرمہ کا ابن شداد سے سماع صحیح ہے تو اس صورت میں اس کا ترک اولیٰ ہے کیونکہ سند ثابت سے اس کا ثبوت نہیں ہوا، اور دوسری وجہ یہ کہ ابوعون نے اس کی مخالفت کی، ہمیں خبر دی عبداللہ بن حکم نے، اس نے کہا ہمیں حدیث بیان کی محمد یعنی غُندر نے، اس نے کہا ہمیں خبر دی حسین بن منصور نے، اس نے کہا ہمیں امام احمد بن حنبل نے، انہوں نے کہا ہمیں محمد بن جعفر نے، انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے مِسعر سے، اس نے ابوعون سے، اس نے عبداللہ ابن شداد سے، اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث بیان کی کہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کردیا گیا اور ہر شراب سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔ ابن حکم نے قلیل وکثیر کا ذکر نہیں کیا۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۵، ص:۱۷۴، رسالہ: الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی]

امام بیہقی کی تعلیق پر کلام

عن عبد الله بن مسعود قال سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول : إذا تطهر أحدكم فليذكر اسم الله عليه فإنه يطهر جسده كله فإن لم يذكر أحدكم اسم الله على طهوره لم يطهر إلا ما مر عليه الماء -

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پاکی حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے تو اس کا پورا جسم پاک ہوجائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو صرف وہی عضو پاک ہوگا جس پر پانی گزرا۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۱، ص:۴۴، حدیث:۱۹۹/ السنن للدارقطنی، ج:۱، ص:۷۳]

اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں ارشاد فرمایا: **وهذا ضعيف لا أعلمه. رواه عن الأعمش غير يحيى بن هاشم ويحيى بن هاشم متروك الحديث**، یہ حدیث ضعیف ہے، مجھے نہیں معلوم کہ یحییٰ بن ہاشم کے علاوہ بھی کسی نے امام اعمش سے روایت کیا ہے، اور یحییٰ بن ہاشم متروک الحدیث ہے۔ [مصدر سابق]

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

اس حدیث کو امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کیا، لیکن حدیث کو نقل کرکے فرماتے ہیں: یہ ضعیف ہے، میں نہیں جانتا کہ اس کو اعمش سے یحیی بن ہاشم کے غیر نے روایت کیا، اور وہ متروک الحدیث ہے، [سنن الکبریٰ للبیہقی، تسمیۃ علی الوضوء، بیروت، ج:۱، ص:۴۴]

ورواه ابن عدى بالوضع اھ وكذبه ابن معين وصالح جزرة وقال النسائى متروك وبه اعله المحقق فى الفتح حين كلامه على وجوب التسمية فى الوضوء تبعا للبيهقى.

ترجمہ: اور اس کو ابن عدی نے وضاع قرار دیا اھ ابن معین اور صالح نے اس کی تکذیب کی اور نسائی نے اس کو متروک کہا اور یہی علّت محقق نے فتح میں بیان کی، یہ اُس موقعہ پر ہے جہاں انہوں نے وضو میں بسم اللہ کے وجوب کا ذکر کیا بیہقی کی متابعت میں۔

امام بیہقی اور محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تعلیق پر کلام کرتے ہوئے مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ثابت فرمایا کہ یہ حدیث ہرگز ضعیف نہیں، اس حدیث کے دوسرے ایسے طرق بھی ہیں جن سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔آپ رقم طراز ہیں:

اقول: بل له طرق ترفعه عن الوهن فقد رواه الدار قطنی والبیهقی ایضا عن ابن عمر وهما وابو الشیخ عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنهم .

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس حدیث کے بعض طرق ایسے ہیں جو اس کی کمزوری کو رفع کرتے ہیں، دارقطنی اور بیہقی نے بھی اس کو ابن عمر سے روایت کیا، اور انہی دونوں نے اور ابوالشیخ نے ابو ہریرہ سے روایت کیا۔

وہ حدیثیں یہ ہیں:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : من توضأ وذكر اسم الله تطهر جسده كله ومن توضأ ولم يذكر اسم الله لم يتطهر إلا موضع الوضوء -

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بسم اللہ کرکے وضو کیا تو اس کا سارا جسم پاک ہوگا اور جس نے وضو کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی تو صرف وضو کی جگہ ہی پاک ہوگی۔[السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۱، ص:۴۵، حدیث:۲۰۱]

عن الحسن الكوفي مرسلا:من ذكر الله عند الوضوء طهر جسده كله، فإن لم يذكر اسم الله، لم يطهر منه إلا ما أصاب الماء-

ترجمہ: حضرت حسن کوفی سے مرسلاً روایت ہے کہ جس نے وضو کے وقت اللہ کا ذکر کیا اس کا تمام جسم پاک ہوجائے گا اور اگر اللہ کا ذکر نہ کیا تو صرف وہی حصہ پاک ہوگا جس پر پانی گزرا ہوگا۔[کنزالعمال، ج:۹، ص:۲۹۴، حدیث:۲۶۰۶۷]

عَنْ أَبِي بَكْرٍ ، قَالَ : إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ ، فَذَكَرَ اسْمَ اللهِ حِينَ يَأْخُذُ فِي وَضُوئِهِ ، طَهُرَ جَسَدُهُ كُلُّهُ ، وَإِذَا تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ ، لَمْ يَطْهُرْ مِنْهُ ، إِلاَّ مَا أَصَابَهُ الْمَاءُ-

ترجمہ: حضرت ابوبکر سے روایت ہے، فرمایا: بندہ جب وضو کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور اگر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو صرف وہی حصہ پاک ہوتا ہے جس پر پانی پہنچا ہو۔[مصنف ابن ابی شیبۃ، ج:۱، ص:۳۰، حدیث:۱۷]

عن مكحول قال اذا تطهر الرجل وذكر اسم الله طهر جسده كله واذالم يذكر اسم الله حين يتوضأ لم يطهر منه الامكان الوضوء ،، ترجمہ: حضرت مکحول سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص پاکی حاصل کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور جب بوقت وضو اللہ کا نام نہیں لیتا ہے تو صرف وضو کی جگہ پاک ہوتی

ہے،[کنزالعمال، آداب الوضوء، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ج:۹، ص:۴۵۷]

اب امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فیصلہ کن عبارت سے اپنی نگاہوں کو شاد کام کیجئے:

ومع هذه الطرق يستحيل الحكم بالسقوط بل ربما يرتفع عن الضعف لاجرم ان صرح فى المرقاة لحديث الدار قطنى ان سنده حسن وثانيا نقل العلامة الزيلعى المحدث جمال الدين عبدالله تلميذ الامام الزيلعى الفقيه فخرالدين عثمٰن شارح الكنز فى نصب الراية تحت حديث لاوضوء لمن لم يسم الله تعالى عن الامام ابن الجوزى ابى الفرج الحنبلى انه قال محتجا علينا فى ايجابهم التسمية للوضوء ان المحدث[اى بالحدث الاصغر اذفيه الكلام و يكون هو المراد عند الاطلاق كما فى الحلية] لايجوز[۲] له مس المصحف بصدره، واقره عليه.

ترجمہ: ان تمام طُرق کی موجودگی میں سقوط کا قول کرنا محال ہے بلکہ ان سے حدیث مرتبہ ضعف سے بلند ہوجاتی ہے اور مرقاۃ میں دارقطنی کی روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ ثانیا علامہ زیلعی محدّث جمال الدین عبداللہ شاگرد امام زیلعی فقیہ فخرالدین عثمان شارح کنز نصب الرایہ میں: لا وضوء لمن لم يسم الله[اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہ لے]کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ امام ابن جوزی ابوالفرج الحنبلی نے ہم پر حجت قائم کرنے کیلیے وہ بسم اللہ کو وضو میں واجب قرار دیتے ہیں فرمایا کہ مُحدِث[جس کو حدثِ اصغر لاحق ہوا کیونکہ کلام اُسی میں ہے اور عندالاطلاق وہی مراد ہوتا ہے، کمافی الحلیہ]اس کو مصحف کا چھونا اپنے سینہ سے جائز نہیں اھ اور اس کو انہوں نے برقرار رکھا۔[نصب الرایۃ، کتاب الطھارۃ، اسلامیہ ریاض، ج:۱، ص:۷][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲، ص:۹۳، ۹۲]

امام ابن حجر عسقلانی پر کلام

عن سالم رضى الله تعالىٰ عنه قال: دخلت على ابى عبد الله بن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنهما و هو يتعمم ،فلما فرغ التفت فقال: اتحب العمامة ،قلت : بلى ،قال احبها تكرم ،و لا يراك الشيطان الاولى ، سمعت رسول الله ﷺ يقول : صلاة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمسا وعشرين صلاة بلا عمامة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة، اى بنى ! اعتم ،فان الملائكة يشهدون يوم الجمعة معتمين فيسلمون عل اهل العمائم حتى تغيب الشمس .

ترجمہ: حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حضور حاضر ہوا اور وہ عمامہ باندھ رہے تھے، جب باندھ چکے تو میری طرف التفات کر کے فرمایا: تم عمامہ پسند کرتے ہو میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: اسے دوست رکھو عزت پاؤ گے اور جب شیطان تمہیں دیکھے گا تم سے پیٹھ پھیر لے گا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: عمامہ کے ساتھ ایک نفل نماز خواہ فرض بے عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے اور

عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ بے عمامہ کے ستر جمعوں کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: اے فرزند! عمامہ باندھا کر، فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھ کر آتے ہیں اور سورج ڈوبنے تک عمامہ والوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۱۵، ص:۳۰۶، حدیث:۴۱۱۳۹]

امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لسان المیزان میں حدیث مذکور کے بارے میں فرمایا کہ یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے۔ وجہ یہ بتائی کہ اس حدیث کے راویوں میں عباس بن کثیر، ابوبشر بن سیار، محمد ابن مہدی مروزی اور مہدی بن میمون مجہول ہیں۔

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر پر رحم فرمائے۔ انہوں نے اس حدیث کو موضوع کیسے قرار دیدیا جب کہ اس روایت میں نہ کوئی ایسی چیز ہے جسے عقل و شرع محال جانے اور نہ ہی اس کی سند میں کوئی وضاع، کذاب اور متہم ہے، محض راوی کے مجہول ہونے سے اس حدیث کو چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ فضائل میں قابل استدلال ہی نہ رہے، موضوع کہنا تو بہت بڑی بات ہے۔

ابونعیم کے نزدیک عیسی بن یونس اور دیلمی کے نزدیک سفیان بن زیاد۔ دونوں نے عباس سے انہوں نے یزید سے انہوں نے میمون بن مہران سے روایت کیا ہے۔ اور میمون سے مراد ابوایوب جزری الرقی ہیں جو نہایت ثقہ اور فقیہ ہیں۔ مسلم اور چاروں سنن کے رجال سے ہیں جیسا کہ حافظ نے خود تقریب میں کہا۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۸۰،۷۹]

محترم قارئین! آیئے حقائق کے اجالوں میں دیکھیے کہ میمون بن مھران سے کس کتاب میں کتنی حدیثیں مروی ہیں۔

صحیح مسلم، ج:۶، ص:۶۰، باب:۳، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السبع، میں حدیث نمبر: ۵۱۰۵، ۵۱۰۳، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، انہی سے مروی ہیں۔ جامع ترمذی میں چار، سنن ابی داؤد میں سات، سنن ابن ماجہ میں چھ حدیثیں انھیں سے مروی ہیں، سنن نسائی میں حدیث نمبر: ۹۵۸، اور ۴۳۴۸، کی سند میں بھی ان کا نام ہے۔

فقیر راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ اگر راوی مہدی بن میمون بھی ہو تب بھی کوئی حرج نہیں کہ یہ بھی صحیح بخاری، صحیح مسلم اور چاروں سنن کے رجال سے ہیں۔

صحیح بخاری میں کل چھ، صحیح مسلم میں تیرہ، جامع ترمذی میں تین حدیثیں ان سے مروی ہیں، سنن ابی داؤد میں حدیث نمبر: ۱۳۰۰، اور ۲۲۷۷ کی سند میں بھی حضرت مہدی بن میمون ہیں۔ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر: ۳۴۰ کے راویوں میں ایک نام مہدی بن میمون کا ہے۔ سنن نسائی کی حدیث: ۲۲۲۰ کے رجال میں مہدی بن میمون بھی ہیں۔

[۲] عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لا یدخل مسجدنا ھذا بعد عامنا ھذا مشرک الا اھل العھد و خدمھم۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہماری اس مسجد میں اس سال کے بعد کوئی مشرک آنے نہ پائے بس ذمی اور ان کے غلام۔ [مسند احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۳۸۶]

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : لا یدخل مسجدنا ھذا بعد عامنا ھذا مشرک غیر اھل الکتاب و خدمھم-

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہماری اس مسجد میں اس سال کے بعد کوئی مشرک آنے نہ پائے بس کتابی اور ان کے غلام۔[مسند احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۲۹۶]

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوا کہ مسجد میں کتابی ذمی کا آنا جائز ہے، کفار و مشرکین کا نہیں، یہی مذہب حنفی ہے۔
امام عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث مذکور کی سند کو جید کہا ہے، جب کہ امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریب التہذیب میں فرمایا کہ اس حدیث کے راوی اشعث بن سوار ضعیف ہے۔
مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی، محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام احمد بن حنبل، ابن معین، ابن مہدی، عثمان ابن ابی شیبۃ، ابن شاہین، ابن عدی اور بزار وغیرہم کے حوالے سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ اشعث بن سوار ضعیف نہیں بلکہ قوی اور ثقہ ہیں۔ آپ کے مبارک و میمون کلمات یہ ہیں:
امام عینی کا مذکورہ حدیث کی سند کو سند جید کہنا ہمارے اصول کے مطابق ہے۔ لہذا ہم پر یہ لازم نہیں کہ ہم محدثین کے اصول کی خاطر اپنے اصول چھوڑ دیں چہ جائیکہ ایک متاخر عالم شافعی کے قول کی خاطر کہ علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفیٰ:۸۵۲ ھ نے تقریب التہذیب میں اس حدیث کے راوی اشعث بن سوار کو ضعیف کہا ہے۔ لہذا تم اس جرح و تنقید پر کان نہ دھرو، کیوں کہ اشعث بن سوار تو امام شعبہ، امام ثوری اور یزید بن ہارون وغیرہم اجلۂ ائمہ کے شیوخ و اساتذہ سے ہیں۔ اور امام شعبہ کی روایت میں احتیاط معلوم ہے۔
[۱]۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: اشعث بن سوار کی جلالت شان کے پیش نظر ان کے شیخ ابو اسحاق سبیعی نے ان سے روایت کی۔ [۲] امام سفیان ثوری نے کہا: اشعث،، مجالد سے قوی تر ہے۔ [۳] ابن مہدی کا قول ہے: مجالد سے مرتبہ میں اعلیٰ ہیں حالانکہ مجالد رجال صحیح مسلم سے ہیں۔ [۴] ابن معین نے کہا: اشعث،، اسماعیل بن مسلم کے مقابلہ میں مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ [۵] امام احمد۔ [۶] اور امام عجلی نے کہا: وہ حدیث میں محمد بن سالم کی بہ نسبت راجح تر ہیں۔ [۷] عثمان بن ابی شیبۃ نے ان کو صدوق کیا۔ [۸] ابن شاہین نے ثقات میں ذکر کیا۔ [۹] ابن عدی نے کہا: میں نے ان کے متن کو منکر نہیں پایا۔ [۱۰] بزار نے کہا: ہم نے کسی کو ان کی حدیث چھوڑتے ہوئے نہیں دیکھا مگر وہی لوگ جن کو علم حدیث میں قلیل معرفت حاصل ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ اشعث بن سوار کی توثیق کی گئی ہے اور کبھی ان پر جرح و قدح نہیں ہوئی بلکہ جرح مفسر اصلاً منقول نہیں، تو ان کی حدیث حسن ہے، اسی لیے امام عینی نے فرمایا: حدیث مذکور کی سند جید ہے۔[المحجۃ المؤتمنۃ، ص:۸۳، ۸۲]

علامہ جوزی کی تعلیق پر کلام

[۱] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلت: یا رسول اللہ ! ا تلبس السراویل؟ قال:

اجل فی السفر والحضر و باللیل و النھار فانی امرت بالستر فلم اجد شیاً استر منه ،،
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پاجامہ پہنتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! سفر و حضر اور دن و رات ہر وقت پہنتا ہوں کہ مجھے ستر پوشی کا حکم ملا تو میں پاجامے سے زیادہ کسی چیز کو ستر پوشی کرنے والا نہیں پایا۔ [فتح الباری، ج:۱۰، ص:۲۷۳/۲/الموضوعات لابن الجوزی، ج:۳، ص:۴۷]
علامہ ابو الفرج جوزی نے اس حدیث پاک کو اپنی کتاب: موضوعات ،، میں موضوع قرار دیا جب کہ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی اور امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یوسف بن زیاد واسطی کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث شدید ضعیف ہے، البتہ پاجامہ خریدنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ محدث بریلوی کے کلمات یہ ہیں:
مگر یہ حدیث بشدت ضعیف ہے۔ حتی ان ابا الفرج اورده علی عادته فی الموضوعات،، یہاں تک کہ ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی عادت کے مطابق اس کو موضوعات میں شمار کیا۔ والصواب کما بینه الامام السیوطی واقتصر علیه الحافظ ابن حجر و غیره أنه ضعیف فقط ،تفرد به یوسف بن زیاد الواسطی. لیکن صحیح یہ ہے کہ صرف ضعیف ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے بیان فرمایا، اور حافظ ابن حجر نے بھی اسی پر اقتصار کیا۔ اس کی سند میں یوسف بن زیاد واسطی یک وتنہا ہیں ، جو ضعیف ہیں، ہاں! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسے خریدنا بسند صحیح ثابت ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۸۳]
[۲]وروی أنه صلى الله عليه وسلم لما فتح خيبر اصاب حمارا أسود فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اسمك قال يزيد بن شهاب أخرج الله من نسل جدي ستين حمارا كلهم لا يركبهم إلا نبي وقد كنت أتوقعك لتركبني لم يبق من نسل جدي غيري ولم يبق من الأنبياء غيرك قد كنت لرجل يهودي فكنت اتعثر به عمدا وكان يجيع بطني ويضر بظهري فقال له النبي صلى الله عليه وسلم فأنت يعفور وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبعثه إلى باب الرجل فيأتي الباب فيقرعه برأسه فإذا خرج صاحب الدار أومأ إليه أن أجب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم ألقى نفسه في بئر جزعا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فمات-
ترجمہ جب خیبر فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دراز گوش سیاہ رنگ دیکھا اس سے کلام فرمایا، وہ جانور بھی تکلم میں آیا، ارشاد ہوا، تیرا کیا نام ہے؟ عرض کی: یزید بیٹا شہاب کا،، اللہ تعالیٰ نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ دراز گوش پیدا کیے، ان سب پر انبیا سوار ہوا کیے۔ مجھے یقینی توقع تھی کہ حضور مجھے اپنی سواری سے مشرف فرمائیں گے کہ اب اس نسل میں سوا میرے اور انبیا میں سوا حضور کے کوئی باقی نہیں، میں ایک یہودی کے پاس تھا اسے قصداً گرا دیا کرتا وہ مجھے بھوکا رکھتا اور مارتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام یعفور رکھا، جسے بلانا چاہتے اسے بھیج

دیتے چوکھٹ پر سرمار تا جب صاحب خانہ باہر آتا اسے اشارے سے بتاتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یاد فرماتے ہیں، جب حضور پر نور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انتقال فرمایا وہ مفارقت کی تاب نہ لایا ابو الہیثم بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنویں میں گر کر مر گیا۔[السیرہ الحلبیہ، ج۲، ص ۴۷۷/الخصائص الکبریٰ، ج۲، ص۱۰۰]

ابن دحیہ کی تعلیق پر کلام

عن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان في محفل من أصحابه إذ جاء أعرابي من بني سليم قد صاد ضبا وجعله في كمه ليذهب به إلى رحله فيشويه ويأكله، فلما رأى الجماعة قال: ما هذه؟ قالوا: هذا الذي يذكر أنه نبي فجاء حتى شق الناس، فقال: واللات والعزى! ما اشتملت النساء على ذي لهجة أبغض إلي منك ولا أمقت، ولولا أن تسميني قومي عجولا لعجلت إليك فقتلتك فسررت بقتلك الأحمر والأسود والأبيض وغيرهم، فقلت: يا رسول الله! دعني فأقوم فأقتله! فقال: يا عمر! أما علمت أن الحليم كاد أن يكون نبيا؟ ثم أقبل على الأعرابي فقال: ما حملك على أن قلت ما قلت - وقلت غير الحق ولم تكرم مجلسي؟ قال: وتكلمني أيضا - استخفافا برسول الله صلى الله عليه وسلم؟ واللات والعزى!. لا أومن بك أو يؤمن بك هذا الضب، فأخرج الضب من كمه وطرحه بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: إن آمن بك هذا الضب آمنت بك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ضب ! فأجابه الضب بلسان عربي مبين يسمعه القوم جميعا: لبيك وسعديك يا زين من وافى القيامة! قال: من تعبد يا ضب؟ قال: الذي في السماء عرشه، وفي الأرض سلطانه وفي البحر سبيله وفي الجنة رحمته وفي النار عذابه، قال: فمن أنا يا ضب؟ قال: أنت رسول رب العالمين وخاتم النبيين، وقد أفلح من صدقك وقد خاب من كذبك، قال الأعرابي: لا أتبع أثرا بعد عين، والله لقد جئتك وما على ظهر الأرض أحد أبغض إلي منك وإنك اليوم أحب إلي من والدي ونفسي وإني لأحبك بداخلي وخارجي وسري وعلانيتي، أشهد أن لا إله إلا الله وأنك رسول الله-

ترجمہ: امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجمع صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک بادیہ نشیں قبیلۂ بنی سلیم کا آیا، سوسمار شکار کرکے لایا تھا، وہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا اور بولا: قسم ہے لات وعزی کی وہ شخص پر ایمان نہیں لائے گا جب تک یہ سوسمار ایمان نہ لائے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جانور کو پکارا وہ فصیح زبان، روشن بیان عربی میں بولا جسے سب حاضرین نے خوب سنا اور سمجھا، سوسمار نے کہا: میں خدمت وبندگی میں حاضر ہوں اے تمام حاضرین مجمع محشر کی زینت۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا معبود کون؟

عرض کی: وہ جس کا عرش آسمان میں اور سلطنت زمین میں اور راہ سمندر میں اور رحمت جنت میں اور عذاب نار میں۔ فرمایا: بھلا میں کون ہوں؟ عرض کی: حضور، پروردگار عالم کے رسول اور رسولوں کے خاتم جس نے حضور کی تصدیق کی وہ مراد کو پہنچا اور جس نے نہ مانا نامراد رہا۔ اعرابی نے کہا: ان آنکھوں دیکھے کے بعد کیا شبہ ہے، خدا کی قسم میں جس وقت حاضر ہوا حضور سے زیادہ اس شخص کو دشمن کوئی نہ تھا اور اب حضور مجھے اپنے باپ اور اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ [کنز العمال، ج:۱۲، ص:۳۵۵، حدیث:۳۵۳۶۴/دلائل النبوۃ، ج:۲، ص:۱۳۴]

علامہ ابن جوزی نے پہلی حدیث پاک کو اور ابن دحیہ نے خصائص میں دوسری حدیث کو موضوع قرار دیا، جب کہ امام قسطلانی، علامہ زرقانی، ابن عدی، امام بیہقی اور امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ یہ حدیثیں ضعیف ہو سکتی ہیں، وضع کا قول قول مہجور ولا یعبأ بہ ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے مخصوص طرز دل ربائی میں اس جرح و تنقید کے تانے بانے بکھیر کر رکھ دئے ہیں، آپ رقم طراز ہیں:

قلت ولا عليك من دندنة العلامة ابن الجوزى كعادته عليه ولا من تحامل ابن دحية علىٰ حديث الضب المارسابقا فليس فيهما ما ينكر شرعا ولا فى سندهما كذاب ولا وضاع ولا متهم به فانى ياتيهما الوضع وهذا امام الشان العسقلانى قد اقتصرفى حديث ابى منظور على تضعيفه وله شاهد من حديث معاذكما ترى لا جرم ان قال الزرقانى نهايته الضعف لا الوضع. وقال هو والقسطلانى فى حديث الضب[معجزاته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيها ما هو ابلغ من هذا وليس فيه ما ينكر شر عا خصوصا و قدرواه الائمة] الحافظ الكبار كابن عدى وتلميذه الحاكم و تلميذه البيهقى وهو لا يروى موضوعا والدارقطنى وناهيك به [فنها يته الضعف لاالوضع] كما زعم كيف ولحديث ابن عمر طر يق اٰخر ليس فيه السلمى رواه ابو نعيم وورد مثله من حديث عائشة وابى هر يرة عند غير هما.

ترجمہ: قلت [میں کہتا ہوں] علامہ ابن جوزی کا اعتراض جیسا کہ اس کی عادت ہے تجھے مضر نہیں، اور نہ ہی ابن دحیہ کی سوسمار سے متعلق گزشتہ حدیث پر جسارت تجھے مضر ہے، ان دونوں حدیثوں میں شرعی طور پر کوئی قابل انکار چیز نہیں اور نہ ہی ان کی سندوں میں کوئی کذاب اور وضاع اور متہم راوی ہے تو ان حدیثوں کا موضوع ہونا کہاں سے ہوا جبکہ امام عسقلانی نے ابو منظور کی حدیث کو ضعیف کہنے پر اقتصار کیا حالانکہ اس حدیث کا شاہد حضرت معاذ کی حدیث ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے اسی بنا پر علامہ زرقانی نے فرمایا زیادہ سے زیادہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں ہے، اور انہوں نے اور امام قسطلانی نے بھی سوسمار والی حدیث کے متعلق فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں تو اس سے بڑھ کر واقعات ہیں جبکہ اس حدیث میں شرعی

طور پر قابل انکار چیز بھی نہیں، خصوصاً جبکہ اس کو بڑے ائمہ حفاظ جیسے ابن عدی، ان کے شاگرد امام حاکم اور ان کے شاگرد امام بیہقی نے روایت کیا ہو، امام بیہقی تو موضوع روایت ذکر نہیں کرتے، اس کو دارقطنی نے روایت کیا ان کی سند تو تجھے کافی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ حدیث ضعیف ہو سکتی ہے موضوع نہیں ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا، موضوع کیسے کہا جائے جبکہ ابن عمر کی حدیث دوسرے طریقہ سے بھی مروی ہے جس میں سلمی مذکور نہیں اس طریق کو ابو نعیم نے روایت کیا اور حضرت عائشہ صدیقہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی مثل دونوں کے غیر سے وارد ہے۔

[شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ،مقصد رابع، فصل اول، حدیث الضب دارالمعرفۃ بیروت،ج: ۵ص: ۱۵۰،۱۴۹،۱۴۸/المواہب اللدنیہ، مقصد رابع، فصل اول، حدیث الضب المکتب الاسلامی، بیروت، ج:۲،ص:۵۵۵]

قلت وقد اوردكلا الحديثين الامام خاتم الحفاظ فى الخصائص الكبرى وقد قال فى خطبتها نزهته عن الاخبار الموضوعة وما يرد اھ، قلت وعزو الزرقانى حديث الضب لا بن عمر تبع فيه الماتن اعنى الامام القسطلانى صاحب المواهب وسبقهما الد ميرى فى حيٰوة الحيوان الكبرى لكن الذى رأيت فى الخصائص الكبرىٰ والجامع الكبير للامام الجليل الجلال السيوطى هو عزوه لاميرالمؤمنين عمر رضى الله تعالىٰ عنه كما قدمت وقد اورده فى الجامع فى مسند عمر فز يادة لفظ الابن اما وقع سهوا اويكون الحديث من طريق ابن عمر عن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما فيصح العزو الى كل وان كان الاولى ذكرا لمنتهى ويحتمل على بُعد عن كل منهما فاذن يكون مرويا عن ستة من الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم-

ترجمہ: قلت [میں کہتا ہوں] ان دونوں حدیثوں کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں ذکر فرمایا حالانکہ انہوں نے اس کتاب کے خطبہ میں فرمایا ہے میں نے اس کتاب کو موضوع اور مردود روایات سے دور رکھا ہے اھ قلت [میں کہتا ہوں] زرقانی کا سوسمار والی حدیث کو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف منسوب کرنا ماتن یعنی مصنف مواہب امام قسطلانی کی پیروی ہے جبکہ ان دونوں سے قبل علامہ دمیری نے حیٰوۃ الحیوان میں اس کو ذکر کیا لیکن میں نے امام جلال الدین سیوطی کی خصائص الکبریٰ اور جامع کبیر میں دیکھا انہوں نے اس کو امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، انہوں نے اسے اپنی جامع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسند میں ذکر فرمایا، تو ابن کا لفظ سہواً لکھا گیا ہے یا پھر ابن عمر کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے لہٰذا دونوں حضرات کی طرف نسبت درست ہے، اگرچہ منتہی راوی یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرنا اولیٰ ہے اور بعید احتمال کے طور پر دونوں حضرات سے مستقل روایت بھی ہو سکتی ہے تو یوں چھ صحابہ سے یہ حدیث مروی ہوگی۔ [الخصائص الکبریٰ، مقدمۃ المؤلف، دارالکتب الحدیثیہ، بیروت، ج:۱، ص:۸][رسالہ مبارکہ: جزاء اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوۃ، ص:۷۳]

صاحب فتح القدیر علامہ ابن الھمام پر کلام

سنن دارقطنی میں ہے: لاوضو علی من نام قاعدا انما الوضو علی من نام مضطجعا فان نام مضطجعا استرخت مفاصله.

ترجمہ: اس پر وضونہیں جو بیٹھا ہوا سوجائے وضواس پر ہے جو کہ کروٹ لیٹ کر سوئے اس لیے کہ جو کروٹ لیٹ کر سوئے گا اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجائیں گے ۔ [سنن الدراقطنی ،باب فیما روی فیمن نام قاعدا الخ، حدیث: ۵۸۵ دار المعرفۃ بیروت، ج:۱، ص:۳۷۶]

اس حدیث پاک کی متعدّد اور مختلف سندیں ہیں، ایک سند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی ہے، اس میں ایک راوی مہدی بن ہلال ہیں اور اس مضمون کی حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس و حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سند سے ہے، اس میں راوی بحر بن کنیز سقاء ہیں۔ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن ضرور ہے۔ آپ کے کلمات یہ ہیں:

حضرت محقق نے فتح القدیر میں ایک دوسری حدیث بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ذکر کی ہے اس میں ایک راوی مہدی بن ہلال ہے اور ایک حدیث بروایت حضرت ابن عباس حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ذکر کی ہے اس میں ایک روای بحرین کنیز سقاء ہے پھر فرمایا ہے: ہم نے حدیث جن طرق سے نقل کی ہے ان میں غور کروگے تو حدیث تمھارے نزدیک درجہ حسن سے فروتر نہ ہوگی [فتح القدیر، کتاب الطہارۃ، فصل فی نواقض الوضوء، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ج:۱، ص:۴۵]

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام دارقطنی،، امام بخاری، نسائی، یحییٰ بن سعید، ابن معین ،علی بن المدینی، امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حوالے سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ہلال بن مہدی اور بحر بن کنیز سقاء پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں، ائمۂ جرح و تعدیل کے نزدیک سخت مجروح و مطعون ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے کلمات یہ ہیں:

اقول: اما ابن هلال فلایصلح متابعافقد كذّبه يحيي بن سعيد .

ابن ہلال تو متابعت کے قابل نہیں، یحیی بن سعید نے اسے کاذب کہا۔ [میزان الاعتدال، ترجمہ مہدی بن ہلال، دار المعرفۃ بیروت، ج:۴، ص:۱۹۶]

وقال الدار قطني وغيره متروك،، دارقطنی اور ان کے علاوہ نے بھی کہا متروک ہے۔ [مصدر سابق]

وقال ابن معين يضع الحديث وقال ابن المديني كان يتهم بالكذب،، ترجمہ: ابن معین نے کہا، وہ حدیث وضع کرتا تھا، ابن مدینی نے کہا، مہتم بالکذب تھا۔ [مصدر سابق]

واما ابن كنيز فقال النسائي والدار قطني متروك وهو قضية قول ابن معين لايكتب حديثه لكن الحافظ في التقريب اقتصر على انه ضعيف تبعا للبخاري وابي حاتم فكان يجب اسقاط الاول

وما كان كبير حاجة الى الأخر فان الحديث بنفسه لاينزل عن درجة الحسن على اصولنا ان شاء الله تعالىٰ وكلام الاثرين ماش على اصولهم من ردالمراسيل وعنعنة المدلسين مطلقا.

ترجمہ: رہاابن کنیز، تواس کے بارے میں نسائی اوردارقطنی نے کہا متروک ہے یہی ابن معین کے قول: لايكتب حديثه[اس کی حدیث نہ لکھی جائے]کا بھی تقاضا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں بہ تبعیت امام بخاری وابوحاتم اسے ضعیف بتانے پر اکتفاکی، توپہلی روایت [روایت ابن ہلال] کوساقط کردیناواجب تھااور دوسری [روایت ابن کنیز] کی بھی کوئی بڑی ضرورت نہ تھی، اس لیے کہ اصل حدیث ہمارے اصول کی روسے خودہی درجہ حسن سے فروتر نہ ہوگی ان شاءاللہ تعالیٰ اور محدثین کا کلام ان کے اپنے اصول پر جاری ہے کہ مرسل حدیثیں اور اہل تدلیس کا عنعنہ مطلقانامقبول ہے۔[میزان الاعتدال، ترجمہ بحر بن کنیز، دارالمعرفۃ بیروت، ج:۱، ص:۲۹۸/تقریب التہذیب ترجمہ بحر بن کنیز، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ج:۱ص:۱۲۱]

غیر مقلدین کی تحریفات کی نشان دہی

اسماعیل دہلوی

[۱] اہل سنت وجماعت کا موقف یہ ہے کہ محبوبان خدا سے توسل واستمداد بلاشبہ محمود و مستحسن ہے، جس کے جواز و استحسان پر کثیر آیات، بے شمار احادیث اور ڈھیروں اقوال فقہاو محدثین ناطق ہیں، ان میں سے ایک دلیل یہ حدیث پاک بھی ہے:

ان رجلاكان يختلف الى عثمٰن بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه فى حاجة له، فكان عثمٰن لايلتفت اليه ولاينظر فى حاجته، فلقى عثمٰن بن حنيف رضى الله تعالىٰ عنه فشكا ذلك اليه، فقال له عثمٰن بن حنيف: ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل اللهم انى اسألك واتوجه اليك بنبينا محمدصلى الله تعالىٰ عليه وسلم نبى الرحمة، يامحمد انى اتوجه بك الى ربى فتقضى لى حاجتى، وتذكر حاجتك ورح الى حتى اروح معك، فانطلق الرجل فصنع ماقال له، ثم اتى باب عثمٰن رضى الله تعالىٰ عنه فجاء البواب حتى اخذه بيده فادخله على عثمن بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه فاجلسه معه على الطنفسة، فقال حاجتك،فذكر حاجته فقضاهاله، ثم قال: ماذكرت حاجتك حتى كانت هذه الساعة وقال ماكانت لك من حاجة فاذكرها ثم ان الرجل خرج من عنده فلقى عثمن بن حنيف رضى الله تعالىٰ عنه، فقال له جزاك الله خيرا، ماكان ينظر فى حاجتى ولايلتفت الى حتى كلمته فى، فقال عثمن بن حنيف رضى الله تعالىٰ عنه والله ما كلمته، ولكن شهدت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واتاه رجل ضرير فشكا اليه ذهاب بصره، فقال له النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ائت الميضأة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات، فقال عثمن بن حنيف فوالله

ماتفرقنا و طال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل کانہ لم یکن بہ ضر قط.

یعنی ایک حاجت مند اپنی حاجت کے لیے امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی انہوں نے فرمایا وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ: الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے اور اپنی حاجت کا ذکر کر، شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں، حاجت مند نے یوں ہی کیا پھر آستان خلافت پر حاضر ہوا دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا مطلب پوچھا، عرض کیا فوراً روا فرمایا اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا پھر فرمایا جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ شخص وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور کہا اللہ تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف التفات نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اُن سے میرے بارے میں عرض کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تو تیرے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا، مگر ہوا یہ کہ میں نے سیّدعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یوں ہی اسے ارشاد فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعت پڑھے پھر یہ دعا کرے، خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی اندھا ہی نہ تھا۔[المعجم الکبیر للطبرانی، ما اسند عثمان بن حنیف: ۸۳۱۱، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت، ج:۹، ص:۱۷]

اس حدیث پاک کے بارے میں محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام منذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

امام منذری ترغیب میں فرماتے ہیں: قال الطبرانی بعد ذکر طرقہ والحدیث صحیح،، طبرانی نے اس حدیث کی متعدّد اسنادیں ذکر کرکے کہا: حدیث صحیح ہے،، [الترغیب والترہیب، فی الصلوٰۃ الحاجۃ ودعائہا، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ج:۱، ص:۴۷۶]

یہ حدیث چوں کہ وہابی کُش اور جان غیر مقلدیت پر جبل شامخ ہے، اس لیے اسماعیل دہلوی نے حصن حصین کے ترجمہ میں اس حدیث کے بارے میں لکھا کہ اس کے ایک راوی عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ ہے، جسے تقریب میں متروک کہا ہے اور متروک سے استدلال کرنا جائز نہیں۔

واضح رہے کہ راوی عثمان بن خالد نہیں بلکہ عثمٰن بن عمر بن فارس عبدی بصری ہیں جو نہ صرف ثقہ بلکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ تمام صحاح کے رجال سے ہیں مگر جناب نے اپنے باطل وعاطل مذہب کی حمایت کے لیے اس جلیل الشان راوی کو

عثمان بن خالد سے بدل دیا۔ وہابیت وغیر مقلدیت کی بنیاد ایسے ہی تحریفات وواہیات پر ہے۔

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تحقیق انیق سے اس کے تانے بانے بکھیر کر رکھدیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

تنبیہ: ایھا المسلمون! حضرات منکرین کی غایت دیانت سخت محل افسوس وعبرت، اس حدیث جلیل کی عظمت رفیعہ وجلالت منیعہ اوپر معلوم ہوچکی اور اس میں ہم اہل سنت وجماعت کے لیے جواز استمداد والتجا وہنگام توسل، ندائے محبوبانِ خدا کا بحمد اللہ کیسا روشن وواضح وبین ولائح ثبوت، جس سے اہل انکار کو کہیں مفر نہیں اب ان کے ایک بڑے عالم مشہور نے باوجود اس قدر دعوی بلند علم وتدوین کے اپنے مذہب کی حمایت بیجا میں جس صریح بے باکی وشوخ چشمی کو کام فرمایا ہے انہیں اس سے شرم چاہئے تھی حضرت نے حصن حصین شریف کا ترجمہ لکھا، جب اس حدیث پر آئے اس کی قاہر شوکت، عظیم عزت نے جرأت نہ کرنے دی کہ نفس متن میں اس پر طعن فرمائیں اور ادھر پاس مشرب، ناخن بدل جوش عصبیت تاب گسل، ناچار حاشیہ کتاب پر یوں ہجوم ہموم کی تسکین فرمائی کہ:

یک راوی این حدیث عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ متروک الحدیث است چنانکہ در تقریب موجود است وحدیث، راوی متروک الحدیث قابل حجت نمی شود۔ ایک راوی اس حدیث میں عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ ہے جو متروک ہے جیسا کہ تقریب،، میں موجود ہے، اور متروک الحدیث راوی کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوتی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

انصاف ودیانت کا تو یہ مقتضی تھا کہ جب حق واضح ہوگیا تھا تسلیم فرماتے ارشاد مفترض الانقیاد حضور پرنور سید الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلٰی آلہٖ الامجاد، کی طرف رجوع لاتے نہ کہ خواہی نخواہی بزور تحریف، ایسی تصحیح رجیح حدیث کو، جس کی اس قدر ائمہ محدثین نے یک زبان تصحیح فرمائی معاذ اللہ ساقط ومردود قرار دیجئے اور انتقام خدا ومطالبہ حضور سید روز جزا علیہ افضل الصلٰوۃ والثناء کا کچھ خیال نہ کیجئے، اب حضرات منکرین کے تمام ذی علموں سے انصاف طلب کہ اس حدیث کا راوی عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ متروک الحدیث ہے جس سے ابن ماجہ کے سوا کتب ستہ میں کہیں روایت نہیں ملتی، یا عثمٰن بن عمر بن فارس عبدی بصری ثقہ جو صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما تمام صحاح کے رجال سے ہیں، کاش اتنا ہی نظر فرمالیتے کہ جو حدیث کئی صحاح میں مروی، اس کا مدار روایت وہ شخص کیونکر ممکن جو ابن ماجہ کے سوا کسی کے رجال سے نہیں، وائے بیباکی، مشہور ومتداول صحاح کی حدیث جن کے لاکھوں نسخے ہزاروں بلاد میں موجود اُن کی اسانید میں صاف صاف عن عثمن بن عمر مکتوب، پھر کیا کہا جائے کہ ابن عمر کا ابن خالد بنالینا کس درجہ کی حیا ودیانت ہے۔ لاحول ولاقوۃ الاّ با للہ العلی العظیم۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۷، ص:۵۸۹، رسالہ مبارکہ: انہا الانوار من یم صلاۃ الاسرار]

[۲] عن عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اذا اضل احدکم شیئا واراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یاعباداللہ اعینونی یاعباداللہ

اعینونی یاعباداللہ اعینونی فان للہ عبادا لا یراھم.

ترجمہ: سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص سنسان جگہ میں بہکے بھولے یا کوئی چیز گم کردے اور مدد مانگنی چاہے تو یوں کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ کے کچھ بندے ع۔ہ ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔[المعجم الکبیر، ماأسند عتبہ بن غزوان، حدیث: ۲۹۰، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت، ج:۱۰، ص:۱۱۷و۱۱۸]

امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: قد جرّب ذلك،، ترجمہ: بالیقین یہ بات آزمائی ہوئی ہے۔[المعجم الکبیر، ج: ماأسند عتبہ بن غزوان حدیث: ۲۹۰، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت، ۱۰، ص: ۱۱۸]

فاضل علی قاری علامہ میرک سے وہ بعض علمائے ثقات سے ناقل "ھذا حدیث حسن" یہ حدیث حسن ہے۔ اور فرمایا مسافروں کو اس کی ضرورت ہے، اور فرمایا مشائخ کرام قدست اسرارہم سے مروی ہوا: "انه مجرب قرن به النجاح،، یہ مجرب ہے اور مراد ملنی اس کے ساتھ مقرون۔ ذکرہ فی الحرز الثمین [اس کو حرز ثمین میں ذکر کیا ہے۔] ان احادیث میں جن بندگان خدا کو وقت حاجت پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کا صاف حکم ہے وہ ابدال ہیں کہ ایک قسم ہے اولیائے کرام سے قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم وافاض علینا انوارھم یہی قول اظہر واشہر ہے کما نص علیہ فی الحرز الوصین [جیسا کہ حرز الوصین میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔] اور ممکن کہ ملائکہ یا مسلمان صالح جن، مراد ہوں وکیفما کان ایسے توسل وندا کو شرک وحرام اور منافی توکل واخلاص جاننا معاذاللہ شرع مطہر کو اصلاح دینا ہے۔[حرز ثمین حواشی حصن حصین، دعاء الرکوب فی البحر، افضل المطابع انڈیا، ص:۴۶]

اس حدیث سے بھی پوری وہابیت و غیر مقلدیت ذبح ہو کر رہ گئی ہے، اس لیے اسماعیل دہلوی نے محض اس زعم میں کہ معجم طبرانی ہند میں متداول نہیں ہے، حیا کی چادر اتار پھینکا اور لبادۂ دروغ و افترا اوڑھ کر یہ لکھ مارا کہ عتبہ بن غزوان مجہول الحال ہیں۔ معاذاللہ۔

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ جسے تقریب میں مجہول الحال اور میزان الاعتدال میں لایعرف کہا ہے وہ عتبہ بن غزوان رقاشی ہیں جب کہ حدیث مذکور کے راوی عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی بدری ہیں۔ محدث بریلوی کے مبارک و میمون کلمات یہ ہیں:

تنبیہ: یہاں تو حضرات منکرین کے انہیں عالم نے یہ خیال فرما کر کہ معجم طبرانی بلاد ہند میں متداول نہیں بے خوف وخطر خاص متن ترجمہ میں اپنے زور علم و دیانت و جوش تقویٰ و امانت کا جلوہ دکھایا فرماتے ہیں: اس حدیث کے راویوں میں سے عتبہ بن غزوان مجہول الحال ہے تقوی اور عدالت اس کی معلوم نہیں جیسا کہ کہا ہے تقریب میں کہ نام ایک کتاب کا ہے اسماء الرجال کی کتابوں سے۔

اقول: مگر بحمد اللہ آپ کا تقوی وعدالت تو معلوم، کیسا طشت از بام ہے خدا کی شان کہاں عتبہ بن غزوان رقاشی کہ طبقہ ثالثہ سے ہیں جنہیں تقریب میں مجہول الحال اور میزان میں لایعرف کہا، اور کہاں اس حدیث کے راوی عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی بدری کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابیِ جلیل القدر مہاجر ومجاہد غزوہ بدر ہیں جن کی جلالت شان بدر سے روشن، مہر سے مبیّن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ مترجم صاحب دیباچہ ترجمہ میں معترف کہ حرز ثمین اُن کے پیش نظر ہے، شاید اس حرز میں یہ عبارت تو نہ ہوگی: رواہ الطبرانی عن زید بن علی عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. اس کو طبرانی نے زید بن علی سے انہوں نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا۔[حرز ثمین شرح حصن حصین مع حصن حصین، دعاء الرکوب فی البحر، افضل المطابع انڈیا، ص:۴۵]

یا جس تقریب کا آپ نے حوالہ دیا اس میں خاص برابر کی سطر میں یہ تحریر تو نہ تھی: عتبۃ بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل مہاجر بدری مات سنہ سبع عشرۃ،، ملخصا. عتبہ بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل بدری اور مہاجر ہیں جن کا وصال ۱۷ھ میں ہوا۔ اھ ملخصًا۔[تقریب التہذیب، ترجمہ:۴۴۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ج:۱، ص:۶۵۳]

پھر کون سے ایمان کا مقتضٰی ہے کہ اپنے مذہب فاسد کی حمایت میں ایسے صحابی رفیع الشان عظیم المکان کو بزور زبان وبزور جنان درجہ صحابیت سے طبقہ ثالثہ میں لاڈالے اور شمس عدالت وبدرِ جلالت کو معاذا للہ مردود الروایۃ ومطعون جہالت بنانے کی بدراہ نکالیے ولکن صدق نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا لم تستحی فاصنع ماشئت،،۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھے حیا نہیں تو پھر جو چاہے کر۔[المعجم الکبیر، مروی از ابو مسعود حدیث:۶۵۸، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت، ج:۱۷، ص:۲۳۷][فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۷، ص:۵۸۰، ۵۸۹، رسالہ مبارکہ: انھار الانوار من یم صلاۃ الاسرار]

میاں نذیر حسین دہلوی پر بطش شدید

[۱] یہ سو فیصدی حق اور کثیر احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں حقیقۃً جمع کرنا حرام وگناہ ہے، ہاں اگر مرض، ضرورت سفر اور بارش وغیرہ اعذار کی بنا پر دو نمازوں کو صورۃً جمع کرے کہ پہلی کو اس کے آخر وقت میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھے تو جائز ہے۔ یہی احناف کا مذہب مہذب ہے۔ جمع صوری کے جواز واثبات پر کثیر احادیث کریمہ دال ہیں، ان میں سے ایک دلیل یہ حدیث پاک بھی ہے۔

حدثنا محمد بن عبید المحاربی نامحمد بن فضیل عن ابیہ عن نافع وعبداللہ بن واقد ان مؤذن ابن عمر قال: الصلاۃ، قال: سر، حتی اذاکان قبل غیوب الشفق نزل. فصلی المغرب، ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء، ثم قال: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امر صنع مثل الذی صنعت فسار فی ذلک الیوم واللیلۃ مسیرۃ ثلٰث .

ترجمہ: یعنی نافع و عبد اللہ بن واقد دونوں تلامذہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا، فرمایا چلو یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشا پڑھی پھر فرمایا: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن عمر نے اس دن رات میں تین رات دن کی راہ قطع کی۔ [سنن ابی داؤ، ج:۱، ص:۱۷۱، باب الجمع بین الصلاتین، مطبوعہ اصح المطابع کراچی]

اس حدیث پاک میں ایک راوی محمد بن فضیل ہیں، غیر مقلدین کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی نے انہیں منسوب بہ رفض بتایا اور ان کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدّد طریقوں سے مہر نیم روز سے زیادہ اس حقیقت کو واشگاف فرمایا ہے کہ محمد بن فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعاً ضعیف نہیں بلکہ کثیر ارباب جرح و تعدیل نے ان کی توثیق فرمائی ہے، کسی نے انہیں حسن الحدیث کہا، تو کسی نے لاباس بہ کہ کر رفض وغیرہ کے غلیظ دھبوں سے ان کی برأت کا اظہار کیا ہے۔ اب اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک و میمون کلمات سے اپنی آنکھوں کو شاد کام فرمائیں! لکھتے ہیں:

اقول اوّلاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری و صحیح مسلم کے رجال سے ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص: ۲۴۴، رسالہ: حاجز البحرین]

یہ سو فیصدی مبنی بر حق ہے کہ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح بخاری میں حضرت محمد بن فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے کل ۱۸/ مقامات پر حدیثیں روایت کی ہیں۔ صحیح مسلم میں ان سے انتیس احادیث مروی ہیں۔ ان کے علاوہ جامع ترمذی میں ۳۰، سنن ابی داؤد میں ۱۳، سنن ابن ماجہ میں ۴۷، اور سنن نسائی میں ۸، احادیث مروی ہیں۔

پھر امام احمد رضا محدث بریلوی اس کے آگے رقم طراز ہیں:

ثانیاً: امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ، امام احمد نے: حسن الحدیث، امام نسائی نے لاباس بہ [اس میں کوئی نقص نہیں۔] کہا، امام احمد نے اُس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اُس سے روایت نہیں فرماتے میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسّر اُس کے حق میں ذکر نہ کی۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۲۴۴، رسالہ: حاجز البحرین]

ثالثاً: یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ملّاجی کو بایں سالخوردی و دعویٰ محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف واصطلاح محدثین میں تشیع و رفض میں کتنا فرق ہے۔ رمی بالتشیع اور شیعی کے درمیان کیا فرق ہے؟ شروع میں اس پر تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔

[۲] سنن ابی داؤد کی مذکورہ حدیث شرح معانی الآثار، ج: ۱، ص: ۱۱۲ میں حضرت بشر بن بکر سے مروی ہے۔ میاں نذیر حسین دہلوی نے انہیں تقریب کے حوالہ سے غریب الحدیث کہا، اور اغراب کی تفسیر ہوائے نفس سے یہ کیا کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف۔ جب کہ تقریب میں انہیں: ”ثقة یغرب“ کہا ہے اور ثقة یغرب اور غریب الحدیث کے درمیان

بون بعید ہے۔ نیز یہ رجال بخاری سے ہیں، میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے انہیں صدوق اور ثقہ قرار دیا ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ طریقوں سے ملاجی کے دروغ بیانی اور افترابازی کے چہرے کو بے نقاب کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

اقول اوّلاً: ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۲،ص:۲۴۶،رسالہ: حاجز البحرین]

محترم قارئین! آئیے صحیح بخاری کھولتے ہیں اور حقائق کے اجالوں میں دیکھتے ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح بخاری شریف میں کس مقام پر حضرت بشر بن بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کیا ہے؟ صحیح بخاری شریف میں ہے:

حدثنا إبراهيم بن موسى قال أخبرنا الوليد قال حدثنا الأوزاعي عن يحيي ابن أبي كثير عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه أبي قتادة عن النبي صلى الله عليه و سلم قال : [إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه] تابعه بشر بن بكر وابن المبارك وبقية عن الأوز اعي. [صحیح بخاری، ج:۱،ص:۲۵۰، باب من اخف الصلاة عند بكاء الصبی، حدیث:٦٧٥]

سنن نسائی میں بھی ایک حدیث حضرت بشر بن بکر کے حوالہ سے مروی ہے۔[سنن نسائی، ج:۳،ص:۲۵۳، باب ذم من ترک قیام اللیل، حدیث:۱۷۶۴]

مزے کی بات تو یہ ہے کہ سنن نسائی کی اس حدیث پاک کو غیر مقلدین ہی کے ایک دوسرے امام و پیشوا ناصر الدین البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔[مصدر سابق]

بلکہ اس سے بھی پُر لطف اور ذائقہ دار گفتگو تو یہ ہے ناصر الدین البانی نے اپنی متعدّد تعلیقات و تصنیفات میں کثیر مقامات پر بشر بن بکر کے حوالے سے حدیثیں لکھیں، اور یہ صراحت بھی کی کہ وہ حدیثیں صحیح ہیں۔ جسے شبہہ ہو وہ ذیل کا جدول ملاحظہ کریں!

ع۔ کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

نمبر شمار	اسمائے کتب	باب نمبر	حدیث نمبر	جلد نمبر	صفحہ نمبر	تعلیقات
۱-	ظلال الجنۃ	۱۶۷	۸۲۰	۲	۸۴	صحیح لغیرہ
۲-	صحیح وضعیف سنن نسائی	۱۹۰۸	۱۷۶۴	۴	۴۰۸	صحیح
۳-	صحیح وضعیف سنن ترمذی	۳۲۳۵	۳۲۳۵	۷	۲۳۵	صحیح

۴-	صحیح وضعیف سنن ابن ماجہ	۳۹۱۷	۳۹۱۷	۸	۴۱۷	صحیح
۵-	صحیح وضعیف سنن ابی داؤد	۸۴۷	۸۴۷	۲	۳۴۷	صحیح
۶-	صحیح وضعیف سنن ابی داؤد	۲۲۱۸	۲۲۱۸	۵	۲۱۸	صحیح
۷-	صحیح وضعیف سنن ابی داؤد	۳۹۵۶	۳۹۵۶	۸	۴۵۶	صحیح
۸-	صحیح وضعیف سنن ابی داؤد	۴۰۳۹	۴۰۳۹	۹	۳۹	صحیح
۹-	صحیح وضعیف سنن ابی داؤد	۴۲۹۷	۴۲۹۷	۹	۲۹۷	صحیح
۱۰-	صحیح ابن ماجہ	۳۹۰۷		۲	۳۴۲	صحیح
۱۱-	السلسلۃ الصحیحۃ	۹۱		۱	۹۰	
۱۲-	السلسلۃ الصحیحۃ	۳۱۲۸		۱۰	۱۸	

محترم قارئین! یہ تو چھوٹے میاں کی باتیں تھیں، آیئے بڑے میاں ابن قیم جوزیہ کی بھی کچھ کتابیں دیکھ لیجئے! غیر مقلدین کے امام ابن قیم جوزیہ کی متعدّد تصنیفات میں بھی بشر بن بکر سے روایتیں موجود ہیں۔ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم قرص آفتاب را چہ گناہ۔

ابن قیم جوزیہ نے اعلام المعوقین، ج:۱، ص:۵۸، اور اغاثۃ اللھفان، ج:۱، ص:۲۶۰ میں بشر بن بکر کے حوالے سے حدیثیں نقل کی ہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا وہ ہضم کر گئے۔

[تقریب التھذیب ترجمہ بشر بن بکر التنیسی، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص:۴۴]

ثالثاً: محدث جی! تقریب میں ثقۃ یغرب ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلاں یغرب اور فلاں غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔ [تقریب التہذیب ترجمہ بشر بن بکر التنیسی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص:۴۴]

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف محدث جی! غریب ومنکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامساً: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے، یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھی کہ بخاری ومسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

سادساً: ذرا میزان تو دیکھئے کہا: اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقۃ لاطعن فیہ [یعنی بشر بن بکر تنیسی خُوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلاً کسی وجہ سے طعن نہیں] [میزان الاعتدال فی ترجمۃ بشر بن بکر ۱۱۸۶ مطبوعہ دار المعرفت بیروت لبنان ۱/۳۱۴] [فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۲۴۶، رسالہ: حاجز البحرین]

[۳] اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد عن شعبۃ عن سلیمٰن عن عمارۃ بن عمیر عن

عبدالرحمٰن بن یزید عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الصلاۃ لوقتھا الا بجمع فی مزدلفۃ وعرفات۔

ترجمہ: ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعود نے خالد سے شعبہ سے عمارہ بن عمیر سے عبدالرحمن بن یزید سے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت ہی میں پڑھتے تھے مگر مزدلفہ وعرفات میں۔[سنن نسائی، ج:۲، ص:۳۹]

یہ حدیث پاک اس مسئلہ کی واضح دلیل ہے کہ مزدلفہ اور عرفہ کے علاوہ کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت دو نمازوں کو حقیقۃً جمع کرنا جائز نہیں۔ میاں نذیر حسین دہلوی نے اس حدیث کے راوی خالد بن مخلد کے بارے میں یہ کہا یہ شخص رافضی تھا، اور دلیل میں تقریب کی یہ عبارت پیش کیا: خلد بن مخلد صدوق متشیع و لہ افراد،،

حاش للہ، ہزار بار حاش للہ! تقریب میں صرف متشیع کہا گیا تھا اور میاں جی نے اسے رافضی سے بدل ڈالا، جب کہ رافضی اور شیعی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملاجی کا رد بلیغ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لطیفہ: یارب جہل جاہلین سے تیری پناہ، مُلّا جی تورَدِ احادیث وجرح ثقات وقدح صحاح کے دھنی ہیں۔ عمل بالحدیث کے ادعائی راج میں انہیں مکابروں کی دیواریں چُنی ہیں۔ حدیث صحیح نسائی شریف کو دیکھا کہ انہیں مصیبت کا پہاڑ توڑے گی۔ حضرت نے گُلِ سرسبد کو گِل تہ گلخن بنا چھوڑے گی لہذا نیامِ حیا سے تیغِ ادا نکالی اور احادیث صحاح میں تکمیل مضمون فریقا تکذبون وفریقا تقتلون کی یوں بناڈالی، حدیث نسائی کی نامقبول اور مجروح اور متروک ہے دو راوی اس کے مجروح ہیں ایک سلیمٰن بن ارقم کہ اُس کی توثیق کسی نے نہیں کی بلکہ ضعیف کہا اس کو تقریب میں سلیمٰن بن ارقم ضعیف اور ایک خالد بن مخلد کہ یہ شخص رافضی تھا اور صاحبِ احادیث افراد کا کہا تقریب میں خالد بن مخلد صدوق متشیع ولہ افراد۔[معیار الحق، ص:۳۸۴]

اقول اوّلاً: وہی مُلّا جی کی قدیمی سفاہت تشیع ورفض کے فرق سے جہالت۔

ثانیا: صحیحین سے وہی پُرانی عداوت خالد بن مخلد نہ صرف نسائی بلکہ بخاری ومسلم وغیرہما جملہ صحاح ستہ کے رجال سے ہے امام بخاری کا خاص اُستاذ اور مسلم وغیرہ کا اُستاذ الاستاذ۔

ثالثاً: مُلّا جی! تم نے تو علم حدیث کی الف بے بھی نہ پڑھی اور ادعائے اجتہاد کی یوں بے وقت چڑھی ذرا کسی پڑھے لکھے سے ضعیف ومتشیع وصاحبِ افراد اور متروک الحدیث میں فرق سیکھو، متشیع وصاحبِ افراد ہونا تو اصلاً موجبِ ضعف نہیں، صحیحین دیکھئے ان کے رواۃ میں کتنے متشیع موجود ہیں اور لہ افراد والوں کی کیا گنتی جبکہ ہم حواشی فصل اول میں بکثرت: لہ اوھام یھم، ربما وھم، یخطیئ، یخطیئ کثیرا، کثیر الخطاءِ، کثیر الغلط وغیرہا والے ذکر کر آئے۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۲۰۳، رسالہ: حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین]

[۴] عن نافع قال : خرجت مع عبد الله بن عمر في سفر يريد أرضا له فأتاه آت فقال ان صفية بنت أبي عبيد لما بها فانظر أن تدركها فخرج مسرعا ومعه رجل من قريش يسايره وغابت الشمس فلم يصل الصلاة وكان عهدي به وهو يحافظ على الصلاة فلما أبطأ قلت الصلاة يرحمك الله فالتفت إلي ومضى حتى إذا كان في آخر الشفق نزل فصلى المغرب ثم أقام العشاء وقد توارى الشفق فصلى بنا ثم أقبل علينا فقال إن رسول الله صلى الله عليه و سلم كان إذا عجل به السير صنع هكذا.

ترجمہ: حضرت نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لیے جاتے تھے کسی نے آکر کہا آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید اپنے حال میں مشغول ہیں شاید ہی آپ انہیں زندہ پائیں۔ یہ سُن کر بہ سُرعت چلے اور اُن کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا سُورج ڈوب گیا اور نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے جب دیر لگائی میں نے کہا نماز خدا آپ پر رحم فرمائے میری طرف پھر کر دیکھا اور آگے روانہ ہُوئے جب شفق کا اخیر حصّہ رہا اُتر کر مغرب پڑھی پھر عشا کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اُس وقت عشا پڑھی پھر ہماری طرف منہ کرکے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے۔[سنن نسائی، ج:۱، ص:۲۸۷، باب الوقت الذی یجمع فیہ المسافر، حدیث:۵۹۵]

اس حدیث کی سند یہ ہے: أخبرنا محمود بن خالد قال حدثنا الوليد قال حدثنا بن جابر قال حدثني نافع .[سنن النسائی، ج:۱، ص:۲۸۷، باب الوقت الذی یجمع فیہ المسافر، حدیث:۵۹۵]

ولید نام کے دو راوی ہیں، ایک ولید بن قاسم اور دوسرے ولید بن مسلم۔ سند مذکور میں ولید مطلقاً ہے مگر اس سے مراد ولید بن مسلم ہیں جو ثقہ، حافظ ہونے کے ساتھ رجال مسلم سے بھی ہیں، میاں نذیر حسین دہلوی نے از خود غیر منسوب ولید کو قاسم کی طرف منسوب کرکے ولید بن قاسم بنالیا اور تقریب کے حوالے سے انہیں ضعیف قرار دینے کی ناپاک جرأت کی۔

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمینی حقائق کے اجالوں میں ملا جی کے افترا بازی اور دروغ بیانی کے پردوں کو تار تار کرکے اس کے رکیک حملوں کو طشت از بام کردیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اقول اولا: مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا اسنادِ نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا کہ اخبرنا محمود بن خالد ثنا الولید ثنا ابن جابر ثنا نافع الحدیث،،

ملّا جی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلّم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر بحمد اللہ اُس کا احتمال یہاں مفقود کہ وہ صراحۃً حدثنا ابن جابر قال حدثنی نافع فرمارہے ہیں۔ میزان میں ہے:

الولیدبن مسلم ابو العباس الدمشقی، احدالاعلام وعالم اهل الشام. له مصنفات حسنة،

قال احمد: مارأیت فی الشامیین اعقل منه. وقال ابن المدینی : عنده علم کثیر. قال ابومسهر : الولید مدلس، قلت : اذاقال الولید : عن ابن جریج اوعن الاوزاعی ، فلیس بمعتمد لانه یدلس عن کذابین، فاذاقال: حدثنا فهو حجة . ملخصاً.

ترجمہ: ولید ابن مسلم ابوالعباس دمشقی۔ بلند مرتبہ لوگوں میں سے ایک، شام کا عالم، اس کی تصنیفات عمدہ ہیں احمد نے کہا ہے کہ میں نے شامیوں میں اس سے زیادہ عقل مند آدمی نہیں دیکھا۔ ابن مدینی نے کہا کہ اس کے پاس بہت علم ہے۔ ابومسہر نے کہا ہے کہ ولید مدلّس ہے۔ میں نے کہا: جب ولید عن ابن جریج یاعن الاوزاعی کہے تو قابلِ اعتماد نہیں ہے لیکن جب حدثنا کہے تو مستند ہے اھ ملخصًا۔ [میزان الاعتدال فی ترجمۃ ولید بن مسلم: ۹۴۰۵ دارالمعرفت بیروت، ج:۴، ص:۳۴۸،۳۴۷]

تم نے جانا کہ آپ کے کید پر کوئی آگاہ نہ ہوگا ذرا بتائیے تاکہ آپ نے ولید کا ولید بن قاسم کس دلیل سے متعیّن کرلیا، کیا اس طبقہ میں اس نام کا رواۃ نسائی میں کوئی اور نہ تھا اگر اب عاجز آکر ہم سے پوچھنا ہو کہ تم نے ولید بن مسلم کیسے جانا **اوّلا** تو بقانون مناظرہ جب آپ غاصب منصب ہیں ہم سے سوال کا محل نہیں اور استفادۃً پُوچھو تو پہلے اپنی جزاف کا صاف صاف اعتراف کرو پھر شاگردی کیجئے تو ایک یہی کیا بعونہٖ تعالیٰ بہت کچھ سکھادیں وہ قواعد بتادیں جس سے اسمائے مشترکہ میں اکثر جگہ تعین نکال سکو۔ **ثانیا:** بفرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحقِ رَد ہیں امام احمد نے اُن کی توثیق فرمائی، اُن سے روا یت کی، محدثین کو حکم دیا کہ اُن سے حد یث لکھو۔ ابنِ عدی نے کہا: **اذا روی عن ثقة فلاباس به**،، وہ جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو اُن میں کوئی عیب نہیں] اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔ [الکامل لابن عدی، فی ترجمۃ ولید ابن قاسم، مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل، ج:۷، ص:۲۵،۲۴]

ثالثا: ذرا رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہُوئے کہ اُن میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی **صدوق یخطیٔ** بلکہ اس سے زائد کہا ہے کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رَد ہی کردو گے !۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۱۷۹، رسالہ: حاجز البحرین]

[۵] عن ام المومنین صدیقه رضی الله تعالیٰ عنها قالت :کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی السفر یؤخر الظهر و یقدم العصر، و یؤخر المغرب و یقدم العشاء.

ترجمہ: ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں ظہر کو دیر فرماتے عصر کو اول وقت پڑھتے مغرب کی تاخیر فرماتے عشا کو اوّل وقت پڑھتے۔ [شرح معانی الآثار، باب الجمع بین صلاتین الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ج:۱، ص:۱۱۳]

اس حدیث کی سند یہ ہے:

حدثنا فهدثنا الحسن بن البشیر ثنا المعافی بن عمران کلاهما عن مغیره بن زیاد الموصلی عن عطاء بن ابی رباح عن ام المومنین عائشة .

اس سند میں ایک راوی مغیرہ بن زیاد موصلی ہیں جن کے بارے میں میاں نذیر حسین دہلوی نے تقریب کا حوالہ دے کر یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ وہمی ہیں اسی لیے مجروح اور نا قابل اعتبار ہیں۔ واضح رہے کہ تقریب میں یہم کے ساتھ صدوق کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اور اس صورت میں راوی ہرگز مجروح نہیں ہوتا بلکہ اس طرح کے کثیر رواۃ توصحیحین میں بھی موجود ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کثیر نظائر و شواہد کی روشنی میں یہ واضح فرمایا کہ یہ نہ مجروح ہیں اور نہ ہی نا قابل اعتبار بلکہ امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ کے رجال سے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مبارک و مسعود کلمات یہ ہیں:

حدیث ام المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی امام طحاوی و نیز امام احمد و ابن ابی شیبہ استاذان بخاری و مسلم کے رَد کو پھر وہی معمولی شگوفہ چھوڑا کہ ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیادہ موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا۔ قاله الحافظ في التقريب. [معیار الحق، ص:۴۰۱]

اقول: اوّلا: تقریب میں صدوق کہا تھا وہ صندوق میں رہا۔

ثانیا: وہی اپنی وہمی نزاکت کہ له اوھام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

ثالثا: وہی صحیحین سے پُرانی عداوت تقریب دُور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال بخاری و مسلم کو یہی صدوق له اوھام [سچا ہے، اس کے اوہام ہیں] کہا ہے۔

رابعا: مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے امام ابن معین و امام نسائی دونوں صاحبوں نے باں تشدد شدید فرمایا: ليس به باس [اس میں کوئی بُرائی نہیں] زاد يحيٰى له حديث واحد منكر [اُس کی صرف ایک حدیث منکر ہے] لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداؤد نے صالح، ابن عدی نے: عندی لا باس به [میرے نزدیک اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔] کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو جس کے سبب نسائی نے: ليس بالقوی [اُس درجے کا قوی نہیں ہے۔] ابو احمد حاکم نے: ليس بمتين عندهم ،، [اس درجے کا متین نہیں ہے ان کے نزدیک۔] کہا: لا انه ليس بقوی ليس بمتين و شتان مابين العبارتين [نہ یہ کہ سرے سے قوی اور متین نہیں ہے، ان دو عبارتوں میں بہت فرق ہے۔] حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔ [میزان الاعتدال، ترجمہ مغیرہ بن زیاد موصلی: ۸۷۰۹ ، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ،ج: ۴، ص:۱۶۰][فتاویٰ رضویہ مترجم ،ج: ۵، ص: ۱۸۶، رسالہ: حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین]

*****

امام احمد رضا اور علم حدیث

مولانا شمشیر محبوبی: برہوٹ، اتر دیناج پور، بنگال

چودہویں صدی ہجری کے مشائخ و محدثین میں شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک باکمال محدث کی حیثیت سے ممتاز و منفرد دکھائی دیتے ہیں، وہ علوم و فنون کے بحر بیکراں، فضل و شرف میں یگانۂ روزگار، زہد و تقویٰ میں یادگار غوث اعظم، طہارت و پاکیزگی او راخلاق حسنہ میں وقت کے جنید تھے۔ وہ عظیم محدث و مفسر اور بے مثل فقیہ و مفتی اور نامور عاشق رسول کی حیثیت سے بھی برصغیر میں مشہور و متعارف ہیں اور علم حدیث میں ان کی بے مثال خدمات و تعلیمات کی وجہ سے ان کا شمار جماعتِ محدثین میں بھی ہوتا ہے، علم حدیث پر ان کے قابل فخر کارناموں کو دیکھ کر محدثین کا عہدِ زریں اور تاریخ علم حدیث کی مقتدر اور اولوالعزم ہستیاں یاد آتی ہیں۔

جن علوم و فنون میں امام احمد رضا خان قدس سرہ نے اپنے رشحات قلم یادگار چھوڑے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، متعدّد سوانح نگاروں نے الگ الگ تعداد بیان کی ہیں، علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب نے جو فہرست تیار کی ہے، اس میں ۳۸ر علوم و فنون میں ۵۹۱ر تصانیف کی بھی تعداد شمار کرائی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے جن موضوعات پر اپنی مایہ ناز تحقیقات اور بیش قیمت تخلیقات پیش کی ہیں ان میں ایک علم حدیث بھی ہے۔ بلاشبہہ آپ علم حدیث میں ہر حیثیت سے یگانۂ روزگار ہیں۔ احادیث کریمہ کا بحر بیکراں آپ کے سینے میں موجزن تھا، یہی وجہ ہے کہ جس موضوع پر آپ لکھتے تو اسلامی افکار و نظریات کی حمایت اور کفر و باطل کی تردید پر احادیث کا انبار لگادیتے تھے۔

عمدۃ المحدثین علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ سے حضور محدث اعظم کچھوچھوی نے دریافت کیا کہ علم حدیث میں امام احمد رضا کا کیا مرتبہ ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ”وہ اس وقت امیرالمومنین فی الحدیث ہیں۔“

پھر فرمایا: صاحب زادے! اس کا مطلب سمجھا؟ یعنی اگر اس فن میں عمر بھر ان کا تلمذ کروں تو بھی ان کے پاسنگ کو نہ پہنچوں۔ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ (جامع الاحادیث، از مولانا حنیف خاں رضوی، ج:۱، ص:۷۰ ملخّصًا)

امام احمد رضا قدس سرہ علم حدیث اور اس کے متعلقات پر وسیع اور گہری نظر رکھتے تھے، طرق حدیث، مشکلاتِ

حدیث، ناسخ ومنسوخ، راجح ومرجوح، طرق تطبیق، وجوہ استدلال اوراسماء الرجال یہ سب امورانہیں مستحضر تھے ۔ محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر، اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر زد پڑتی ہے اس کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت ازبر، علم الحدیث میں سب سے زیادہ نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے، اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور رروایوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب التہذیب وتذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا، اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغفِ کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت"۔[فتاویٰ ضویہ مترجم ج:۱، ص:۱۵، مطبع: مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات، سن اشاعت: ۱۴۲۴ھ]

امام احمد رضا اور حفظ حدیث:

حفظ حدیث اور علم حدیث میں امام احمد رضا قدس سرہ کی مہارت اور وسعت کا مشاہدہ کرنا ہے توآپ کی تصانیف کا مطالعہ کرکے ہر ذی علم انسان بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ورق ورق پر احادیث وآثار کی تابش نجوم وکواکب کی طرح درخشندہ وتابندہ ہیں۔ ایک موقع پر آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے حدیث شریف کی کتابوں میں کون کون کتابیں درس کی ہیں۔ توآپ نے ارشاد فرمایا: مسند امام اعظم، موطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الخراج امام ابو یوسف، مسند امام احمد، سنن دارمی، بخاری ومسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، خصائص نسائی، منتقی ابن جارود، علل متناہی، مشکوٰۃ، جامع صغیر، جامع کبیر، ذیل مع صغیر، منتقی ابن تیمیہ، بلوغ المرام، عمل الیوم واللیل ابن سنی، کتاب الترغیب، خصائص کبریٰ، کتاب الفرج بعد الشدۃ، کتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زیادہ کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہتی ہیں۔[حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم، از ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری، ص:۱۷۴، مطبع رضا اکیڈمی، سن اشاعت: ۱۴۳۳ھ]

ماہر رضویات حضرت مولانا حنیف خاں رضوی بریلوی لکھتے ہیں:

میں نے جب تلاش وجستجو شروع کی تو اب تک امام احمد رضا خاں کی ساڑھے تین سو کتب ورسائل میں تقریبا چار سو کتابوں کے حوالے احادیث مبارکہ کے تعلق سے ملے ۔ مولانا موصوف نے یہ فرمایا کہ حدیث کی یہ کتابیں ابھی ہماری تحقیق وتلاش کے مطابق ہیں، ورنہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی تمام تصانیف کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے تو ابھی یہ کہنا نہایت مشکل ہے کہ حدیث کی تمام کتابوں کی تعداد جو ان کے مطالعہ میں رہیں کتنی ہیں ۔(جامع الاحادیث ، از مولانا حنیف خاں رضوی، ج:۱، ص:۱۰۴ ملخصًا)

امام احمد رضا قدس سرہ کے حفظِ حدیث میں دسترس ومہارت کا پتہ اس واقعہ سے بھی چلتا ہے جو پیلی بھیت میں پیش آیا۔ ۱۳۰۳ھ میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے تاسیسی جلسہ میں علمائے سہارنپور، لاہور، کانپور، جون پور، رام پور، بدایوں کی موجودگی میں حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خواہش پر حضرت فاضل بریلوی نے علم حدیث پر متواتر تین گھنٹے تک

پر مغز اور مدلل کلام فرمایا۔ جلسہ میں موجود سارے علمائے کرام نے حیرت واستعجاب کے ساتھ سنا اور کافی تحسین کی۔

مولانا خلیل الرحمٰن بن مولانا احمد علی محدث سہارن پوری نے تقریر ختم ہونے پر بے ساختہ اٹھ کر حضرت فاضل بریلوی کی دست بوسی کی اور فرمایا کہ اگر اس وقت والد صاحب ہوتے تو وہ علم حدیث میں آپ کے تبحر علمی کی دل کھول کر داد دیتے اور انہی کو اس کا حق بھی تھا۔ محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری نے بھی اس کی پر زور تائید کی۔[جامع الاحادیث از مولانا حنیف خاں رضوی مصباحی، ج:۱،ص:۴۰۸ ملخصًا]

احادیث کی کثرت:

امام احمد رضا کا طرز تحریر لاجواب ہوتا تھا، کسی ایک موضوع پر پہلے قرآن کریم سے استدلال کرتے، پھر احادیث کریمہ کا انبار لگا دیتے تھے، چند کتب ورسائل بطور نمونہ پیش کررہا ہوں۔ ملاحظہ ہوں:

[۱] "الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ" میں سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر چالیس احادیث صحیحہ سے استدلال فرمایا ہے۔

[۲] "الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء" میں تین سو احادیث کریمہ سے حضور اقدس کو دافع البلا کہنے کا اثبات واحقاق فرمایا ہے۔

[۳] "رد القحط والوبا بدعوۃ جیران ومواساۃ الفقراء" میں ساٹھ احادیث صحیحہ سے صدقہ دینے کی فضیلت، صلہ رحمی کے فوائد، اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھانے کی دنیوی واخروی برکتوں کی تفصیلات تحریر فرمائی ہیں۔

[۴] "سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید" میں اڑتیس حدیثوں سے نماز عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

[۵] "جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ" میں ایک سو تیس احادیث مبارکہ سے حضور اقدس کا خاتم النبیین ہونا ثابت کیا ہے۔

[۶] "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" میں ڈھائی سو احادیث کریمہ سے سارے انبیا ومرسلین علیہم السلام پر سرکار مجتبیٰ کی سیادت مطلقہ اور فضیلت کبریٰ کا اثبات فرمایا۔[تقدیم امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات۔ مصنف علامہ یٰسین اختر مصباحی، ص:۲۳، مطبع رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور، سن اشاعت ۲۰۰۰]

[۷] جمعہ کے دن اذان ثانی کے موضوع پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک کتاب "شمائم العنبر" نامی عربی زبان میں تحریر فرمائی، جس میں ۴۰/ احادیث سے کتاب کو مزین فرمایا۔

[۸] تخلیق ملائکہ کے عنوان پر چوبیس احادیث سے استدلال فرمایا۔

[۹] خضاب کے عدم جواز میں ۱۶/ احادیث سے استدلال۔

[۱۰] معانقہ کے ثبوت میں ۱۶/ احادیث۔

[۱۱] داڑھی کی اہمیت وضرورت پر ۵۶/ احادیث۔

[۱۲] والدین کے حقوق پر ۹۱/ احادیث۔

[۱۳] سجدۂ تحیت کی حرمت میں ۷۰/ احادیث۔

[۱۴] شفاعت کے عنوان پر ۴۰/ احادیث۔

[۱۵] تصاویر کے عدم جواز پر ۲۷/ احادیث۔ [مقدمہ جامع الاحادیث]

اسی طرح بہت سے عناوین وموضوعات پر کثیر احادیث کریمہ سے استدلال فرما کر امت مسلمہ کو بیش بہا خزانہ عنایت فرمایا۔

حوالوں کی کثرت:

کسی حدیث کے نقل کے بعد حوالوں کی جو کثرت بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں ہے وہ کسی دوسرے مصنف کے یہاں بالکل نظر نہیں آتی، حوالہ دیتے وقت آپ کسی ایک کتاب پر اکتفا نہیں کرتے؛ بلکہ بسا اوقات دس دس، بیس بیس کتابوں کے حوالے پیش کر دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ تمام کتابیں اس موضوع پر ان کے سامنے کھلی ہیں اور سب کے نام بھی ضبط تحریر میں لاتے۔ [مقدمہ جامع الاحادیث]

راویان حدیث پر جرح وتعدیل:

راویان حدیث پر جرح وتعدیل کے فن پر بھی امام احمد رضا قدس سرہ کو ملکہ حاصل تھا، صرف جرح وتعدیل ہی میں نہیں بلکہ مخالفین کے مدعا کا ابطال امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ ایسے انداز میں کرتے کہ مخالفین لاجواب ہو جاتے۔ اس کی مثال سپرد قرطاس ہے۔

جمعہ کے دن اذان ثانی کہاں ہو؟ امام احمد رضا محدث بریلوی نے فتویٰ دیا کہ اذان مطلقا اندرون مسجد مکروہ ہے۔ لہٰذا اذان اول ہو یا ثانی بیرون مسجد ہی ہوگی، اس کے ثبوت میں خاص اسی اذان کے بارے میں ایک حدیث ابوداؤد سے نقل فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں یہ اذان خارج مسجد ہوتی تھی اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دورِ خلافت میں بھی ایسا ہی عمل رہا۔

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے اس فتویٰ کو رد کرتے ہوئے بعض حضرات نے حدیث ہی کو ساقط الاعتبار قرار دیا کہ اس کی سند میں محمد ابن اسحاق ہیں جن پر رافضی ہونے کی تہمت ہے لہٰذا حدیث معتبر نہیں۔ اب امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک معرکۃ الآرا کتاب "شمائم العنبر فی آداب النداء امام المنبر" نام سے عربی زبان میں تصنیف فرمائی اور اس موضوع پر بحث آخری حد کو پہنچا دی۔ محمد ابن اسحاق پر جو جرح کی گئی تھی اس کی دھجیاں اڑا دیں اور ان کی تعدیل وتوثیق میں تحقیقات کے ایسے دریے بہائے جو اپنی مثال آپ ہیں، ملاحظہ کیجیے اور امام احمد رضا کی راویان حدیث پر عمیق نگاہ کا اندازہ لگائیے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اس حدیث کے راوی محمد بن اسحاق قابل بھروسہ اور سچے امام ہیں۔ان کے بارے میں:

[۱] امام شعبی محدث ابوزرعہ اور ابن حجر نے فرمایا"صدوق" یہ بہت سچے ہیں۔

[۲] امام عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں: ہم نے انھیں "صدوق" پایا۔

[۳] امام عبداللہ ابن مبارک، امام شعبہ، سفیان ثوری، ابن عینیہ اور امام ابویوسف ان سے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کی ہیں اور ان کی شاگردی اختیار کی ہے۔

[۴] امام ابوذرعہ دمشقی نے فرمایا:"اجلہ علما کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے اور آپ کو اہل علم نے آزمایا تو صدوق و خیر پایا۔

[۵] امام شعبہ نے فرمایا:

"میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحاق کو محدثین پر حاکم بناتا، یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ حدیث والوں میں کوئی اگر سردار ہو سکتا ہے تو وہ محمد ابن اسحاق ہیں"۔

غرض کہ اکیس محدثین کے اقوال سے محمد ابن اسحاق کی توثیق و تعدیل کیا تو کیا اب بھی کسی کو شبہہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث محمد ابن اسحاق کے سبب ساقط الاعتبار ہے۔

المحجۃ المؤتمنہ میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ مسجد میں ذمی کافر کا داخلہ جائز ہے یعنی ذمی کتابی کا۔

اس حدیث کی سند کو امام بدرالدرین عینی نے جید کہا تھا، حالاں کہ تقریب التہذیب میں اس سند میں وارد "اشعث بن سوار" کو ضعیف بتایا گیا ہے۔

اس پر امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کی سند ہمارے اصول پر جید ہے، ہمارے لیے جائز نہیں کہ محدثین کی خاطر اپنے اصول ترک کردیں چہ جائے کہ متاخرین علما میں سے ایک شافعی عالم کے قول کے سبب، پھر اشعث بن سوار کی تعدیل و توثیق میں فرمایا۔

یہ امام شعبہ، امام نووی اور یزید بن ہارون وغیرہم جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کے استاذ ہیں اور امام شعبہ کا روایت حدیث میں محتاط ہونا خوب معلوم ہے۔

اشعث کی جلالت شان کے پیش نظر کی ان کے شیخ ابواسحاق نے ان سے روایت کی، حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ اشعث مجاہد سے اثبت ہیں۔

ابن مہدی نے کہا: یہ مجاہد سے ارفع ہیں اور مجاہد صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

ابن معین کہتے ہیں: مجھے اسماعیل بن مسلمہ سے زیادہ محبوب ہیں۔

امام عملی کہتے ہیں: حدیث میں محمد ابن صالح سے امثل ہیں۔

ابن معین کہتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔

عثمان ابن ابی شیبہ کہتے ہیں: صدوق ہیں۔

ابن شاہین نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں میں نے ان کی کسی حدیث کو منکر نہیں پایا۔

بزار کہتے ہیں ہم کسی ایسے محدث کو نہیں جانتے جنھوں نے ان کی حدیث کو چھوڑا ہو، بعض حضرات نے جو فن حدیث میں خلیل المعروف ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اشعث کے بارے میں یہ توثیق و تعدیل تو منقول ہے لیکن کوئی جرح معتبر مذکور نہیں، لہٰذا ان کی یہ حدیث حسن ہے۔ [مقدمہ جامع الاحادیث، ص:۴۲۵ تا ۴۲۸ ملخصًا]

یہ دو مثالیں تو صرف بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی جرح و تعدیل پر لکھنے کے لیے دفتر در کار ہے۔

حاصل کلام یہ کہ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیث کے سارے متعلقات مثلاً طرق حدیث، مشکلات حدیث، ناسخ و منسوخ، راجح و مرجوح، روایات میں تطبیق، وجوہ استدلال اور اسماء الرجال وغیرہ پر مکمل دسترس حاصل تھا۔

*****

مقالات

☆فقہ واصول فقہ

طبقاتِ فقہا اور امام احمد رضا

ڈاکٹر مولانا حسن رضا خاں: سابق ڈائرکٹر اردو تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اس خاک دان گیتی پر ۱۰؍ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء کو جلوہ بار ہوئے، امام احمد رضا قدس سرہ نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے اپنا سن ولادت تخریج فرمایا:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ۔

اعلیٰ حضرت جیسی نابغہ روز گار عبقری شخصیت جو اپنے معاصرین میں حق آگاہ، حق پسند اور حق گوئی کی حثیت سے وحید عصر اور فرید دہر تھے، جس کے رمز شناس قلم سے علوم و معارف کے بے شمار سوتے پھوٹے پڑے ہوں، اس بلند پایہ ہستی کی شان میں مجھ جیسے طالب علم کے لیے کچھ لکھنا حصول سعادت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت نے ایک سو پانچ [۱۰۵] فنون پر کتابیں لکھ کر اپنی عبقریت کا لوہا بر صغیر میں منوایا ہے، کہنا پڑتا ہے کہ:

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

میں ان کے کارناموں میں سے صرف ایک کارنامہ جو فقہ کے موضوع پر ہے، اس پر خامہ فرسائی کر رہا ہوں جس سے واضح ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت بر صغیر میں عبقری شخصیت کے حامل ہیں۔

تفقہ فی الدین ایک ایسا اثاثہ ہے کہ اس دولت بے مایہ کو ہر دل کی تجوری میں مقفل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کا رشتہ و ناطہ کسب و حصول کے تانے بانے تک محدود ہے، اس کا آشیانہ اتنا بلند ہے کہ ہر صاحب فضل و کمال اپنی جلالت علم اور فکری بلندیوں کے بل پر اپنی کمند نہیں ڈال سکتا۔ اگر قرآن و حدیث کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ تفقہ فی الدین کا تعلق کسب و حصول سے پہلے مشیت یزدی اور ارادۂ الٰہی سے وابستہ ہے، اس سلسلہ میں نبوی صراحت ہے کہ ''من یرد اللہ خیرا یفقہ فی الدین.'' اللہ تبارک و تعالیٰ جس بندے پر خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے تفقہ فی الدین کی دولت گراں مایہ سے مالا مال فرماتا ہے، اس سے یہ بات یقین کے اجالے میں آجاتی ہے کہ یہ فن بندہ کی کوششوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ دولت گراں قدر ارادۂ الٰہی اور مشیت باری کی توفیق اور تفویض کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فقیہ اپنے منصب کے لحاظ سے مسائل کے استخراج میں اور ترجیح و تطبیق جیسی صورتوں میں خدائے قدیر کی بخشی ہوئی بے غبار صلاحیتوں کی روشنی میں

غور و فکر کرتا ہے، قرآن و سنت سے مسائل کے استخراج و استنباط میں کسی خارجی دباؤ کو قبول نہیں کرتا ہے، بلکہ اخذ مسائل میں قیاس کے انہیں متعیّنہ حدود کی پابندی کرتا ہے جس کو شرعی اصابت رائے کی ترازو پر تولا گیا ہو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی شان تفقہ کا اندازہ کرنے کے لیے فقہ کی تعریف اور اس کے لوازمات کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لیے سب سے پہلے اختصار کے ساتھ اس کا بیان ناگزیر ہے۔

مجتہد کے لیے اسلاف کے بیان کردہ جن شرطوں کا ذکر ملتا ہے اعلیٰ حضرت یقیناً ان شرائط کے حامل ہیں۔ امام صدر الشریعہ شرائط اجتہاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شرطه ان يحوى علم الكتاب بمعانيه لغة و شرعا،واقسامه المذكورة و علم السنة متنا وسنداووجوه القياس كما ذكرنا.

اس کی تفصیل علامہ تفتازانی اس طرح فرماتے ہیں۔ کتاب اللہ کے مفاہیم تک رسائی کے لیے لازمی ہے کہ لغت، نحو، صرف اور معانی و بیان میں مہارت ہو اور اصولی طور پر جو خصوصیات احکام پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کی معرفت میں بھی کمال ہو، مثلاً: عام، خاص، مشترک مجمل، مفسر اور اقسام دلالات وغیرہ بھی جاننا ضروری ہے اور مفاہیم سنت تک پہنچنے میں جہاں یہ تمام علوم اور اقسام اصولی شرط ہیں وہیں احادیث کی سند اور احوال رواۃ پر بھی آگاہی ضروری ہے، قیاس کے شرائط و اقسام اور ان کے احکام نیز ان میں مقبول اور نا مقبول میں تمیز کا علم بطور ملکہ حاصل ہو، فقیہ کو اجماع امت سے بھی آگاہ ہونا چاہیے تاکہ اس کا اجتہاد اجماع کے مزاحم نہ ہو۔

علامہ تفتازانی نے علم کلام کی معرفت شرائط اجتہاد میں شمار کی ہے۔

علامہ طاش کبریٰ زادہ علم فقہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

هو علم باحث عن الا حكام الشرعية العمليه من حيث استنباطها من الادلة التفصيلية و مباديه مسائل اصول الفقه وله استنمد ادمن سائر العلوم الشرعيةو العربية.[شامی، فصل القضاء فی رسم الافتا، ص:۲ تا ۳]

امام سرخسی نے تمامیت فقہ کے لیے عمل صالح کی قید کا اضافہ بھی فرمایا ہے:

ان تمام الفقه لايكون الاباجماع ثلاثه اشياء العلوم بالمشروعات والاتفاق فى معرفة ذٰلك بالوقوف على النصوص بمعا نيها و ضبط الاصول بفروعها ثم العمل بذلك فتمام المقصود لا يكون الا بعد العمل بالعلم.[شامی، فصل القضا فی رسم الافتاء]

ان شواہد کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایک تخمینہ قائم کیا جا سکے کہ فقہ و اجتہاد کے لیے کتنے علوم کی مہارت شرط ہے، اسی طرح اصول و فروع کی تفصیلات نیز اجماع امت اور قیاس کے اقسام و احکام میں کس قدر بصیرت لازم ہے، ان شہادات سے یہ امر بھی مفہوم ہوتا ہے کہ فقیہ ہر مسئلہ کا استنباط اس کی تفصیلی دلیل سے کرنے پر قادر ہوتا ہے اور یہ ممکن نہیں

جب تک وہ فقیہ ثاقب الذہن، طباع، سلیم الفکر اور نکتہ رس قابل اعتماد نہ ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ فقیہ کو تدین وتقویٰ سے بھی متّصف ہونا چاہیے تاکہ قدم بہ قدم اسے تائید غیبی بھی حاصل رہے۔

عہدِ صحابہ کے بعد امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام فقہا کے امام اور قائد شمار کیے گئے ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں:

مارأیت احدا افقه منه من ارادان یتفقه فعلیه به و باصحابه.

اصول وفروع کی ترتیب عہد امام ہی میں مکمل ہوگئی، البتہ فکر مراتب کے اعتبار سے ان کی تہذیب کا کام ہر دور میں جاری رہا، اس لیے طبقات فقہا کا تعین بھی ضروری ہوا تاکہ ہر ایک کی منزلت اور طبقاتی خصوصیت کی رعایت سے ان کے اقوال کی تنقیح اور ترجیح کا اعتبار کیا جائے۔

علامہ ابن کمال پاشا نے فقہا کو سات طبقات میں تقسیم فرمایا:

[۱] **مجتہدین فی الشرع**۔ وہ فقہا جنھوں نے قواعد واصول کی تاسیس فرمائی، ائمہ اربعہ اسی طبقہ میں معدود ہیں۔

[۲] **مجتہدین فی المذہب**۔ وہ فقہا ہیں، جو مجتہد فی الشرع سے منقول قواعد کے دلائل سے استخراج مسائل پر قادر ہیں، اگرچہ بعض فروع میں مجتہد فی الشرع کے خلاف بھی ہیں۔

[۳] **مجتہدین فی المسائل**۔ وہ فقہا جو اصول وفروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام کے غیر منصوص احکام کا استنباط کرنے پر قادر ہیں۔

[۴] **اصحاب تخریج**۔ یہ لوگ اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے، لیکن اصول اور ماخذ تفسیر مجمل، تفصیل مبہم اور تعین محتمل پر قادر ہوتے ہیں۔

[۵] **اصحاب ترجیح**۔ مذہب کی روایات مختلفہ میں کسی ایک کو ترجیح دینے پر قادر ہوتے ہیں۔

[۶] **اصحاب تمیز**۔ یہ حضرات قوی واقوی اور ضعیف نیز ظاہر الروایۃ اور نوادر وغیرہ میں فرق کرتے ہیں۔

[۷] **اصحاب تلفیق**۔ جنہیں کھرے کھوٹے میں امتیاز کی تمیز نہیں ہوتی ہے۔ [الفوائد البہیہ ص:۸۶۔ فواتح الرحموت ص:۶۲۴]

علامہ ابن کمال نے طبقات کی تقسیم کے ذیل میں بطور مثال جن فقہا کا شمار کیا ہے وہ محل نظر ہے۔ اس لیے کہ آپ نے رازی وکرخی کو اصحاب تخریج میں اور قدوری اور صاحب ہدایہ کو اصحاب ترجیح میں شمار کیا ہے، حالاں کہ بلاشبہہ یہ حضرات مجتہد فی المسائل تھے، اسی طرح آپ نے اصحاب تخریج کے متعلق کہا کہ یہ لوگ اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے ہیں، حالاں کہ واقعہ اس کے خلاف ہے، اصحاب تخریج کے ضمن میں جو فقہا شمار کیے جاتے ہیں وہ سب مجتہد فی المسائل کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ مجتہد مطلق کے بعد ہر طبقہ کے لیے ایک وصف مخصوص ہے، اگر یہ اوصاف خاصہ کسی ایک شخصیت میں جمع ہو جائیں تو اس شخصیت کا شمار بہ یک وقت کئی طبقات میں ہو سکتا ہے۔

علامہ کفوی نے فقہائے مقلدین کے پانچ طبقات رکھے ہیں، اس لحاظ سے آپ نے ابن کمال پاشا کے ذکر کردہ اول و

آخر کو کوترک کر کے درمیانی پانچ طبقات شمار کیے ہیں، دونوں رایوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، بعض علما نے لکھا ہے کہ مجتہد فی المذہب کا دروازہ ابوالبرکات نسفی المتوفی ۷۱۰ھ پر ختم ہو گیا۔

علامہ بحر العلوم لکھنوی نے اس کے قول کو رد فرمادیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نیرنگیِ زمانہ کی وجہ سے ہر دور میں گونا گوں مسائل کا پیدا ہونا لوازم عالم سے ہے، لہذا ہر نئے پیدا ہونے والے مسئلہ کا حل نکالنے کے لیے اللہ کی رحمتوں سے مجتہدین کا سلسلہ قائم رہنا ضروری ہے۔ مجتہد مطلق کا وجود ہر دور میں ضروری نہ سہی مگر مجتہد فی المذہب یا مجتہد فی المسائل کے وجود کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر واقعات بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ چناں چہ امام نسفی کے بہت بعد امام ابن الہمام [متوفی ۸۶۱ھ] گزرے ہیں، آپ کی کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں کہ آپ مجتہد تھے۔

ابن کمال اور کفوی نے مجتہد فی المذہب کی جو تعریف کی ہے امام ابن ہمام اس پر پورے اترتے ہیں، اس لیے بحر العلوم کی طرح ہم بھی یہ تسلیم کرنے سے قاصر ہیں کہ مجتہد فی المذہب کا سلسلہ امام نسفی پر ختم ہو گیا۔

پھر امام ابن ہمام کے بعد اعلیٰ حضرت میں ایک عظیم فقیہ کی خصوصیات اجتماعی طور پر نظر آتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی سوانح دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے صالح الفکر، صائب الرائے شخصیت کے حامل تھے، آپ کا بچپن ایک ذکی الطبع، قوی الفکر انسان کے شباب سے کم نہ تھا۔ آپ سرحد شباب میں داخل ہونے تک جملہ فنون عربیہ اور علوم دینیہ اور ان کے مبادی میں ماہر نظر آتے ہیں۔ علم کے کسی میدان میں آپ کی جولانی قلم میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ علم حدیث میں آپ امام سیوطی کے مظہر نظر آتے ہیں تو تفسیر میں ابن جریر کے پرتو ہیں۔ علوم عربیہ میں سحبان کی شان رکھتے ہیں تو امام ابو حنیفہ کے قواعد واصول برتنے میں آپ پر بزدوی وسرخسی کا شبہہ ہوتا ہے، اور صرف انہیں علوم تک نہیں بلکہ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ کی شان یکساں معلوم ہوتی ہے اور اس شان میں آپ کی انفرادیت اس درجہ ہے کہ اقران وامثال ہی نہیں بلکہ کئی صدی قبل بھی آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آپ منفرد نظر آئیں گے۔

اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لینے کے بعد ہر وہ شخص جس نے مشہور فقہا کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہو گا وہ اس نتیجہ پر بہت آسانی سے پہنچ سکتا ہے کہ امام ابن ہمام کی شان روایت اور رنگ اجتہاد سے مزین فکر جوان کی خصوصیت تھی، فقہ کی جملہ متداول کتب پر نظر رکھتے ہوئے مسائل کی تنقیح جو علامہ شامی کی ایک مسلمہ خصوصیت تھی ان کے بعد صرف اعلیٰ حضرت کے حق میں مقدر ہو گئی، گویا اعلیٰ حضرت بہ یک وقت ابن ہمام بھی تھے اور ابن عابدین بھی۔

عرب وعجم کے بے شمار فقہا اور اہل علم ودانش اعلیٰ حضرت کا تفقہ تسلیم کر چکے ہیں، الدولۃ المکیہ اور اعلیٰ حضرت کی دوسری تصانیف پر علما وفقہا کی تقریظات ہمارے اس دعویٰ کا بین ثبوت ہیں، اعلیٰ حضرت فقہاے مقلدین کی جملہ خصوصیات کے حامل تھے۔

[۱] اقوال سلف پر آپ کی نظر بہت ہی وسیع تھی، جب کسی مسئلہ کی تائید میں ائمہ سابقین کی شہادتیں بیان کرنے پر اتر

تے ہیں تو سیکڑوں سے بھی ان کی تعداد متجاوز ہو جاتی ہے، اپنے پیش رو فقہا کے اقوال کی مکمل تنقیح فرماتے ہیں، کسی نقل یا دلیل پر بغیر پرکھے اعتماد نہیں کرتے، روایات مذہب اور اگلوں کے استنباط کے قوت وضعف اور مراتب صحت پر نشان دہی فرماتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اصحاب تمیز کے خواص سے یقینا متّصف تھے۔ ہمارے اس دعویٰ پر اعلیٰ حضرت کے ہزاروں فتاوے شاہد ہیں، بذل الجوائز، سبحان السبوح، التحریر الجید، نفی العار، ردالرفضہ، القطوف الدانیہ، ہادی الحاجب جیسے پچاسوں رسالے سے آپ کے استحضار روایات وعبارات پر روشنی پڑتی ہے۔

اس ذیل میں یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ مسائل یا حکم کا منکر جن علما پر اعتماد رکھتا ہے ان کی شہادتیں التزاماً لاتے ہیں۔ حیات الموات الکواکب الشہابیہ وغیرہ میں ایسے مواد ملتے ہیں۔

[۲] مذہب کی روایات مختلفہ کو باعتبار ترجیح ہم کئی حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ علماے سلف نے اکثر روایات میں ترجیح و تنقیح فرمادی ہے، لیکن جہاں ترجیحات میں معتمد فقہا متفق ہیں وہیں بھاری تعداد اختلاف ترجیح کی بھی موجود ہے، اور بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو تا ہنوز تشنۂ ترجیح ہیں، ترجیحات سلف میں ایسا بھی ہوا کہ جن اسباب کی روشنی میں کسی قول کو ترجیح دی گئی اور مرور زمانہ سے وہ اسباب متغیّر ہو گئے، اس لیے ترجیح جدید ضروری ہوئی۔

اعلیٰ حضرت نے ترجیح سابق میں کسی قسم کی تبدیلی پسند نہ فرمائی، مذہب جس طرح کتب متوّن میں منقول ہے، اس پر اعتماد فرمایا، البتہ زمانہ کے تغیرات سے شرعی حکم پر جو اثر پڑتا ہے اس کی رعایت التزاما ملحوظ رکھی ہے، کیوں کہ اس پر اتفاق ہے کہ الفتویٰ یتغیر بتغیر الزمان البتہ تبدیل حکم میں تغیرات ماحول کا ہر جگہ اعتبار نہ کیا جائے گا، اعلیٰ حضرت نے اس کے لیے چھ مواضعات کا تعین فرمایا ہے اور ایک ضابطہ وضع کر کے یہ ثابت کیا کہ تغیر حکم بھی قول امام کے درجہ میں ہے، فرماتے ہیں:

”قول امام کی دو صورتیں ہیں، ظاہر اور ضروری۔ قول ظاہر جو امام سے صراحۃً منقول ہو۔ قول ضروری یہ ہے کہ امام سے منقول تو نہ ہو، لیکن اسی حکم عام کے تحت آسکے کہ اگر اس ماحول میں امام کے سامنے یہ صورت مسئلہ آتی تو یہی حکم صادر فرماتے، قول ظاہر اور ضروری میں تعارض ہو تو ضروری کو ترجیح دی جائے گی اور یہ تعارض صرف چھ صورتوں میں معتبر ہے، وہ یہ ہیں:

”[۱] ضرورت [۲] دفع حرج [۳] عرف [۴] تعامل [۵] اہم دینی مصلحتوں کی تحصیل [۶] کسی فساد موجود یا مظنون کا ازالہ۔ اور انہیں وجوہ کے پیش نظر صحیح احادیث کے خلاف میں بھی فتویٰ دیا جاتا ہے جو در حقیقت مخالفت حدیث نہیں، جیسے عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا،، [فتاویٰ رضویہ، ج: سوم، کتاب الصلوٰۃ]

اختلاف ترجیح کی شکل میں آپ نے ترجیحات کو کالعدم قرار دیا اور پوری بحث وتمحیص کے بعد یہ ضابطہ مقرر فرمایا: یقدم قول الامام عند اختلاف التصحیح.

اسی طرح آپ نے صدہا غیر منقح تشنۂ ترجیح مسائل کی اسباب وعلل کی روشنی میں ترجیح فرمائی۔ آپ کے فتاویٰ کے ساتھ کتب فقہ پر آپ کے حواشی وتعلیقات ہمارے اس بیان کی واضح دلیل ہیں۔ اس لیے ہم کو بجا طور پر یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ اعلیٰ

حضرت کو ائمہ ترجیح میں بھی شمار کریں۔

[۳] روایات مذہب اور فقہاے مابعد کے اقوال میں مجمل اور مبہم اقوال بھی بہ کثرت ملتے ہیں۔ ائمہ تخریج نے مجمل کی تفسیر اور مبہم کا بیان اور دیگر قیود و شرائط کا بیان فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور تک بھی کچھ ایسے گوشے باقی رہ گئے کہ جن میں عمل تخریج کی ضرورت تھی، آپ نے ایسے بیشتر مقامات کی تنقیح فرمائی اور اسی تخریج کے ذریعہ حکم کے لیے صورت مسئلہ کا تعین فرمایا۔ مثلاً ماے مستعمل کی تعریف اور اس کا حکم متون مذہب میں بالفاظ ذیل منقول ہے:

والماء المستعمل لا یجوز استعماله فی طهارة الاحداث و الماء المستعمل کل ماء از یل به حدث او استعمل فی البدن علی وجه القربة.

اعلیٰ حضرت نے کل ماء میں قلیل کی قید، پھر بدن سے جدا ہونے کی قید کا اضافہ فرمایا اور ستّائیس احتمالات قائم کر کے پانی کے مستعمل ہونے کی صورت متعیّن فرمائی، اس موضوع پر مکمل مفصل تحقیق کر کے "الطرس المعدل" نامی ایک رسالہ تحریر فرمایا۔ جسم انسانی کا پانی سے لمس پانی کو کب مستعمل بناتا ہے، اس پر مفصل توضیح و تفسیر اور احتمالی صورتوں کی تعلیل وغیرہ کے ساتھ نہایت درجہ محقق و منقح بیان کے لیے ایک بسیط رسالہ اللمیقۃ الانقی تحریر فرمایا۔ بچوں کی صغیر و کبیر اشیا کا استعمال ممنوع ہونے اور اس کا ہبہ باطل ہونے پر ایک مفصل رسالہ عطاء النبی تحریر فرمایا۔ جس میں مبہم عبارتوں کی تشریح اور احتمالات کی تعیین اور صورت مسئلہ کا تقرر وغیرہ مذکور ہے۔ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ اور رسائل و حواشی میں تخریجات کی نظائر کم نہیں ہیں۔

ائمہ سابقین کی تخریجات میں جن کو تسامح ہوا ہے اس کی نشان دہی بھی فرمائی ہے۔ رسالہ "اضافۃ الطلاق" اور "جدالممتار" میں اس کے نظائر و شواہد موجود ہیں۔ امام ابن ہمام، ابوالسعود، ابن کمال، برجندی، زیلعی، ملک العلما کاسانی، فخرالاسلام بزدوی اور شمس الائمہ سرخسی علیہم الرحمہ کی تخریجات پر جابجا مدلل کلام فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی ان ابحاث پر نظر پڑنے کے بعد ایک دانش مند قاری آپ کا مقام ائمہ تخریج میں آسانی سے متعیّن کر سکتا ہے۔

حوادث وو قائع کا سلسلہ غیر متناہی ہے، جب کہ نصوص شرعیہ متناہی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر نئے پیدا ہونے والے مسئلہ کا حکم شرعی اجتہاد کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔

[۴] مجتہدین فی المسائل امام مطلق کے اصول و قواعد کی روشنی میں ان مسائل کو حل فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے دور میں پیدا ہونے والے سیکڑوں مسائل میں احکام کا استخراج فرمایا ہے، مثلاً نوٹ کی ایجاد کے بعد کئی قسم کے مسائل پیدا ہوئے کہ نوٹ سونا چاندی نہیں ہے، لیکن قیمتی ہے۔ اس پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ جنس قدری نہیں ہے، بلکہ عددی ہے تو اس کی بیع تفاضل سود کہلائے گی یا نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے نوٹ کی حقیقت شرعی متعیّن کر کے اس سے متعلق

احکام کا بیان فرمایا۔ آپ کا یہ فتویٰ سو صفحات سے متجاوز ہو گیا۔ جس کا تاریخی نام کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ہے، عرب و عجم کے مشائخ کبار نے اسے بے پناہ سراہا۔

ردسر کی شوگر مل سے متعلق یہ بات مشہور ہو کر حکم شرع کی طالب ہو گئی کہ شکر کا تصفیہ ہڈیوں کے برادہ سے کیا جاتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ ہڈیاں حلال جانوروں کی ہیں یا نہیں۔ پاک ہیں یا ناپاک؟ اعلیٰ حضرت نے دریافت حکم کے لیے دس مقدمات استدلال کے ساتھ قائم فرمائے، اس کے بعد نہایت اعلیٰ تحقیق کے ساتھ حکم شرع کا استنباط فرمایا۔ آپ کی یہ تحقیق وسیع ہو کر رسالہ الاحلی من السکر،، کی شکل میں کئی اجزا میں سمائی۔ ریل پر نماز کا حکم کیا ہے؟ جن مقامات میں کئی مہینے سورج غروب نہیں ہوتا، وہاں مغرب، عشا، فجر اور روزہ کا کیا حکم ہے؟ ریلوے گارڈ اور ڈرائیور ٹرین سے مسافت سفر طے کریں تو وہ مسافر کہلائیں گے یا نہیں؟ ان تمام کا حکم استخراج فرمایا۔

سلف کے استنباط میں جن مواضع کی تنقیح فرمائی بطور نمونہ ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں:

حکم ائمہ یہ ہے کہ وصی یا وارث نے میت کی تجہیز وتکفین مثل اپنے مال سے کر دی تو ترکہ سے اپنی رقم واپس لے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ جہاز و کفن مثل دین میں شمار ہو گا، یا اسے حق تکفین سے موخر کرنا پڑے گا۔ اور حکم تکفین میں رکھیں تو اس سے رقم کی ادائیگی دیون پر مقدم ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ کفن دینے والا اسوۃ الغرماء ہے، اس کا حق دیگر قرض خواہوں پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے دین پر تجہیز کی تقدیم حق میت کے سبب تھی، جس طرح حالت حیات میں ذاتی حق مثل نان شبینہ دیون پر مقدم تھا اور جب وصی یا وارث نے تکفین کر دی تو حق میت ساقط ہو گیا، اب صرف ادائے دین کی صورت رہ گئی۔ فھو اسوۃ الغرماء اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص لباس کا ضرورت مند ہو تو اس کی یہ ضرورت عام دیون پر مقدم ہوگی۔ لیکن اگر کسی نے اسے بہ شرط رجوع لباس دے دیا تو یہ دینا دیگر دیون پر مقدم نہ ہو گا، بلکہ وہ بھی احد الدائنین میں شمار ہے، نیز یہ کہ آدمی اپنی حیات میں اکل و شرب و دیگر حاجات اصلیہ کے لیے دین لیتا ہے تو یہ دائن کسی صورت سے اس سے کم درجہ نہیں جس نے موت کے بعد طاری ہونے والی حاجت کے لیے دین دیا۔

اعلیٰ حضرت کے استنباط و استخراج کو اگر ہم تفصیل سے قلم بند کریں تو یقیناً ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

ان شواہد کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مجتہد المسائل کہنے میں بھی ہمیں کسی قسم کا تردد یا اشکال نظر نہیں آتا، بلکہ اعلیٰ حضرت میں یہ اوصاف بطور ملکہ تھے۔

اعلیٰ حضرت جہاں دین کے اصول و فروع اور عربیت کے فنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے، وہیں آپ فقیہ النفس بھی تھے، جب آپ عمر کے تیرہویں سال میں داخل ہوئے، اس وقت درس نظامیہ سے متعلق علوم و فنون میں آپ ماہر ہو چکے تھے، بلکہ زیر تعلیم کتابوں پر آپ کے حواشی و تعلیقات بھی موجود تھے۔ اور جب آپ تیرہ سال دس مہینہ پانچ دن کی عمر کو پہنچے اسی روز آپ پر نماز فرض ہوئی اور اسی روز آپ کے والد ماجد نے منصب افتا پر مامور فرمایا۔ بیٹھتے ہی آپ کے سامنے سب سے پہلے

حرمت رضاعت سے متعلق ایک دقت طلب مسئلہ پیش ہوا کہ ناک کے ذریعہ عورت کا دودھ بچے کے حلق میں پہنچ گیا تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟۔آپ نے مدلل طور پر حرمت رضاعت ثابت ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ ابتدائے عمر میں ہی آپ کو فقہی جزئیات و کُلیات پر عبور حاصل تھا۔ عمر کے اضافہ کے ساتھ آپ کی علمی گہرائی، وسعت مطالعہ اور ممارست وتجربہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ کی فقہی خصوصیات میں یہ امر بہت اہمیت رکھتا ہے کہ ابتدا سے لے کر اخیر عمر تک آپ کے فتاویٰ تحقیق پر مبنی ہوتے تھے اور آپ کو کسی فتویٰ سے رجوع کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

اعلیٰ حضرت کی فقہی اور کلامی بحثیں اور انداز تحقیق دیکھنے کے بعد ہم درج ذیل نتائج بھی اخذ کرتے ہیں۔

[الف] کسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کتاب اللہ سے استنباط ممکن ہو تو اسے نظر انداز نہیں ہونے دیتے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو مسئلہ زیر بحث ہے، اسی پر قرآنی شہادت قائم کی جائے، بلکہ ضمنی مسائل اور مسئلۂ زیر بحث کے مقدمات پر گفتگو کرتے ہوئے بھی قرآن حمید سے استدلال کرتے ہیں اور جب آپ کتاب اللہ سے کوئی دلیل لیتے ہیں تو بسااوقات اصولی اور تفصیلی تحقیق بھی سامنے آجاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ عظیم مفسر ہیں علم تفسیر پر عبور تامہ ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، ہم اپنی تائید میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف کردہ، "تجلی الیقین"، "جزاء اللہ عدوہ"، "الزبدة الزکیة فی تحریم السجود التحیة"، "الامن و العلی"، "سبحن السبوح" جیسے متعدّد تصانیف کو پیش کرسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کا قابل تعریف موقف یہ بھی ہے کہ تفسیر قرآن میں اپنی رائے کو ہرگز دخل نہیں دیتے۔

[ب] اعلیٰ حضرت کے تحقیقی فتاویٰ میں احادیث کریمہ کی شہادتیں اس وسیع پیمانے پر ملتی ہیں کہ گویا تمام احادیث مرویہ آپ کی نگاہ میں تھیں۔ احادیث کے راویوں، حدیث کے صحت وضعف اور دوسرے اقسام، الفاظ کے تغیرات متن و سند کی زیادات پر موقع موقع سے بحثیں بھی فرماتے ہیں، جرح و تعدیل کے الفاظ ومعانی اور متن کے اقسام، دلالات احادیث کے محمولات اور محتملات نیز دیگر نکات پر بھی آپ گہری نظر رکھتے تھے، بالعموم کوئی بھی حدیث بے حوالہ کتب پیش نہیں فرماتے، ایک ایک حدیث کی تخریج میں کبھی کبھی دس پندرہ کتابوں کے نام بطور حوالہ ذکر فرماتے، ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر آپ اس کی تصحیح و تخریج فرماتے ہیں تو نتائج کی نشان دہی بھی فرماتے ہیں اسی طرح مراد حدیث میں کسی سے چوک ہوئی تو اس پر بھی آگاہ فرماتے ہیں۔

[ج] مسائل فقہیہ کے استخراج واستنباط اور تائید میں ضمناً کئی علوم کا بکثرت استعمال فرماتے، لغت، نحو، صرف، معانی، بیان، منطق وفلسفہ، حساب، اقلیدس اور ہیئت وغیرہ سے مدد لینے میں کسر نہیں اٹھار کھتے۔

علوم کی معرفت وممارست بہت ہی اہم اور مشکل شئی ہے، لیکن کمال علم ووفور علم یہ ہے کہ علوم غیر متعلقہ سے بھی مقصد برآری میں کامیابی حاصل کرلی جائے، اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ علوم وفنون کو دین متین کی خدمت میں بھی لگا دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت کو یہ خصوصیت بدرجہ کمال حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت کے فتاوی وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اول نظر میں آپ کی حسب ذیل خصوصیات کا ادراک ہر قاری کو

ہوتا ہے۔

[۱]جس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہیں اس میں اقوال سلف کا استقصا فرماتے ہیں۔

[۲]احتمال شقوق کا استیعاب کرتے ہیں۔

[۳]غیر معتمد اقوال وشقوق پر کلام وافر فرماتے ہیں۔

[۴]کلام سلف کی توجیہات کرتے ہیں۔

[۵]تطبیق وتوجیہ ناممکن ہو تو ترجیح دیتے ہیں۔

[۶]توجیہ وتوفیق اور ترجیح کے اسباب وعلل پر مدلل کلام فرماتے ہیں۔

[۷]ضوابط الکلیہ وضع فرماتے ہیں۔

[۸]اصلاح واضافہ فرماتے ہیں۔

[۹]دلائل کا تکاثر پایا جاتا ہے۔

[۱۰]دلائل ومسائل کی بھرپور تنقیح فرماتے ہیں۔

[۱۱]مسائل جدیدہ کا استنباط کرتے ہیں۔

[۱۲]علوم عصریہ سے دینی مسائل کی تائید فرماتے ہیں۔

اس قسم کی بے شمار خوبیاں اعلیٰ حضرت کی فقہی تصانیف میں نظر آتی ہیں۔ جو قاری فقہ میں جتنی بصیرت رکھتا ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کے خزانہ علم میں اضافہ ہوگا اور اعلیٰ حضرت کے تفقہ سے اس کا تاثر بھی اسی حساب سے ہوگا۔

اعلیٰ حضرت کی انہی فقہی تحقیقات اور بے مثال تنقیحات کا جائزہ لینے کے بعد علامہ سید اسماعیل مفتیِ حرم علیہ الرحمہ پکار اٹھے:

لو راه الأمام أبو حنيفة لجعله فى أصحابه.

ایک حد تک ہم بھی اس رائے سے متفق ہیں کہ اعلیٰ حضرت قواعد اصول وفروع اور احکام میں ابو حنیفہ کے ایک عظیم مقلد تھے اور تقلیدی شان کے ساتھ ہی منصب اجتہاد فی المسائل واجتہاد فی المذہب کی پوری اہلیت رکھتے تھے۔

آپ کے معاصرین بھی آپ کے تبحر علمی اور ملکہ استخراج پر اعتماد رکھتے تھے، بلاشبہہ آپ نے فقہ حنفی کے لیے بہترین مواد اور عظیم ترین سرمایہ چھوڑا ہے۔ رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة.

*****

امام احمد رضا کی فقہی بصیرت: فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی: مفتی ادارۂ شرعیہ اتر پردیش، رائے بریلی، یوپی

امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعۂ فتاوی کا جائزہ لینے کے بعد ہر وہ شخص جس نے مشہور فقہاے کرام کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہو گا وہ اس نتیجہ پر باآسانی پہنچ سکتا ہے کہ امام ابن ہمام کی شان درایت اور رنگ اجتہاد سے مزین فکر جو ان کی خصوصیت تھی ان کے بعد صرف امام احمد رضا قدس سرہ کو نصیب ہوئی، اور مسائل کی تنقیح وتوضیح، فقہ کی جملہ متداول کتابوں پر نظر رکھتے ہوئے جو علامۂ اجل ابن عابدین شامی کی ایک مسلمہ خصوصیت تھی وہ بھی آپ ہی کے حق میں مقدر ہوئی، گویا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات میں بیک وقت ابن ہمام کی خصوصیات بھی تھیں اور علامہ ابن عابدین شامی کی باریک بینی بھی۔

امام احمد رضا قدس سرہ جس مسئلہ پر بھی قلم اٹھاتے تھے خواہ وہ کلیہ ہو یا جزئیہ، اس کے ہر ایک پہلو پر تنقیح وتحقیق کر کے اس سے متعلق ہر ممکنہ رخ اور صورت کو پیش فرماتے تھے، اس کے بعد ہی اس کے جواز یا عدم جواز یا استحباب کا حکم صادر فرماتے تھے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو ان کے ہم عصر دیگر فقہا میں نظر نہیں آتی، بالخصوص تعمق فکر، جودت طبع اور ذہن رسا کے ساتھ ساتھ علوم قرآن، علوم تفسیر وحدیث اور اصول حدیث پر کمال ودسترس کے حوالے سے بھی وہ منفرد نظر آتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ علوم منقولات پر آپ کی گرفت کافی قوی تھی بلکہ علوم معقولات پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ علم کلام، فلسفہ، منطق، فلکیات اور طبعیات وغیرہ علوم پر بھی آپ کو کافی عبور تھا، اس لیے کہ ایک فقیہ اور مفتی کے پاس مختلف النوع مسائل آتے ہیں اگر وہ ان تمام علوم سے بہرہ ور نہیں تو جواب باصواب دینے سے قاصر رہے گا۔ فقہ کی دنیا بہت وسیع ہے اور اس میں جمیع علوم وفنون داخل ہیں اور یہ سب حسب ضرورت آپ کو حاصل تھے بلکہ آپ اس میں استادانہ کمال رکھتے تھے۔

ایک فقیہ کے لیے علم حدیث میں کامل مہارت ودسترس کا ہونا بے حد ضروری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہ جیسے بے مثال فقیہ تھے، ویسے ہی بلند پایہ محدث بھی تھے، علم حدیث میں آپ کو کافی تبحر حاصل تھا، اور اس فن میں آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا، چنانچہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ حدیث کی کتابوں میں کون کون سی کتاب پڑھی یا پڑھائی ہیں تو آپ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا:

”مسند امام اعظم وموطا امام محمد، وکتاب الآثار امام محمد وکتاب الخراج امام ابو یوسف، وکتاب الحج امام محمد، وشرح معانی

الآثار امام طحاوی، وموطا امام مالک، ومسند امام شافعی ، ومسند امام محمد، وسنن دارمی، وبخاری ومسلم، وابوداود وترمذی، ونسائی، وابن ماجہ، وخصائص نسائی، وملتقی ابن الجارود، وذو علل متناہیہ، ومشکوۃ وجامع کبیر، وجامع صغیر وملتقی ابن تیمیہ، وبلوغ المرام، وعمل الیوم واللیلہ ابن السنی، وکتاب الترغیب، وخصائص کبریٰ، وکتاب الفرج بعد الشدۃ، وکتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں ہیں۔" [اظہار الحق الجلی، ص ۲۴، مطبوعہ، بزم فیضان رضا ممبئی]

علم فقہ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی بے شمار تصنیفات ہیں جن میں بعض رسائل ہیں، بعض تحقیقی فتاوے ہیں، بعض شروح وحواشی ہیں، آپ کے حواشی میں جد الممتار علی رد المحتار [حاشیہ شامی] جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، بہت اہم ہے۔ بظاہر یہ حاشیہ ہے، لیکن حقیقت میں متن، شرح وحاشیہ کا مجموعہ ہے، اس سے نہ صرف حدیث وفقہ بلکہ بکثرت علوم وفنون میں امام احمد رضا کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے، امام احمد رضا قدس سرہٗ محدث بریلوی کی فقہی بصیرت کے حوالے سے بے شمار شواہد اس کے اندر موجود ہیں جو آپ کی حیرت انگیز تحقیقات پر دلیل ہیں، ان کے علاوہ دیگر تصانیف میں بھی آپ کی فقہی بصیرت کے بے شمار حوالے موجود ہیں، لیکن فتاوی رضویہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کا وہ عظیم فقہی شاہکار ہے اور اس کے اندر اس تعلق سے اتنے زیادہ شواہد موجود ہیں جو آپ کی فقہی بصیرت اور فقہ یانہ عظمت کو سمجھنے کے لیے کافی ووافی ہیں۔

مارہرہ شریف کے مشہور عالم دین سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت کو میں ابن عابدین پر فوقیت دیتا ہوں کیوں کہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں"۔ [مقدمہ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، ص: ۲۴]

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی فقہی بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عوام سے زیادہ اہل علم آپ کے قریب تھے اور فقہ وافتا کے ماہرین بھی آپ کی حیرت انگیز فقہی بصیرت کے گن گایا کرتے تھے، مولانا سراج احمد خان پوری اپنے دور کے جلیل القدر فاضل تھے اور علم میراث میں تو انہیں تخصص حاصل تھا، "الزبدۃ السراجیۃ" لکھتے وقت ذوی الارحام کے صنف رابع کے بارے میں مفتیٰ بہ قول دریافت کرنے کے لیے دیوبند، سہارنپور اور دیگر علمی مراکز کی طرف رجوع کیا، لیکن کہیں سے تسلی بخش جواب ان کو نہیں ملا، پھر انہوں نے وہی سوال بریلی شریف بھجوایا، ایک ہفتہ کے اندر انہیں جواب موصول ہوگیا، جسے دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہوگیا اور تاحیات امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فضل وکمال اور فقہی تبحر کے گن گاتے رہے۔

مفتیان کرام سے عموماً عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں انہیں حکم شرعی معلوم نہیں ہوتا ان کی واقفیت حاصل کرتے ہیں، لیکن فتاویٰ رضویہ کے تمام مجلدات کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ سے رجوع کرنے اور احکام شرعی جاننے والوں میں ایک بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو خود ماہرین علوم و فنون تھے، زینت درس گاہ تھے، مسند نشین دار الافتاء تھے، اور علم وفن میں مشہور زمانہ تھے، مزید تفصیل کے لیے تو فتاویٰ رضویہ کے تمام مجلدات کے سائلین اور مستفتیان کے اسمائے گرامی اور ان میں اہل علم کی معرفت کے بعد ہی اس بات کا

اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تاہم بطور نمونہ جامعہ نظامیہ لاہور کے ایک فاضل محقق مولانا خادم حسین کے تحقیقی مقالہ کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں، جو انھوں نے فتاویٰ رضویہ کی نو جلدوں [پہلی سے ساتویں، اور دسویں و گیارہویں] کے سائلین کے اسماے گرامی کی تحقیق کرنے کے بعد لکھا ہے، جس کا عنوان ہے "امام احمد رضا بحیثیت مرجع العلماء" ان کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق ان جلدوں میں چار ہزار پچانوے [۴۰۹۵] استفتا ہیں، جن میں سے تین ہزار چونتیس [۳۰۳۴] عوام الناس کے استفتا ہیں اور ایک ہزار اکسٹھ [۱۰۶۱] استفتا علما اور دانشوروں کے پیش کردہ ہیں۔" [مقدمہ فتاویٰ رضویہ، ج:۱]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ استفتا کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد علما اور دانشوروں کی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کسی مسئلہ کا جواب دیتے وقت صرف ہاں یا نہیں میں جواب نہیں دیتے، بلکہ سائلین کے معیار کے حساب سے دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔

کتب فتاویٰ میں "فتاویٰ رضویہ" کا مقام:

فتاویٰ رضویہ علمی اور فقہی اداروں میں فقہ حنفی کی ایک قابل اعتماد اور کتب فتاوی میں ایک نہایت ہی معتبر و مستند کتاب کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہے، ارباب فقہ وافتا کے مابین اس کی حیثیت ماخذ و مصدر اور مرجع کی ہے، اہل علم کے درمیان جوبات فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے کی جاتی ہے وہ قول فیصل اور حرف آخر کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی ہے اور فتاویٰ رضویہ کی تحقیق کے خلاف دیگر تحقیقات کو مردود اور مسترد تصور کیا جاتا ہے، لہذا ایسی صورت میں ضروری ہے کہ فتاویٰ رضوی کی حیثیت فقہاے احناف کی فقہی کتابوں کے درمیان کیا ہے؟ اس کی معرفت حاصل کی جائے تاکہ اس کی روشنی میں ان کے فتاویٰ کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکیں اور ان کے معیار کا بھی پتہ چل سکے۔

مقام و مرتبہ کے لحاظ اگر فتاویٰ رضویہ کے تحقیقی فتاوے پر غائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں فتاویٰ رضویہ کی حیثیت صرف فتاویٰ ہی کی نہیں بلکہ شرح کی بھی ہے، اس بات کا اندازہ کوئی محقق ہی امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاویٰ کا تحقیقی جائزہ کی روشنی میں لگا سکتا ہے، تاہم زیادہ تفصیل میں نہ جاکر صرف امام احمد رضا قدس سرہ کی زبانی آپ کے مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ رضویہ" کا فقہی مقام پیش کرتے ہیں، تاکہ میرے اس دعویٰ کی تصدیق امام احمد رضا قدس سرہ کی تحریر سے ہو جائے اور اس میں کسی طرح کے شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہ رہ جائے، چنانچہ آپ فقہ حنفی کی کتابوں کے مقام و مرتبہ کی تعیین نیز متون و شروح اور فتاویٰ کی کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد فتاویٰ رضویہ میں معروضات کی بحث میں یوں رقمطراز ہیں:

"ان میں جو چھان بین اور تنقیح و تصحیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک شروح کا درجہ رکھتے ہیں، جیسے فتاویٰ خیریہ والعقود الدریہ للعلامۃ الشامی واطمع ان یسلك ربی بمنه وکرمه فتاوای هذه فی سلکها فللارض من کاس الکرام مصیب، اور مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب اپنے احسان و کرم سے میرے ان فتاویٰ "العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ" کو انہیں کے زمرے میں شامل فرمالے گا کہ اہل کرم کے جام سے زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔

[فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۵۱۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی]

فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ اس انداز سے مسائل کی تحقیق فرماتے ہیں کہ ان کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کے تمام تاریک اور پوشیدہ گوشوں کو بھی اجاگر کر دیتے ہیں، دلائل وشواہد کی فراوانی اس قدر کہ ایک اصل کے تحت کثیر جزئیات جمع کر لیتے ہیں اور دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں، جدید مسائل میں کتاب وسنت اور فقہاے احناف کے مقرر کردہ اصولوں کی روشنی میں ان کے احکام کا استخراج اور استنباط کرتے ہیں اور ان کا حل پیش کرتے ہیں، اگر کسی شرعی حکم میں فقہاے کرام کے اقوال اور ارشادت مختلف دیکھتے ہیں تو اپنی بالغ نظری اور وسعت فکر سے ان میں تطبیق کی صورت پیش کرتے ہیں یا پھر قواعد اور اصول کے مطابق ان میں سے کسی ایک کے قول کو دوسرے پر فوقیت اور ترجیح دیتے ہیں، آپ سائلین اور مستفتیان کو صرف حکم شرعی کے بیان سے آگاہ نہیں فرماتے ہیں بلکہ قرآن وحدیث اور منقولات کے علاوہ دیگر مختلف علوم وفنون کے ذریعہ اپنے موقف کی تائید وتوثیق کرتے ہیں اور اس کا مکمل طور سے ثبوت پیش کرتے ہیں، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ سائل اور مستفتی کی زبان وبیان کی بھی مکمل رعایت فرماتے ہیں، مستفتی جس زبان میں سوال اور استفتا قائم کرتا ہے آپ جواب بھی اسی زبان میں عنایت فرماتے ہیں، حتیٰ کہ منظوم سوالات کے منظوم جوابات اور حد تو یہ کہ سوال جس بحر میں قائم کیا جاتا ہے آپ جواب بھی اسی بحر میں دیتے ہیں، ساتھ ہی زبان وبیان میں سلاست وروانی، عبارتوں میں عمدگی، اشاروں کی باریکی، معانی کی تنقیح اور الفاظ کی وضاحت یہ ساری خوبیاں آپ کے فتاویٰ میں عیاں ہیں، مسائل کے استدلال میں ایسافقیہانہ اسلوب بیان اپناتے ہیں کہ فصاحت وبلاغت، براعت استہلال، اور تسلسل بیان کا اعلیٰ معیار آپ کے فتاویٰ کے ہر جملہ سے جھلکتا نظر آتا ہے، صرف ابتدائی خطبہ کے اندر اس قدر تلمیحات، استعارات اور تشبیہات موجود ہیں جو فصاحت وبلاغت کا ایک عظیم شاہکار معلوم ہوتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ کے خطبہ کی فصاحت وبلاغت:

فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں تمام مصنفین کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک خطبہ تحریر کرتے ہیں جس میں حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور وجہ تالیف کا اظہار کرتے ہیں، لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ کا ایسا خطبہ تحریر فرمایا ہے جو کہ دیگر کتابوں کے خطبوں سے بالکل الگ تھلگ اور منفرد ویکتا ہے۔ جو بلا شبہ فصاحت وبلاغت کا اچھوتا شاہ کار ہے، دلکش اشارات، روشن تلمیحات، خوبصورت استعارات اور خوشنما تشبیہات پر مشتمل ہے، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ خطبے کے اندر جملہ لوازمات ومناسبات یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد، رسول اللہ ﷺ کی تعریف، صحابہ اور اہل بیت کی مدح اور درود وسلام یہ تمام چیزیں ائمہ کرام کے ناموں سے ادا کی گئی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جملہ محسنات بدیعیہ از قسم براعت استہلال و رعایت سجع وغیرہ بھی پوری طرح ملحوظ رکھی گئی ہے، اتنے قیودات اور پابندیوں کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔

ذیل میں فتاویٰ رضویہ کا براعتِ استہلال اور کتب فقہ وائمہ کرام کے ناموں کا شاہکار خطبہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

خطبة الكتاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

الحمد لله هو الفقه الاكبر، والجامع الكبير لز يادات فيضه المبسوط الدررو الغرر،به الهداية،و منه البداية،واليه النهاية،بحمده الوقاية،ونقاية الدراية،وعين العناية،وحسن الكفاية،والصلاة والسلام على الامام الاعظم للرسول الكرام،مالكى،و شافعى،احمد الكرام،يقول الحسن بلا توقف، محمد ن الحسن ابو يوسف،فانه الاصل المحيط ،لكل فضل بسيط،و وجيز ووسيط ،البحر الزخار ، والدر المختار ،و خزائن الاسرار ،و تنوير الابصار ،و رد المحتار ،علىٰ منح الغفار ،و فتح القدير ، و زاد الفقير ،وملتقى الابحر ، ومجمع الانهر ،وكنز الدقائق،و تبيين الحقائق ،والبحر الرائق ، منه يستمد كل نهر فائق ،فيه المنية،و به الغنية،ومراقى الفلاح ،و امداد الفتاح،وايضاح الاصلاح ، و نور الايضاح،وكشف المضمرات،وحل المشكلات،والدرر المنتقى، و ينابيع المبتغى، و تنوير البصائر،و زواهر الجواهر،البدائع النوادر،المنزه وجوبا عن الا شباه والنظائر، مغنى السائلين، و نصاب المساكين ، الحاوى القدسى ، لكل كمال قدسى و انسى ، الكافى الوافى الشافى ، المصفى المصطفى المستصفى المجتبى المنتقى الصافى ، عدة النوازل،و انفع الوسائل، لا سعاف السائل ، بعيون المسائل ،عمدة الاواخر و خلاصة الاوائل ،وعلى آله وصحبه واهله وحز به ،مصابيح الدجىٰ، ومفاتيح الهدىٰ، لاسيما الشيخين الصاحبين،الاٰخذين من الشريعة والحقيقة بكلا الطرفين، الختنين الكريمين ،كل منهما نور العين ،و مجمع البحر ين ، وعلىٰ مجتهدى ملته ،و ائمة امته ،خصوصاً الاركان الاربعة، و الانوار اللامعة ، و ابنه الاكرم الغوث الاعظم ، ذخيرة الاولياء ، و تحفة الفقهاء ، و جامع الفصولين ، فصول الحقائق ، و الشرع المهذب بكل ز ين ،وعلينا معهم و بهم ولهم يا ارحم الراحمين اٰمين اٰمين و الحمد لله رب العٰلمين .

ترجمۂ خطبہ

بسم الله الرحمٰن الرحيم

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس کے کرم والے رسول پر درود بھیجتے ہیں سب خوبیاں خدا کو ہیں، یہی سب سے بڑی فقہ و دانش مندی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیض کشادہ کی افزائشیں کہ نہایت روشن موتی ہیں ان کے لیے بڑی جامع ہے، اللہ ہی سے ہدایت اور اسی

سے آغاز ہے اور اسی کی طرف انتہا، اسی کی حمد سے حفظ ہے اور عقل کی پاکیزگی اور عنایت کی نگاہ اور کفایت کی خوبی، اور درود وسلام ان پر جو تمام معزز رسولوں کے امام اعظم ہیں۔ میرے مالک اور میرے شافع احمد کمال کرم والے، حسن بے توقف کہتا ہے کہ حسن والے محمد ﷺ یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے والد ہیں کیوں کہ وہی اصل ہیں جو ہر فضیلت کبیرہ وصغیرہ و متوسط کو محیط ہیں۔ نہایت چھلکتے دریا ہیں اور چنے ہوئے موتی اور رازوں کے خزانے، اور آنکھیں روشن کرنے والے، اور حیران کو اللہ غفار کی عطاؤں کی طرف پلٹانے والے قادر مطلق کی کشائش ہیں، اور محتاج کے توشے، تمام کمالات کے سمندر انہیں میں جاکر ملتے ہیں، اور سب خوبیوں کی نہریں انہیں میں جمع ہیں، باریکیوں کے خزانے ہیں، اور تمام حقائق کے روشن بیان، اور خوشنما صاف شفاف سمندر کہ ہر فوقیت والی نہر انہیں سے مدد لیتی ہے، انہیں میں آرزو ہے، اور انہیں کے سبب باقی سب سے بے نیازی، اور مراد پانے کے زینے، اور تمام ابواب خیر کھولنے والے کے مدد، اور آراستگی کی روشنی، اور اس روشنی کے لیے نور، اور غیبوں کا کھلنا اور مشکلوں کا حل ہونا، اور چنا ہوا موتی، اور مراد کے چشمے، اور دلوں کی روشنیاں اور نہایت چمکتے جواہر عجب ونادر، ومثل ونظیر سے ایسے پاک ہیں کہ ان کا مثل ممکن نہیں، سائلوں کو غنی فرمانے والے ہیں، اور مسکینوں کی تونگری، ہر کمال ملکوتی وانسانی کے پاک جامع ہیں، تمام مہمات میں کافی ہیں، بھرپور بخشنے والے، سب بیماریوں سے شفا دینے والے، مصفی برگزیدہ پاک چنے ہوئے، ستھرے صاف، سب سختیوں کی دقت کے لیے ساز وسامان ہیں، سائل کو نہایت عمدہ منہ مانگی مرادیں ملنے کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش وسیلے ہیں، پچھلوں کے تکیہ گاہ اور اگلوں کے خلاصے، اور ان کے آل واصحاب اور ازواج وگروہ پر درود وسلام کی ظلمتوں کے چراغ اور ہدایت کی کنجیاں ہیں، خصوصا اسلام کے دونوں بزرگ مصطفی کے دونوں یار کہ شریعت وحقیقت دونوں کناروں کے حاوی ہیں، اور دونوں کرم والے شادیوں کے سبب فرزندی اقدس سے مشرف کہ ان میں ہر ایک آنکھ کی روشنی اور دونوں سمندروں کا مجمع ہے، اور ان کے دین کے مجتہدوں اور امت کے اماموں پر خصوصا شریعت کے چاروں رکن چمکتے نور، اور ان کے نہایت ترین بیٹے غوث اعظم پر کہ اولیا کے لیے ذخیرہ ہیں، اور فقہا کے لیے تحفہ، اور حقیقت اور وہ شریعت ہر زینت سے آراستہ ہے دونوں کی فصول کے جامع، اور ہم سب پر ان کے ساتھ ان کے صدقہ میں ان کے طفیل اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان سن لے قبول کر۔

تشریح خطبہ

فقہ حنفی میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مشہور تصنیف کا نام الفقہ الاکبر ہے، اسی طرح جامع کبیر، زیادات، فیض، مبسوط، درر، غرر بھی بلند پایہ فقہی تصانیف ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے ان ناموں میں کہیں ضمیر کا اور کہیں حرف جر وغیرہ کا اضافہ کرکے ان کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ کتابوں کے یہ نام ہی اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد بن گئے ہیں، چنانچہ فرمایا "الحمد للہ ھو الفقہ الاکبر، والجامع الکبیر، لزیادات فیضہ المبسوط الدرر" سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ کی تعریف ہی سب سے بڑی دانائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیض کشادہ روشن موتی کی طرح تابناک اور جامع

ہے۔یعنی فیضان الٰہی کے اضافے اور زیادات موتیوں کی طرح شفاف اور روشن پیشانیوں کی طرح تاب ناک ہیں۔حالاں کہ حمد کا یہ پہلو ضمنی ہے جب کہ امام احمد رضا قدس سرہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیض مبسوط کا ذکر کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض وکرم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔اور غیر متناہی فیض کے زیادات غیر متناہی در غیر متناہی ہوں گی اور جو حمد ان زیادات کی جامع ہوگی وہ بھی غیر متناہی در غیر متناہی ہوگی اور امام احمد رضا قدس سرہ اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی حمد کرنا چاہتے ہیں۔کیا کمال درجہ کا فرق فی المبالغہ ہے، ''حمد بے حد'' یا ''بے انتہا تعریف'' میں اس مبالغے کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔

بار گاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صلوۃ وسلام پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ نے تو پہلے ائمہ کرام وفقہائے اسلام کے ناموں اور معروف القاب کو اس طرح ترتیب دیا کہ کچھ ان میں سے سرکار دوعالم ﷺ کے نام بن گئے اور کچھ آپ کی صفات، اس کے بعد اسمائے کتب سے حضور ﷺ کے فضائل بیان کیے اور صلوۃ وسلام پیش کرنے کے دوران امام احمد رضا قدس سرہ نے مندرجہ بالا تمام محاسن ولطائف کے علاوہ ایک اور خوبی کا اضافہ کیا ہے یعنی سرور کونین ﷺ کے بارے میں اپنے عقیدے کی بھی وضاحت کر دی ہے اور اہل سنت وجماعت کی ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔امام احمد رضا قدس سرہ اور تمام اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ ہم سب کے بلکہ سارے عالم کے مالک ہیں لیکن بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تملیک سے مالک ہیں اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بروز محشر عاصیوں کی شفاعت فرمائیں گے اور حق تعالیٰ سے ان کو بخشوائیں گے۔اس عقیدہ کو ائمہ کرام کے اسماو القاب سے آپ اس طرح وضاحت کرتے ہیں۔

''والصلوۃ والسلام علی الامام الاعظم للرسول الکرام مالکی و شافعی احمد الکرام''

اور صلوۃ وسلام ہو رسولوں کے سب سے بڑے امام پر، جو میرے مالک ہیں میرے لیے شفاعت کرنے والے ہیں ان کا نام احمد ہے بہت ہی عزت والے ہیں۔[امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل] ائمہ اربعہ کے معروف القاب و اسما کے ساتھ حضور ﷺ کی تعریف بھی کی ہے اور ساتھ ہی اپنے عقیدے کا اظہار بھی کیا۔

آگے چل کر ایک اور عقیدہ کا اظہار یوں فرماتے ہیں کہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ تمام کائنات کی اصل اور مبدا ہیں اس کے اظہار کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ نے امام اعظم ابو حنیفہ کے تینوں مشہور شاگردوں امام محمد، امام حسن بن زیاد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ناموں کا انتخاب فرمایا اور انہیں اس طرح یکجا کیا کہ سرکار دوعالم ﷺ کے اسم گرامی اور حسن وجمال کا بھی بیان ہوگیا اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ حسن یوسف پر تو حسن مصطفی ہے بلکہ خود حضرت یوسف علیہ السلام فرع مصطفی اور ابن مصطفی ﷺ ہیں چنانچہ فرمایا۔

یقول الحسن بلا توقف: محمد الحسن ابو یوسف۔

آپ کا جمال بے مثال دیکھ کر خود حسن بغیر کسی توقف کے پکار اٹھتا ہے کہ حسن والے محمد ﷺ در حقیقت یوسف علیہ السلام کے ''اب'' اور اصل ہیں۔

تمام انبیار سول اللہ ﷺ کے بحر کرم سے ایک چلو پانی کے اور آپ کی باران رحمت کے طلب گار ہیں اس عقیدہ کو فتاویٰ رضویہ کے خطبہ میں امام احمد رضا قدس سرہ تلمیح کے انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

"البحر الرائق منه يستمد كل نهر فائق"

البحر الرائق اور النهر الفائق، کنز الدقائق کی دو شرحیں ہیں امام احمد رضا قدس سرہ نے" منه يستمد كل" کا اضافہ کر کے کیا ایمان افروز معنی پیدا کیے، آپ فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ وہ حیران کن سمندر ہیں کہ ہر فوقیت رکھنے والا دریا اور نہر انہیں سے مدد لیتی ہے گویا کہ رسول اللہ ﷺ فضل وکمال کے بحر ذخار ہیں اور باقی انبیا ورسل فوقیت رکھنے والے دریا اور نہریں، اور ظاہر ہے کہ دریاؤں اور نہروں میں سے وہی پانی لیتا ہے جو بھاپ بن کر سمندر سے اٹھتا ہے اور کہیں بارش بن کر برستا ہے تو کہیں برف بن کے گرتا ہے۔

اگر کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف متفق ہوں تو فقہا ان کو شیخین کہتے ہیں اور اگر امام ابو یوسف اور امام محمد کا اتفاق ہو تو ان کو صاحبین کہتے ہیں اور اگر امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی ایک ہی رائے ہو تو ان کو طرفین کہا جاتا ہے۔ اب امام احمد رضا قدس سرہ نے ان تینوں فقہی اصطلاحات کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر منطبق کر دیا اور فرمایا۔

"لا سيما الشيخين الصاحبين الاخذين من الشريعة، والحقيقة بكلا الطرفين"

خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے دو بزرگ ساتھی جو شریعت و حقیقت کے دونوں کناروں کو تھامنے والے ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے جیسا اوصاف و محاسن سے بھرپور خطبہ آج تک نگاہوں نے نہیں دیکھا، فصاحت و بلاغت کی یہ رعنائیاں صرف خطبہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ پورا فتاویٰ تخیل کی نزاکتوں اور ادبی لطافتوں سے مالا مال ہے اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ تاہم یہاں ایک اور امتیازی کمال کی طرف اہل ذوق کو متوجہ کر کے اپنی گفتگو کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔

رسائل رضویہ کی چار اہم خصوصیات:

امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ معمول تھا کہ اگر کسی سوال کا جواب زیادہ تفصیل سے دینا ہوتا تو اس کو مستقل رسالہ کی شکل دے دیتے تھے اور باقاعدہ اس کا نام رکھتے تھے اور یہ نام اس قدر رموزوں، مناسبت اور واقع کے مطابق ہوتا کہ پڑھنے والا امام احمد رضا قدس سرہ کی فقہی دسترس اور رسائی پر حیران رہ جاتا، آپ کے تمام رسالوں کے نام میں مندرجہ ذیل چار خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

[۱] رسالوں کا نام عربی میں ہوتا ہے خواہ وہ رسالہ کسی بھی زبان میں ہو۔

[۲] تمام رسالوں کے نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

[۳] ہر نام اسم با مسمی ہوتا ہے یعنی نام ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس رسالہ کا موضوع کیا ہے۔

[۴] ہر نام تاریخی ہوتا ہے یعنی ابجد کے حساب سے اگر اس کے حروف کے اعداد نکالے جائیں تو ان کا مجموعہ اس سنہ پر دلالت کرتا ہے جس سنہ میں وہ رسالہ تحریر کیا گیا ہے۔

یہاں پر بطور نمونہ جلد اول سے صرف تین رسالوں کے نام ہدیۂ ناظرین ہیں جن سے ہمارے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے۔

[۱] اگر امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین [امام ابو یوسف اور امام محمد] و متاخرین فقہا کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں کس کے قول پر فتویٰ ہو گا؟ امام اعظم کے قول پر یا صاحبین کے قول پر؟ یا دیگر فقہاے احناف کے قول پر؟ یا بعض معمولات میں امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر یا بعض معمولات میں امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر اور بعض میں صاحبین و امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر اور بعض میں دیگر فقہاے احناف کے قول پر؟ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ نے جو رسالہ تحریر فرمایا اس کے نام سے ہی اس بات کی تحقیق واضح ہو جاتی ہے کہ وہ رسالہ یہ ہے۔

اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علیٰ قول الامام واضح اعلان کہ فتویٰ بہر صورت امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر ہے۔

[۲] کون سی نیند ناقض وضو ہے اور کون سی نہیں اس کی تفصیلات سے امت مسلمہ کو آگاہ کرنے کے لیے آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا اور اس کا نام یہ رکھا۔

"نبه القوم ان الوضوء من ای نوم" قوم کو آگاہ کرنا کہ کون سی نیند کے بعد وضو ہے۔

[۳] حالت جنابت میں قراءت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن صورتوں میں؟ ان مسائل سے متعلق آپ نے ایک رسالہ قلم بند کیا اور اس کا نام یہ رکھا:

"ارتفاع الحجب عن وجوه قرأة الجنب" پردوں کا اٹھ جانا ان تمام صورتوں میں جو جنبی کی قراءت سے متعلق ہیں۔

ان تینوں رسالوں کے نام مندرجہ بالا چاروں خصوصیات کے جامع ہیں یہاں پر ہم صرف رسالہ "نبه القوم ان الوضوء من ای نوم" کے اعداد کا استخراج کر کے اس کی کچھ جھلکیاں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ باقی رسالوں کو اسی پر قیاس کر لیں۔

نبه القوم [ن۔۵۰][ب۔۲][ه۔۵][ا۔۱][ل۔۳۰][ق۔۱۰۰][و۔۶۰][م۔۴۰]—— ۲۳۴

ان الوضوء من ای نوم [ا۔۱] [ن۔۵۰] [ا۔۱] [ل۔۲۰] [و۔۶] [ض۔۸۰۰] [و۔۶][م۔۴۰][ن۔۵۰][ا۔۱][ی۔۱۰][ن۔۵۰]اس[و۔۶][م۔۴۰]۔۔ ۲۳۴+۱۰۹۱=۱۳۲۵

اس رسالے کے مجموعی اعداد ۱۳۲۵ ہوئے اور یہی اس رسالہ کا سنہ تالیف ہے، یہ فتاویٰ رضویہ کے اندر ایک ایسی خوبی ہے جس کی نظیر دیگر فتاوے اور فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتی۔

مستفتی کی زبان وبیان کی رعایت

امام احمد رضا قدس سرہ کی فقہی بصیرت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات "کلموا الناس علی قدر عقولهم" کی عملی تفسیر ہے سائل اور مستفتی کی زبان و بیان کی آپ مکمل رعایت فرماتے، آپ کی بارگاہ میں جب کسی عالم دین

کی طرف سے کوئی سوال پیش کیا جاتا تو آپ اس کا جواب بھی عالمانہ رنگ میں مرحمت فرماتے، اگر عام یا معمولی لیاقت رکھنے والے مستفتی کی جانب سے سوال ہوتا جس کا اندازہ امر مسئولہ اور سائل کی زبان وبیان سے ہی ہو جاتا تو آپ اس کا جواب بھی سوال کے انداز بیان ہی میں آسان اور سادہ اسلوب میں دیتے، اسی طرح آپ کے فتاوے میں سائل کی زبان کی رعایت بھی کافی حد تک موجود ہے، اگر مستفتی اردو زبان میں استفتا کرتا تو آپ جواب اردو زبان میں عنایت فرماتے، اگر سوال عربی زبان میں کیا جاتا تو آپ جواب بھی عربی زبان میں مرحمت فرماتے، اسی طرح اگر سائل فارسی زبان میں سوال کرتا تو جواب بھی فارسی ہی زبان میں دیتے، اگر کہیں سے انگریزی زبان میں استفتا آتا تو آپ جواب انگریزی زبان میں ارسال فرماتے اور حکم شرعی سے آگاہ کرتے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ منظوم سوالوں کے جوابات بھی منظوم انداز میں دیتے، انداز جواب بھی اس قدر نرالا کہ منظوم سوال جس زبان میں ہوتا آپ اسی زبان میں منظوم جواب مرحمت فرماتے بلکہ حد تو یہ کہ سوال جس بحر میں قائم کیا جاتا آپ جواب بھی اسی بحر میں دیا کرتے تھے، امام احمد رضا قدس سرہ کی یہ ایک ایسی اہم خوبی ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں ان کے ہم عصر فقہاے کرام کے فتاویٰ میں نہیں نظر آتی، یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کی تاریخ فتاویٰ میں آپ کے فتاویٰ کو ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل ہے۔

آپ کی اس امتیازی خصوصیت کے نمونے آپ کے مجموعۂ فتاویٰ "فتاویٰ رضویہ" کی مختلف جلدوں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

غایت تحقیق وتنقیح:

امام احمد رضا قدس سرہٗ جب کسی مسئلہ سے متعلق تحقیق کرتے ہیں تو اس کے منتہا تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کی آخری حدوں کو پار کر لیتے ہیں، اس میں مزید تحقیق اور گفتگو کی گنجائش نہیں چھوڑتے، آپ کے تحقیقی فتاوے اور مسائل کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم وحکمت کے سمندر ہیں جن کی اتھاہ گہرائیوں تک آپ نے رسائی حاصل کر لی ہے، فتاویٰ رضویہ کا یہ جہازی سائز اور اتنے سارے مجلدات صرف غایت تحقیق کی بنیاد پر طویل ہے ورنہ آپ اگر صرف نفس مسئلہ کا حکم بیان فرماتے تو شاید یہ اتنا بڑا ضخیم سرمایہ ہمارے پاس موجود نہ ہوتا، میری ان باتوں کی تصدیق کے لیے فتاویٰ رضویہ کے تحقیقی وتاریخی رسائل بھی شاہد عدل ہیں، نیز تحقیقی فتاوے بھی، تفصیل سے اجتناب اور اختصار کے پیش نظر صرف بطور نمونہ ہم یہاں پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کی انتہا ے تحقیق کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔

اشیاے تیمم کی تعداد میں اضافہ:

جن چیزوں سے تیمم کرنا درست ہے ان کی تعداد فقہائے احناف کی تصانیف میں چوہتر [۷۴] بیان کی گئی ہے لیکن جب امام احمد رضا قدس سرہ کے سامنے یہ مسئلہ آیا اور آپ نے اپنی تحقیق انیق کی جولانیاں دکھائیں تو فقہاے کرام کی منقولہ تعداد میں ایک سو سات [۱۰۷] چیزوں کا مزید اور اضافہ کیا کہ ان اشیا سے بھی تیمم کرنا جائز و درست ہے۔

اسی طرح جن چیزوں سے تیمم کرنا درست نہیں ان کی تعداد فقہاے کرام سے کتب سابقہ میں اٹھاون [۵۸] منقول

تھیں لیکن امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ میں ان پر بہتر [۷۲] چیزوں کا مزید اپنی تحقیق سے اضافہ کیا۔ چناں چہ اس پورے مسئلہ کی تحقیق کے بعد آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ تین سو گیارہ چیزوں کا بیان ہے، ۱۸۱ سے تیمم جائز جن میں ۷۴ منصوص [کتب سابقہ میں بیان کی گئی] اور ۱۰۷ زیادات فقیر اور ۱۳۰ سے ناجائز جن میں ۵۸ منصوص [کتب سابقہ میں بیان کی گئی] اور ۷۲ زیادات فقیر، ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا جب کہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہوسکے گا۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۳، ص:۶۵۸]

کثرت دلائل وشواہد اور جزئیات فقہیہ کا انبار:

ایک فقیہ کے لیے تمام مسائل میں مکمل اور مفصل دلائل سے واقف ہونا ضروری ہے اگر دلائل کی قوت اور ندرت استنباط ایک فقیہ کی بصیرت پر روشن دلیل ہیں تو دلائل کی کثرت اس کے علم کی وسعت اور ہمہ گیری کا واضح نشان ہے، دلائل ہی سے ایک فقیہ کی شان تفقہ ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا اس حیثیت سے جب ہم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فتاوے پر نظر دوڑاتے ہیں تو آپ کتاب وسنت سے استنباط کرنے میں ایک صاحب بصیرت فقیہ نظر آتے ہیں، آپ کے فتاوے میں مراجع اور حوالوں کا انبار لگا رہتا ہے، ان حوالوں سے جہاں بیان کردہ مسئلہ کی تائید وتقویت ہوتی ہے وہیں ان سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی وسعت معلومات اور وسعت نظر کا بھی پتہ چلتا ہے، آپ کے استدلال کا انداز یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن پاک سے استدلال کرتے ہیں پھر احادیث کریمہ، اور اس کے بعد ائمہ دین کے ارشادات واقوال سے اپنے موقف کا ثبوت پیش کرتے ہیں، آپ کا یہ بھی طریقہ استدلال ہے کہ کبھی ایک اصل کے تحت وہ سارے جزئیات جمع کر دیتے ہیں جو مختلف فقہی کتابوں میں علیحدہ علیحدہ اور منتشر طور پر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، دلائل کی کثرت آپ کے فتاویٰ میں اس حد تک ہے کہ کئی سو سال کے فقہا کے درمیان آپ یگانہ ویکتا دکھائی دیتے ہیں، آپ کے فتاویٰ میں دلائل کی کثرت دیکھنے کے بعد مذہب حنفی کی قوت بخوبی واضح ہو جاتی ہے، فتاویٰ رضویہ کے جہازی سائز جو سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہیں، فتوے کی یہ وسعت صرف دلائل کی فراوانی اور وسعت علم کی بنیاد پر ہیں۔

ذیل میں بطور نمونہ فتاویٰ رضویہ کے چند فتوے ہدیہ ناظرین ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دلائل کی وسعت وفراوانی کے اعتبار سے فتاویٰ رضویہ ایک ایسی امتیازی شان رکھتا ہے جو کہ عموماً دیگر فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں مفقود ہے۔

کتاب اللہ سے استدلال:

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو علوم قرآن میں امتیازی مقام حاصل تھا جو آپ کا ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن سے واضح ہے، تفصیل میں نہ جاکر حضور محدث اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تاثر یہاں پر ہم پیش کرتے ہیں، آپ علوم قرآن میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی امتیازی شان کے تعلق سے یوں رقمطراز ہیں:

"علم قرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس اردو ترجمہ سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال

سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جاسکتا، جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر در حقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں [روح] قرآن ہے۔" [مقالات یوم رضا مطبوعہ لاہور، ج:۱، ص:۴۱]

وقت مغرب کا مسئلہ:

حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مغرب کی نماز کے وقت کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک استفتا ارسال کیا، سوال یہ تھا کہ:

"کیا مشرقی افق سے سیاہی نمودار ہوتے ہی مغرب کا وقت ہوجاتا ہے؟ یا سیاہی کے بلند ہونے پر مغرب کا وقت ہوگا؟"

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ: "سورج کی ٹکیہ کے شرعی غروب ہونے سے بہت پہلے ہی سیاہی مشرق افق سے کئی گز بلند ہوجاتی ہے"

اس سلسلے میں آپ قرآن مجید کی آیت کریمہ سے اچھوتا استدلال کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"اس پر عیاں وبیاں وبرہان سب شاہد عدل ہیں، الحمد للہ! عجائب قرآن منتہی نہیں ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیہ کریمہ، تولج الیل فی النہار وتولج النہار فی الیل" کے مطالعہ رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں، رات یعنی سایہ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر عز جلالہٗ دن میں داخل فرماتا ہے، ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی، اور دن کو سواد مذ کور میں لاتا ہے، ابھی ظلمت شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی۔" [فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۲۱۷]

دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنے کا مسئلہ:

بریلی شریف قراولان محلہ سے ایک شخص نے امام احمد رضا قدس سرہٗ سے استفتا کیا، کہ حالت سفر میں جس میں قصر لازم ہو، عذر سفر کی بنا پر دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

آپ نے جواب میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق کرتے ہوئے "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین [دو دریاؤں سے روکنے والا، دو نمازوں کو جمع کرنے سے بچانے والا]" کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا، اس میں اوقات نماز کی پابندی اور جمع بین الصلاتین کے عدم جواز پر قرآن مجید کی سات صریح آیتوں کو پیش کیا اور اوقات صلاۃ کی محافظت والتزام کو ثابت فرمایا۔

اس کے فصل چہارم جس میں آپ نے جمع بین الصلاتین کی نفی کے تعلق سے نصوص قرآنیہ کا ذکر کیا ہے اس کی ایک جھلک ہدیہ ناظرین ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"فصل چہارم نصوص، نفی، جمع وہدایت التزام اوقات میں، یہ نصوص دو قسم ہیں۔ اول عامہ، جن میں تعیین اوقات کا بیان یا ان کی محافظت کی ترغیب یا ان کی مخالفت سے ترہیب ہے، جس سے ثابت ہو کہ ہر نماز کے لیے شرع مطہر نے جدا

وقت مقرر فرمایا ہے کہ نہ اس سے پہلے ہو سکے نہ اسے کھوکر دوسرے وقت پر اٹھا رکھی جائے بلکہ ہر نماز اپنے ہی وقت پر ہونی چاہیے۔ دوم خاصہ، جن میں بالخصوص جمع بین الصلاتین کی نفی ہے۔

قسم اول نصوص عامہ [الآیات] رب العزت تبارک وتعالیٰ نے محافظت والتزام اوقات کا حکم سات سورتوں میں نازل فرمایا۔ [۱] بقرہ [۲] نساء [۳] انعام [۴] مریم [۵] مومنون [۶] معارج [۷] ماعون

آیت نمبر [۱] اِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى المومنين كتاباً موقوتا۔ [بے شک نماز مسلمانون پر فرض ہے وقت باندھا ہوا ہے] کہ نہ وقت سے پہلے صحیح اور نہ وقت کے بعد تاخیر روا بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔ آیت نمبر [۲] حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ [بقرہ، آیت: ۲۳۸]، [محافظت کرو سب نمازوں اور خاص بیچ والی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے]۔ آیت نمبر [۳] وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۔ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [سورہ مومنون، آیت: ۱]، [اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں کہ اسے وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے وہی سچے وارث ہیں کہ جنت کی وراثت پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں]۔ آیت نمبر [۴] والذين هم علىٰ صلوٰتهم يحافظون اولئك في جنٰت مكرمون۔ [اور وہ لوگ کہ اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں وہ جنتوں میں عزت کیے جائیں گے]۔ آیت نمبر [۵] والذين يؤمنون بالاٰخرة يؤمنون به وهم علىٰ صلوٰتهم يحافظون۔ [اور جنہیں آخرت پر یقین ہے وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں]۔ آیت نمبر [۶] ثم خلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوٰة۔ [پھر آئے ان کے بعد وہ برے پسماندے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں]۔ آیت نمبر [۷] فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون۔ [خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں] کہ وقت نکال کر پڑھتے ہیں۔ [فتاویٰ رضویہ، ج: ۱، ص: ۳۱۰ تا ۳۱۲، ملخصا]

احادیث سے استدلال:

امام احمد رضا قدس سرہٗ علم حدیث اور اس کے متعلقات پر وسیع اور گہری نظر رکھتے ہیں، طرق حدیث، مشکلات حدیث، ناسخ و منسوخ، راجح و مرجوح، طرق تطبیق، وجوہ استدلال، اسمائے رجال، یہ سب امور آپ کو ہر وقت مستحضر تھے، علم حدیث میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی مہارت و بصیرت کے تعلق سے حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول ملاحظہ کریں، آپ فرماتے ہیں:

"علم حدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر، اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر، علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے، اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو وہ روای کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا، اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف

کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت۔" [مقالات یوم رضا، ج:۱، ص:۴۱]

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی محد ثانہ بصیرت پر بے شمار نمونے پیش کیے جاسکتے ہیں، ذیل میں ہم چند مسائل کے نمونے پیش کرتے ہیں جن میں آپ نے احادیث کریمہ سے استدلال واستناد کرتے ہوئے اپنے فتاویٰ میں احادیث کریمہ کا ایک انمول ذخیرہ پیش کیا ہے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت:

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کے سلسلہ میں آپ سے ثبوت طلب کیا گیا اور جو لوگ اسے بدعت بتاتے ہیں ان کی رائے کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے ایک تحقیقی فتوی لکھا، اور اسے مستقل رسالہ کی شکل دے دی، اس کا نام رکھا "بذل الجوائز علی الدعاء بعدصلوۃ الجنائز" نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے پر انعامات کی تقسیم اس بارے میں آپ نے حدیث کی متداول کتب سے دس احادیث کریمہ کی تخریج فرمائی، جب کہ یہی سوال مولانا عبدالحئی فرنگی محلی سے کیا گیا، آپ نے صرف ایک حدیث پر اکتفا فرمایا اور فرقہ غیر مقلدین کے مسلم الثبوت محدث مولوی نذیر حسین نے بھی اس موضوع پر صرف ایک ہی حدیث نقل کی، امام احمد رضا قدس سرہ "دس احادیث کریمہ سے "بعد نماز جنازہ دعا مانگنے کا اثبات کرکے ارشاد فرماتے ہیں۔

"الحمدللہ حق بہ ہمہ وجوہ ظاہر وباہر اور ہر شک ووہم زائل وبائر ہوا، امید ہے کہ اس فتوی میں اول تا اخیر جتنے جواہر زواہر ہدیۂ انظار اولی الابصار ہوئے سب حصہ خاصہ خامہ فقیر ہوں کہ اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملیں، الحمدللہ کہ یہ مبارک جواب موضع صواب چہار دہم رجب المرجب روز جاں آفروز دوشنبہ کو وقت چاشت شروع اور وقت عشا تمام اور بلحاظ تاریخ "بذل الجوائز علی الدعاء بعدصلوۃ الجنائز" نام ہوا۔" [فتاوی رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۲۵۶ ملخصا]

سماع موتی کا مسئلہ [مُردوں کا سننا]:

سماع موتی کے سلسلے میں امام احمد رضا قدس سرہ سے استفتا کیا گیا کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے اس سلسلے میں ایک ضخیم رسالہ "حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات" [بے جان کی زندگی، مردوں کی سماعت کے بیان میں] لکھا، جس میں تین سو پینسٹھ دلائل سے آپ نے ثابت کیا کہ دنیا سے رخصت ہونے والے محض پتھر نہیں بن جاتے، بلکہ وہ جانتے اور دیکھتے سنتے ہیں، اس موضوع پر آیات کریمہ کے علاوہ ۶۰/ احادیث نبویہ کا اتنا بڑا ذخیرہ آپ نے جمع کر دیا کہ دوسری فتاوی کی کتابوں میں ملنا بہت مشکل ہے، آپ رسالے کی تمہید میں فرماتے ہیں۔

امابعد! یہ معدود سطریں ہیں یا منضود سلکیں، تنقیح مسئلہ علم وسماع موتی وطلب دعا بمشاہد اولیاء ہیں جنہیں افقر الفقراء احقر الوریٰ عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی، سنی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی، اصلح اللہ عملہ وحقق املہ نے اوائل ماہ رجب ۱۳۰۵ھ کی چند تاریخوں میں رنگ تحریر دیا، اور بلحاظ تاریخ، حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات، [۱۳۰۵] سے مسمّی کیا، اب یہ عجالہ نہ صرف علم

وسماع موتی کا ثبوت دے گا بلکہ بحول اللہ تعالی خوب واضح کرے گا کہ حضرات اولیا بعد الوصال زندہ اور ان کے تصرف وکرامات پایندہ اور ان کے فیض بدستور جاری اور ہم غلاموں اور خادموں اور محبوں و معتقدوں کے ساتھ وہی امداد وعیانت ویاری، والحمد للہ القدیر الباری یہ رسالہ حق سے متّصل باطل سے منفصل، مقدمہ اور سہ مقصد اور خاتمہ پر مشتمل، حسبنا اللہ و نعم الوکیل ھو مولٰنا و علیہ التعو یل۔[فتاوی رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۶۷۶، ملخصا]

اور جب رسالہ مکمل ہوگیا تو آپ یوں رقم طراز ہوئے:

الحمد للہ کہ یہ نوع بھی اپنی منتہا کو پہنچی سو مقال کا وعدہ تھا، ایک سو پانچ گنے اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصد اول میں ۳۵/ پینتیس سوال تھے، مقصد دوم میں ساٹھ حدیثیں، ادھر نوع اول میں دو سو قول، اب یہ ایک سو پانچ مقال مل کر چار سو کا عدد کامل اور فقیر کا وہ مدعا حاصل ہوگیا کہ مولوی صاحب کے اصل مذہب اور اس چند سطری تحریر پر چار سو وجہ سے اعتراض ہے۔ [فتاوی رضویہ مترجم ج۹، ص ۸۲۳]

فقہی جزئیات سے استدلال:

امام احمد رضا قدس سرہٗ جب کسی مسئلے کی تحقیق پر آتے ہیں تو صرف قرآن وحدیث سے استدلال و استناد نہیں کرتے بلکہ اس مسئلے سے متعلق فقہائے کرام کے جو اقوال و ارشادات منقول ہیں ان کو بھی پیش کرتے ہیں اور اپنے موقف کو ہر طریقے سے مضبوط و مستحکم کرتے ہیں، آپ جب فقہی جزئیات پیش کرنے پر آتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شروع سے اخیر تک صرف دلائل ہی دلائل ہیں، دلائل کی آورد نہیں بلکہ آمد ہے اور آپ ان سب کو سپرد قرطاس کرتے چلے جارہے ہیں اور چند لمحوں میں دلائل کی فراوانی کا انبار لگادیتے ہیں، ذیل میں اس سلسلہ کا صرف ایک نمونہ ملاحظہ کریں۔

نماز جنازہ دوبارہ پڑھانے کا مسئلہ:

نماز جنازہ دوبارہ پڑھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس سوال کی تنقیح فرمائی تو دو سو سے زائد فقہ کی متداول کتابوں کے حوالے اور عبارتیں پیش فرمائیں اور یہ ثابت کیا کہ پہلی نماز جنازہ ولی کی اجازت سے ہوئی ہے یا بغیر اجازت ولی کے، اور اگر بغیر ولی کی اجازت کے ہوئی تو کیا ولی نے اس نماز میں شرکت کی یا نہیں؟ اگر ولی کی اجازت کے بغیر نماز ہوئی اور ولی نے اس جماعت میں شرکت بھی نہ کی، تو دوبارہ نماز جنازہ اس ولی کے لیے جائز ہے ورنہ ناجائز، اور ولی کے علاوہ اگر سلطان یا امام جامع مسجد یا امام محلہ نے پڑھ لی تو امام کو بھی اعادہ کا حق نہیں، اس سلسلے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ نے متون و شروح اور کتب فتاویٰ کی دو سو سات فقہی جزئیات پیش کیا اور یہ ثابت کیا کہ کچھ مخصوص صورتوں کے علاوہ نماز جنازہ کی تکرار ناجائز و گناہ ہے اور اس پر مذہب حنفی کا اجماع قطعی ہے، اس سلسلے میں آپ نے گیارہ انواع قائم کیے اور ہر نوع کے تحت فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتابوں کے جزئیات کی اس قدر فراوانی کردی کہ آپ کی بالغ نظری اور وسعت معلومات پر آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں۔

*****

امام احمد رضا کی چند فقہی تحقیقات

مولانا احمد رضا قادری: استاذ دارالعلوم افضل المدارس، الہ آباد، یوپی

بر صغیر میں جن رجال علم وفن اور اصحابِ فکر ونظر نے اپنی تصانیف وتالیفات اور زبان وقلم کے ذریعے احقاق حق، ابطال باطل اور اصلاح امت کے اہم کارنامے انجام دیے، ان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا نام سر فہرست ہے۔

آپ اپنے زمانے میں مجدد اعظم، محدث اعظم، مفکر اعظم، مدبر اعظم، مفسر اعظم، ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی اعظم اور مرجع علما وفقہا بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانے کے علما وفقہا، فقہی گتھیاں سلجھانے کے لیے آپ کی بارگاہ میں زانوے ادب تہ کرتے نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا ایک ہمہ جہت وہمہ گیر شخصیت کا نام ہے۔ دشمنان مصطفیٰ کے لیے شمشیر برہنہ کا نام امام احمد رضا ہے، وہ امام احمد رضا جنھوں نے اپنا پورا سرمایہ، اپنی ساری توانائیاں، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رضاے خدا اور خوشنودی مصطفیٰ کے لیے وقف فرمادیا تھا۔

امام احمد رضا اپنے عہد میں فقہ حنفی کے سب سے بڑے عالم وفاضل اور فقیہ ومحقق تھے۔ پچاس سے زائد علوم وفنون پر مہارت تامہ تھی، جس پر ہزار سے زیادہ تصنیفات شاہد عدل ہیں۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ رضویہ" اردو زبان میں فقہ حنفی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے۔

حافظ کتب حرم، عالم جلیل حضرت سید اسمعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب آپ کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا تو یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "واللہ اقول والحق اقول لو راھا ابوحنیفۃ النعمان لاقرت عینیہ وجعل مؤلفھامن جملۃ الاصحاب."

ترجمہ: میں قسم کھا کر بالکل سچ کہتا ہوں کہ ان فتاویٰ کو اگر ابو حنیفہ نعمان دیکھ لیتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور وہ اس کے مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے آپ کی شان فقاہت کے متعلق یوں لکھا ہے:

"فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے ان کا مجموعۂ فتاویٰ، فتاویٰ رضویہ اور کفل الفقیہ الفاھم اس پر شاہد عدل ہے"

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام اعظم ابو حنیفہ کے تعلق سے فرمایا تھا"الناس کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ"یعنی سارے لوگ فقہ کے معاملے میں امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد ہیں اور اگر یہی جملہ قدرے ترمیم کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی شان میں یوں کہا جائے "العلماء کلھم عیال احمد رضا فی الفقہ "کہ تمام معاصرین علماے فقہ امام احمد رضا کی عیال ہیں تو بلا شبہہ یہ کہنا حق بجانب اور درست ہوگا۔

مولانا کوثر نیازی پاکستانی جو ہندو پاک میں مشہور ومعروف ہیں ، انھوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی جلالت اور فقہی بصیرت سے متاثر ہو کر یوں تائثر پیش کیا تھا کہ جب میں امام احمد رضا خاں کی علمی جلالت سے واقف نہیں تھا تو میں اپنے آپ کو جید عالم اور نہایت قابل فاضل سمجھتا تھا، چھ ہزار سے زائد کتابیں میری ذاتی لائبریری میں موجود تھیں، شروع سے مجھے مطالعہ کا خوب شوق وذوق تھا،اپنی زندگی میں میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائیں جتنی کتابوں کا مطالعہ کیا۔اسلامیات وسیاسیات پر گہری نظر تھی،حسن اتفاق ایک دن امام احمد رضا خاں کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ رضویہ "کا سامنا ہوا، ورق گردانی کی، خطبہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا تو میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ حقیقت میں تو وہ خطبہ تھا جس میں اللہ عزوجل کی حمد اور رسول گرامی وقار ﷺ پر درود وسلام بھیجا گیا تھا،لیکن گہری نظر ڈالنے پر محسوس ہوا کہ اس میں فقہ کی ۹۰ر سے زائد مشہور ومعروف کتابوں کا تذکرہ تھا،اسے اس قدر عالمانہ ومدبرانہ انداز سے رقم کیا گیا تھا کہ یہ فرق کرنا مشکل تھا کہ یہ ایک خالص خطبہ ہے یا فقہی کتابوں کا سلسلہ وار تذکرہ،اسی دن سے میں ان کے فضل وکمال اور تبحر علمی کا معترف ہو گیا اور اس بات کا قائل ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت علم وفضل کے سمندر ہیں اور میں ابھی اس سمندر کے کنارے سیپیاں چن رہا ہوں۔

مولانا کوثر نیازی ہی کا بیان ہے کہ:

فقہ حنفی میں دو کتابیں مستند ترین ہیں۔ان میں سے ایک "فتاویٰ عالمگیریہ" ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے ،جنہوں نے فقہ حنفی کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دی۔دوسرا "فتاویٰ رضویہ" ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علمانے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد[اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں حنفی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ]نے تن تنہا کر دکھایا اور یہ مجموعہ "فتاویٰ رضویہ"، "فتاویٰ عالمگیریہ" سے زیادہ جامع ہے اور میں نے آپ کو "امام ابو حنیفہ ثانی "کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں بلکہ فتاویٰ رضویہ، کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے امام ابوحنیفہ ہیں۔"[امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۳ء اسلام آباد میں منعقد خطاب کا حصہ]

یہاں آپ کی فقہی مہارت کے چند شواہد آپ کی تصانیف کے حوالے سے پیش کیے جا رہے ہیں جن سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ خداوند ذوالجلال کی جانب سے آپ کو جو فقہی کمال حاصل تھا گزشتہ ایک صدی میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

مسئلہ تقبیل ابہامین:

نام محمد ﷺ سن کر انگوٹھے چومنے سے متعلق اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ایک سائل نے ان الفاظ میں سوال کیا:

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمۂ اشھد ان محمداً رسول اللہ سن کر انگوٹھا چومنا کیسا ہے؟

محدث بریلوی نے اس مسئلے کا مدلل و مبرہن جواب تحریر فرمایا، سب سے پہلے آپ نے مقاصد حسنہ، مسند الفردوس، موجبات الرحمہ، تاریخ شمس الدین محمد بن صالح مدنی، شرح نقایہ، فتاوی صوفیہ، کنزالعباد، اور تکملہ مجمع بحار الانوار وغیرہ مستند کتابوں سے اس فعل کا استحباب ثابت کیا بعدہ اس مسئلہ میں آپ نے علم اصول حدیث کو جس انداز میں بیان کر کے تحقیق کے دریے بہائے وہ آپ کی جلالت علمی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

نوٹ کا مسئلہ اور اس کی حقیقت:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نوٹ بالکل نوایجاد تھی، مفتیان کرام اور فقہاے عظام سے اس نوایجاد نوٹ کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا جانے لگا تو علماے عرب وعجم اس کے جواب سے قاصر تھے اور مکۃ المکرمہ کے مفتی احناف مولانا جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو یہاں تک کہہ دیا العلم امانۃ فی اعناق العلماء کہ علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔ اسی درمیان اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ دوسری مرتبہ ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے، آپ کی فقہی مہارت کے پیش نظر مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا محمد احمد جداوی نے نوٹ کے متعلق بارہ سوالوں پر مشتمل ایک استفتا آپ کی بارگاہ میں پیش کر دیا، آپ نے ان تمام سوالوں کا جواب بزبان عربی جس فقیہانہ شان اور خداداد صلاحیت کی بنیاد پر رقم فرمایا، علماے حرمین اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے اور پوری دنیا کے علماے کرام آپ کی اس تبحر علمی پر عش عش کر اٹھے۔ مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ نے جب اس کتاب کو پڑھا اور فتح القدیر کی اس عبارت پر پہنچے لو باع کاغذۃ بالف یجوز و لا یکرہ یعنی اگر کوئی شخص اپنا کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے این جمال بن عبداللہ من ھذا النص الصریح یعنی حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے تھے؟ بعد میں یہ رسالہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم کے تاریخی نام سے معرض وجود میں آیا۔

کتا مثل خنزیر نجس العین ہے یا نہیں؟

شہر بنارس سے مولوی عبدالحمید صاحب نے کتے کے نجس ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہوئے تصفیہ طلب کیا، فقیہ اعظم کا رہوار قلم ایسا حرکت میں آیا کہ حق تحقیق ادا کر دیا۔

آپ نے نفس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور [کتا] سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر، یہی

مذہب صحیح اصح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار ماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے"[فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۴۹]

اس کے بعد اپنے مدعا کو احادیث کریمہ سے ثابت کرتے ہوئے قدیم وجدید فقہا کے متون وشروح سے پچاسوں عربی عبارتیں نقل فرما کر اپنے فتویٰ کو مزید مبرہن ومدلل فرمایا۔

جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو تو کیا کرے؟

جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کر سکتا ہو مگر وضو کر سکتا ہو تو اس صورت میں شرعی حکم یہ ہے کہ صرف تیمم کرے، وضو اگرچہ مضر نہ ہو اور اس کے قابل پانی بھی موجود ہو اور وقت میں بھی وسعت ہو پھر بھی وضو نہ کرے چوں کہ وہی تیمم جو رفع جنابت کے لیے کرے گا رفع حدث کے لیے بھی کافی ہوگا۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۸۰۴]

صاحب شرح وقایہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں بحث کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

اذا کان للجنب ماء یکفی للوضوء لا للغسل یتیمم و لا یجب علیه التوضی عندنا خلافا للشافعی اما اذا کان مع الجنابة حدث یوجب الوضویجب علیه الوضوفالتیمم للجنابة بالاتفاق واما اذاکان للمحدث مایکفی لغسل بعض اعضائه فالخلاف ثابت ایضاً اھ .[شرح وقایہ، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ج ا ص:۹۵]

ترجمہ: چوں کہ یہ عبارت ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتی ہے اس لیے مختلف فقہاے اسلام نے اس سلسلے میں اپنی اپنی تصنیفات میں بحثیں کی ہیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس مسئلے میں ایک مستقل رسالہ لکھ کر اس بحث کو مکمل فرمادیا اور علما کے مابین پائے جانے والے تمام شکوک وشبہات کو یکسر ختم کردیا۔ آپ نے اپنے رسالہ الطلبة البدیعة میں بدائع، حلبی، شامی، کافی، زیلعی، فتح القدیر، حلیہ، بحر الرائق، شرنبلالی، چلپی اور طحاوی وغیرہ کتب کے حوالے سے ثابت کیا کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کر سکتا ہو مگر وضو کر سکتا ہو تو وضو بھی نہ کرے دونوں حدث کے لیے تیمم کافی ہے۔ احناف کا یہی مذہب ہے۔

ڈاڑھی منڈانا ممنوع وناجائز:

شریعت اسلامیہ میں داڑھی منڈانا ممنوع وناجائز ہے، اس مسئلہ کے ثبوت میں آپ نے ایک مستقل تحقیقی رسالہ "لمعة الضحی فی اعفاء اللحی" کے نام سے تحریر فرمایا، جس میں آپ نے اٹھارہ آیتوں بہتر حدیثوں اور انسٹھ کتابوں کے حوالے سے ساٹھ ارشادات فقہا نقل فرمائے جو آپ کی وسعت نظر، وفور علم اور کمال استحضار پر بین دلیل ہے۔

فتاوی رضویہ میں اس طرح کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں جو آپ کی دقت نظر، وسعت مطالعہ اور کمال درجہ کی شریعت فہمی کی غمازی کرتی ہیں، اس لیے اپنے بیگانے ہر ایک آپ کی تبحر عملی اور فقہی بصیرت کے معترف ہیں۔

*****

امام احمد رضا اور جدید فقہی مسائل: فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

مفتی محمد صابر عالم مصباحی: استاذ دارالعلوم نوریہ فدائیہ پاچھور سیاا تر دیناج پور

صنعتی انقلاب کا دور تھا، پرانی چیزوں کی جگہ نئی چیزیں لے رہی تھیں، یہاں تک کہ فکر ونظر کے ساتھ قوموں کے تہذیبی سرمائے میں بھی کثرت سے بھونچال آرہا تھا، دور ایسا نازک تھا کہ مسلمانوں کے سامنے ہزاروں چیزیں، ہزاروں مسائل اچانک ایسے آگئے تھے جن کے متعلق حکم شرع معلوم کیے بغیر ان پر عمل کرنا، ان کو اختیار کرنا، یا ان کا استعمال کرنا ایک مسلمان کے لیے ممکن نہ تھا۔ یہ ایک بڑا چیلنج تھا کیوں کہ ماضی کا فقہی دبستان اُن نوپید مسائل کے تصریحی احکام سے یکسر خالی تھا، لیکن ہر دور کی طرح اس بار بھی مسلمانوں نے اس چیلنج کو قبول کرلیا، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے دنیاے علم کے افق پر امام احمد رضا کے نام سے اس چیلنج کا جواب ظاہر فرمادیا۔ حدیث شریف میں ہے:

”اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاسِ کُلِّ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا“ [ابوداؤد شریف]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے اختتام پر مجدد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔

آپ کے فتاویٰ میں تحقیق کا کمال، دلائل کی فراوانی، حالات زمانہ کی رعایت، استنباط کی لطافت اور تخریج کی گہرائی وگیرائی یہ سب خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی منظر نگاری اور پرکشش تراکیب سے کہیں غنچے چٹک اٹھے ہیں اور کہیں نعت کے پھول کھل پڑے ہیں، کہیں منقبت کے گجرے بن گئے ہیں اور کہیں درود وسلام کی ڈالیاں تیار ہوگئی ہیں۔ ان تمام خصوصیات کے حامل فتاویٰ رضویہ سے چند مسائل جدیدہ کو یہاں ہم پیش کریں گے۔ تاکہ نوپید مسائل میں آپ کی شان تحقیق کا ایک عمومی اندازہ لگایا جاسکے۔ ملاحظہ ہو:

کرنسی نوٹ کا مسئلہ:

چاندی کے سِکّوں کی جگہ جب نوٹ ایجاد ہوئی، تو فقہاے اسلام کے سامنے نوٹ کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا کہ نوٹ مال ہے یا دستاویز کی طرح مال کی سند؟ اگر نوٹ مال ہے تو اس پر مال کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟ نوٹ کی خرید وفروخت کمی وبیشی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

جب یہ استفتا مفتی مکہ مکرمہ شیخ جمال بن عبداللہ کی خدمت میں پیش ہوا، توآپ نے کافی غور وخوض کے بعد لکھا: ”العلم امانة فی اعناق العلماء“ علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔

تقریبًا ہر طرف سے سکوت اختیار کیا گیا، عالم کی شان بھی یہی ہے کہ تحقیق حق نہ ہوسکے تو سکوت اختیار کیا جائے۔ البتہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے توقف نہ کیا اور قلم کی جولانی دکھانے کے لیے لکھ مارا کہ نوٹ مال نہیں ہے، بلکہ مال کی رسید ہے اور اس کے ذریعہ دراصل بیع ان روپیوں کی ہوتی ہے جو اس پر مرقوم ہوتے ہیں، اس لیے کمی وبیشی کے ساتھ سود ہے۔ [فتاویٰ رشیدیہ کامل، ص:۴۳۹]

مگر جب یہ مسئلہ موسم حج میں اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں پیش ہوا، توآپ نے تحقیق کے جوہر بکھیر دیے۔ علالت کے باوجود صرف ڈیڑھ دن کی مدت میں ایک تحقیقی و تفصیلی رسالہ: ”کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم“ تحریر فرمایا، جس کی دھمک آج بھی عرب وعجم میں محسوس کی جارہی ہے۔

اس رسالے میں مرکزی بات یہ ہے کہ نوٹ مال ہے اور ثمن اصطلاحی ہے۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ نوٹ کاغذ ہے اور کاغذ مال ہے۔ لہٰذا نوٹ مال ہے اور آدمی کو اختیار ہے کہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ لہٰذا کمی وبیشی کے ساتھ نوٹ کی خرید وفروخت جائز ہے، فتح القدیر میں ہے: ”لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکره“ اگر کوئی شخص کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار روپے کے بدلے بیچے تو جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔

پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مال کی تعریف کی ہے کہ مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقت حاجت اس سے نفع لینے کے لیے اٹھا رکھا جائے۔

مال کی چار قسمیں ہیں:

[۱] صرف ثمن ہو جیسے سونا چاندی [۲] صرف مبیع ہو جیسے کپڑے، چوپائے۔ [۳] اس میں کوئی ایسا وصف ہو جس کے سبب وہ کبھی ثمن بنے اور کبھی مبیع [۴] حقیقۃً متاع ہو اور اصطلاحًا ثمن جیسے پیسے۔

اس کے بعد فرمایا:

نوٹ چوتھی قسم سے ہے کہ اصل میں ایک متاع ہے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں دس، بیس پچاس جو اس پر مرقوم ہیں، یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے۔ ثابت ہوا کہ نوٹ مال ہے اور ثمن اصطلاحی بھی ہے تو اب اس پر وہ تمام احکام شرعیہ جاری ہوں گے جو مال پر ہوتے ہیں۔

مفتی مکہ مکرمہ نے جب یہ فتویٰ ملاحظہ فرمایا اور فتح القدیر کے جزئیہ: لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکره“ پر پہنچے تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے۔ ”این جمال بن عبدالله من هذا النص الصریح۔ حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے تھے۔

منی آرڈر کی فیس کا مسئلہ:

ڈاک خانہ کو روپے بھیجنے کے لیے جو فیس ادا کی جاتی ہے وہ سود ہے یا کچھ اور؟ یہ مسئلہ بھی شروع شروع میں اہل علم کے درمیان موضوع بحث رہا، دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ منی آرڈر ناجائز و حرام ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ڈاک خانے کو جو رقم پہنچانے کے لیے دی جاتی ہے وہ قرض ہے اور منی آرڈر فیس کے نام پر جو پیسے دیے جاتے ہیں وہ سود ہے۔ کیوں کہ ڈاک خانہ دو روپے کے عوض دو روپے دو آنے لیتا ہے جو سود ہے۔

مولوی رشید احمد گنگوہی کے اس فتوے سے لاکھوں مسلمان بے چین ہو گئے اور منی آرڈر سے متعلق سوال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پیش ہوا، تو آپ نے اس پر ایک مبسوط تحقیقی رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ہے: ''اَلْمُنٰی وَالدُّرَرْ لِمَنْ عَمِدَمنی آرڈر'' جس میں آپ نے متعدّد فقہی دلائل سے ثابت فرمایا کہ منی آرڈر کرنا جائز و درست ہے۔ اور دو روپے پر دو آنے کا اضافہ سود نہیں ہے، بلکہ روپے پہنچانے کی فیس ہے جسے فقہ کی زبان میں اُجرت کہا جاتا ہے۔

آپ نے منی آرڈر کی شرعی حیثیت متعیّن کرتے ہوئے فرمایا: یہ معاملہ ڈاک خانہ اور روپے بھیجنے والے کے درمیان عقدِ اجارہ ہے۔ اور ڈاک خانہ اجیر مشترک کی دوکان۔ عقد اجارہ شرعاً جائز ہے اور اجیر مشترک کو اس کے کام کے لحاظ سے مزدوری دینا، لینا بھی جائز ہے۔

دوسری دلیل: عالم اسلام میں مسلمانوں کا اس پر تعامل ہے۔ نیز فرمایا کہ قرض دینے والا مقروض سے کچھ نفع مثلاً دو آنے لے تو یہ سود ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیوں کہ قرض ماننے کی صورت میں مقروض ڈاک خانہ ہوگا۔ اس سے قرض دینے والا بطور نفع دو آنے نہیں لیتا، بلکہ خود مقروض ہی اپنے قرض خواہ سے مزید دو آنے لیتا ہے اور یہ جائز ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۱۹۷]

روسر کی شکر کی نجاست و عدم نجاست کا مسئلہ:

روسر انگریزی تاجروں کی ایک جماعت کا نام ہے جس نے شاہ جہاں پور میں شکر کا کارخانہ لگایا تھا اور وہ جانوروں کی ہڈیاں جلا کر اس کے کوئلوں سے شکر صاف کرتی تھی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ روسر کی شکر ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے۔ نہ معلوم وہ ہڈیاں کس جانور کی ہوتی ہیں۔ وہ شکر پاک و حلال ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا نے اس مسئلے کے جواب میں جس فقہی بصیرت کا ثبوت دیا ہے، وہ ایک محقق فقیہ کو حیران کر دینے کے لیے کافی ہے۔ آپ نے جواب سے پہلے دس مقدمات وضع فرمائے ہیں جن میں فقہ حنفی کی روشنی میں استنباط مسائل کے اصولوں پر طویل علمی و تحقیقی بحث فرمائی ہے، یہ بحث ۳۹؍ صفحات تک پھیلی ہوئی ہے اور ۳۷؍ حدیثیں زینت تحقیق ہیں، پھر آپ اصل جواب کی طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا:

شریعت میں طہارت و حلت اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

اور حرمت ونجاست عارضی کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص کی ضروت ہے اور محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات ناممکن کہ طہارت وحلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا، اس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور ہوگا۔ صرف ظن لاحق، یقین سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا۔

رَوسر کی شکر ہڈیوں سے صاف کیا جانا ایسا یقینی ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں، مگر اس تصفیہ میں ہڈیوں پر شکر کا مرور وعبور ہوتا ہے۔ جس طرح پانی کو کوئلوں اور ہڈیوں سے متقاطر کر کے صاف کرتے ہیں برتن میں ستھرا، شفاف پانی آجاتا ہے۔ ہڈی اور کوئلے کا کوئی جز اس میں شریک نہیں ہونے پاتا، تو یہ پانی بلا شبہہ پاک اور جائز الاستعمال ہے۔

اور اخیر میں فرماتے ہیں:

اوہام وخیالات کی بنیاد پر مطلقاً روسر کی شکر کو نجس وحرام کہہ دینا صحیح نہیں، بلکہ مقام اطلاق میں طہارت وحلت ہی پر فتویٰ دیا جائے گا۔ جب تک کہ کسی صورت کا خاص حال معلوم نہ ہو، ورنہ مسلمانوں کے معاملات کا دائرہ نہایت تنگ ہو جائے گا اور ہزار ہا چیزیں چھوڑ دینی پڑیں گی۔ ملخصًا اھ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۸۷]

بینک کے منافع کا مسئلہ:

ہندوستان کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے، وہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے یا حرام؟ دیوبندی طبقہ اسے شروع سے ہی سود و حرام قرار دیتا ہے۔ لیکن امام احمد رضا نے اپنے متعدّد فتاویٰ میں فقہی دلائل سے یہ ثابت فرمایا کہ وہ زائد رقم سود نہیں ہے بلکہ مباح وحلال ہے۔ اسی پر علمائے اہل سنت وجماعت کا اتفاق ہے اور آج ساری دنیا اسی فتویٰ کی شاہ راہ پر چل رہی ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے جدید مسائل ہیں جن کی تحقیق امام احمد رضا نے فرمائی ہے، مگر صفحات کی تنگی پیش نظر ہے۔ اس لیے ہم یہاں ان میں سے چند مسائل کے عناوین مع حوالہ جات درج کر دیتے ہیں تاکہ ارباب علم ودانش تحقیق کے لیے مراجعت کر کے اطمینان حاصل کر سکیں۔

۱۔ کوآپریٹو بینک بنا کر سود پر چلانے کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۷ ص:۱۰۱]
۲۔ پراویڈنٹ فنڈ میں کٹی ہوئی رقم پر زائد رقم ملنے کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۱۸۳، ۸، ۱۰۰]
۳۔ آڑھت میں مال جمع کر کے اس کی پیشگی قیمت آڑھت دار سے لینے کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۱۳۰]
۴۔ ڈگری میں مالک کی رضامندی کے بغیر اس کی جائداد نیلام کرنے کا حکم [ایضًا]
۶۔ عوامی جائداد کا سرکاری نیلام کرنے کا حکم [ایضًا]
۵۔ پگڑی کا حکم [فتاویٰ رضویہ ج۶، ص:۵۹ تا ۳۶۷]
۷۔ حالت روزہ میں منجن کرنے کا حکم [فتاویٰ رضویہ:۴، ص:۵۹۶]

۸۔ کمپنی کے حصص [شیئر بازار] کی خرید وفروخت کا حکم۔ [فتاویٰ رضویہ ج:۷، ص:۱۱۱]

۹۔ ہنڈی کے عدم جواز کا مسئلہ۔ [فتاویٰ رضویہ ج:۷، ص:۲۴۶]

۱۰۔ رویت ہلال کے ثبوت میں تار کے غیر معتبر ہونے کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۵۲۳]

۱۱۔ سمرنا فنڈ میں زکوٰۃ یا قربانی کی قیمت دینے کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۴۹۲]

۱۲۔ پروزو فنڈ میں زکوٰۃ کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۴۲۵]

۱۳۔ حقہ کے پانی کا حکم [حقہ المرجان الخ]

۱۴۔ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب۔ [رسالہ: اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام]

۱۵۔ اسپرٹ، الکحل وغیرہ کے استعمال کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۲۲ نصف اول]

۱۶۔ گراموفون پر سجدۂ تلاوت سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں [فتاویٰ رضویہ:۹، ص:۱۱تا۲۸]

۱۷۔ دیہات کے ٹھیکہ سے متعلق حکم [فتاویٰ رضویہ:۸، ص:۱۹۶،۱۸۶]

۱۸۔ ہنڈی کی تعریف، اس کے جواز کی ایک صورت اور اہل حرب سے اس عقد کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۷ ص:۲۸۹، ۲۹۰]

۱۹۔ ہنڈی کے عدم جواز کا مسئلہ [فتاویٰ رضویہ، ج:۷ ص:۲۴۶]

۲۰۔ بیمہ سے متعلق حکم [فتاویٰ رضویہ:۷، ص:۱۱۳]

۲۱۔ چلتی ٹرین میں فرض، واجب پڑھنے کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۴۴]

۲۲۔ بلاٹنگ سے استنجا کا حکم [فتاویٰ رضویہ: ج ۲، ص:۱۵۶]

۲۳۔ یوروپین وضع کی کرسی پر سونے سے وضو کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۱۷]

۲۴۔ بوٹ پر مسح کا حکم [فتاویٰ رضویہ، ج ۲:، ص:۳۳]

ان نوپید مسائل کے شرعی احکام کی تلاش وجستجو اور تحقیق وتنقیح میں آپ نے جس کمال علمی، وسعت مطالعہ اور لطافت تخریج واستنباط کا مظاہرہ کیا ہے، وہ آپ ہی جیسے فقیہ بے مثال کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحقیقاتِ جلیلہ کے آگے دنیا نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

❋❋❋❋❋

بیع مضاربت: فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

محمد ساجد رضا مصباحی دیناج پوری: استاذ دارالعلوم غریب نواز، داہو گنج، کشی نگر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ] برصغیر کی ایسی قابل صد رشک اور باعث صد افتخار شخصیت کا نام ہے جو علم و دانائی، عبادت و ریاضت، زہد و تقوی، صبر و قناعت، عاجزی و انکساری کے بحر بیکراں تھے، آپ نازش مذہب و ملت، مینارۂ نور اور فانوس رشد و ہدایت بھی تھے، آپ کی ذات علم و مشاہدہ، فقہ و تدبر کا ایسا عمیق سمندر ہے جس میں غوطہ لگانے والا آپ کی عظمتوں کا خطبہ پڑھتا دکھائی دیتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ] کی فقہی بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاے متقدمین و متاخرین نے تیمم کے جواز کے لیے جن اشیا کا شمار کرایا تھا ان کی مجموعی تعداد چوہتر تک پہنچتی تھی لیکن آپ نے تیمم کے جواز میں ایک سو اکیاسی اشیا بیان فرمائیں۔ یہاں انسان حیرت کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے کہ تنہا ایک فرد نے کس طرح چوہتر اشیا پر مزید ایک سو سات اشیا کا اضافہ کیا اور اپنی خداداد فقہی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ اسی طرح عدم جواز تیمم کے باب میں فقہا نے اٹھاون اشیا کا ذکر کیا ہے جب کہ آپ نے یہ تعداد ایک سو بیس بیان فرمائی ہے۔ گویا آپ نے ان اشیا پر مزید باسٹھ اشیا کا اضافہ کیا ہے۔ دراصل آپ نے کتب فقہ میں موجود منتشر مباحث کے ذخیرے کو ایک منظم شکل دے کر امت مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

یقیناً آپ کی ذات علم و فضل کی بحر بیکراں تھی، آپ کے اوصاف و کمالات پر لکھنے والے ایک زمانے سے لکھ رہے ہیں لیکن ابھی تک اصحابِ فکر و قلم گویا سمندر کے کنارے سے ہی اس کی موجوں کا نظارہ کر رہے ہیں، آپ کی تصنیفات کی تعداد جو بھی ہو، لیکن یہ حقیقت ہے آج علما ان تصانیف میں پنہاں علمی رموز و اسرار کی عقدہ کشائی میں سرگرداں ہیں، فتاویٰ رضویہ آپ کے فتاویٰ کا وہ شاہ کار مجموعہ ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام مراحل سے متعلق رہنمائی موجود ہے، یہ مجموعہ علم و فن کا خزانہ اور موجودہ عہد کے مفتیانِ عظام کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی اہمیت و افادیت کو اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے، آج یہ گراں قدر مجموعہ غیروں کی لائبریریوں کی بھی زینت ہے اور پس پردہ اس سے استفادہ کر کے وہ بھی اپنی ضرورتیں پوری کر رہے ہیں۔

بقول حضرت مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی دام ظلہ العالی:

"تاریخ کو حیرت ہے کہ اس نے عہد جدید کی اس چھ سو سالہ مدت میں علم و فن کی الگ الگ فلک آسا شخصیتیں تو دیکھی تھیں، مگر ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا کہ خالص اسلامی ماحول میں جنم لے کر اسی ماحول میں تربیت پانے والا بچہ، جس نے بڑے ہو کر بھی محض دین ہی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا ہو، وہ بہ یک وقت جدیدیت کے بھی تمام شعبوں میں ایکسپرٹ ہو۔ اسلامیات کے جملہ شاخوں میں داد تحقیق دینے کے ساتھ ساتھ حیاتیات [biology] حیوانیات [zoology] نباتات [botany] جغرافیہ [geography] طبقات الارض [geology] ہیئت [astronomy] ارثما طیقی [arithmetic] شماریات [statistics] ریاضی [mathematics] لوگارثم [logarithm] اقلیدس [geometry] مثلث مسطح [plane trigonometry] مثلث کروی [spherical trigonometry] طبعیات [physics] کیمیا [chemistry] صوتیات [sound waves] اشعیات [radiology] مناظر ومرایا [optics] توقیت [timings] موسمیات [meterology] موجودات [natural science] وغیرہ پر بھی ایسی مکمل دسترس رکھتا ہو کہ ان میں ایک ایک فن پر زندگی تج دینے والے افراد اس کے علم کے آگے بونے نظر آئیں۔" [سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور شمارہ دسمبر ۲۰۱۸ء تا فروری ۲۰۱۹ء]

فتاویٰ رضویہ شریف کا ایک اہم حصہ بیع و تجارت کے مسائل پر مشتمل ہے، یوں تو پورا فتاوی رضویہ علم و تحقیق کا سمندر ہے، لیکن خاص طور سے کتاب البیوع میں آپ نے علم و تحقیق کے جو جوہر لٹائے ہیں اس کی مثال دیگر مصنفین کی کتابوں میں دور دور تک نظر نہیں آتی، کتاب البیوع میں آپ نے تجارت سے متعلق متعدّد پیچیدہ مسائل کا کافی ووافی حل پیش فرما دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ] مسلمانوں کے معاشی واقتصادی صورت حال پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور ان کی معاشی بدحالی پر فکر مند بھی رہا کرتے تھے، دیارِ ہند میں مسلمانوں کے وجود وبقا کے لیے آپ نے اپنے فتاویٰ میں متعدّد مقامات پر اظہار خیال فرمایا ہے اور بہت قیمتی ہدایات بھی عطا فرمائے ہیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جس انداز میں مسلمانوں کے معاشیات کے استحکام کے لیے اپنے گراں قدر اصول و نظریات تحریر فرمائے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف ایک عبقری فقیہ و محدث تھے بلکہ آپ کو ماہر معاشیات ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ معاش ہر انسان کی اہم ضرورت ہے۔ معاشی سرگرمیاں ابتدا سے ہی انسانی زندگی کا حصہ ہیں، پھر ہر انسان اپنی ہر ضرورت کا کفیل نہیں لہذا اشیا و خدمات کے باہمی تبادلے کا نظام وجود میں آیا۔ تہذیب و تمدن کے ارتقا کے ساتھ معاشی سرگرمیاں پیچیدہ تر ہوتی گئیں۔ اسلام نے بطور عالم گیر مذہب عبادات کے ساتھ معاملات کا بے نظیر نظام پیش کیا ہے۔ قانون اسلام کے ماہرین نے اپنے دور کے جدید معاشی مسائل کو تحقیق کا موضوع بنایا اور شرعی اصولوں کے مطابق معاشی سرگرمیوں کی تعلیمات دیں۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ] اس وصف میں بھی نمایاں ہیں کہ انہوں نے مسلم امہ کے معاشی مسائل کا حل اسلامی اصولوں کے مطابق پیش کیا۔ اسلام نے متعدّد مقامات پر حصول رزق لیے تجارت کی

رغبت دلائی ہے اور اس کی برکتوں سے باخبر کیا ہے، خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کر کے اپنی امت کو اس کی ترغیب دی ہے، اس لیے تجارت کے احکام ہمیشہ اسلامی قوانین کا حصہ رہے ہیں۔

تجارت کی اہمیت وافادیت ہر قوم کے نزدیک مسلم ہے۔ ملک وقوم کی خوش حالی اور معاشی استحکام میں تجارت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آج امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک جیسے برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی، اور جرمنی نیز ایشیا میں جاپان تجارت ہی کے سبب دنیا میں چھائے ہوئے ہیں۔ تجارت کی وجہ سے صنعت وحرفت، معاشیات یہاں تک کہ سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کے میدان میں بھی انقلابات رونما ہورہے ہیں۔ معاشی طور پر مستحکم ممالک سیاسی اعتبار سے بھی طاقت پکڑ رہے ہیں۔ اسلام میں بھی تجارت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

سردست ہمارا روے سخن **"بیع مضاربت فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں"** ہے۔ عہد حاضر میں شرکت کے کاروبار کو بڑی مقبولیت حاصل ہے، مضاربت بھی ایک قسم کی تجارتی شرکت ہے جس میں ایک جانب سے سرمایہ اور دوسری جانب سے محنت ہوتی ہے، اس معاہدے کے تحت کہ اسے کاروبار کے نفع میں ایک متعیّن نسبت سے حصہ ملے۔ اصطلاح شریعت میں مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔ جس کی جانب سے مال ہو اس کو رب المال کہتے ہیں اور جس کی جانب سے عمل ہو اس کو مضارب کہتے ہیں۔ اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

بہار شریعت میں مضاربت کا تعارف ان الفاظ میں مذکور ہے:

"یہ تجارت میں ایک قسم کی شرکت ہے کہ ایک جانب سے مال ہو اور ایک جانب سے کام، مال دینے والے کو رب المال اور کام کرنے والے کو مضارب اور مالک نے جو دیا اُسے راس المال کہتے ہیں اور اگر تمام نفع رب المال ہی کے لیے دینا قرار پایا تو اُس کو اِبضاع کہتے ہیں اور اگر کل کام کرنے والے کے لیے طے پایا تو قرض ہے، اس عقد کی لوگوں کو حاجت ہے، کیوں کہ انسان مختلف قسم کے ہیں بعض مال دار ہیں اور بعض تہی دست، بعض مال والوں کو کام کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا، تجارت کے اُصول وفروع سے ناواقف ہوتے ہیں اور بعض غریب کام کرنا جانتے ہیں مگر ان کے پاس روپیہ نہیں، لہٰذا تجارت کیوں کر کریں، اس عقد کی مشروعیت میں یہ مصلحت ہے کہ امیر وغریب دونوں کو فائدہ پہنچے، مال والے کو روپیہ دے کر اور غریب آدمی کو اُس کے روپیہ سے کام کر کے۔" [بہار شریعت حصہ چہاردہم، مضاربت کا بیان]

صحتِ مضاربت کے لیے چند شرائط ہیں:

عقد مضاربت کی صحت کے لیے فقہاے کرام نے متعدّد شرطیں بیان فرمائی ہیں، ان شرائط کے فقدان کی صورت میں یہ عقد درست نہیں ہوگا۔ صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ نے بہار شریعت میں شرائط صحت مضاربت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے:

①راس المال از قبیل ثمن ہو۔ عروض کی قسم سے ہو تو مضاربت صحیح نہیں، پیسوں کو راس المال قرار دیا اور وہ چلتے ہوں تو مضاربت صحیح ہے۔ یوہیں نکل کی اِکنیاں دوانیاں راس المال ہو سکتی ہیں جب تک اِن کا چلن ہے۔ اگر اپنی کوئی چیز دے دی کہ اسے بیچو اور ثمن پر قبضہ کرو اور اُس سے بطور مضاربت کام کرو اُس نے اُس کو روپیہ یا اشرفی سے بیچ کر کام کرنا شروع کر دیا یہ مضاربت صحیح۔

②راس المال معلوم ہو۔ اگرچہ اس طرح معلوم کیا گیا ہو کہ اُس کی طرف اشارہ کر دیا۔ پھر اگر نفع کی تقسیم کرتے وقت راس المال کی مقدار میں اختلاف ہوا تو گواہوں سے جو ثابت کر دے اُس کی بات معتبر ہے اور دونوں کے گواہ ہوں تو رب المال کے گواہ معتبر ہیں اور اگر کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو قسم کے ساتھ مضارب کی بات معتبر ہوگی۔

③راس المال عین ہو: یعنی معیّن ہو دَین نہ ہو جو غیر معیّن واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔ مضاربت اگر دَین کے ساتھ ہوئی اور وہ دَین مضاربت پر ہے یعنی اُس سے کہہ دیا کہ تمھارے ذمہ جو میرا روپیہ ہے اُس سے کام کرو یہ مضاربت صحیح نہیں، جو کچھ خریدے گا اُس کا مالک مضارِب ہوگا اور جو کچھ دَین ہوگا اُس کے ذمہ ہوگا اور اگر دوسرے پر دَین ہو مثلاً کہہ دیا کہ فلاں کے ذمہ میرا اتنا روپیہ ہے اُس کو وصول کرو اور اُس سے بطورِ مضارَبت تجارت کرو یہ مضاربت جائز ہے اگرچہ اِس طرح کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ کہا تھا کہ فلاں پر میرا دَین ہے وصول کر کے پھر اُس سے کام کرو اُس نے کل روپیہ قبضہ کرنے سے پہلے ہی کام کرنا شروع کر دیا ضامن ہے، یعنی اگر تلف ہوگا، ضمان دینا ہوگا اور اگر یہ کہا تھا کہ اُس سے روپیہ وصول کرو اور کام کرو اور اس نے کل روپیہ وصول کرنے سے پہلے کام شروع کر دیا ضامن نہیں ہے اور اگر یہ کہا کہ مضاربت پر کام کرنے کے لیے اُس سے روپیہ وصول کرو، تو کل وصول کرنے سے پہلے کام کرنے کی اجازت نہیں یعنی ضمان دینا ہوگا۔

④ راس المال مضارِب کو دے دیا جائے یعنی اُس کا پورے طور پر قبضہ ہو جائے رب المال کا بالکل قبضہ نہ رہے۔

⑤نفع دونوں کے مابین شائع ہو: یعنی مثلاً نصف نصف یا دو تہائی ایک تہائی یا تین چوتھائی ایک چوتھائی، نفع میں اِس طرح حصہ معیّن نہ کیا جائے جس میں شرکت قطع ہو جانے کا احتمال ہو، مثلاً یہ کہہ دیا کہ میں سو ۱۰۰ روپیہ نفع لوں گا اِس میں ہو سکتا ہے کہ کل نفع سو ہی ہو، یا اس سے بھی کم تو دوسرے کی نفع میں کیوں کر شرکت ہوگی یا کہہ دیا کہ نصف نفع لوں گا اور اُس کے ساتھ دس ۱۰ روپیہ اور لوں گا اِس میں بھی ہو سکتا ہے کہ کل نفع دس ۱۰ ہی روپے ہو تو دوسرا شخص کیا پائے گا۔

⑥ہر ایک کا حصہ معلوم ہو: لہٰذا ایسی شرط جس کی وجہ سے نفع میں جہالت پیدا ہو مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے مثلاً یہ شرط کہ تم کو آدھا یا تہائی نفع دیا جائے گا یعنی دونوں میں سے کسی ایک کو معین نہیں کیا بلکہ تردید کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اگر اُس شرط سے نفع میں جہالت نہ ہو تو وہ شرط ہی فاسد ہے اور مضارَبت صحیح ہے مثلاً یہ کہ نقصان جو کچھ ہوگا وہ مضارِب کے ذمہ ہوگا یا دونوں کے ذمہ ڈالا جائے گا۔

⑦ مضارِب کے لیے نفع دینا شرط ہو اگر راس المال میں سے کچھ دینا شرط کیا گیا یا راس المال اور نفع دونوں سے دینا شرط

کیا گیا مضاربت فاسد ہو جائے گی۔[بحر، درر][بہار شریعت حصہ چہاردہم مضاربت کا بیان]

بہار شریعت کی اس تفصیل سے مضاربت کی ماہیت و حقیقت اور اس کے اصول و ضوابط سے ایک حد تک آگاہی ہو گئی ،اب ذیل کی سطروں میں ہم مضاربت کے چند اہم مسائل کا تجزیہ فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں پیش کریں گے۔

عقد مضاربت ہنود کے ساتھ جائز ہے یا نہیں:

چوں کہ ہم لوگ ہندوستان کے شہری ہیں اور یہاں کی اکثریت ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے جس طرح خرید وفروخت کے بہت سارے معاملات یہاں کے کفار کے ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح مضاربت بھی یہاں کے ہنود کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے اس سلسلے میں حکم شرعی کی وضاحت کی ضرورت پیش آئی۔ میران پور کٹرہ، شاہ جہاں پور سے جناب محمد صدیق بیگ صاحب نے ۲۵ر محرم الحرام ۱۳۳۹ھ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ[۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ] کی بارگاہ میں سوال بھیجا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود کو روپیہ تجارت کے لیے دیا جائے اور اس طرح پر کہ وہ کہے کہ جو نفع ہو اس میں سے نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔ اکثر اس طریقہ سے روپیہ دیا بھی تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جواب تحریر فرمایا:

الجواب: یہ طریقہ مضاربت کا ہے۔ مسلمان کے ساتھ بھی جائز ہے۔ مگر اس پر نقصان کی شرط حرام ہے۔ اور ہندو کے ساتھ شرط نقصان بھی کرلینا جائز۔ لانہ من عقد فاسد وھم لیسوا ابا ھل ذمۃ و لا مستامنین. و اللہ تعالیٰ اعلم.
کیوں کہ یہ عقد فاسد ہے اور یہ ہندو نہ تو ذمی ہیں اور نہ ہی مستامن ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[فتاویٰ رضویہ جلد ۱۹ص:۱۲۹ مترجم]

بیع مضاربت کے چند اہم مسائل کی تنقیح:

عام طور پر عقد مضاربت میں چند اہم مسائل یہ در پیش ہوتے ہیں:

مضاربت کے معاملات طے ہوتے وقت حصہ نفع کی تعیین ضروری ہے یا نہیں، یعنی حاصل شدہ نفع میں سے کتنا رب المال لے گا اور کتنا مضارب کا ہوگا، رب المال کا حصۂ نفع طے کیے بغیر مضاربت جائز ہے یا نہیں؟ یوں ہی اگر رب المال نے مضارب کو کسی خاص شہر میں سامان فروخت کرنے کے لیے بھیجا تو مضارب اسی شہر میں مال فروخت کرنے کا پابند ہے یا حسب مصلحت دوسرے شہر میں بھی بیچ سکتا ہے؟ یوں ہی مضارب کے مصارف یعنی سفر وغیرہ کے اخراجات کس کے ذمے ہوں گے؟۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے[۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ] ان تمام مسائل کی بڑی نفیس تنقیح درج ذیل فتوے میں فرمائی، ہم یہاں استفتا اور جواب دونوں ہی نقل کرتے ہیں تاکہ مسائل خوب خوب واضح ہو جائیں اور امام اہل سنت کی فقہی بصیرت اظہر من الشمس ہو جائے۔

”کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ رب المال اور مضارب میں وقت دینے مال کے نفع کی تعیین ہو جانی

چاہیے کہ مضارب نفع میں سے نصف لے گا یا ثلث وغیرہ یا بعد حصول نفع کے دونوں باہم تراضی سے طے کرلیں اگر بوقت مال دینے کے طے کریں تو اسی جلسہ میں ہو، اگر جلسہ بدل جائے تو حرج تو نہیں رب المال نے مضارب کو ایک شہر معین میں بھیجا اس نے وہاں جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں فروخت کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اب اس کو کیا کرنا چاہیے۔ رب المال کے پاس واپس جائے یا دوسرے شہر میں جہاں مناسب جانے کام کرے۔ یا شہر معین میں فروخت کرتے کرتے مال بچ رہا تو مابقی کو لوٹا لائے یا دوسری جگہ مناسب پر فروخت کردے۔ اگر رب المال وقت عقد کے توسیع کردے کہ جہاں مناسب سمجھے بیچے اور جو بات مفید دیکھے وہ کرے تو اس کے اختیارات وسیع ہوجائیں گے یا نہیں۔ رب المال کے ذمہ سفر خرچ و خورد و نوش مضارب کا ہے اس سے مراد طعام بقدر ضرورت ہے یا دیگر اشیا بھی مثلا اس کا جی چاہا فصل کی کوئی شئ کھالی یا روٹی سالن کافی تھا کہ اس نے پلاؤ زردہ کھایا یا کسی مسکین کو خیرات میں کچھ دیا یا لباس کی ضرورت پر کپڑا خرید کر استعمال کیا مثلا ٹوپی کافی ہوسکتی تھی کہ اس نے عمامہ خریدا یا اس کی حیثیت کے موافق ایک آنہ کی ٹوپی مناسب تھی کہ اس نے چار آنے کی خریدی۔

الجواب: نفع میں جو حصۂ شائعہ مضارب کا تعین نفس عقد میں ضرور ہے۔ اگر عقد بلا تعیین حصۂ شائعہ کیا مثلا تجھے مضارب کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع مجھے دے دیا کرنا اس شرط پر کہ جتنا چاہوں اتنا نفع تجھے دیا کروں تو عقد فاسد و حرام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا کہ زید و عمر میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی ہے اسی قدر پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور عاقدین میں ایک کو اس کی مقدار معلوم نہیں، عقد فاسد ہوگا اگرچہ دوسرے کو معلوم ہو، ہاں اسی جلسہ میں تعیین کرلیں یا علم ہوجائے تو جائز ہوجائے لان المجلس یجمع الکلمات [کیوں کہ مجلس متفرق کلام کی جامع ہوتی ہے۔ ت] تبدل جلسہ ہوتے ہی فساد متقرر اور گناہ مستقر ہوجائے گا والمسائل کلھا معلومۃ من الفقہ [یہ تمام مسائل فقہ میں واضح ہیں۔ ت]

در مختار میں ہے:

شرطھا کون الربح بینھما شائعا فلو عین قدرا فسدت وکون نصیب کل منھما معلوما عند العقد [در مختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۶-۱۴۷]

مضاربت میں نفع غیر معین مقدار ہونا شرط ہے اور اگر کوئی معین مقدار طے ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصۂ معلوم بھی شرط ہے۔ [ت]

ہندیہ میں ہے:

دفع الٰی غیرہ الف درھم مضاربۃ علی مثل ما شرط فلان لفلان من الربح فان عَلِمَ رب المال والمضارب بما شرط فلان لفلان من الربح تجوز المضاربۃ وان لم یعلما لاتجوز وکذا اذا علم احدھما وجھل الاخر ھٰکذا فی المحیط، ولو دفع الیہ مضاربۃ علی ان یعطی المضارب رب المال ماشاء من الربح فھذہ مضاربۃ فاسدۃ کذا فی المبسوط . [فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۸۸]

کسی نے دوسرے کو ہزار درہم مضاربت کے طور پر دیا کہ جیسے جیسے فلاں فلاں نے آپس میں نفع شرط کیا اس شرط کے مطابق یہ عقد ہے تو اگر رب المال اور مضارب دونوں کو ان کی شرط معلوم تھی تو یہ مضاربت جائز ہوگی اور ان کو فلاں فلاں کی شرط معلوم نہ تھی تو جائز نہ ہوگی اور یونہی اگر ایک کو وہ شرط معلوم تھی اور دوسرے کو معلوم نہ تھی۔ محیط میں یوں ہے اور اگر دوسرے کو مضاربت کے لیے اس شرط پر مال دیا کہ مضارب جو چاہے نفع میں سے رب المال کو دے تو یہ مضاربت فاسد ہوگی جیسا کہ مبسوط میں ہے۔[ت]

مضارب جہاں مناسب جانے مال لے جاسکتا ہے اس میں اذن رب المال کی حاجت نہیں جب کہ رب المال اسے مقید نہ کردے۔ ہاں مقید کردے گا کہ اسی شہر یا خاص فلاں شہر ہی میں خرید وفروخت کرو یا صرف فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص یا اشخاص سے، یا خاص فلاں مال کی تجارت کرو تو مضارب اس کے اتباع کا پابند ہوجائے گا، مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا، اگرچہ رب المال نے عقد مضاربت کے بعد یہ تقییدات کردی ہو۔ جب تک روپیہ بدستور باقی ہے ابھی مضارب نے اس سے مال نہ خریدا۔ خریداری کے بعد پھر رب المال مطلق ومقید نہیں کرسکتا۔

در مختار میں ہے:

یملك المضارب فی المطلقة التی لم تقید بمکان او زمان اونوع [ای اوشخص ش] البیع بنقد ونسیئة متعارفة و الشراء والتوکیل بهما والسفر برا و بحرا لا تجاوز بلدا وسلعة اووقف اوشخص عینه المالك لان المضاربة تقبل التقیید المفید ولو بعد العقد مالم یصر المال عرضا لانه حینئذ لایملك عزله فلا یملك تخصیصه فان فعل ضمن بالمخالفة اھ ملتقطا۔[در مختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۷]

مضاربہ مطلقہ جو کسی مکان، زمان، قسم [یا شخص ش] سے مقید نہ ہو تو اس میں مضارب کو ہر طرح بیع نقد، ادھار معروف اور خریدنے اور بیع وشراء میں وکیل بنانے اور بری وبحری سفر کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر مالک نے علاقہ، سامان، وقف یا شخص کو معین کردیا تو مضارب اس پابندی سے تجاوز نہیں کرسکتا، کیوں کہ مال کے سامان تجارت بننے سے قبل مضاربت مفید پابندی کے قابل ہے اگرچہ یہ پابندی عقد کے بعد لگائی ہو مگر مال جب سامان تجارت میں بدل جائے تو اس وقت پابندی موثر نہ ہوگی کیوں کہ اس موقع پر مالک مضارب کو معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تو کسی تخصیص وپابندی کا مالک بھی نہ ہوگا۔ اگر مالک نے قیود کا پابند کیا ہو تو مضارب مخالفت کرنے پر مال کا ضامن ہوگا اھ ملتقطا۔[ت]

رب المال اگر مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو ضرور اس کے بعض اختیارات وسیع ہوجائیں گے مثلا مطلق مضاربت میں اسے یہ اختیار نہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی طرف سے یہ مال مضاربت دے یا راس المال اپنے روپے میں ملالے اور جب رب المال نے یہ کہا کہ تیری رائے پر چھوڑا تو ان امور کا بھی مختار ہوجائے گا ہاں کسی کو روپیہ قرض دینا یا کسی سے قرض لینا اب بھی جائز نہ ہوگا جب کہ مالک صراحۃً اس کا اذن نہ دے۔

در مختار میں ہے:

لایملك المضاربة والشركة والخلط بمال نفسه الا باذن او اِعْمَل برایك اذ الشیئ لایتضمن مثله ولا الاقراض والا ستدانة وان قیل له اِعْمَل برایك لانهما لیسا من صنیع التجار فلم یدخلا فی التعمیم مالم ینص المالك علیهما فیملکهما [ملخصا] [در مختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۷/۲]

مضارب مالک کی اجازت کے بغیر آگے مضاربہ، شرکت اور اپنے مال کے ساتھ خلط کرنے کا مالک نہ بنے گا۔ اجازت یا اپنی رائے سے عمل کر، کہہ دینے سے مالک بن سکے گا کیوں کہ کوئی چیز اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوتی اور اپنی رائے سے عمل کر۔ کہہ دینے کے باوجود مضارب قرض دینے اور ادھار دینے کا مجاز نہ ہوگا کیوں کہ یہ دونوں عمل تجار کا طریقہ نہیں تو دی ہوئی تعمیم میں یہ چیزیں شامل نہ ہوں گی جب تک مالک ان دونوں کی تصریح نہ کر دے۔ اگر ان کی تصریح کردی تو ان کا مجاز بنے گا [ملخصا]۔ [ت]

مضاربۃ صحیحہ میں جب کہ مضارب مال مضاربت لے کر بغرض مضاربت سفر کرے اگرچہ ایک ہی دن کا سفر ہو تو ایام سفر کا نفقہ، کھانا۔ پینا۔ پہننا، سواری، بچھونا، تکیہ، تیل، بتی، کپڑوں کی دھلائی، خط بنوائی، خدمت گزاری کی اُجرت، سواری کا دانہ، چارہ، سرا کی کوٹھری، چارپائی کا کرایہ، اور ان کے مثل ہر معمولی ودوامی حاجت حسب عادت تجار بقدر معروف مضارب پر ہوگی یہ خرچ مال پر ڈالا جائے گا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائے گا اور اگر نفع نہ ہوا تو یہ خرچ اصل مال پر پڑے گا اور مضارب اس کا کچھ عوض نہ دے گا۔

در مختار میں ہے:

واذا سافر ولو یوماً فطعامه وشرابه و کسوته ورکوبه ولو بکراء وکل مایحتاج فی عادة التجار بالمعروف فی مالها لو صحیحة لا فاسدة لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی المصر فنفقته فی ماله کدوائه علی الظاهرا ما اذا نوی الاقامة بمصر ولم یتخذه دارا فله النفقة ابن [عه] ملك و یاخذ المالك قدر ماانفقه المضارب من راس المال ان کان ثمه ربح فلا شیئ علی المضارب [ملخصا] [در مختار فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۱۵۰/۲]

جب مضارب سفر کرے خواہ ایک دن کا ہو تو خوراک، شراب، لباس، سواری جب کرایہ کی ہو، اور تمام اخراجات جو تجار کی عادت معروفہ ہوں وہ سب مضاربت کے مال سے ہوں گے بشرطے کہ مضاربت صحیح ہو فاسد نہ ہو کیوں کہ فاسد ہو تو مضارب اجیر ہے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا، اور اگر وہاں شہر میں ہی کام کیا تو اپنے مال سے نفقہ برداشت کرے گا جیسا کہ علاج کی صورت میں ظاہر قول کی بنا پر خود کرے گا۔ اور سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت کی نیت کی لیکن مستقل وطن نہ بنایا تب بھی نفقہ مضارب پر ہوگا [ابن ملک] اور اگر مضاربت میں نفع حاصل ہوا اور مضارب نے راس المال [اصل مال] سے نفقہ کیا تو مالک اتنا خرچہ نفع سے وصول کرلے گا تو مضارب کے ذمہ کچھ نہ آئے گا۔ ملخصا [ت]

مگر بقدر معروف کی قید لگی ہوئی ہے روٹی سالن معروف تھا تو پلاؤ زردہ کی اجازت نہیں۔ ٹوپی کی عادت ہے عمامہ نہیں لے سکتا ایک آنہ کی ٹوپی معتاد ہے دو آنہ کی نہ لے گا۔ فصل کے میوے، برف کی قلفیاں، مٹھائی کے دونے، سوڈے کی بوتلیں، یہ اپنی جیب خاص سے کھائے پیے، مال مضاربت پر حوائج ڈالتے ہیں یہ حوائج نہیں۔ اسی طرح کنگھی، سُرمہ، پھلیل، دوا مال مضاربت سے نہ کرے گا۔

عالمگیری میں ہے:

النفقة هی مایصرف الی الحاجة الراتبة وهی الطعام والشراب والکسوة وفراش ینام علیه والرکوب وعلف دابته، محیط السرخسی، وغسل ثیابه والدهن فی موضع یحتاج الیه واجرة الحمام والحلاق وانما یطلق فی جمیع ذٰلك بالمعروف حتی یضمن الفضل ان جاوزه هکذا فی الکافی، وروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه سئل عن اللحم فقال کما کان یاکل، ذخیرة، واما الدواء والحجامة والکحل ونحو ذٰلك فی ماله خاصة دون مال المضاربة، ولو استاجرا جیرا یخدمه فی سفره احتسب بذٰلك علی المضاربة، مبسوط ١ ـ، والله تعالٰی اعلم.

نفقہ وہ عام حاجت کے مصارف ہیں اور وہ کھانا، پینا، لباس، بستر زیر استعمال، سواری، جانور کی خوراک ہے، محیط سرخسی، اور کپڑوں کی دھلائی، ضرورت کے مقام پر تیل، حجام کی اُجرت ان تمام امور کی معروف اجازت ہوگی حتی کہ اگر معروف مقدار سے زائد خرچ کیا تو ضامن ہوگا۔ کافی میں یوں ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ان سے خوراک میں گوشت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں جو کھانے کی اسے عادت ہو، ذخیرہ، لیکن ذاتی دوائی، سینگی لگانے اور سُرمہ وغیرہ جیسی چیزیں مضارب کے اپنے ذاتی مال سے ہوں گی مضاربت سے نہ ہوں گی، اور اگر سفر کے دوران خدمت کے لیے اجیر کرایہ پر رکھا تو یہ مضاربت کے حساب سے ہوگا، مبسوط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [ت] [فتاوی ہندیہ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۳-۳۱۲] ''[فتاویٰ رضویہ جلد۱۹ص:۱۲۹ مترجم]

مضارِب رب المال سے کون کون سے اخراجات اور کن کن صورتوں میں لینے کا مستحق ہوگا؟

بیع مضاربت میں مضارب اخراجات سفر کا اسی وقت مستحق ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے شہر سے کسی دوسرے شہر میں مال فروخت کرنے کے لیے جائے، یعنی ایسی جگہ جائے جہاں سے شب گزارنے کے لیے گھر واپس نہ آسکے، لیکن اگر اپنے ہی شہر میں رہا تو اس کے مصارف کا وہ خود ہی ذمے دار ہوگا، وہ مشترکہ مال سے اپنے مصارف لینے کا حق نہیں رکھتا، یوں ہی مضارب نے اگر اپنا مال راس المال میں ملا دیا پھر اس مخلوط مال سے ہبہ، صدقہ، حج وعمرہ اور دیگر ضروریات زندگی میں صرف کیے تو یہ اس کے ذاتی مال سے ہوگا، راس المال سے وضع نہیں کیا جائے گا۔ اس حوالے سے پاٹن شمالی گجرات سے جناب عبدالقادر محمد فضل صاحب نے ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ کو عربی زبان میں ایک سوال بھیجا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ

[۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ] نے عربی زبان ہی میں اس مسئلے کی شان دار تحقیق فرمائی اور عبارات فقہا سے اسے مزین فرماکر منقح فرمایا، بلکہ اس مسئلے میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر نقد فرماتے ہوئے ان کی عبارت کا سقم بھی ظاہر فرمایا، ذیل میں سوال وجواب نقل کیے جاتے ہیں۔

" ماقولکم نفع الانام بکم فی زید وعمرو اتفقا علی ان یتجرا بان یکون راس المال من زید وان یکون عمرو مضاربا وشرع عمرو فی العمل فانتخب التجارة بالربح اولا عقب الحساب بینھما اقتسما علی موجب شرطھما ثم اضاف ما نابه من الربح علی مال زید واخذ فی اسباب التصرف وسار ینفق من مال الشرکة علی نفسه ماکله ومشربه وکسوته و یھب و یتصدق و یزور النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویحج کل ذٰلك بغیر اذن شریکه وله یظھر الربح بل لحق راس المال خسارة فھل یضمن عمرو ما انفق فی الوجوه المذکورة حیث کان ذٰلك بغیر اذن الشریك یکون الضمان فی ماله خاصة ام یکون دینا اذا بقی، افتونا ماجورین.

آپ کا کیا ارشاد ہے [اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ مخلوق کو نفع دے] اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو نے تجارت کرنے پر بایں طور اتفاق کیا کہ اصل رقم زید کی ہوگی اور عمرو مضارب ہوگا، اور عمرو نے کام شروع کردیا تو اس نے تجارت میں نفع کمایا حساب کے بعد طے شدہ شرط کے مطابق دونوں نے نفع کو تسلیم کرلیا، پھر عمرو نے اپنے حاصل شدہ نفع کو زید کے مال [راس المال] میں شامل کردیا اور کاروباری ذرائع میں مشغول ہوگیا اور مشترکہ مال سے اپنے مصارف کھانے، پینے، لباس، ہبہ، صدقہ اور حج وزیارت پر صرف کیا اور یہ تمام اخراجات اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کیے جب کہ نفع نہ ہوا بلکہ راس المال میں خسارہ ہوگیا، توکیا مذکورہ مصارف پر اپنے شریک کی اجازت کے بغیر خرچ شدہ مال کا عمرو ضامن ہوگا اور یہ ضمان خاص عمرو کے اپنے مال سے ادا ہوگا یا بقایا ہونے کی صورت میں اس کے ذمہ دین ہوگا، اجر پاتے ہوئے ہمیں فتویٰ دیں۔ [ت]

الجواب: کل ماانفق فی الھبات والصدقات والحج والزیارة الشریفة یحسب علیه من مال نفسه لاشیئ منه علی صاحبه وکذا ما انفق علی نفسه وھو مقیم بمصر المضاربة ای البلد الذی اخذ فیه المال مضاربة او بوطنه سواء کان مولده اواتخذه دارا، وکذا ماانفق فی الخروج الی موضع یغدوالیه ثم یروح و یبیت باھله وکذا جمیع النفقات علی الاطلاق ان کانت المضاربة فاسدة فانه لیس فیھا للمضارب الاجر مثل عمله نعم اذا کانت صحیحة وخرج المضارب للتجارة الی حیث لایؤ یه اللیل بمنزله وان قفل فنفقته بالمعروف طعامه وشرابه ولباسه وفراشه ورکوبه وخادمه ونفقة خادمه کل ذلك فی مال المضاربة حتی یؤب لاالزائد علی المعروف فانه مضمون علیه غیر ان عمرا اضاف الیه شیئا من مال نفسه فینقسم النفقات المعروفة علی کلا المالین بحسبھما فما اصاب مال

المضاربة فذٰلك وما اصاب مال عمرو حسب عليه من مال نفسه وكل ماذكرنا انه يحسب عليه ان كفاه ماله فبها وما فضل وتعدى الى مال المضاربة يضمنه و هودين عليه يوخذ منه حيث لاربح ، هذا كله اذا لم يخلط اوخلط وكان زيد قال له ان اعمل فيه كما ترى اوكان الخلط هناك معروفا بين التجار اما اذا عرٰى عن هذه الوجود ضمن مال زيد تماما لانه استهلكه بالخلط بغير اذن ولاعرف فعاد غاصبا بعد ماكان مضاربا فعليه وضيعة وله ربحه ولايطهر له ربح مال المضاربة عندالامام ومحمد رضى الله تعالىٰ عنهما فيتصدق به الا اذا اختلف الجنس فان الربح لايظهر الا عند اتحاده.

فى الدر المختار اذا سافر ولو يوماً [المراد ان لايمكنه المبيت فى منزله فان امكن ان يعود اليه فى ليلة فهو كالمصر لانفقة له بحر اه شامى] فطعامه وشرابه ، و كسوته وركوبه ولوبكراء وكل مايحتاجه فى عادة التجار بالمعروف فى مالها لو صحيحة لا فاسدة لانه اجير فلا نفقة له وان عمل فى المصر سواء ولد فيه او اتخذه دار افنفقته فى ماله كدوائه ، اما اذا نوى الا قامة بمصر ولم يتخذه دار افله النفقة مالم ياخذ مالا [يعنى اما اذا كان قد اخذ مال المضاربة فى ذلك المصر فلا نفقة له مادام فيه ولا يخفى مافيه من الايجاز الملحق بالالغاز اه شامى.

عمرو نے ہبہ، صدقہ، حج وزیارت پر جو کچھ صرف کیا وہ عمرو کے ذاتی مال سے شمار ہوگا، اس میں سے کچھ بھی دوسرے ساتھی پر نہ ہوگا اور یونہی جو کچھ اس نے مضاربہ والے شہر یعنی جس شہر میں اس نے مضاربہ کا مال وصول کیا، یا اپنے وطن خواہ اس کا مولد ہو یا وہاں گھر بنالیا ہو، میں اپنی ذات پر خرچ کیا اور یونہی تمام اخراجات علی الاطلاق اگر مضاربہ فاسدہ ہو کیوں کہ فساد کی صورت میں مضارب مثلی اجر کے بغیر کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا، ہاں جب مضاربہ صحیح ہو اور مضارب نے تجارت کی غرض سے ایسی جگہ سفر کیا جہاں سے وہ صبح وشام واپس اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا تو اس کا معروف نفقہ بطور خوراک ولباس، بستر، سواری، خادم، خادم کا نفقہ یہ سب مضاربت کے مال پر ہوگا حتی کہ واپس گھر پہنچ جائے، معروف سے زائد نفقہ نہ ہو کیوں کہ زائد ہو تو اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا، علاوہ ازیں عمرو نے اپنا مال چوں کہ تجارت میں شامل کر لیا تو اب تمام معروف اخراجات دونوں مالوں پر علی الحساب منقسم ہوں گے جو مضاربت کے حصہ میں آیا وہ مضاربت پر اور اس کے اپنے مال کے حصہ آئے وہ اس پر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا کہ حساب سے اخراجات اس کے مال پر، اگر اس کا مال ان اخراجات کو کفایت کرتا ہے فبہا ورنہ اخراجات زائد ہونے کی صورت میں جو مضاربت پر پڑے ہیں ان کا وہ ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ وہ دین پر ہوں گے اور اس سے وصول کیے جائیں گے جب کہ نفع کا مال نہ ہو، یہ تمام بیان اس صورت میں ہے جب کہ اس نے اپنا ذاتی مال مضاربت کے مال میں خلط نہ کیا ہو یا اس نے خلط کر دیا اور زید نے اسے کہہ رکھا تھا کہ اپنی رائے سے جو چاہو کرو یا وہاں تجار میں اس طرح خلط کرنا معروف ہے ورنہ اس کے بغیر خلط سے عمرو زید کے تمام مال کا ضامن ہوگا کیوں کہ اجازت اور عرف کے بغیر خلط کرکے اس

نے مضاربت کے مال کو ہلاک کر دیا اور مضارب کی بجائے وہ غاصب بن گیا اب نفع ونقصان اس کا ہے اور مضاربت سے حاصل شدہ نفع اس کے لیے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک مال مضاربت کا نفع اس کے لیے پاک نہ ہوگا اور صدقہ کرے گا ہاں اگر نفع اور راس المال کی جنس مختلف تو پاک ہوگا، کیوں کہ نفع اتحاد جنس میں ظاہر ہوتا ہے۔

در مختار میں ہے جب مضارب سفر خواہ ایک دن کا کرے [مراد یہ ہے کہ اتنا سفر ہو کہ واپس آکر رات گزارنا ممکن نہ ہو اگر رات گھر آنا ممکن ہو تو یہ اپنے شہر کی طرح ہوگا لہذا وہ نفقہ کا مستحق نہ ہوگا بحر، اھ شامی] تو کھانا، پینا، لباس سواری، اگر کرایہ کی ہو اور تجار میں معروف تمام اخراجات مضاربت پر ہوں گے بشرطے کہ مضاربت صحیح ہو فاسد نہ ہو کیوں کہ فاسد ہونے کی صورت میں مضارب اجیر بن جاتا ہے اس کا نفقہ نہیں اور اگر اس نے اپنے وطن جس میں پیدا ہوا یا جس کو اس نے گھر بنالیا وہاں کے اخراجات اس کے اپنے مال سے ہوں گے جیسا کہ علاج معالجہ ذاتی ہوتا ہے، اگر سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت کی نیت ہو اور وہاں گھر نہ بنایا ہو تو وہاں نفقہ کا مستحق ہوگا بشرطے کہ اس شہر میں اس نے مال مضاربت وصول نہ کیا ہو یعنی اس شہر میں اگر مال وصول کیا تو وہاں بھی نفقہ کا استحقاق نہ ہوگا جب تک وہاں رہے گا، اس کلام میں جو ایجاز ہے مخفی نہیں اھ شامی۔

اقول: مثله ليس من الايجاز فی شیئ بل وقع من القلم اقتصار اخلا] ولو سافر بماله ومالها او خلط باذن انفق بالحصة واذاقدم رد مابقی "مجمع" و يضمن الزائد على المعروف، و يأخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال [متعلق بانفق اه ش] ان كان ثمة ربح فان استوفاه وفضل شيئ اقتسماه على الشرط لان ماانفقه يجعل كالها لك والهالك يصرف الى الربح وان لم يظهر ربح فلا شيئ على المضارب اه [باختصارين] وفيه لايملك الخلط بمال نفسه الا باذن اواعمل برأيك اه [باختصار] [در مختار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۷]

اقول: میں کہتا ہوں ایسا کلام کسی طرح ایجاز نہیں بلکہ یہ مخل قسم کا اقتصار قلم سے صادر ہوا] اگر مضارب نے مضاربت کے مال اور اپنے مال سمیت سفر کیا اور رب المال کی اجازت سے خلط کیا ہو تو خرچہ حصہ کے مطابق ہوگا جب واپس پہنچے تو بقیہ نفقہ واپس کرے، مجمع اور معروف سے زائد خرچہ کا ضامن ہوگا اور راس المال سے زائد خرچہ کو رب المال وصول کرے گا [راس المال کا تعلق انفق سے ہے اھ شامی] اگر اس میں نفع ہو تو اور خرچہ اس سے پورا کر لینے کے بعد کچھ بچا تو دونوں شرط کے مطابق تسلیم کر لیں کیوں کہ خرچ شدہ کو ہلاک شدہ قرار دیا جاتا ہے اور ہلاک شدہ کو نفع کی طرف پھیرا جاتا ہے اور اگر وہاں نفع نہ ہو تو مضارب پر کوئی ذمہ نہیں اھ [باختصارین] اور اسی میں ہے کہ مضارب کو اپنے مال کے ساتھ خلط کا اختیار نہیں الا یہ کہ اجازت صریح ہو یا کہا گیا ہو "اپنی رائے سے عمل کر" اھ [باختصار]۔ [در مختار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۰]

بیع مضاربت میں نقصان کا تاوان کون ادا کرے گا؟

بیع وشرا میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے، کبھی بازار کا اتار چڑھاؤ اثر انداز ہوتا ہے، کبھی مال ضائع ہو جانے کی

وجہ سے تاجر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے، مضاربت میں بھی اس طرح کے حالات اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہونا یقینی ہے کہ نقصان کی تلافی کس کے ذمے ہوگی، اس سلسلے میں فتاویٰ رضویہ شریف میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ] نے کتاب المضاربۃ میں بڑی نفیس گفتگو فرمائی ہے اور مسئلہ کو مدلل انداز میں واضح فرمایا ہے، ذیل کی سطروں میں اس حوالے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ایک اہم فتویٰ نقل کیا جاتا ہے:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تجارت بمضاربت بکر کے کی یعنی روپیہ زید کا تھا اور زید وبکر کے درمیان یہ اقرار پایا تھا کہ تجارت مذکور میں جو نفع ونقصان ہوگا تو بکر تیسرے حصہ کا نفع ونقصان اپنے ذمہ لے گا اور زید دو حصہ، چنانچہ تجارت مذکورہ میں چوں کہ قبل آنے مال کے روپیہ زیادہ مال سے ازروئے تخمینہ کے مال والوں کے پاس پہنچ گیا تھا وقت وصول ہونے مال کے روپیہ پہنچے ہوئے سے مال کم آیا۔ اب جو روپیہ کہ باقی مال والوں کے ذمہ رہ گیا ہے تو اس صورت میں اگر وہ روپیہ وصول نہ ہو سکے تو زید بکر سے تیسرے حصہ کے نقصان لینے کا ازروئے شریعت کے مستحق ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک عرصہ سے بکر بوجہ کوشش وصول کرنے روپیہ مذکور کے اپنی فکر معاش سے بھی معذور ہو رہا ہے۔ کچھ اس کا بدلہ زید پر ہے یا نہیں؟ تیسرے بکر نے باجازت زید ان اشخاص پر نالش وصول کرنے روپیہ کی کی۔ روپیہ وصول نہ ہوا تو جو خرچہ نالش میں صرف ہوا زید بکر سے اس خرچہ کے بھی تیسرے حصہ کے نقصان لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے، وہ اپنی تعدی ودست درازی وتضییع کے سوا کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں، جو نقصان واقع ہو سب صاحب مال کی طرف رہے گا، نہ مضاربت صحیحہ میں مضارب اپنی محنت وکوشش کا کوئی بدلہ صاحب مال سے پانے کا مستحق ہے، اس کا بدلہ یہی ہے کہ نفع ہو تو حسب قرار داد اس میں شریک ہوگا۔ پس صورت مستفسرہ میں جو روپیہ وصول نہ ہوا یا نالش میں جو خرچہ ہوا زید اس کا کوئی حصہ بکر سے نہیں لے سکتا۔ اور جو محنت بکر پر پڑے وہ اس کا بدلہ زید سے نہیں لے پاسکتا۔

ہندیہ میں ہے:

اما الشروط الفاسدة فمنها ماتبطل المضاربة ومنها مالا تبطلها و تبطل بنفسها کذا فی النهاية قال القدوری فی کتابه کل شرط یوجب جهالة الربح اوقطع الشرکة فی الربح یوجب فساد المضاربة ومالا یوجب شیئا من ذٰلك لایوجب فسادها نحوان یشترطا ان تکون الوضیعة علیهما کذا فی الذخیرة [فتاویٰ ہندیہ کتاب المضاربہ باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۸۷-۲۸۸]

فاسد شرطوں میں سے بعض مضاربت کو باطل کرتی ہیں اور بعض باطل نہیں کرتیں، بلکہ یہ خود باطل ہو جاتی ہیں۔ نہایہ میں یوں ہے۔ قدوری نے کتاب المضاربۃ میں فرمایا: ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت یا نفع میں قطع شرکت کا باعث بنے۔ تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے کا موجب بنے گی، اور جو چیز ایسی چیز کا باعث نہ ہو تو مضاربت کو فاسد نہ کرے گی مثلا دونوں نے شرط

لگائی کہ نقصان کو دونوں خود برداشت کریں گے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔[ت]

ہدایہ میں ہے:

کل شرط یوجب جهالة فی الربح یفسده لاختلال مقصوده وغیر ذٰلك من الشروط الفاسدة لایفسدها و یبطل الشرط كاشتراط الوضیعة علی المضارب[الہدایہ کتاب المضاربہ مطبع یوسفی لکھنو ۳/۲۵۶]

ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت کا موجب بنے وہ مضاربت کو فاسد کردے گی کیوں کہ یہ مقصود میں اختلال ہے اور جو شرائط فاسدہ ایسی نہ ہوں وہ مضاربت کو فاسد نہ کریں گی بلکہ خود باطل ہوجائیں گی مثلاً یہ شرط کہ نقصان مضارب پر ہوگا۔[ت]

عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا اخسر المضارب فهل یکون الخسران علی رب المال، الجواب نعم [العقود الدریۃ کتاب المضاربہ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/۷۲]

ان سے سوال ہوا کہ جب مضارب کو خسارہ ہوا ہو تو کیا رب المال خسارہ میں شریک ہوگا؟ الجواب: ہاں![ت]

درمختار میں ہے:

المضاربة ایداع ابتداء وتوكیل مع العمل لتصرفة بامره وشركة ان ربح وغصب ان خالف وان اجاز رب المال بعده واجارة فاسدة ان فسدت فلا ربح للمضارب حینئذ بل له اجر مثل عمله.[درمختار کتاب المضاربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱] واللہ تعالٰی اعلم.

مضاربت ابتدا میں امانت کی کارروائی ہے اور عمل کے بعد وکیل بنانے کا معاملہ بن جاتا ہے کیوں کہ مضارب رب المال کے حکم سے اس کے مال میں تصرف کرتا ہے اور جب نفع حاصل ہوجائے تو شراکت بن جاتی ہے اور اگر مضارب خلاف ورزی کرے تو غصب بن جاتی ہے، خواہ بعد میں رب المال اس کارروائی کو جائز بھی کردے۔ اور مضاربت فاسد ہوجائے تو اجارہ فاسدہ بن جاتا ہے۔ اس صورت میں مضارب نفع کا حق دار نہ ہوگا بلکہ اپنے عمل کے مطابق اجرت کا حقدار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔[ت]"[فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۹، کتاب المضاربۃ]

مضاربت کی یہ صورت جائز نہیں:

بیع مضاربت میں اگر رب المال مضابِب سے یہ طے کرلے کہ یہ متعیّن رقم تجارت کے لیے تمہیں دے رہا ہوں، اس میں تمھیں جس قدر بھی نفع ہو اس سے مجھے مطلب نہیں، تم مجھے ماہانہ اتنی رقم دے دینا، مضاربت کی یہ صورت ناجائز ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں اس حوالے سے یہ سوال وجواب موجود ہے:

"کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ ایک سو پچاس روپیہ بکر کو بہ نیت تجارت دیے، کیوں کہ بکر میز

کرسی کا تاجر تھا اس نے مبلغان مذکورہ کا ساٹھ من بیت خریدا اور سال تمام پر ساٹھ روپے منافع ہوئے لیکن بکر زید کو بایں حساب پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ اس عرصہ میں بیت بکر نے کبھی خریدا اور کبھی نہیں خریدا لیکن ہمیشہ پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ بعد ایک عرصہ کے بکر نے قضا کی۔ ایک وارث بکر نے وہ مبلغان مذکورہ اپنے ذمے لے کر موافق بکر کے پانچ روپے ماہوار دیے، لیکن چند ماہ کے بعد وارث بکر نے یہ کہا کہ اس طرح روپیہ دینا ماہوار جائز نہیں۔ لہٰذا جو روپیہ ذمہ بکر کے تھا میں ادا کرتا ہوں چوں کہ زید ایک ضعیف شخص ہے اور طاقت تجارت وغیرہ کی خود نہیں رکھتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ یہ روپیہ وارث بکر کے پاس باقی رہے یا شرع مطہر کوئی طریقہ اس ایسا ارشاد فرمائے کہ ہم کو موافق سابق کے یا اس سے کم وبیش ملے۔ بینوا توجروا

الجواب: ایک رقم تعین کر دینا کہ نفع ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زائد۔ ہر طرح اس قدر ماہوار دیں گے ضرور حرام ہے بلکہ وارث بکر زر زید کو تجارت میں لگائے زید نفع ونقصان دونوں کا متحمل رہے۔ نفع ہو تو جس قدر ہو اتنا ہی زید کو دیا جائے اس سے زیادہ اصلا نہ لے۔ یہ بھی اس صورت میں جب کہ وارث بکر محض احسانا اس کا روپیہ تجارت میں لگائے اور اس کے نفع میں اپنا حصہ نہ چاہے ورنہ جو باہم قرار داد ہو جائے اتنا حصہ نفع میں اپنا لے کر باقی زید کو دے واللہ تعالٰی اعلم۔" [فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۹، کتاب المضاربۃ]

فتاویٰ رضویہ مترجم کی انیسویں جلد کی کتاب المضاربۃ میں کل گیارہ فتاوے شامل ہیں، یہ تمام فتاوے بڑے اہم قیمتی اور تحقیقی ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ] نے اپنے تحقیقی مزاج کے مطابق بڑی گہرائی کے ساتھ یہ فتاوے تحریر فرمائے ہیں جن سے مضاربت کی حقیقت، مضاربت کے جواز وعدم جواز کی صورتیں اور مضاربت کے شرائط کا بخوبی علم ہو جاتا ہے، بطور نمونہ چند فتاوے اوپر نقل کیے گئے اور ان کا تجزیہ پیش کیا گیا، یقیناً یہ فقہی بصیرت اور محققانہ شان وشوکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ] کا وہ امتیاز ہے جو آپ کے عہد میں کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا۔ اسی لیے آج ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی ان کی علمی شہرت کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بج رہا ہے، ان کی تصانیف عالم اسلام کے محققین کے لیے موضوع تحقیق بنی ہوئی ہیں، ہر طرف ان کی عظمتوں کے ترانے گائے جا رہے ہیں اور قیامت تک ان کے ذکر سے اہل سنت کی مشام جاں معطر رہا کریں گی۔ اللہ جل شانہ ہمیں ان کا علمی صدقہ عطا فرمائے اور ان کا فیضان عالم اسلام میں عام وتام فرمائے، آمین۔

❋❋❋❋❋

مقالات

☆معاشیات وسماجیات

امام احمد رضا کے معاشی نظریات

مولانا صابر رضا رہبر مصباحی: سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب، پٹنہ

قومی وبین الاقوامی سطح پر آج مسلمان جن نامساعد حالات سے نبرد آزما ہیں ان سے ہر حساس شخص واقف ہے۔ ہر گام پر مسلمانوں کو متعدّد چیلنجز کا سامنا ہے۔ سیاسی، تعلیمی، سماجی، صحافتی اور تجارتی سمیت دیگر میدانوں میں مسلمانوں کی خستہ حالی جگ ظاہر ہے۔ مختلف سطح پر کرائے گئے سروے کے ذریعہ بھی یہ بات سامنے آگئی ہے کہ قوم مسلم شعبہائے زندگی کے ہر گوشے میں دیگر اقوام سے بہت پیچھے ہے۔ حالاں کہ اس قوم کو یہ حالت وراثت میں نہیں ملی ہے بلکہ اس کا ایک تابناک و درخشندہ ماضی آج بھی تاریخ کے سینے میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔ دین ودنیا کی سرفرازی، صنعت وحرفت کی سربلندی اور سائنس وتحقیق میں کامیابی مسلمانوں کا مقدر تھا۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ آج یہ قوم پستی کے قعرِ مذلت میں جاگری ہے؟ اس چبھتے ہوئے سوال کا جواب مختصراً ایک سطر میں یوں دیا جاسکتا ہے کہ اس نے خدائی فرامین سے روگردانی کرلی اور اسلام کے ابدی دستور حیات سے ہٹ کر اپنی فلاح ونجات کی تدبیر یں کرنے لگی۔ یعنی رزاق کو بھول کر تلاشِ رزق میں سرپٹ بھاگنے لگی، جس کے سبب پستی وخستہ حالی نے اسے اپنا شکار بنالیا اور یہ ہونا تھا کیوں کہ قرآن مقدس کا فرمان ہے وانتم الاعلون ان کنتم مومنین یعنی تم ہی سربلند رہوگے اگر تم مومن ہو۔

عروج سے زوال کی جانب آنے والی اس قوم کی خستہ حالی کو دور کرنے اور عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے مفکرین ودانشوران نے مختلف نظریات ونکات پیش کیے، لیکن اس کے لیے جو فارمولہ مجد دین وملت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۹۱۲ء میں پیش فرمایا تھا، وہ آج بھی نہ صرف ایک نسخۂ کیمیا ہے بلکہ مسلمانوں کے بنیادی مسائل میں کامیابی کا ایک زبردست لائحۂ عمل ہے۔ واضح رہے کہ ہمیں یہاں اپنے مقالے کی تلخیص پیش کرنی ہے اس لیے ہم تفصیل میں نہ جاکر اختصار کے ساتھ مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے پیش کے گئے امام اہل سنت کے ان چار نکاتی فارمولے کو پیش کریں گے۔ جن سے یہ سمجھنا آسان ہوجائے گا کہ امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ محض ایک مولوی اور مفتی ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کے دردمند مفکر، دوربیں مدبر اور مستقبل شناس فلاسفر بھی تھے اور جن کے چار نکاتی فارمولے پر عمل آج بھی مسلم قوم کو معاشی، تجارتی بدحالیوں سے نجات دلا سکتا ہے۔

۱۹۲۱ء میں جب پہلی جنگ عظیم کی ابتدائی آگ پوری دنیا کو اپنی چپیٹ میں لینے کے لیے بے چین تھی، ایسے حالات میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو پستی سے نکالنے کے لیے بنیادی مسلم مسائل پر مشتمل ایک فارمولہ 'تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' کے نام سے پیش کیا۔ جسے پہلی بار مجلس اہل سنت زکریا اسٹریٹ کلکتہ نے حضرت الحاج لعل محمد مدارسی کے اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ اس میں آپ نے مسلمانوں کے عائلی وملی اور سماجی مسائل سمیت دیگر اہم مسائل کے اسباب وحل پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ ہم یہاں اس کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ فارمولہ چار نکات پر مشتمل ہے:

پہلا: باستثناان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات [مسلمان] اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ اور وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔

آپ ذرا اس پر تجزیاتی نگاہ ڈالیے اور سوچیے کہ آج ہماری قوم مقدمات کے دلدل میں پھنس کر کس طرح اجڑتی جارہی ہے اور لاکھوں کروڑوں روپے پانی کی طرح بہارہی ہے۔ ہمارے اور آپ کے سامنے اس نوعیت کی متعدّد مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح سے مقدمہ بازی میں الجھ کر ہنستا بولتا خاندان تباہ وبرباد ہوکر رہ گیا ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے اس مشورے پر مسلمان عمل کرلے اور اپنے مسائل کو آپس میں حل کرے تو ایک جانب کروڑوں روپے کی بچت ہوگی جس سے ان کی معاشی حالت مستحکم ہوگی بلکہ مسلم سماج آپسی اتحاد اور امن وآشتی کا گہوارہ بھی بن جائے گا۔ پھر نہ عدالت کو مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کا موقع ملے گا اور نہ آزادی اظہار رائے کے نام پر اسلام اور مسلمانوں پر کسی کو طنز وتنقید کا حربہ ہاتھ آئے گا۔

دوسرا: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔ اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہیں رہتے۔ یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانگ بھر تانبہ کچھ صناعی کی گھڑت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

اس میں اعلی حضرت نے مسلمانوں کی معاشی حالت کو مستحکم کرنے کے لیے ایک انوکھا نسخہ بیان فرمایا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ جب تک آپ کی معاشی حالت اچھی نہیں ہوگی اس وقت تک آپ کسی میدان میں قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔ آج ہمارے درمیان کئی ایسی قومیں موجود ہیں جو اس فارمولے پر عمل کررہی ہیں اور تجارتی ومعاشی سطح پر اپنی کامیابی کے پھریرے لہرارہی ہیں۔ اگر مسلمان بھی اس پر عمل کرنے لگے تو کوئی سبب نہیں کہ مسلمانوں کی ترقی کا قبلہ بدل جائے اور مسلم سماج میں معاشی انقلاب برپا ہوجائے۔

تیسرا: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بینک کھولتے۔ سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے۔ مگر اور سوطریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں۔ جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کفل الفقیہ الفاھم میں چھپ چکا ہے۔ ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا

اوران کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اورآئے دن جو مسلمانوں کی جائیدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں، ان سے بھی محفوظ رہتے۔ اگر مدیون کی جائیداد ہی لی جاتی، مسلمان ہی کے پاس رہتی، یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے چنگے۔

غیر سودی بینک کا نظریہ جسے اسلامی بینکنگ کہا جاتا ہے؛ دور جدید کے ماہرین معاشیات آج یہ نظریہ بڑی تیزی کے ساتھ پیش کررہے ہیں اوراسلامک بینکنگ کے قیام پر پوری دنیا میں غوروخوض کیا جارہا ہے اس لیے سودی نظام بینکنگ اور سرمایہ کاری نے پوری دنیا کو معاشی دیوالیہ پن کا شکار بنا رکھا ہے، پوری دنیا میں یہ بات تیزی کے ساتھ مقبول ہورہی ہے کہ لوگوں کو معاشی دیوالیہ پن سے بچانے کے لیے اسلامک بینکنگ ہی وہ نظام ہے جس کے سائے میں لوگ معاشی استحکام کو پاسکتے ہیں آنے والا وقت اسلامک بینکنگ کے لیے کس قدر ساز گار ہے وہ آج کے مفکرین کی تحریروں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن امام احمد رضا فاضل بریلوی کی بصیرت وبصارت اور مستقبل شناسی کی داد دیجیے کہ آپ نے آج سے ٹھیک سوسال قبل یعنی ۱۹۲۱ء میں اسلامک بینکنگ کا نہ صرف یہ نظریہ پیش فرمایا تھا بلکہ اس کا لائحہ عمل بھی قوم مسلم کو عطا فرمایا تھا اوراس کی اہمیت وافادیت کے مختلف پہلوؤں کو بھی اجاگر کردیا تھا۔ اے کاش اسی وقت ان کے اس نظریے پر ملک کے اہل دول عمل کر لیے ہوتے تو مسلمانوں کی اقتصادی پوزیشن آج کچھ مختلف ہوتی اور تجارت وصنعت کے میدان میں ان کا طوطی بول رہا ہوتا۔

چوتھا : سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا، چہار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو مالک بنایا اور اسی کے چھوڑنے، نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا، فانا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دین متین علم دین کے دامن سے وابستہ ہے۔ علم دین سیکھنا پھراس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی جانتے، وہ انھیں بتادیتا۔ اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو، سخت تنزلی ہے، جسے عزت جانتے ہو، اشد ذلت ہے۔

آج مسلمان دینی تعلیم سے کس قدر دور ہے اسے بتانے کی قطعی ضرورت نہیں بس اتنا بتادینا کافی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریتی آبادی ایمان واسلام کے بنیادی مسائل سے بھی واقف نہیں ہے۔ اور یہی مسلمانوں کی تنزلی کا باعث ہے یعنی

طریق مصطفی کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی

اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

امام اہل سنت ان چار نکات کو پیش کرنے کے بعد مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ”اگر میرا خیال صحیح ہے تو ہر شہر اور قصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چاروں باتوں پر قائم کریں“

حضرات! امام احمد رضا فاضل بریلوی نے مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے جو فارمولہ پیش کیا ہے وہی ترقی کا واحد راستہ ہے اس لیے اگر مسلمان عظمت رفتہ کی بازیابی چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ مذکورہ بالا نکات پر عمل کریں۔ حالات کا رونا اور کسی کے سہارے کے انتظار میں اپنی آنکھوں کو پتھرانا زندہ قوموں کا شیوہ نہیں ہے، ضرورت ہے کہ امام اہل سنت کے پیش

کردہ ان چار بنیادی نکات پر غور کیا جائے اور اس پر عمل کے تعلق سے ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ میرے خیال سے اگر ایسا کرنے میں ہم کامیاب ہو جاتے ہیں تو وہ دن دور نہیں کہ ہمارا ستارۂ اقبال بلندیوں کے عروج پر ہوگا۔

اخیر میں امام اہل سنت نے فتاوی رضویہ جلد ۱۲/ صفحہ ۱۳۳/ پر فروغ اہل سنت کے لیے دس نکاتی پروگرام پیش کیا ہے اس کا ذکر بھی کیا جانا بے حد ضروری ہے۔ کہ خصوصاً اہل سنت وجماعت کی فلاح و بہبودی اور تعمیر و ترقی کے لیے ہر دور میں امام اہل سنت کا یہ دس نکاتی فارمولہ کامیابی کی شاہ کلید ہے۔ آپ نے اہل سنت کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنا دس نکاتی فارمولہ یوں بیان کیا ہے:

[۱] عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تنظیمیں ہوں۔

[۲] طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

[۳] مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں۔

[۴] طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے۔ معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

[۵] ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً اور تقریراً و وعظاً و مناظرۃً اشاعت دین و مذہب کریں۔

[۶] حمایت مذہب ورد بد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

[۷] تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔

[۸] شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں، جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

[۹] جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

[۱۰] آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔ حدیث کا ارشاد ہے کہ ”آخری زمانہ میں دین کا کام بھی درہم و دینار سے چلے گا“ اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق کا کلام ہے۔

ضرورت ہے کہ ہر شہر اور قصبہ کے مخلص ارباب حل و عقد امام اہل سنت کے مذکورہ بالا فارمولے کو عملی جامہ پہنائیں اور جن میدانوں میں خصوصیت کے ساتھ کام کرنے کی تلقین کی گئی ہے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ ان میدانوں میں اپنا محاسبہ کریں اور کام کی رفتار کو تیز کریں، یقیناً ہم کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا کی معاشرتی تعلیمات

مفتی غلام سرور مصباحی: مدرس جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم، ڈی جے ہلی، بنگلور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فتاویٰ وارشادات کا جب گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ فتاویٰ رضویہ جہاں فقہی انسائیکلوپیڈیا ہے وہیں معاشرہ میں پھیلی بدعقیدگی اورآوارگی کا خاتمہ کرنے والی نایاب ونادراور عدیم المثال ذخیرہ بھی ہے۔

آج جب کہ ہمارے معاشرے میں عریانیت وبے حیائی، بیہودگی وبد زبانی، بدعہدی ودھوکہ دہی، ناپ تول میں کمی، سودخوری وشراب نوشی، قتل وغارت گری، سیاست کے نام پر آپسی دشمنی اور قطع کلامی، مراسم وروایات میں بے اعتدالی، جلسہ وجلوس میں فضول خرچی، شادی بیاہ میں اسراف وزیادتی، نمازوروزہ سے قطع تعلقی، والدین پر نوجوانوں کی حکمرانی، جہالت وناخواندگی، مشرب ومرشد کے نام پر گروپ بندی، زمین وجائیداد کی ہیراپھیری، پارٹی اورگروہ بندی کی وجہ سے جانوں کی بربادی، غریبوں کے نام پر پنچایت وسرکاری اسکیموں میں دھوکہ دہی ودست درازی، دینی واسلامی تعلیمات سے دوری، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں اقدام خودکشی، زراعت وحرفت کے حقوق کی عدم ادائیگی، زکوٰۃ وصدقات میں کمی وکوتاہی، آفات وبلیات کے موقعے پر بدزبانی وبدعقیدگی، جادو، سحراور سفلی عملیات کی کثرت وزیادتی، جھوٹ، چغلی، حسد، جلن اور کینہ پروری، ایک دوسرے کی ترقی اور دولت دیکھ کر دل آزاری اور بھائی بھائی میں دشمنی عام وتام ہے۔ ایسے میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ جلسوں اور مجلسوں میں رضوی تعلیمات، اعلیٰ حضرت کے عملی میدان کے واقعات وحکایات عوام الناس کے سامنے پیش کریں تاکہ مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے والوں کو معلوم ہو کہ کیا ہم تعلیمات اعلیٰ حضرت پر عمل پیرا ہیں یا نہیں؟ ہم نے صرف اعلیٰ حضرت کے دامن کو تھامنے والا نعرہ لگایا، کیا حقیقت میں ان کا دامن تھاما بھی ہے یا نہیں۔ آج اگر ہر مقرر ومبلغ اپنے خطاب میں فتاویٰ رضویہ کی تعلیمات واحکامات کو سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے پیش کرے تو یقینا معاشرہ اخوت ومحبت کا سنگم ہوسکتا ہے، آج ہمارے خطباومصنفین کرامات اعلیٰ حضرت کی بجائے اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کے حوالے سے گفتگو کریں تو معاشرہ سے برائیوں کا قلع قمع ہوسکتا ہے، عقیدہ سے لے کر اخلاق تک اور مہد سے لے کر لحد تک کوئی ایسا پہلو اور حصہ وشعبہ نہیں جس کی کچھ نہ کچھ تفصیل فتاویٰ رضویہ میں موجود نہ ہو ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور عملیات کا کوئی ایسا باب نہیں جس پر فتاویٰ رضویہ میں قدرے یا بالتفصیل

روشنی نہ ڈالی گئی ہو، سچ یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ جہاں علمی اور فقہی بحر ناپیدا کنار ہے وہیں مذکورہ چیزوں کے احکام واوامر کا ذخیرہ اور معاشرہ کے درس واصلاح کے لیے سب سے بڑا اور اعلیٰ رہنما ہے۔ اسلام نے مساوات بین المسلمین کا بھی درس دیا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ برابری کا سلوک کرنے، ایک پر دوسرے کو بلاوجہ ترجیح نہ دینے، ایک دوسرے کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاو کرنے، آپس میں میل محبت سے رہنے، ایک دوسرے کی مدد کرنے، کسی پر تشدد نہ کرنے، صلہ رحمی کرنے اور حسن معاشرت سے پیش آنے کی تاکید کرتا ہے۔ آئیے فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے درس معاشرت اور حسن معاشرت کی چند جھلکیاں ملاحظہ کریں:

[۱] سلام آپسی الفت کا باعث ہے:

آج ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ دینی اور اسلامی تعلیمات سے راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے سنت مصطفوی سے شغف لوگوں کے اندر سے دھیرے دھیرے کم ہوتا جارہا ہے۔ پیارے نبی ﷺ نے جن چیزوں کو آپسی تال میل اور عقیدت محبت کا سبب اور ذریعہ بتایا تھا، قوم مسلم زیادہ تر ان چیزوں سے پہلوتہی کرتی نظر آتی ہے، مسلمانوں کے اندر غرور وتکبر نے ایسا گھر بنالیا ہے جو دور ہونے کا نام نہیں لیتا، ایک مسلمان صرف اور صرف اپنے بڑے، ماں باپ، بھائی بہن، چچا چچی، ساس سسر اور اپنے خاص قریبی اور جگری دوست کو ہی سلام ورحمت کا ہدیہ وگلدستہ پیش کرتا ہوا نظر آتا ہے، کوئی بڑا کسی چھوٹے یا غیر شناشا مسلمان یا گھر کے کسی چھوٹے فرد کو سلام کرنا اپنی ذلت اور باعث توہین سمجھتا ہے۔ آئیے سلام کرنے کا بہترین طریقہ سیکھیں، سلام کا جواب کب واجب، کب سنت؟ کس کو سلام کرنا چاہیے اور کس کو نہیں، ملاحظہ کریں۔ اس سلسلے میں امام العاشقین شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"السلام علیکم کے جواب میں السلام علیکم کہنے سے جواب ادا ہوجائے گا اگرچہ سنت یہ ہے کہ وعلیکم السلام کہے آداب تسلیمات بندگی کہنا ایک مہمل بات ہے اور خلاف سنت ہے اور اگر وہ دنیا کے اعتبار سے بڑا شخص ہے اور اسے جواب نہ دینے میں ضرور ایذا کا اندیشہ ہے تو ویسا ہی کوئی مہمل جواب دے دے، اسی طرح اگر اسے جواب نہ دینے سے کینہ پیدا ہوگا یا اپنی ناواقفی کے باعث اس کی دل شکنی ہوگی جب بھی جواب دینا اولیٰ ہے اور سلام جب مسنون طریقہ سے کیا گیا ہو اور سلام کرنے والا سنی صحیح العقیدہ ہو تو جواب دینا واجب ہے اور اس کا ترک گناہ، مگر اجنبی جوان عورت اگر سلام کرے تو دل میں جواب دینا چاہیے، کم از کم السلام علیکم اور اس سے بہتر ورحمۃ اللہ ملانا اور سب سے بہتر وبرکاتہ شامل کرنا اور اس پر زیادت نہیں۔ پھر سلام کرنے والے نے جتنے الفاظ میں سلام کیا ہے جواب میں اتنے کا اعادہ ضروری ہے اور افضل یہ ہے کہ جواب میں زیادہ کہے اس نے السلام علیکم کہا تو علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے اور اگر اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو یہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اور اگر اس نے "وبرکاتہ" کہا تو بھی اتنا ہی کہے کہ اس سے زیادت نہیں۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۹ نصف اخیر، ص:۹، مکتبہ رضا اکیڈمی]

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"ابتدا بہ سلام مسلمان سنی صالح پر سنت اور اعلیٰ درجے کی قربت ہے مگر واجب کبھی نہیں، سوا اس صورت کے کہ

سلام نہ کرنے میں اس کی طرف سے ضرر کا اندیشہ صحیح ہو“[ایضا۔ ص:۱۵۸]

امام احمد رضا خان قدس سرہ الرحمن کی مذکورہ تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی کے لیے اپنے گھر والوں کے علاوہ سنی صحیح العقیدہ مسلم کو، چاہے قریبی ہوں یا دور کے سلام کرنا باعث الفت ومحبت ہے، اس سے بھائی چارگی کا ماحول بنتا ہے، بغض وعناد حسد وکینہ دور ہوتا ہے اور آپسی دوری اور فرقت کو قربت میں تبدیل کرتا ہے۔ابتدا بالسلام سنت محمدی ہے، لہذا جو حضرات سلام کے انتظار میں رہتے ہیں اور جو عالم یا قوم کا بڑا آدمی اور سرمایہ دار اس فکر میں رہتے ہیں کہ مجھے سلام کریں ایسے لوگوں کے لیے بھی سابقہ عبارت حسن معاشرت کا درس دیتی ہے۔

[۲] مصافحہ ومعانقہ:

حسن معاشرت، آپسی میل محبت، شفقت واخوت اور ہمدردی کا جذبہ مصافحہ ومعانقہ بھی ہے، آپسی اتحاد اور ملنساری کے لیے بہترین ذریعہ وسبب ہے۔ ایک مسلمان جب دوسرے بھائی سے ملاقات کرتا ہے، سلام پیش کرتا ہے، ایک دوسرے کے قریب ہوکر مصافحہ ومعانقہ کرتا ہے، اس سے معاشرہ میں بھائی چارگی پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے کے دکھ درد اور مصیبت وپریشانی کا علم ہوتا ہے، اپنے اور دور کے پڑوسی کے احوال معلوم ہوتے ہیں، آپسی عناد وکینہ کافور ہوجاتے ہیں، جب ایک سینہ دوسرے سینہ سے اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ملتا ہے تو نفرت وحسد کی بیخ کنی ہوتی ہے، ایک دوسر کے حقوق کی اطلاع ملتی ہے، اخروی فوائد کے ساتھ دنیوی ثمرات بھی بے شمار حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس آج ہمارے خاندانوں اور معاشروں کا حال تو اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ بیان سے باہر ہے، آج ایک مسلمان جب غربت وافلاس کی زد میں ہوتا ہے، بیماری اور مصائب زمانہ نے اگر اس کی کمر توڑ رکھی ہے، ایسے میں کون سنت رسول سمجھ کر اس بندے کی خیر خواہی اور بھلائی کرتا ہے، آج سلام ومصافحہ صرف انہیں سے ہے جو ہمارے قریب ترین ساتھی، دوست اور ملنے والے ہوتے ہیں، ہفتہ میں ایک دن جمعہ ہوا کرتا ہے، آج ہمارے مسلمان نماز جمعہ کے دوگانہ ادا کرنے کے بعد فوراً راہ فرار اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، پنج وقتہ نماز میں عصر وفجر میں مصافحہ کا رواج عام ہے ،مگر عصر وفجر کے لیے مسلمانوں کی مسجدوں میں حاضری ہی کب ہوتی ہے، آج ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا عالم یا خاندان میں کوئی مفتی ہے تو بس انہیں سے سلام ومصافحہ اور معانقہ ہے، چوبیس گھنٹوں میں تقریبا پندرہ گھنٹہ جن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ اکل وشرب اور سفر وحضر ہوتا ہے ان کے ساتھ نہ تو سلام ومصافحہ ہے اور نہ عیادت وخیر خواہی۔ آیئے امام اہل سنت، رفیع الدرجت، اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان کا درس اور فتاویٰ رضویہ کا سبق سنجیدگی سے پڑھیں اور اپنے اندر تبدیلی لائیں اور تعلیمات رضویہ کو عملی شکل دینے کی جدوجہد ضرور کریں۔ آپ فرماتے ہیں:

[۱] جب مسلمان سے مسلمان مل کر سلام کرتا اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑ پڑتے ہیں، جیسے پیڑوں کے پتے۔ [۲] مسلمان جب اپنے بھائی سے مل کر اس کا ہاتھ پکڑتا ہے ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ [۳] جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں اللہ تعالی پر حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور ان کے ہاتھ جدا نہ ہونے پائیں کہ ان کے گناہ بخش

دے۔[۴] جو دو مسلمان آپس میں مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں اور مصافحہ کریں اور دونوں حمد الٰہی بجالائیں بے گناہ ہو کر جدا ہوں۔[۵] جو مسلمان، مسلمان سے مل کر مرحبا کہے اور ہاتھ ملائے ان کے گناہ برگ درخت کی طرح جھڑ جائیں۔[۶] حضرت ابوداؤد کہتے ہیں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ملے میرا ہاتھ پکڑا اور مصافحہ کیا اور میرے سامنے ہنسے پھر فرمایا تو جانتا ہے میں نے کیوں تیرا ہاتھ پکڑا؟ میں نے عرض کی نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ آپ نے کچھ بہتر ہی کے لیے ایسا کیا، فرمایا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے تو حضور نے میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمایا۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۲، ص:۲۷۳]

خلاصہ یہ ہے کہ مصافحہ سنت رسول ہے، اس سے گناہ جھڑ جاتے ہیں، امن وشانتی کا ماحول پیدا ہوتا ہے، معانقہ سے حسد وکینہ کا بازار ختم ہوتا ہے، ایک دوسرے کو دعائیں دینے اور لینے کا موقعہ فراہم ہوتا ہے، ایک دوسرے کی تعظیم وتوقیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسلامی اور دینی رواداری پیدا ہوتی ہے، معاشرہ کا ماحول سازگار ہوتا ہے، ایک دوسرے کی مدد کرنے اور ہاتھ بٹانے کا موقع ملتا ہے۔

[۳] مسلمانوں کو خوش کرنا اور اچھا سلوک کرنا:

مذہب اسلام کے قوانین اور اصول نہات اعلیٰ وارفع ہیں، اس کا دیا ہوا طریقہ اخوت مساوات اور حسن معاشرت سے لبریز ہے، اسلام نے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، صلہ رحمی کرنے، اچھا برتاؤ کرنے اور خوش کرنے کا درس دیا ہے، رشتہ دار پڑوسی اور اپنے ملنے جلنے والوں کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ خندہ پیشانی سے ملنے اور اچھی بات کہنے کا سبق اسلام ہی نے سکھایا ہے، مگر آج کے پرفتن دور میں اس کا تصور ختم ہوتا ہوا نظر آتا ہے، آج مسلمان اپنے والدین بھائی بہن بال بچوں کے ساتھ ملنساری خوش اخلاقی نیک نیتی اور ارادہ دینی واسلامی رکھ کر ملنا جلنا گوارا نہیں کرتا، ہر ایک کا مقصد ومراد روپیہ پیسہ اور دولت وثروت کے سوا اور کچھ نہیں، اگر کسی کے ساتھ اچھا سلوک ہوا تو اپنے مقصد ومنشا ہی کی تکمیل کے لیے، کسی کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ سلام وکلام ہوا تو مطلب ومنزل کے حصول کے لیے، کسی کے گھر آنا جانا ہے تو دنیاوی اور عارضی مفاہمت وموافقت کے لیے، پھر اگر وقتی اور رسمی حسن سلوک اور میل محبت سے مسئلہ حل ہو گیا تو پھر وہی رفتار بے ڈھنگی، بے رخی، بے اعتنائی اور ناشناشائی کا ماحول دیکھا دیا جاتا ہے، آپ دیکھیں کہ امام اہل سنت کس طرح صالح وصاف معاشرہ قائم کرنے کی تعلیم فرمائی، کس طرح انہوں نے اسلامی اخوت اور حسن سلوک کی تاکید فرمائی، جب ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس باب میں احادیث وآثار کا ذخیرہ ہمیں درس حسن معاشرت دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ چنانچہ امام عشق ومحبت فرماتے ہیں:

[۱] مسلمان اور ایمان کی کہاوت ایسی ہے جیسے چراگاہ میں گھوڑا اپنی رسی سے بندھا ہوا ہو کہ چاروں طرف چر کر پھر اپنی بندش کی طرف پلٹ آتا ہے، یوں مسلمان سے بھول ہو جاتی ہے پھر ایمان کی طرف رجوع لاتا ہے تو اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلاؤ اور اپنا نیک سلوک سب مسلمانوں کو دو۔[۲] جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت، مال میں برکت ہو وہ اپنے رشتے داروں سے نیک سلوک کرے۔[۳] قریبی رشتے داروں سے سلوک مال کا بہت زیادہ بڑھانے والا، آپس میں محبت دلانے

والا، عمر کا زیادہ کرنے والا ہے۔[۴]صلہ رحم اور نیک خوئی اور ہمسایہ سے نیک سلوک شہروں کو آباد اور عمروں کو زیادہ کرتے ہیں۔[۵]بھلائیوں کے کام بری موتوں سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ خیرات رب کا غضب بجھاتی ہے اور رشتہ دروں سے اچھا سلوک عمر میں برکت ہے اور ہر نیک سلوک[کچھ ہو کسی کے ساتھ ہو]سب صدقہ ہے اور دنیا میں احسان والے ہی آخرت میں احسان پائیں گے اور دنیا میں بدی والے ہی عقبی میں بدی دیکھیں گے اور سب میں پہلے جو بہشت میں جائیں گے وہ نیک برتاؤ والے ہیں۔[۶]بیشک مغفرت واجب کردینے والی چیزوں میں ہے، تیرا بھائی کا جی خوش کرنا۔[۷]اللہ تعالیٰ کے فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ پیارا عمل مسلمان کا جی خوش کرنا ہے۔[۸]سب سے افضل کام مسلمانوں کا جی خوش کرنا ہے کہ تو اس کا بدن ڈھانکے یا بھوک میں پیٹ بھرے یا اس کا کوئی کام پورا کرے۔[۹]جس مسلمان کا جی کسی کھانے پینے یا کسی قسم کی حلال چیز کو چاہتا ہو اتفاق سے دوسرا اس کے لیے وہی شئ مہیا کردے اللہ عزوجل اس کے لیے مغفرت فرمادے۔[۱۰]جو اپنے بھائی مسلمان کو اس کی چاہت کی چیز کھلائے اللہ تعالیٰ اسے دوزخ پر حرام کردے۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۲۳، ص:۱۴۱تا۱۴۶]

فتاویٰ رضویہ پڑھتے چلے جائیں اصلاح معاشرہ اور حسن سلوک کی اعلیٰ مثال سے آپ کی مشام جان معطر اور دریچہ فکروذہن کھلتے چلے جائیں گے۔

[۴]عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا:

آج ہمارے معاشرہ اور خاندان کو تباہی کے گڑھے میں ڈالنے کے لیے جہاں بہت سارے امور اور دیگر وجوہات سرفہرست ہیں وہیں آپسی نزاع، جنگ، جدال، جھگڑا، لڑائی، ایک دوسرے کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ایذارسانی کو بھی بڑا دخل ہے، ہمارے خاندان اور گھر کا سکون وچین آپس کی تو تو اور میں میں کی وجہ سے ختم ہوتا ہوا نظر آتا ہے، شادی شدہ جوان سے لے کر بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے لوگوں تک ہر کوئی اپنے گھر کی عورتوں کو ایذا پہنچاتے اور تکلیف دیتے نظر آتے ہیں، آج ہمارے معاشرے میں عورتوں کے ساتھ زیادہ تر ناانصافی ہی ہوتی ہے، ان سے لاڈ پیار اور محبت کی بجائے زبانی جنگ سے کام لیا جاتا ہے، آج ہمارے نوجوانوں اور مغربی تہذیب کے دل دادا ؤں کو صرف اپنی بیوی ہی کی غلطی نظر آتی ہے، اپنی کمی اور کوتاہی کو دیکھنا اور سننا اپنے لیے عیب سمجھتے ہیں، قوت مدافعت وبرداشت کا استعمال آج ماڈرن زمانے کے لوگ بہت ہی کم کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ادنیٰ سی بحث ومباحثہ کا سلسلہ چلا یا اپنی ذمہ داریوں پر بات ہوئی تو پھر اس مظلوم بیچاری عورت کے خاندان اور اس کی ذات تک بخشا نہیں جاتا، ایسے میں اگر اس نے زبان کھولی تو لاٹھی ڈنڈے کی برسات شروع ہوجاتی ہے، حالاں کہ مذہب اسلام نے عورتوں کے ساتھ بھلائی، حسن سلوک اور حسن معاشرت کا درس دیا ہے۔اس کی زبان درازی پر صبر کا حکم دیا گیا ہے، پیغمبر اسلام نے ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، عمدگی، خوش اخلاقی، خندہ پیشانی اور خوش مزاجی کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آنے کا درس بھی دیا ہے۔آیئے اس حوالے سے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ کے ارشادات کا جائزہ لیتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

[۱] بے شک مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جو ان میں سے زیادہ حق اخلاق والا اور اپنی اہل [بیوی] کے ساتھ زیادہ مہربان ہے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج ۱۲:، ص:۲۷۴]

[۲] تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی اہل کے ساتھ زیادہ اچھا برتاو کرنے والا ہو اور میں اپنی اہل کے ساتھ حسن سلوک میں تم سب سے بہتر ہوں۔ [ایضا]

قرآنی دلائل پیش کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

[۱] عورتوں کو وہیں ٹھہراو جہاں تم خود ٹھہرو [ایضا، ص:۲۷۰] [۲] انہیں [عورتوں] کو ضرر نہ پہنچاؤ نہ ان پر تنگی کرو [ایضا] [۳] مرد افسر ہیں عورتوں پر، اس لیے کہ اللہ تعالی نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر مال خرچ کیے یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کا حکم کرتا، عورت کو حکم دیتا کہ مردوں کو سجدہ کرے، مگر عورتوں کو بے وجہ شرعی ایذا دینا ہرگز جائز نہیں، بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی اور ان کی بدخوئی پر ان کی دل جوئی اور جن باتوں میں مخالفت شرع نہیں، ان کی مراعات شارع کو پسند ہے۔ اور تو جان لے کہ عورت کے ساتھ حسن خلق یہ ہی نہیں کہ اس کو ایذا نہ دے، بلکہ اس کی طرف سے اذیتیں برداشت کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اس [عورت] کے طیش و غضب کے وقت تحمل اختیار کرنا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کے حق ان پر مقرر فرمائے ان کے حق بھی مردوں پر مقرر کیے "ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف" اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق۔ ازاں جملہ کھلانے، پہنانے وغیرہ امور اختیار یہ میں انہیں برابر رکھنا واجب ہے، در مختار میں ہے کہ واجب ہے اور آیت کا ظاہر یہ ہے کہ عدل کرنا فرض ہے، یعنی قسم میں ظلم نہ کرے، بایں صورت کہ شب باشی، لباس، کھانے اور صحبت میں برابری قائم رکھے۔ [ایضا، ص:۲۷۴و۲۷۵]

امام احمد رضا قدس سرہ کی مذکورہ تحریر پڑھیے اور اپنے آپ کا فیصلہ کر لیجیے کہ مذکورہ احکام و اوامر پر کیا ہم کھرے اترتے ہیں۔

[۵] مسلمان حسد کرے نہ ایک دوسرے کو ستائے:

اس وقت پوری دنیا حسد و کینہ کے سمندر میں غرقاب ہے، کیا امیر کیا غریب، بڑے ہوں کہ چھوٹے، کمزور ہوں یا مفلس، بیوہ ہو یا یتیم، عالم ہو یا جاہل، ہر ایک دوسرے سے حسد کرتے نظر آتے ہیں، آج ہمارے معاشرے میں حسن ادب، حسن خلق اور حسن زندگی کی ساری بہاریں اور رعنائیاں صرف اور صرف حسد کی وجہ سے جاکنی کے عالم میں ہیں، آج بھائی بھائی اور دو خاندانوں میں حسن معاشرت کا جنازہ صرف اسی وجہ نکلتا جارہا ہے۔ آج کا ماحول یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اونچے مقام یا بلند عہدے پر دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ کسی کی دولت و ثروت اور ترقی ایک دوسرے کے پیٹ میں چبھن پیدا کر دیتا ہے، پھر یہ کہ اس میں صرف دنیاوی معاملات ہی شامل نہیں بلکہ دینی اور اسلامی معاملات بھی شامل ہیں، آج ایک دوسرے کو دیکھ کر الگ مسجد یا مدرسہ یا عید گاہ تک قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، حالاں کہ عرصہ دراز سے ایک ہی مسجد یا عید گاہ میں نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ آج حال یہ ہے کہ دوسرے کی دولت اور ترقی کو روکنے کے لیے مرد اور خصوصا عورتیں جادو اور سفلی عملیات کا سہارہ لے رہی

ہیں۔ اگر کسی کا بچہ پڑھنے میں تیز ہے تو دوسرے کو جلن، کسی نے اپنی محنت ومشقت کر کے کوئی گاڑی خریدی تو دوسرے کو جلن، اپنی کمائی کے بل بوتے پر زمین خریدی تو اس سے دوسرے کو نفرت، اگر کسی کی بچی یا بچہ کا اچھا رشتہ آیا تو دوسرے کو کدورت، غرض کہ آج اچھا کھانے، پینے میں بھی خیریت نہیں۔ آج خصوصا بنگال کے ضلع اتر دیناج پور کے مسلم باشندے ترقی کی شاہ راہ سے بہت دور ہیں، مگر حسد وکینہ جیسی بری خصلت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتے۔ آج جب کہ ہر طرف مسلک اعلیٰ حضرت کا گن گایا جاتا ہے، ہر طرف تاج الشریعہ کے دامن کا حوالہ دیا جاتا ہے، ہر طرف مفتی اعظم، غوث اعظم اور خواجہ ہند کا نعرہ اور شہرہ ہے ایسے میں علما ومفتیان اسلام کی یہ بھاری ذمہ داری بنتی ہے کہ انہی بزرگان دین کی سیرت وکردار کے واقعات کو بتا کر ان کی تحریر وتقریر کو پیش کر کے مثبت انداز میں عمل کی ترغیب دیں اور برملا کہیں کہ آپ لوگ دامن تھامتے ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کا دم آپ بھرتے ہیں تو کیا مسلک اعلیٰ حضرت کا یہی پیغام ہے کہ ایک بھائی دوسرے کو ستائے، قتل کرے، مال چھینے، حسد وجلن رکھے ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی کرے اور زمین جائداد غصب کرے، اگر واقعی ایسا کیا جائے تو ہمارے علاقے میں حسن ادب اور معاشرت کا خوش گوار ماحول پیدا ہو سکتا ہے، آئیے اب ذرا حسد وکینہ کے سزاؤں کو بھی پڑھ لیجیے تاکہ اپنے اندر سے ان برے اطوار کو نکال پھینکیں جو دیمک کی طرح بڑھتی اور جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہے، امام عرب وعجم مجدد اسلام اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان تحریر فرماتے ہیں:

[۱] حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۵، ص:۸۹۲]

[۲] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا [اسلام میں] نہ ضرر ہے نہ مضرت پہنچانا، جس نے نقصان پہنچایا، اللہ تعالیٰ اس کو نقصان میں مبتلا کر دے گا اور جس نے کسی کو مشقت میں مبتلا کیا تو اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈالے گا۔ [ایضا ۲۹۳]

[۳] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندے کے دل میں، ایمان اور حسد دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ [ایضا۔ ج:۹، ص:۲۱]

مذکورہ بالا احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو تکلیف دینا حقیقتا اللہ ورسول کو تکلیف دینا ہے، دوسرے کو مصیبت وپریشانی میں مبتلا کرنا اپنے لیے تباہی کا گڈھا کھودنا ہے، کامل مومن کے دل میں حسد جیسی خطرناک بیماری داخل نہیں ہو سکتی، ایک دوسرے کو دیکھ کر جلنا اپنی نیکیوں اور اچھے اعمال کو برباد کرنا ہے، حسد وکینہ سے آدمی کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

معاشرتی تعلیمات کے حوالے سے امام احمد رضا بریلوی کے افکار ونظریات اور تعلیمات کی یہ ایک ادنیٰ جھلک تھی جسے اس مقالے میں پیش کیا گیا، فتاوی رضویہ اور آپ کی دیگر تصانیف میں اس موضوع پر بے شمار قیمتی مباحث موجود ہیں جن سے استفادے کے لیے تصانیف اعلیٰ حضر کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

*****

فتاویٰ رضویہ اور درس معاشرت

مفتی مشتاق احمد اویسی: امام احمد رضا ریسرچ سینٹر، ناسک، مہاراشٹر

''معاشرت'' کی توضیح وتشریح:

معاشرت کا لغوی معنی ہے: کسی کے ساتھ عیش کرنا [۲] کسی کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنا۔ [عام لغات]

اصطلاح میں ''درس معاشرت'' سے مراد ایسے رہنما اور پاکیزہ اصول جاننا جن کی پاسداری سے انسانی زندگی خوشگوار ہو سکے، جنہیں مسلم معاشرہ میں زندگی گزارنے والے ہر فرد کو مد نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ معاشرہ صالح اور منظم ہو سکے، جب بھی کسی معاشرہ میں ان اصول کو نظر انداز کیا جاتا ہے وہاں بدعنوانی، بے راہ روی، آپسی تنازع اور انفرادی واجتماعی رسا کشی جیسے حالات جنم لیتے ہیں اور اس معاشرہ میں انسانی زندگی بسر کرنا دو بھر ہو جاتا ہے، اس کے برعکس جس معاشرہ میں معاشرت کے ان پاکیزہ اور روشن اصول کو قابل اعتنا سمجھا جاتا ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے وہاں سے ظلم وبربریت، کبر ونخوت، زنا وبدکاری اور ڈاکہ وچوری جیسے جرائم کا جڑ سے خاتمہ ہو جاتا ہے، ہر طرف اسلامی شان وشوکت، ایمانی رنگ ونور اور حقانی امن وامان کا ظہور ہونا شروع ہو جاتا ہے، گویا وہ معاشرہ جنت نظیر بن جاتا ہے۔

پرامن معاشرہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ [مشکوۃ] یعنی مومن کامل وہ ہے کہ دوسرے مومن بھائی جس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ و مامون رہیں، انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس فرمان رسالت میں جس عظیم درس معاشرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد یہ عزم مصمم کر لے کہ وہ اپنی زبان اور دیگر اعضا سے نہ کسی کو تکلیف پہنچائے گا اور نہ کسی کی دل آزاری کا سبب بنے گا، جب کسی معاشرہ کے جملہ افراد یہ پختہ عہد کر لیں گے تو وہ معاشرہ جھوٹ اور چغلخوری کی نحوست، عجب وتکبر کی رذالت، چوری وڈاکہ زنی کی شناعت اور زنا وبدکاری کی لعنت سے یکسر پاک وصاف ہو جائے گا اور اضطراب وانتشار اور بدامنی اور بے چینی کا سرے سے خاتمہ ہو جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے ''درس معاشرت'' سے مراد ایک صالح معاشرہ کے رہنما اصول وقوانین ہے، بنیادی طور پر پاکیزہ معاشرہ کے لیے دو طرح کے اصول ہیں۔

اول: غیر شرعی رسوم کی بیخ کنی اوران سے اجتناب واحتراز۔

دوم: آپسی حقوق شناسی اوران کی پاسداری وتحفظ۔

ایک مسلم معاشرہ کے افراد اگر مذکورہ بالا دونوں اصولوں پر سختی سے کاربند ہوجائیں توانفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی بے چینیاں معاشرہ سے دور ہوجائیں گی اور معاشرہ امن وامان اور چین وسکون کا گہوارہ بن جائے گا۔

فتاویٰ رضویہ میں درس معاشرت کی کچھ خاص مثالیں:

درس معاشرت کی توضیح وتشریح کی روشنی میں اگر فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کیا جائے تو بخوبی اندازہ ہوگا کہ اس میں جہاں معاشرہ میں پھیلے بدعات ومنکرات اور غیر شرعی رسومات کی نقاب کشائی ہے وہیں حقوق انسانی کا درس بھی اعلیٰ پیمانہ پر موجود ہے، قارئین کی ضیافت طبع کے لیے ہم ذیل میں اس اجمال کی قدرے تفصیل پیش کرتے ہیں۔

شادی کے غیر شرعی رسوم:

شادی ایک پاکیزہ عمل اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی محبوب سنت ہے مگر گردش ایام سے آج قسم قسم کی غیر شرعی حرکتوں اور ناجائز وحرام رسموں کی وجہ سے اس کا تقدس پامال ہوگیا ہے، پہلے سنا کرتے تھے "شادی خانہ آبادی" مگر آج اپنے گردونواح میں جب نظر دوڑاتے ہیں "شادی خانہ آبادی" کی بجائے "شادی خانہ بربادی" کے دل خراش مناظر نظر آتے ہیں، پہلے دولہے کا گھر خوشیوں کی آماجگاہ اور جنت نشان ہوا کرتا تھا، مگر آج کے اس دور ترقی میں بجائے خوشی غم واندوہ، آپسی ناچاکی اور جہنم کا اشاریہ نظر آتا ہے، جو یقینا اس محبوب وپسندیدہ عمل میں طرح طرح کی بدعات ومنکرات ہی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، آج ہر صوبہ، ہر ضلع، ہر گاؤں میں ایسے ایسے نئے رسوم اور جداگانہ طور طریقے رائج ہیں جن کا شریعت مطہرہ سے کچھ تعلق نہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: [۱] محلہ یا رشتہ کی عورتوں کا جمع ہونا [۲] ان کا فحش وبے حیا گیت گانا [۳] راتوں کو جاگ کر طرح طرح کے تماشے کرنا [۴] ڈانس پارٹی بلوانا [۵] آتش بازی کرنا [۶] مذکورہ رسوم کو بجالانے اور اپنی شان بڑھانے کے لیے سودی قرض لینا وغیرہ۔

فتاویٰ رضویہ ان تمام خرافات اور غیر شرعی رسومات کے خلاف سد سکندری باندھتے ہوئے عظیم "درس معاشرت،، پیش کررہا ہے۔

شادیوں کے غیر شرعی رسوم:

"یہ گانے بجانے کہ ان بلاد میں معمول ورائج ہیں بلاشبہہ ممنوع وناجائز ہیں خصوصا وہ ناپاک وملعون رسم کہ بہت خرانِ بے تمیز احمق جاہلوں نے شیاطین ہنود ملاعین بے بہبود سے سیکھی، یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس کے حاضرین وحاضرات کو لچھے دار سنانا، سمدھیانہ کی عفیف وپاکدامن عورتوں کو الفاظ زنا سے تعبیر کرنا کرانا، خصوصا اس ملعون وبے حیا رسم کا مجمع زنان

میں ہونا، ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا، قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بد لحاظیاں سکھانا، بے حیا، بے غیرت، خبیث، بے حمیت مردوں کا اس شُہدہ پن کو جائز رکھنا، کبھی برائے نام لوگوں کو دکھاوے کو جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا، مگر بندوبست قطعی نہ کرنا، یہ وہ شنیع، گندی اور مردود رسم ہے جس پر صدہا لعنتیں اللہ عزوجل کی اترتی ہیں، اِس کے کرنے والے اس پر راضی ہونے والے، اپنے یہاں اس کا کافی انسداد نہ کرنے والے سب فاسق فاجر، مرتکب کبائر، مستحق غضب جبار و عذاب نار ہیں، والعیاذ باللہ تبارک وتعالیٰ، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔ جس شادی میں یہ حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں، اور اگر نادانستہ شریک ہوگئے توجس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو تو سب مسلمان مردوں عورتوں پر لازم ہے کہ فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی، جورو، بیٹی، ماں، بہن کو گالیاں نہ دلوائیں، فحش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضب الٰہی سے حصہ لیں گے والعیاذ باللہ رب العالمین"۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲۳، ص:۲۸۰، مترجم]

آتش بازی حرام ہے:

"آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب براءت میں رائج ہے بیشک حرام اور پورا جرم ہے اس میں تضییع مال [مال برباد کرنا] ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی فرمایا، قال اللہ تعالیٰ: وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا "[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۳، ص:۲۷۹]

شادی بیاہ کے لیے سودی قرض لینا حرام ہے:

"فاتحہ سوم یا لڑکی کی شادی کے لیے سودی قرض لینا حرام ہے" [فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد:۱۷، ص:۳۴۷]

ماہ محرم الحرام کے مراسم:

ماہ محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، یہ مبارک ماہ اور خصوصاً اس کی ۱۰ ر ویں تاریخ جسے یوم عاشورا کہا جاتا ہے باعث خیر وبرکت اور سبب نزول فضل ورحمت ہے، جس دن کا احترام خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور اپنے صحابہ کرام اور جانثاروں کو صدقات وخیرات، نفلی نماز روزے اور دیگر طاعات وحسنات کے ذریعہ احترام کرنے کا حکم دیا اور اہل اسلام سلفا وخلفا اس کا احترام کرتے رہے اور اس کی برکتوں سے مالامال ہوتے رہے مگر آج اس مغربیت زدہ دور میں ہمارا نوجوان طبقہ اس مبارک ومسعود دن میں بھی طرح طرح کے خرافات ومنکرات میں منہمک ہوکر اس کے برکات وحسنات سے محروم ہوجاتا ہے جو ہمارے لیے بہت بڑا المیہ ہے۔

فتاویٰ رضویہ "درس معاشرت" کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے اس میں ہونے والے تمام غلط اور غیر شرعی رسم ورواج

سے اجتناب کرنے اور اعمال حسنہ بجالانے کی تاکید کرتا ہے۔

محرم میں ہونے والے یہ رسوم ناجائز و حرام ہیں:

''علم، تعزیے، مہندی، ان کی منت، گشت، چڑھاوا، ڈھول، تاشے، مجیرے، مرثیے، ماتم، مصنوعی کربلا کو جانا، عورتوں کا تعزیے دیکھنے کو نکلنا، یہ سب باتیں حرام و گناہ ناجائز و منع ہیں۔ فاتحہ جائز ہے روٹی، شیرنی، شربت جس چیز پر ہو، مگر تعزیہ پر رکھ کر یا اس کے سامنے ہونا جہالت ہے اور اس پر چڑھانے کے سبب تبرک سمجھنا حماقت ہے، ہاں تعزیہ سے جدا جو خالص سچی نیت سے حضرات شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نیاز ہو وہ ضرور تبرک ہے، وہابی خبیث کہ اسے خبیث کہتا ہے خود خبیث ہے۔'' [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۴، ص:۴۹۸]

''تعزیہ جس طرح رائج ہے ضرور بدعت شنیعہ ہے، یہ جو باجے، تاشے، مرثیے، ماتم، برق پری کی تصویریں، تعزیے سے مرادیں مانگنا، اس کی منتیں ماننا، اسے جھک جھک کر سلام کرنا، سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ بدعات کثیرہ اس میں ہوگئی ہیں اور اب اسی کا نام تعزیہ داری ہے یہ ضرور حرام ہے۔'' [ملخصا فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۴، ص:۵۰۴]

ماہ محرم میں کیا کرنا چاہیے؟

''مسلمانوں کو ان ایام میں صدقات وخیرات وحسنات کی کثرت چاہیے خصوصا روزے خصوصا روز عاشورہ کا کہ سال بھر کے روزوں کا ثواب اور ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی معافی ہے کما ثبت فی الحدیث الصحیح اور بہتر یہ ہے کہ نویں دسویں دونوں کا روزہ رکھے، لقوله صلى الله عليه وسلم لئن بقيت الى قابل لاصومن التاسع حضرت شہزادۂ گلگوں قبا امام حسین شہید کربلا و دیگر شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام پاک پر جس قدر ہو سکے تصدق وایصال ثواب کریں بلکہ ان روزوں وغیرہا تمام حسنات کا ثواب اسی جناب گردوں قباب کی نذر کریں، گرمیوں میں ان کے نام پر شربت پلائیں، جاڑے میں چائے پلائیں اور نیک نیت پاک مال سے شربت، چائے، کھانے کو جتنا چاہیں لذیذ و بیش قیمت کریں سب خیر ہے، کھچڑا، پلاؤ، فرنی جو چاہیں اور بے دقت میسر ہو برادری میں بانٹیں، محتاجوں کو کھلائیں اپنے گھر والوں کو کھلائیں نیک نیت سے سب ثواب ہے۔'' [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۴، ص:۴۹۳]

محافل اعراس کے خرافات:

بزرگان دین کی تواریخ وصال پر ان کے مزارات کی زیارت، قرآن خوانی اوران کی ارواح طیبات کو صدقات وخیرات کا ثواب ایصال کرنا جسے لوگوں کی اصطلاح میں ''عرس'' کہا جاتا ہے یقینا باعث خیر وبرکت، موجب سعادت ورحمت اور فرمودات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے مگر بزرگان دین اور مومنین صالحین کی محبت میں شدہ شدہ کئی قسم کے

بدعات و منکرات مثلاً مزارات کو سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا، مزارات پر عورتوں کا حاضر ہونا اور مرد و عورت کا اختلاط وغیرہ غیر شرعی حرکات نے اس میں بھی قدم جما لیے ہیں جو یقیناً ان کے فیضان سے محرومی کے خاص اسباب ہیں۔

فتاویٰ رضویہ ایک مسلم معاشرہ کو ان خرافات سے پاک اور فیضان اولیا کو عام کرنے کے لیے محافل اعراس سے تمام غیر شرعی حرکات کا قلع قمع کرتے ہوئے لائق تقلید اور رہنما" درس معاشرت" یوں پیش کرتا ہے۔

مزاروں کا طواف ناجائز ہے:

مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۵۲۸]

مزارات پر عورتوں کی حاضری ممنوع و گناہ ہے:

عورتوں کو زیارت قبور[مزارات اولیا کی زیارت]منع ہے، حدیث میں ہے:

لعن اللہ زائرات القبور

اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۹، ص:۵۳۷]۔

مقبول بندوں کی بارگاہ میں حاضری کے آداب اور مزاروں کو سجدہ کی حرمت:

مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز باادب سلام کرے، السلام علیك یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر درود غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک بار، آیۃ الکرسی ایک بار، سورۂ اخلاص سات بار، پھر درود غوثیہ سات بار اور وقت فرصت دے تو سورہ یٰسین اور سورہ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ الٰہی اس قراءت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے میری طرف سے اس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا، پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اس کے لیے دعا کرے اور صاحب مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے، پھر اسی طرح سلام کر کے واپس آئے مزار کو نہ ہاتھ لگائے، نہ بوسہ دے، اور طواف بالاتفاق ناجائز اور سجدہ حرام۔[فتاوی رضویہ قدیم، ج:۴، ص:۲۱۲]۔

منظم اور صالح معاشرہ کا دوسرا اہم اور بنیادی اصول "آپسی حقوق شناسی اور ان کی پاسداری و تحفظ" ہے۔ فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ حقوق شناسی اور اس کے تحفظ کے باب میں جتنا عظیم ذخیرہ اس میں ہے شاید ہی کہیں اتنا بڑا ذخیرہ یکجا پایا جاتا ہو، ان باتوں کی پوری تفصیل فتاوی رضویہ میں دو ضخیم رسالوں پر محیط و مشتمل ہے

[۱]الحقوق لطرح العقوق

[۲]مشعلۃ الارشاد فی حقوق الاولاد

اول الذکر رسالہ میں زوجین اور والدین کے حقوق بیان کیے گیے ہیں، یوں ہی ثانی الذکر رسالہ میں اولاد کے حقوق پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ہم ذیل میں مختلف سرخیوں کے تحت فتاویٰ رضویہ کے اقتباسات نقل کرکے ''درس معاشرت'' کے چند نمونے آپ کی نذر کرتے ہیں۔

زوجین کے حقوق:

''زن وشوہر میں ہر ایک کے دوسرے پر حقوق کثیرہ واجب ہیں، ہاں شوہر کے حقوق عورت پر بکثرت ہیں اور اس پر وجوب بھی اشد وآکد، ہم اس پر حدیث لکھ چکے کہ عورت پر سب سے بڑا حق شوہر کا ہے، یعنی ماں باپ سے بھی زیادہ، اور مرد پر سب سے بڑا حق ماں کا ہے، یعنی زوجہ کا حق اس سے بلکہ باپ سے بھی کم ذلك بما فضل الله بعضهم علی بعض۔''[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۴، ص:۳۹۱]

حقوق زوجین کا یہ اجمالی ذکر تھا دوسرے مقام پر اس کی تفصیل یوں مرقوم ہے۔

شوہر پر بی بی کے حقوق:

نفقہ، سکنٰی، مہر، حسن معاشرت، نیک باتوں اور حیا وحجاب کی تعلیم وتاکید اور اس کے خلاف سے منع التہدید، ہر جائز بات میں اس کی دلجوئی اور مردان خدا کی سنت پر عمل کی توفیق ہو تو ماورائے مناہی شرعیہ میں اس کی ایذا کا تحمل کمال خیر ہے، اگرچہ یہ حق زن نہیں۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۴، ص:۳۷۱]

بی بی پر شوہر کے حقوق:

امور متعلقہ زن شوی میں مطلقا اس کی اطاعت کہ ان امور میں اس کی اطاعت والدین پر بھی مقدم ہے، اس کے ناموس کی بشدت حفاظت، اس کے مال کی حفاظت، ہر بات میں اس کی خیر خواہی، ہر وقت امور جائز میں اس کی رضا کا طالب رہنا، اسے اپنا مولیٰ جاننا، نام لے کر نہ پکارنا، کسی سے اس کی بیجا شکایت نہ کرنا، اور خدا توفیق دے تو بجا سے بھی احتراز کرنا، بے اس کی اجازت کے آٹھویں دن سے پہلے والدین یا سال بھر سے پہلے اور محارم کے یہاں جانا، وہ ناراض ہو تو اس کی انتہائی خوشامد کرکے اسے منانا، اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ کر کہنا کہ یہ میرا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں ہے یہاں تک کہ تم راضی ہو یعنی میں تمھاری مملوکہ ہوں جو چاہو کرو مگر راضی ہو جاؤ۔[ایضا]

والدین کے حقوق:

یوں تو اولاد پر ماں باپ کے بے شمار حقوق ہیں جن میں سے بعض حقوق ظاہری زندگی کے اور بعض حقوق بعد وصال کے، ہم ذیل میں فتاویٰ رضویہ سے بعد وفات کے کچھ حقوق کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

[۱] سب سے پہلا حق بعد موت ان کے جنازے کی تجہیز، غسل وکفن ونماز ودفن ہے اور ان کاموں میں سنن ومستحبات کی رعایت جس سے ان کے لیے ہر خوبی وبرکت ورحمت ووسعت کی امید ہو۔[۲] ان کے لیے دعا واستغفار ہمیشہ کرتے رہنا اس سے بھی کبھی غفلت نہ کرنا۔[۳] صدقہ وخیرات واعمال صالحہ کا ثواب انھیں پہنچاتے رہنا، حسب طاقت اس میں کمی نہ کرنا، اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے بھی نماز پڑھنا، اپنے روزوں کے ساتھ ان کے واسطے بھی روزے رکھنا، بلکہ جو نیک کام کرے سب کا ثواب انھیں اور سب مسلمانوں کو بخش دینا کہ ان سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کمی نہ ہوگی، بلکہ بہت ترقیاں پائے گا۔[۴] ان پر کوئی قرض کسی کا ہو تو اس کی ادا میں حد درجہ کی جلدی وکوشش کرنا اور اپنے مال سے ان کا قرض ادا ہونے کو دونوں جہان کی سعادت سمجھنا، آپ قدرت نہ ہو تو اور عزیزوں قریبوں پھر باقی اہل خیر سے اس کی ادا میں امداد لینا۔[۵] ان پر کوئی قرض رہ گیا تو بقدر قدرت اس کے ادا میں سعی بجالانا، حج نہ کیا ہو تو ان کی طرف سے حج کرنا یا حج بدل کرانا، زکوۃ یا عشر کا مطالبہ ان پر رہا تو اسے ادا کرنا، نماز یا روزہ باقی ہو تو اس کا کفارہ دینا وعلی ھذا القیاس، ہر طرح ان کی براءت ذمہ میں جدوجہد کرنا۔[۶] انہوں نے جو وصیت جائزہ شرعیہ کی ہو حتی الامکان اس کی نفاذ میں سعی کرنا اگرچہ شرعاً اپنے اوپر لازم نہ ہو اگرچہ اپنے نفس پر بار ہو مثلاً وہ نصف جائداد کی وصیت اپنے کسی عزیز غیر وارث یا اجنبی محض کے لیے کر گئے تو شرعاً تہائی مال سے زیادہ میں بے اجازت وارثان نافذ نہیں مگر اولاد کو مناسب ہے کہ ان کی وصیت مانیں اور ان کی خوشخبری پوری کرنے کو اپنی خواہش پر مقدم جانیں۔[۷] ان کی قسم بعد مرگ بھی سچی ہی رکھنا مثلاً ماں باپ نے قسم کھائی تھی کہ میرا بیٹا فلاں جگہ نہ جائے گا یا فلاں سے نہ ملے گا یا فلاں کام کرے گا، تو ان کے بعد یہ خیال نہ کرنا کہ اب وہ تو نہیں ان کی قسم کا خیال نہیں بلکہ اس کا ویسے ہی پابند رہنا جیسا ان کی حیات میں رہتا جب تک کوئی حرج شرعی مانع نہ ہو اور کچھ قسم ہی پر موقوف نہیں ہر طرح امور جائزہ میں بعد مرگ بھی ان کی مرضی کا پابند رہنا۔[۸] ہر جمعہ کو ان کی زیارت قبر کے لیے جانا، وہاں یسین شریف پڑھنا ایسی آواز سے کہ وہ سنیں اور اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچانا، راہ میں جب کبھی ان کی قبر آئے بے سلام وفاتحہ نہ گزرنا۔[۹] ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کیے جانا۔[۱۰] ان کے دوستوں سے دوستی نباہنا، ہمیشہ ان کا اعزاز واکرام رکھنا۔[۱۱] کبھی کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر جواب میں انہیں برا نہ کہلوانا۔[۱۲] سب میں سخت تر وعام تر ومدام تر یہ حق ہے کہ کبھی کوئی گناہ کر کے انہیں قبر میں ایذا نہ پہنچانا، اس کے سب اعمال کی خبر ماں باپ کو پہنچتی ہے، نیکیاں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ فرحت سے چمکتا اور دمکتا ہے، اور گناہ دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان کے قلب پر صدمہ ہوتا ہے ماں باپ کا یہ حق نہیں کہ انہیں قبر میں بھی رنج پہنچائے۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۴، ص:۳۹۱/ ۳۹۲]

اولاد کے حقوق:

فتاویٰ رضویہ میں ماں باپ پر اولاد کے اسی [۸۰] حقوق بیان کیے گیے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

[۱] جب بچہ پیدا ہو فوارا سیدھے کان میں آذان، بائیں میں تکبیر کہے کہ خلل شیطان وام الصبیان سے بچے۔ [۲] چھوہارا وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کے منہ میں ڈالے کہ حلاوت اخلاق کی فال حسن ہے [۳] ساتویں اور نہ ہو سکے تو چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے، دختر کے لیے ایک، پسر کے لیے دو کہ اس میں بچے کا گویا رہن سے چھڑانا ہے [۴] نام رکھے یہاں تک کہ کچے بچے کا بھی جو کم دنوں کا گر جائے ورنہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی ہوگا۔ برا نام نہ رکھے کہ بدفال بد ہے [۵] عبداللہ، عبدالرحمٰن، احمد، حامد وغیرہ باعبادت وحمد کے نام یا انبیا اولیایا اپنے بزرگوں میں جو نیک لوگ گزرے ہوں ان کے نام پر نام رکھے کہ موجب برکت ہے خصوصا نام پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس مبارک نام کی بے پایاں برکت بچہ کے دنیا وآخرت میں کام آتی ہے [۶] بچے کا نفقہ اس کی حاجت کے سب سامان مہیا کرنا خود واجب ہے جن میں حفاظت بھی داخل [۷] بچہ کو پاک کمائی سے روزی دے کہ ناپاک مال ناپاک ہی عادتیں ڈالتا ہے [۸] اپنے چند بچے ہوں جو چیز دے سب کو برابر ویکساں دے، ایک کو دوسرے پر بے فضیلت دینی ترجیح نہ دے [۹] سفر سے آئے تو ان کے لیے کچھ تحفہ ضرور لائے [۱۰] بیمار ہوں تو علاج کرے [۱۱] زبان کھلتے ہی اللہ، اللہ پھر پورا کلمہ لاالہ الااللہ بھرپور کلمہ طیبہ سکھائے [۱۲] جب تمیز آئے ادب سکھائے، کھانے، پینے، ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ، استاذ اور دختر کو شوہر کے بھی اطاعت کے طرق وآداب بتائے [۱۳] قرآن مجید پڑھائے [۱۴] استاد نیک صالح متقی، صحیح العقیدہ سن رسیدہ کے سپرد کردے اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے [۱۵] بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے [۱۶] عقائد اسلام وسنت سکھائے کہ لوح سادہ فطرت اسلامی وقبول حق پر مخلوق ہے، اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا [۱۷] حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کی محبت وتعظیم ان کے دل میں ڈالے کہ اصل ایمان وعین ایمان ہے [۱۸] حضور پرنور ﷺ کے آل واصحاب واولیا وعلما کی محبت وعظمت تعلیم کرے کہ اصل سنت وزیور ایمان بلکہ باعث بقائے ایمان ہے [۲۰] سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے [۲۱] علم دین خصوصا وضو، غسل نماز وروزہ کے مسائل توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدور ولسان وغیرہا خوبیوں کے فضائل حرص وطمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہا، برائیوں کے رذائل پڑھائے [۲۲] جب دس برس کا ہو نماز مار کر پڑھائے [۲۳] اس عمر سے اپنے خواہ کسی کے ساتھ نہ سلائے جدا بچھونے جدا پلنگ پر اپنے پاس رکھے [۲۴] جب جوان ہو شادی کردے، شادی میں وہی رعایت قوم ودین سیرت وصورت ملحوظ رکھے۔

خاص دختر کے حقوق سے ہے کہ [۲۵] اس کے پیدا ہونے پر ناخوشی نہ کرے بلکہ نعمت الٰہیہ جانے اسے سینا، پرونا، کاتنا، کھانا پکانا سکھائے [۲۶] سورۂ نور کی تعلیم دے [۲۷] بیٹیوں سے زیادہ دلجوئی رکھے کہ ان کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے [۲۸]

دینے میں انہیں اور بیٹوں کو کانٹے کی تول برابر رکھے [۲۹] جو چیز دے پہلے انہیں دے کر بیٹوں کو دے [۳۰] نوبرس کی عمر سے نہ اپنے پاس سلائے نہ بھائی وغیرہ کے ساتھ سونے دے [۳۱] اس عمر سے خاص نگہداشت شروع کرے [۳۲] شادی برات میں جہاں گانا ناچ ہو ہرگز نہ جانے دے اگرچہ خاص اپنے بھائی کے یہاں ہو کہ گانا سخت سنگین جادو ہے اور ان نازک شیشوں کو تھوڑی ٹھیس بہت ہے، بلکہ ہنگاموں میں جانے کی مطلق بندش کرے، گھر کو ان پر زنداں کردے [۳۳] بالاخانوں پر نہ رہنے دے [۳۴] گھر میں لباس وزیور سے آراستہ کرے کہ پیام رغبت کے ساتھ آئیں [۳۵] جب کفو ملے نکاح میں دیر نہ کرے [۳۶] حتی الامکان بارہ برس کی عمر میں بیاہ دے [۳۷] زنہار کسی فاسق فاجر خصوصا بدمذہب کے نکاح میں نہ دے۔ وغیرہ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲۴، ص:۴۵۲ تا ۴۵۶، مترجم]۔

یہ چند اقتباسات بطور نمونہ پیش کیے گیے ہیں ورنہ اس قسم کے روشن "درس معاشرت "فتاویٰ رضویہ میں بکثرت موجود ہیں جن سے ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے یقینا فتاویٰ رضویہ کے ان صاف وشفاف "دروس معاشرت "کو اگر اپنایا اور عام کیا جائے تو ہمارا مسلم معاشرہ جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نکل کر تہذیب وتمدن کا ایک عظیم گہوارہ اور خوشنمائی وپاکیزگی کا ایک قابل تقلید اور مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان مبارک ہدایات اور واضح تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دین وسنیت پر استحکام کے ساتھ حسن خاتمہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ افضل الصلوۃ واکرم التسلیم۔

*****

امام احمد رضا اور سماجی تعلیمات

مفتی غلام سرور مصباحی: القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

سماجیات کا موضوع انسانی گروہ ہے، اس گروہ کی تشکیل اور تنظیم کا انحصار بعض قوانین پر ہوتا ہے، انہیں قوانین کی دریافت سماجیات کا مقصد ہے۔

انسانی گروہ ہی زندگی کے مختلف اظہار ہوتے ہیں، منظم مجمع جیسے کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ، غیر منظم مجمع جیسے کسی سڑک کے کنارے جمع ہونے ہونے والی بھیڑ اور منظم دیرپا انسانی مجموعے جیسے خاندان مذہبی گروہ اور سیاسی جماعتیں۔ منظم اور دیرپا انسانی مجموعہ کا دوسرا نام سماجی ادارہ ہے۔ گروہ اور ادارے کا فرق اس بات پر مبنی ہے کہ گروہ کا وجود مخصوص افراد کے بغیر ممکن نہیں ہوتا، مگر سماجی ادارے کی تشکیل کے لیے مخصوص افراد سے کہیں زیادہ اہم وہ اقدار اور ضرورتیں ہوتی ہیں جو افراد کو ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہیں خواہ گروہ ہو یا ادارہ، دونوں کا وجود دو اہم اور ناگزیر تصورات سے عبارت ہے، ساخت اور تفاعل ساخت سے مراد گروہ یا ادارے کا وہ درونی اتحاد ہے جو افراد، افراد کی ضرورتیں اور ان ضرورتوں کی بنیاد پر ابھرنے اور باقی رہنے والی اقدار کے درمیان پایا جاتا ہے، تفاعل سے مراد اس اتحاد سے پیدا ہونے والا مجموعی کردار اور عمل ہے۔ ساخت اور تفاعل لازم اور ملزوم ہیں۔ ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن نہیں، سماجی ساخت اور تفاعل کا مطالعہ سماجیات کا اہم موضوع ہے۔ گروہی زندگی کی ترقی یافتہ شکل اداریاتی زندگی ہے۔ سماجی ادارے ہر نئے گروہ یا نئی نسل کی تربیت کرتے ہیں، اس تربیت کی بنیادی غایت سماجی مطابقت ہے۔

سماجی نظام، سماجی عمل ورد عمل سے عبارت ہے۔ پوری سماجی زندگی انسان کے آپسی تعلقات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ سماجی نظام کا دائرہ تمام اداروں، انجمنوں اور انفرادی اور گروہی تعلقات پر محیط ہے۔ اس کا مطالعہ سماجیات کا ایک اہم موضوع ہے۔ سماجی نظام افراد کا ایک ایسا مربوط نظام ہوتا ہے جس میں فرد اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کرتا ہے۔ آپسی تعلقات کی مدد سے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے۔ اور سماجی تناؤ یا کشیدگی کو کم کرتا ہے۔ سماجیات کی بدیہی حقیقت ہے کہ ہر سماج ہمیشہ تغیر پذیر رہتا ہے۔ بظاہر ساکن نظر آنے والا سماج بھی در حقیقت تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ کسی سماج میں تبدیلیوں کی شدت سے مخالفت نظر آتی ہے۔ تو کسی اور سماج میں برق رفتار تبدیلیاں دکھائی پڑتی ہیں۔ لیکن ہر دو سماج بہر حال بدلتے رہتے ہیں۔ تبدیلی ایک اٹل حقیقت ہے ہر سماج میں داخلی یا خارجی اسباب کی بنیاد پر تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے سماجی کی استقامت پر اثر پڑتا ہے، نتیجہ کے طور پر سماجی

توازن متاثر ہوتا ہے۔ سماجی توازن کوئی جامد حقیقت نہیں، بلکہ سماجی توازن خاص طور سے تغیر پذیر سماج میں بڑی حد تک متحرک رہتا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ اور مطالعہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ سماجی نظام کا مطالعہ نہ کیا جائے۔

ہر سماج میں افراد بے شمار حیثیتیں رکھتے ہیں، ایک ہی فرد اپنے گھر میں کسی کا بیٹا کسی کا باپ اور کسی کا بھائی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح گھر کے باہر وہ اپنے دفتر میں کسی کا بالاتر عہدہ دار ہے تو کسی کا ماتحت، بازار میں کہیں وہ خریدار ہے تو کہیں محض ایک راہ گیر یا تماشا بیں۔ اس طرح ہر فرد کی صبح سے شام تک لا تعداد سماجی حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ہر حیثیت کے ساتھ فرد کو خاص رول ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور پوری سماجی زندگی اس حیثیت اور رول کے مجموعہ کا نام ہے، بہتر اور صالح سماج وہ ہے جو خرافات و منکرات سے مبرہ ہو، کیوں کہ معاشرت کا اثر انسان کی زندگی کے ہر شعبہ پر ہوتا ہے، جن لوگوں کی معاشرت کی بنیاد صالح اور نیک اعمال پر ہوتی ہے، ان کی زندگی کے ہر شعبے میں دیانت، امانت، صداقت، جیسی خوبیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان کا پورا معاشرہ پر سکون ہوتا ہے، اس میں ہم دردی محبت ایثار و قربانی اور باہمی تعاون کے رنگ برنگے پھول کھلے نظر آتے ہیں، ان کی معیشت ان کے لیے سہل و آسان ہوتی ہے، جس کا سبب ان کا باہمی اعتماد ہوتا ہے، وہ لوگ دن بدن خوش حال ہوتے ہیں اور جلد ہی معاشی ترقی کی بلندیوں کو پا لیتے ہیں، غرض کہ صرف معاشرت کی صالحیت ان لوگوں کو خوش حالی سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے اور دنیا میں ان کو نہ صرف عزت و وقار حاصل ہوتا ہے بلکہ ان کے رعب کے سبب ان کے حاسدین کی گردنیں بھی ان کے سامنے جھک جاتی ہیں، لیکن اگر معاشرت کی بنیاد بدعملی اور بدکرداری پر ہو تو پوری قوم ہر اعتبار سے ذلیل و خوار ہو جاتی ہے کہ عیش و عشرت اور عیاشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگ صرف اپنی ذات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ جس کے لیے انھیں صرف اور صرف اپنے مفاد کی فکر ہوتی ہے۔ پس ان کا پورا معاشرہ لٹیروں، ڈاکوؤں، غنڈوں اور ظالموں کا معاشرہ ہو جاتا ہے۔ جس میں نہ کسی کی عزت کو تحفظ حاصل ہوتا ہے نہ دولت کو، نہ عورتوں کی عصمت محفوظ رہتی ہے، اور نہ ہی حلال و حرام کا امتیاز باقی رہتا ہے۔ نفس کی خواہشات کا ایک طوفان ہوتا ہے جو بغیر کسی امتیاز کے ہر کسی کو اپنے لپیٹ میں لیے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماج کی صحیح رہنمائی اور معاشرہ کے اندر جنم لینے والی برائیوں کے سد باب کے لیے ہر دور میں منجانب اللہ دُعاۃ اور صالحین پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے اپنی بساط اور صلاحیت و لیاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حتی الامکان سماج کی اصلاح کی اور لوگوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرتے رہے اور ان شاء اللہ العزیز دعاۃ و صالحین کے اس نورانی قافلے کی آمد قیامت تک ہوتی رہے گی۔ انہیں دعاۃ و صالحین کی فہرست میں ایک درخشندہ اور تابندہ نام امام احمد رضا قدس سرہ کا ہے، جنھوں نے حیات مستعار کی آخری بہار تک تقریر و بیان، تصنیف و تالیف اور بحث و مناظرہ وغیرہ کے ذریعہ جہاں اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات کی حفاظت و صیانت میں سعی بلیغ فرمائی اور لاجواب تجدیدی کارنامے انجام دیے، وہیں سماج کی صحیح تشکیل اور اس کے اندر پیدا ہونے والی برائیوں کے سد باب کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ جس پر ان کی تصانیف شاہد عدل ہیں۔ میں امام احمد رضا قدس سرہ کی شاہ کار تصنیف اور فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا "فتاویٰ رضویہ" سے بطور نمونہ چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین

کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، جن سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے سماج میں نظام اخوت قائم کرنے اور اس کی اصلاح اور لوگوں کو اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی جو انمول تعلیم دی ہے وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور ان کی طرح مصلح اور داعی ان کے زمانے میں دور دور تک نظر نہیں آتا ہے۔

مجذوم شخص کے ساتھ کھانے پینے کا حکم:

برص زدہ شخص کو سماج اچھی نظر سے نہیں دیکھتا ہے، یہاں تک کہ لوگ اس کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس کرتے ہیں اور یہ تصور کرتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ نشست و برخاست اور اکل و شرب کا معاملہ کیا جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا مرض میری طرف متعدّی ہو جائے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے لوگوں کے اس غلط خیال کو رفع فرمایا اور اصل مسئلہ لوگوں کے سامنے رکھا، نیز اپنی بات کو مزید مدلل کرنے کے لیے تقریباً سات احادیث مبارکہ مستند و معتبر کتب احادیث سے نقل فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

”ہر چند جذامی کے ساتھ کھانا جائز ہے، بلکہ خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجذوم کو اپنے ساتھ کھلایا اور میرے ساتھ ہو کر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھائیے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور اس پر بھروسہ رکھتے ہوئے۔۔۔ مگر خواہی نہ خواہی اس کے ساتھ کھانا ضروری بھی نہیں بلکہ جس کی نظر اسباب پر مقتصر ہو اور خدا پر سچا توکل نہ رکھتا ہو اس کے حق میں بچنا ہی مناسب ہے۔ نہ یہ سمجھ کر کہ بیماری اڑ کر لگ جاتی ہے کہ یہ خیال تو باطل محض ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں اسے رد فرمایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی مرض میں تعدیہ نہیں۔ امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے اس کی تخریج فرمائی۔ بلکہ اس نظر سے کہ شاید قضائے الٰہی کے مطابق کچھ واقع ہو اور اس وقت شیطان کے بہکانے سے یہ سمجھ میں آیا کہ فلاں فعل سے ایسا ہو گیا ورنہ نا ہوتا تو اس میں دین کا نقصان ہو گا لوگوں! حرف ”لو“ سے بچو کیوں کہ یہ شیطانی کاموں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: غرض قوی الایمان کو توکل علی اللہ اس سے مخالطت میں کچھ نقصان نہیں اور ضعیف الاعتقاد کے حق میں اپنے دین کی احتیاط کو احتراز بہتر لہٰذا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کوڑھے سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو، امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی۔۔۔ ملخصاً۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم جلد:۲۱، ص:۱۰۱]

بدگمانی کرنا:

آج ہمارا معاشرہ جن برائیوں سے دوچار ہے ان میں ایک بڑی برائی لوگوں کے درمیان بدگمانی پھیلانا ہے۔ یہ ایک ایسی مہلک بیماری ہے جس کی وجہ سے اخوت و محبت اور بھائی چارے کا تاج محل زمیں بوس ہو جاتا ہے۔ اس برائی کہ وجہ سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی، خویش و اقارب کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے اور لوگ چین و سکون سے دور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ بدگمانی اس قدر بڑی برائی ہے، امام احمد رضا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

بدگمانی سب سے سخت تر جھوٹ اور اشد حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من

الظن ان بعض الظن اثم. اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ایمان والو! بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو، کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لوگوں سے گمان بد کرنے سے پرہیز کرو کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، الحدیث [ائمہ کرام مثلاً امام مالک، بخاری، مسلم، داؤد، امام ترمذی نے بحوالہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے روایت کیا ہے]۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم جلد: ۲۱، ص: ۱۳۳ ملخصًا]

مسلمانوں کی تحقیر:

سماج سے اخوت و محبت ختم ہونے کی ایک بڑی وجہ ایک دوسرے کی تحقیر اور نیچا دکھانا ہے۔ لہٰذا جب ایک دوسرے کی عزت و احترام کا ماحول سماج کے اندر پیدا نہ ہو سماج میں نظام اخوت و محبت کا قیام بعید ہے۔ چناچہ امام احمد رضا قدس سرہ اس تعلق سے فرماتے ہیں:

بلا وجہ شرعی کسی مسلمان جاہل کی بھی تحقیر حرام قطعی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بحسب امر ی من الشر ان یحقرن اخاہ المسلم کل علی المسلم حرام دمہ و مالہ وارضہ رواہ مسلم عن ابی ھر یرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی تحقیر کرے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے خون آبرو ومال۔ [اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔]

اسی طرح کسی مسلمان جاہل کو بھی بے اذن شرعی گالی دینا حرام قطعی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سباب المسلم فسوق رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی اور ابن ماجہ و الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

مسلمانوں کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے [اسے امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے]

اور فرماتے ہیں:

سباب المسلم کالمشرف علی الھلکہ. رواہ الامام احمد و بزار عن عبد اللہ بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنھما بسند جید.

مسلمان کو گالی دینے والا اس کی مانند ہے جو عنقریب ہلاکت میں پڑا چاہتا ہے۔ اسے امام احمد، بزار نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں: جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ [اسے امام طبرانی نے الاوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ [فتاویٰ رضویہ، ج: ۲۱، ص: ۱۲۷ ملخصًا]۔

برے الفاظ سے پکارنا:

لوگوں کے درمیان ایک بری عادت ہے ایک دوسرے کو برے الفاظ و القاب سے پکارنا جو سماجی اخوت و محبت کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

کسی مسلمان بلکہ کافر ذمی کو بھی بلا حاجت شرعیہ ایسے الفاظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو، اسے ایذا پہنچے، شرعاً ناجائز و حرام ہے، اگرچہ بات فی نفسہ سچی ہو، فان کل حق صدق ولیس کل صدق حقا۔ [ہر حق سچ ہے مگر ہر سچ حق نہیں]

ابن السنی عمیر بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا رجلا بغیر اسمه لعنته الملائکة فی التیسیر ای بلقب یکرهه لا بنحو یا عبد الله . جو شخص کسی کو اس کا نام بدل کر پکارے، فرشتے اس پر لعنت کریں، تیسیر میں ہے یعنی کسی بدلقب سے جو اسے برا لگے نہ کہ اے بندۂ خدا وغیرہ سے۔

طبرانی معجم اوسط میں بسند حسن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذیٰ مسلما فقد اذانی ، و من اذانی فقد اذی الله . جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

سنن ابی داؤد میں متعدد اصحاب اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ظلم معاهدا فانا حجیجه یوم القیامته، جو کسی ذمی پر زیادتی کرے تو روز قیامت میں اس سے جھگڑا کروں گا۔

بحر الرائق و در مختار میں ہے:

فی القنیة قال الیهودی او مجوسی یا کافر یاثم ان شق علیه و مقتضاه انه یعذر لارتکابه الاثم۔

جس نے کسی ذمی، یہودی، یا مجوسی سے کہا اے کافر اور یہ بات اسے گراں گذری تو کہنے والا گنہگار ہوگا، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے تعذیر کی جائے۔ [قنیہ]۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم ج: ۲۳، ص: ۲۰۴، ملخصًا]

انسان کے ساتھ حسب مراتب سلوک کرنا چاہیے:

سماجی اخوت ختم ہونے کی ایک وجہ حسب مراتب ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنا ہے، لہٰذا جو جس درجے کا ہو اسی حساب سے اس کو عزت ملنی چاہیے، تب سماج میں بھائی چارہ قائم ہو سکتا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ حسب مراتب اور علمائے دین کو محفل میں بلند مقام دینے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

بلا شبہہ جائز ہے، علمائے سادات کو رب العزۃ عزوجل اعزاز و امتیاز بخشا تو ان کا عام مسلمانوں سے زیادہ اکرام امر شرع کا امتثال اور صاحب حق کو اس کے حق کا ایفا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون .

اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ کیا برابر ہو جائیں گے عالم اور جاہل۔

جب اللہ عزوجل ہی نے علماو جہلا کو برابر نہ رکھا تو مسلمانوں پر بھی ان کا امتیاز لازم اسی باب سے ہے۔ علماے دین کی مجالس میں صدر مقام و مسند اکرام پر جگہ دینا کہ سلفاً و خلفاً شائع وذائع اور شرعاً وعرفاً مندوب و مطلوب۔ ام المومنین صدیقہ صلی اللہ تعالیٰ علی بعلھا الکریم وعلیہما وسلم کی خدمت اقدس میں ایک سائل کا گزر ہوا، اسے ایک ٹکڑا عطا فرما دیا، ایک شخص خوش لباس شاندار گزرا اسے بٹھا کر کھانا کھلایا، اس بارے میں ام المومنین سے استفسار ہوا، فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کہ ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے لائق برتاؤ کرو۔ دیکھو یہ تفرقہ برتن اور پتے کے فرق سے کہیں زائد ہے اور عالم و جاہل و سید و غیرہ سید کا امتیاز سائل و خوش لباس کے امتیاز سے کہیں بڑھ کر۔

ابو داؤد فی سننہ عن میمون بن ابی شبیب ان عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مر بھا رجل علیہ ثیاب و ھیاۃفاقعدتہ فاکل فقیل لھا فی ذلک فقالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انزلو الناس منازلھم.

امام داؤد نے اپنی سنن میں حضرت میمون بن ابی شبیب سے روایت کی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے ایک شخص عمدہ لباس پہنے ہوئے گزرا تو آپ نے اسے بٹھا کر کھانا کھلایا، پھر آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کے حسب مراتب سلوک کیا کرو۔

امام مسلم اپنے مقدمہ صحیح میں فرماتے ہیں:

لا یقصر بالرجل العالی القدر عن درجتہ و لا یرفع متضع القدر فی العلم فوق منزلتہ و تعطی کل ذی حق فی حقہ و ینزل منزلتہ و قد ذکر عن عائشہ رضی اللی تعالیٰ عنھما انھا قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انزل الناس منازلھم.

بلند مرتبہ شخص کے حسب مرتبہ عزت قدر ہونی چاہیے، اس کی توقیر کرنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے اور پست درجہ والے کو اس کی حیثیت سے بڑھانا بھی مناسب نہیں، اس سلسلے میں ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم لوگوں سے ان مراتب کے مطابق سلوک کیا کریں [فتاویٰ رضویہ مترجم ج: ۲۳، ص: ۷۱۸ ملخصًا]

اس طرح اگر تصانیف رضا کا آپ مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے جہاں لوگوں کے دین و عقائد کی حفاظت وصیانت میں سعی بلیغ فرمائی، وہیں سماج کی صحیح تعمیر و تشکیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ تعلیمات رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

امام احمد رضا اور مسائل تجارت: فتاوی رضویہ کی روشنی میں

مفتی محمد مشتاق احمد رضوی: کیہ پک ٹولہ، اتر دیناج پور، بنگال

زندگی بسر کرنے اور اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے مال ودولت کی بہرحال ضرورت ہے اوراس کے حصول میں جائزطور پر کوشاں رہنا عبادت ہے۔ حصول رزق کی مختلف صورتیں ہیں، جن میں تجارت سب سے مقدم اور پاکیزہ عمل ہے۔ آج اس ترقی یافتہ دور میں مسلم قوم کی غربت وافلاس کا ایک سبب جہاد کے بعد افضل واعلیٰ پیشہ یعنی تجارت کو چھوڑ دینا بھی ہے۔

تجارت کی مشروعیت قرآن، حدیث اوراجماع تینوں سے ثابت ہے، قرآن پاک میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ . [سورۃ النساء:۲۹]

ترجمہ:۔اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضامندی کا ہو۔[کنزالایمان]

اور سورۂ بقرہ آیت:۲۷۵ میں ہے: **واحل اللہ البیع وحرم الربوا**۔اوراللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سود۔

سنن ابو داؤد جلد ۲، ص:۳۲۸ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اے گروہ تجار، یعنی تجارت کرنے والو بیع میں لغو[فضول بات] اور قسم ہوجاتی ہے۔اس کے ساتھ صدقہ کو ملالیا کرو۔

مذکورہ دونوں آیات اور حدیث پاک بیع وتجارت کی مشروعیت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں ۔اس کی فضیلت میں بہت ساری آیات واحادیث اورانبیاے کرام ،صحابۂ کرام ،ائمہ مجتہدین ، محدثین اور مفسرین کے اقوال واعمال موجود ہیں ۔ علماے احناف کے نزدیک جہاد کے بعد سب سے بہتر کمائی تجارت کی ہے پھر زراعت ہے پھر صنعت وحرفت وغیرہ۔[فتاویٰ رضویہ ۲۳/ص:۶۱۰]

اسلام سے پہلے عرب میں لوگ تاجروں کے لیے ''سمسار'' کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کے معنی دلال کے ہیں، یہ ایک ناگوار تعبیر ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک مہذب لفظ ''تاجر'' اختیار فرمایا اور فرمایا کہ : ''التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء'' بہت سچے اور دیانت دار تاجر کا حشر نبیوں ،

صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔[ترمذی، ج:۱، ص:۲۲۱]

تجارت بہت بابرکت پیشہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: رزق کے دس حصے ہیں ان میں نو حصے تجارت میں ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے بھی تجارت فرمائی، کتب سیر میں ہے کہ اعلان نبوت سے پندرہ سال پہلے حضور ﷺ نے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واسطے تجارت فرمائی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور اکثر صحابہ ومہاجرین کا ذریعۂ معاش تجارت ہی تھا۔ اور ائمہ محققین مجتہدین نے بھی پیشۂ تجارت کو اپنایا ہے، کروڑوں مسلمانوں کے مقتدا وپیشوا سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بہت بڑے تاجر تھے۔ راس المحدثین امام بخاری بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اکثر سلف صالحین کا ذریعۂ معاش تجارت تھا، ان کا یہ مشغلہ اس لیے بھی تھا کہ وہ اپنے آپ کو حکومت کے اور اہل ثروت کے احسان سے بچا کر رکھنا چاہتے تھے۔

فتاویٰ رضویہ اور معاشیات:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی کے بیشتر گوشوں پر جامع ومانع تحریرات سے ہماری رہنمائی کی ہے۔ عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات سے متعلق بے شمار مسائل شرعیہ مرتب فرمائے ہیں، اور تجارت جو کسب معاش کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس پر بھی آپ نے کافی روشنی ڈالی ہے، فتاویٰ رضویہ اس پر شاہد ہے، فتاویٰ رضویہ کا گہری نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو دیگر مسائل کے ساتھ کثرت سے تجارت کے مسائل بھی ملیں گے، بالخصوص جلد ۲/ ۹/ ۱۰/ ۱۱/ ۱۶/ ۱۷/ ۱۹/ ۲۱/ ۲۳/ اور ۲۴ میں بکثرت مسائل تجارت موجود ہیں۔ راقم الحروف نے حالات کو دیکھتے ہوئے ضروری مسائل تجارت فتاویٰ رضویہ سے نقل کرکے ایک کتابچہ ۱۱۲/ صفحات پر مشتمل بنام ''تجارت کے رہنما اصول'' فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں ترتیب دیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت نے تجارت کے حوالے سے کس قدر رہنمائی کی ہے۔

مال کمانے اور خرچ کرنے سے متعلق چار صورتیں ہیں:

۱۔ حلال طریقے سے کمانا اور حرام میں خرچ کرنا۔

۲۔ حرام طریقے سے کمانا اور خرچ حلال کام میں کرنا۔

۳۔ حرام طریقے سے کمانا اور حرام میں خرچ کرنا۔

۴۔ حلال طریقے سے کمانا اور حلال میں خرچ کرنا۔

ان چار صورتوں میں صرف آخر کی صورت جائز اور ذریعۂ ثواب ونجات ہے، بقیہ تینوں صورتیں ناجائز وحرام ہیں، اس

تناظر میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسالہ "خیر الامال فی حکم الکسب والسوال" بہت ہی نفع بخش ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسالہ میں کسب معاش، خرید وفروخت اور تجارت کی صورتیں بڑی وضاحت اور بسط وتفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہیں، نیز شرعی طور پر ان کے درجات کی تعیین بھی فرمائی ہے یعنی حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی، مباح، مستحب، سنت، واجب اور فرض۔ ان تمام صورتوں کا احاطہ کیا ہے۔

یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲، ص ۶۰۳ تا ۶۲۱ میں ہے۔

جو ۱۹ر صفحات پر مشتمل ہے اور تقریباً ۱۴ر معتمد ومستند کتب احادیث وفقہ کے ۴۶ر حوالوں سے مزین ہے۔

احادیث : [۱] صحیح بخاری [۲] صحیح مسلم [۳] سنن ابی دائود [۴] سنن ابن ماجہ [۵] مسند احمد بن حنبل [۶] کنز العمال [۷] الکامل لابن عدی [۸] الجامع الصغیر [۹] التیسیر شرح الجامع الصغیر۔ ان میں صرف سنن ابی داؤد سے تین حوالے ہیں ورنہ سب سے ایک ایک ہے۔

فقہ: ۱ر فتاویٰ قاضی خان۔ ۲۔ الدر المختار، ۳۔ رد المحتار۔ ۴۔ خزانۃ المفتین ۔۵۔ الاشباہ والنظائر۔ ان میں قاضی خان اور الاشباہ والنظائر سے ایک ایک جزیہ منقول ہے۔ جب کہ در مختار سے ۱۸، رد المحتار سے ۱۳، اور خزانۃ المفتین سے ۳، جزئیات ہیں۔

معاشیات سے متعلق فتاوی رضویہ میں جو معلومات موجود ہیں اس مختصر مقالے میں ان کا احاطہ کرنا محال ہے، اس لیے ہم یہاں کچھ مسائل کی نشان دہی کر دیتے ہیں، تاکہ قارئین کی وہاں تک بآسانی رسائی ہو سکے۔

۱۔ تجارت کی فضیلت کا بیان۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۲۳، ص:۵۳۰]

۲۔ مال کی تعریف اور قسمیں۔ [جلد ۱۷ر ص:۳۲۲، جلد ۱۷، ص:۴۰۴ تا ۴۰۸]

۳۔ ناجائز بیع کی اقسام۔ [جلد ۱۷، ص:۱۴۳]

۴۔ ارکان بیع [جلد ۴، ص:۱۷۷]

۵۔ شرائط بیع [جلد ۱۷، ص:۱۷۷]

۶۔ بیع یعنی خرید وفروخت کا حکم [جلد ۱۷، ص:۸۹]

۷۔ خیار شرط وخیار رویت [جلد ۱۷، ص:۸۸/۹۱]

۸۔ مال کمانے کے مشروع وممنوع ذرائع۔ [جلد ۲۳، ص:۶۰۳، تا ۶۲۱]

۹۔ حلال وحرام اور شبہہ مال کی پہچان [جلد ۲۳، ص:۵۲۸]

۱۰۔ مسجد کی بیع ناجائز ہے [جلد ۸، ص:۹۰]

۱۱۔ مسجد سے نکلی ہوئی چھپر اور دیگر چیزیں بیچنے کا حکم [جلد ۲، ص:۴۵۹/۴۲۶]

۱۲۔ مسجد کے سامانوں کی بیع اور اس کے مال سے آمدنی بڑھانے کا حکم [جلد ۱۶، ص:۲۶۵/۲۷۹]

۱۳۔ مدینۂ کفار میں تجارت کے لیے جانے کا حکم [جلد۲۳، ۲۰۔ ۲۳، ص: ۵۲۳ تا ۵۲۶]
۱۴۔ اشجار موقوفہ کی بیع کا حکم [جلد۱۶، ص۲۷۷]
۱۵۔ مٹی اور انسان و جانوروں کے پاخانہ بیچنے کا حکم [جلد۱۷، ص: ۱۵۷]
۱۶۔ مزار پر چڑھائی ہوئی چادروں کی بیع کا حکم [جلد۲۳، ص: ۵۶۳ ؍ ۱۹۲]
۱۷۔ تاجروں کا مال تجارت پر اخراجات ملانے کا حکم [جلد۱۷، ص۱۳۱]
۱۸۔ بھاؤ پر بھاؤ بڑھانے کا حکم [جلد۲۳، ص: ۶۰۵]
۱۹۔ سامان میں ملاوٹ کا حکم [جلد۱۷، ص: ۱۵]
۲۰۔ زیادہ دام کہہ کر گھٹانا یعنی بھاؤ کرنے کا حکم [جلد۱۷، ص: ۱۳۹]
۲۱۔ دوکان دار کو روپیہ نہ ملے تو سامان روک سکتا ہے [جلد۱۲، ص: ۱۰]
۲۲۔ تانبے و پیتل کے زیوروں کی بیع کا حکم [جلد۲۲، ص: ۱۳۷]
۲۳۔ بنجر زمین کے گھاس کی بیع کا حکم [جلد۹، ص: ۴۲۳]
۲۴۔ سمندر اور ندی کی مچھلیوں کو بیچنے کا حکم [جلد۱۹، ص: ۴۲۳]
۲۵۔ نقد و ادھار میں تفاوت کا حکم [جلد۱۷، ص: ۹۸]

مقالات

☆اصلاح وموعظت

امام احمد رضا اور تجدید واحیاے دین

مفتی شفیق احمد شریفی: قاضی شہر الہ آباد

فقیہ اعظم ہندوستان، علم وفن کی عبقری شخصیت، علوم وفنون کا بحر ذخار، دنیاے اسلام کے بطل جلیل، مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کی جامع کمالات شخصیت پر قلم اٹھانے کے لیے بڑے علم وجسارت کی ضرورت ہے، کچھ لکھ دینا اور بات ہے اور امام مذکور کے ساتھ انصاف کرنا اور بات ہے، آپ کی پہلودار شخصیت کا احاطہ ایک مشکل کام ہے جو کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں، ایک پوری جماعت کی ضرورت ہے۔

علمی تبحر:

تفسیر، اصول تفسیر، حدیث اصول حدیث، اسماے رجال، جرح وتعدیل، فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ، عقائد وکلام، ادب، معانی، بیان بدیع بلاغت، نحو وصرف، عروض وقوافی، تصوف وسلوک، تاریخ وسیر، مناقب ونجوم اور تکسیر، توقیت و زیجات وغیرہ تازہ تحقیق کے مطابق ۱۵/ سے زائد علوم وفنون کا ایک سمندر تھے اور آپ کی صلاحیت کا لوہا اپنے بیگانے بڑے بڑے علما وفضلاے زمانہ نے مانا ہے۔

منصب تجدید:

ابوداؤد شریف میں ہے:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا. (کتاب الملاحم، باب ما یذکر فی قرن المأۃ)

اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے شروع میں ایسی ذات کو مبعوث فرماتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گی۔

چودھویں صدی میں تجدید دین کے اس عظیم کام کے لیے امام احمد رضا کا انتخاب کیا جو منصب تجدید کے صحیح مستحق تھے، آپ عرب وعجم میں شہرت یافتہ، علم وفضل میں ممتاز زمانہ، اسرار شریعت وطریقت کے غواص، دین اسلام کے صحیح مبلغ تھے۔ مجدد کے تمام شرائط پر آپ پورا اترتے ہیں، خلوص وللّٰہیت، علم وفضل، جودت طبع، ذہانت وذکاوت، بلند اخلاق، اعلیٰ

ظرف، یہ تمام اعلیٰ صفات آپ کے اندر جمع تھیں، اسلامی افکار ونظریات کے ناشر، عشق رسول میں کامل، شریعت وطریقت کا سنگم، اسلاف کرام کا اعلیٰ نمونہ، فرائض واجبات اور سنن ومستحبات پر محافظ، اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی سچی تصویر تھے، بحر علم وفن کے غواص، زبان وقلم کے شہنشاہ، صاحب تصانیف کثیرہ، نادرالوجود اور عدیم المثال شخصیت کا نام امام احمد رضا ہے۔ جو صفات کسی مجدد میں ضروری ہیں وہ آپ کی بابرکت اور عظیم شخصیت میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، تجدید واحیاے دین کے لیے رب العالمین ہر صدی میں مجدد دین کو بھیجتا رہا ہے، جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتے اور بدعات وگمراہیاں دور کرتے اور قوم مسلم کو صحیح اسلام سے روشناس کراتے رہے ہیں، اس کی پہلی کڑی حضرت عمر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی تھی، اور درمیان میں مشاہیر شخصیتیں جو اس کام کے انجام دہی کی لیے پیدا ہوئیں، حضرت امام مالک، امام شافعی، امام رازی، امام غزالی، ابوبکر باقلانی، مجدد الف ثانی، اورنگ زیب عالمگیر، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور امام احمد رضا بریلوی اور سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند وغیرہ اس ضمن میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

امام احمد رضا نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولیں یہ پر آشوب زمانہ تھا، انگریز اسلام کی شبیہ بگاڑنے کے لیے ابن الوقت علما کو اپنے ڈالر کے زور سے خرید کر اسلام وسنیت کو پامال کر دینا چاہتے تھے، مراسم اہل سنت پر شرک وکفر کے فتوے لگوا کر آپس میں مسلمانوں کو لڑا کر اپنی حکومت کے تحفظ کی فکر میں تھے، انگریز حکومت کے ذریعہ وہابیت اور نجدیت کے ایجنٹوں کو ہندوستان کے گاؤں گاؤں، شہر شہر پھیلایا گیا تھا، ایسے تاریک ماحول میں ایک مرد مومن امام احمد رضا خاں اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہارا لے کر ان باطل پرستوں، زر خرید غلاموں اور انگریز حکومت سے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی زبان اور نوک قلم کو حرکت دے کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، انگریز اور اس کے وفادار اسمٰعیل دہلوی اور ان کے متبعین علما چلا اٹھے۔ مجدد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ جو لوگ کتاب وسنت پر عمل ترک کر چکے ہوں اور سنتیں مٹ چکی ہوں تو سنتوں کو زندہ کرے، کتاب وسنت پر عمل کرنے کے لیے حکم دے اور باطل پرستوں کے وجود کو ختم کرنے کی کوشش کرے، امام احمد رضا نے یہ کام اپنے تلامذہ اور کثیر تصانیف کے ذریعہ کر کے دکھایا۔

انگریز حکومت نے اسمٰعیل دہلوی اور علماے دیوبند کے ذریعہ جو باطل عقائد پھیلائے تھے ان کے خلاف زبردست جہاد بالقلم فرمایا، ان فتنوں کو کچل کر صحیح اسلامی تصور پیش فرمایا، اسی کو تجدید واحیاے دین کہا جاتا ہے۔ امام احمد رضا نے اہل بدعت وضلالت، قادیانیت ونجدیت، الحادو دہریت کا رد بلیغ فرمایا اور جو اپنے عقائد کفریہ کے سبب کافر تھے انھیں کافر بتایا، جس کی تمام علماے عرب وعجم نے تصدیق فرمائی، جب علماے دیوبند کی ان دین سوز عبارتوں پر سارا عرب وعجم پکارا اٹھا، مفتیان عظام وعلماے کرام لرزا اٹھے، تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ مجدد وقت خاموش رہتا، امام احمد رضا کو اسلام کے انتہائی درد نے بے چین کر دیا اور باطل کی نقاب کشائی فرمائی، اسی کو تجدید واحیاے دین کہتے ہیں، آج عالم اسلام آپ کو مجدد دین وملت کہتا ہے۔

*****

امام احمد رضا کی تحقیقی و تجدیدی خدمات: ایک جائزہ

مفتی محمد احمد حسین نوری: شیخ الحدیث الجامعۃ المدینہ رضا نگر، کشن گنج، بہار

سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو تمام فنون اور مروجہ علوم نقلیہ و عقلیہ پر ملکہ و تبحر ہونے کے ساتھ ساتھ متعدّد فنون پر ان کی معرکۃ الآرا تصانیف بھی موجود ہیں، اعلیٰ حضرت کی تصانیف ایک ہزار سے بھی زائد ہیں، آپ کی تصانیف فقہی و علمی نکت و غوامض کا خزانہ، علوم شریعت و طریقت کا دفینہ اور معارف عقائد اور اسرار تصوف نیز جدید علوم و فنون کا عظیم سرمایہ ہیں، آپ کی مجددانہ شان و شوکت، علمی و روحانی عبقریت اور اجتہادی عظمت و کمال اور مصلحانہ اسلوب آپ کی تصنیفات و تحریرات سے ظاہر و باہر ہے۔ ان سب کو اس مختصر مقالہ میں بیان کرنا تو درکنار ان کا لب لباب اور بعض گوشوں کو ذکر کرنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، اس لیے ان میں سے صرف چند فقہی و علمی انمول تحقیقات اور بعض تجدیدی کارناموں کو اختصاراً ذکر کیا جارہا ہے:

فتویٰ نویسی میں تاریخی کردار:

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی میں وہ اعلیٰ تحقیق و تدقیق، فقہی کمال، علمی بصیرت، اجتہادی استدلال و استنباط اور انتہائی حزم و احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے، جنھیں دیکھ کر دنیائے علم و تحقیق حیرت زدہ ہے، اس لیے مکہ مکرمہ کے ایک عظیم عالم فقیہ جلیل علامہ سید اسماعیل بن سید خلیل محافظ کتب حرم علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کا ایک فتویٰ پڑھ کر فرمایا:

واللہ أقول والحق أقول انه لو رآها ابو حنيفة لأقرت عينه وجعل مؤلفها من جملة الأصحاب. [۱]

آپ کے فقہی کمالات کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال جیسے جہاں دیدہ اور انقلابی فکر و سخن کے حامل شاعر نے حقیقت کا اس طرح اظہار کیا کہ ”ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت اور جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں“۔ [۲]

امام احمد رضا قدس سرہ نے تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کی عمر ہی سے فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا، سب سے پہلا فتویٰ آپ نے رضاعت کے باریک مسئلہ سے متعلق تحریر فرمایا، مؤلف سوانح اعلیٰ حضرت متعلق لکھتے ہیں:

”اسی دن [فراغت] رضاعت سے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا، امام احمد رضا کا جواب بالکل صحیح تھا، والد ماجد قدس سرہ نے ذہن نقاد و طبع و قاد دیکھ کر اسی وقت افتا کا عظیم منصب آپ کے حوالہ کر دیا۔“ [۳]

سبحان اللہ! عمدۃ المتکلّمین کہنہ مشق مفتی نے ایک چودہ سال سے بھی کم عمر کے مفتی کو افتا وقضا کی ذمہ داری سونپ دی جسے اعلیٰ حضرت نے وقت وصال تک بحسن وخوبی نبھاکر اپنے والد ماجد کے اعتماد پر سو فیصد اتر کروہ کارہائے نمایاں اور تحقیقی و تجدیدی خدمات انجام دیے، جنہیں دیکھ کر علمائے محققین وفقہائے زمانہ نے گردنیں جھکادیں، فالحمد للہ علی ذٰلك.

سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ خلوص وللّٰہیت سے بلا معاوضہ ومشاہرہ کے دینی وملی خدمت سمجھ کر ۱۲۸۶ھ سے وقت وصال تک مسلسل فتاویٰ لکھتے رہے، فتویٰ نویسی کے ساتھ ساتھ درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور دیگر خدمات بھی انجام دیتے رہے، آپ کا ہر فتویٰ دلائل وبراہین سے پر ہوتا ہے، قرآنی آیات واحادیث مبارکہ کے ساتھ اقوال ائمہ وفقہاو عقلی دلائل کی فراوانی جو امام اہل سنت کے فتاویٰ میں ہیں، دیگر کتب فتاویٰ میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ آپ کے فتاویٰ بارہ جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ کے نام سے موسوم ہیں۔ جدید ترتیب، تصحیح، ترجمہ، تخریج اور حواشی کے ساتھ جب بارہ جلدیں پھیلائی گئیں تو بتیس جلدیں ہوگئیں، کثیر مشاغل دینیہ کے ساتھ اتنے فتاویٰ لکھنا کسی کرامت سے کم نہیں ہے۔ فتویٰ نویسی میں آپ کی سرعت قلم کا عالم یہ تھا کہ کبھی مسودات کو چار نقل کرنے والے بیک وقت نقل کرتے جاتے، یہ فارغ بھی نہ ہو پاتے کہ پانچواں صفحہ تیار ہوجاتا اور ایک ایک وقت میں چار، پانچ سو استفتا اکٹھا ہوجاتے۔

فتاویٰ کی کثرت اور استفتا کرنے والوں سے متعلق خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

”فقیر کے یہاں علاوہ دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے، شہر و دیگر بلاد وامصار جملہ اقطار ہندوستان، بنگال، پنجاب، ملیبار، برہما وار کاٹ وچین وغزنی وامریکہ وافریقہ حتی کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتا آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجاتے ہیں۔“[۴]

سبحان اللہ! پوری دنیا سے کسی مفتی کے پاس اس قدر سوالات واستفتا کا آنا اور بیک روز اتنے استفتا کا جمع ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ سرکار اعلیٰ حضرت مرجع علمائے عرب وعجم تھے۔ اور ہر ایک اپنے مسائل کی صحیح تحقیق وتنقیح ان ہی سے کروانے میں قابل استناد جانتے۔

دوسرا عظیم کارنامہ: جدالممتار

فقہ وافتا کی بنیادی مآخذ اور مقبول کتاب ردالمحتار معروف بہ فتاویٰ شامی پر امام احمد رضا کا عمدہ حاشیہ وشرح ہے جو آپ کی فقہی بصیرت واعلیٰ تحقیق کا شاہکار ہے، جس سے آپ کی اجتہادی بصیرت، محققانہ جامعیت، استحضار علمی، وسعت مطالعہ اور دقت نظری کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، یہ عظیم فقہی سرمایہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں اعلیٰ حضرت نے کثیر مسائل کو منقح فرمایا ہے، بعض مقامات پر علامہ شامی علیہ الرحمہ کے تسامحات کی نشاندہی فرماکر عمدہ اسلوب میں حل فرمایا ہے اور کثیر متعارض اقوال پر مطابقت کی صورت بھی ظاہر کی ہے۔[۵]

تیسرا عظیم کارنامہ: کنزالایمان:

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن، یہ قرآن کریم کا عمدہ ترجمہ اور اہم کارنامہ ہے، قرآن مجید کے سارے تراجم میں سب سے نمایاں اور امتیازی شان کا حامل یہ ترجمہ ہے۔ بازار میں قرآن مجید کے بعض ایسے تراجم منظر عام پر آگئے تھے جو اسلوب قرآن اور مستند تفاسیر کی روشنی میں غلط تھے، جن سے عوام بہک رہی تھی، خصوصا وہابی، دیوبندی ترجمۂ قرآن کی آڑ میں اپنے باطل عقائد کو پھیلارہے تھے، لوگوں کو قرآن حکیم کا صحیح ترجمہ ومفہوم کنزالایمان ہی سے معلوم ہوا، اس ترجمہ کی خوبیوں کو ادیب شہیر مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب مختصر جملے میں بیان کرتے ہیں:

''امام احمد رضا قادری نے عشق ومحبت کی زبان میں قرآن حکیم کا ایک ترجمہ کیا ہے جو علمی، ادبی اور اعتقادی ہر حیثیت سے معیاری اور قرآن کی حقیقی جھلک کا آئینہ دار ہے، صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت کے شدید اصرار پر ۱۳۲۰ھ / ۱۹۱۱ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا، جس کا نام ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' رکھا گیا۔ کتب تفسیر ولغت وغیرہ دیکھے بغیر آپ زبانی فی البدیہہ برجستہ بولتے جاتے اور صدرالشریعہ اسے لکھتے جاتے، بعد میں جب صدر الشریعہ و دیگر علمائے کرام اس ترجمہ کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے کہ یہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق اور ان کا ترجمان ہے۔[۶]

امام احمد رضا کے ترجمہ میں عقائد اسلامیہ کی پاسداری اور شریعت اسلامیہ کا بھرپور لحاظ واحتیاط ہے، گویا یہ ترجمہ کسی ترجمے کی ترجمانی نہیں ہے بلکہ انتہائی جامع اور موزوں ترین ترجمہ ہے۔ زبان وادب کے ماہر جناب ملک شیر محمد خاں اعوان اس ترجمہ کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کنزالایمان''قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ ہے جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے، مقام حیرت واستعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی ہے۔ اس طرح گویا لفظ ومحاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ امام احمد رضا نے ترجمہ کے سلسلے میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدّد معنوں میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق وسباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق ومعارف کے وہ اسرار ومعارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے، یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے، اس ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ہر مقام پر انبیاے عظام علیہم السلام کے ادب واحترام اور عزت وعصمت کو بطور خاص ملحوظ رکھا گیا ہے۔[۶]

جس رخ سے بھی جائزہ لیا جائے بلا شبہہ کنزالایمان انتہائی جامع و موضوع ترین ترجمہ ہے اور دیگر تراجم سے لفظی ومعنوی خوبیوں میں ممتاز ونمایاں ہے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن مع خزائن العرفان کو مساجد ومدارس میں زیادہ سے زیادہ پہنچایا جائے۔ فقیر راقم السطور نے خصوصا بنگال وبہار کی مسجدوں کا جائزہ لیا تو وہاں کنزالایمان نہیں

ہے، بلکہ بعض مسجدوں میں دوسرے ترجمے ہندی واردو زبان میں موجود ہیں، اس لیے اگر علماے دیناج پور اس امر کی طرف بھی توجہ دیں تو اچھا دینی واصلاحی کام ہوگا، واللہ الموفق والمعین.

ایک عظیم شاہ کار: کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم:

یہ رسالہ بھی امام احمد رضا کی فقہی تحقیق کا بہترین شاہ کار ہے، اسے امام احمد رضا نے مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر تحریر فرمایا، جس کا پس منظر یہ ہے: مکہ مکرمہ کے دو پرانے علما شیخ عبداللہ میرداد امام حرم اور ان کے استاذ مولانا حامد محمد جداوی نے کاغذ کے نوٹ کے بارے میں بارہ سوالات اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیے، سرکار اعلیٰ حضرت نے بڑی سرعت کے ساتھ دیڑھ دن سے کم میں ان کے جوابات مکمل کرلیے اور ۲۳؍محرم ۱۳۲۴ھ کو یہ رسالہ مکمل ہوگیا۔ جب یہ رسالہ علماے حرمین شریفین کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، ان علما کی تاثراتی کیفیت کی تصویر کشی خود امام احمد رضا ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ علماے حرمین شریفین نے اس رسالے کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی نقلیں لیں۔[۸]

علماے حرمین امام احمد رضا کی تحقیق انیق سے لبریز تحریروں سے بہت زیادہ متاثر تھے، ان لوگوں نے تحریرات اعلیٰ حضرت کی کھلے دل سے تصدیق کی ہے: دیوبندی مکتب فکر کے بڑے عالم نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، صاحب نزہۃ الخواطر کے فرزند اپنے اضافے میں لکھتے ہیں: انہوں نے علمی مباحثے کیے اور حرمین کے قیام کے دوران بعض رسائل تالیف کیے اور چند ایسے مسائل کے جوابات دیے جو علماے حرمین کے سامنے پیش ہوئے تھے، اس طرح وہ علما ان کے غیر معمولی علم اور مسائل فقہیہ اور مسائل خلافیہ پر ان کی وسیع نظر اور سرعت تحریر وذہانت سے بہت متاثر ہوئے۔[۹]

الدولة المكية بالمادة الغيبية:

امام احمد رضا کے پاس مکۃ المکرمہ میں مسئلہ علم غیب پر چند سولات پیش کیے گئے، پیش کردہ سوالات کے جوابات قرآن حکیم کی آیات کریمہ، احادیث مبارکہ واقوال ائمہ وفقہا سے لبریز محققانہ وفاضلانہ دیے کہ منکرین حیرت زدہ رہ گئے اور علماے حرمین نے دادوتحسین سے نواز کر کلمات تائید وتقریظات لکھیں، ایسی مدلل ومبرہن کتاب حضور اعلیٰ حضرت نے صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں تصنیف کی، وہ بھی حالت سفر میں، اس وقت معاون کتب بھی ساتھ نہیں تھیں، اس سے امام احمد رضا کے استحضار علمی وتبحر کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں، الدولۃ المکیۃ کی تائید میں حرمین شریفین کے علما وفقہا نے جو تقریظات لکھی ہیں، یہ تمام تقریظات ”الفیوضات المکیۃ“، حسام الحرمین، ”امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں“، ”عالم اسلام کی عبقری شخصیت :امام احمد رضا“ اور ”فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں“ وغیرہ میں ہیں، اہل ذوق ان کتابوں سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

فتاویٰ الحرمین: ایک عظیم سرمایہ:

امام احمد رضا بریلوی نے اس معرکۃ الآرا کتاب کو ۲۰ رگھنٹے میں تحریر کیا ہے ۔یہ ندوۃ العلما کے بارے میں

۲۸؍ سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، جو چالیس صفحات میں پھیلی ہوئی ہے، جسے علماے حرمین کے سامنے پیش کیا گیا تو اس پر ۱۶؍ مکۃ المکرمہ کے اور ۷؍ مدینہ منورہ کے علماے کرام نے اپنی اپنی تقاریظ اور تصدیقات ثبت کیں، اس کتاب میں وہابی، دیوبندی کے عقائد باطلہ کا رد دلائل کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

ان معرکۃ الآراء مستند و مقبول تحریری و تجدیدی کارناموں کے علاوہ آپ کی پچپن سے زائد علوم و فنون میں مستند کتب و رسائل اور اہم تحریری کارنامے موجود ہیں، بعض فنون میں آپ نے ایسی جامع کتب و رسائل تصنیف کیں جنہیں دیکھ کر علماے عصر نے آپ کو اس فن کا موجد بھی قرار دیا ہے۔ فن تخریج احادیث میں آپ کی کتاب "الروض البہیج فی آداب التخریج" پر مولانا رحمٰن علی خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر اس فن [فن تخریج حدیث] میں اور کوئی کتاب نہ ہو تو مصنف کو اس تصنیف کا موجد کہا جا سکتا ہے"۔[۱۰]

امام احمد رضا قدس سرہ دینی و دنیاوی علوم کے حسین سنگم تھے، جہاں آپ نے علم فقہ، تفسیر، حدیث، عقائد، کلام، تصوف، اصول حدیث، اسماء الرجال، فرائض، سلوک، مناظرہ، رسم المفتی، تجوید، علم جفر، سیر اور جرح و تعدیل وغیرہ میں علمی، اصلاحی تصنیفات و نگارشات چھوڑ کر دینی و تجدیدی خدمات انجام دی ہیں وہیں دنیاوی علوم مثلاً توقیت، ریاضی، لوگارثم، علم مثلث، ہیأت،، جبر و مقابلہ اور منطق و فلسفہ میں بھی تحقیقی تصنیفات لکھ کر تجدید و تحقیق کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، آپ کی تمام تصنیفات و تحقیقات مشعل راہ ہدایت ہیں۔

چند اور تحقیقی و تجدیدی کارنامے:۔

آپ نے صلابت دینی، قوت ایمانی، مجاہدانہ عزیمت و استقامت، مجددانہ شان و شوکت اور علمی و فقہی بصیرت سے تجدید دین و ملت اور احیاے سنت و اماتت بدعت کا عظیم فریضہ انجام دے کر اپنے دور میں اٹھنے والے تمام فتنوں کا قلع قمع کیا اور فرقہاے باطلہ کے باطل عقائد و نظریات کے مدلل جوابات دے کر کروڑوں مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت و صیانت کا فریضہ انجام دیا۔

صاحب زادہ حضرت محمد طیب صاحب دربار عالیہ قادریہ شنالو شریف سری کوٹ ہزارہ نے امام احمد رضا کی تجدیدی خدمت و استیصال بدعت پر حقیقت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے:

"فرق باطلہ کی فتنہ سامانیاں، بے ادبیاں اور عقائد فاسدہ نے جب طوفان کی شکل اختیار کی تو اعلیٰ حضرت کی تحریرات نے کشتی نوح علیہ السلام کی طرح حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اپنی آغوش میں لے لیا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریاے رحمت سے فیض یاب فرمایا"۔[۱۱]

امام احمد رضا کا قلم حقیقت رقم جس فن پر اٹھا تحقیق و تدقیق کا دریا بہا دیا، آپ نے جس موضوع پر خامہ فرسائی کی دلائل و براہین کے انبار لگا دیے، فرقہاے باطلہ کے عقائد و نظریات کی تردید پر آپ کا قلم ایوان دیوبندیت و نجدیت و قادیانیت و رافضیت

وغیرہ پر برق خاطف بن کر گرا، انگریزوں نے عظمت اسلام کو کمزور کرنے اور توہین رسالت کے لیے جو فضا قائم کی اس سے وہابیت و دیوبندیت اور ان جیسے فتنے پیدا ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے ان تمام فتنوں کی تردید میں بڑی مدلل کتابیں تصنیف کیں۔

جب وہابی دیوبندی فتنے نے مسلمانوں کے قلوب واذہان سے خوف الٰہی وعشق رسول اور محبت اولیا ختم کرنے کی ناپاک کوشش کی تو اعلیٰ حضرت نے ان دونوں فتنوں کی بیخ کنی کے لیے درجنوں کتابیں تصنیف کیں، مثلاً المعتمد المستند، الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، حسام الحرمین، السعی المشکور، سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح، الفرق الوجیز بین السنی العزیز والوہابی الرجیز وغیرہ لکھ کر ان فتنوں کا سد باب فرمایا۔

قادیان کی زمین سے جب مرزا غلام احمد قادیانی نے فتنہ پھیلانا شروع کیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امام احمد رضا نے اس کے خلاف اپنے تیغ قلم سے۔ ”السوء والعقاب علی المسیح الکذاب، جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ، اور المبین ختم النبیین وغیرہ جیسی معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف فرماکر اس کا رد بلیغ فرمایا اور ایک مستقل رسالہ بنام قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان بریلی شریف سے جاری فرماکر کروڑوں مسلمانوں کو اس کے دام فریب سے بچایا۔

ندویت نے جب اپنی سیاست کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے تجدد کے بال وپر نکالے اور نیچریت وصلح کلیت کو فروغ دینا شروع کیا تو آپ نے جہاد بالقلم وجہاد باللسان سے ان کا بھرپور تعاقب کیا اور نصف صدی تک اس کی زبردست تردید فرماکر اسے لا جواب کردیا اور اس کے عقائد باطلہ وخیالات فاسدہ کی تردید میں المعتمد المستند، العقائد والکلام، مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ، الصمصام الحیدری علیٰ حمق العیار المفتری، حاشیہ شرح فقہ اکبر وغیرہ لکھ کر اس کا رد بلیغ فرمایا اور خصوصاً فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین لکھ کر اس کی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیا۔

رافضیت وشیعیت جب متعدّد طریقے سے پھیلنے لگی اور توہین رسالت وگستاخی صحابہ کرنے لگی تو آپ نے ان دونوں فتنوں کی بھرپور سرکوبی فرمائی اور ان کے رد میں۔ ”الجرح الوالج فی بطن الخوارج، دفعۃ الباس، طعمۃ الشمعۃ، الادلۃ الطاعنہ، ردالرفضۃ اور مطلع القمرین“ وغیرہ جیسی معرکۃ الآرا کتابیں لکھ کر ان کے تقیہ اور تبرا کی قلعی کھول دی۔

تصوف وسلوک کی آڑ میں جب متصوفین نے شریعت سے کھلواڑ کرنا شروع کیا اور طریقت کو شریعت سے الگ بتاکر گمراہی ونفس پرستی کو بڑھاوا دینے کا سلسلہ شروع کیا تو اعلیٰ حضرت نے ایسے گمراہ صوفیوں کی بھرپور اصلاح فرمائی اور لوگوں کو شریعت وطریقت کا حقیقی تعلق بتایا اور تصوف وروحانیت کی صحیح خدوخال سے آگاہ کرتے ہوئے اس میدان کے مراتب ومنازل اور اسرار ومعارف سے بھی بندگان خدا کو روشناس کراکر تجدیدی کارنامہ انجام دیا، اس فن میں آپ کی درج ذیل تصانیف ہیں:

مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء، الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ، الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ، کشف حقائق و اسرار دقائق، التلطف بجواب مسائل التصوف، نقاء السلافۃ فی البیعۃ والخلافۃ وغیرہ۔

فلاسفہ ومناطقہ کے بعض اصول اسلام سے متصادم تھے، آپ نے ان دونوں علموں کے انحرافات وضلالات سے

لوگوں کو آگاہ کیا اور ان کے بعض مزعومات کی دلائل و براہین کی روشنی میں تردید فرمائی، چنانچہ فلسفہ قدیمہ کے رد میں آپ نے الکلمة الملهمة تحریر فرمائی جس میں فلاسفہ کے باطل نظریات کی تردید کرتے ہوئے الجزء الذی لا یتجزیٰ کے اثبات میں قرآن واحادیث سے دلیلیں دیں۔ فلسفہ جدیدہ کے رد میں آپ نے فوز مبین در رد حرکت زمین لکھ کر ۱۰۵؍ دلائل اور فاضلانہ تحقیق سے حرکت زمین کے نظریہ کو فاسد قرار دیا، علاوہ ازیں دیگر مزعومات فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا بھرپور تعاقب فرماکر اہم تجدیدی خدمت انجام دی، اس فن میں آپ کی دیگر تصانیف یہ ہیں:

معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین، نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، حاشیہ شمس بازغہ عربی، حاشیہ اصول طبعی، حاشیۂ ملا جلال۔

بعض سیاسی و تبلیغی تحریکوں نے جب اپنی تنظیم و تحریک اور مشن کے ذریعے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تو آپ نے ان سب کی تردید فرمائی اور مسلمانوں کو ان کی ضلالتوں و ریشہ دوانیوں سے حق و صداقت کی طرف رہنمائی فرمائی، باطل تحریکوں و تنظیموں کے رد و ابطال میں آپ نے دوام العیش فی الائمة من قریش، الحجة المؤتمنة، انفس الفکر في قربان البقر، کیفر کردار آریہ اور کیفر کفران نصاریٰ وغیرہ لکھ کر بندگان خدا کی رہنمائی فرمائی۔

جب بعض فرقوں کی طرف سے اور کچھ کم پڑھے لکھے لوگوں کی نادانی وغفلت کی وجہ سے خرافات و بدعات کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور بعض پڑھے لکھے حضرات بھی متعدّد محرمات و منکرات میں ملوث ہونے لگے تو اعلیٰ حضرت نے جابجا اپنی تصنیفات و تحریرات میں بدعات و خرافات کی تردید فرمائی اور ان کی قباحت و شناعت کو واضح کر کے مسلمانوں کو دور رہنے کی تلقین کی ہے، چناں چہ سجدۂ تعظیمی کے موضوع پر آپ نے "الزبدة الزکیة لتحریم سجود التحیة" لکھا، مزارات پر عورتوں کی حاضری کی مذمت میں "جمل النور لنهی النساء عن زیارة القبور" تصنیف فرمائی، مروجہ تعزیہ داری کی قباحت میں رسالہ تعزیہ داری لکھا، مزامیر کے ساتھ قوالی کی خرابی وغیرہ کا تذکرہ آپ نے اپنے فتاویٰ میں کیا، بدعات و خرافات کی تردید میں آپ کے فتاویٰ و دیگر کتب و رسائل دلائل و براہین سے لبریز ہیں۔

امام احمد رضا کی لازوال تجدیدی خدمات اور احیاے سنت و ابطال بدعت و ضلالت کو دیکھ کر عرب و عجم کے علما و فقہا اور مشایخ نے فرمایا کہ وہ آیة من آیات الله معجزة من معجزات رسول الله، چشمۂ فیوض صحابہ و تابعین، نائب غوث اعظم، مظہر امام اعظم، سرکار غریب نواز کی کرامت، اولیاے کرام کی روحانی طاقتوں کا مظہر، سادات کرام علیہم الرحمۃ و الرضوان کا تحفہ، سنیت کی علامت اور حقانیت کی پہچان ہے۔

اسی لیے اب ان کی مقدس ذات اہل سنت کی پہچان و نشانی اور حق و باطل کو پرکھنے کے لیے صحیح کسوٹی ہے، اسی لیے علما، فقہا اکابر و مشایخ نے امتیاز اہل سنت کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگایا، بلاشبہہ مسلک اعلیٰ حضرت ہی مسلک اہل سنت کا صحیح ترجمان و علامتی نشان ہے اور اس دور پر فتن میں سب سے محفوظ پناہ گاہ صرف اور صرف مسلک اعلیٰ حضرت ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ قابل مبارک ہیں مفتی ساجد رضا صاحب

مصباحی زید مجدہ اور مولانا مظفر حسین صاحب و مولانا شارب ضیا مصباحی صاحب اور دوسرے ان کے رفقا و معاونین کہ ان لوگوں نے اپنے علاقے میں مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کے لیے سیمینار رکھا، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے علم و عمر میں برکتیں نازل فرمائے، آمین۔

ماخذ و مصادر

[۱] الاجازات المتینۃ، ص:۹

[۲] ڈاکٹر عابد احمد علی بحوالہ عالم اسلام کی عبقری شخصیت

[۳] سوانح اعلیٰ حضرت، از علامہ بدر الدین قادری

[۴] فتاویٰ رضویہ

[۵] عالم اسلام کی عبقری شخصیت: امام احمد رضا [ملخصا]

[۶] امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں

[۷] المیزان: امام احمد رضا نمبر

[۸] کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم

[۹] نزہۃ الخواطر

[۱۰] تذکرۂ علمائے ہند

[۱۱] امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں [مفہوما]

*****

امام احمد رضا اور اصلاح امت

مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی: نوری دارالافتاء بھیونڈی، مہاراشٹر

مجدد اسلام امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ، سرزمین ہندوستان کی ایک عظیم انقلاب آفریں شخصیت کا نام ہے۔ آپ نے جہاں بدمذہبوں کے رد وابطال اور گستاخان خدا اور رسول کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے مناظرین کی ٹیم تشکیل دی، شرعی مسائل کے حل کے لیے فقہا کی کھیپ تیار کی اور امت مسلمہ میں دین وسنیت کا پیغام عام کرنے کے لیے داعیان اسلام پیدا کیے، وہیں خود بھی مسند رشد وہدایت پر متمکّن ہو کر دنیا کے لوگوں کو دین وسنیت کا پیغام عطا کیا، آپ کی تصنیفات وتالیفات اور آپ کے اقوال وفرامین میں اصلاح امت سے متعلق روشن تعلیمات اور پاکیزہ ہدایات بخوبی پائی جاتی ہیں، آپ کی تحریرات کو پڑھ کر ایک منصف مزاج، عدل پرور اور عدل پسند آدمی یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اصلاح امت کے حوالے سے جو عظیم خدمات انجام دی ہیں، وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ یقیناً کفر والحاد، فسق وفجور اور ضلالت وگمرہی کے زمانے میں بلا خوف لومۃ لائم آپ کا قلم ہر گھڑی سیال رہا اور فرزندان اسلام کی اصلاح فرما کر انہیں شاہراہ ترقی پر لا کر کھڑا کر دیا۔ ذیل میں آپ کی تصنیفات وتالیفات اور اقوال وفرمودات سے ”اصلاح امت“ کے تحت چند حوالہ جات اور اقتباسات بطور نمونہ قارئین کی نذر ہیں۔

پیر کے سامنے بے پردہ ہونا:

اسلام میں پردے کی بڑی اہمیت ہے، پردہ خواتین اسلام کی ضرورت بھی ہے اور حسن بھی، بلا وجہ شرعی اپنی ستر کسی کے سامنے کھولنا سخت حرام ہے اور اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث بھی۔ ستر پوشی فرض ہے لیکن آج کل کچھ ایسے جہلا پیر ہیں جو شریعت وطریقت کو الگ بتا کر اپنی جیب بھرتے اور خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کرتے نظر آتے ہیں۔ جو دوشیزاؤں اور عورتوں کو تنہائیوں میں بلا کر خدمتیں کرواتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے پیر کے سامنے بے پردہ ہونے کا سوال آیا تو آپ نے فرمایا:

”پردہ کے باب میں پیر اور غیر پیر ہر اجنبی کا حکم یکساں ہے۔ جوان عورت کو چہرہ کھول کر بھی سامنے آنا منع ہے ”فی الدر المختار تمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین الرجال لخوف الفتنة،، اسی میں ہے ”امافی زماننا

فمنع من الشابة قهستاني“ اور بڑھیا کے لیے جس سے احتمال فتنہ نہ ہو مضائقہ نہیں۔فیه ایضا اما العجوز التی لاتشتھی فلابأس بمصافحتها و مس یدھا ان امن،، مگر ایسے خاندان کی نہ ہو جس کا یوں بھی سامنے آنا،اس کے اولیا کے لیے باعث ننگ وعار یا خود اس کے واسطے وجہ انگشت نمائی ہو۔ فانا قد امرنا ان ننزل الناس منازلهم کما فی حدیث ام المومنین الصدیقة رضی الله تعالیٰ عنها و فی حدیث مرفوع: ایاك و مایسوء الاذن خصوصًا جب کہ اس کے سبب جانب اقربا سے احتمال ثوران فساد ہو فان الفتنة اکبر من القتل،، ۔[فتاویٰ رضویہ ۱۰۲/۹]

دیور، بہنوئی، چچا، ماموں، پھوپھا اور خالازاد بھائی سے پردہ:

آج کل سالیوں کا بہنویوں اور بہنویوں کے بھائیوں کے ساتھ ، یوں ہی اپنے چچا، خالو ، مامو، پھوپھا کے لڑکوں کے ساتھ ،لہو ولعب، ہنسی مذاق عام بات ہے ، جسے نہ لڑکے کے والدین ننگ وعار سمجھتے ہیں اور نہ ہی لڑکی کے والدین۔ حالاں کہ اسلام میں اس کی سختی سے مذمت وارد ہے۔ آج کل جو تفریح و مذاق رائج ہے، اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔اعلیٰ حضرت اس کے متعلق فرماتے ہیں:

”جیٹھ، دیور، بہنوئی، پھوپھا، خالو، چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد، بھائی یہ سب لوگ عورت کے لیے محض اجنبی ہیں بلکہ ان کا ضرر نرے بے گانے شخص کے ضرر سے زائد ہے کہ محض غیر آدمی گھر میں آتے ہوئے ڈرے گا اور یہ آپس کے میل جول کے باعث خوف نہیں رکھتے ۔ عورت نرے اجنبی شخص سے دفعۃً میل نہیں کھا سکتی، اور ان سے لحاظ ٹوٹا ہوتا ہے ولہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر عورتوں کے پاس جانے کو منع فرمایا، ایک صحابی انصاری نے عرض کی ۔ یارسول اللہ جیٹھ دیور کے لیے کیا حکم ہے ؟ فرمایا: الحمو موت یعنی جیٹھ دیور تو موت ہیں،، [فتاویٰ رضویہ ۱۹۶/۹]

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا:

بعض علاقوں میں لوگ اتنا مہر مقرر کرتے ہیں کہ کبھی ادا کرنے کا تصور ہی نہیں ہوتا ہے، اس مناسبت سے یہ محاورہ بے جا نہ ہوگا، مد رجلیك علیٰ قدر بساطك یعنی جتنی چادر ہو اتنا ہی پیر پھیلاؤ۔ شریعت اسلامیہ میں مہر اتنا ہی مقرر کرنا چاہیے جتنے کی استطاعت ہو۔ زیادتی مہر بہ نیت تفاخر ہو تو حرام ہے۔ امام اہل سنت کے دربار میں دور حاضر کی اس بے راہ روی کے متعلق جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

”نکاح میں [تو] کوئی نقص نہیں مگر ایسا خیال عنداللہ سخت قبیح وشنیع ہے یہاں تک کہ حدیث میں ارشاد ہوا جو مرد و عورت نکاح کریں اور مہر کے دینے لینے کی نیت نہ رکھیں یعنی اسے دین نہ سمجھیں وہ روز قیامت زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے ۔،، [فتاویٰ رضویہ ۵۰۹/۵]

کندھوں سے دراز زلف رکھنا:

آج کل بعض نوجوان فیشن کے طور پر بڑے بڑے بال رکھتے ہیں اور بعض حضرات جو اپنے کو صوفی کہتے ہیں اور علم

شریعت سے کچھ بھی واقف نہیں، وہ بھی کندھوں سے زیادہ رکھتے ہیں، اسے جب کہا جائے تو کہتا ہے یہ صوفیوں کا طریقہ ہے۔ جب کہ صوفیوں کا کوئی بھی طریقہ شریعت سے جدا نہیں ہے اور جو جدا مانتے ہیں وہ صوفی نہیں بلکہ گمراہ ہے۔ حدیث پاک میں ”المتعبد بغیر الفقه کالحمار فی الطاحون.“[بغیر علم شریعت کے عابد ایسا ہے جیسا کہ چکی کا گدھا]۔امام مالک فرماتے ہیں:”من تفقه ولم یتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم یتفقه فقد تزندق ومن جمع بینهما فقد تحقق،،[جس نے علم شریعت حاصل کیا مگر اس پر عمل نہیں کیا تو فاسق ٹھہرا اور جس نے تصوف کی راہ لی اور علم شریعت حاصل نہیں کیا، یقیناوہ زندیق یعنی گمراہ ٹھہرا اور جس نے علم اور عمل دونوں کو جمع کیا حقیقت میں حق تک وہی پہنچا]۔ نصف کان سے کندھوں تک بال بڑھانا جائز ہے اور اس سے زیادہ مرد کو حرام ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی سے کندھوں سے زیادہ بال کے متعلق سوال ہوا تو آپ لکھتے ہیں:

”ہاں نصف کان سے کندھوں تک بڑھانا شرعاً جائز ہے اور اس سے زیادہ بڑھانا مرد کو حرام ہے۔ خواہ فقرا ہوں خواہ دنیادار، احکام شرع سب پر یکساں ہیں۔ زیادہ میں عورتوں سے تشبہ ہے اور صحیح حدیث میں لعنت فرمائی ہے اس مرد پر جو عورت کی وضع بنائے اور اس عورت پر جو مرد کی وضع بنائے اگر چہ وہ وضع بنانا ایک ہی بات میں ہو۔ جو لوگ چوٹی گندھواتے یا جوڑا باندھتے یا کمر یا سینہ کے قریب تک بال بڑھاتے ہیں، وہ شرعاً فاسق معلن ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یعنی پھیرنا واجب، اگر چہ پڑھے ہوئے دس برس گزر گئے ہوں، اور یہ خیال کہ باطن صاف ہونا چاہیے ظاہر کیسا ہی ہو محض باطل ہے۔ حدیث میں فرمایا کہ اس کا دل ٹھیک ہوتا تو ظاہر اپنے آپ ٹھیک ہو جاتا۔“[فتاوی رضویہ، ج:۱۶، ص:۴۳۰ مطبع، امام احمد رضا اکیڈمی]

الملفوظ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

”مرد کو چوٹی رکھنا حرام ہے اگر چہ کچھ فقیر رکھتے ہیں، کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالی کی لعنت ہے ایسے مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کریں“۔[الملفوظ حصہ دوم، ص:۲۲۶]

مسجد میں دنیاوی باتوں کا حکم:

جہاں بہت سی خرابیاں مسلم معاشرہ میں پیدا ہو گئی ہیں، وہیں ایک بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ آج کل لوگ مسجدوں میں باہم جمع ہو کر دنیاوی باتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں جب کہ یہ جائز نہیں۔اعلی حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

””مسجد میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا، نیکیوں کو کھاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو، فتح القدیر میں ہے ”الکلام المباح فیه مکروه یاکل الحسنات“ مسجد میں کلام مباح بھی مکروہ ہے اور وہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔اشباہ میں ہے:”انه یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب“ بے شک وہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ امام ابو عبد اللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی:”الحدیث فی المسجد یاکل الحسنات کما تاکل البهیمة الحشیش“ مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔ غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے ”من تکلم فی المساجد بکلام الدنیا احبط الله تعالی عنه اربعین سنة“جو مسجد میں دنیا کی بات کرے، اللہ تعالی اس کے چالیس

برس کے اعمال اکارت فرمادے گا۔

پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں:

”جولوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں، ان کے منھ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ جب مباح وجائز بات بلاضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں، تو حرام وناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا۔“ [فتاوی رضویہ، ج:۶، ص:۴۰۳]

محرم اور صفر میں نکاح:

نکاح کسی بھی مہینے میں کر سکتے ہیں، اس کے لیے شریعت میں کوئی ممانعت نہیں اور یہ جو بعض جاہل مسلمانوں میں مشہور ہے کہ محرم اور صفر کے مہینوں میں شادی نہیں کرنی چاہیے، یہ سب بے بنیاد ہے، امام اہل سنت نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ محرم اور صفر میں بھی نکاح جائز ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

”نکاح کسی مہینے میں منع نہیں یہ غلط مشہور ہے۔“ [ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص:۱۷]

سیاہ خضاب کا رواج:

عصر حاضر میں لوگوں میں یہ وبا بہت عام ہوگئی ہے کہ بال تھوڑے سفید ہوئے نہیں کہ خضاب لگانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کے استعمال میں کچھ قباحت نہیں سمجھتے، جب کہ یہ تغییر خلق اللہ میں آتا ہے، ہاں صرف جہاد میں اس کی اجازت تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

”مہندی میں اتنا تیل ملانا جس سے رنگ سیاہ آئے، حرام ہے۔ قیامت کے دن ان کے منہ کالے کیے جائیں گے حدیث میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ”من اختضب بالسواد، سود اللہ وجھہ یوم القیامۃ“ جو سیاہ خضاب (استعمال) کرتے ہیں، قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کا منھ سیاہ کرے گا۔“ [فتاوی رضویہ:۹، نصف آخر ۱۰۶/۱۵۵]

الملفوظ ج دوم ص:۲۳۷ پر آپ نے سیاہ خضاب کے بارے میں فرمایا:

”خضابِ سیاہ یا اس کے مثل حرام ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے ”غیروا ھذا بشیء واجتنبوا السواد“ اس سفیدی کو بدل دو اور سیاہی کے پاس نہ جاؤ۔ سنن نسائی شریف کی حدیث میں ہے ”الصفرۃ خضاب المومن والحمرۃ خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر“ زرد خضاب مومن کا ہے اور سرخ خضاب مسلم کا اور سیاہ خضاب کافر کا ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ دیکھو فرعون کا ہے میں ڈوبا؟ نیل میں، یہ لوگ بھی نیل میں ڈوبتے ہیں۔ سیاہ خضاب صرف مجاہدین کو جائز ہے جیسے جنگ میں رجز پڑھنا، اور خود ستائی ان کو جائز ہے، اکڑ کر چلنا ان کو جائز ہے، ریشمی بانے کا دبیز لباس ان کو پہننا جائز ہے، چالیس دن سے زیادہ لبیں اور چہرے کے بال اور ناخن بڑھانا ان کو جائز ہے، اوروں کو یہ سب باتیں حرام ہیں، فوجی قانون عام قانون سے جدا ہوتا ہے، اس میں سیاہ خضاب داخل ہے، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ مجاہد تھے،

انہیں جائز تھا،[لیکن]تم کو حرام ہے۔"

غیر مسلموں کے تہوار کے موقعے پر انہیں مبارکباد دینا:

بعض مسلم، غیر مسلموں کو ان کے تہوار کے موقعے پر گفٹ[تحفہ] دیتے ہیں اور مبارک باد بھی۔ جب کہ دیوالی ہو یا ہولی، گن پتی ہو یا دسہرا وغیرہ یہ سب غیر مسلموں کے مذہبی تہوار ہیں۔ امام احمد رضا نے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ ان سب مواقع پر مبارک باد دینا حرام اشد حرام بلکہ منجر الی الکفر ہے اور اس کی تحسین[اچھا سمجھنا]صریح کفر ہے۔ غمز العیون کے حوالے سے فتاویٰ رضویہ ج۶/ص۵۰/ میں ہے:"من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر"

بیوی کا دودھ شوہر کے منھ میں چلا جائے تو کیا حکم:

سماج میں یہ بات بری سمجھی جاتی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پستان میں منہ لگائے جب کہ دوران ملاعبت منھ لگانا جائز ہی نہیں بلکہ نیت حسن ہو تو مستحق اجر بھی، البتہ قصداً بیوی کا دودھ پینا ناجائز و حرام، لیکن نکاح میں کچھ خلل نہ آئے گا، بلکہ نکاح بدستور باقی رہے گا، اور ایسی عورت جسے بکثرت دودھ آتا ہو اور شوہر کو یہ خدشہ ہو کہ اگر پستان منھ میں لے گا تو دودھ حلق تک پہنچ جائے گا تو اس صورت میں پستان کو منھ میں لینا مکروہ ہے اور اگر پستان منھ میں لیتے وقت اتنی احتیاط برتنے پر قادر ہو کہ دودھ حلق تک نہ پہنچے تو حرج نہیں کہ رضاعت کی مدت دو سال ہے۔ ڈھائی سال کی عمر کے بعد بچے کا دودھ پینا اور عورت کا پلانا اگرچہ حرام ہے مگر اس سے نکاح کی حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

امام اہل سنت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"[عورت] اگر ذات لبن یعنی دودھ والی ہو اور اس کا لحاظ رکھے کہ دودھ کا کوئی قطرہ اس کے حلق تک نہ پہنچے تو حرج نہیں۔ ہاں اگر دودھ قصداً کچھ پیے گا تو یہ حرام ہے اور اگر بہت زیادہ دودھ والی ہو اور اسے یہ ڈر ہو کہ اگر چھاتی منھ میں لے گا تو دودھ حلق تک پہنچ جائے گا تو اس صورت میں مکروہ ہے،"امامص ثدیھا فکذلك[ای مسنو ن و مستحب یؤجرعلیه ان کان بنیة صالحة]ان لم تکن ذات لبن وان کانت احترس من دخول اللبن حلقه فلاباس به وان شرب شیئًامنه قصدافھوحرام وان کانت غزیرة اللبن وخشی ان لومص ثدیھا یدخل اللبن فی حلقه فالمص مکروہ."[فتاویٰ رضویہ،۵/۵۶۸]

شوہر کا بیوی کے پستان کو منھ میں لینے کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"صورت مستفسرہ میں جائز ہے بلکہ اگر نیت محمود ہو تو امید اجر ہے، جیسا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باہم زوجین میں مسِ شرم گاہ یک دگر کو فرمایا: ارجو انھمایو جر ان علیه میں امید کرتا ہوں کہ وہ دونوں اس پر اجر دیے جائیں گے۔ اصل یہ ہے کہ شرع مطہر کو جس طرح اپنی حرام فرمائی ہوئی چیز یعنی زنا کے دواعی مبغوض ہیں، ویسے ہی اپنی حلال کی ہوئی چیز یعنی جماع زوجہ کے دواعی محبوب ہیں۔ ہاں اگر عورت شیر دار ہو تو ایسا چوسنا نہ چاہیے جس سے دودھ حلق میں چلا جائے اور اگر منہ میں

آجائے اور حلق میں نہ جانے دے تو مضائقہ نہیں کہ شیر زن حرام ہے نجس نہیں۔،،[فتاویٰ رضویہ۹/ ۳۷ نصف آخر]

سالی سے بدکاری کے سبب بیوی کے نکاح کا حکم:

معاشرہ میں جب کوئی سالی سے بدکاری کرلیتا ہے تو دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ جب کہ ایسا نہیں ہے، ہاں فعل بد[زنا کاری] ضرور حرام اشد حرام ہے، اس کا مرتکب سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہے، اسلامی حکومت میں اس کی سزا سو کوڑے لگانا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:"الزانیة و الزانی فاجلدو اکل و احد منهما مائة جلدة" [النور، آیت:۲] ترجمہ: جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ؛ لیکن سالی سے محض نکاح کرنے یا زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی ہے، نکاح بدستور باقی رہتا ہے۔ ہاں! نکاح کے بعد وطی کرلے، یا بیوی سمجھ کر سالی سے وطی کرے تو بیوی حرام ہو جائے گی جب تک کہ سالی عدت نہ گزار لے۔

امام اہل سنت فتاویٰ رضویہ ج۵/ ص۲۲۱/ میں فرماتے ہیں:

"زنا تو ہر حال میں حرام ہی ہے مگر سالی سے نکاح یا زنا کرنے سے زوجہ مطلقہ نہیں ہوتی، نہ آیت کا یہ مطلب ہے، نہ سالی سے زنا کے سبب زوجہ سے جماع حرام ہو۔ در مختار میں ہے: فی الخلاصة وطی اخت امرأته لاتحرم علیه امرأته. نہ سالی کے ساتھ فقط نکاح کرنے سے جماع زوجہ ممنوع ہو جائے جب تک سالی سے جماع واقع نہ ہو۔ ہاں! اگر بعد نکاح سالی سے جماع کرلیا تو اب زوجہ سے بھی جماع حرام ہو گیا، یہاں تک کہ سالی کو چھوڑ دے اور اس کی عدت گزر جائے۔ اس وقت زوجہ سے جماع جائز ہوگا۔ یوں ہی اگر بے نکاح سالی سے جماع کیا مگر دیدہ ودانستہ زنا نہ کیا بلکہ شبہ اور دھوکے سے جماع واقع ہوا تو بھی زوجہ سے جماع حرام ہو گیا۔ جب تک اس جماع شبہ کے سبب سالی پر جو عدت لازم آئی ہے ختم نہ ہو جائے،،۔

مجرم سے جرمانہ وصول کرنا:

مذہب حنفی میں مالی جرمانہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، جیساکہ شرح معانی الآثار کے حوالے سے ردالمختار، ج:۶، ص:۱۰۶ میں ہے:

"التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ." لہٰذا زنا یا کسی اور گناہ کے سزا کے طور پر مالی جرمانہ وصول کرنا حرام ہے۔ البتہ تعزیر بالمال بایں معنیٰ کہ بادشاہ اسلام زجر وتوبیخ کے طور پر سزاوار کا مال ایک مدتِ متعیّنہ کے لیے اس نیت سے لے کہ بعد میں واپس کردے گا۔ اپنے ذات یا بیت المال کی نیت سے نہ لے تو ایسا کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ طرفین اور ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں، کیوں کہ اس سے بھی سزاوار پر ظلم کا وہم ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ کسی مسلمان کا مال بغیر سبب شرعی کے لینا جائز نہیں۔"[ملخصا ھندیہ ۱۸۵/۲]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی، فتاویٰ رضویہ ۵/ ۳۳۳ میں فرماتے ہیں:

"مالی جرمانہ لینا حرام ہے۔" اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "جرمانہ کے ساتھ تعزیر کہ مجرم کا کچھ مال خطا کے عوض لے

لیاجائے منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں کماحققه الامام الطحاوی رحمه الله تعالیٰ والمسئلة فی الدر المختار وغیرہ وقدبیناھاعلیٰ ھامش ردالمحتار."[فتاویٰ رضویہ، ج:۱۳، ص:۵۰۵]

اپنی حیات میں اولاد کو کچھ دینے کا ایک غلط طریقہ:

عام طور پر باپ بیٹوں کو دینے میں تو مساوات کا خیال رکھتا ہے، لیکن بیٹیوں کو دینے میں نظر انداز کر دیتا ہے۔ جب کہ اپنی حیات میں اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو کچھ دینا چاہتا ہے تو افضل ہے کہ بیٹا، بیٹی سب کو برابر دے یا پھر جتنا بیٹا کو دیا ہے کم از کم اس کا آدھا ضرور بیٹی کو دے۔

چناں چہ امام احمد رضا فتاوی رضویہ ج ۱۰/۳۹۵ میں فرماتے ہیں:

"زندگی میں جو اولاد پر تقسیم کی جائے، اس میں بیٹا بیٹی دونوں کو برابر رکھے جاتے ہیں۔ اکہرے دوہرے کا تفاوت بعد موت ہے؛ لیکن اگر بیٹی کو بیٹے کا آدھا دیتا ہے، جب بھی جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے۔"

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

"مذہب مفتیٰ بہ پر افضل یہی کہ بیٹوں اور بیٹیوں کو برابر دے، یہی قول امام ابو یوسف کا ہے اور للذکر مثل حظ الانثیین دینا بھی جیساکہ قول امام محمد کا ہے ممنوع وناجائز نہیں اگرچہ ترک اولی ہے۔"[فتاوی رضویہ ۸/۵۹]

مزارات پر عورتوں کی حاضری:

عام طور پر عورتیں مزارات پر جاتی ہیں، جب کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا ہی سبب فتنہ ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب عورتوں کے گھروں سے نکلنے میں فتنے کا اندیشہ ہوا تو آپ نے عورتوں کو گھر سے نکلنے سے منع فرمادیا۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس ممانعت کی شکایت پہنچی، تو ارشاد فرمایا اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کیں تو ضرور انہیں مسجد سے منع فرمادیتے۔" یہ زمانہ تو شدید فتنوں کا ہے، اس لیے عورتوں پر لازم ہے کہ وہ نہ مزارات پر جائیں اور نہ ہی بلا ضرورت شرعی گھر سے باہر نکلیں، ضرورت ہو تو حجاب شرعی کے دائرے میں رہ کر باہر جاسکتی ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس موضوع پر مستقل رسالہ تحریر فرمایا اور فرمایا کہ عورتوں کے گھروں سے نکلنے میں بے شمار فتنوں کا دروازہ کھولنا ہے۔ چناں چہ اپنے مجموعۂ فتاوی میں ایک جگہ، امام شعبی کی ایک عبارت نقل فرماتے ہیں: "امام شعبی سے استفتا ہوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: ایسی جگہ جواز وعدم جواز نہیں پوچھتے، یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے۔ اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھر سے باہر نکلتی ہے، سب طرفوں سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں جب قبر تک پہنچتی ہے، میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے۔ جب واپس آتی ہے، اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔"[فتاوی رضویہ ۴/۱۷۳]

الملفوظ میں ہے:

"یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزاروں پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے، لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی، ملائکہ [فرشتے] لعنت کرتے رہتے ہیں۔" [الملفوظ، ج: دوم/ص:۱۵۰]

قبروں پر چلنا اور اسے ہموار کرنا:

بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ قبرستان کو اپنے گھروں کی طرح استعمال کرتے ہیں، قبروں پر چلتے ہیں، اور ضرورت پڑی تو قبروں کو منہدم بھی کر دیتے ہیں، جب کہ شریعت میں اس کی ہر گز اجازت نہیں کہ قبرستان کو ذاتی مکان کی طرح استعمال کرنے یا قبروں پر چلنے اور قبروں کو منہدم کرنے سے صاحب قبر کو اذیت ہوتی ہے۔ امام احمد رضا نے سختی سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اسلامی سلطنت میں ایسے شخص کی سزا قتل بھی ہے۔

امام احمد رضا حدیقہ ندیہ کے حوالے سے فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں:

"التراب الذی علیه حق المیت فلا یجوز ان یوطء." [ترجمہ اس پر کی مٹی حقِ میت ہے تو اس پر چلنا جائز نہیں]۔

ردالمحتار میں ہے:

لان المیت یتأذی بما یتأذی به الحی والظاهر انها تحریمة لأنهم نصوا علی ان المرور فی سکة حادثة فیها حرام فهذا اولی.

ترجمہ۔ اس لیے کہ مردے کو بھی اس چیز سے اذیت ہوتی ہے جس سے زندے کو اذیت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ علما نے تصریح فرمائی ہے کہ قبرستان کی اندر نو پید راستے سے گزرنا حرام ہے تو یہ بدرجۂ اولی حرام ہوگا۔

فتاوٰی رضویہ میں ہے:

"مسلمان کی قبر کو کھودنا تو نہایت سخت شدید جرم ہے، اسلامی سلطنت ہو تو ایسا شخص سخت تعزیر کا مستحق ہے۔ یہاں تک کہ سلطان اسلام کی اگر رائے ہو تو جو ایسی حرکات کا مرتکب ہوا کرتا ہو، اسے سزائے قتل دے سکتا ہے۔"

اسی میں دوسری جگہ ہے:

"اس میں جو قبور تھیں، انہیں منہدم و ہموار کر کے ان پر چلنا پھرنا سب ناجائز"۔ [۳۴۰/۶]

یہاں تک کہ قبروں کے پاس جا کر دعا اور ذکر و اذکار کی اجازت اس شرط پر ہے کہ دیگر قبور پر چلنا نہ ہو اور دیگر قبروں پر چلنا ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں۔ قبروں کی بے حرمتی منع ہے۔ اس پر امام احمد رضا قدس سرہ نے مختلف احادیث پیش فرمائی۔

حدیث پاک میں ہے کہ مسلمان کو مرنے کے بعد تکلیف دینا ایسا ہے جیسے حیات میں تکلیف دینا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”کسر عظم المیت یوذیه فی قبره ما یوذیه فی بیته وقال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه اذی المو من فی موته کاذاه فی حیاته وعن عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنه قال راٰنی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تئوذی صاحب القبر.“

ترجمہ: مردے کی ہڈیاں توڑنا اور اسے ایذا دینا ایسا ہی ہے جیسے زندے کی ہڈی توڑنا، اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: میت کو قبر کے اندر بھی اس چیز سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر کے اندر ایذا ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بحالت وفات مومن کو ایذا دینا ایسے ہے جیسے اسے زندگی میں ایذا دینا۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر سے لگنے والے قبر سے اتر جا، صاحب قبر کو ایذا نہ دے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد: نہم، ص: ۴۱۱]

معزز قارئین! مذکورہ بالا سطور میں آپ نے اصلاح امت کے حوالے سے امام احمد رضا قدس سرہ کی گراں قدر خدمات اور بیش بہا کوششوں کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایا، جس سے یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس باب میں خصوصا توجہ فرمائی اور مسلم معاشرہ سے فرسودہ رسومات، باطل توہمات اور غیر شرعی افکار و نظریات کی بیخ کنی فرما کر امت مسلمہ کی دینی رہنمائی اور شرعی رہبری فرمائی، نیز اس سے ہمارے زمانہ کے باطل فرقوں جیسے دیوبندی، وہابی اور غیر مقلدین وغیرہم کا یہ نظریہ بھی ہباءً منثوراً ہو گیا کہ ”مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اکابرین امت و اساطین ملت کی روش سے ہٹ کر بدعات کو فروغ دیا ہے۔“ لاریب مذکورہ حوالہ جات کو پڑھ کر معمولی شد بد رکھنے والا ہر منصف قاری کا وجدان پکارے گا کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے بدعات کو فروغ نہیں دیا ہے بلکہ آپ نے معاشرہ میں پھیلے خرافات اور غیر شرعی حرکات کے خلاف علم وآگہی کا سد سکندری باندھ کر توہم پرستی کا جڑ سے خاتمہ فرما دیا ہے۔

*****

امام احمد رضا بریلوی کے دس نکاتی پروگرام کی عصری معنویت

مفتی محمد رفیق الاسلام رضوی مصباحی: دارالعلوم رضائے مصطفی، ٹیابرج، کولکاتا، بنگال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے گوناگوں اوصاف وکمالات میں سے ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ آپ ایک بے مثال ماہر تعلیم اور عظیم مدبر بھی تھے۔ یہ کوئی ۱۸۹۴ء کی بات ہے کہ انجمن نعمانیہ لاہور کے صدر ثانی مولانا شاہ محرم علی صاحب چشتی نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں دس سوالوں پر مشتمل ایک استفتا بھیجا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان سوالوں کا تفصیلی جواب دیا اور سوال نمبر ۵/ اور ۶/ کے جواب کے درمیان ایک دس نکاتی جدید تعلیمی منصوبہ بھی پیش فرمایا، جو نہ صرف اس عہد کے مسلمانان عالم کے لیے اہمیت وافادیت کا حامل تھا، بلکہ عصر حاضر کے مسلمانوں کے لیے بھی اسی اہمیت وافادیت کا حامل ہے، بلکہ تعلیمی زبوں حالی کے اس دور میں اس کی اہمیت وافادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ وہ دس نکات کیا ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

[۱] **اولاً:** عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

[۲] **ثانیاً:** طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

[۳] **ثالثاً** مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

[۴] **رابعاً:** طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔ یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، پھر تصنیف ومناظرہ میں توزیع ہو، کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

[۵] **خامساً** ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً، وعظاً ومناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔

[۶] **سادساً:** حمایت [مذہب] ورد بدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانہ دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

[۷] **سابعاً:** تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کئے جائیں۔

[۸] **ثامناً:** شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں میگزین رسالے بھیجتے رہیں۔

[۹] **تاسعاً:** جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس

کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

[۱۰] **عاشراً آپ** کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت وبلاقیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔ دیکھیے حدیث کا ارشاد کیسا صادق ہے کہ—"آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درہم و دینار سے چلے گا" اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق ومصدوق ﷺ کا کلام ہے، عالم ماکان ومایکون کی خبر ہے۔ [فتاویٰ رضویہ قدیم ج:۱۲، ص:۱۳۳۔۱۳۴، مترجم، ج:۲۹، ص:۶۰۰۔۶۰۱]

ایک صالح اور پر امن معاشرہ کی تشکیل مؤثر تعلیمی نظام کے بغیر ممکن نہیں اور یہ نظام تعلیم عام نہیں بلکہ یہ وہ نظام تعلیم ہے جس کا مرکز اسلام ہو، کیوں کہ اسلام دین حق اور دین فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ نظام حیات کا آفاقی تصور ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ کے دور میں اسلامی معاشرہ اغیار کے کنٹرول میں تھا اور اسلامی معاشرہ پر ظلم ایک جہت سے نہیں بلکہ ہر جہت سے تھا، وہی حالت اب بھی باقی ہے، بلکہ اس میں مزید اضافہ ہی ہوا ہے۔ ایسے حالات میں ضرورت تھی ایک ایسے نظام تعلیم کی جو طلبہ کے ذہن وفکر کو اسلامی رنگ، تب وتاب اور توانائی سے اس طرح آراستہ اور نور بار کردے کہ وہ اس ظلم کو کاٹ کر پر امن اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل کریں۔

وہ نظام تعلیم جو مسلمانوں میں لادینی نظریات کو فروغ دے رہا تھا، امام اہل سنت نے اس کی نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ اس کے بالمقابل اسلامی نظام تعلیم پیش کر کے اس کو ہر مسلم درس گاہ اور انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد قرار دیا۔

کتنا بڑا المیہ تھا اور آج بھی وہی صورت حال قائم ہے کہ مسلم خاندان کے بچے اسکول، کالج وغیرہ میں تعلیم حاصل کریں اور تہذیب وتمدن غیروں کا اپنانے میں فخر محسوس کریں، دراصل یہ ایک بھیانک سازش تھی، امام اہل سنت نے اس سازش کو بھانپ لیا اور اس سازش کے جال کو کاٹ پھینکنے کے لیے ہی دس نکاتی فارمولہ پیش فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کے دور میں اہل سنت وجماعت کی کیا حالت تھی، انہیں کی زبانی سنیے:

بڑی کمی امرا کی بے توجہی اور روپے کی ناداری ہے، حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ: وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا۔ کوئی باقاعدہ عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں نہیں، کوئی اخبار پرچہ آپ کے یہاں نہیں، مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین کی کثرت بقدر حاجت آپ کے پاس نہیں، جو کچھ کر سکتے ہیں فارغ البال نہیں، جو فارغ البال ہیں وہ اہل نہیں۔ بعض نے خون جگر کھا کر تصانیف کیں تو چھپیں کہاں سے، کسی طرح سے کچھ چھپا لو تو اشاعت کیوں کر ہو، دیوان نہیں، ناول نہیں کہ ہمارے دوآنے کی چیز کا ایک روپیہ دے کر شوق سے خریدیں، یہاں تو سر چپیٹنا ہے روپیہ وافر ہو تو ممکن کہ یہ سب شکایت رفع ہوں۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۹، ص:۶۰۰]

ان نکات پر ہم کتنے کاربند ہیں یا انہیں عملی جامہ پہنانے کی کتنی کوششیں ہم نے کیں، یہ اہل خرد سے پوشیدہ نہیں۔ چند نکات کی کچھ وضاحت ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ مدرسین کی اچھی تنخواہیں ہوں:

ماحول کا جائزہ لیجیے آج بھی آپ کو حالات ایسے ہی ملیں گے، کام کے علما کو خاطر خواہ وظیفہ نہیں ملتا، نتیجتاً وہ فکر معاش کی وجہ سے فکر تعلیم سے غافل ہو رہے ہیں۔ مسجد کا امام جو پانچ وقت پابندی کے ساتھ نماز بھی پڑھا رہا ہے اور آپ کے بچوں کو اسلامی تعلیم دے کر آپ کے مستقبل کو بھی سنوارنے کی کوشش کر رہا ہے، ان کو قوم دو چار ہزار روپے تنخواہ دے کر احسان جتلا رہی ہے تو پھر بھلا دین کا کام کیسے آگے بڑھ سکتا ہے۔

مدارس اسلامیہ کی طرف آج ہماری توجہ نہیں حالاں کہ مدارس وہ کارخانے ہیں جہاں دین کے ہر شعبے میں کام کرنے والے افراد تیار کیے جاتے ہیں۔ مدرس، مصنف، مناظر، مبلغ، خطیب، امام اور مفتی ان ہی اداروں میں تیار کیے جاتے ہیں اور صحیح طور پر ایسے افراد تیار ہو جائیں تو معاشرے میں اسلامی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ہوگا اسی وقت جب ہماری توجہ مدارس کی طرف ہوگی اور یہی نہیں ہو رہا ہے تو پھر انقلاب کی امید کیوں کر کی جا سکتی ہے؟۔

طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں:

اعلیٰ حضرت کے اس دور بین اور دور اندیش نظریہ کی طرف ہم اپنی توجہ مبذول نہ کر سکے مگر اغیار نے اس کا بھر پور فائدہ اٹھایا، آج اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی جانب طلبہ کا جو سیلاب امنڈ رہا ہے اس کے پیچھے کہیں نہ کہیں انہیں وظائف آج جسے اسکالرشپ کا نام دیا گیا ہے، کا عمل دخل نظر آرہا ہے۔ اسلامی دنیا نے اس کی طرف کتنی توجہ دی ہے وہ اہل علم و دانش سے مخفی نہیں۔

آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں:

کیا ہمارا کوئی اخبار شائع ہوتا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کی طرف اہل سنت و جماعت نے کبھی سنجیدگی کے ساتھ غور ہی نہیں کیا ہے، جس کا یہ اثر ہے کہ آج ہم اپنے تابناک ماضی کو بیان کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں اور اگر دلیری سے بیان کر بھی دیں تو سننے والا یقین نہیں کرتا، اس کی وجہ اپنی تاریخ کو عوام کی آنکھوں سے اوجھل رکھنا ہے، جب کہ ہمارے حریف نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے کتنے جھوٹے واقعات کو اس عیاری سے سنوارا کہ قارئین کو جھوٹ پڑھ پڑھ کر اس قدر یقین ہو گیا کہ شاید سچ یہی ہے، مشہور محاورہ ہے کہ جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے اس قدر جھوٹ بولو کہ سچ معلوم ہو، ہمارے یہاں سچی تاریخ سے بے التفاتی برتی گئی، قرطاس و قلم سے اپنا ناطہ توڑ لیا گیا، آج نتیجہ یہ ہے کہ پورے ہندوستان میں اپنا کوئی ایسا موئثر مذہبی یا نظریاتی اخبار نہیں جس کی سرکولیشن کم از کم پچاس ہزار روزانہ یا ہفتہ وار ہو، جسے عوام الناس ہاتھوں ہاتھ لیتے ہوں، جس کی خبر پر اعتماد کرتے ہوں، جب کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے سو سال پہلے ہمیں اخبار شائع کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔ جدید ذرائع ابلاغ، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا کی اہمیت اگر ہم اس دور میں بھی نہیں سمجھے تو پھر ہمیں اپنی تاریخی موت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اپنا کوئی اخبار نہ ہونے کی قیمت ہم لوگوں کو کہاں کہاں چکانی پڑتی ہے، صرف ایک مثال دیکھیں۔ ہمارے مغربی بنگال سے چند اخبار شائع ہوتے ہیں جن میں مشہور "اخبار مشرق"، "روزنامہ راشٹریہ سہارا"، "عوامی نیوز"، "المومن"، "سیاست"، "تاثیر" ہیں، مگر یہ سارے اخبار اہل سنت

وجماعت کی دسترس سے باہر ہیں، سب پر بدمذہبوں کا قبضہ ہے۔ اب بھلا وہ اپنے اخباروں میں ہمارے عقائد ومعمولات کو کیوں شائع کریں گے، ظاہر سی بات ہے وہ اپنی ہی گندی سوچ وفکر کا اظہار کریں گے، اور ایسا ہو بھی رہا ہے۔ ابھی ۵ر دسمبر ۲۰۱۸ء کی بات ہے کہ اخبار مشرق جو مکمل وہابیوں کی ترجمانی کرتا ہے، میں ایک مراسلہ چھپا، جس میں عید میلاد النبی، جلوس وغیرہ کے حوالے سے انتہائی غلیظ ہفوات بکے گئے، اولا تو ہم میں کوئی اس کا جواب دینے والا اور رد کرنے والا نہیں، اور مشکل سے اس کا جواب لکھ کر دیا گیا تو چھاپا نہیں۔ اخبار اپنا نہیں اس لیے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے، ایسے موقع پر اگر ہمارا بھی کوئی اخبار ہوتا تو یہ نوبت نہیں آتی۔ یہ ایک المیہ ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کی بے حد ضرورت ہے۔

عصر حاضر میں ہمیں تقریباً ہر شعبے میں قحط الرجال کا سامنا ہے، اس کی بڑی وجہ منصوبہ بندی کا نہ ہونا ہے، اگر ہم صدق دل سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عطا کردہ ان نکات پر عمل پیرا ہو جائیں تو یقیناً قحط الرجال سے نجات مل سکتی ہے اور ہر شعبے میں کام کرنے والے محنتی افراد میسر آسکتے ہیں، اس طرح ایک صحت مند اور علمی ماحول پرورش پا سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دس نکاتی پروگرام کو بغور سمجھا جائے اور پھر اسے بتدریج عمل میں لایا جائے۔ تاکہ مستقبل کے چیلنجز کا مقابلہ اور مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے۔

امام احمد رضا اور رسوم شادی

مولانا تبریز عالم مصباحی: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور بنگال

تاج دار اہل سنت، مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدعات وخرافات کے سدباب کے لیے جو کاوشیں کی ہیں یقیناوہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنی زبان بافیض سے زیادہ اپنے زور قلم کا استعمال فرمایا ہے اور بے شمار اصلاحی کارنامے انجام دیے ہیں جو بشکل کتب ورسائل امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بقول استاذ گرامی خیر الاذکیا، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی اعظمی [سابق صدرالمدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور]:

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی [۱۲۷۲ھ /۱۳۴۰ء]علیہ الرحمہ والرضوان کی تصانیف تین اہم حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں جن کی روشنی میں آپ کے تجدیدی واصلاحی اور علمی کارناموں کا اجمالی نقشہ روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے۔

[۱] اصلاح عقائد وتصحیح نظریات [۲] اصلاح اعمال اور تصحیح عادات [۳]علمی افادات اور فنی تحقیقات۔

نکاح [شادی بیاہ] مسلمان مومن کی اسلامی زندگی کا ایک اہم اور غیر معمولی حصہ ہے جو یقینی طور پر نسل انسانی کی بقااور انسانی شرافت کی حفاظت، بہت ساری برائیوں اور گناہوں کے لیے سدباب اور خیر وبرکت کا اہم سبب ہے، احادیث طیبہ میں اس کی بے شمار فضیلتیں اور برکتیں وارد ہوئی ہیں۔

مقام حیف ہے کہ اس پاکیزہ اور مقدس رشتے کو بھی لوگوں نے نفسانی خواہشات کی بھینٹ چڑھادیا ہے، ہنود عنود کی پیروی میں بہت ساری ناجائز رسمیں ایجاد کرلی ہیں، مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دلائل وشواہد کی روشنی میں شادی سے متعلق بدعات وخرافات کی بھی کامل بیخ کنی کی ہے۔

۱۳۱۲ھ میں کان پور کی سرزمین سے ایک سائل نے شادی اور اس کے رسوم سے متعلق آپ کی بارگاہ میں سوال پیش کیا۔آپ نے شادی کے خرافات اور غیر شرعی امور کے بارے میں دلائل اور براہین سے مزین تفصیلی جواب عنایت فرمایا، جوایک رسالے کی شکل میں امت مسلمہ کے لیے رہنما بن کر"ھادی الناس فی رسوم الاعراس" کے تاریخی نام سے منظر عام پر آیا،اس میں شادی ونکاح میں جائز امور کی نشان دہی فرمائی اور غیر اسلامی طریقوں کے نقصانات بھی بیان فرمائے، اسی رسالے سے کچھ مسائل ذکر کیے جارہے ہیں۔

لکڑی پھینکنا بندوقیں چھوڑنا:

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

یہ سب جائز ہیں جب کہ اپنے یا دوسرے کی مضرت کا اندیشہ نہ ہو بلکہ ان سے مقصود کوئی غرض محمود ہو، جیسے فن سپہ گری کی مہارت ہو نہ کہ مجرد لہو ولعب، لانہما من جنس النضال المستثنی فی الحدیث، کیوں کہ یہ اس مقابلہ تیر اندازی کی جنس سے ہے جس کو حدیث میں جائز اور مستثنیٰ کیا گیا ہے۔[ہادی الناس، ص:۳]

مزید فرماتے ہیں۔

فی الدر المختار، کرہ کل لہو لقولہ علیہ السلام کل لہو المسلم حرام الا ثلثۃ ملاعبۃ اھلہ، و تادیبہ لفرسہ و مناضلہ بقوسہ.

در مختار میں ہے کہ ہر کھیل مکروہ ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مسلمان کا ہر کھیل حرام ہے مگر تین اس کا اپنی بیوی سے کھیل کرنا، اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا۔

وفی رد المحتار فی الجواھر: قدجاء الاثر فی رخصۃ المصادعۃ لتحصیل القدرۃ علی المقاتلۃ دون التلھی فانہ مکروہ فالظاھر انہ یقال مثل ذلک فی تادیب الفرس و المناضلۃ بالقوس.

ترجمہ:۔ ردالمحتار میں جواہر سے ہے کہ لڑائی پر قدرت حاصل کرنے کی خاطر کشتی کی رخصت حدیث پاک میں آئی ہے، کھیل کے طور پر ہو تو نہیں، کیوں کہ یہ مکروہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ گھوڑے کو سدھانے اور تیر اندازی میں بھی یہی بات کہی جائے گی۔ [ہادی الناس، ص:۴]

آتش بازی:

شادی بیاہ کے موقع پر پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں، آتش بازی کی جاتی ہے جس میں بسا اوقات نقصان دہ واقعات بھی رونما ہوتے ہیں نیز بلاد ہند و پاک میں شادی کے علاوہ شب براءت وغیرہ کی راتوں میں بھی بعض جگہوں پر آتش بازی کی جاتی ہے، اس سے متعلق سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بڑے ہی سلیس اور سہل انداز میں امت مسلمہ کو ایک بہترین پیغام دیا اور بہت سے نقصانات کا سد باب بھی فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں: آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب براءت میں رائج ہے بے شک حرام اور پورا جرم ہے، اس میں تضییع مال ہے، قرآن پاک میں ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی فرمایا: قال اللہ تعالیٰ: [اللہ تعالیٰ نے فرمایا]

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا [پ۱۵،ع۳]

ترجمہ:۔ اور فضول نہ اڑا بے شک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔[کنز الایمان]

اور حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ کرہ لکم ثلاثا،قیل وقال ،واضاعۃ المال وکثرۃ السوال .رواہ البخاری عن المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

ترجمہ:۔بے شک اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں تمھارے لیے ناپسند رکھی [۱]قیل وقال [بے کار گفتگو][۲]بربادی مال [۳]کثرت سوال ،اس حدیث کوامام بخاری نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ۔[بخاری شریف ، جلداول،ص:۲۰۰]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ماثبت السنۃ میں فرماتے ہیں۔

من البدع الشنیعۃ ماتعارف الناس فی اکثر بلادالھند من اجتماعھم للّھو واللعب بالنار وإحراق الکبریت.

ترجمہ:۔بہت بڑی بدعتوں میں ایک بدعت یہ ہے جواکثر بلاد ہند میں متعارف ہے کہ لوگ آگ سے کھیل تماشاکرنے کے لیے اکٹھاہوجاتے ہیں اور پٹاخے چھوڑتے ہیں۔[ہادی الناس،ص:۵]

گانابجانا۔

شادی کے خرافات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شادی ولیمہ کے دن یااس سے پہلے گانے بجانے کاانتظام ہوتاہے، اکثرعلاقوں میں یہ صرف تفریح اورلذت حاصل کرنے کی غرض سے کیاجاتاہے،غیرمحرم مردوں اور عورتوں کااختلاط ہوتاہے، فحش اوربے حیانغمے گائے جاتے ہیں،ڈھول تاشے پیٹے جاتے ہیں،فی زماناجدیدطریقے کے ڈانس وناچ کی محفلیں سجتی ہیں جونہایت قبیح اوردعوت گناہ کے اہم اسباب سے ہیں۔۔

اس تعلق سے امام احمدرضارحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اسی طرح گانے باجے کہ ان بلادمیں معمول ورائج ہیں۔بلاشبہہ ممنوع وناجائزہیں۔خصوصاوہ ناپاک ملعون رسم کہ بہت خران بے تمیزاحمق جاہلوں نے شیاطین ہنود،ملاعین بے بہبود سے سیکھی ،یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانااورمجلس کے حاضرین وحاضرات کولچھے دارسنانا،سمدھیانہ کی عفیف پاکدامن عورتوں کوالفاظ زناسے تعبیرکرانا،خصوصااس ملعون بے حیارسم کامجمع زناں میں ہونا،ان کااس ناپاک فاحشہ حرکت پرہنسنا،قہقہے اڑانا،اپنی کنواری لڑکیوں کویہ سب سناکربدلحاظیاں سکھانابے حیا،بے غیرت ،خبیث بے حمیت مردوں کااس شہدپن کوجائزرکھنا،کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کوجھوٹ سچ ایک آدھ بارجھڑک دینا،مگربندوبست قطعی نہ کرنا۔

یہ وہ شنیع گندی مردودرسم ہے جس پرصدہالعنتیں اللہ عزوجل کی اترتی ہیں،اس کے کرنے والے ،اس پرراضی ہونے والے ،اپنے یہاں اس کاکافی انسدادنہ کرنے والے سب فاسق وفاجر،مرتکب کبائر،مستحق غضب جبار وعذاب نارہیں۔ والعیاذباللہ تبارک وتعالیٰ۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں کوہدایت بخشے۔

ایسی شادیوں میں اگردانستہ طورپرشریک ہوگئے توجس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یاان لوگوں کاارادہ معلوم

ہوسب مسلمانوں مرد، عورتوں پرلازم ہے کہ فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اوراپنی جورو، بیٹی ماں بہن کو گالیاں نہ دلوائیں فحش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضب الٰہی سے حصہ لیں گے۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

زنہار زنہاراس معاملہ میں حقیقی بہن بھائی، بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت ومروت روانہ رکھیں کہ لا طاعة لاحد فی معصیة الله، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرماں برداری نہیں۔ [ہادی الناس، ص:۶،۵]

سہرا[خوشبودار پھولوں کا ہار]

شادی کے موقع پر اکثر مقامات پر دولھے کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے جسے اکثر جگہوں پر سہرا کے نام سے جانا جاتا ہے، سرکاراعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں اس سے متعلق استفتا ہوا توآپ نے احادیث نبویہ کی روشنی میں ایک مبسوط جواب تحریر فرمایا۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

خوشبولگانا سنت ہے اور خوشبو کی چیزیں پھول پتی وغیرہ پسند بارگاہ رسالت ہیں، ﷺ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حبب الی من دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرة عینی فی الصلوٰة. ترجمہ:۔ تمھاری دنیا میں سے دوچیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی، نکاح اور خوشبواور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔ [رواہ الامام احمد والنسائی والحاکم والبیہقی]

اربع من سنن المرسلین، الختان، والتعطر والنکاح والسواك. ترجمہ:۔ چار باتیں انبیا علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں ختنے کرنا، خوشبو لگانا، نکاح کرنا، اور مسواک کرنا۔ [رواہ الامام احمد والترمذی والبیہقی فی شعب الایمان عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ]

ہار کہ گلے میں پہنیں ان میں پھولوں سے اسی قدر زائد ہے کہ انہیں ایک ڈورے میں پرولیا ہے اور گلے میں ڈالنا وہی خوشبو سے فائدلینا ہے اوراپنے جلیس آدمیوں اور فرشتوں کوفرحت پہنچانا ہے کہ کسی برتن میں رکھیں تواس کا ساتھ لیے پھرنا وقت سے خالی نہیں اور ہاتھ میں لیے رہیں تو ہاتھ بھی رکے اور پھول بھی جلد کملا جائیں تواس قدر سے حرمت وممانعت وناجوازی کس طرف سے آگئی۔ [ہادی الناس، ص:۳۸]

*****

مسلک اعلیٰ حضرت کے چند مفید اسباق

مولانا نور عالم مصباحی، کمہروا، بائسی، پورنیہ، بہار

مسلک کے معنی راستہ اور دستور کے ہیں، تو مسلک اعلیٰ حضرت کے معنیٰ ہوئے اعلیٰ حضرت کا راستہ، اور اس سے مراد ہے، نبی آخر الزماں سمیت تمام انعام یافتگان کا راستہ، جسے فی زمانہ اغیار سے ممتاز کرنے کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ ہرگز کوئی نیا دین یا نیا مذہب نہیں ہے۔ جیسا کہ مخالفین پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی تحریروں کا سطر سطر ان دروغ گویوں کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے۔ ہاں دلائل وبراہین کی روشنی میں باطل فرقوں کا بلیغ ردوابطال اور جگہ جگہ نوع بنوع پیرایۂ بیان میں ان فرقوں کی نشان دہی کرنا تاکہ صحیح العقیدہ سنی اور خوش عقیدہ مسلمان ان کے دھوکے اور فریب میں نہ آئیں، ضرور اس مسلک مہذب کا طرۂ امتیاز ہے۔ سردست ہم اپنے عنوان "مسلک اعلیٰ حضرت کے چند مفید اسباق" کے تحت نمبروائز چند اسباق اپنی حیثیت کے مطابق اپنے امام ممدوح کی کتابوں سے اخذ کرکے پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔

سبق نمبر-[۱]

بدمذہب کا رد کرنا فرض ہے:

آپ فرماتے ہیں:

پہلے تلوار تھی، رد کی حاجت نہ تھی، تلوار کے ذریعہ سے سارا انتظام ہو سکتا تھا، اب کہ ہمارے پاس سوائے رد کے کوئی علاج نہیں، رد کرنا فرض ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: جب فتنے یا بدمذہبیاں ظاہر ہوں اور عالم اپنا علم ظاہر نہ کرے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے، اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل۔ [الملفوظ حصہ دوم]

سبق نمبر-[۲]

بدمذہبوں کی کتابیں دیکھنا ناجائز اور ان کے یہاں کھانا پینا ان سے میل جول رکھنا حرام ہے:

ناقص بلکہ کامل کو بھی بلاضرورت بدمذہبوں کی کتابیں دیکھنا ناجائز ہے کہ انسان ہے ممکن ہے کوئی بات دل میں جم جائے اور ہلاک ہو جائے۔

زانی، شرابی، سود خور کے یہاں کھانا خلاف اولیٰ ہے [جب کہ سود کے علاوہ کوئی دوسری آمدنی ہو] مگر وہ کافر نہیں اور یہود ونصاریٰ کافر ہیں، پھر یہود ونصاریٰ باوصف کفر کے کافر اصلی ہیں، مرتد نہیں اور رافضی وہابی قادیانی نیچری چکڑالوی مرتد ہیں، اور احکام دنیا میں مرتد سب کافروں سے بدتر ہے۔ اور کافروں کو بادشاہ اسلام جزیہ لے کر اپنے ملک میں رکھے گا، بشرط جزیہ ان کے جان ومال کی حفاظت کرے گا، لیکن مرتد کو تین دن سے زیادہ زندہ نہ رکھے گا، تین دن میں مسلمان ہو گیا تو بہتر ورنہ سلطان اسلام اسے قتل کردے گا۔ مرتد کے یہاں کھانا کھانے جانا اس سے میل جول سب حرام ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۳۵۶]

کفار ومرتدین کے ساتھ یہ شدت وغلظت امام احمد رضا کا خود ساختہ نظریہ نہیں ہے، بلکہ قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ سے ماخوذ ومستنبط ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿التحریم ۹﴾

ترجمہ! اے غیب بتانے والے نبی! کافروں پر اور منافقوں پر جہاد کرو اور ان پر سختی فرماؤ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا ہی برا انجام ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ [الفتح۔ آیت ۲۹]

ترجمہ! محمد اللہ کے رسول ہیں [صلی اللہ علیہ وسلم] اور جو ان کے ساتھی ہیں، کفار پر سخت اور آپس میں نرم دل۔

وَ لْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً [التوبہ آیت ۱۲۳]

ترجمہ! لازم تھا کہ کفار، تم میں سختی پائیں۔

تو ثابت ہوا کہ کافروں پر حضور سختی فرماتے تھے۔ جیسا کہ ثابت ہے کہ عین جمعہ کے وقت بھری مسجد میں علیٰ رؤس الاشہاد حضور نے منافقوں کا نام لے لے کر اٹھا دیا اور مسجد نبوی سے نکال دیا۔ غرضیکہ حضور کفار ومرتدین کے ساتھ ہمیشہ سختی فرماتے، ان کی آنکھوں میں نیل کی سلائیاں پھروائیں، ہاتھ کاٹے، پاؤں کاٹے، پانی مانگا تو پانی تک نہ دیا۔

مخالفین دین کے ساتھ یہ برتاؤ ان کا ہے جنہیں رب العزت **رحمۃ اللعلمین** فرماتا ہے۔ جن کی رحمت، رحمت الٰہیہ کے بعد تمام جہان کی رحمت سے زیادہ ہے۔

ہاں جو بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے کفار پر عنایت ونظر شفقت فرمائی، لہٰذا ان سے شفقت اور عنایت ہی کا برتاؤ کرنا چاہیے تو ان روایات کی حقیقت یہ ہے کہ حضور ان ہی سے خلق فرماتے جو رجوع لانے والے ہوتے۔ جیسا کہ اس قسم کی تمام روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ [ملخصا از ملفوظ حصہ اول]

مگر دھیان رہے کہ شدت وغلظت کا یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے، جن کے دلوں میں بدعقیدگی اور گمراہیت راسخ ہو گئی ہو۔ ورنہ نرمی کے فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک وہابی خیال شخص کے بارے میں ایک حافظ صاحب نے اعلیٰ حضرت سے عرض کیا کہ حضور آپ نے جس کو سمجھایا وہ راستہ میں جاتے جاتے کہنے لگا کہ اعلیٰ حضرت کی باتیں میرے دل نے قبول

کیں اوراب میں ان شاءاللہ ان کا مرید ہوں۔اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں، وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ۔اگراس شخص سے سختی برتی جاتی، تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی، جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں، ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہوجائیں۔یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتدا بہت نرمی کی گئی، مگر چوں کہ ان کے دلوں میں وہابیت راسخ ہوگئی تھی اور مصداق ”ثم لا یعودون“ حق نہ مانا اس وقت سختی کی گئی۔[جو کہ حکم رب ہے][الملفوظ حصہ اول، ص ۶۴]

سبق نمبر-[۳]

علم الٰہی اور علم مصطفوی میں کوئی برابری نہیں:

اہل باطل جب ہم اہل حق اہل سنت وجماعت کا دلائل سے مقابلہ نہیں کرسکتے، ہماری مبنی بر حقیقت دلیلوں کا جواب نہیں دے سکتے تو خوف خدا اور مواخذۂ آخرت سے بے پرواہ ہوکر امام برحق امام احمد رضا قدس سرہ اوران کے عقیدت کیش سنیوں پر یہ الزم تراشیاں کرتے بھی نہیں شرماتے، کہ یہ بریلوی لوگ نبی کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر قرار دیتے ہیں۔اس کا جواب خود امام موصوف کی زبانی سنیے! آپ فرماتے ہیں۔اس کا فیصلہ قرآن عظیم نے فرمادیا: **فنجعل لعنة الله على الكذبين** جو میرے عقائد ہیں، وہ میری کتابوں میں لکھے ہیں۔وہ کتابیں چھپ کر شائع ہوچکی ہیں۔کہیں اس کا کچھ نشان ہوتو کوئی دکھادے۔ہم اہل سنت کا مسئلہ علم غیب میں یہ عقیدہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔رب عزوجل فرماتا ہے: **وماهو على الغيب بضنين** یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔تفسیر معالم وتفسیر خازن میں ہے، یعنی حضور کو علم غیب آتا ہے، وہ تمہیں بھی تعلیم فرماتے ہیں۔چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ برابری درکنار، میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کردی ہے کہ اگر تمام اولین وآخرین کا علم جمع کیا جائے، تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہوسکتی، جو ایک قطرے کے کروڑویں حصے کو کروڑ سمندر سے ہے، کہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی ہے۔متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت ہوسکتی ہے۔[الملفوظ، حصہ اول، ص:٦٦۔٦٧]

اسی کو کلام منظوم میں سرکار اعلیٰ حضرت نے یوں فرمایا ہے۔

ہم بھکاری وہ کریم ان کا خدا ان سے فزوں   اور نا کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی

سبق نمبر-[۴]

اختلافات فرعیہ میں ایک دوسرے کو برا کہنا جائز نہیں:

آج سنیوں کا عجیب حال ہے۔ہر طرف اختلاف کا دور دورہ ہے۔اتحاد واتفاق کے لیے اہل دل بے چین وبے قرار ہیں۔مگر یہ اختلاف دور ہوتا نظر نہیں آتا، آہ! کاش! یہ اختلاف وہ ہوتا جو بزرگوں میں تھا۔جسے اختلاف امتی رحمة فرماکر غم خوار امت نے رحمت قرار دیا ہے۔جسے ماضی بعید کے ساتھ ماضی قریب میں بھی بنظر تحسین دیکھا گیا۔جیسا کہ خود مجدد اعظم اعلیٰ

حضرت کا اپنے بزرگوں اور اپنے معاصرین سے اختلاف۔ بحر العلوم حضور مفتی سید افضل حسین مونگیری اور حضور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہما کا، سرکار مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ سے اختلا ف اور حضور شارح بخاری کا ''آسمان کا سفر ممکن ہے'' کے مسئلے میں اپنے استاد امام النحو حضرت سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ سے اختلاف۔ غرض کہ تلاش و جستجو کے بعد اس طرح کا اختلاف بہت ملے گا، مگر کہیں بھی دور دور تک نظر نہیں آتا ہے کہ یہ اختلاف کسی بھی زاویے سے نفرت وعداوت کا سبب بنا ہو، اور ان میں کوئی خلیج راہ پائی ہو، اور علم وفن کا بے محل استعمال کر کے اپنے حریف کو نیچا دکھایا گیا ہو، یا فتوے کی زبان میں مد مقابل پر سب وشتم کیا گیا ہو۔ نہیں ملے گا اور ہرگز نہیں ملے گا۔ کیوں کہ یہ اختلاف خالص علمی تھا، جس کا ہر صاحب علم کو حق ہے۔ اپنے دلائل کی روشنی میں فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود ہمارے وہ سب اکابر یک جان و یک دل ہم زبان و ہم قدم تھے۔ کیوں کہ ان کے اس اختلاف میں خلوص ہی خلوص تھا، اس میں بھی انہیں خدمت دین اور احیاے حق مقصود تھا۔ ریا و نام و نمود اور انا کا وہاں دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا۔ کاش! ایسا ہی ہوتا تو سنیوں کو یہ برے دن دیکھنے کو نہیں ملتے۔ آج تو معمولی معمولی اختلاف کی بنا پر فوراً صلح کلیت کا لیبل لگ جاتا ہے۔ اور دلیل کی بنا پر کسی نے فروعی مسئلے میں ذرا سا منہ کھولا، تو اپنی جماعت ہی سے نکال دیا جاتا ہے۔ اور اسے ایسا گنہ گار اور پاپی تصور کیا جاتا ہے کہ گویا اس کے پاک ہونے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں رہ گیا ہے۔ مگر آئیں! اپنے امام سے پوچھیں! وہ فرماتے ہیں:

''جہاں اختلافات فرعیہ ہوں جیسے باہم حنفیہ و شافعیہ وغیرہما، فرق اہل سنت میں وہاں ہرگز ایک دوسرے کو برا کہنا جائز نہیں اور فحش دشنام جس سے دہن آلودہ ہو کسی کو بھی نہ چاہیے'' [الملفوظ اول، ص:۷۲]

سبق نمبر-[۵]

طریقت، شریعت سے جدا کوئی راہ نہیں:

اہل حق کے نزدیک شریعت وطریقت دونوں ایک ہیں۔ ان میں کوئی تغایر و تخالف نہیں ہے۔ شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت سمندر ہے اور طریقت اس سے نکلی ہوئی ایک نہر۔ جو اس کے علاوہ کہے اور بکے کہ علم شریعت والے ،طریقت کو نہیں سمجھ سکتے ،اور طریقت کی دشوار گزار راہوں پر چلنا علماے ظاہر کا کام نہیں، حالاں کہ علما ہی طریقت کے نور سے منور اور راہ طریقت کے مسافر ہیں۔ علم شریعت کے بغیر سلوک کا سفر ممکن نہیں، امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ: یہ کہنا کہ شریعت چند احکام فرض وواجب وحلال وحرام کا نام ہے محض اندھاپن ہے۔ شریعت تمام احکام جسم وجان وروح وقلب وجملہ علوم الہیہ ومعارف نامتناہیہ کو جامع ہے۔ جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے۔ اس لیے باجماع قطعی جملہ اولیاے کرام، تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے۔ اگر شریعت کے مطابق ہوں حق ومقبول ہیں، ورنہ مردود مخذول۔ تو یقینا قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے۔ شریعت ہی مناط ومدار ہے۔ شریعت ہی محک ومعیار ہے۔ [مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء]

اگر کوئی کہے ،کہ ہم طریقت کے ایسے بلند مقام پر فائز ہیں ،کہ اب ہمیں شریعت کی ضرورت نہیں، تو اسے امام

احمد رضا کیا فرماتے ہیں، سنیے:

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے۔ اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ، کہ راہ جس قدر باریک، اس قدر ہادی کی زیادہ حاجت۔ اس لیے حدیث میں آیا، حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: المتعبد بغیر فقہ کالحمار فی الطاحون [حلیۃ الاولیاء] بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے، جیسا کہ چکی کھینچنے والا گدھا، کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں۔ [ایضا]

سبق نمبر-[۶]

فرض ذمہ میں ہوتے ہوئے نفل مقبول نہیں:

بعض لوگ نفلی صدقات وخیرات تو کرتے ہیں، مگر زکوٰۃ جو فرض ہے اور خدائے قہار کا بھاری قرض ہے، اسے ادا نہیں کرتے، اور سمجھتے ہیں، کہ ہمارا یہی نفلی صدقہ وخیرات ہمیں کافی ہوگا۔ یوں ہی مختلف موقعوں پر نفلی روزے بڑے خوش دلی سے رکھتے ہیں، مگر چھوٹے ہوئے فرض روزے، خواہ کسی عذر سے چھوٹے ہوں، یا بلا عذر چھوڑ دیے ہوں، ان کی ادائیگی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اسی طرح کچھ لوگ اوقات پنجگانہ کی سنن غیر موکدہ اور نوافل کے علاوہ اشراق، چاشت، اوابین، تہجد وغیرہ تو پڑھتے ہیں، مگر بالغ ہونے کے بعد سے اب تک ان پر جو فرض واجب نمازیں باقی رہ گئی ہیں، ان کے پڑھنے کا خیال تک نہیں لاتے۔ ایسوں کے متعلق حضور غوث پاک کے حوالے سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ رقم طراز ہیں کہ:

اس کی کہاوت ایسی ہے، جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کے لیے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہوا اور اس کے غلام کی خدمت گاری میں موجود رہے۔ اور حضرت امیر المومنین سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے یوں ناقل ہیں، کہ ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے، جسے حمل رہا، جب بچہ ہونے کے دن قریب آئے، اسقاط ہوگیا۔ اب وہ نہ حاملہ ہے، نہ بچہ والی، یعنی جب پورے دن پر اگر اسقاط ہو، تو محنت تو پوری اٹھائی اور نتیجہ خاک نہیں، اگر بچہ ہوتا تو ثمرہ خود موجود تھا، حمل باقی رہتا تو آگے امید لگی تھی، اب نہ حمل، نہ بچہ، نہ امید، نہ ثمرہ اور تکلیف وہی جھیلی جو بچہ والی کو ہوتی۔ ایسے اس نفلی خیرات دینے والے کے پاس سے روپیہ تو اٹھا، مگر جب کہ فرض چھوڑا، تو نفل بھی قبول نہ ہوا، تو خرچ کا خرچ ہوا، اور حاصل کچھ نہیں۔ [فتوح الغیب ص: ۲۷۳، مقالہ ۴۸، لکھنو]

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

اس سے بڑھ کر احمق کون! کہ اپنے مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے، شیطان کا بڑا دھوکہ ہے! کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان سمجھتا ہے، نیک کام کر رہا ہوں اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔ [ایضا]

سبق نمبر-[۷]

قضانمازیں کب ادا کی جائیں:

آج کل قضا نمازوں کو آنے والے وقت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اور نوافل میں اپنا وقت صرف کرنا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ جب کہ قضا نمازیں جلد سے جلد ادا کرنا مطلوب شرع ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

”قضا نمازیں جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہیں۔ نہ معلوم کس وقت موت آجائے۔ کیا مشکل ہے، ایک دن کی بیس رکعت ہوتی ہیں۔[یعنی فجر کے فرضوں کی دو رکعت، اور ظہر کی چار اور عصر کی چار اور مغرب کی تین اور عشا کی سات رکعت یعنی چار فرض تین وتر] ان نمازوں کو سوائے طلوع وغروب وزوال کے [کہ اس وقت سجدہ حرام ہے] ہر وقت ادا کر سکتا ہے۔ اور اختیار ہے کہ پہلے فجر کی سب نمازیں ادا کرلے، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشا کی، یا سب نمازیں ساتھ ساتھ ادا کرتا جائے، اور ان کا ایسا حساب لگائے کہ تخمینہ میں باقی نہ رہ جائیں، زیادہ ہو جائیں تو حرج نہیں اور وہ سب بقدر طاقت رفتہ رفتہ جلد ادا کرلے، کاہلی نہ کرے، جب تک فرض ذمہ پر باقی رہتا ہے، کوئی نفل قبول نہیں کیا جاتا۔ نیت ان نمازوں کی اس طرح ہو مثلاً سو بار کی فجر قضا ہے تو ہر بار یوں کہے، کہ سب سے پہلے جو فجر مجھ سے قضا ہوئی، ہر دفعہ یہی کہے، یعنی جب ایک ادا ہوئی تو باقیوں میں جو سب سے پہلی ہے۔ اسی طرح ظہر وغیرہ ہر نماز میں نیت کرے۔ جس پر بہت سی نمازیں قضا ہوں، اس کے لیے صورت تخفیف اور جلد ادا ہونے کی یہ ہے، کہ خالی رکعتوں میں بجائے الحمد شریف کے تین بار سبحان اللہ کہے، اگر ایک بار بھی کہہ لے گا، تو فرض ادا ہو جائے گا۔ نیز تسبیحات رکوع وسجود میں صرف ایک ایک بار **سبحان ربی العظیم** اور **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھ لینا کافی ہے۔ تشہد کے بعد دونوں درود شریف کی بجائے **اللھم صل علیٰ سیدنا محمدو اٰلہ**، وتروں میں بجائے دعائے قنوت، **رب اغفرلی** کہنا کافی ہے۔ طلوع آفتاب کے بیس منٹ بعد اور غروب آفتاب سے بیس منٹ قبل، نماز ادا کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد ناجائز ہے۔ ہر ایسا شخص جس کے ذمہ نمازیں باقی ہیں، چھپ کر پڑھے، کہ گناہ کا اعلان جائز نہیں۔“ [الملفوظ حصہ اول، ص:۹۳]

سبق نمبر-[۸]

پیر ہونے کے لیے سید ہونا ضروری نہیں:

آج کل، کچھ نام نہاد عاقبت نااندیش جاہل اور گمراہ پیر اپنی روٹی سینکنے اور پیری مریدی کی دکان چمکانے کے لیے، بڑے دھڑلے سے یہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ پیر ہونے کے لیے سید ہونا ضروری ہے اور غیر سید سے مرید ہونا جائز نہیں۔ اس اعلان میں کتنی سچائی اور دیانت داری ہے، شریعت وطریقت کے سنگم امام احمد رضا سے سنتے ہیں! آپ فرماتے ہیں:

”پیر ہونے کے لیے چار شرطیں درکار ہیں، سید یا کسی خاص قوم سے ہونا ضروری نہیں۔ چاروں شرائط میں سے اگر ایک

شرط بھی کم ہے، تو اس سے بیعت جائز نہیں۔ چاروں شرائط یہ ہیں:

[۱] سب سے اہم شرط مذہب کا سنی صحیح العقیدہ، عقائد علمائے حرمین شریفین کے مطابق ہونا۔

[۲] فقہ کا اتنا علم کہ اپنی حاجت کے سب مسائل جانتا ہو اور حاجت جدید پیش آئے، تو اس کا حکم کتاب سے نکال سکے۔ بغیر اس کے اور فنون کا کتنا ہی بڑا عالم ہو، عالم نہیں۔

[۳] اس کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک صحیح و متّصل ہو۔

[۴] علانیہ کسی کبیرہ کا مرتکب، یا کسی صغیرہ پر مصر نہ ہو۔

پیر ہونے کے لیے وہی چار شرطیں درکار ہیں، سادات کرام سے ہونا کچھ ضرور نہیں۔ ہاں ان شرطوں کے ساتھ سید بھی ہو، تو نور علیٰ نور۔ باقی اسے شرط ضروری ٹھہرانا، تمام سلاسل طریقت کا باطل کرنا ہے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ، سلسلۃ الذہب میں سیدنا امام علی رضا اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جتنے حضرات ہیں، کوئی سادات کرام سے نہیں۔ اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں تو امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بعد ہی سے امام حسن بصری ہیں، کہ نہ سید، نہ قریشی، نہ عربی۔ اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا خاص آغاز ہی حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اسی طرح دیگر سلاسل۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۶۔ ص،۵۷۶۔ مکتبہ پوربندر گجرات]

*****

امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات

مولانا محمد اسلام نوری: نوری نگر، نار گون، گوال پوکھر، اتر دیناج پور، بنگال

چودھویں صدی ہجری کی عبقری شخصیت فقیہ اسلام مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سنی حنفی قادری [۱۲۷۲ھ۔ ۱۳۴۰ھ] کی جلیل القدر شخصیت پورے عالم اسلام کے لیے اللہ رب العزت کی جانب سے ایک خاص نعمت تھی، انہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام وسنیت کی خدمت واشاعت میں گزاری، ان کی گراں قدر خدمات اور کارناموں کا دائرہ ہر شعبۂ زندگی پر مشتمل ہے، لیکن آپ نے اصلاح فکرواعتقاد اور رد بدعات ومنکرات کے حوالے سے جو کارہاے نمایاں انجام دیے وہ پوری دنیاے انسانیت کے لیے رشد وہدایت اور فلاح وکامیابی کا سنگ گراں مایہ ہے۔ ہم یہاں ذیل میں اصلاح فکرواعتقاد اور رد بدعات ومنکرات کے تعلق سے آپ کی ہدایات وارشادات پیش کرتے ہیں۔

یقیناً حیات امام اہل سنت کا انصاف کی نظر سے مطالعہ جہاں امام موصوف کے تعلق سے پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے تریاق ثابت ہوگا وہیں ایمان وعقیدہ اور اصلاح رسوم ورواج کے لیے مشعل راہ ہوگا۔

[۱] عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بعض مسلمان اپنی جہالت ونادانی اور بے جا عقیدت کی وجہ سے بزرگوں کے مزارات پر جاکر آستاں بوسی میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ سجدے کا گمان گزرتا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کے رد پر ایک مستقل کتاب الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ تحریر فرمایا، اس میں مسلمانوں کو سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

”مسلمان! اے مسلمان! شریعت مصطفوی کے تابع فرمان، جان اور یقین جان کہ سجدۂ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین وکفر مبین اور سجدۂ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین، اس کے کفر ہونے میں اختلاف علماے دین؛ ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول اور عند التحقیق وہ کفر صوری پر محمول، کما سیاتی بتوفیق المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ۔ [امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات ص: ۲۴۳، ۲۴۴، مولانا یٰسین اختر مصباحی]

[۲] بہت سارے لوگ طواف مزار بھی کرتے ہیں اس سلسلے میں آپ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم طواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے، مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیے، علما اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے، آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع شریف میں ممانعت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی“۔ [ایضاً، ص: ۳۱۵، ۳۱۶]

[۳] مزارات پر عرس کے ایام میں عورتیں بہت جاتی ہیں جس سے اخلاقی و معاشرتی برائیاں پھیلتی ہیں اور تماشہ بینوں کی بہار آجاتی ہے ان کے بارے امام احمد رضا لکھتے ہیں:

"اور جو عورتیں قوالی رنڈیوں کی اور قوالی مردوں کی سننے جاتی ہیں ان کو زیارت قبور کو جانا حرام ہے۔" [امام احمد رضا اور جدید افکار و نظریات، ص:۲۲۷، از مولانا یسین اختر مصباحی]

آپ نے مزارات پر عورتوں کی حاضری اور اعراس مروجہ میں ان کی شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے حتی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی جانے سے روکا ہے۔ البتہ حضور اکرم ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضری کو مستثنیٰ رکھا؛ اس لیے کہ عورتوں اور مردوں کا اس دربار میں حاضر ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"سوائے روضہ انور کے کسی بھی مزار پر جانے کی اجازت نہیں؛ وہاں کی حاضری البتہ سنت جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے اور قرآن عظیم نے اسے مغفرت ذنوب کا تریاق بتایا۔" [امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات، ص:۲۷۰]

[۴] بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کچھ ناخدا ترس لوگ فرضی اور مصنوعی قبریں بنا کر اعلان کر دیتے ہیں کہ اس قبر میں فلاں بزرگ تشریف فرما ہیں اور اس کے بعد عرس اور دیگر لوازم اعراس مروجہ بڑی دھوم دھام سے شروع کر دیتے ہیں، ان سب چیزوں کے بارے میں امام احمد رضا لکھتے ہیں:

"قبر بلا مقبور [فرضی قبر] کی زیارت کی طرف بلانا اس کے لیے وہ افعال کرانا گناہ ہے اور جب کہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کرا رہا ہے تو وہ فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور نماز پھیرنی واجب ہے، اس جلسۂ زیارت قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں؛ زید کے اس معاملہ سے جو لوگ خوش ہیں خصوصًا وہ جو مدد و معاون ہیں وہ سب گنہگار و فاسق ہیں۔" [امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات، ص:۳۱۴]

بہت سے لوگ محض حظ نفس کے لیے بڑی دلچسپی سے قوالی مع مزامیر کی مجالس میں تشریف لے جاتے ہیں اور سماعت فرماتے ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

"خالی قوالی جائز ہے اور مزامیر حرام۔ زیادہ غلو اب منتسبانِ سلسلہ عالیہ چشتیہ کو ہے اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام است، حضرت خواجہ مخدوم شرف الملۃ والدین یحیی منیری قدس سرہ نے مزامیر کو زنا کے ساتھ شمار فرمایا ہے، اکابر اولیا نے ہمیشہ فرمایا ہے کہ مجرد شہوت پر نہ جاؤ الخ۔" [امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات ص:۲۶۷]

[۵] طعام میت یعنی دعوت میت کے بارے امام احمد رضا لکھتے ہیں:

"مردہ کا کھانا صرف فقرا کے لیے عام ہے دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے، غنی نہ لے نہ کھائے، کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات واللہ تعالیٰ اعلم." [ایضًا ص ۳۲۴]

[۶] میت کے گھر شادیوں کی طرح احباب اور دوستوں کے اجتماعات اور دعوتوں کے متعلق ایک استفسار کے جواب

میں تحریر فرماتے ہیں :

”اے مسلمان! یہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا کیا ہے ؟یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں، سخت خرابیوں پر مشتمل ہے۔“[ایضًا ص:۳۲۲]

امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :

”یہ چیزیں غنی نہ لے، فقیر لے۔ اور وہ جوان کا منتظر رہتا ہے، ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے، اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے، مشرک یا چماروں کو ان کا دینا گناہ، گناہ، گناہ۔“[امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، ص:۳۲۶]

[۷]جہالت میں زندگی گزارنے والے لوگ اپنی شادیوں پر گانا بجانا فخر سمجھتے ہیں اور کہیں تو مروجہ رسم و رواج ناک مونچھ کا مسئلہ بن جاتا ہے اور رشتہ داروں کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لیے محفلیں آراستہ کی جاتی ہیں، بھلے ان میں ہزاروں لاکھوں روپے کیوں نہ خرچ ہو جائیں، معاذاللہ جس شادی میں ناچ گانا نہ ہو، اسے شادی ہی نہیں سمجھا جاتا ہے، جب کہ اسلام اس سے سخت منع کرتا ہے۔ امام احمد رضا اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

”جس شادی میں یہ حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں، اگر دانستہ شریک ہو گئے تو جس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو، سب مسلمان مرد عورتوں پر لازم ہے کہ فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی جورو، بیٹی، ماں بہن، کو گالیاں نہ دلوائیں، فحش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضب الٰہی سے حصہ لیں گے والعیاذ باللہ رب العالمین۔“[ایضًا ص۳۳۶/۳۳۷]

حاصل یہ ہے کہ امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی نے غلط رسم و رواج، باطل خیالات، بے بنیاد روایات، بدعات و خرافات و منکرات شرعیہ کی روک تھام اور ان کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور حتی الوسع اس راہ میں اپنی زبان و قلم کی طاقت صرف کرتے رہے اس کے باوجود یہ کہنا کہ ان کی ذات سے بدعات کا فروغ ہوا دیانت اور انصاف کے خلاف اور سمجھ سے بالاتر ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد　　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

*****

امام احمد رضا اور مزارات اولیا

مولانا الٰہی رضا: جامعہ نوریہ گلشن زہرا، سبرام پور، اتر دیناج پور

مزارات اولیا پر حاضری باعث خیر وبرکت ہے، لیکن اس کے کچھ اصول وآداب ہیں، جن کی بجاآوری ضروری ہے، المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان آداب اور احکام کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ مزارات اولیا پر خرافات کی کثرت ہے، عورتیں بے محابا مزارات پر جاتی ہیں۔ اعراس میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط اہل سنت کے لیے دردِ سر بن چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے اس حوالے سے تفصیلی احکام اپنے رسالہ جمل النور فی نهي النساء عن زيارة القبور میں تحریر فرمائے ہیں، ہم یہاں اس کتاب سے چند عبارات نقل کر کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۶/ پر در مختار کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

يكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان [در مختار]

فسادِ زمانہ کے باعث جماعت میں عورتوں کی حاضری مطلقا مکروہ [تحریمی وناجائز] ہے اگرچہ جمعہ یا عید یا وعظ کے لیے حاضری ہو، اگرچہ بڑھیا کی حاضری شب ہی کو ہو، یہ اس مذہب کے مطابق ہے جس پر فتویٰ ہے۔

صفحہ ۱۸/ پر فرماتے:

صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابوداؤد میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے لو ادرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل.

اگر نبی ﷺ ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انہیں مسجد سے منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔

پھر تابعین ہی کے زمانہ سے ائمہ نے ممانعت شروع فرما دی، پہلے جوان عورتوں کو پھر بوڑھیوں کو بھی، پہلے دن میں پھر رات کو بھی، یہاں تک کہ حکم ممانعت عام ہو گیا۔ کیا اس زمانے کی عورتیں گربے والیوں کی طرح گانے ناچنے والیاں یا فاحشہ دلالہ تھیں، اب صالحات ہیں؟ یا جب فاحشات زائد تھیں اب صالحات زیادہ ہیں؟ یا جب فیوض وبرکات نہ تھے اب میں زائد ہیں؟

حاشابلکہ قطعایقینااب معاملہ بالعکس ہے، اب اگرایک صالحہ ہے توجب ہزار تھیں ،جب اگرایک فاسقہ تھیں اب ہزار ہیں، اب اگرایک حصہ فیض ہے جب ہزار حصے تھا۔

صفحہ ۲۰؍ پر لکھتے ہیں:

"جب ان خیر کے زمانوں میں ان عظیم فیوض وبرکات کے وقتوں میں عورتیں منع کردی گئیں ۔ اورکاہے سے ؟ حضور مساجدوشرکت جماعات سے، حالاں کہ دین متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے، توکیاان ازمنۂ شرور[برائیوں کے زمانوں]میں ان قلیل یاموہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کواجازت دی جائے گی ؟ وہ بھی کاہے کی؟ زیارت قبور کوجانے کی۔ جوشرعًاموکّدنہیں اور خصوصًاان میلوں کھیلوں میں جوخداناترسوں نے مزارات پرنکال رکھے ہیں، یہ کس قدر شریعت مطہرہ سے منافقت ہے۔"

اخیر میں صفحہ ۴۰؍ کی عبارت ملاحظہ ہو،اعلیٰ حضرت امام قاضی عیاض علیہماالرحمہ متوفی ۵۴۴ھ کے فتویٰ کونقل فرماتے ہیں:

"امام قاضی سے استفتاہواکہ عورتوں کومقابر کوجاناجائز ہے یانہیں ؟فرمایاایسی جگہ جوازوعدم جواز نہیں پوچھتے یہ پوچھوکہ اس میں عورت پرکتنی لعنت پڑتی ہے، جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کاارادہ کرتی ہے، اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھرسے باہرنکلتی ہے سب طرفوں سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں، جب قبرتک پہنچتی ہے میت کی روح اس پرلعنت کرتی ہے، جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔"

محترم قارئین !امام احمد رضارضی اللہ عنہ کی مذکورہ عبارات کاخلاصہ یہ ہواکہ زمانہ کے فساد کی وجہ سے عورتوں کومزارات اولیاکی حاضری سے سختی کے ساتھ روکاجائے ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نارضگی کاسبب ہوگا۔

*****

مقالات

☆ادبیات

انتقادی نظریات اور امام احمد رضا کا اصولِ نقد

ڈاکٹر امجد رضا امجد: ادارۂ شرعیہ، پٹنہ، بہار

اصول تنقید کے موضوع پر اردو ادب کے ناقدین نے بہت کچھ لکھا ہے، جن میں حالی و شبلی، امداد امام اثر، نیاز فتح پوری اور محی الدین قادری زور سے لے کر کلیم الدین احمد، احتشام حسین اور آل احمد سرور کی تحریریں بہر حال نمایاں اور خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری اور سلیم اختر کی تنقیدی خدمات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ مگر ہمارے انتقادی ادب کا یہ المیہ ہے کہ تذکروں کے تنقیدی مواد اور شعرا کے تنقیدی شعور کی یادداشتوں سے لے کر زمانۂ حال کے ناقدین کی تحریروں تک اس موضوع پر ہزاروں صفحات پڑھ جایئے اور بڑے بڑے نقادوں کے تنقیدی نظریات کھنگال ڈالیے پھر بھی آپ کو ایسے جامع اور منضبط تنقیدی اصول نہیں ملیں گے جو اصل ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں۔

یوں تو تنقید کے سلسلے میں صاحب قطب مشتری کے منظوم خیالات، ولی اور فائز کے تنقیدی افکار، گلشن بے خار اور نکات الشعراء کے بیانات، مجموعہ نغز اور آب حیات کی تحریریں بار بار حوالوں کے کام میں آتی رہی ہیں اور ''اردو تنقید کی تاریخ'' جیسی کتاب میں ڈاکٹر مسیح الزماں نے عربی و فارسی اصول نقد پر گفتگو کرتے ہوئے ابوالفرح قدامہ بن جعفر کے ''نقد الشعر'' اس کی شرح ''عقد الشعر'' اور ابن رشیق کی کتاب ''مرأۃ الشعر'' سے بہت کچھ کام کی باتیں اخذ کی ہیں اور انہیں سلیقے سے سامنے لایا ہے۔ لیکن فی الواقع یہ سب کچھ بنیادی طور پر شاعری کے اصول ہیں جنہیں خالص تنقید کے جامع اصول کہنا بڑی حد تک تکلف سے خالی نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بیش تر ناقدین فن اب تک یہی فیصلہ نہیں کر سکے کہ انفرادی پسندیدگی کو معیار بنا کر اصول وضع کیے جائیں، یا اجتماعی پسندیدگی کو وضع اصول کا معیار بنایا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تنقیدی دبستانوں کی تاریخ بڑھتی رہی اور دوسری طرف آزاد نقاد، جیسا کہ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

''ضروری ہے کہ ہم خود اپنے لیے اصول مرتب کر لیں چوں کہ آج کل فن انتقاد کے متعدّد اصول پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے لیے علیحدہ قوانین مقرر کر لیے ہیں، ایک آزاد نقاد کے لیے بہترین طریقہ یہی ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو کسی ایک اسکول کا پیرو نہ سمجھے اور خود اپنی قوتِ تمیز سے کام لے کر حسن و قبح کا فیصلہ کرے، اس کو صرف اپنی رائے پر اعتماد کرنا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی صحیح ہے''۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں نقد ادب کے متخالف نظریات اور متضاد اصولوں کا سامنے آنا اور پروان چڑھنا ناگزیر ہے

کیوں کہ ہر شخص کے ذوق کا معیار اور پیمائش کا زاویہ نہ تو یکساں ہوتا ہے اور نہ ہی یکساں ہو سکتا ہے۔ نظریاتی بکھراؤ کے اس ماحول میں ایک ہی ادب پارہ حکم اور تعین مراتب کے وقت بعض کے نزدیک ادب میں اضافے کا باعث ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک ناقابل اعتنا قرار پاتا ہے۔

یہاں پہنچ کر ہمیں ایک ایسے جامع و مانع اور منضبط و محکم اصول کی ضرورت کا شدید احساس ہوتا ہے جو عقل و منطق کی کسوٹی پر پورا اترتا ہو، جس میں سائنس کی سی صحت و قطعیت ہو، جو ذاتی پسند و ناپسند سے بالاتر ہو کر دوٹوک فیصلہ کرنے اور فن و فن کار کے ساتھ انصاف سے کام لینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور حکم و تعیینِ مراتب میں کسی کش مکش، بیجا مصلحت، ذاتی یا گروہی عصبیت کا شکار نہ ہو۔ اگر پوچھا جائے کہ اردو تنقید میں اب تک ایسے اصول وضع ہوئے یا نہیں جنہیں کلیۃً عقلی و منطقی کہا جا سکے اور جو تنقید کے تمام دبستان کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو بہ ہمہ وجوہ یعنی ترتیب و تنظیم اور جامعیت و معنویت کے اعتبار سے اس سوال کا مثبت جواب یقیناً مشکل ہی نہیں قریب المحال ہوگا۔ ہاں مختلف ناقدین کے یہاں جابجا بکھرے ہوئے چند ایسے اصول ضرور مل جائیں گے جنہیں صحیح معنوں میں اصول نقد کہا جا سکے۔ دیگر ارباب علم و نقد کے دوش بدوش چودھویں صدی ہجری کے ایک عظیم محقق، فقیہ، ناقد اور شاعر امام احمد رضا بریلوی کے یہاں بھی ایک رسالہ "الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ" میں تنقید کے چند اصول بیان ہوئے ہیں۔ اس رسالہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ آج سے ایک سو سولہ [۱۱۶] سال پہلے یعنی ۱۳۰۶ھ میں لکھا گیا اور جسے حالی کے "مقدمہ شعر و شاعری" پر بھی کم سے کم ۴/۵ برسوں کا تقدم حاصل ہے، حالی کی کتاب ۱۸۸۳ء میں مکمل ہوئی جب کہ عیسوی تقویم کے لحاظ سے امام احمد رضا کا یہ رسالہ ۱۸۷۹ء کی یادگار ہے۔ آیئے دیکھیں ان اصولوں کی کیا اہمیت ہے اور انہیں اردو تنقید کے جامع اصول کی حیثیت سے قبول کرنا کہاں تک ممکن اور قرین انصاف ہے۔

اگرچہ بنیادی طور پر اس رسالہ میں عملی تنقید سے کام لیتے ہوئے ایک عربی قصیدے "قصیدۂ غوثیہ" کی زبان و بیان پر ہونے والے اعتراضات کا جواب مہیا کیا گیا ہے، لیکن یہاں چوں کہ بر سبیل تذکرہ صاحب رسالہ نے اصل موضوع [تنقید ادب] سے متعلق چند اصول قائم کر کے اپنی گفتگو آگے بڑھائی ہے، اس لیے اصل بحث پر مستزاد، اس کا مطالعہ یوں مفید مطلب بن جاتا ہے کہ یہاں صاحب رسالہ نے جو تنقیدی اصول سامنے لائے ہیں وہ ایک آفاقی انداز رکھتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ وہ محض عربی یا کسی ایک زبان کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ایسا آفاقی فطری اور عقلی اصولی تنقید ہے جس کی جامعیت و مانعیت اور افادیت علیٰ حالہ برقرار ہے۔

اس رسالے کے سطور اور بین السطور سے بآسانی اندازہ ہوتا ہے کہ تنقید کی پہلی ضرورت امام احمد رضا کے نزدیک مقصودِ فن کی تعیین ہے، یعنی اس امر کی تحقیق کہ ادب کی تخلیق و ترسیل سے ادیب کا منشا کیا ہے اور اس نے اپنی تخلیق میں کس چیز کو فن کا موضوع ٹھہرایا ہے۔ مقصودِ فن متعیّن کیے بغیر تعمیری اور مثبت تنقید ممکن ہی نہیں، اس لیے تنقید کی پہلی شرط یہی ہے کہ ناقد مقصودِ فن کی شناخت کرے اس شناخت کے لیے امام احمد رضا نے تجزیہ و تحلیل کے ذریعہ ایک ہی ادب پارے کی چار جہتیں متعیّن کی ہیں:

اول----------مقصود بالذات

دوم-----------مقصود بالغیر

سوم------------توابع ولحوق مقصود

چہار-----------آلۂ اظہار مقصود یعنی الفاظ

اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے متعدّد مثالوں سے ان جہات چہار گانہ کے مرتبہ کی وضاحت بھی کی ہے جس سے بدیہی طور پر کسی بھی ادب پارے کے مقصود و مطلوب کی شناخت آسان ہوجاتی ہے۔ پہلی قسم کے بارے میں امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

مقصود بالذات من کل الوجوہ وہ معانی ہیں جو اس فن کے مقاصد ہوں اور اس بحث میں سوق کلام بھی خاص انہیں کے لیے ہو جیسے کتاب الصلوٰۃ میں مسائل صلوٰۃ کا ذکر، اور کتاب الصوم میں مسائل صوم کا۔

دوسری قسم کے بارے میں فرماتے ہیں:

"باعتبار عموم مرام تو مقصود بالذات ہو مگر بلحاظ خصوص مقام مقصود بالغیر وہ معانی ہیں کہ اپنی ذات میں تو اس فن کے مقاصد سے ہوں مگر یہاں اس کے لیے سوق کلام نہیں جیسے کتاب الصلوٰۃ میں دلائل وشواہد کے ضمن میں بعض مسائل صوم کا آجانا۔ اگرچہ روزہ کے مسائل بھی حقیقتاً مسائل فقہ سے ہیں مگر کتاب الصلوٰۃ میں ان کا ذکر تبعی ہے"

تیسری قسم کے متعلق فرماتے ہیں:

"وہ اصلا مقاصد فقہ سے نہیں بلکہ محض مقصود کے توابع ولواحق ہیں جیسے فقہ کی کتابوں میں احادیث کا ذکر، یا اصول اور حدیث کی کتابوں میں مسائل فقہ کا ذکر۔"

چوتھی قسم کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ جنہیں قصد ونظر سے اصلا کوئی علاقہ نہ ہو بلکہ وہ مطالب اصلیہ وتبعیہ کے بیان [واظہار] کا صرف آلہ ہوں جیسے الفاظ"،

اس تقسیم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فن پارے میں [اگر وہ ادب برائے تفریح نہ ہو] الفاظ کی حیثیت حقیقتاً ذرائع ووسائل کی ہوتی ہے مقصود کی نہیں۔ دوسری اور تیسری سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ مقصود کے اثبات کے لیے دلائل وشواہد کے طور پر پیش کیے گئے مواد کی حیثیت محض مقصود کے معاون کی ہوتی ہے۔۔ چاروں اقسام بیان کرنے کے بعد امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"اس ترتیب میں جو مرتبہ جتنا اترتا ہے اس کی طرف التفات متکلّم اسی قدر گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ جانب الفاظ نظر نہایت سرسری اور محض بے پروائی کے ساتھ رہ جاتی ہے۔"

مفہوم یہ ہے کہ قسم دوم وسوم میں اگر کوئی فنی نقص در آئے تو اس سے فن کار کی شخصیت اور فن پارے کے اصل مقصود کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ہاں! یہ ضرور ہے کہ جس میں نقص واقع ہو، اسے فنی لحاظ سے ناقابل اعتبار کہا جائے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"کتب اصول میں جو مسائل فرع مذکور ہوں وہ کتب فقہ کے مخالف ہوں تو پایۂ اعتبار سے مجروح ہوں گے جب مسئلہ کا ایک حکم اس کے باب میں مذکور اور دوسرا اس کے خلاف باب میں مسطور، تو باب کا حکم غیر باب سے اولیٰ اور معتبر تر ہے"۔

پھر چوتھی قسم یعنی الفاظ کے متعلق فرماتے ہیں:

"جب قسم دوم سوم کا تنزل اس درجہ موجب تساہل ہوتا ہے تو قسم سوم چہارم [الفاظ] کس درجہ بے پروائی و سہل نگاری کی محل ہونی چاہیے"۔

ان چاروں اقسام کی تعریف و تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تنقید مقصود فن پر ہونی چاہیے لواحق مقصود اور ذریعۂ اظہار یعنی الفاظ پر نہیں کہ اصلاً بڑے فن کار کی توجہ قدرت فن کے باوجود یا تو دیگر مصالح سے اس طرف ہوتی ہی نہیں ہے یا اگر ہوتی ہے تو پورے اہتمام کے ساتھ نہیں ہوتی۔۔۔۔ایسی صورت میں دراصل ناقد کا کام یہ دیکھنا ہے کہ فن کار نے اپنے فن پارے اور ادیب نے ادب پارے میں کیا پیش کیا ہے اور جو کچھ پیش کرنا چاہا ہے اس میں وہ کامیاب ہے یا نہیں۔۔۔۔اور دوسری بات یہ ہے کہ متذکرہ اصولوں کی پیش کش کرنے والے فاضل رسالہ نگار کا رجحان معنی مراد کی طرف غالب ہے۔ وہ کسی بھی تخلیق کا مطالعہ ومشاہدہ خالص جمالیاتی اور ہیئتی اعتبار سے نہیں کرتے بلکہ الفاظ کا نقاب الٹ کر حسن معانی کا بنظر غائر مطالعہ ومشاہدہ کرتے ہیں۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ امام احمد رضا کے یہاں الفاظ، زبان وبیان اور خارجی ہیئت کی کوئی اہمیت ہی نہیں، جمالیات کا ان کے یہاں بھی ایک پاکیزہ توانا تصور موجود ہے اور انہیں بھی تمام ادبیاتی لٹریچر میں جمالیاتی عناصر کی تلاش رہتی ہے ۔۔۔۔مگر وہ شبلی نعمانی اور نیاز فتح پوری کی طرح حسن کے معاملہ میں انتہا پسند واقع نہیں ہوئے ہیں کہ ادب کی روح سے اغماض کر سکیں اور خارجی حسن پر جان چھڑکتے جائیں۔۔۔۔الفاظ کو ذریعۂ اظہار کہنے سے ان کا مفہوم یہ ہے کہ جس تخلیق کا مقصود ادب نہیں کوئی اور موضوع ہو وہاں الفاظ کی حیثیت محض ابلاغ و ترسیل اور وسیلۂ اظہار کی ہوگی اور اس تخلیق پر تنقید کرتے وقت خارجی ہئیت کو نہیں بلکہ اس کے اصل مقصود کو موضوع بنانا ہوگا۔۔۔مگر جس تخلیق کا مقصود ہی ادب ہو وہاں الفاظ و معانی اور مواد و ہئیت دونوں پر یکساں نظر رکھی جائے گی کہ یہاں مقصود میں مواد اور ہئیت دونوں شامل ہیں اور ادب دونوں کے تلازم ہی کا نام ہے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ایک انگریز نقاد [فرل] کا قول نقل کیا ہے کہ "ادب کو فنون لطیفہ کی ایک شاخ اور سماجی عمل دونوں حیثیتوں سے دیکھنا چاہیے، جب ادب کو اس طرح دیکھا جاتا ہے تو اس کے دو پہلو نظر آتے ہیں۔[۱] ایک افادی FUNCAL اور [۲] دوسرا جمالیاتی ACATHETIO اور ادب ان دونوں نقطوں سے مل کر بنتا ہے" اس لیے ادبی نگارشات پر تنقید کے وقت دونوں پہلوؤں پر نظر رہنی چاہیے، مگر اس یقین کے ساتھ ہیئت کے مقابلہ میں مواد کی اہمیت زیادہ ہے۔ خالص جمالیاتی عینک لگا کر ادب کا مطالعہ کرنا ادب کے ساتھ انصاف نہیں بلکہ یک گونہ انتہا پسندی کی دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ نہیں وہ ادب کی ظاہری آرائش اور معنویت کی خارجی تزئین کے باوجود ادب کی روح کا درجہ نہیں پا سکتے اور روح کی برتری بہرحال جسم پر غالب ہے۔امام احمد رضا لکھتے ہیں:

"لفظ قالب ہے اور معنیٰ روح، متوجہ روح کو تزئین بدن سے چنداں کام نہیں ہوتا جب انہیں اصل مقصود سے کام ہے تو اسی کا اہتمام ہے لفظ کی طرف اتنی توجہ بالتبع رکھتے ہیں کہ افادۂ مراد کرے"

یہی نظریہ ائمہ کرام اور علمائے کبار کا ہے چنانچہ امام ظہیر الدین فتاویٰ ظہیریہ میں اور امام سمعانی خزانۃ المفتیین میں فرماتے ہیں:"ان الالفاظ قوالب مالھا عبرۃ انما العبرۃ للمدعا" یعنی الفاظ ایک ڈھانچہ ہے اس کا اعتبار نہیں ہاں!

مدعیٰ و مقصود کا اعتبار ہے۔ اسی وجہ سے یہ حضرات الفاظ کی طرف اتنی ہی توجہ رکھتے ہیں جس سے اپنی مراد کو ظاہر کر سکیں، زبان وبیان اور فنی قواعد سے انہیں بنیادی غرض نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں قواعد زبان سے بے پروائیوں کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی اپنی کتاب ''تلویح شرح توضیح'' میں امام صدر الشریعہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

المصنف کثیر اما یتسامح فی صلات الا فعال میلا الی جانب المعنی

معنی کی طرف میلان زیادہ ہونے کی وجہ سے افعال کا صلہ لانے میں وہ اکثر تسامح کر جاتے ہیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کے مصنف امام علی بن ابی بکر کے تعلق سے مفتاح السعادہ نامی مستند کتاب میں لکھا ہے: ''انہ لا یذکر الفاء فی جواب اما اعتماداعلیٰ ظھور المعنیٰ'' یعنی ظہور معنیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے وہ نحوی قاعدہ کے خلاف حرف شرط اماّ کی جزا پر ''فا'' استعمال نہیں کرتے تھے۔ حضرت مولانا روم کی مثنوی بہت مشہور و معروف اور مستند ہے مگر اس میں بھی بہت سے اشعار اور مصرعے ایسے ہیں جو خلاف قواعد ہیں اور بقول امام احمد رضا:

''ان کی کی گنتی ہی نہیں جنہیں صحیح کر کے پڑھیے تو ایسے زحافات میں پڑیے جو نظم فارسی میں ممنوع یا طبع و گوش کو سخت نامطبوع۔''

امام احمد رضا نے اپنے رسالہ میں امام مسلم، امام بیہقی، امام قاضی عیاض، امام قاضی خان، امام صدر الشریعہ، امام کردری، امام سیوطی، علامہ مناوی، علامہ زرقانی، علامہ علی قاری اور فقہی کتب ہدایہ، خلاصہ، خزانہ، منیہ، بحر الرئق، نہر الفائق اور درر کے مصنفین اور عربی ادب کے اکابرین کے یہاں قواعد زبان کے اغلاط پر مشتمل تیس مثالیں دی ہیں اور فرمایا ہے:

''ان اکابر کی ہمم ہمالیہ کا جانب معنیٰ مصروف ہونا ان امور زائدہ [یعنی الفاظ اور قواعد زبان کی طرف توجہ] میں بے پروائی کا باعث ہوتا ہے نہ کہ معاذ اللہ انہیں علم یا ادائے صحیح پر اقتدار نہ تھا''

مولانا روم نے بھی اپنی مثنوی میں معنی کو مغز اور لفظ کو چھلکے سے تعبیر کیا ہے اور مثالوں سے اس کی حقیقت واضح کر دی ہے، فرماتے ہیں:

مغز علم افزود کم شد پوستش — زانکہ عاشق رابسوزد دوستش

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم — پس بسوزد وصف حادث راگلیم

بہر حال اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ تنقید مقصود فن پر ہونی چاہیے خواہ ادب کا مقصود مواد ہو یا ہیئت، یا پھر مواد وہیئت دونوں ہو۔

تنقید کا دوسرا اصول امام احمد رضا کے نزدیک ادب پارے کے شعوری اور غیر شعوری حصے کی شناخت ہے، اس اصول نقد کا تعلق نفسیات سے ہے، نفسیاتی تنقید میں تخلیق کے وجود میں آنے کے داخلی اسباب اور محرکات کا پتہ لگانا ہوتا ہے، امام احمد رضا نے متذکرہ رسالہ میں زیر بحث عربی قصیدۂ غوثیہ پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ عملی تنقید کی اچھی مثال قائم کی ہے بلکہ اس میں ایسے اصول سے بھی کام لیا ہے جو آج کی اصطلاح کے لحاظ سے نفسیاتی تنقید کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس

سے ظاہر ہے کہ وہ ہر تخلیق اور ہر ادب پارے کو ایک ہی عینک سے دیکھنے کے قائل نہیں تھے بلکہ ادب کے شعوری اور غیر شعوری حصے میں تفریق کرتے تھے۔ ذیل میں ان کے اس نظریۂ تنقید کا وہ اقتباس ملاحظہ کیجیے جو موقع کے لحاظ سے تو ایک مخصوص جہت کا غماز ہے، مگر بہر حال اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ تنقید کرتے وقت مصنف کی ذات، اس کے ماحول اور فن پارے کے وجود میں آنے کے اسباب پر نظر رکھنا ضروری خیال کرتے تھے۔ یہ در اصل ایک ایسا مقام اعجاز ہے جہاں امام احمد رضا کے تنقیدی اصول اس مکتب خیال کے وجود میں آنے سے بہت پہلے اپنا جلوہ دکھا جاتے ہیں جو عقلیت پسندی اور اشتمالیت واشتراکیت جیسی اصطلاحات کا سہارا لے کر ترقی پسندی کی باتیں کرتا ہے اور ادیب و شاعر کے ماحول کا تجزیہ دنیائے تنقید میں اپنی اختراع سمجھتا ہے۔۔۔ اس لحاظ سے اس اقتباس کا پہلا جملہ بڑی معنویت رکھتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”یہ تمام کلام، عام احوال ناس میں روا تھا اب ایک وہ وقت خاص لیجیے جو عوام کو اپنی بعض مروات عظیمہ ملنے سے نادرًا اور حضرات اولیاے کرام کو ہنگام ورود عظیمہ و تجلیات فخیمہ بکثرت حاصل ہوتا ہے۔۔۔ یعنی غایت سرور و شادمانی کہ مجامع قلب کو یک لخت محیط ہو کر تمام این وآں سے محض غافل کر دے۔۔۔ ہزاروں پر یہ امر ایسی کیفیت لاتا ہے کہ ”**حتیٰ تعلموا ما تقولون**“ کی حد سے گزار دیتا ہے۔۔۔ اس وقت جو کچھ بیخودانہ ان کی زبان سے نکلے وہ آپ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں کیا ہیں کیا کہتے ہیں؟“

ظاہر ہے ایسے فن پارے یا ایسی تصنیف جو غیر شعوری کیفیات کی مرہون ہوں ان پر تنقید کرتے وقت وہی نظریہ اپنانا جو شعوری کوششوں سے مرتب کردہ فن پارے پر آزمایا جاتا ہے انصاف نہیں ہوگا۔۔۔ اس کی مثال ایک حد تک ایسی ہی ہے جیسے اردو مکتوبات میں مولانا ابو الکلام آزاد کے غبار خاطر اور اس کے مقابلے دوسرے مکتوبات کا۔۔۔ مولانا آزاد کا مجموعۂ خطوط بالالتزام آورد کا منظر پیش کرتا ہے، جب کہ دوسرے مکتوبات آمد کی کیفیات کے حامل ہیں، اور آمد و آورد کا جو فرق ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

مقصود فن کی تعیین اور ادیب وادب کے تجزیہ و تحلیل کے بعد کی تنقید کے لیے تیسری چیز امام احمد رضا کے نزدیک نظم ونثر کا امتیاز ہے۔ انہوں نے نظم و نثر دونوں کی تنقید کا پیمانہ الگ الگ رکھا ہے اور یہی انداز تنقید عقلی طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ شاعری اور نثر نگاری جب دو مستقل فن ہیں اور دونوں کے تقاضے بھی الگ الگ ہیں ایسی صورت میں ناقد کے لیے جواز نہیں رہ جاتا کہ وہ نثر و نظم دونوں کو ایک ہی نظریۂ تنقید کا پابند کر دے۔ امام احمد رضا اپنے تیسرے اصول میں اسی نظریہ کی وضاحت کرتے ہیں:

”یہ سب کلام سے متعلق تھا پھر کیا پوچھتے ہو نظم کو جس کا میدان نہایت تنگ اور اس کا کام بغیر اس کے کہ امور زوائد کی طرف ہمت خاص بروجہ اختصاص مصروف کی جائے تمام نہیں ہوتا۔۔۔ کیا جس نے صناعت شعر برتی یا اس میں آشنایانہ نظر کی ہے، نہیں جانتا کہ اس میں بہ نسبت نثر کس درجہ ضیق مضال، وعسر مقال، وبعد منال ہے جس کے باعث شعرا ہزاروں باتیں ایسی برتتے ہیں کہ نثر میں برتیں تو قانون عربیت [زبان] پر محض غلط و باطل یا حلیہ فصاحت سے عاطل ہو۔“

اس لیے نظم میں ضرورت شعری کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور شعراے عرب ہوں یا شعراے ایران و ہند سبھوں نے ضرورت شعری کے سبب خلاف قواعد اشعار موزوں کیے ہیں۔ امام احمد رضا علماے ادب عربی کے یہاں اس کی نظیر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیا کتب ادبیہ میں ہزار جگہ تصریح نہیں کہ قاعدہ یوں ہے اور فلاں فلاں شعر میں بوجہ ضرورت شعر اس کا خلاف یہ[مستعمل ہوا]۔۔۔صحاح جوہری میں امام اہل عربیت ابو الحسن اخفش سے منقول ہے" حق ھٰذا [کذا کذا] الا انه يجئى فى الشعر مالا يجئى فى الكلام [یعنی قاعدہ تو یہ ہے کہ مگر شعر میں وہ کچھ روا ہو جاتا ہے جو نثر میں جائز نہیں] خصائص ابن جنی میں ہے:

ان احتاج الیٰ ذلك فى شعر أو سجع فانه مقبول منه غير منفى عنه.

ترجمہ: اگر نظم میں خلاف قاعدہ استعمال کرنے کی حاجت ہو تو جائز ہے ممنوع نہیں۔

مگر یہ جواز سب کے لیے نہیں، اور نہ موقع بے موقع ہر جگہ ضرورت کی راگ الاپنا صحیح ہو سکتا ہے۔۔ ایک صاحب نے اپنے ایک شعر

پاک ہے وہ جسم و جوہر عرض سے ۔۔۔ مادہ سے اور مکاں سے مرض سے

میں عرض کی طرح مرض کی را کو ساکن باندھا تھا اعتراض ہوا تو کہنے لگے کہ بضرورت جائز ہے اور اس کا نام تفریس ہے، امام احمد رضا نے اس کی گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

"ایسے تصرفات کا ہمیں اختیار نہیں دیا گیا کہ سماع بے سماع ہر جگہ جاری رکھ سکیں اور ضرورت کا جواب وہی ہے کہ "شعر گفتن چہ ضرور"

اگر ایسی کوئی غلطی اکابر اساتذۂ فن سے ہو جائے تو وہ بے پروائی پر محمول ہو سکتی ہے، دوسروں کے لیے اسے دلیل بنانا جائز نہیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"کوئی عیب لفظی ہو خواہ معنوی، ایسا نہیں جس کی مثال اساتذہ کے کلام سے نہ دی گئی ہو، اس سے نہ وہ جائز ہو جاتا ہے اور نہ عیب ہونے سے باہر آتا ہے، نہ اس میں ان کی تقلید روا ہو"

مگر غلطی بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جس سے معنی و مفہوم میں فساد لازم آئے، یہ قابل گرفت ہے خواہ کسی مبتدی سے صادر ہو یا کسی ماہر فن سے، اس طرح کے تصرف کی اساتذۂ فن کو بھی اجازت نہیں۔۔۔ دوسری وہ جس سے معنی میں فساد تو نہ ہو مگر ادب کی ظاہری ہیئت خلافِ قواعد ہو، اور جیسا کہ ابھی ایک اقتباس میں کہا گیا یہ صورت داخل اباحت ہے۔

اب آیئے، اردو کے اکابر تنقید نگاروں کے اصولی نظریات کی طرف! کہنے کی ضرورت نہیں کہ خواہ سبب کچھ بھی ہو بہر حال حالی کے مقدمۂ شعر و شاعری کا، اصل موضوع شاعری ہے، تنقید نہیں۔ تاہم اس میں جو نظریات قلم بند ہوئے ہیں اگر وہ تنقید کے اصول فرض بھی کر لیے جائیں تب بھی وہ زیادہ سے زیادہ نظم کے اصول نقد ہوں گے نثر کے نہیں۔ یہی حال شبلی

کے ”موازنہ انیس ودبیر“ اور ”شعر العجم“ کا بھی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ مواد وہیئت کے معاملہ میں ہیئتی ہو کر رہ گئے ہیں، جو اصول سازی کے لیے قطعاً مناسب نہیں ۔۔۔۔ دیگر ناقدین کی طرف دیکھا جائے تو ان کے یہاں بھی اصول نقد کی جامعیت بڑی حد تک مفقود ہے مثلاً حالی کے مسدس پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولوی عبد الحق ادیب کے ماحول، اس کی افتاد طبع اور اس کے ذہنی رجحان کی تلاش و تفتیش تو کرتے ہیں، مگر تنقید کے دوسرے اصولوں سے ان کا دامن خالی نظر آتا ہے۔

ترقی پسند ناقدین میں احتشام حسین کا بڑا نام ہے اور انہوں نے اصول سازی کے لیے درپیش مسائل کو جابجا پیش کیا ہے مگر وہ بھی کوئی جامع اصول پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں، ان کے یہ سوالات:

[الف] ادب کا کتنا حصہ شعوری کوششوں کا نتیجہ ہے اور کتنا غیر شعوری مجبوریوں کا۔

[ب] مصنف کی نیت اور اس کے مافی الضمیر کا تجزیہ کیا جائے کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ سکا۔

[ج] اثر الفاظ و اظہار سے پیدا ہوتا ہے یا موضوع، مقصد اور مثال سے۔

یہ سوالات اہمیت کے حامل ضرور ہیں مگر ان کے یہاں ان سوالوں کا کوئی غیر جانبدارانہ جامع اور اصولی جواب بہ مشکل تمام ہی مل سکتا ہے۔ کلیم الدین احمد نے نظم و نثر کے لیے الگ الگ اصول ضرور متعیّن کیے اور اس خصوص میں بلا شبہہ وہ منفرد ہیں مگر ان اصولوں میں بھی اسلوب وہیئت کو زیادہ دخل ہے اور معنویت کو کم ۔۔۔۔ ناقدین ادب کی ردیف عالیہ میں ایک خاص حد تک صرف محی الدین قادری زور ایسے ناقد ہیں جن کے تنقیدی اصول نسبتاً زیادہ جامع کہے جاسکتے ہیں، ان کی کتاب ”روح تنقید“ میں پانچ اصول بیان کیے گئے ہیں جن میں چار اس طرح خصوصی اہمیت کے حامل ہیں کہ امام احمد رضا کے اصول نقد سے قریبی مطابقت رکھتے ہیں۔

1. کتاب ظاہری شکل کے اعتبار سے جس صنف سے متعلق ہو اس کی خصوصیات پر حاوی ہے یا نہیں۔
2. معانی و مطالب کے لحاظ سے موضوع کی تمام خوبیوں سے متّصف ہے یا نہیں۔
3. زیر تنقید ادبی کارنامے کی زبان اور اسلوب پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔
4. مصنف کی ذات، اس کے ماحول اور اس کی تصنیف کے ماخذوں کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے زور کے ان اصول نقد کی تعریف تو کی ہے اور انہیں بڑی حد تک سائنٹیفک کہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے:

”اتنی سختی سے اصولوں کی پابندی اردو تنقید میں اس سے قبل کسی اور نقاد نے نہیں کی شاید اسی وجہ سے ڈاکٹر عبادت بریلوی اس سلسلہ میں انتہا پسند ہو گئے ہیں“

گویا ایک ایسے اصول کی سختی سے پابندی جو سائنٹیفک ہوں عبادت بریلوی کی نظر میں یک گونہ انتہا پسندی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اصول بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے اور کسی کے انتقادی نظریات اور عملی تنقیدوں میں اصول کی کھوج کیا معنیٰ رکھتی ہے۔ پھر مذاق و مزاج کی دورنگی کا یہ عجیب سانحہ ہے کہ ایک طرف ایسے حضرات تنقیدوں میں تجزیہ کی شان بھی دیکھنا پسند

کرتے ہیں اور نہ ملنے کی صورت میں اسے تنقید کی خامی بتاتے ہیں، یہاں تک کہ محمد حسین آزاد کے تنقیدی خیالات میں بھی جانب داری نظر آتی ہے اور کہیں یہ حضرات تنقیدوں میں سائنٹیفک تجزیہ کی کیفیت دیکھ کر زور جیسے نقاد پر انتہا پسندی کا الزام لگاتے ہیں، اس طرح ڈاکٹر زور سے قطع نظر بالعموم بڑے بڑے ناقدین کے یہاں نظریاتی سقومات اور دوہرے معیار و میزان کا تکلیف دہ اندازہ ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اردو ناقدین کے جتنے اصول و نظریات سامنے آئے ہیں، عبادت بریلوی اور کئی دوسرے حضرات کی تحقیق کے بموجب تقریباً وہ سبھی مغرب سے مستعار ہیں۔۔۔۔ مثلاً حالی ملٹن اور مکالے سے متاثر ہیں، شبلی مشرقی ذہنیت کے باوجود صاف طور پر مل اور لوئس سے متاثر ہیں، مولوی عبدالحق کی تنقیدات میں بھی ادبیات مغرب کے براہ راست مطالعہ نے ہی مزید گہرائی پیدا کی، کلیم الدین احمد کی مغرب زدگی بھی طشت از بام ہے اور احتشام حسین کی تنقید بھی اثرات مغرب سے بے نیاز نہیں ہے۔ حد تو یہ کہ ڈاکٹر زور کے تنقیدی اصول میں بھی جہاں نسبتاً کچھ زیادہ جامعیت ہے، اناطول، فرانس، سوئبرن، میتھو آرنلڈ، پینٹ بیو اور ساٹر ملے کے خیالات کی گونج سنائی دیتی ہے اور عبادت بریلوی نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ:

"یہ خیالات جو تنقید کے متعلق ڈاکٹر زور نے پیش کیے ہیں براہ راست نقادوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں" انہوں نے اپنی طرف سے بہت کچھ لکھا ہے اگر صرف ہڈسن اور میتھو آرنلڈ کی دو کتابوں کو سامنے رکھا جائے تو دونوں ہی میں یہ خیالات مل جائیں گے"

یہ ہے آئینہ ہماری اردو تنقید کا جو پوری طرح مغرب سے مستعار ہے مگر امام احمد رضا کے تنقیدی اصول و نظریات خالص مشرقی ہیں اور ان کی اپنی فکری کوششوں کا نتیجہ۔۔۔۔ ان میں اسلامی لٹریچرز کے مطالعہ کی جھلک ضرور نظر آتی ہے، مگر اصول بہر حال ان کے اپنے ہیں، ان کا جزئیہ مشرق سے آیا ہے ان میں مغربی ادبیات سے درآمد کوئی جزئیہ نہیں ہے، کیوں کہ مغربی زبان و ادب سے ان کا کوئی شخصی اور اکتسابی رابطہ نہیں تھا۔

اس طرح امام احمد رضا کا اصول نقد تہذیبی اور فکری تاریخ کے لحاظ سے ہمارے لیے حد درجہ قابل فخریات ہے اور یقیناً یہ کئی اعتبار سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، کیوں کہ یہ اصول نقد عقلی بھی ہے اور سائنٹیفک بھی، اور اس میں حد درجہ ترتیب اور انضباط بھی پایا جاتا ہے، یہ اصول اس وقت کی یادگار ہیں جب کہ بایں انداز اور بایں ضرورت اصول سازی کی طرف توجہ بھی نہیں دی گئی تھی۔

*****

امام احمد رضا کی تقریظ نگاری

مولانا محمد شاہد القادری: چیئرمین امام احمد رضا سوسائٹی، کولکاتا

تقریظ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کی اصل قرظ ہے، جس کے لغوی معنیٰ کسی شخص، اس کے کلمات یا اس کی تعریف یا مذمت کرنے کے ہیں، مثلاً عربی زبان میں جب کسی [زندہ یا مردہ] شخص کی [جھوٹی یا سچی] مدح [یا مذمت] کی جائے تو کہتے ہیں: ”قرظه تقریظا“ [مصباح اللغات، دیگر عربی لغات]

مولانا شکیل احمد اعظمی تقریظ نگاری اور امام احمد رضا کی تقریظات کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

کسی بھی کتاب پر تقریظ لکھنا اتنا آسان نہیں، جتنا کہ آج کل لوگ تصور کرتے ہیں، اس لیے کہ تصدیق و نظر ثانی اور پھر تقریظ بڑا ہی مشکل امر ہے، اس لیے کہ صاحب کتاب کے احوال کا علم ہونا ضروری ہے، ورنہ پھر تصدیق پر مہر ثبت کیسے ہوگی اور پھر صاحب کتاب سے کہیں زیادہ تقریظ و نظر ثانی کرنے والے کا بھی صاحب علم و فضل ہونا ضروری ہے، جب ہی تو وہ کتاب کی ہر سطر و قیل و قال، سوال و جواب، عقائد و نظریات، فضائل و مسائل کی صحیح ترجمانی فرمائے گا، اس لیے تقریظ و تصدیق کے بعد کتاب کامل و اکمل تسلیم کی جاتی ہے، اس لیے ہر چھوٹا اپنے بڑے کے پاس کتاب دکھانے کے لیے جاتا ہے تاکہ جو کتاب میں کوتاہی و کمی و بیشی رہ گئی ہے وہ حضرت کے دم قدم سے پوری ہوجائے، اسی تناظر میں جب ہم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی عملی زندگی دیکھتے ہیں تو ہزارہا مصروفیات کے باجود اس سلسلے میں چھوٹوں پر شفقت فرماتے اور صاحب کتاب کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے، یقیناً جن کتابوں پر امام احمد رضا کی نگاہ کرم ہوجائے ساتھ ہی تقریظ کے ساتھ مہر ثبت ہوجائے وہ کتاب لاثانی ہے [سہ ماہی افکار رضا ممبئی، اپریل تا جون ۲۰۰۷ء، ص:۱۰]

کسی کتاب کی صحت وسقم کی تمام ذمہ داری اس کے تقریظ نگار پر کب ڈالی جاتی ہے؟ امام احمد رضا بحیثیت تقریظ نگار یوں بیان فرماتے ہیں:

”جس نے علم کی خدمت کی یا عقل و تمیز کے ساتھ علما کی صحبت میں بیٹھا تو وہ تقریظ اور تصحیح کرنے والوں کے الفاظ میں تمیز کرلیتا ہے کہ تقریظ والے اگر یوں کہیں کہ ہم نے یہ رسالہ یا فتویٰ اول سے آخر تک غور و تامل کے ساتھ دیکھا جیسا کہ گنگوہی نے براہین قاطعہ کی تقریظ میں لکھا، تو انہوں نے اس رسالہ یا فتویٰ میں جو کچھ ہے اس سب کی صحت کا ذمہ لیا اور اس وقت درست

ہے کہ اس میں جو کچھ معانی اور عبارات ہیں وہ سب ان تقریظ کرنے والوں کی طرف نسبت کیے جائیں اور اگر یوں کہیں کہ ہم نے اسے جابہ جا دیکھا اور نافع پایا تو صرف اس کی تحسین کی، جس مادہ میں کتاب لکھی گئی، بیان کے طریقے اور دلیل کی روانی اور الفاظ و عبارات ان کے حال سے سکوت ہے، نہ انکار ہے نہ اقرار اور اسی طرح فتویٰ کی تصحیح میں مصحح کا کہنا کہ حکم صحیح ہے بلکہ کبھی ایک پوشیدہ نظر سے اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دلیل یا الفاظ میں کچھ ناپسند ہیں جب تو صرف حکم کو بتایا اور اگر لفظ نفس زیادہ کردیا [کہ لفظ نفس صحیح ہے] تو یہ نقص پر زیادہ دلیل ہوگا، اور اگر مصححین اپنے لفظوں میں دعویٰ کا اعادہ کریں اور کہیں کہ مجیب نے اس کے دلائل کی تفصیل کی، تو ان کے کلام سے دلائل ہی کی تسلیم سمجھی جائے گی اور ممکن ہے کہ انہوں نے نفس دعویٰ میں کسی لفظ کا بدلنا یا بڑھانا یا کسی حرف کا گھٹانا ناپسند کیا، اسی وجہ سے اسے اپنی عبارات میں ذکر کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے دعویٰ کا اعادہ زیادت توضیح و تاکید و تصریح کے لیے کیا ہو تو مصححین پر کچھ حکم نہ لگایا جائے گا کہ انہوں نے اصل کا دعویٰ برقرار رکھا، اس پر کچھ اعتراض کیا اور جب نفس دعویٰ میں یہ بات ہے تو تیرا ان خارج زائد لفظوں پر کیا گمان ہے جنہیں دلیل سے نہ تعلق ہے نہ دعویٰ سے، یہ وہ ہے جو عالمانہ طریقہ کا مقتضی ہے [الدولۃ المکیہ، ص:۱۹۳ تا ۱۹۵]

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے تقریظ لکھنے میں صرف نظر سے کام نہیں لیا ہے، بلکہ آپ تقریظ لکھتے وقت اصل مضمون کو بالاستیعاب پڑھتے اور اگر مضمون مفاد عامہ کے لیے سود مند ہوتا تو تقریظ تحریر فرماتے ورنہ انکار کردیتے۔

علامہ قاضی فضل حق لدھیانوی علیہ الرحمہ نے کس طرح اپنی کتاب ''انوار آفتاب صداقت'' پر سیدی اعلیٰ حضرت سے تقریظ لکھوائی ہے، بہت ہی دلچسپ واقعہ ہے، لکھتے ہیں:

''فقیر اس کتاب کو لے کر بریلی شریف میں بخدمت اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ فاضل ابن فاضل ابن فاضل مولانا مولوی قاری حاجی شاہ احمد رضا خاں حاضر ہوا، حضرت دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا: جب تک میں خود اس کتاب کو بالاستیعاب نہ دیکھ لوں تب تک میری تسلی نہیں ہو سکتی اور نہ میں اس پر کوئی تقریظ لکھ سکتا ہوں، لیکن بہ وجہ آشوب چشم خود پڑھ نہیں سکتا، دوسری صورت یوں ہو سکتی ہے کہ آپ مجھے یہ کتاب حرف بہ حرف ابتدا سے آخر تک سنا دیں تو میں اپنا اظہار رائے کر سکتا ہوں، مگر آپ کو اس میں تکلیف ہوگی اور عرصہ تک آپ کو ٹھہرنا پڑے گا، فقیر نے عرض کیا کہ میں اس تکلیف کو برداشت کرنے کو تیار ہوں کہ جناب کو اس کتاب کے سنانے کی تکلیف دوں اور میں اس تکلیف دہی کی معافی چاہوں، حضرت نے منظور فرمایا، ۳۲/یوم میں اس کتاب کو ابتدا سے آخر تک سماعت فرما کر اظہار خوش نودی فرمایا اور اپنی تقریظ زریں سے کتاب کو مزین کیا اور اس پر ایک اجازت نامہ، سند وعظ و تردید فرق باطلہ کی عنایت فرمایا، جو کتاب ''انوار آفتاب صداقت'' کے صفحہ ۷/ پر درج ہے، یعنی ۲۱/ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ کو میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ۲/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو اس کام سے فارغ ہوا اور واپس لدھیانہ ہوا۔ [انوار آفتاب صداقت، ص:۶۴، ۶۵، مطبوعہ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور]

حضرت امام موصوف علیہ الرحمہ نے جن کتابوں کے لیے تقریظات لکھی ہیں، اگر محققین تلاش و جستجو میں لگ جائیں تو ان کی تعداد ۱۰۰/ سے متجاوز ہو سکتی ہے، اس سلسلہ کی پہلی کڑی ''تقاریظ امام احمد رضا'' مرتب: حضرت سید صابر حسین شاہ بخاری

مدظلہ العالی[پاکستان]ہیں، جنھوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس کتاب کو ترتیب دی، راقم نے اس کتاب کا خلاصہ اس مقالہ میں پیش کیا ہے جو نذر قارئین ہے۔

وہ کتابیں جن پر امام احمد رضا نے تقاریظ ثبت فرمائی ہیں، ان کی تعداد تقریباً ۵۰/بتائی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:

[۱]الاجازة فی ذکر الجهر مع الجنازة... مصنف: خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین رضوی ہزاروی علیہ الرحمہ[۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء]موضوع: جنازہ کے ساتھ ذکر جہر۔

[۲]اجتناب العمال عن فتاویٰ الجهال، مصنف: شہزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری نوری محدث بریلوی علیہ الرحمہ[م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء]موضوع: قنوت نازلہ۔

[۳] اجلال الیقین بتقدیس سید المرسلین ۔ مصنف: تلمیذ و مرید و خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی عبد الباقی برہان الحق قادری رضوی جبل پوری علیہ الرحمہ[م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء]موضوع: عظمت رسالت مآب ﷺ۔

[۴]احتراز الصالحین عن شرور الفاسقین: علامہ حافظ عبد الحکیم قادری کریالوی علیہ الرحمہ، موضوع: رؤیت ہلال۔

[۵]اذاقة الأثام لما نعی عمل المولد والقیام ---مصنف: والد گرامی محدث بریلوی امام المتکلّمین علامہ مفتی نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ[م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء]موضوع: میلاد و قیام۔

[۶]ازالة الملامة عن الامامة بغیر العمامة۔ مصنف: خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین رضوی ہزاروی علیہ الرحمہ[م ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء]موضوع: عمامہ کے بغیر امامت کرنا مکروہ ہے یا نہیں۔

[۷]اعلام الاذکیاء باثبات علوم الغیب لخاتم الانبیاء۔ مصنف: حضرت ابوالذکاء علامہ محمد سلامت اللہ نقش بندی رام پوری[م ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء]موضوع: علم غیب۔

[۸]البلاغ المبین ۔ منسوب بہ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ۔ اس کتاب کی نسبت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی طرف مولوی فقیر اللہ غیر مقلد نے کی ہے۔

اس میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے عقائد و نظریات کے خلاف مواد ہے، حضرت مولانا محمد شمس الدین جالندھری علیہ الرحمہ نے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں اس کتاب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے بھی اسے مصنفات حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، آپ کا جواب "فتاویٰ علماء حنفیہ فی جواب استفتا شمسیہ" کے صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۴ پر شائع ہوا ہے۔

[۹] اثبات تقلید۔ مصنف: محب اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مفتی الشاہ عبد الرحمٰن محبی چشتی مظفرپوری علیہ الرحمہ [۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء]موضوع: تقلید۔

[۱۰]الصارم الربانی علی اسراف القادیانی---مصنف: حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خاں قادری نوری

بریلوی علیہ الرحمہ [م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء] موضوع: رد قادیانیت ۔۔۔۔ سیدی اعلیٰ حضرت نے اس کتاب پر عربی میں تقریظ لکھی تھی، جس کا ترجمہ علامہ جلال الدین قادری پاکستانی علیہ الرحمہ [م ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء] نے اردو میں کیا۔

[۱۱] العسل المصفیٰ فی عقائد ارباب سنة المصطفیٰ ۔ مصنف: سرکار نور حضور شاہ ابوالحسین قادری نوری مارہروی علیہ الرحمہ [م ۱۳۲۴ھ] موضوع: عقائد اہل سنت۔ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے مرشد اجازت قدس سرہ کی اس کتاب پر منظوم عربی و فارسی میں تقریظ تحریر کی ہے۔

[۱۲] الفقیہ [ہفتہ وار، امرتسر] ایڈیٹر: مولانا معراج الدین احمد نقشبندی علیہ الرحمہ۔ اسے معروف علمائے اہل سنت کی حمایت حاصل تھی، سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس پر تقریظ لکھی۔

[۱۳] اللؤلو المکنون فی احکام فونو گراف و گراموفون ۔۔۔ مصنف: ابو الذکاء حضرت علامہ مفتی شاہ سلامت اللہ رام پوری علیہ الرحمہ [م ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء] موضوع: فونوگراف۔

[۱۴] المعتقد المنتقد ۔۔۔ مصنف: تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر قادری برکاتی بدایونی علیہ الرحمہ [۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء] موضوع: عقائد اہل سنت۔ اس پر سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا "المعتمد المستند بناء نجاة الابد" کے نام سے عربی زبان میں نہایت وقیع حاشیہ ہے، شروع میں "خطبة الشرح" کے نام سے آپ کا افتتاحیہ ہے، وہ عربی تقریظ نگاری کی بہترین مثال ہے۔

[۱۵] الملفوظ ۴ / حصے۔ مرتب: حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفی رضا خاں قادری نوری بریلوی علیہ الرحمہ [م ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء] اس پر منظوم تقریظ ہے، جس میں فاضل مرتب کی محنت کو سراہا گیا ہے، جو اختصار اور جامعیت کے اعتبار سے علمی و فنی شاہکار ہے۔

[۱۶] النور و اللمعہ فی ذکر الجمعہ... مصنف: حضرت مولانا قاضی محمد گوہر شاہ حسنی حسینی علیہ الرحمہ [۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء] موضوع: فضیلت جمعہ۔

[۱۷] انوار آفتاب صداقت۔ مصنف: حضرت علامہ قاضی فضل احمد حنفی لدھیانوی علیہ الرحمہ۔ موضوع: رد دیوبندیت۔

[۱۸] انوار الحسنات فی رد البدعات۔ مصنف: خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ حکیم غلام احمد شوق فاروقی قادری رضوی فریدی علیہ الرحمہ [۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء] موضوع: رد بدعات وضلالات۔

[۱۹] انوار الشروق فی احکام الصندوق ۔۔۔ مصنف: حضرت علامہ محمد علی مالکی مکی علیہ الرحمہ [م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء] موضوع: ریڈیو کے بارے میں شرعی احکام۔ سیدی اعلیٰ حضرت نے "الکشف شافیا حکم فونو جرافیا" کے آغاز میں اس کتاب کے بارے میں توصیفی کلمات لکھے ہیں۔

[۲۰] انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ ۔۔۔ مصنف: حضرت علامہ عبد السمیع بیدل چشتی رام پوری [م ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء] موضوع: ثبوت فاتحہ۔ اس پر سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی عربی تقریظ مصنف کے اردو ترجمہ کے ساتھ شامل ہے۔

[۲۱]اوضح البراھین علی عدم جواز الصلاۃ خلف غیر المقلدین ۔ مصنف: ابو الذکاء حضرت علامہ مفتی شاہ سلامت اللہ رام پوری علیہ الرحمہ [م ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء] موضوع: غیر مقلدین کی اقتدا میں نماز درست نہیں۔

[۲۲]اھلاك الوھابیین علی توھین قبور المسلمین ۔ مصنف: خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین رضوی ہزاروی علیہ الرحمہ [۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء] موضوع: رد توہین قبور مسلمین۔

[۲۳]ایضاح سنت۔ مصنف: خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی الشاہ محمود جان قادری رضوی جام جودھپوری علیہ الرحمہ [۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء] موضوع: عظمت مصطفی۔

[۲۴]بہار شریعت۔ مصنف: مرید و خلیفہ اعلیٰ حضرت حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی الشاہ امجد علی قادری رضوی اعظمی علیہ الرحمہ [م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء] موضوع: فقہ اسلامی۔ اس کتاب پر سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ۴ر تقاریظ ہیں۔

[۲۵]تحقیق المرام۔ مصنف: ابو الذکاء حضرت علامہ مفتی شاہ سلامت اللہ رام پوری علیہ الرحمہ [م ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء] اس کتاب کے مضامین "تحفۂ حنفیہ پٹنہ" شمارہ شوال المکرم ۱۳۲۱ھ میں قسط وار شائع ہوئے، صفحہ ۲۰، ۱۹ پر سیدی اعلیٰ حضرت کی تقریظ شامل ہے۔

[۲۶]تذکرۃ النعمان۔ مصنف: حضرت علامہ قاضی سید عبد القدوس قادری حنفی بنگلوری علیہ الرحمہ۔ تذکرہ امام اعظم۔

[۲۷]تقبیل یا دست بوسی یا قدم بوسی۔ مصنف: حضرت مولانا عماد الدین محدث سنبھلی علیہ الرحمہ، بر فرمائش: مخدوم زادہ مولانا صبغۃ اللہ عثمانی چشتی الجیلانی صابری پانی پتی علیہ الرحمہ۔ موضوع: دست بوسی اور قدم بوسی۔

[۲۸]تنبیہ الفضول عن علم غیب الرسول۔ مصنف: حضرت علامہ عبید اللہ مکی قادری چشتی بدایونی [م ۱۳۱۵ھ] صفحہ ۵۰ تا ۵۲ پر عربی قطعات شامل ہیں، جو آپ نے فاضل جلیل کے وصال پر استخراج فرمائی۔

[۲۹]توضیح المرام فی اثبات المولود و القیام ۔ مصنف: خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ مولانا حکیم ابو نصر محمد یعقوب حنفی قادری رضوی رام پوری علیہ الرحمہ۔ اس کے صفحہ ۲۶ تا ۲۸ پر سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تقریظ ہے۔

[۳۰]جواھر البیان فی اسرار الارکان ۔ مصنف: امام المتکلّمین والد گرامی سیدی اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ [م ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء] موضوع: ارکان اسلام۔۔۔ کتاب کے آغاز میں تقریظ شامل ہے، اور آخر میں ان کی ولادت و وصال کے مادۂ تواریخ شامل ہیں۔

[۳۱]ذوق نعت ۔ مصنف: برادر اعلیٰ حضرت استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں قادری رضوی بریلوی علیہ الرحمہ [۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء] سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے "ذوق نعت" کی تاریخ میں فارسی میں دو شاہکار قطعات استخراج فرمائے ہیں، جو فارسی میں منظوم تقریظ نگاری میں منفرد المثال ہیں۔

[۳۲]رسالہ مباحث امامت۔ مصنف: حضرت پیر سید غلام محی الدین فقیر عالم قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ [م ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء] موضوع: امامت و اقتدا، نماز پڑھنے کی ترکیب اور ایسے لوگوں کی نشان دہی جن کی اقتدا میں نماز نہیں

ہوتی، حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ تقریظ جمیل رسالہ کے شروع میں شامل کیا ہے۔

[۳۳]سراج العوارف فی الوصایا۔ مصنف: سرکار نور سراج العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمہ [م ۱۳۲۴ھ]موضوع: تصوف۔ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے مرشد اجازت قدس سرہ کی اس کتاب پر منظوم عربی وفارسی میں تقریظ تحریر کی ہے، لیکن صرف عربی میں تقریظ دستیاب ہے۔

[۳۴]سرور القلوب بذکر المحبوب۔ مصنف: امام المتکلّمین والد گرامی سیدی اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ [م۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء] یہ کتاب ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں تالیف ہوئی اور ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی، سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے دو قطعات لکھے، ایک اردو میں دوسرے عربی میں۔ موضوع: شان رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

[۳۵]طرد المبتدعین عن مجالس المسلمین۔ مصنف: حضرت پیر سید غلام محی الدین فقیر عالم قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ [م ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء] موضوع: رد بدمذہب اور مرتدین۔

[۳۶] عرفان ایمان۔ مصنف: تلمیذ و مرید اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مولانا عرفان رضوی بیسلپوری علیہ الرحمہ، موضوع: عقائد۔

[۳۷]فتاویٰ السنة لالجام الفتنة۔ مصنف: حضرت علامہ عبدالرزاق مکی حیدرآبادی علیہ الرحمہ۔ موضوع: مناظرہ۔

[۳۸]فتاویٰ القدوة لکشف دفین الندوة۔۔۔ مصنف: برادر اعلیٰ حضرت استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں قادری رضوی بریلوی علیہ الرحمہ [۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء] اس کتاب پر ۵۰/ سے زائد علما کرام کی تقریظات شامل ہیں، اس کے صفحہ ۱۲/ پر سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تقریظ جلیل ہے۔ موضوع: رد ندویت۔

[۳۹] فتاویٰ بےنظیر در نفی مثل آں حضرت بشیر و نذیر۔ مصنف: حضرت علامہ مولانا عبد الغفار لکھنوی ثم کانپوری علیہ الرحمہ، موضوع: بحث اثر ابن عباس۔ سیدی اعلیٰ حضرت کے والد گرامی علامہ نقی علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ نے بھی تقریظ تحریر فرمائی ہے۔

[۴۰] فتاویٰ علمائے حنفیہ فی جواب فتاویٰ شمسیہ۔ مصنف: حضرت علامہ مولانا شمس الدین حنفی جالندھری علیہ الرحمہ۔ موضوع: مولود شریف۔

[۴۱] فتح المبین۔ مصنف: حضرت علامہ مولانا الشاہ منصور علی مرادآبادی علیہ الرحمہ۔ موضوع: تقلید ورد غیر مقلدین۔

[۴۲] فرائد النور فی جرائد القبور۔ مصنف: خلیفہ اعلیٰ حضرت حضور صدر الافاضل علامہ سید شاہ نعیم الدین قادری رضوی مرادآبادی علیہ الرحمہ [۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء] موضوع: قبروں پر سرسبز شاخین نصب کرنے کی شرعی حیثیت۔

[۴۳] فقہیات۔ ماہ نامہ "الرضا بریلی شریف" کے شمارہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں فقہیات کے تحت مرید و تلمیذ و خلیفہ اعلیٰ حضرت حضور برہان ملت علامہ مفتی عبد الباقی برہان الحق قادری رضوی جبل پوری علیہ الرحمہ [م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء] کے

چار اہم فتاویٰ ہیں، اخیر میں صفحہ ۱۷ر پر سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصدیق و تقریظ ہے۔

[۴۴]عقائد نوری بہ جواب نغمۂ طیوری۔ مصنف: حضرت علامہ مولانا غلام دستگیر چشتی محدث قصوری علیہ الرحمہ [۱۳۱۵ھ ر ۱۸۹۷ء]اس کتاب میں امام المتکلّمین والد گرامی سیدی اعلیٰ حضرت علیہا الرحمۃ کی بھی تقریظ شامل ہے۔ موضوع: پادری عمادالدین کے خیالات فاسدہ کارد۔

[۴۵]مسئلہ نورو نار۔ مصنف: حضرت مولانا حکیم حبیب علی علوی علیہ الرحمہ[م ۱۳۳۰ھ]موضوع: نورو سایہ۔

[۴۶]مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس۔ مرید و تلمیذ و خلیفہ اعلیٰ حضرت حضور ملک العلما علامہ مفتی ظفرالدین قادری رضوی بہاری علیہ الرحمہ[۱۳۸۲ھ ر ۱۹۶۲ء]یہ تقریظ اردو اور عربی کا حسین امتزاج ہے۔

[۴۷]نجم شریعت۔ مصنف: حضرت علامہ مولانا نجم الدین قادری علیہ الرحمہ، اس کتاب پر سیدی اعلیٰ حضرت نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ تقریظ تحریر فرمائی ہے۔

[۴۸]نگارستان لطافت۔ مصنف: برادر اعلیٰ حضرت استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں قادری رضوی بریلوی علیہ الرحمہ[۱۳۲۶ھ ر ۱۹۰۸ء]سیدی اعلیٰ حضرت نے اس کتاب پر فارسی میں ۴ر قطعات رقم فرمائے ہیں۔

[۴۹]ھدایۃ العنوہ الیٰ مسئلۃ المفقوۃ۔ مصنف: خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی محمد عمرالدین رضوی ہزاروی علیہ الرحمہ[۱۳۴۹ھ ر ۱۹۳۱ئ]موضوع: فقہ۔

[۵۰]ھدایۃ الغبی الیٰ اسلام آباء النبی ﷺ۔ مصنف: حضرت علامہ مولانا شاہ سید عبدالغفار قادری حنفی بنگلوری علیہ الرحمہ۔ موضوع: سرکار ﷺ کے والدین کریمین کا صاحب ایمان ہونا۔

*****

کنزالایمان اور دیگر تراجم قرآن: ایک مطالعہ

مولانا محمد سبحان رضا مصباحی: رکن آئینۂ ہند اکیڈمی، اتر دیناج پور، بنگال

موجودہ دور میں بے شمار تراجم قرآن پائے جاتے ہیں، ہر مترجم اپنے اپنے ترجمۂ قرآن کی تبلیغ وتشہیر کرتا اور اس کی خوبیوں کو لوگوں میں اجاگر کرتا ہے، لیکن ان تمام تراجم قرآن میں کنزالایمان کو جو شہرت دوام اور مقبولت عام حاصل ہوئی، وہ ماضی کے کسی ترجمۂ قرآن کو حاصل نہ ہوئی، اس ترجمۂ قرآن کو نہ صرف عوام نے بلکہ علما کے ایک بڑے طبقہ نے سراہا اور اسے برصغیر ہندوپاک میں بلکہ پوری دنیا کے اندر اردو زبان میں سب سے بہترین اور بامحاورہ ترجمۂ قرآن قرار دیا۔ آج یہ ترجمہ پوری دنیا کے اندر اردو زبان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اور مقبول ترین ترجمۂ قرآن بن گیا ہے۔

ترجمہ بذات خود مشکل ترین فن ہے، جو اس راہ سے گزرتا ہے وہی جانتا ہے کہ یہ کتنا دشوار ترین مرحلہ ہے، ایک زبان کے معانی ومفاہیم کو دوسری زبان میں منتقل کرنا، اس کے جملہ تراکیب ومحاورات اور جملوں کی ترتیب واسالیب پر گہری نظر رکھنا، ان تمام چیزوں کے ساتھ کماحقہ وہی انصاف کر سکتا ہے جو زبان کا ماہر، صرف ونحو کا استاذ، علوم عقلیہ ونقلیہ کا شہسوار اور فصاحت وبلاغت کا علم بردار ہو، اور پھر ترجمۂ قرآن تو اس سے زیادہ مشکل ترین ہے۔ یہاں صرف عربی کو اردو کا لبادہ نہیں پہنانا ہے بلکہ مذکورہ بالا تمام چیزوں کے علاوہ تقدیس الوہیت، شان رسالت، عصمت انبیا وملائکہ، سیاق وسباق، پس منظر وپیش منظر، ناسخ ومنسوخ، تفسیری روایات، تاویلی ترجیحات، سائنسی نظریات، فلکیات، ارضیات، معاشیات، سیاسیات، اقتصادیات وغیرہ چیزوں پر نظر کی گہرائی، فکر کی باریکی کے ساتھ ساتھ توفیق خداوندی شامل حال ہونا از حد ضروری ہے۔

قرآن کا ترجمہ دراصل اللہ رب العزت کی مراد کو دوسری زبان میں ہوبہو منتقل کرنا ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں، بہت سارے نام نہاد، کم علم اور شہرت پسند مترجمین نے اس میدان میں زبردست ٹھوکریں کھائی ہیں اور ان کے غلط ترجموں کے ذریعے غیر مسلموں نے اسلام اور نظریات اسلام پر سخت اعتراضات کیے ہیں، مثال کے طور پر ”ستیارتھ پرکاش“ جو ہندوؤں کی مذہبی کتاب ہے، جس کا لکھنے والا سوامی دیانند سرسوتی ہے، اس نے ان غلط ترجموں کو بنیاد بنا کر بہتیرے اعتراضات کیے ہیں، چنانچہ ایک جگہ ایک آیت کے غلط ترجمے کو بنیاد بنا کر لکھتے ہیں کہ:

”اگر اللہ برے لوگوں کے دھوکے میں آتا ہے اور وہ خود دوسروں کو دھوکا دیتا ہے تو ایسے خدا کو دور ہی سے سلام، وہ دھوکے

بازوں سے جاکر ملے اور دھوکے باز اس سے ملیں، مثل ہے جیسا روح ویسے فرشتے جن کا معبود دھوکے باز ہے وہ عابد خود دھوکے باز کیوں نہ ہوں گے"۔معاذاللہ رب العالمین۔[ستیار تھ پر کاش، ص:۷۰۹]

ایک اور مقام پر سورۂ انبیا آیت نمبر ۹۱ کے اس بھونڈے ترجمے پر "اور ہدایت دی ہم نے اس عورت کو اور حفاظت کی اس نے اندام نہانی اپنی کی، پس پھونک دیا ہم نے بیچ اس کے روح اپنی کو"ستیار تھ پر کاش" کے مصنف نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:"ایسی فحش باتیں کلام اللہ میں تو کجا کسی شائستہ انسان کی تصنیف میں بھی نہیں ہوسکتیں، ایسی باتوں سے قرآن پر دھبا لگ گیا ہے، اگر قرآن میں اچھی اچھی باتیں ہوتیں تو قرآن کو وہی فضیلت ملتی جو ویدوں کو ہے۔"[ستیار تھ پر کاش، ص:۷۱۱]

اس کا اعتراف ہندوؤں کے مذہبی پیشوا سوامی لچھمی شنکر آچاریہ نے خود کیا ہے، چنانچہ وہ یونائیٹیڈ انڈیا دہلی کے ایک کانفرنس میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بھارت میں ایک بہت ہی مشہور و معروف ڈینیک جاگرن نامی اخبار نکلتا ہے، بلراج مدھو نام کے ایک شخص نے اس اخبار میں ایک آرٹیکل لکھا تھا جس کی سرخی تھی "دنگے کیوں ہوتے ہیں؟" میں نے اس مضمون کو پڑھا اور قرآن کی جن آیتوں کے حوالے سے مضمون نگار نے اسلام اور مسلمانوں کو آتنک سے جوڑا تھا، اس کی تصدیق کے لیے مولوی فتح محمد خان جالندھری اور مولوی عبدالباری کے ہندی ترجمے خرید کر میں نے پڑھنا شروع کیا تو واقعی ان آیتوں میں آتنک واد کی بات کی گئی تھی۔ تو میں نے اس وقت اسلام کے خلاف ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا "اسلامک آتنک واد کا اتہاس" بالا صاحب ٹھاکرے کو یہ کتاب بہت پسند آئی، انھوں نے اس کا انگریزی ترجمہ The history of Islamic Terrorism کے نام سے کرایا۔ اس کے بعد ایک صاحب سے میری ملاقات ہوئی جو ممبئی کے بیوپاری تھے، انھوں نے میری کتاب کا مطالعہ کیا تھا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ سوامی جی! آپ جو کام کر رہے ہیں اس کے لیے فنڈ کی ضرورت ہے اور آپ کے پاس فنڈ نہیں ہے، آپ ایسا کیجیے کہ کتاب اسلام پر لکھیے امریکہ کے لیے اور اس میں یہ پوائنٹ آؤٹ کیجیے کہ حقیقت میں اسلام سے امریکہ کو خطرہ ہے تو آپ کو وہاں سے بڑی مدد ملے گی، لیکن شرط یہ ہے کہ کتاب ضخیم ہونی چاہیے۔ سوامی جی کہتے ہیں کہ اس طرح کی کتاب لکھنے کے لیے میں نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کو پڑھنا شروع کیا، جوں جوں پڑھتا گیا مجھ پر یہ بات کھلتی گئی کہ اصل میں جن آیتوں کو آتنک سے جوڑا گیا ہے اس کا تعلق آتنک سے نہیں ہے، بلکہ یہ آیتیں تو آتنک واد کو روکنے کے لیے ہیں، کیوں کہ جن آیتوں میں یودھ کا آدیش تھا وہ آتنک وادا اور آتنک وادیوں کے خلاف تھا۔ مجھے لگا کہ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی، ایک دھرم آچار سے ایسی غلطی نہیں ہونی چاہیے اور اس غلطی کا ذمے دار بھی میں نہیں بلکہ وہ مترجمین ہیں، جنھوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ آیتیں آتنک وادیوں کے خلاف اتری ہیں۔ سوامی جی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا "اسلام آتنک یا آدرش" یعنی اسلام میں آتنک نہیں بلکہ آدرش ہی آدرش ہے۔

سوامی جی کی مذکورہ بالا سرگزشت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان نام نہاد مترجمین سے اسلام اور قرآن کو جو زک پہنچا اتنا غیر مسلموں سے بھی نہیں پہنچا، انھوں نے اپنے تراجم میں جہاں شان الوہیت اور عصمت انبیا پر حملے کیے وہیں دہشت گرد اور مفسدین فی الارض گروہ کو مجاہدین کی فہرست میں شامل کرکے اسلام کو آتنک سے جوڑنے کی ناپاک جسارت بھی کی ہے۔

ذیل میں ہم ترجمۂ کنزالایمان کا دوسرے تراجم قرآن سے ایک تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کو اس کی اہمیت کا اندازہ

ہو سکے اور معلوم ہو سکے کہ فاضل بریلوی کا ترجمہ نہ صرف عوام بلکہ خواص کی بھی ضرورت ہے۔

[۱]-إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔[سورہ بقرہ۔آیت:۶]

”بے شک جو کافر ہو چکے ہوں، برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے“۔ [اشرف علی تھانوی]

”جن لوگوں نے ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، ان کے لیے یکساں ہے خواہ تم انھیں خبر دار کرو یا نہ کرو بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں“۔[ابوالاعلی مودودی]

”بے شک جنھوں نے کفر اپنالیا ہے ان کے لیے برابر ہے کہ خواہ آپ انھیں ڈاریں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے“۔ [ڈاکٹر طاہر القادری]

ملاحظہ فرمائیں کہ ان مذکورہ بالا تراجم میں مترجمین نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے سمجھ میں آتا ہے کہ جنھوں نے کفر کو اپنایا یا کافر ہو چکے ہیں وہ کبھی ایمان نہیں لا سکیں گے، جب کہ یہ مفہوم مشاہدہ اور منشاے الہی کے سراسر خلاف ہے، کیوں کہ ہم آئے دن یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ دعوت اسلام کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی کافر اسلام قبول کر رہا ہے اور امریکہ افریقہ اور انگلینڈ میں تو اس وقت بڑی تیزی کے ساتھ اسلام پھیل رہا ہے اور یہ بھی قابل غور بات ہے کہ اگر کافر ایمان نہیں لائیں تو پھر اسلام کی آمد اور تبلیغ دین کا مقصد ہی کیا رہ جائے گا؟ الغرض متذکرہ بالا ترجموں سے تضاد لازم آرہا ہے اور قرآن کا جھوٹا ہونا لازم آرہا ہے، حالاں کہ کلام الہی تضاد اور جھوٹ سے پاک ہے۔اب آئیے محدث بریلوی کے ترجمۂ قرآن پر ایک نظر ڈالیے:

”بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے، انہیں برابر ہے چاہے تم انھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں“۔ [کنزالایمان، ص:۶]

توجہ فرمائیں آپ نے صرف ایک لفظ [قسمت] کا اضافہ کر دیا سارے اعتراضات خود بخود دور ہو گئے اور منشاے الہی بھی واضح ہو کر سامنے آگیا۔واضح رہے کہ آپ نے قسمت کا لفظ اپنی طبیعت سے نہیں بڑھایا بلکہ آنے والی آیت ختم اللہ علی قلوبھم خود اس معنی کی تعیین کر رہا ہے، نیز عربی گرامر کے اعتبار سے بھی یہ ترجمہ درست ہے، چنانچہ آیت میں الذین کا لفظ موجود ہے جو ایک خاص اور معین طبقہ کی طرف مشیر ہے کیوں کہ جس طرح الف لام کی چار قسمیں ہیں، جنسی، استغراقی، عہد ذہنی اور عہد خارجی اسی طرح الذین کی بھی چار قسمیں ہیں اور یہاں پر الذین عہد ذہنی کا ہے جیسا کہ تفسیر جلالین، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن جریر، صاوی، کشاف، در منثور، قرطبی، روح المعانی، ان تمام کتب تفاسیر میں اس نکتے پر بحث کی گئی ہے اور کفار کے اس معین طبقہ کی نشان دہی کی گئی ہے تو امام اہل سنت نے انھی تفاسیر کے پیش نظر اپنے ترجمہ میں لفظ قسمت کا اضافہ کیا ہے تاکہ اردو ترجمہ پڑھنے والوں کے ذہن میں کسی قسم کا خلجان اور شبہہ پیدا نہ ہو۔کنزالایمان کی یہی وہ انفرادی خوبیاں ہیں جو اسے دیگر تراجم سے ممتاز کرتی ہیں۔

[۲]-لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ۔[سورہ بقرہ، آیت:۲۸۵]

ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔[اشرف علی تھانوی]

ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے۔[محمود الحسن دیوبندی]

ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔[فتح محمد جالندھری]

ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔[مودودی]

مذکورہ تمام تراجم سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسولوں میں کوئی فرق نہیں، سارے پیغمبر درجات و مراتب میں برابر ہیں جب کہ بعض انبیا کی بعض انبیا پر فضیلت ایک مسلمہ امر ہے، قرآن کی صریح آیات اس پر شاہد ہیں چناں چہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ۔[سورہ بقرہ، آیت: ۲۵۳] ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔[کنزالایمان، ص: ۸۷]

لیکن اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے قلم حقیقت رقم سے ایسا ترجمہ منصّۂ شہود پر آیا کہ سارے شبہات خود بخود دور ہو گئے اور بظاہر متعارض آیتیں آپس میں مطابق ہو گئیں۔ ترجمہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔[کنزالایمان، ص: ۱۰۱]

آپ نے صرف ایک کلمہ کا اضافہ فرمادیا اور اسی سے قارئین کے سارے خلجان دور ہو گئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی آیت کا ترجمہ کرتے وقت قرآن کے پورے مضامین کا استحضار ہونا ضروری ہے ورنہ لفظی ترجمہ تو ہو سکتا ہے، معنی و مفہوم کی صحیح وضاحت نہیں ہو سکتی۔

[۳]-وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔[سورہ نسا، آیت: ۶۴]

کاش کہ جس وقت اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے تھے، آپ کے پاس آجاتے، پھر اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول بھی ان کے حق میں مغفرت چاہتے تو یہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔[عبدالماجد دریابادی]

اگر انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمھارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔[مودودی]

اگر وہ لوگ جس وقت انھوں نے اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس، اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔[محمود الحسن]

اور اگر جس وقت وہ اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تو پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے[اشرف علی]

[اے حبیب!] اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ [اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر] ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت

مہربان پاتے۔[ڈاکٹر طاہر القادری]

یہ تمام ترجمے لفظ ”لو“ کو بنیاد بنا کر کیے گئے ہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کا تعلق زمانہ رسالت کے ساتھ خاص تھا بلکہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم نزول آیت سے پہلے کا تھا، نزول آیت کے بعد اس کا حکم باقی نہ رہا جب کہ یہ مفہوم سراسر غلط اور معتبر تفاسیر کے خلاف ہے۔ فاضل بریلوی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔[کنزالایمان، ص:۱۷۳]

گزشتہ ترجموں سے امت میں جو ناامیدی پیدا ہوئی تھی، امام اہل سنت نے اپنے ترجمہ سے اس ناامیدی کو ختم کر کے امت کو امید و بیم کے منزل میں لا کر کھڑا کر دیا اور یہ بتا دیا کہ جس طرح حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کسی زمان و مکان کے ساتھ خاص نہیں اسی طرح آیت کا معنی بھی کسی زمان و مکان کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ ہر دور اور ہر زمانہ اور ہر کس و ناکس کو شامل ہے۔

فاضل بریلوی کا یہ ترجمہ محض عقیدت کی بنیاد پر نہیں بلکہ دلائل و شواہد اور اصول و قوانین کی بنیاد پر قائم ہے۔ اختصار کے پیش نظر میں صرف دو حوالے ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں۔

دور جدید کے ایک باکمال محقق حضرت محمود سعید ممدوح اپنی کتاب رفع المنارہ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هذه الاية تشمل حالتي الحياة و بعد الانتقال و من اراد تخصيصها بحال الحياة فما اصاب لان الفعل فی سياق الشرط يفيد العموم و اعلى صيغ العموم ما وقع فی سياق الشرط كما فی ارشاد الفحول۔[ص:۱۲۲]

ترجمہ: یہ آیت کریمہ حیات ظاہری اور بعد وصال دونوں حالتوں کو شامل ہے اور جس نے اس کو حیات ظاہری کے ساتھ خاص کیا وہ درست نہیں کیا، اس لیے کہ فعل سیاق شرط میں ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور عموم کے جملہ صیغوں میں سب سے اعلیٰ صیغہ وہ ہے جو سیاق شرط میں واقع ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد الفحول میں ہے۔

تفسیر مدارک میں اس آیت کے تحت مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک اعرابی آیا اور قبر انور سے لپٹ گیا اور اس کی خاک شفا اٹھا کر اپنے سر پر لگائی اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے ہم نے سن لیا ہے اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس میں یہ آیت مبارکہ بھی ہے ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ“ اور میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں، آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت کی دعا کیجیے تو حضور کی قبر مبارک سے آواز آئی کہ بے شک تجھے بخش دیا گیا ہے۔[مدارک مترجم، جلد اول، ص:۴۶۷]

ان دونوں حوالوں سے خوب واضح ہو گیا کہ آیت کے عموم میں ہر دور اور ہر قرن شامل ہے جیسا کہ محدث بریلوی کے ترجمہ سے بھی ظاہر ہے۔

[۳]-لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ۔[سورہ واقعہ، آیت:۷۹]

اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔[اشرف علی تھانوی]

نہیں ہاتھ لگاتے اس کو مگر پاک لوگ۔[شاہ رفیع الدین]

اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔[فتح محمد جالندھری]

اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں۔[محمود الحسن دیوبندی]

اس کو پاک[طہارت والے]لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوئے گا۔[ڈاکٹر طاہر القادری]

مذکورہ بالا آیت کی ضمیرہٗ کے مرجع کے سلسلے میں دو تفسیریں ہیں،ایک یہ کہ اس سے مراد وہ قرآن ہے جو لوح محفوظ میں مکتوب ہے اور اس کو صرف فرشتے ہی چھوسکتے ہیں اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور نفی یہاں نہی کے معنی میں ہے اور یہی راجح اور اغلب ہے جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے: خبر بمعنی النھی اور امام محلی نے کہا: خبر بمعنی النھی یعنی خبر نہی کے معنی میں ہے اور امام بغوی نے تفسیر بغوی میں فرمایا: ظاھر الآیات نفی و معناھا نھی یعنی آیت کا ظاہر تو نفی ہے لیکن وہ نہی کے معنی میں ہے اور پھر یہ کہ اگر یہاں نفی کے اعتبار سے ترجمہ کیا جائے تو کوئی بھی اعتراض کرسکتا ہے کہ دیکھو قرآن کا دعوی ہے کہ اسے پاک لوگوں کے علاوہ کوئی چھو نہیں سکتا یا چھوتا نہیں اور میں تو بغیر پاکی کے چھو بھی سکتا ہوں اور چھوتا بھی ہوں،لہذا قرآن کا دعوی غلط ہے۔اس طرح کے ترجمہ سے نہ دین کی تبلیغ ہوسکتی ہے اور نہ مذہب کا بھلا ہوسکتا ہے ہاں البتہ خود قرآن اعتراض کی زد میں ضرور آجائے گا۔اب ذیل میں امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔[کنزالایمان،ص:۹۹۱]

غور کیجیے ترجمہ کتنا مختصر اور جامع ہے اور ادائے مفہوم و دفع شبہات میں کتنا واضح ہے،نہ کوئی اعتراض،نہ کوئی شبہہ،نہ کوئی ابہام نہ کوئی پیچیدگی۔کنزالایمان کی انھی خوبیوں نے عوام و خواص کو گرویدہ کیا اور آج یہ ترجمہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ اردو میں پڑھا جانے والا ترجمۂ قرآن بن گیا ہے۔یہ چند مثالیں تھیں جو میں نے اس بحر بے کراں سے چن کر قلم برداشتہ لکھے ورنہ اس عنوان پر بہتیرے مضامین اور رسالے معرض وجود میں آچکے ہیں۔

*****

اردو نعتیہ شاعری میں حدائق بخشش کا مقام

مولانا احمد رضا مصباحی۔ پتھار باڑی، اتر دیناج پور، بنگال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو نعتیہ شاعری میں بھی درجۂ امامت حاصل ہے، کسی کوتاہ نظر و کم علم کے لیے تو دور کی بات کسی ذی ہوش کے لیے بھی ان کے فنی کمالات اور ادبی و شعری گل کاریوں کا احاطہ کر لینا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے، تاہم اپنی بساط کے مطابق سر دست بعض فنی و معنوی کمالات کا ذکر کر کے بارگاہ رضویت میں اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرنے اور گدایان رضا میں شمولیت کی کوشش کر رہا ہوں۔

جس طرح عبادات کے لیے کچھ آداب مقرر ہیں اسی طرح نعت گوئی کے لیے بھی کچھ قوانین ہیں، ان کی حدود میں رہ کر نعت کہنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت گوئی کا حقیقی شعور توفیق ایزدی ہی سے نصیب ہوتا ہے، جملہ اصناف سخن میں نعت ہی ایسی صنف ہے جو انتہائی دشوار اور مشکل ہے، اس میدان میں بڑے بڑے ہوش مند ٹھوکریں کھاتے دیکھے گئے ہیں۔ نعت کے تقاضوں کو وہی پورا کر سکتا ہے جس کا دل سرکار مدینہ ﷺ کی حقیقی اور سچی محبت سے سرشار ہو اور اس کے ساتھ علم شریعت سے بھی پوری طرح باخبر ہو۔ یہ ایک ایسا گلستان ہے جس میں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہیں جن سے ایک کامل فن ہی دامن بچا کر پھول چن سکتا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نعت گوئی کے متعلق فرماتے ہیں:

”حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔“ [الملفوظ۔ ج:۲، ص:۴۰]

آپ کا مجموعۂ نعت ”حدائق بخشش“ نہ صرف عشق حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعت حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتاب عرب کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں، جو آنکھوں کے راستے دل میں اتر کر کائنات حیات کو منور کر دیتی ہے۔ سوز و درد اور جذب و اثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوے حبیب کی حدیث عشق سنا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت یہ انداز بیاں یہ سلیقۂ نعت آپ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے الفاظ میں عشق حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پرت پرت کھولتے چلے جائیے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی۔ آج ادب کا دور ہے۔ ہر طرف ادب کے چرچے اور

ادبی شہ پاروں کی گونج ہے ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے ادب کی زلف پریشاں کو جس طرح سنوارا ہے اور عارض ادب پر جیسی افشاں پاشی کی ہے ادب کی پیشانی ہمیشہ اسے آداب پیش کرتی رہے گی۔

کلام اعلیٰ حضرت کی خصوصیات:

اس میدان میں بڑے بڑے نعت گو اساتذہ کے قدم ڈگمگا گئے ہیں اور شریعت کی کسوٹی پر کم ہی لوگ کھرے اتر سکے ہیں ۔حالاں کہ اساتذۂ نعت میں وہ بھی ہیں جو شاعر ہونے کے علاوہ عالم و مفتی بھی تھے ۔ چند شعرا کے اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ ہمارا مقصود صرف تقابلی جائزہ ہے، شاعر کے ایمان و کفر سے بحث نہیں۔ اس لیے اس ذیل میں کچھ ایسے شعرا کے کلام بھی پیش کیے جائیں گے جو اہل سنت و جماعت کے نزدیک کافر و مرتد ہیں ——— بانی مدرسہ دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے جسے سرخیل علمائے دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے خطبات میں تحریر کیا ہے۔

گرفت ہوگی تجھ کو ایک بندہ کہنے پر　　　جو ہو سکے بھی خدائی کا اک تیری انکار

یعنی اگر حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی خدائی کا انکار ممکن بھی ہو تو پھر آپ کے بندہ کہنے پر گرفت یقینی ہے، بالفاظ دیگر۔ کوئی تیری خدائی نہ بھی تسلیم کرے تب بھی تجھے بندہ نہیں کہا جا سکتا ورنہ گرفت ہوگی ۔ یہ عقیدۂ توحید و رسالت سے کس قدر ناآشنائی پر مبنی ہے وہ ہر ذی ہوش پر عیاں ہے۔ صحیح عقیدہ وہ ہے جو اعلیٰ حضرت نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب　　　یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

یعنی میں تو اے آقائے کون و مکاں ﷺ آپ کو ساری کائنات کا [مجازی] مالک ہی کہوں گا۔کیوں کہ آپ مالک دو جہاں کے حبیب ہیں۔ چوں کہ محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ محب اور محبوب کے درمیان یہ سوال ہی ختم ہوتا ہے کہ یہ میرا ہے اور وہ تیرا ہے بلکہ جس شئی کا محب مالک ہوتا محبوب کو بھی اس کا مالک بنا دیتا ہے ۔ محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب کی ملکیت و ملوکیت کو ثابت کیا اور شریعت مطہرہ کے عین مطابق عقیدہ ظاہر کیا لیکن نانوتوی صاحب ایک جانب تو حبیب خدا کی خدائی کا انکار ناممکن بتا رہے ہیں اور دوسری جانب اسے گرفت کی وعید سنا رہے ہیں جو آپ کو بندہ کہے، حالاں کہ تمام کائنات سے افضل اور بعد از خدا بزرگ و برتر ہونے کے باوجود یقیناً آپ خدا کے بندے ہیں۔ اسی طرح علم شریعت کی شمع رکھنے کے باوجود حضرت امیر مینائی مرحوم نعت حبیب لکھتے ہوئے راستہ بھول کر الوہیت کی منزل میں پہنچ جاتے ہیں اور بے خبری کے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

ظاہر ہے کہ ہے لفظ احد احمد بے میم　　　بے میم ہوئے عین خدا، احمد مختار

ظاہر ہے کہ لفظ احد حقیقت میں بے میم ہے یا لفظ احمد سے میم علاحدہ کر دیں تو لفظ احد ہو جاتا ہے اور اسکا امیر مینائی مرحوم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ احمد واحد ایک اور احمد مختار عین خدا ہیں [نعوذ باللہ] مزید دیکھیے:

قرآن ہے خورشید تو اور صحیفے　　　اللہ گہر اور صدف احمد مختار

مصرعۂ ثانی شرعاً قابل گرفت و لائق اعتراض ہے کیوں کہ صدف سے گہر پیدا ہوتا ہے حضور سرور کائنات ﷺ

صدف ہوئے اور ذات باری تعالیٰ گہر تو غور فرمائیے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔

غرض کہ محسن کاکوروی، امیر مینائی وغیرہ اردو نعت کے اساتذۂ فن ہیں جن کی خدمات تاریخ نعت گوئی ہرگز فراموش نہیں کر سکے گی۔ ان حضرات کے خلوص نیت اور جذبہ عقیدت پر کوئی کوتاہ بین اور تنگ نظر ہی شک کرے گا۔ اگر ان حضرات کو اپنی شرعی لغزشوں پر آگاہی ہو جاتی تو یقیناً وہ اس قسم کے اشعار کو بدل دیتے اور آئندہ کے لیے محتاط ہو جاتے۔

اس کے برعکس جب آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کریں گے تو یہاں ہرگز اس قسم کی آلودگی نہ ملے گی۔ آپ کا کلام افراط وتفریط سے پاک اور مبالغہ آرائی سے مبرّا ہے۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جو آپ کو نعت گو اساتذہ میں منفرد مقام دلواتی ہیں۔ آپ نے گلستان نعت میں ایک ماہر فن باغبان کی حیثیت سے رنگارنگ بوٹوں کا اضافہ کیا، جن کی شگفتگی اور تازگی میں جمال مصطفوی کا شباب و نکھار اور عشق حبیب کی ابدی خوشبودار بہار ہے۔ اب ذیل میں کچھ بلاغی محاسن کی روشنی میں کلام رضا کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

حسن تغزل:

اپنے معاصرین اور اردو کے دیگر نعت گو شعرا میں محدث بریلوی قدس سرہ کو جو امتیازی مقام حاصل ہے اس کی پہلی وجہ تو عشق رسول ہے جس میں آپ سرتاپا ڈوبے ہوئے تھے اور دوسری وجہ علوم شرعیہ میں آپ کا تبحر ہے، ان دونوں کے امتزاج اور اس کے ساتھ سوز و گداز شدت احساس و خلوص، جذبات کی ہم آہنگی نے آپ کے کلام میں حسن تغزل پیدا کر دیا ہے۔ کلام کا یہ بانکپن وہ پاکیزہ معیار ہے جو آپ سے پہلے کسی نعت گو شاعر کے یہاں نہیں ملے گا۔ آپ وہ پہلے شاعر ہیں جس نے اس حسن اہتمام کے ساتھ غزل کو نیا روپ دیا، ورنہ بعض غزل گو شعرا نے اس صنف کا پیراہن ادب پارہ پارہ کر کے اسے بازار سخن میں عریاں کر دیا تھا۔ آپ نے اس عروس سخن کو مجازی محبوب کی دہلیز سے اٹھایا، نعت کا پاکیزہ لباس پہنایا، عشق حبیب کے مقدس زیور سے آراستہ کیا اور حقیقی محبوب یعنی خدا کی چوکھٹ پر پہنچا کر، زندہ جاوید بنا کر اسے اس کے حقیقی مقام پر پہنچایا۔ یہاں ان ناقدین سخن کا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ نعت گو کا مقام غزل گو سے کم ہے۔

سلام اور معراج جیسے مشکل موضوعات میں بھی کلام رضا کے تغزل کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:

نقاب الٹے وہ مہر انور جلال رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی ٹپکتے انجم کے آبلے تھے
خدا ہی دے صبر جان پر غم، دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی، جناں کا دلہا بنا رہے تھے

جدت تخیل:

جدید غزل کے موجد، مرزا غالب دہلوی کا کلام تخیل کا مرقع ہے اور ان کی یہ جدت پسندی ہی اپنے معاصرین میں انہیں منفرد اور ممتاز مقام دلانے کا سبب بنی، محدث بریلوی قدس سرہ کے یہاں جدت تخیل کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ نعت شریف

میں جدت تخیل کو حسن و خوبی کے ساتھ استعمال کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس میدان میں قدم قدم پر پھسل جانے کا اندیشہ ہے۔ چوں کہ محدث بریلوی علیہ الرحمہ اس پہلو سے بھی بڑے کامیاب رہے ہیں ــــــــ عموماً شعرا پھول کو آتش گل یا شعلۂ گل سے تعبیر کرتے ہیں جیسے فانی بدایونی کا یہ شعر ہے۔

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب آگ لگا دے آگ ۔۔۔ کہ بجلیوں کو میرا آشیاں نہیں ملتا

مگر محدث بریلوی کی جدت طبع تر دامنی سے آگ پیدا کر رہی ہے مثلاً:

آتش تر دامنی نے دل کیے کیا کیا کباب ۔۔۔ خضر کی جان ہو جلا دو ماہیان سوختہ

سوختہ کے لحاظ سے جلادو کا ہم شبیہ لفظ جلادو لا کر جدت طبع کا ایک اور ثبوت دیا، اسی طرح آگ سے آگ سلگتی تو ضرور ہے مگر بجھتی اور ٹھنڈی ہوتی کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ امام نعت گویاں کی جدت طبع ملاحظہ ہو کہ آپ نے آگ سے آگ کو ٹھنڈا کیا ہے۔

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے ۔۔۔ جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

استعارہ:

استعارہ کی تعریف: کسی لفظ کو اس طرح مجازی معنی میں استعمال کرنا کہ حقیقی معنی مراد نہ لیے جا سکیں اور اس مجازی اور حقیقی معنی میں تشبیہ کا علاقہ ہو۔ اس سے متعلق اعلیٰ حضرت کے دو شعر ملاحظہ کریں:

ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں ۔۔۔ واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلال گل

جنت ہے ان کے جلوے سے جو یائے رنگ و بو ۔۔۔ اے گل، ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

دونوں شعروں میں میرے گل اور ہمارے گل سے ذات سرور کائنات ﷺ مراد ہے اور دونوں جگہ لفظ گل مستعار اسم جنس ہے جو کہ استعارۂ اصلیہ پر مشتمل ہے۔

تشبیہ:

تشبیہ یہ ہے کہ ایک چیز کو کسی وصف میں دوسری چیز کے مثل بتایا جائے جس کو مثل قرار دیں وہ مشبہ ہے اور جس کے مثل قرار دیں وہ مشبہ بہ اور جس وصف میں مشابہ قرار دیں وہ وجہ شبہ کہلاتا ہے۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی جدت پسند طبیعت نے عجیب عجیب تشبیہات وضع کی ہیں، جنہیں استعمال کرنا عام شاعر کے بس کی بات نہیں ان کا وضع کرنا اور شعر میں ڈھالنا آپ ہی کا کام ہے۔ سرگیں آنکھیں تو سبھی کہتے ہیں مگر اس تشبیہ کا رنگ بارگاہ رضوی میں دیکھیے:۔

سرگیں آنکھیں، حریم حق کے وہ مشکیں غزال ۔۔۔ ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا

محبوب خدا ﷺ کی سرگیں چشمان مبارک کو حریم حق کی مشکیں غزال کہنا کیسی نادر تشبیہ اور فضائے لامکاں تک ان کے چوکڑیاں بھرنے کا بیان " مازاغ البصر و ما طغی "کی کیسی حسین اور نورانی تفسیر ہے۔ نعت شریف میں عام تشبیہات سے آپ نے گریز کیا ہے اور سرکار مدینہ کی مدح سرائی کے لیے جس طرح آپ نے بے مثل محاورے استعمال کیے

ہیں اسی طرح آپ کی قوت مدرکہ اور جودت طبع نے حضور کی شایان شان تشبیہات ڈھالی ہیں۔ کعبۂ اقدس اور روضۂ اطہر کا نظارہ مندرجہ ذیل اشعار میں کیجیے اور پیش کردہ تشبیہات کی داد دیجیے:

کعبہ دلہن ہے تربت اطہر نئی دلہن — یہ رشک آفتاب، وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں سجیلی، انیلی بنی مگر — جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے
سر سبز وصل یہ ہے سیاہ پوش ہجر وہ — چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

کعبہ کو دلہن اور تربت اقدس کو نئی دلہن سے تشبیہ دے کر ہجرت کا واقعہ دو لفظوں میں محفوظ کر دیا۔ کعبہ شریف تو دلہن ہے مگر تربت اطہر بھی نئی دلہن ہے۔ دونوں حسن خیر وبرکت کی مظہر۔ ایک آفتاب تو دوسری ماہتاب۔ مگر دونوں میں ایک فرق نمایاں ہے۔ پہلی نے فراق محبوب میں سیاہ لباس پہن رکھا ہے کہ یہ علامت غم ہے اور دوسری سبز لباس میں ملبوس ہے، یہ مسرت وشادمانی کی نشانی ہے۔ کعبۂ غم ہجر رسول میں سیاہ پوش ہے کہ سرکار نے اس سے دائمی مفارقت اختیار فرمالی ہے اور روضۂ اطہر اس لیے سبز پوش ہے کہ اس کی آغوش میں اللہ کے محبوب آرام فرما ہیں اور وہ اس کے مستقل قرب سے شاد کام۔۔۔ نگاہ عشق میں سہاگن وہی ہوتی ہے جسے اس کا [محبوب] زینت آغوش بن کر نوازے۔

زہرہ ومشتری دو سعید سیارے ہیں جب وہ ایک درجہ دقیقہ فلک میں جمع ہو جاتے ہیں تو اسے قران السعدین کہتے ہیں۔ محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایمان افروز قران السعدین کا منظر دیکھیے:۔

محبوب رب عرش ہے اس سبز قبہ میں — پہلو میں جلوہ گاہ عتیق وعمر کی ہے
سعدین کا قران ہے پہلوے ماہ میں — جھرمٹ کیے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے

مالک عرش کا حبیب اپنے سبز قبۂ اطہر میں جلوہ افروز ہیں اور پہلو میں دونوں جلیل القدر ومحبوب خلفا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا فارق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ستر ہزار فرشتے جھرمٹ کیے ہوئے ہیں۔ مدینے کا چاند اس حالت میں جلوہ افروز ہے کہ آسمان اسلام کے زہرہ ومشتری اس مقام پر جمع ہیں۔ کیا چشم فلک نے ایسا حسین قران السعدین اور کہیں دیکھا ہوگا؟ غرض کہ آپ کا کلام ایسی نادر تشبیہات واستعارات سے مزین ہے جن کا جواب نہیں۔

تجنیس:

محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا کلام شاعرانہ لطافتوں اور باریکیوں کا مرقع ہے اور صنائع لفظی ومعنوی کے معیاری اور اعلیٰ شاہکاروں سے آپ نے قصر نعت کو سجادیا ہے۔ تجنیس کا مطلب ہے کہ دو لفظ صورتاً ایک دوسرے کے مشابہ ہوں، مگر معنی مختلف، ہم اس کی صرف چار اقسام کے تحت اعلیٰ حضرت کے اشعار بطور مثال پیش کرتے ہیں:۔

[۱] **تجنیس محرف:** جب متجانس الفاظ بہ ہمہ وجوہ یکساں ہوں اور صرف حرکات میں فرق ہو تو اسے تجنیس محرف کہتے ہیں جیسے بَن [جنگل] اور بِن [بغیر یا بیٹا] اسی طرح سُن، سَن اور سِن وغیرہ۔ چنانچہ اس سلسلے میں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

سَونا پاس ہے سُونا بَن ہے سَونا زہر ہے اٹھ پیارے   تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے، تیری مت ہی نرالی ہے

''سونا'' کے تینوں لفظوں میں حرکات کا معمولی فرق ہے، لیکن ان لفظوں نے معنوی لحاظ سے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ سَونا بمعنی قیمتی دھات، سُونا [سنسان] اور سونا سے مراد غافل ہونا، محوِ خواب ہونا ہے۔

[۲] تجنیس خطی: اگر متجانس الفاظ کی شکل یکساں ہو مگر حروف کی وجہ سے الفاظ بدل جاتے ہوں تو اسے تجنیس خطی کہتے ہیں،۔ جیسے خرابہ اور خزانہ میں تجنیس خطی ہے۔ محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن   نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے

اس شعر کے نوش، گوش اور ہوش میں تجنیس خطی ہے۔

[۳] تجنیس مرکب: متجانس الفاظ میں سے ایک مفرد ہو اور دوسرا مرکب تو یہ تجنیس مرکب ہوگی جیسے کسی شاعر کا شعر ہے:۔

قاتل نے لگایا نہ میرے زخم پر مرہم   حسرت یہ لیے جی ہی کی جی میں گئے مر ہم

مصرعۂ اولیٰ میں ''مرہم'' سے مراد دوا ہے جو زخم پر لگائی جاتی ہے اور یہ مفرد ہے لیکن مصرعۂ ثانیہ میں ''مر ہم''، مر اور ہم سے مرکب ہے، یعنی ہم مر گئے، لہٰذا یہ مرکب ہے کیوں کہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ مذکورہ بالا تعریف کی روشنی میں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

صدقے میں تیرے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول   اس غنچۂ دل کو بھی تو ایماں ہو کہ بن پھول

مصرعۂ اولیٰ میں ''بن'' سے مراد [جنگل] ہے اور یہ لفظ مفرد ہے لیکن مصرعۂ ثانیہ میں ''بن پھول'' سے مراد ہے کہ پھول بن جا، پھول ہو جا۔ یعنی اے بہار کونین! آپ کے صدقے میں باغ تو رہے ایک جانب، جنگل بھی پھولوں سے لد گئے ہیں لہٰذا میرے دل کی مرجھائی ہوئی کلی کی طرف بھی اشارہ فرما دیجئے کہ پھول بن جائے، پھول ہو جائے، کھل جائے، یہ لفظ بن اور پھول دو لفظوں سے مرکب ہے۔

[۴] تجنیس تام: جب دو الفاظ بلحاظ تعداد حروف و ترتیب و بلحاظ اعراب ایک دوسرے کے مشابہ ہو تو اسے تجنیس تام کہتے ہیں جیسے مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی کا یہ شعر ہے:

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہ جمجاہ نے دال   ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال

لفظ ''دال'' مصرعۂ اولیٰ میں غلے کی ایک جنس دال کے معنی میں ہے اور مصرعۂ ثانیہ میں ''دال''، بمعنی دلیل و دلالت کے لیے ۔۔۔ دونوں مصرعوں میں لفظ دال صورتاً بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور بلحاظ تعداد حروف و اعراب بھی یکساں ۔۔۔۔ اب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا شعر ملاحظہ ہو:

انبیا کو بھی اجل آنی ہے   مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

مصرعۂ اولیٰ میں آنی بمعنی آئے گی ہے اور مصرعۂ ثانیہ میں آنی بمعنی ایک آن کے لیے یا ایک آن والی کے ہے۔ یعنی اجل تو انبیا کو بھی آتی ہے مگر صرف آن واحد کے لیے۔ ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے　　　تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

مصرعۂ اولیٰ میں مرے دل سے کا مطلب دل سے چاہنا، صدق دل سے محبت کرنا، جاں نثار کرنا ہے اور مصرعۂ ثانی میں منکر تعظیم حبیب سے تخاطب ہے کہ اول تو وہ تعظیم نبی کا قائل ہی نہیں اور اگر مجبوراً کبھی تعظیم نبی کرنی پڑ بھی جائے تو وہ مردہ دل سے، بادل نخواستہ تعظیم کرتا ہے۔۔۔ دونوں اشعار کے قوافی صورتاً ایک دوسرے کے مشابہ اور بلحاظ اعراب و تعداد حروف بھی یکساں ہیں۔

تلمیح:

صنعت تلمیح یہ ہے کہ کلام میں کسی آیت قرآنی، حدیث نبوی، مشہور شعر، مشہور کہاوت یا کسی واقعہ کی جانب اشارہ ہو۔ اس سے متعلق حدائق بخشش سے نظیر ملاحظہ فرمائیں:

کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم　　　اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں قرآنی آیت " لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد "اور مصرعۂ ثانی میں ایک حدیث پاک، جس کی شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے ایمان افروز شرح فرمائی ہے، اعلیٰ حضرت نے تلمیح کے طور پر بیان کر کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔۔ آیت کا ترجمہ ہے:۔ اے حبیب! اس شہر مکہ کی قسم جس میں تم تشریف فرما ہو—— اعتراض ہو سکتا تھا کہ آیت میں شہر مکہ کی قسم ہے، خاک گزر کی تو قسم نہیں—— اس سلسلہ میں یہ روایت مد نظر رہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

بابی انت و امی یا رسول اللہ قد بلغ من فضیلتك عند اللہ تعالیٰ ان اقسم بحیاتك دون سائر الانبیاء و لقد بلغ من فضیلتك عندہ ان اقسم بتراب قدمیك فقال لا اقسم بھذا البلد۔

ترجمہ:۔ یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، بے شک حضور کی بزرگی خدا کے نزدیک اس حد کو پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم یاد فرمائی اور دیگر انبیا کی نہیں۔ اور تحقیق آپ کی فضیلت خدا کے یہاں اسی انتہا کی ٹھہری کہ حضور کی خاک پا کی قسم یاد فرمائی کہ ارشاد ہوتا ہے " لا اقسم بھذا البلد " یعنی مجھے قسم ہے اس شہر کی۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے " لا اقسم بھذا البلد " کی خوبصورت، پاکیزہ اور ایمان افروز تفسیر " اقسم بتراب قدمیك "سے کر کے کف پائے مصطفےٰ ﷺ کی حرمت پر قرآنی دلیل ثبت کر دی ہے۔ اس آیت کے سلسلے میں حضرت شیخ شاہ عبد الحق محدث دہلوی کی تشریح ملاحظہ فرمایئے:

"ایں لفظ در ظاہر سخت می در آید نسبت بہ جناب عزت، چوں گویند کہ سوگند می خورد بخاک پائے حضرت رسالت و نظر بحقیقت معنی پاؤ پاک است و غبارے نیست براں۔ و تحقیق این سخن آنست کہ سوگند خوردن حضرت رب العزت جل جلالہ بہ چیزے بے غیر ذات و صفات خود برائے اظہار و شرف و فضیلت و تمیز آں چیز است نزد مردم بہ ایشاں تا بدانند کہ آں امر عظیم و شرف است نہ آنکہ اعظم است بہ وے تعالیٰ۔

محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ شعر قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر، مذکورہ حدیث پاک کی طرف اشارہ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا عکس جمیل ہے۔

تضاد:

صنعت تضاد ایک عام صنعت اور قریب قریب ہر شاعر کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ تضاد سے یہاں مراد ایک دوسرے کی ضد اور جوڑا ہے جیسے زمین کی ضد آسمان، آگ کی ضد پانی، اور گل وبلبل وغیرہ۔ کلام امام سے تضاد کی چند مثالیں ملاحظہ ہو:

شب اعمال سیاہ صبح گرم سے بدلی　　نور افشاں ہوا یہ چہرہ تاباں کس کا

دشت حرم ہے جان دلہن گو دلہن نہیں　　رشک ارم ہے گرچہ بظاہر چمن نہیں

صبح گردی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا　　شام ہی سے تھا شب تیرہ دھڑکا نور کا

ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا　　تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا

آخری شعر میں بڑھنا کی ضد گھٹنا، ضیا کی ضد اندھیرا، کھل گیا کے مقابل گھر گیا گیسو کی رعایت سے گھٹا سے کتنے خوبصورت معانی پیدا ہو رہے ہیں۔ تضاد کا اور ایک شعر دیکھیے۔

مجھ کو دیوانہ بتاتے ہو میں وہ ہوشیار ہوں　　پاؤں جب طواف حرم میں تھک گئے سر پھر گیا

لف ونشر:

لف کے معنی لپیٹنا، نشر کا مطلب پھیلانا۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہے کہ مصرعہ اولیٰ میں چند چیزیں مفصل یا مجمل طور پر بیان کی جائیں [اسے لف کہتے ہیں] اس کے بعد مصرعۂ ثانی میں ان چیزوں کی مناسبت سے اسی ترتیب یا دوسری ترتیب سے مکرر بیان کی جائے [اس کو نشر کہتے ہیں] اگر ترتیب کے مطابق ہو تو اسے لف ونشر مرتب کہیں گے۔ اگر ترتیب کے مخالف ہو تو غیر مرتب کہلائیں گی۔

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

دندان ولب وزلف ورخ شہ کے فدائی　　ہیں درعدن لعل یمن مشک ختن پھول

سرور کون ومکاں ﷺ کے دندان مبارک سے درعدن کو لبہائے نازک کی سرخی سے لعل یمن کو زلف معنبر کی خوشبو اور رنگت سے مشک ختن کو اور گلاب جیسے نازک اور حسین چہرے سے پھول کو اس لیے خاص نسبت ہے کہ حبیب پروردگار کے چہرۂ انور کے فدائی ہیں۔ لف ونشر غیر مرتب کی اعلیٰ مثال فاضل بریلوی کا مندرجہ ذیل شعر ہے جس کی نظیر کسی نعت گو استاد کے کلام میں بھی میری نظر سے تو آج تک نہیں گزری۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

دونوں مصرعوں کی نظیروں کی ترتیب سے قارئین کرام نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ مصرعۂ ثانی کی نظیروں کی ترتیب مصرعۂ اولیٰ کے مطابق نہیں ہے —— جہاں یہ شعر فن کے لحاظ سے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے وہاں معنوی لحاظ سے بھی بہت بلند

ہے کہ اس میں فخر دو عالم ﷺ کی حضرت یوسف علیہ السلام پر چھ وجہ سے فضیلت ثابت کی ہے، غور فرمائیے۔

[۱] یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر مذکورہ واقعہ پیش آیا لیکن سرور کونین ﷺ کے نام پر [مردان عرب] سر کٹاتے جا رہے ہیں۔

[۲]۔ادھر یوسف علیہ السلام ہیں اِدھر حبیب پروردگار ﷺ

[۳]۔ اُدھر لفظ کٹیں سے بے اختیاری کا اظہار ہو رہا ہے اور وہ بھی ایک مرتبہ لیکن اِدھر کٹاتے ہیں سے دوام واستمرار کے ساتھ عزم وارادہ پایا جاتا ہے۔

[۴]۔ادھر مصر ہے، لیکن ادھر عرب جسے ہر لحاظ سے پوری دنیا پر فضیلت ہے۔

[۵]۔ادھر انگلیاں کٹیں لیکن ادھر سر کٹائے جاتے ہیں۔

[۶]۔ادھر زناں یعنی عورتیں ہیں لیکن ادھر مرد اور للذکر مثل حظ الانثیین۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ شاعرانہ کمال دیکھ کر ہر منصف مزاج بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم ۔۔۔ جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

امام احمد رضا نعتیہ شاعری کے آئینے میں

مولانا عبد الصمد مصباحی: شری پور، گوال پوکھر، اتر دیناج پور بنگال

دل کے جذبات اور قلبی احساسات کو لفظوں کا لبادہ دے دینا شاعری کہلاتا ہے، حقیقی محبت میں گرفتار شخص فرقت حبیب میں تڑپ، بے کلی، بے چینی، غم اور اداسی جیسے جذبات کو محسوس کرتا ہے، وصل محبوب کی دعائیں کارگر نہ ہونے پر وفور جذبات طلاطم کا شکار ہوجاتے ہیں جس کے نتیجے میں شاعری وقوع پذیر ہوتی ہے یوں کہ لیجیے کہ شاعری قلب کے لیے سامان راحت ہے۔

شاعری بھی ایک قسم کی گفتگو اور مخاطب تک اپنی بات پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہے، عام اور سادہ گفتگو انسان کے دل کو اتنا متاثر نہیں کرتی جتنی کہ مسجع مقفع اور ہم وزن گفتگو یعنی شاعری انسان کے دل کو متاثر کرتی ہے۔ یہی وجہ کہ لوگوں نے نہ صرف اسے اپنایا بلکہ اس میں تفنن طبع کے طور پر خوب ہنر آزمائی بھی کی۔

ہمارے ملک کو اس پر فخر ہونا چاہیے کہ اس کی گود میں شعر وسخن کے ایسے ایسے شہسوار مدفون ہیں کہ جن کی مثال لانا خیلے دشوار ہے، وطن عزیز میں جن حضرات نے بھی شعر وسخن میں طبع آزمائی کی سب کے الگ الگ معیار شاعری اور سب کی جداجدا حیثیت ہے مگر حضرت رضا بریلوی کا معیار شاعری نہ صرف سب سے انوکھا بلکہ فقید المثال ہے۔

نعتیہ شاعری میں امام احمد رضا خان بریلوی کی امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ دیگر شعرا باوجودے کہ اپنا زیادہ وقت شاعری میں گزارتے مزید اس کی طرف ان کی طبیعت کا میلان بھی ہوتا وہ کمال وخوبی نہیں پیدا کر پائے جو کمال وخوبی حضرت رضا بریلوی نے عدم مذاق طبع اور شاعرانہ شوق وطبیعت کے بغیر کر دکھایا۔

یہ بات جانی مانی سی ہے کہ کسی امر کی بجاآوری میں شوخئ طبع کے ساتھ ساتھ ذہنی، قلبی اور ہمہ جہت صلاحیتیں متوجہ ہو ں تو وہ کام دل پذیر اور دل نشیں ہوا کرتا ہے اور اس کے برعکس معاملے پر نتائج بھی ویسے مرتب ہوتے ہیں، لیکن یہ قاعدہ نعتیہ شاعری میں امام احمد رضا کے ساتھ اردو ادب کے شعرا کا تقابل کرنے سے ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے وہ بایں طور کہ شعرائے اردو ادب کے پاس وقت کی فراوانی کی ساتھ ساتھ شاعرانہ مزاج وطبع بھی تھا اور شعر وسخن ہی ان کا مطمح نظر ہوا کرتا جب کہ حضرت رضا بریلوی کی صورتحال ان سے دیگر گوں تھی آپ کا ہدف اور مطمح نظر شاعری کے بجائے مراسم اہل سنت اور عقائد حقہ پر منڈلانے والے خطرات کا دفاع تھا اس کے باوجود جملہ شعرائے اردو ادب کے بیچ آپ کی نعتیہ شاعری اپنی فوقیت کا اعلان کر رہی ہے۔

بحر وافر سالم کو آپ کا حیات نو دینا:

شعر کو وزن کرنے کے جو پیمانے مقرر ہیں انہیں بحر کہا جاتا ہے جن کی تعداد ۱۹ بتائی گئی ہے جو کلام ان بحور میں سے کسی ایک کے وزن پر ہوتا ہے وہ شعر کہلاتا ہے نہیں تو نثر، ان بحور میں سے ایک بحر بحر وافر سالم بھی ہے جو کہ صرف عربی زبان ہی میں رائج تھی اور یہ دیگر بحور کے مقابلے میں دشوار بھی تھی اسی لیے حضرت رضا بریلوی سے پہلے شعراے اردو نے اس کو دشواری کی وجہ سے ترک بھی کر دیا تھا، ان لوگوں کے اس بحر کو چھوڑ دینے سے یہ بحر قریب الفنا ہو گئی تھی لیکن حضرت رضا بریلوی نے نہ صرف اس کی طرف نظر التفات کی بلکہ اس کو حیات نو بھی بخشی۔

حضرت رضا بریلوی کا مشہور زمانہ کلام [زمین و زماں تمھارے لیے] اسی بحر کے وزن پر ہے، شعراے اردو و فارسی نے اس بحر کے وزن پر کلام لکھنا پتھریلی اور سنگلاخ زمین پر چلنے کے برابر سمجھ کر اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا لیکن حضرت رضا بریلوی کا اس پر کلام لکھنا ہی تھا کہ اس کی بنجر زمین زرخیز ہو گئی آپ اس دشوار گزار وادی میں قدم رنجہ ہوئے تھے کہ شعراے اردو و فارسی کی رغبت اس کی طرف بڑھ گئی پھر سبھوں نے حضرت رضا بریلوی کی اطاعت میں اس بحر پر اشعار کہے اور اس بحر وافر سالم کو حیات نو ملی۔

صنعات فن شاعری میں حضرت رضا بریلوی کے کمالات:

فن شاعری میں کچھ صنعات ہیں جیسے صنعت تلمیح، صنعت استعارہ، صنعت تشبیہ، صنعت اقتباس اور مبالغہ وغیرہ، شاعر اپنے اشعار میں ندرت اور نکھار پیدا کرنے کے لیے اور لوگوں سے داد وصولنے کے لیے ان کا استعمال کرتا ہے اور ویسے ان صنعات کا استعمال کوئی آسان بات نہیں ہے اشعار میں ان کا استعمال ہی شاعر کی فوقیت بتانے کے لیے کافی ہے۔ ہر زمانے کے شعرا حسب استطاعت ان کا استعمال اپنے اشعار میں کرتے رہے اور لوگوں سے داد وصولتے رہے۔

حضرت رضا بریلوی کے دیوان کا مقابلہ اردو ادب کے شعرا کے دیوان کے ساتھ کرنے سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہیں کہ یہاں بھی حضرت رضا بریلوی نے اپنی فوقیت اور فقید المثال ہونے کا علم لہرا دیا ہے۔

[۱] صنعت تشبیہ:

ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے مثل بتانا کسی وجہ شبہ کی بنیاد پر۔ [تلخیص]

میر تقی میر کا شعر ہے کہ:

نازکی ان کے لب کی کیا کہیے　　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں شاعر نے اپنے محبوب کے لبوں کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی ہے اور حضرت رضا بریلوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک لبوں کو قدس کی پتیوں سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں　　　ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

یوں تو میر صاحب نے بھی تشبیہ دی ہے مگر وہ زور بیان جو حضرت رضا بریلوی کی تشبیہ میں ہے وہ میر صاحب کی تشبیہ میں کہاں؟

[۲] صنعت حسن تعلیل:

شاعر کا کسی امر کے وقوع کے لیے کسی ایسی علت کو بتانا جو کہ حقیقی نہ ہو۔ اس صنعت پر شاعروں نے تخیلات کی بارات سجادی ہیں ایک شاعر اصغر گونڈوی کہتا ہے:۔

ہے عشق کے سوزش سے رعنائی وزیبائی جو خون اچھلتا ہے وہ رنگ گلستاں ہے

شاعر نے رعنائی وزیبائی کی علت سوزش عشق اور رنگ گلستاں کی علت خون کا اچھلنا بیان کیا ہے جو کہ صرف ایک شاعرانہ تخیل ہے بس۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

خم ہوگی پشت فلک اس طعن زمیں سے سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز تخیل پیش کیا ہے۔ ایک دن فلک کو اپنی سر بلندی پر ناز ہو چلا وہ زمین پر اپنی اونچائی جتانے لگا تو زمین نے اس کو طعنہ دیا کہ اے آسمان اکڑ مت! میں تجھ سے بھی اونچی شان والی ہوں کیوں کہ مجھ پر مدینہ ہے ،اس طعنے کو سن کر آسمان کی پشت خم ہوگئی اور اس کا خم ہونا ہمیں یوں نظر آتا ہے کہ جب ہم اس کے کناروں کو دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ زمین سے لگ گئے ہیں یہ چیز مبنی بر حق تو لیکن آسمان کا خم ہونا بوجہ طعن زمین نہیں ہے یہ صرف ایک شاعرانہ تخیل ہے۔

صنعت حسن طلب:

مانگنے کے اچھوتے اور نرالے انداز کو حسن طلب سے تعبیر کیا جاتا ہے:۔ اس صنعت پر شاعروں نے کافی اشعار قلم بند کیے ہیں لیکن جس طریقے سے حضرت رضا بریلوی نے اس صنعت کا حق ادا کیا ہے وہ باقی شعرا نہیں کر پائے آئیے پہلے شعرائے اردو ادب کے اشعار ملاحظہ کریں!

شکیل بدایونی لکھتے ہیں:۔

گن تو لیتے ہیں انگلیوں پہ گناہ
تیری رحمتوں کا حساب کون کرے

فانی بدایونی لکھتے ہیں:۔

تیری قدرت کا نظارہ ،میرے عجز گناہ
تیری رحمت کا اشارہ ہے ندامت میری

مرزا غالب لکھتے ہیں:

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد

مجھ سے میرے گناہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

مذکورہ بالا اشعار میں مختلف اور اچھوتے انداز میں خدا کی رحمت کو صدا دی گئی ہے اور اپنے گناہوں کی معافی حسن طلب کے ذریعے طلب کی گئی ہے اب آئیے حضرت رضا بریلوی کے اشعار پڑھیں:۔

کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

اپنی ستاری کا یارب واسطہ
ہوں نہ رسوا بر سر دربار ہم

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

حضرت رضا بریلوی کے ان اشعار کو پڑھنے کے بعد ہر شخص یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت رضا بریلوی نے صرف صنعت حسن طلب پر اشعار ہی نہیں کہا ہے بلکہ اس کے حسن کو اور چار چاند لگا دیا ہے۔ مقالے کے مزید طویل نہ ہونے کے خوف سے ہم انہیں تین صنعات پر اکتفا کرتے ہیں۔

نعتیہ شاعری میں امام احمد رضا خان بریلوی کے امتیازات کو بیان کرنے کے لیے ہم نے صرف اجمالی اور سرسری جائزے کو سپرد قرطاس کر دیا ہے، نہیں تو اگر ایک طرف کلام رضا کا جائزہ لیا جائے اور دوسری طرف شعرائے اردو ادب کے کلاموں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس فن میں حضرت رضا بریلوی کی حیثیت یقیناً ممتاز ہے۔

مولیٰ تعالیٰ ہمیں فیضان سیدنا امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ سے مالا مال فرما۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

*****

امام احمد رضا کی شاعری کے چند امتیازات

مولانا ارشاد القادری مصباحی: سسار کول، اتر دیناج پور، بنگال

دیگر علوم و فنون کی طرح فن شاعری میں بھی اعلیٰ حضرت کا اقبال بہت اعلیٰ وارفع ہے، اردو شعرا کے قافلے کے اس امیر کی پراثر اور بافیض شاعری کو ذوق اور راحت سے پڑھنے سے یہ بات منور ہو جاتی ہے کہ رضا بریلوی کی شاعری اردو کے تمام شعرا کی شاعری پر غالب ہے۔ جب کوئی مومن عشق نبی ﷺ میں ڈوب کر ان کے زندۂ جاوید اشعار پڑھتا ہے تو ایسا محو ہو جاتا ہے کہ درد حسرت اور فراق مدینہ کا جوش اسے عندلیب بسمل و بیدم کی طرح بیکل کر دیتا ہے۔ اور گستاخان رسول کے داغ دار جگر ان کے اشعار سے مجروح ہوتے ہیں خود فرماتے ہیں کہ:

کلک رضاؔ ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

امام اہل سنت نے ۱۹۰۰ء میں پہلی بار پٹنہ کا سفر فرمایا اور آپ نے اس تاریخی اجلاس میں شرکت فرمائی جو ''ندوۃ العلما'' کی غلط پالیسیوں کی اصلاح کے لیے منعقد کیا گیا تھا، اسی سفر میں اعلیٰ حضرت نے قصیدہ امال الابرار لآلام الاشرار تحریر فرمایا جو ایک مستقل منظوم عربی تصنیف ہے۔ پٹنہ کے مشہور و معروف شاعر عبد الحمید جس کا تخلص پریشاںؔ تھا، اس نے ندوۃ العلما کی مدح میں دو نظمیں لکھی تھیں، حضرت رضا بریلوی نے پریشاں کی ان دونوں نظموں میں سو شعری و شرعی غلطیوں کی نشان دہی فرمائی اور اسی سفر میں حبیب خدا ﷺ کے مبارک عاشق صادق کے ہنر کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے بااثر علمائے کرام نے پہلی بار عظیم آباد کی سرزمین پہ شاد ہو کر مجدد اسلام کے اجمل و احسن لقب سے یاد فرمایا تھا۔

اردو شاعری میں حضرت رضا بریلوی کا کوئی مماثل نہیں ملتا ہے، شاعری کے تمام اصناف میں آپ کے اشعار پائے جاتے ہیں، آپ کی قادر الکلامی کو دیکھ کر بڑے بڑے شعرا اور ادبا انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ شاعری کی ایک بہت ہی مشکل اور پُرپیچ صنعت کا نام ہے صنعت ترصیع۔

صنعت ترصیع: شاعری کی ایک صنعت جس میں دونوں مصرعوں کے تمام الفاظ بالترتیب ہم وزن ہوتے ہیں [فیروز اللغات ص:۳۵۵] جیسے:

نام	تیرا	ہے	زندگی	میری
کام	میرا	ہے	بندگی	تیری

اس تقسیم سے آپ اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے کہ صنعت ترصیع میں کن خوبیوں کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق حضرت رضا بریلوی کے دیوان "حدائق بخشش" میں اس صنعت کے کل ۲۷/اشعار پائے جاتے ہیں، ذوق طبع کے لیے ایک شعر پیش خدمت ہے۔

دھارے	چلتے	ہیں	عطا	کے	وہ	ہے	قطرہ	تیرا
تارے	کھلتے	ہیں	سخا	کے	وہ	ہے	ذرہ	تیرا

اب صنعت عزل الشفتین میں حضرت رضا بریلوی کا کمال ملاحظہ فرمائیں:

صنعت عزل الشفتین: یعنی اشعار میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا کہ شعر پڑھنے والے کے دونوں ہونٹ الگ رہیں یعنی پورا شعر پڑھنے کے باوجود ایک ہونٹ دوسرے ہونٹ سے مس نہ ہو اس صنعت کو واسع الشفتین بھی کہا جاتا ہے۔ دیوان غالب میں پانچ، کلیات فانی میں سترہ، کلیات شکیل میں تیرہ اور فیض احمد فیض کے اشعار کے مجموعے میں صرف چار اشعار صنعت عزل الشفتین سے متعلق پائے جاتے ہیں اور وہ بھی صرف ایک غزل میں نہیں بلکہ متعدّد غزلوں میں۔

حضرت رضا بریلوی کی شاعری کا کمال دیکھیں، اس صنعت میں آپ رضا بریلوی نے بارہ اشعار پر مشتمل مکمل ایک نظم تحریر فرمائی ہے، وہ نظم پیش خدمت ہے:

۱ سیدِ کونین سلطانِ جہاں — ظلِ یزداں شاہِ دیں عرش آستاں
۲ کل سے اعلیٰ کل سے اولیٰ کل کی جاں — کل کے آقا کل کے ہادی کل کی شاں
۳ دلکشا دلکش دل آرا دلستاں — کانِ جانِ جان وجان وشان شاں
۴ ہر حکایت ہر کنایت ہر ادا — ہر اشارت دل نشین و دل نشاں
۵ دل دے دل کو جان جاں کو نور دے — اے جہاں جان والے جان جہاں
۶ آنکھ دے اور آنکھ کو دیدار نور — روح دے اور روح کو راح جناں
۷ اللہ اللہ یاس اور ایسی آس سے — اور یہ حضرت یہ در یہ آستاں
۸ تو نہ تھا تو کچھ نہ تھا گر تو نہ ہو — کچھ نہ ہو تو ہی تو ہے جان جہاں
۹ تو ثنا کو ہے ثنا تیرے لیے — ہے ثنا تیری ہی دیگر داستاں
۱۰ تو ہو داتا اور اوروں سے رجا — تو ہو آقا اور یاد دیگراں
۱۱ التجا اس شرک وشر سے دور رکھ — ہو رضاؔ تیرا ہی غیر از این وآں
۱۲ جس طرح ہونٹ اس غزل سے دور ہیں — دل سے یوں ہی دور ہو ہر ظن وظاں

اس نعت شریف کے بارہ اشعار کے علاوہ حضرت رضا بریلوی کے دیوان میں صنعت عزل الشفتین کے مزید پندرہ اشعار پائے جاتے ہیں، یعنی حدائق بخشش میں اس صنعت کے کل ستائیس اشعار پائے جاتے ہیں۔مضمون کی طوالت کے خوف سے ان اشعار کو پیش کرنے کا ارادہ ترک کر دیا گیا،ایک شعر ملاحظہ فرمائیں جو صنعت ترصیع اور صنعت عزل الشفتین دونوں صنعتوں پہ صادق آتا ہے۔

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

صنعت مقلوب مستوی : شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا کہ اس لفظ کو الٹا کر پڑھا جائے تو بھی وہ سیدھا ہی رہتا ہے، یعنی سیدھا اور الٹا یکساں پڑھا جائے۔ جیسے: درد، ٹوٹ، دید، دزد۔[فیروز اللغات، ص:۱۲۷۵]
حدائق بخشش سے اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم
الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

اس شعر میں لفظ "دزد" کا استعمال کیا گیا ہے اس کو الٹا پڑھیں گے تو بھی دزد ہی پڑھا جائے گا، دزد کے لغوی معنی چوری کرنے والا۔
حضرت رضا بریلوی کے دیوان میں اس صنعت کے اشعار کثیر تعداد میں ملتے ہیں اکثر شعرا نے اس صنعت میں شاعری کرتے ہوئے لفظ درد کا استعمال فرمایا ہے، لیکن رضا بریلوی کے اشعار میں دزد، لعل، اڑا، ٹوٹ، دید کے علاوہ اور بھی الفاظ پائے جاتے ہیں۔

صنعت مقلوب کل:

شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا کہ ان کو بالترتیب الٹ دیں تو معنی دار لفظ بن جائے جیسے مان کو الٹ دیں تو نام بن جاتا ہے اور اناج کو الٹ دیں تو جانا بن جاتا ہے۔
حدائق بخشش سے اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

اس شعر میں لفظ "فرش" کو الٹ دینے سے لفظ "شرف" [بزرگی] بنتا ہے۔
لفظ "کیا" کو الٹ دینے سے "ایک" بنتا ہے لفظ "عرش" کو الٹ دینے سے لفظ "شرع" [مذہب] بنتا ہے۔
حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے دیوان میں صنعت مقلوب کل کے اشعار کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔اس صنعت کے استعمال میں بھی آپ تمام شعرا سے منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں۔

قصیدہ مرصعہ :وہ قصیدہ جو مطلع یا حسن مطلع کے بعد کم از کم اٹھائیس اشعار پر اس طرح مشتمل ہو کہ ہر شعر کے پہلے

مصرعہ کے آخر میں حروف تہجی کا بالترتیب ایک حرف آئے اور حرف "الف" سے بالترتیب شروع ہو کر حرف "ی" پر ختم ہو۔

حضرت رضا بریلوی کا قصیدہ مرصعہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

	پہلا مصرعہ	پہلے مصرعہ کے آخر میں آنے والا حرف	دوسرا مصرعہ
مطلع	کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود		طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
حسن مطلع	شافع روزجزا تم پہ کروڑوں درود		دافع جملہ بلا تم پہ کروڑوں درود
۱	اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا	ا	جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
۲	ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب	ب	نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود
۳	تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات	ت	اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
۴	تم ہو حفیظ و مغیث کیا ہے وہ دشمن خبیث	ث	تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروڑوں درود
۵	وہ شب معراج راج وہ صف محشر کا تاج	ج	کوئی بھی ایسا ہوا تم پہ کروڑوں درود
۶	جان وجہان مسیح داد کہ دل ہے جریح	ح	نبضیں چھٹیں دم چلا تم پہ کروڑوں درود
۷	اُف وہ رہ سنگلاخ آہ یہ پا شاخ شاخ	خ	اے مرے مشکل کشا تم پہ کروڑوں درود
۸	تم سے کھلا باب جود تم سے ہے سب کا وجود	د	تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروڑوں درود
۹	خستہ ہوں اور تم معاذ بستہ ہوں اور تم ملاذ	ذ	آگے جو شہ کی رضا تم پہ کروڑوں درود
۱۰	گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفوو غفور	ر	بخش دو جرم و خطا تم پہ کروڑوں درود
۱۱	بے ہنرو بے تمیز کس کو ہوئے ہیں عزیز	ز	ایک تمھارے سوا تم پہ کروڑوں درود
۱۲	آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمھاری ہے آس	س	بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود
۱۳	طارم اعلیٰ کا عرش جس کف پا کا فرش	ش	آنکھوں پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود
۱۴	کہنے کو ہیں عام و خاص ایک تمہیں ہو خلاص	ص	بند سے کردو رہا تم پہ کروڑوں درود
۱۵	تم ہو شفائے مرض خلق خدا خود غرض	ض	خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروڑوں درود
۱۶	آہ وہ راہ صراط بندوں کی کتنی بساط	ط	المدد اے رہنما تم پہ کروڑوں درود
۱۷	بے ادب و بدلحاظ کر نہ سکا کچھ حفاظ	ظ	عفو پہ بھولا رہا تم پہ کروڑوں درود
۱۸	لو تہ دامن کہ شمع جھونکوں میں ہے روز جمع	ع	آندھیوں سے حشر اٹھا تم پہ کروڑوں درود
۱۹	سینہ ہے کہ داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ	غ	طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروڑوں درود

۲۰	گیسو و قد لام الف کردو بلا منصرف	ف	لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود
۲۱	تم نے برنگ فلق جیب جہاں کرکے شق	ق	نور کا تڑکا کیا تم پہ کروڑوں درود
۲۲	نوبت دربیں فلک خادم دربیں ملک	ک	تم ہو جہاں بادشاہ تم پہ کروڑوں درود
۲۳	خلق تمھاری جمیل خلق تمھارا جلیل	ل	خلق تمھاری گدا تم پہ کروڑوں درود
۲۴	خلق کے حاکم ہو تم رزق کے قاسم ہو تم	م	تم سے ملا جو ملا تم پہ کروڑوں درود
۲۵	برسے کرم کی بھرن پھولیں نعم کے چمن	ن	ایسی چلادو ہوا تم پہ کروڑوں درود
۲۶	اپنے خطاواروں کو اپنے ہی دامن میں لو	و	کون کرے یہ بھلا تم پہ کروڑوں درود
۲۷	کرکے تمھاری گناہ مانگیں تمھاری پناہ	ہ	تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود
۲۸	کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے	ے	ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

حضرت رضا بریلوی کا یہ قصیدہ مرصعہ ملاحظہ فرماکر ناظرین ضرور محظوظ ہوئے ہوں گے۔ اردو ادب کے کسی بھی شاعر نے باندازِ غزل ایسا قصیدہ نہیں کہا ہے، یہ قصیدہ کل ۵۹/ اشعار پر مشتمل ہے۔ جہاں اردو ادب کے مشہور و معروف اور ممتاز شعرا اس صنعت میں ایک ایک حرف کی مثال میں صرف ایک ایک شعر پر مشتمل قصیدہ مرتب کرنے سے قاصر رہے وہاں حضرت رضا بریلوی کی بصیرت و دانائی اور شعری صلاحیت ملاحظہ فرمائیں۔ ایک حرف کی مثال میں حضرت رضا بریلوی کے کئی اشعار پائے جاتے ہیں، اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

الف	کی مثال میں	۴	اشعار
ب	کی مثال میں	۲	اشعار
ت	کی مثال میں	۲	اشعار
ث	کی مثال میں	۲	اشعار
ح	کی مثال میں	۲	اشعار
ر	کی مثال میں	۵	اشعار
م	کی مثال میں	۷	اشعار
ن	کی مثال میں	۶	اشعار
و	کی مثال میں	۳	اشعار
ہ	کی مثال میں	۲	اشعار
ی	کی مثال میں	۴	اشعار

اب آپ کے نزدیک یہ بات واضح ہوچکی ہوگی کہ فن شاعری میں اعلیٰ حضرت کا کوئی مماثل ومقابل نہیں ہے، حضرت رضا بریلوی کی شاعری میں بیان کردہ صنعتوں کے علاوہ صنعت تجنیس کامل، صنعت تجنیس ناقص، صنعت تضاد، صنعت مقابلہ اور بھی کئی صنعتوں کے جلوے نظر آتے ہیں لیکن وقت کی قلت اور مضمون کی طوالت کے خوف سے ان صنعتوں پہ تبصرہ کرنے کا ارادہ ترک کردیا گیا۔

اردو شاعری میں حضرت رضا بریلوی کا کوئی مماثل ومقابل نہیں، اعلیٰ حضرت وہ ممتاز شاعر ہیں جن کی شاعری پر آج دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی جارہی ہیں۔ ذوق طبع کے لیے فہرست ملاحظہ فرمائیں:

سن منظوری	یونیورسٹی	عنوان	نام اسکالر	
۱۹۹۲	ڈاکٹر ہری ہر سنگھ کورویشا یونیورسیٹی ساگر ایم پی انڈیا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اور ان کی نعت گوئی	ڈاکٹر سید جمیل الدین [جمیل راٹھوی]	
۱۹۹۲	بہار یونیورسیٹی مظفر پور انڈیا	حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت	ڈاکٹر محمد امام الدین جوہر شفیع آبادی	
۱۹۹۴	روہیل کھنڈ یونیورسیٹی بریلی انڈیا	اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	
۱۹۹۵	کانپور یونیورسٹی انڈیا	مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سراج احمد بستوی	
۲۰۰۴	کراچی یونیورسٹی پاکستان	مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری کا تاریخی اور ادبی جائزہ	ڈاکٹر تنظیم الفردوس	
۲۰۰۴	پنجاب یونی ورسٹی لاہور	الشیخ احمد رضا شاعراعربیا مع تدوین دیوانہ العربی	ڈاکٹر سید شاہد علی نورانی	

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شاعری پہ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے والے حضرات کے اسمائے گرامی کی جو فہرست مجھے حاصل ہوئی میں نے وہ پیش کردیا۔

علم اور تحقیق کے میدان میں لوگ آگے بڑھتے رہیں گے اور ان شاء اللہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کے مختلف گوشے اجاگر ہوتے رہیں گے۔

*****

امام احمد رضا اور اردو ادب

مولانا غلام جیلانی خان: الہ آباد

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی شخصیت کا مخصوص دائرہ کار مذہبی تبلیغ اور اسلامی حقائق کی حقیق تشریح و تفسیر ہے۔ ان کی زبردست علمی صلاحیتوں کا میدان عمل بنیادی طور پر وہی ہے جو آپ کے پہلے کے صوفیۂ کرام اور مجددین وملت کا رہا ہے۔ میرے اس مضمون کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کی شخصیت کے بین الاقوامی تاثر میں کوئی تبدیلی چاہتا ہوں۔ آج بھی دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمانوں کا صالح اور راست طبقہ انہیں امام اہل سنت کے نام سے یاد کرتا ہے اور یہ ایک صحیح اور سائنٹفک تاثر ہے۔

لیکن صوفیا اور علما اپنے نظریات و عقائد کی تبلیغ کے لیے جب اظہار مدعا کا کوئی پیرایہ متعیّن کرتے ہیں تو خود بخود کسی نہ کسی زبان وادب کی خدمت اور توسیع و ترقی کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبد الحق نے اپنی کتاب ”اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیۂ کرام کا کام“ میں لکھا ہے:

”یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے، یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی۔ نہ اس کا انہیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی، لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا۔ اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں۔ اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہوگئی“

اس کتاب میں بابائے اردو نے صوفیۂ کرام کو اردو کا محسن بتایا ہے اور کہا ہے کہ اردو زبان کا مؤرخ ان کے احسان کو نہیں بھول سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تادم تحریر مورخین اردو ادب نے اس احسان کو کہاں تک یاد رکھا ہے؟ لیکن کم سے کم مجھے تو یہ احسان صرف یاد ہی نہیں بلکہ میرے احساس و فکر کی دنیا میں ایک زندہ حقیقت بن کر آج مجھے پابند لوح و قلم بھی کر رہا ہے۔

امام احمد رضا کی پروقار شخصیت سے اردو ادب کے رشتے پر میری چھان بین کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ میں ارادی طور پر اس عنوان پر کچھ لکھنے کے لیے بے تاب ہوں۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ کرۂ ارض کے تمام خطے ہمہ وقت تابناک نہیں رہتے بلکہ اگر زمین کا نصف حصہ تاریکی کی آغوش میں رہتا ہے تو نصف حصہ اجالوں میں مچلتا ہے، شاید نظام قدرت کا یہ قانون فکر انسانی کو بھی راس آیا ہے ورنہ اردو کے عظیم مورخین کی یہ روش میرے نزدیک حیرت انگیز ہے کہ وہ ایک ہی دور میں داغ

ومیر، حالی وشبلی، اکبرو سرسید کی خدمات پر تو اپنے آفتاب تحقیق کی کرنیں بکھیرتے ہیں، لیکن امام احمد رضا کی شاعری، نثر نگاری اور ان کے علمی جاہ وجلال کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ میرے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور میں اپنی ناپسندیدگی کو دوسروں کی پسند گمان کرنے والوں میں بھی نہیں ہوں۔ لیکن اردو ادب کا طالب علم جب ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے بعد ادب کی روشنی میں اپنا ذہنی سفر شروع کرتا ہے تو یہ حیرت اسے ضرور ہوتی ہے، اگر نہیں ہوتی تو ہونی چاہیے اور اس ''چاہیے'' کا بھی انکار ہے تو حقیقتیں ہر دور میں اتنی با اختیار ضرور ہوتی ہیں اور رہیں گی جب حقائق کی انمٹ طاقتوں نے محض تخیلاتی نظریات کے پہاڑوں کو چکنا چور کر دیا ہے۔ ایٹم [Atom] کی سہ رکنی حقیقت نے نیوٹن کا بھرم اگر توڑا ہے، صورت ومعنی کی کش مکش میں اگر معنی کو غلبہ حاصل ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ فاضل بریلوی کی ادبی ولسانی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے۔

ذہنی وعلمی دنیا کی شاید یہ وہی مایوس منزل ہے جہاں انہوں نے شکوہ وشکایت کو ''شدید اپنائیت'' کی خوبصورت تاویل کا لبادہ پہنا دیا ہے۔ میں بھی اپنے کرب وکسک کی اسی مایوس منزل پر ہوں جہاں مجھے اپنوں سے شکوہ ہے۔ لیکن سوچتا ہوں کہ اپنا کون ہے اس لئے یہ کہہ دینا ہی عافیت بخش ہے کہ

مجھے سب سے شکوہ ہے، کاش! ہماری جماعت کے لوگ فاضل بریلوی کے اس رخ پر کچھ لکھتے تو آج حامد حسن قادری، رام بابو سکسینا، نسیم قریشی، عبد السلام ندوی کی تاریخ ادب کی کتابیں ''ذکر رضا'' سے نا آشنا نہ ہوتیں۔ وہ ''امام الکلام'' جس کی نعتیہ شاعری آج بھی اردو ادب میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے، شعرائے اردو کے تذکروں میں گمنام نہ ہوتا۔

میں جو کچھ قلم بند کر رہا ہوں اپنی بے بضاعتی کے بھرپور احساس کے ساتھ قلم بند کر رہا ہوں، ایک متنوع شخصیت کی رنگارنگی میں کسی ایک مخصوص رنگ کو مخصوص انداز سے پیش کرنا وقت اور غائر مطالعہ چاہتا ہے۔ اور اس قسم کے مطالعے بھی ان گنت رخ رکھتے ہیں۔ اس لیے موضوع میں مکمل گفتگو کا دعوی نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسا کوئی ادعا میرا مقصد ہے۔ بلکہ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ادب کی ایک بھولی ہوئی اہم ترین ضرورت کا ''احساس جاں'' ''احساس جہاں'' ہو جائے اور میری تنہائی انجمن بن جائے۔

ازل سے ایک جہان سکوت لایا ہوں
شریک شرح نوائے راز کرنے کو

''ادب تنقید حیات ہے'' میتھو آرنلڈ کا یہ وہ مقولہ ہے جو آج بھی اصناف ادب کے ضمن میں شاعری کی بھی حقیقی تعبیر سمجھا جاتا ہے۔ آیئے ہم بھی اس تعبیر کو اپنے خواب کا آئینہ سمجھ کر آگے بڑھیں۔ میرے موضوع کا شدید تقاضا ہے کہ پہلے ہم یہ سمجھیں کہ شاعری کس حیات کی تنقید ہے۔ میرے نزدیک حیات کے دو رخ تو مسلم ہیں۔ حیات فانی اور حیات باقی۔ اسے آپ دنیوی اور اخروی حیات بھی کہہ سکتے ہیں۔ اگر شاعری کو صرف دنیاوی حیات [مادی حیات] کی تنقید سمجھا جائے تو پھر شاعری کا وہ دعوی مجروح ہوتا ہے جس کی روشنی میں اسے انسانی رہنمائی کا افتخار حاصل ہے۔ اسی لیے بعض نقادوں نے آرنلڈ کے جملہ میں حیات کے ساتھ اپنی جانب سے کوئی قید نہ لگا کر اسے شاعر کے شعور سے وابستہ کر دیا ہے۔ جعفر علی خاں اثر اپنے مضمون

"پروپیگنڈہ اور شاعری" میں رقم طراز ہیں:

"ادب تنقید حیات ہے مگر مطلق حیات کی نہیں، بلکہ اس حیات کی جس کی تشکیل شاعر یا ترجمان نے کی ہے۔"

اور جب حیات کی ادبی جہت فن کار کے شعور سے وابستہ ہے تو ایک ایسا فن کار جو شعوری طور پر نہ صرف حیات اخروی پر ایمان رکھتا ہے بلکہ وہ اسے ساری دنیائے انسانیت کے لیے باعث نجات بھی جانتا ہے۔ جب حیات کی تنقید کرے گا تو اس کے فن میں ایسے عقائد و جذبات کا اظہار ناگزیر ہو جاتا ہے، جو اس کی نظر میں باعث نجات و عافیت ہو۔ یہی وہ تنقید حیات ہے جسے ہم نعتیہ شاعری، مذہبی شاعری یا اعتقادی شاعری میں پوری طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ اور یہی وہ نقطۂ نظر ہے جس کی بنیاد پر ادب کا ہر شہ پارہ قید حیات کے دائرے میں آجاتا ہے۔ خواہ وہ مذہبی شخص ہو یا غیر مذہبی۔

فاضل بریلوی کی پوری اردو شاعری نعت و منقبت پر مشتمل ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں مسلک اور عقیدہ کا اظہار بھی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ ان کے مجددانہ شعور کی بات ہے کہ انہوں نے حقیقی حیات کی تنقید کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ جنت و دوزخ، قبر و قیامت، قضا و قدر، عذاب و ثواب، بخشش و تعزیر اور اس قبیل کے موضوعات اخروی ان کی شاعری کا اصل موضوع ہیں۔ جس کا تعلق حیات بعد الممات سے ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ میں

یا الٰہی گرمی محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

کھڑے ہیں منکر نکیر سر پر نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور
بتادو آکر میرے پیمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے

بارگاہ رسالت میں جذبات وکیفیات کا منظوم نذرانہ بھی نجات اخروی اور حیات ابدی کے حصول کا ایک پاکیزہ وسیلہ ہے۔ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری بھی رضائے رسول اور حب نبوی کے اکتساب کا ایک مقدس انداز ہے اور یہی رضا و محبت اسلام میں تکمیل ایمان کا وہ معیار ہے جہاں انسان حیات کی اس منزل پر ہوتا ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے:

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تری حیات کے مرکز سے دور رہتا ہے

اور میں یہ پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ فاضل بریلوی کے فن میں اسی حیات کی تنقید کے جلووں کا ہجوم ہے۔ دراصل اسلامیات پر ان کا مطالعہ عقلی و وجدانی دونوں اعتبار سے کامل تھا۔ اسلامی معقولات نے انہیں علم فضل میں یگانۂ روزگار بنایا اور ہوش وبصیرت

سے معمور ان کی اسلامی وجدانیت نے اردو نعت کو شاعرانہ حسن آفرینی کے ساتھ ساتھ یہ شان برگزیدگی عطا کی۔ اردو نعت گو شعرا کی ہندوستانی روایت میں فاضل بریلوی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے کلام میں ''عقل مومن'' اور ''وجدان'' کا حسین اعتدال وامتزاج موجود ہے۔ افتخار اعظمی نے ''ارمغان حرم'' کے مقدمہ میں فاضل بریلوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے، اسی لیے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالاں کہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیے۔ انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے، ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے، چوں کہ رسول پاک سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لیے ان کا نعتیہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے۔''

حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری تخلیقی صلاحیت اور جدت طرازی سے آراستہ ہے، ان کی اس نعت کا چرچا آج بھی ہر سمت ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

لم یات نظیرك فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اس نعت میں عربی، فارسی اور ہندی کی اردو کے ساتھ آمیزش تو نعتیہ شاعری میں نادر الوجود نہیں کہی جاسکتی، لیکن ہاں! اس کی ''لسانیاتی تثلیث'' میں جو امتزاج و آہنگ ہے، جو روانی اور سلاست ہے، اس کی لطافت اور دل نشینی کی بازگشت سے آج بھی اردو کی شاعری محروم ہے۔

شاعری واردات قلب کے آراستہ اظہار سے عبارت ہے، امام احمد رضا کے وارداتِ جگر کو ملاحظ فرمائیے:

آنکھ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پُرارمان گیا
جان ودل ہوش وخرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا
کانٹا مرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو
اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اور نعتیہ مضامین میں شان تجمل کے پہلو بہ پہلو خلوص ووفا کی رعنائیاں تو جیسے چھلکی پڑتی ہیں۔ وفور شوق کے جلو میں بارگاہ مصطفیٰ کے حضور سرمایۂ عقیدت کی یہ دل نواز پیش کش اردو شاعری میں کہیں کہیں ہی دکھائی دیتی ہے:

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہوکر

رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہوکر

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنج آب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اس شعر میں ''پنج آب رحمت'' کی ترکیب اردو زبان کو فاضل بریلوی نے ہی دی ہے اور اسی نعت کا دوسرا شعر تو پرواز فکر اور نعت تخیل کی آخری حدوں تک پہنچ گیا ہے، فرماتے ہیں:

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ وہ واہ

اس شعر کے خصوص میں میں نے دعوی کیا ہے کہ تخیل کی آخری حد شاعر کے ذہن میں آبسی ہے۔ اس ادعا کی تائید میں اقبال سہیل کو سنیے:

چلے ہیں فاروق اس ادا سے فضائیں گونجی ہیں مرحبا سے
جو ذرّے اڑتے ہیں گرد پا سے نجوم پر مسکرا رہے ہیں

شعر کا مضمون نہایت واضح ہے، شاعر فاروق اعظم کا پائے ناز چومنے والے ذروں کو نجوم پر فوقیت دے رہا ہے، لیکن میرے مقصد کو سمجھنے کے لیے ان دونوں شعروں میں تقابل سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ تخیل اور ہے مصداق تخیل اور، یہاں مصداق تخیل سے بے نیاز ہوکر صرف شاعر کی ذہنی پرواز کا تجزیہ مقصود ہے۔

اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کے اس سرمدی شعور پر ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے، جو علوے فکر اور فنی احساسات کی لطافت سے جگمگا رہا ہے، انہوں نے سواری رسول کے قدموں سے اٹھنے والی دھول کو مہر وماہ کے لیے ''مخزن اکتساب نور'' بنا دیا ہے، ذروں اور ستاروں کا جو رشتہ انہوں نے اجاگر کیا ہے وہ کتنا لطیف اور بلند ہے، اسے فن شناس نگاہیں خوب جانتی ہیں۔ اقبال سہیل نے تو ان الفاظ کی شان وشوکت اور ترکیب کی سج دھج سے تخیل کو جلا بخشی ہے، لیکن فاضل بریلوی کے یہاں پرواز فکر کی جاذبیت سے الفاظ کی رگوں میں زندگی کا تازہ لہو گردش کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایک شاعر کی نگاہ صاحب تعریف کے قدموں پر ٹھہر گئی ہے، لیکن دوسری جگہ شاعر کی نگاہیں نسبت کے اعزاز تک جا چکی ہیں۔ تقابل کی بات ذہن میں آتے ہی دفعتا فاضل بریلوی کا وہ شعر بھی یاد آگیا جو زبان زد خاص وعام ہے:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

فن اور زبان پر زبردست عبور کی ہی بات ہے کہ اس شعر میں ہر لفظ تقابل کی علامت بن کر شاعرانہ احساسات کے

سانچے میں ڈھل گیا ہے۔ زنان مصر اور مردان عرب یا انگشت اور سر کا باہمی تقابل تو بالکل ظاہر ہے، لیکن حسن یوسف پر انگلیوں کا کٹ جانا اور اسم مصطفی پر سر کٹا دینا اپنی جگہ پر زبردست معنویت رکھتا ہے۔ کٹنا غیر ارادی اور اضطراری عمل ہے لیکن کٹانا ارادہ اور مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا مجبوری اور مختاری کا آمنا سامنا ہو رہا ہے۔ اسی طرح یوسف اور اسم سرور کائنات بھی شاعر کے فکر میں روبرو ہیں۔ حضرت یوسف کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے اختیاری میں انگلیاں کٹی ہیں، لیکن جمال مصطفی کو دیکھ کر نہیں بلکہ صرف سن کر سر کٹانے کی تمنا جوان ہو گئی ہے۔ جس بارگاہ وفا میں نام کی یہ تاثیر ہو وہاں جلوۂ ذات کی تجلیات کا کیا عالم ہو گا؟ یہ فاضل بریلوی کی وہی ایمائیت ہے، جہاں ٹھہر کر آپ جس قدر غور کریں گے عشق مصطفی کی چاشنی دو آتشہ ہوتی ہوئی محسوس ہو گی۔

جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

بڑی اور منطقی بات ہے، لیکن یہ شاعر کی قادر الکلامی ہے کہ اس نے بہت کچھ کہہ کر بھی ''تذکرۂ حسن یار'' کو محدود میں ہونے نہیں دیا۔

امام الکلام کی یہ وارفتگی بھی دیکھیے جس کے بل بوتے پر وہ بے حجابانہ پکار اٹھتے ہیں:

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

فاضل بریلوی کی یہ وہ خصوصیت ہے جو انہیں نعت رسول کی نغمگی کے حوالے سے ممتاز کرتی ہے ورنہ اس انجمن ناز میں سر کو لے کر جانا سب کے بس کی بات نہیں، ایمان و عشق کی شان ہی یہ ہے کہ پھانسی کے تختے پر بھی اسے تاریخ کی نگاہوں نے زندہ اور بے باک دیکھا ہے۔

امام احمد رضا اپنے خطوط کے آئینے میں

مولانا چراغ علی مصباحی: صدر المدرسین مدرسہ گلشن مدینہ، آنند گورے گاؤں، مہاراشٹر

رابطہ کے جدید ذرائع مثلاً موبائل، ٹیلی فون وغیرہ کی وجہ سے دور حاضر میں خطوط نویسی کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو نصف صدی قبل دی جاتی تھی۔ نصف صدی قبل خطوط نویسی کو مستقل فن کی حیثیت حاصل تھی، ہر ایک کے شایان شان الفاظ و آداب کا تعین، مضمون کی گروہ بندی اور مخاطب کے حال کی رعایت خطوط نویسی میں پیش آنے والے اہم مراحل ہیں۔ اسے فضل خدا اور عطائے مصطفی جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کہا جاسکتا ہے کہ دیگر فنون کی طرح خط نویسی کے فن میں بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنی نظیر آپ تھے، اس فن میں بھی دور دور تک کوئی آپ کا ثانی نظر نہیں آتا، آپ کے خطوط زبان و بیان کی شاہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ کے خطوط جس قدر سادہ مگر دل نشیں پیرایہ میں لکھے گئے ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اپنی بارگاہ میں آنے والے خطوط کو خصوصی اہمیت دیتے اور انھیں ضیاع سے بچانے کی جتن فرمایا کرتے تھے، آپ کے شاگرد خاص اور خلیفۂ ارشد ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

”اعلیٰ حضرت کو خطوط کے جواب کا بہت اہتمام تھا، اس خیال سے کہ خطوط ضائع نہ ہوں حاجی کفایت اللہ صاحب ساکن: محلہ بہاری پور خادم خاص اعلیٰ حضرت نے ایک خوبصورت لیٹر بکس ٹین کا بنوا کر، آویزاں کر دیا تھا، جس میں ڈاکیہ خطوط پیکٹ وغیرہ ڈال دیا کرتا تھا، اس پر برابر تالا لگا رہتا کہ کوئی ان خطوط کو نکال نہ لے۔ اس کی چابی اعلیٰ حضرت کے پاس رہتی، عصر کی نماز پڑھ کر جب آپ باہر تشریف رکھتے تو چابی مجھے عنایت فرماتے، بکس کھول کر اس روز کی ڈاک سب سامنے لا کر حاضر کر دیتا اور ایک ایک خط پڑھنا شروع کر دیتا، اگر خط تصوف کے متعلق ہوتا اعلیٰ حضرت خود رکھ لیتے اور اس کا جواب بنفس نفیس خود تحریر فرماتے۔“ [حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص:۱۳۹]

اعلیٰ حضرت اور تربیت خطوط نویسی:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں آنے والے خطوط زیادہ تر مختلف موضوعات پر پوچھے گئے سوالات کی شکل میں

ہوتے، لوگ زیادہ تر دینی مسائل کے حل کی خاطر آپ کی بارگاہ میں خطوط لکھتے اور آپ ان کا دینی حل پیش فرما کر رضاے مولیٰ حاصل فرماتے۔ اکثر خطوط کا جواب آپ خود تحریر فرماتے اور بعض خطوط اپنے لائق و فائق شاگردوں میں تقسیم فرمادیتے تاکہ خطوط نویسی کے باب میں ان کی تربیت کا سامان بنتا رہے۔ علامہ ظفرالدین بہاری قدس سرہ فرماتے ہیں:

”تعویذات کے متعلق خط میرے یا حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب کے حوالہ کیا جاتا، استفتا ہوتا تو حسب مراتب مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی، مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب بہاری، راقم الحروف جامع حالات فقیر ظفرالدین رضوی، مولوی حکیم سید عزیز غوث صاحب، حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب کے حوالہ فرماتے۔ استفتا بہت ہی پیچیدہ اور اہم ہوتا تو اعلیٰ حضرت ہی جواب تحریر فرماتے، فرائض کا مسئلہ زیادہ تر حضرت مولانا مولوی محمد رضا خاں صاحب عرف ننھے میاں برادر اصغر اعلیٰ حضرت کے حوالہ ہوتا، مدرسہ کے متعلق خطوط ہوتے تو حضرت حجۃ الاسلام کے پاس بھجوایا جاتا، مطبع کے متعلق خطوط بھی میرے حوالہ کیے جاتے۔ غرض تعویذات و استفتا حسب حصہ اسدی اور مطبع کا کام میرے ذمہ تھا۔“ [حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۴۰]

بارگاہ اعلیٰ حضرت اور خطوط علما:

چوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات بابرکات فقہ و فتاویٰ کے باب میں مرجع خلائق تھی، عوام و خواص سبھی اپنی اپنی مشکلات آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے اور قال اللہ و قال الرسول کی ٹھنڈی چھاؤں تلے ان کا تفصیلی جواب پاتے، اس لیے آپ کے خطوط زیادہ تر خالص دینی و علمی مضامین پر مشتمل ہوتے، آپ کی بارگاہ پر فیض سے وہ لوگ بھی انوار و تجلیات حاصل کرتے جو اپنے آپ میں علم و حکمت کا سرچشمہ تھے، آپ کے ہم عصر مؤقر علما و مشائخ بھی اپنی مشکلات بذریعۂ خط آپ کی بارگاہ میں پیش فرماتے اور آپ اس کا جواب عنایت فرماتے:

بطور نمونہ علامہ مفتی حکیم عبدالرحیم صاحب گجرات کا ایک خط قارئین کی نذر ہے ملاحظہ فرمائیں:

از: احمد آباد

۹ر صفر المظفر ۱۳۳۳ھ

”مرقاۃ شرح مشکوٰۃ“ ملا علی قاری کی عبارت اگر آپ کے زیر نظر ہو تو بتائیے کہ یہ مرقاۃ کی کون سی باب و فصل اور کون سے صحابی کی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے یہ حدیث نقل کی ہے: أنه بلغني عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم انه قال لا اله الا اللہ سبعین الفا غفر اللہ تعالیٰ و من قیل له غفر له۔

جواب از: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ

از: بریلی

مولانا اکرمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ عبارت مرقومہ کتاب الصلوٰۃ باب ماعلی الماموم من المتابعۃ فصل ثانی حدیث علی و معاذ بن جبل علیہم الرضوان کی شرح میں ہے: مطبع مصر جلد دوم، ص:۱۰۲۔

خطوط اعلیٰ حضرت اور اصاغر نوازی:

اعلی حضرت قدس سرہ کے خطوط کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ اپنے خطوط میں ہر ایک کو حسب مرتبہ القاب و آداب سے نوازتے۔ اگر کوئی چھوٹا ہے تو اصاغر نوازی کے جلوے صاف نظر آتے۔ بڑوں کی بار گاہ میں سراپا نیاز بن جاتے۔ اور ہم عصر علما و فضلا کی وہ عزت افزائی فرماتے۔ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

ذیل میں ہم چند خطوط سے شفقت و محبت کی چاشنی میں ڈوبے ہوئے کچھ جملے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، قارئین کرام خود اندازہ فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے اصاغر پر کس درجہ شفیق و مہربان تھے۔

شاگرد و خلیفہ علامہ ظفر الدین بہاری کو لکھے گئے خط کے اندر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شفقت و محبت کی بارش کا نظارہ فرمائیے:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ولدی اعزک اللہ فی الدنیا والدین و جعلک کاسمک ظفر الدین [حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۳/، ص:۳۶۱]

ایک اور خط کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمائیں:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حبیبی و ولدی وقرۃ عینی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری جعل اللہ کاسمک ظفر الدین [المرجع السابق ،ص:۳۵۸]

دیکھا آپ نے: شاگرد اور خلیفہ کو کیسے پُر محبت الفاظ سے یاد فرمایا ہے، اس طرح کے اور بھی متعدّد خطوط کے نمونے پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن اس مختصر مقالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

سادات کی بار گاہ میں اعلیٰ حضرت کا انداز خط نویسی:

اہل بیت اطہار خاندان مصطفی کے کسی فرد کو بطور خط جواب دینا ہو تو اعلیٰ حضرت کا قلم کس طرح سر نیاز خم کرتا ہے اس کی بھی ایک جھلک دیکھتے چلیے۔

حضرت سید شاہ حامد میاں، بمبئی کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”بشرف ملاحظہ عالیہ حضرت بابرکت والا درجت حضرت مولانا سید شاہ حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ادائے آداب معروض۔ [فتاویٰ رضویہ جدید، ج:۱۰، ص:۱۶۷۔۱۷۷]

دیکھا آپ نے! اپنے وقت کا امام اور مقتدا بارگاہ آل مصطفی علیہ التحیۃ والثنا میں کس قدر عاجزی اور انکسار سے پیش آتا ہے۔

ہم عصر علما کے لیے اعلیٰ حضرت کا خط:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ علمی اختلافات کے باوجود ہم عصر علماے حق کی بارگاہ میں کس درجہ نیاز مندی سے پیش آتے ہیں اور عاجزی وانکساری کا مظاہرہ فرماتے، اس بات کا اندازہ حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حسب ذیل کے ابتدائی جملوں سے لگائیے جو آپ نے علامہ انوار اللہ فاروقی نور اللہ مرقدہ کی بارگاہ میں لکھا تھا، خط کے چند جملے ہدیہ ناظرین ہیں ملاحظہ فرمائیں:

''بشرف ملاحظہ والائے حضرت بابرکت جامع الفضائل لامع الفواضل شریعت آگاہ طریقت دستگاہ حضرت مولانا الحافظ الحاج مولوی محمد انوار اللہ خان صاحب بہادر بلقابہ الغر

سلام مسنون، نیاز مشحون ہدیہ مجلس ہمایوں

یہ سگ بارگاہ بے کس پناہ قادریت غفرلہ ایک ضروری دینی غرض کے لیے مکلف اوقات گرامی پرسوں روز سہ شنبہ شام کی ڈاک سے ایک رسالہ ''القول الاظہر'' مطبوعہ حیدر آباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احباب گرامی کا مرسلہ آیا جس کے لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے۔ یہ نسبت اگر صحیح نہیں تو نیاز مند کو مطلع فرمائیں۔ ورنہ طالب حق کو اس سے بہتر تحقیق حق کا موقع کیا ہوگا۔'' [اجلی انوار الرضا، ص:۵ مطبوعہ مطبع اہل سنت بریلی]

کلمات امام کو بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ آپ اپنے ہم عصر علما کی بارگاہ میں کس درجہ نیاز مندی سے پیش آتے ہیں اور ساتھ ہی ان جملوں سے اس بات کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں کہ آپ کسی کے خلاف قلم اٹھانے میں کس درجہ احتیاط سے کام لیتے۔

عوام کے تلخ خطوط پر اعلیٰ حضرت کا صبر:

عوامی خطوط پر بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کامل توجہ فرماتے اور اگر عوام میں سے کوئی نادانی کی بنا پر تلخ کلامی بھی کر جاتا تو آپ اسے سمجھا کر مطمئن کر دیتے اور نہایت ہی نرم ونازک الفاظ کا استعمال فرماتے، انداز بیان اس درجہ سادہ اور دل نشیں ہوتا کہ مخاطب کے دل میں اتر جائے۔

فتاویٰ رضویہ شریف سے کلمات طرفین نقل کیے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

از جناب عبد الرحمان صاحب گجرات

''کئی فتوؤں پر آپ کی مہر دیکھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر دو جانب کی گفت وشنید نہیں سنتے، ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے۔''

جواب از اعلیٰ حضرت قدس سرہ:

مکرم کرم فرمایان سلمکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مع فتاواے فریقین ملا، فقیر نے آپ کے فرمانے سے یہاں کے فتوے پر مکرر نظر کی اور اس طرف کے فتاویٰ کو بھی دیکھا جو یہاں سے لکھا گیا، خالص حق وصحیح ہے، اس میں بحمد اللہ تعالیٰ کسی کی طرف داری نہیں، حکم شرعی بیان کیا ہے، کسی کے مخالف موافق ہو، اس سے بحث نہ کی، نہ کی جا سکتی ہے۔ کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے۔ کہ چھوٹی جماعت

والے اگر خوف ونزاع وجدال وغیرہ کسی مصلحت شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں توان پر جبر بھی نہیں پہنچتا، کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ بہر حال چھوٹی جماعت والوں کے انکار سے ان کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ان عبارات کو دیکھ کر آپ حضرات نے فریق اول کی طرف داری سمجھی، ان عبارات کو دیکھ کر وہ فریق آپ کی طرف داری سمجھے۔ خلاصہ یہ ہوگا کہ دونوں فریق کی طرف داری ہے، یعنی کسی کی طرف داری نہیں، صرف بیان حکم سے غرض ہے۔ والحمد للہ رب العالمین، اور یہ الزام کہ آپ ہر دو جانب کی گفتگو نہیں سنتے ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے۔ اگر آپ انصاف فرمائیں تو یہ الزام محض بے اصل ہے، یہاں فتویٰ دیا جاتا ہے دار القضا نہیں کہ فریقین کے بیان سننا، تحقیقات امر واقع کرنا لازم ہو۔" [فتاویٰ رضویہ، جدید جلد ۱۶ / ص: ۳۲۹]

دیکھا آپ نے حکم شرع بیان کرنے میں کس درجہ نازک اور سلجھی ہوئی گفتگو فرمائی اور صبر وتحمل کا دامن ایک آن کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

ان خطوط سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت کی شخصیت اصاغر نوازی اور ہر ایک کا ادب ولحاظ کرنے والی شخصیت تھی، آپ کی گفتگو نہایت ہی سنجیدہ اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی اگر آپ کا لہجہ کہیں سخت نظر آتا ہے تو وہ صرف اور صرف رضائے مولیٰ اور اطاعت مصطفی کے لیے اور یہ ایک مومن کامل کی نشانی ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فیضان سے مالامال فرمائے۔ آمین

مقالات

☆اوصاف وکمالات

امام احمد رضا ماہ وسال کے آئینے میں

مولانا محمد شمس الدین رضوی: مدرسہ سید العلوم گلشن رضا، رحمن نگر کونہ، اتر دیناج پور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ دین متین کی خدمت واشاعت میں گزرا، آپ نے احیاے دین کے حوالے سے جو خدمات انجام دیں وہ انتہائی اہم اور حیرت انگیز ہیں، ہم یہاں آپ کی حیات کے چند اہم گوشوں کو ماہ وسال کے آئینے میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

پیدائش:

۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بروز ہفتہ بوقتِ ظہر مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ سن پیدائش کے اِعتبار سے آپ کا تاریخی نام المختار[۱۲۷۲ھ] ہے۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص۵۸، مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی]

ختم قرآن پاک:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے محض چار سال کی عمر میں قرآن کریم کا ناظرہ کامکمل فرمایا۔

پہلی تقریر:

چھ سال کی عمر شریف میں ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے آپ نے پہلی تقریر فرمائی، جس میں کم وبیش دو گھنٹے علم وعرفان کے دریا بہائے اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ ولادت کے بیان کی خوشبو سے اپنی زبان کو معطر فرمایا، سامعین آپ کے علوم ومعارف سے لبریز بیان کو سن کر وجد میں آگئے اور تصویرِ حیرت بن گئے کہ اُن کے سامنے ایک کمسن بچے نے مذہبی دانش مندی کی وہ گراں مایہ باتیں بیان کیں جو بڑے بڑے صاحبانِ عقل وہوش کے لیے باعثِ صد رشک ہیں، حقیقت یہ ہے کہ رب العالمین اپنے جس بندے کو اپنی معرفت کی دولت سے سرفراز کرنا چاہتا ہے، اس کی حیاتِ پاک کی ایک ایک گھڑی اور ہر ہر ساعت میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات عام انسانوں کے فہم اور ادراک سے باہر ہوتے ہیں، لیکن جن کو خداوند قدوس نے بصارت وبصیرت دونوں ہی کی روشنی عطا فرمائی ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خاصانِ خدا کے سینے علوم ومعرفت کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اور ان کے لیے بچپن، جوانی، بڑھاپا کوئی دور کوئی زمانہ رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ [مجددِ اسلام، از مولانا نسیم بستوی، مطبوعہ لاہور، ص:۴۱]

پہلا فتویٰ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والدِ ماجد صاحب قبلہ کی خدمتِ عالی میں پیش کیا، جواب بالکل درست تھا ، آپ کے والد ماجد نے آپ کے جواب سے آپ کی ذہانت وفراست کا اندازہ کر لیا اور اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سُپرد کر دیا، چنانچہ عرصۂ دراز کے بعد ایک بار ایک سائل نے آپ سے سوال کیا کہ ”اگر بچے کی ناک میں دودھ چڑھ کر حلق میں اتر جائے تو رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں ؟“۔ ؟آپ نے جواب دیا: ”منہ یا ناک سے عورت کا دودھ بچے کے جوف میں پہنچے گا حرمتِ رضاعت لائے گا“۔ اور یہ فرمایا یہ وہی فتویٰ ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء میں اس فقیر نے لکھا اور اسی چودہ شعبان میں منصبِ افتاعطا ہوا اور اسی تاریخ سے بحمد اللہ تعالیٰ نماز فرض ہوئی اور ولادت ۱۰/ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بروز شنبہ [ہفتہ] وقتِ ظہر مطابق ۱۴/ جون ۱۱ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ء سمبت بکرمی تو منصبِ افتا ملنے کے وقت فقیر کی عمر ۱۳/ برس ۱۰/ مہینے ۴/ دن کی تھی، جب سے اب تک برابر یہی خدمتِ دین جاری ہے والحمد للہ۔ [سیرتِ اعلیٰ حضرت ،از مولانا حسنین رضا خان، مطبوعہ کراچی ص:۴۸]

ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین بہاری صاحب کے نام ایک مکتوب [محررہ ۷/ شعبان ۱۳۳۶ھ بمطابق ۱۹۱۸ء] میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

بحمد للہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴/ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳/ برس ۱۰/ مہینے ۴/ دن کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا، اگر سات دن اور زندگی بالخیر ہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہ تعالیٰ پورے ۵۰/ سال ہوں گے ،اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔ [حیاتِ مولانا احمد رضا خان بریلوی از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ کراچی ،ص:۵۰۔ سیرتِ اعلیٰ حضرت از مولانا حسنین رضا خان، مطبوعہ کراچی، ص:۴۸]

پہلی تصنیف:

۸/ سال کی عمر میں ۱۲۸۰ھ شرح ہدایت النحو بزبان عربی۔

دستار فضیلت:

تیرہ برس دس مہینے پانچ دن کی عمر شریف میں ۱۴/ شعبان ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۹/ نومبر ۱۸۶۹ء کو احمد رضا خان فارغ التحصیل ہوئے اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

عقد مسنون:

تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد آپ کا نکاح سن ۱۲۹۱ھ میں جنابِ شیخ فضل حسین صاحب [رامپور] کی صاحبزادی ”ارشاد بیگم“ سے ہوا، یہ شادی مسلمانوں کے لیے ایک شرعی نمونہ تھی، آپ نے لڑکی والے کے یہاں بھی خبر بھجوا دی تھی کہ کوئی بات

شریعتِ مطہرہ کے خلاف نہ ہو، چنانچہ اُن حضرات نے غلط رسم ورواج سے اتنا لحاظ کیا کہ لوگ ان کی دین داری اور پاسِ شرع کے قائل ہو گئے اور بڑی تعریف کی۔ [مجد د اسلام، از علامہ نسیم بستوی، مطبوعہ لاہور، ص:۴۵]

بیعت وخلافت:

امام احمد رضا ۱۸۷۷ء / ۱۲۹۴ھ میں اپنے والد نقی علی خان کے ہمراہ شاہ آل رسول مارہروی م ۱۸۷۸ء سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے۔ فاضل بریلوی کو مندرجہ ذیل سلسلوں میں اجازت بیعت حاصل تھی:

قادریہ برکاتیہ جدیدہ، قادریہ آبائیہ قدیمہ، قادرہ رزاقیہ، قادریہ منوریہ، چشتیہ نظامیہ قدیمہ، قادرہ اہدلیہ، چشتیہ محبوبیہ جدیدہ، سہروردیہ فضیلہ، نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ، نقشبندیہ علائیہ علویہ، بدیعیہ، علویہ منامیہ وغیرہ – مندرجہ بالا سلاسل میں اجازت کے علاوہ فاضل بریلوی کو مصافحات اربعہ [مصافحۃ الحسنیہ، مصافحۃ العمریہ، مصافحۃ الخضریہ، مصافحۃ المنانیہ] کی سند بھی ملی۔

پہلا حج وزیارت:

ذوالحجہ ۱۲۹۴ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۷ء میں پہلی بار آپ نے زیارت حرمین شریفین اور طوافِ کعبہ فرمایا۔ اسی موقع پر امام شافعیہ حسین ابن صالح نے آپ کو دیکھ کر فرمایا تھا "انی لا جد نور الله من هذا الجبين" اور آپ کو سلسلہ قادریہ کی سند اپنے دستخط خاص کے ساتھ عطا فرمائی، نیز صحاح ستہ کی بھی سند مرحمت فرمائی۔

دوسرا سفر حج وزیارت:

۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء اس سفر مقدس میں آپ کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ آپ کے ہمراہ تھے۔ دیوبندیوں کی طرف سے رسول پاک کے علم غیب پر اعتراض ونفی کے جواب میں "الدولة المكية" اسی مبارک اور بافیض سفر کی علمی اور تحقیقی یادگار ہے۔ اسی بابرکت سفر میں اکابر علمائے حجاز نے آپ سے سندیں حاصل کیں۔

خطاب مجدد مأۃ حاضرہ علمائے ہند کی جانب سے:

۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۴ء کو پٹنہ کے تاریخ ساز اجلاس میں غیر منقسم ہندوستان کے سیکڑوں علما ومشائخ اور خانقاہوں کے سجادہ نشیں حضرات کی موجودگی میں مجدد مأۃ حاضرہ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

قیام دارالعلوم منظر اسلام:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنے بعض ارشد تلامذہ اور احباب کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں دارالعلوم منظر اسلام قائم فرمایا، جس کے علم وادب اور معرفت وروحانیت کی بڑی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں۔

ترجمۂ قرآن کنزالایمان:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں قرآن کریم کا اردو زبان میں فصیح اور بامحاورہ ترجمہ کیا۔ جو کنزالایمان کے نام سے معروف ہے۔

وصال:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی وفات سے چار ماہ بائیس دن پہلے خود اپنے وِصال کی خبر دے کر ایک آیتِ قرآنی سے سالِ وفات کا اِستخراج فرمایا تھا۔ وہ آیتِ مبارکہ یہ ہے:

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ

ترجمہ کنزالایمان: اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کُوزوں کا دَور ہوگا۔ [پ۲۹، الدھر:۱۵]

*****

امام احمد رضا: مجمع البحرین

مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی: بانی و سربراہ: جامعہ نوریہ، شام پور، رائے گنج، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

تمہید: اللہ کا مقرر فرمایا ہوا دین بس اسلام ہے۔ اس لیے اُس نے حضرت آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر مبعوث فرمائے، سب کو اسی دین پر مبعوث فرمایا، اور وہ اسی کی تبلیغ فرماتے رہے۔ اگر چہ معاملات کی راہیں جدا جدا اور عبادات کے طریقے الگ الگ رہے، مگر دل کا خلوص اور حسن نیت سب میں قدر مشترک رہا۔ اسی دل کے خلوص اور حسن نیت کو حامل وحی حضرت جبرئیل اور محبط وحی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبانوں نے احسان کا نام دیا ہے۔

یعنی قصرِ تصوف کی تکمیل کے لیے خلوصِ دل کہیے یا حسنِ نیت یا احسان، اس کی حیثیت آخری اینٹ کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایمان [اعتقادات] اسلام [ظاہری اعمال] اور احسان [دل کا خلوص اور حسن نیت] تینوں تصوف کے اجزاے ترکیبی ہیں۔

حدیث پاک میں پہلے نمبر پر ایمان [اعتقادات] دوسرے نمبر پر اسلام [ظاہری اعمال] تیسرے نمبر پر احسان [دل کا خلوص اور حسن نیت] کے ذکر سے اس حقیقت کی نقاب کشائی ہوجاتی ہے کہ جس طرح دو کا وجود اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ایک کا وجود نہ ہوجائے، اور تین کا وجود اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دو کا وجود نہ ہوجائے، اسی طرح جب تک ایمان نہ ہو شرعاً اعمال کا وجود ممکن نہیں، اور جب تک اعمال نہ ہوں احسان کا وجود بھی ممکن نہیں۔ پھر جس طرح تین سے دو کی قدر کم ہوتی ہے، اور دو سے ایک کی قدر کم، اسی طرح احسان کے بغیر اعمال ناقص ہیں اور عمل کے بغیر ایمان کمزور ہے۔

صحابہ وکبارِ تابعین کے عہد خیر میں اہل ایماں، صحبت نبوی اور قرب رسالت کی فیض یابی سے عمومی طور پر اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً پہ عمل پیرا اور احسان سے متّصف رہے۔ وہ ایمان کی پختگی میں کامل واکمل، اعمال کی بجاآوری میں آگے اور حسن نیت و خلوص دل کے حامل رہے۔ البتہ صغارِ تابعین کے زمانہ میں آکر عہد رسالت کی دوری سے عام مسلمانوں کی وہ حالت نہیں رہی جو پہلے تھی، اخلاص واحسان میں کمی آئی۔ خدا طلبی کی بجاے دنیا طلبی غالب آنے لگی۔ نام ونمود کی خواہش اور ہوائے نفس سے یونان کے مردہ فلسفہ کی درآمد۔ [۲] ہوئی اور اعتقادات پر شب خوں مارا جانے لگا۔ عیش کوش سلاطین نے حلال وحرام میں امتیاز کرنا چھوڑ دیا۔ جاہ پرست درباریوں نے حدیثیں گڑھنا شروع کر دیں، تو جن حضرات نے اعتقادات کے تزلزل سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کی، وہ متکلّم کہے جانے لگے اور علم کلام کی اصطلاح قائم ہوئی۔ جنہوں نے حدیثوں کی حفاظت

کا ذمہ لیا، وہ محدث کہلائے اور علم حدیث کی تدوین ہوئی۔ جن حضرات نے حلال وحرام میں تمیز کا بیڑا اُٹھایا، وہ فقیہ ومجتہد کے لقب سے ملقب ہوئے اور علم فقہ کی بنیاد پڑی۔ اسی طرح جن حضرات نے نیتوں کی تصحیح کا فریضہ انجام دیا اور دلوں کا رخ دنیا کی طرف سے موڑ کر دنیا پیدا کرنے والے کی طرف کیا، وہ صوفی سے مشہور ہوئے اور تصوف کی اصطلاح قائم ہوئی۔

اسی لیے امام مالک جیسے محدث ومجتہد نے فرمایا:

من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق،ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق،ومن جمع بينهما فقد تحقق. [مرقات شرح مشکوٰۃ ج:۱، ص:۲۵۶]

[ترجمہ] جو فقہ سیکھے اور تصوف سے اعراض کرے، فاسق ہوگا۔ جو تصوف پر گامزن ہونا چاہے اور فقہ سے اعراض کرے زندیق ہو جائے گا۔ جو دونوں کو اپنائے وہی ثابت قدم رہے گا۔“

واضح رہے کہ میری یہ گفتگو اس حقیقی تصوف سے متعلق ہے جس کا تذکرہ میں نے سطور بالا میں کیا ہے، جس کا مصدر وماخذ سراسر قرآن وحدیث ہے، اور جو اسلام کا عین مطلوب ومقصود ہے۔ وہ تصوف نہیں جو بعض جاہل متصوفین نے شریعت کے خلاف گڑھ لیے ہیں اور اباحیت اختیار کرلی ہے۔ یا۔ أرأيت من اتخذ الهه هواه [کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا][پ:۱۹، س: فرقان، آیت:۴۳] کے مصداق حلول واتحاد کو اپنا مسلک ٹھہرالیا ہے۔“

خلاصہ یہ کہ عقائد اور حدیث وفقہ کی ہی طرح تصوف کی ابتدا بھی آدمیت کی ابتدا ہی سے ہے، حضرت آدم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم تک تمام انبیا اس کے حامل رہے ہیں۔ زبان جبرئیل نے اسی کو احسان کا نام دیا ہے۔ لسان رسالت نے بھی اسے ہی احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ ہدیٰ نے اسی سے روگردانی کو فسق قرار دیا ہے۔

گریز: اس تمہید کے بعد کہنا یہ ہے کہ عقائد وکلام اور حدیث وفقہ کی تعلیم آج مدارس اسلامیہ کے مروجہ نصاب کا حصہ ہے، اس لیے یہاں کا ہر طالب علم ان کی تعریفات واصطلاحات اور احکام سے آگاہ ہے۔ تصوف کو چوں کہ بعض وجوہ سے اس نصاب میں جگہ نہیں دی گئی ہے، اسی وجہ سے یہ ان کے لیے ایک غیر مانوس سا اجنبی فن ہو کر رہ گیا ہے۔ بہت سے اہل قلم نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے ماخذ، لغت میں اس کے معنی اور اصطلاح فن میں اس کی تعریف کے تعلق سے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں، جن کے اعادے کی اس مختصر مقالے میں گنجائش ہے نہ میں اپنے موضوع پر گفتگو کے لیے اس کی ضرورت سمجھتا ہوں۔

تصوف کی تعریف: یہاں بس مشہور صوفی بزرگ حضرت محمد ابراہیم بن عبادہ نے ”شرح الحکم“ میں تصوف کی جو بہت ہی مختصر اور جامع ومانع تعریف کی ہے، اسی کے نقل کر دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

النظر فيما يتعلق بظاهر العبد يسمى فى الاصطلاح تفقها والنظر فيما يتعلق بباطنه يسمى فى الاصطلاح تصوفا الخ. [ص:۳۰][۳]

یعنی جس طرح مکلف کے ظاہری افعال [مثلاً صحت وبطلان، جواز وعدم جواز وغیرہ] سے جس فن میں بحث کی جاتی ہے، اسے اصطلاح میں فقہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مکلف کے باطنی اعمال [مثلاً اخلاص وریا، انکسار وعجب وغیرہ] سے جس فن

میں بحث کی جاتی ہے، اسے اصطلاح میں تصوف کہا جاتا ہے۔

امام اعظم:۔ائمۂ کرام بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم اگرچہ محدث اور فقیہ ومجتہد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ جیساکہ آپ کے استاذ امام اعمش جیسے محدث نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

”ما حدثتك به فی مأة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ، ما علمت انك تعمل بهذه الاحادیث ، یا معشر الفقهاء! انتم الاطباء و نحن الصیادلة، و انت ایها الرجل! اخذت بکلا الطرفین“.

ترجمہ: میں نے جو حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنادیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ اے جماعت مجتہدین! آپ لوگ طبیب ہیں اور محدثین دوافروش۔ اور اے ابو حنیفہ! آپ نے تو دونوں ہی کنارے گھیر لیے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة“۔[تاریخ بغداد، ج:۱۳، ص:۳۴۶]

ترجمہ: لوگ فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی اولاد کی طرح ہیں۔

مگر تصوف میں بھی آپ کا پایہ اس زمانہ کے صوفیاے کرام سے بہت ارفع تھا۔ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مستفیض تھے اور امام طائی جیسے عظیم صوفی بزرگ آپ کی بارگاہ کے خوشہ چیں۔ بحر تصوف کے غواص حضرت عبد الوہاب شعرانی شافعی، ان کے پیر و مرشد حضرت علی خواص، حضرت علی مرصفی، اور امام زکریا علیہم الرحمۃ والرضوان کے یہ اعترافات دیکھیے۔ میزان الشریعۃ الکبری ج:۱ص:۱۸۰ میں ہے:

الائمة فوالله کانوا علماء بالحقیقة والشریعة معا.

ترجمہ: قسم خدا کی ائمہ کرام بیک وقت شریعت وطریقت دونوں کے عارف تھے۔

اسی کے ص:۱۸۴ پر لکھتے ہیں:

سمعت سیدی علیاالمرصفی رحمه الله تعالیٰ یقول مرارا: کان ائمةالمذاهب رضی الله عنهم وارثین لرسول الله صلی الله علیه وسلم فی علم الاحوال وعلم الاقوال معا.

ترجمہ: میں نے سیدی علی المرصفی رحمہ اللہ کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ائمۂ مذاہب رضی اللہ عنہم علم الاقوال اور علم الاحوال یعنی شریعت وطریقت دونوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔

ص:۱۸۱ پر لکھتے ہیں:

”ان لم تکن الائمةالمجتهدون اولیاء فماعلی وجه الارض ولی ابدا“.

ترجمہ: ائمۂ مجتہدین اگر ولی نہیں ہیں تو روے زمین پر کبھی کوئی ولی نہیں ہوگا۔

ص:۱۶۵ پر امام زکریا انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

للہ تعالیٰ فی ذلك حکم واسرار یعرفھا العارفون

ترجمہ: شریعت کے احکام میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں اور اسرار ہیں، انہیں عرفا ہی جانتے ہیں۔

ص:۱۲۶ پر لکھتے ہیں:

ولولا معرفتھم بذلك ماقدرواعلی استنباط الاحکام التی لم تصرح بھاالسنة

[ترجمہ] اگر ائمہ کرام احکام کی حکمتوں اور اسرار کو نہیں جانتے، تو جن احکام کی تصریح احادیث میں نہیں ہے ان احکام کا استنباط ہی نہیں کر سکتے۔

یعنی استنباطِ احکام، اسرار کی معرفت کا پتہ دیتا ہے اور اسرار کی معرفت، عارف ہونے کی علامت ہے۔ تو جو جس قدر احکام کا استنباط کرے گا، اسے اسی قدر اسرار و حکم کی معرفت ہوگی، اور جسے جیسی معرفت ہوگی، وہ اسی حساب سے تصوف کے منصب پر فائز ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب احناف میں قواعد و جزئیات کی شکل میں جس قدر مستنبط مسائل موجود ہیں، اس قدر کسی اور فقہی مذہب میں نہیں پائے جاتے مثلاً: ماے مستعمل یعنی بدن کا دھوون پاک ہے یا ناپاک؟ ناپاک ہے تو نجاست خفیفہ ہے یا غلیظہ؟ حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ حدیث پاک میں صرف اتنا ہے کہ وضو کرنے سے آدمی کے گناہ جھڑتے ہیں ــــــ مگر امام اعظم سے مروی ایک روایت کے مطابق دھوون نجاست غلیظہ ہے یعنی ایک درہم کی مقدار سے زیادہ کپڑے میں لگی ہو تو اس کپڑے کو پہن کر نماز نہیں ہوگی ــــ دوسری روایت کے مطابق نجاست خفیفہ ہے یعنی کپڑے کے کسی حصہ کی چوتھائی میں نہ لگی ہو تو اس کو پہن کر کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی، اور چوتھائی میں لگی ہو تو نہیں ہوگی ــــ تیسری روایت کے مطابق پاک ہے یعنی پورے کپڑے میں بھی لگا ہو تو نماز ہو جائے گی، مگر دوبارہ اس سے وضو نہیں ہوگا۔

امام شعرانی کے پیر و مرشد حضرت علی الخواص نے امام اعظم کے حوالے سے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ چوں کہ کشف صحیح کے مالک تھے، اس لیے وضو کے دھوون میں مجسم صورت میں گناہوں کو جھڑتے دیکھتے تھے۔ چنانچہ [۵] ایک مرتبہ کوفہ کی جامع مسجد کے وضو خانہ میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے اور اس کے دھوون میں گناہ کبیرہ یعنی ماں باپ کی نافرمانی کے گناہ نظر آرہے ہیں ــــ دوسرا شخص وضو کر رہا ہے تو اس کے دھوون میں گناہ صغیرہ یعنی مزامیر سننے کے گناہ نظر آرہے ہیں ــــ تیسرا شخص وضو کر رہا ہے تو اس کے دھوون میں خلاف اولی امور کے ارتکاب کے آثار نظر آرہے ہیں۔ تو آپ نے الگ الگ لوگوں کے دھوون کے لحاظ سے الگ الگ فیصلے فرمائے۔

کان ابوحنیفة وصاحبه ﴿ابو یوسف﴾من اعظم اھل الکشف ،فکان اذارأی الماء الذی یتوضأ منه الناس یعرف اعیان تلك الخطایاالتی خرت فی الماء ویمیزغسالةالکبائرعن الصغائر،والصغائرعن المکروھات،والمکروھات عن خلاف الاولی کالامورالمجسدة رجساعلی حد سواء .... وقدبلغناانه دخل مطھرةجامع الکوفةفرأی شابایتوضأفنظرفی الماء المتقاطرمنه، فقال:یاولدی!تب عن عقوق الوالدین .فقال:تبت الی اللہ عن ذلك.ورأی

غسالة شخص آخر،فقال له :یااخی!تب من شرب الخمروسماع آلات اللهو.فقال:تبت منها. فكانت هٰذه الامور كالمحسوسات عنده علی حد سواء من حيث العلم بها"۔[ج:۱ص،۳۳۳]

امام احمد رضا:

امام احمد رضا محدث بریلوی،اپنے زمانے میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سچّے نائب و پرتو تھے ۔ حضرت محدث سورتی ،جن کو ان کے معاصرین ،بیہقیِ وقت کہتے تھے ،انہوں نے علم حدیث میں امام احمد رضا کے مقام و مرتبہ سے متعلق فرمایاہے:

"اعلیٰ حضرت امیرالمؤمنین فی الحدیث ہیں کہ میں سالہاسال تک صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔"[روایت محدث اعظم کچھوچھوی،المیزان بمبئی کاامام احمد رضانمبر،ص:۲۴۷]

اور علم فقہ میں مقام ومنصب کے تعلق سے حضرت علامہ سید محمد خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایاہے:

واللہ اقول والحق اقول:انه لورأه ابوحنیفةالنعمان لاقرت عینه وجعل مؤلفهامن جملة الاصحاب .[الاجازات المتینہ ص:۲۲،رضااکیڈمی بمبئی]

[ترجمہ]میں اللہ کی قسم کھاکر کہتاہوں اور حق بات کہتاہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ،فتاویٰ رضویہ کو دیکھتے توان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اورآپ کو اپنے تلامذہ میں شامل کرلیتے۔

مولاناابوالحسن علی ندوی کے والد مولاناعبدالحئی جائسی کا اعتراف دیکھیے،وہ لکھتے ہیں:

یندرنظیره فی عصره فی الاطلاع علی الفقه الحنفی وجزئیاته ،یشهدبذلك مجموع فتاواه الخ[نزہۃالخواطر،ج:۸،ص:۳۹][۶]

[ترجمہ]فقہ حنفی اوراس کے جزئیات کے علم وادراک میں مولانااحمد رضاکی نظیرملنااس زمانہ میں نادر بات تھی جس پر ان کے فتاوی کامجموعہ شاہد ہے۔

پروفیسرڈاکٹررشید احمد،استاد شعبۂ علوم اسلامیہ،کراچی یونیورسٹی کراچی،لکھتے ہیں:

"فقہ کے میدان میں آپ کافتاویٰ رضویہ،فقہ اسلامی کاوہ عظیم کارنامہ ہے جوآپ کومجتہد کے درجہ پر فائز کرنے کے لیے کافی ہے۔"[معارف ۱۹۸۴ص:۱۶۸]

مگراحسان وتصوف میں بھی آپ کامقام ومرتبہ اس زمانے کے صوفیاسے کم نہیں تھا۔جس کی گواہی ان کی کتابِ حیات اور تصنیفات وتالیفات کاورق ورق دے رہاہے۔ہم تمہید ہی میں عرض کرچکے ہیں کہ اعتقادیات کی تصحیح اور شریعت کے ظاہری احکام کی بجاآوری کے بعدہی احسان وتصوف کانمبرہے،جس کی دوقسمیں ہیں:عملی وعلمی۔

عملی تصوف: عملی تصوف کاآغاز بیعت سے ہوتاہے اورذلت وفروتنی ،انکسارو عاجزی اوردوسرے اعمال واحوال اس کی تائید کرتے ہیں۔امام احمد رضاکی زندگی کاکوئی لمحہ ایسانہیں جو عملی تصوف پر کھلی گواہی نہ دے رہاہو،جس پر یہ فقیر

مستقبل میں ایک مبسوط مقالہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ! کیوں کہ یہاں تفصیل کی جائے تو سیمینار کا پورا وقت اسی کی سماعت میں صرف ہوجائے گا۔ اس لیے ابھی صرف چند نمونوں کے ذریعہ ان کے عملی تصوف کی ایک ہلکی سی جھلک دکھا کر آگے علمی تصوف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ واللہ ولی التوفیق!

[۱] امام احمد رضا ۱۲۹۴ھ میں بہ عمر ۲۲ر سال حضرت خاتم الاکابر سیدنا آل رسول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ پہنچے تو وہاں کے سجّادہ نشین حضرت خاتم الاکابر نے فرمایا:

”آئیے! ہم تو آپ کا کئی دن سے انتظار کر رہے ہیں [سیرت اعلی حضرت ص:۵۱] پھر بیعت کے بعد توجہ شیخی ڈالی تو آپ کی شکل بالکل ایسی ہی ہوگئی جیسی حضرت خاتم الاکابر کی تھی۔ اسی لیے جب آپ حجرۂ بیعت سے باہر نکلے تو حاضر باش خدام نے [آپ کو خاتم الاکابر سمجھا اور] وہاں کے حسب دستور اسم جلالت اللہ کا نعرہ بلند کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ رفتہ رفتہ اپنی شکل میں آگئے اور پیر و مرشد نے تمام سلاسل کی اجازت و خلافت سے نواز دیا۔ حضرت خاتم الاکابر کے ولی عہد حضرت سیدنا ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ حاضر تھے، انہوں نے عرض کیا: حضور! یہاں کا دستور تو یہ رہا ہے کہ بڑی ریاضت و مجاہدہ کرانے کے بعد خلافت دی جاتی ہے۔ آج اس کے برخلاف اس نوجوان کو مرید کرتے ہی تمام سلسلوں کی خلافت [کیسے] عطا فرمادی گئی؟ آپ نے فرمایا: میاں صاحب! لوگ عموماً گندے دل اور نفس لے کر آتے ہیں اس لیے ان سے مجاہدہ کرایا جاتا ہے۔ یہ نوجوان پاکیزہ نفس لے کر آیا تھا، بس اس کو نسبت کی ضرورت تھی جو حاصل ہوگئی۔ میاں صاحب! ایک فکر عرصہ سے پریشان کیے ہوئے تھی، بحمد اللہ! آج وہ دور ہوگئی۔ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول! ہمارے لیے کیا لائے؟ تو ہم اس نوجوان کو پیش کردیں گے۔“ [خلاصۂ تحریر امین ملت حضرت سید امین میاں برکاتی، المیزان کا امام احمد رضا نمبر ص:۲۳۶]

[۲] کتاب الحکم کے شارح حضرت محمد ابراہیم بن عبادہ نے نفس کا تزکیہ کرنے اور دل کو نور اخلاص سے بھر لینے کے لیے صوفیہ کو ہدایت دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

فاذا اخمل العبد نفسه والزمها التواضع والمذلة واستمر على ذلك حتى صارله خلقا وجبلة بحيث لا يجد لضعته الما ولا لمذلته طعما فحينئذ تتزكى نفسه ويستنير بنور الاخلاص قلبه الخ.

[ترجمہ] جب آدمی اپنے نفس کو بے قدر کر کے تواضع و مذلت کو اپنا خُلق و جبلت بنالے کہ اس کے بعد اسے تواضع میں کوئی کلفت محسوس ہو، نہ نہاں خانۂ دل میں مذلت سے نکلنے کی خواہش، تو اس کا نفس مزکّیٰ اور دل نور اخلاص سے منور ہوجاتا ہے۔

امام احمد رضا اپنی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”نہ مَرا نوش زمدحے نہ مَرا نیش زطعن
نہ مَرا گوش بہ مدحے نہ مَرا ہوشِ ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جز من و چند کتابے و دواتے و قلمے“

[۳] اخبار الاخیار ہی میں محبوب الٰہی حضرت نظام الدین کا ارشاد منقول ہے:

"اگر کسے خواہد کہ بشرف زیارت خانۂ کعبہ مشرف شود بجہت زیارت حضرت رسالت ﷺ علاحدہ نیت کند ورود تا مستوجب زیارت خاص آں سرور گردد و بہ طفیل زیارت نہ کردہ باشد۔" [ص:۸۹]

ترجمہ: جو حج یا عمرہ کے لیے جائے وہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے الگ مستقل نیت کر کے جائے، یہ نہیں کہ حج یا عمرہ کو جا رہا ہوں تو روضۂ رسول کی بھی زیارت ہو جائے گی۔

امام احمد رضا جب دوسری بار حج کے لیے گئے تو کیفیت یہ تھی:

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا
پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے [حدائق بخشش][۸]

[۴] بہت سے اولیاے کرام کو سرکار دو عالم ﷺ نے عالم بیداری میں شرف زیارت سے مشرف فرمایا ہے۔

حضرت ملک العلما سید ظفر الدین بہاری، امام احمد رضا کی زیارت کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"جب دوسری مرتبہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، شوق دیدار میں روضہ شریف کے مواجہہ میں درود شریف پڑھتے رہے۔ یقین کیا کہ ضرور سرکار ابد قرار ﷺ عزت افزائی فرمائیں گے اور بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے، لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو کچھ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس غزل کے مقطع میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کُتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ میں عرض کر کے انتظار میں مؤدب بیٹھے ہوئے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشم سر سے بیداری میں زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔" [حیات اعلی حضرت بہ ترتیب جدید از فقیر رضوی غفرلہ ج:۱، ص:۶۸]

[۵] صوفیا کے نزدیک فاقہ کی بڑی اہمیت ہے۔ امام غزالی نے کیمیاے سعادت ص: ۴۳۴ میں حضرت شبلی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں کسی دن اللہ کے لیے بھوکا رہا ہوں اور میرے دل میں ایک تازہ حکمت پیدا نہ ہوئی ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ جنت کا دروازہ بھوک سے کھٹکھٹاؤ۔" [فارسی سے ترجمہ]

حضرت ملک العلما کے مطابق ہمارے ممدوح امام احمد رضا نے بھی شکم سیر ہو کر کبھی نہیں کھایا، ان کی غذا بہت ہی کم تھی، اور کبھی تو کئی کئی دن تک فاقہ رہتے۔ لکھتے ہیں:

''حضور کی غذا زیادہ سے زیادہ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کے اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا[تھی] اور وہ بھی روزانہ نہیں بلکہ بسا اوقات ناغہ بھی ہوتا تھا۔''[حیات اعلی حضرت بہ ترتیب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ص:۹۰]

علمی تصوف: اب تک جو عرض کیا گیا وہ امام احمد رضا کی عملی تصوف کی بس ایک معمولی سی جھلک تھی۔ اب علمی تصوف کی طرف رخ کیجیے اور امام احمد رضا کے کشف حقائق و دقائق کے نمونے ملاحظہ فرمائیے:[۹]

[۱] حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں حضرت شیخ مینا کی مادر زاد ولایت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''چوں روز اول او را بمکتب فرستادند روز اول در ذکر الف و با معانی و حقائق گفت کہ حاضراں حیراں ماندند۔''

ترجمہ: جب حضرت شیخ مینا علیہ الرحمۃ پہلی بار مکتب میں بٹھائے گئے تو الف با کے تعلق سے ایسے معانی اور حقائق بیان فرمائے کہ حاضرین حیران رہ گئے۔[ص ۱۵۶]

تو ہمارے ممدوح کے تعلق سے حضرت ملک العلما سید ظفر الدین علیہ الرحمۃ نے حیات اعلی حضرت میں جو لکھا ہے، اسے دیکھیے:

''وقت بسم اللہ خوانی عجیب واقعہ پیش آیا۔ حضور کے استاد محترم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الف، با، تا، ثا جس طرح پڑھایا جاتا ہے، پڑھایا۔ حضور ان کے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب لام الف [لا] کی نوبت آئی۔ استاد نے فرمایا کہو لام الف۔ حضور خاموش ہو گئے اور نہیں کہا۔ استاد نے دوبارہ کہا: کہو میاں! لام الف۔ حضور نے فرمایا کہ یہ دونوں پڑھ چکے۔ لام بھی پڑھ چکے ہیں، الف بھی پڑھ چکے ہیں، یہ دوبارہ کیسا؟ اس وقت حضور کے جد امجد اعلی حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز نے کہ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے، فرمایا: بیٹا استاد کا کہا مانو! جو کہتے ہیں پڑھو! حضور نے اپنے جد امجد کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے جد امجد کے چہرے کی طرف نظر کی۔ حضور [کے جد امجد] نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھا کہ اس بچہ کو شبہہ یہ ہو رہا ہے کہ حروف مفردہ کا بیان ہے، اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے آیا؟ ورنہ یہ دونوں حرف الگ الگ تو پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگرچہ بچہ کی عمر کے اعتبار سے اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا اور سمجھ سے بالا خیال کیا جاتا، مگر ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ حضرت جد امجد نے نور باطنی سے سمجھا کہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے۔ اس لیے ابھی سے اسرار و نکات کا ذکر ان کے سامنے مناسب جانا، اور فرمایا: بیٹا تمھارا خیال درست اور سمجھنا بجا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا، حقیقتاً وہ ہمزہ ہے اور یہ در حقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن۔ اس لیے ایک حرف یعنی لام، اول میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ حضور نے فرمایا: تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا اتنے دور کے بعد لام کی کیا خصوصیت ہے؟ با، تا، دال، سین بھی اول [میں] لا سکتے تھے۔ حضرت جد امجد نے غایت محبت

وجوش میں گلے لگالیااوردل سے بہت دعائیں دیں، اور [۱۰] پھر فرمایا کہ لام اور الف میں صورتاً سیرتاً مناسبت خاص ہے ۔ [جب مرکب شکل میں لکھا جائے تو] ظاہر الکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے — لا — سیرتاً اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے یعنی یہ اس کے بیچ میں ہے وہ اس کے بیچ میں ہے گویا:

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری"

[حیات اعلیٰ حضرت بترتیب جدید از فقیر رضوی غفرلہ ج۱ص ۵۲ مطبوعہ پاکستان]

[۲] پیشاب، پاخانہ اور منی، گندی چیزیں اور ناپاک ہیں جن کے خارج ہونے پر آدمی ناپاک ہوجاتا ہے۔ مگر منی کے نکلنے پر غسل کرنے کا حکم ہے جس میں پورے بدن پر پانی استعمال کیا جاتا ہے اور پیشاب، پاخانہ کے نکلنے پر غسل کرنے کا نہیں، صرف وضو کرنے کا حکم ہے جس میں چار ہی اعضا پر پانی استعمال کیا جاتا ہے —— پھر پیشاب، پاخانہ جن اعضا سے نکلتے ہیں وضو میں ان اعضا کو دھونے کی بجائے دوسرے اعضا کو دھونے کا حکم ہے۔ مزید یہ کہ سر کو دھونے کی بجاے اس پر مسح کیا جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

اسی طرح جب ریاح اور قہقہہ ناپاک نہیں، تو ریاح خارج ہونے اور نماز میں قہقہہ لگانے سے بھی وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟ فقہاے کرام نے ان سوالوں کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ احکام خلاف قیاس امور تعبدیہ ہیں یعنی خدا اور رسول نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے ہم ایسا ہی کر رہے ہیں اور بس۔

ہدایہ میں ہے:

"غسل غیرموضع الاصابة امرتعبدی ..... والاقتصارعلی الاعضاء الاربعة غیر معقول".

[ترجمہ] نجاست کہیں سے نکلے اور دھویا کہیں جائے یہ امر تعبدی ہے ــــ۔ اسی طرح چار ہی اعضا پر اقتصار بھی غیر معقول ہے۔

اس کی شرح نہایہ میں ہے:

"ای تعبدَنااللہ تعالیٰ وکلفنابغسل الاعضاء الاربعةعند وجودالحدث من السبیلین من غیران یُدْرِکَہ بالعقول؛ اذالعقل یقتضی غسل موضع اصابة النجاسة،وامرُالوضوء علی عکس ھذا؛ فان النجاسة تخرج من احدالسبیلین وانت تغسلُ الوجہ والیدفکان ھذا امرا غیرَ مدرك بالعقل".

[ترجمہ] اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیشاب، پاخانہ کے مقام سے ناپاک چیز کے نکلنے پر چار اعضا کے دھونے کا مکلف کیا اور فرماں برداری کا حکم دیا اگرچہ عقل اس کا ادراک نہ کرپائے؛ کیوں کہ:

عقل تو یہ چاہتی ہے کہ جس مقام سے نجاست خارج ہوتی ہے، اس مقام کو دھویا جائے، جب کہ وضو کا معاملہ اس کے برخلاف ہے؛ اس لیے کہ نجاست احد السبیلین سے نکلتی ہے اور حکم ہے چہرہ اور ہاتھ دھونے کا۔ جس کی وجہ عقل سے معلوم

نہیں ہوسکتی۔

حالاں کہ اللہ ورسول حکیم ہیں اور فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ کے تحت ان احکام میں بھی حکمت ہونی چاہیے۔ توامام اعظم کے سچّے نائب امام احمد رضا نے ان احکام میں جن حکمتوں کا انکشاف فرمایا ہے وہ معمولی عقلوں میں بھی آسانی سے آجائیں، فرمایا ہے:

ان لا حدث صغیرا ولا کبیرا الا ماتولد من اکل حتی القهقهة فی الصلاة؛ فان تلك الغفلة الشديدة فی عين الحضرة لاتكون الا من شبع ای شبع؛ اذالجائع ربمالا يكشرله سن فضلا عن القهقهة خلفة عن كونها فی الصلاة .ولا شك ان نفع الاكل يعم البدن وكذانفع الخارج والراحة الحاصلة به. فدخول الطعام يولدالغفلة وخروج الموذی يحققها وبالغفلة موت القلب والقلب رئيس؛ فانه المضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذافسدت فسد الجسد كله والماء ينعش و يذهب الغفلة كما هو مشاهد فی المغشی عليه . قلت: فكما ان سبب الموت عم البدن كان ينبغی ان يعمه ايضا سبب الحياة وبه اتی الشرع فی الحدث الاكبر. لكن الاصغر يتكرر كثيرا فلوامروا كلما احدثوا ان يغتسلوا لوقعوا فی الحرج والحرج مدفوع فاقامت الشريعة السمحة السهلة مقام الغسل غسل الاطراف ؛ اذ من سنة كرمه تعالی ان اذا اصلح الاول والآخر تجاوز عن الوسط وجعله مامورا فيهما .ثم كان من الاطراف الراس وغسله كل يوم مرارا ايضا كان يورث البوس والبأس فابدل فيه الغسل بالمسح رحمة من الذی يقول عزمن قائل يريدالله بكم اليسرولا يريدبكم العسر .[الطرس المعدل مندرج فتاویٰ رضویہ مترجم ج:۲،ص:۹۷،۹۸]

[ترجمہ] حدث اصغر ہو خواہ اکبر کھانا کھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ نماز میں قہقہہ بھی؛ کیوں کہ عین دربار میں ایسی سخت غفلت اسی سے ہوسکے گی جس کا پیٹ خوب بھرا ہو کہ بھوک میں تو ہنسی سے دانت کھلنا ہی نادر ہے نہ کہ قہقہہ لگانا، وہ بھی نماز کی حالت میں۔ اور شک نہیں کہ کھانے کا نفع تمام بدن کو پہنچتا ہے، یوں ہی فضلہ نکل جانے کی منفعت وراحت بھی سارے بدن کو ہوتی ہے۔ توکھانا اور پانی کا معدہ میں جانا ایک قسم کی غفلت پیدا کرتا ہے جب کہ فضلات کا نکلنا غفلت کو ثابت ومؤکد کرتا ہے۔ اور غفلت سے دل کی موت ہونے لگتی ہے اور دل بدن کا بادشاہ ہے، جب تک یہ درست رہتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب بگڑتا ہے تو سارا بدن خراب ہوجاتا ہے۔ اور پانی تازگی لاتا ہے اور غفلت دور کرتا ہے جیسا کہ غشی والے کے منھ پر چھڑکنے میں مشاہدہ ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ جس طرح موت کا سبب پورے بدن کو عام ہوا تھا، چاہیے تھا کہ حیات کا سبب یعنی پانی بھی پورے جسم پر پہنچے۔ حدث اکبر میں تو شرع نے یہی حکم دیا، مگر حدث اصغر چوں کہ بکثرت اور مکرر ہوتا ہے، تو ہر حدث اصغر پر اگر نہانے کا حکم ہوتا تو لوگ حرج میں پڑتے اور اس دین میں حرج نہیں۔ لہٰذا اس نرم وآسان شریعت میں اطراف بدن کے دھونے کو نہانے کے قائم مقام فرمادیا؛ کیوں کہ اللہ عزوجل کی سنت کریمہ ہے کہ جب اول وآخر

ٹھیک ہوتے ہیں تو بیچ میں جو نقصان ہو،اس سے درگذر فرماتا ہے۔اب اطراف بدن میں سر بھی تھا اور اسے ہر روز چند بار دھونا بھی بیمار کر دیتا، مشقت میں ڈالتا، لہٰذا اس کو دھونے کے عوض مسح مقرر فرمادیا۔ رحمت اس کی جو فرماتا ہے کہ اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔

یعنی جنابت ہو خواہ پیشاب و پاخانہ ، یا پھر ریاح و قہقہہ ،سب کا اصل سبب کھانا پینا ہے ۔آدمی کھائے پئے نہیں تو اسے ان چیزوں کی حاجت ہوگی نہ ان سے ان افعال کا صدور ہو گا ۔اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو شادی نہ کر سکے وہ روزہ رکھا کرے ــــــــ اور کھانے ، پینے کی حاجت و رغبت اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی کی توجہ خدا کی طرف سے ہٹ کر دنیا کی طرف ہو، جس کو غفلت کہتے ہیں ــــــــ اور پانی سے غفلت کا ازالہ ہوتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ جب کوئی آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے تو اسے پانی کا چھینٹا دینے پر ہوش میں آجاتا ہے ۔بنابریں حکم ہوا ہے کہ جب آدمی جنبی ہو جائے ۔ یا۔ پیشاب و پاخانہ کرے۔ یا۔ ریاح خارج ہو۔ یا۔ نماز میں قہقہہ لگائے تو پانی کا استعمال کر کے اس غفلت کو دور کرے۔

اب رہی یہ بات کہ منی نکلنے کی صورت میں پورے بدن پر اور پیشاب و پاخانہ نکلنے کی صورت میں صرف چار ہی اعضا پر پانی کے استعمال کا حکم ہے ، ایسا کیوں ؟اس پر مستزاد یہ کہ تین اعضا کو دھونے کا حکم اور ایک عضو پر مسح کا حکم ، یہ تفرقہ کیسا؟

تو اس میں حکمت یہ ہے کہ غفلت سے دل پر موت طاری ہونے لگتی ہے اور دل پورے بدن ہی کا شہنشاہ ہے۔ جب دل درست رہتا ہے تو پورا بدن درست رہتا ہے، اور جب دل خراب ہوتا ہے تو پورا بدن ہی خراب ہو جاتا ہے ۔اسی لیے کھانا کھانے اور پانی پینے سے براہ راست دل کو تازہ حیات ملتی ہے ، مگر بالواسطہ پورا بدن ہی مستفید ہوتا ہے، اور جب فضلات خارج ہو جاتے ہیں تو پورا بدن راحت پا جاتا ہے ۔لہٰذا جب پیشاب و پاخانہ اور منی نکلنے سے پورے بدن پر موت طاری ہونے لگتی ہے تو پورے بدن پر پانی بہا کر اسے تازہ حیات عطا کرنے کا حکم ہے ــــــــ مگر چوں کہ وضو دن میں کئی کئی بار کرنا پڑتا ہے اور ہر بار پورے بدن پر پانی بہانے میں حرج و دشواری ہے، اس لیے شریعت نے کرم فرما کر پورے بدن کی بجائے اطراف بدن ہی پر پانی کے استعمال کو، پورے بدن پر استعمال کے قائم مقام کر دیا؛ کیوں کہ جس کا اول و آخر درست ہو، کرم خداوندی اس کے مابین کو درست مان لیتا ہے ۔ہم دیکھتے ہیں کہ خدا سے دعا کرنے میں جیسا خشوع و خضوع اور تضرع و زاری ہونی چاہیے ، نہیں ہو پاتی ہے تو حدیث میں فرمایا گیا کہ جس دعا کے اول و آخر درود پڑھ لیا جائے وہ دعا خشوع و خضوع اور تضرع و زاری میں کوتاہی کے باوجود خدا قبول فرما لیتا ہے ــــــــ سر اور پیر، اول و آخر ہیں جو اس کی لمبائی ہے اور دونوں ہاتھ اوسط جو اس کی چوڑائی ہے۔ تو انسان گویا ایک شکل مستطیل ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی میں ضرب دینے سے پورا رقبہ نکل آتا ہے۔ اب اگر بار بار سر کو دھونے کا حکم ہوتا تو انسان کے بیمار ہو جانے کا احتمال تھا، لہٰذا رحمت الٰہی نے اس کو دھونے کی بجائے مسح پر اقتصار کا حکم دے دیا ــــــــ پھر نماز دربارِ الٰہی میں حاضری ہے اور دربار الٰہی میں حاضر ہو کر جب تک آدمی کو غفلت نہ ہو اس وقت تک وہ قہقہہ نہیں لگا سکتا۔ اس وجہ سے قہقہہ کو بھی ناقض وضو قرار دیا گیا ــــــــ تو منی خواہ پیشاب و پاخانہ کا نکلنا اور حالت نماز میں قہقہہ لگانا غفلت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور غفلت کی وجہ سے براہ راست دل اور بالواسطہ سارا بدن مردہ ہونے لگتا ہے جس کو حیات نو بخشنے کے لیے در حقیقت

پورے بدن پر پانی بہانے کا حکم ہوا۔ہاں!جس صورت میں حرج ودشواری تھی اس کو معاف قرار دے دیا گیا۔خدائے رحمٰن کا ارشاد ہے:وماجعل علیکم فی الدین من حرج[خدانے تمھارے لیے دین میں دشواری نہیں رکھی]۔اور رسول رؤف ورحیم کا فرمان ہے:یسروا ولا تعسروا. [آسانی پیدا کرو دشواری نہیں]۔

وہم اور اس کا ازالہ:

اگر کسی کے دل میں یہ خطرہ گذرے کہ انبیاے کرام اور رسولان عظام بھی تو کھاتے پیتے اور بول وبراز کیا کرتے تھے۔ توکیا ان پر بھی غفلت طاری ہوتی تھی؟ توعرض ہے کہ انبیاے کرام بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرح کھانے پینے،بول وبراز فرمانے کی حاجت نہیں تھی۔آپ امت کی تانیس وتعلیم کے لیے کھاتے پیتے،بول وبراز فرماتے تھے۔اس لیے آپ توجہ الی اللہ سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخِ کُبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا

امام محمد ابن الحاج مکی اپنی کتاب المدخل ج:۲،ص:۱۹۳میں فرماتے ہیں:

انه صلی الله علیه وسلم کان لایأتی احوال البشریةلاجل نفسه المکرمةبل ذٰلك منه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی طریقةالتانیس البشریةلاجل الاقتداء به صلی الله علیه وسلم ...... ،کان صلی الله تعالی علیه وسلم بشری الظاهرملکی الباطن ، فکان صلی الله تعالی علیه وسلم لایأتی الیٰ شئ من احوال البشریة الاتأنیسا لامته وتشریعالهاالاانه محتاج الیٰ شئ من ذٰلك کماتقدم، وللجهل بهٰذه الاوصاف الجلیلة والخصال الحمیدة قال الجاهل المسکین :مالهٰذاالرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق.

[ترجمہ]رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احوال بشری: جیسے کھانا،پینا،سونا،جماع یہ سب اپنے نفس کریم کے لیے نہیں کرتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لیے کرتے تھے؛ تاکہ ان افعال میں وہ آپ کی اتباع کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے۔توثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم،یہ افعال بشری محض اپنی امت کو اُنس دلانے اور ان کے لیے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے۔نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شئ کی کچھ حاجت تھی،جیساکہ اوپر بیان ہوچکا۔انہیں اوصاف جمیلہ وخصائل حمیدہ سے جہل کے باعث بے چارے جاہل [کافروں] نے کہا:’’اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔‘‘

[۳]علمی تصوف کا سب سے زیادہ معروف ومتنازع مسئلہ وحدۃ الوجود کا مسئلہ ہے جس کا تعلق سراسر حال ووجدان سے ہے۔پہلی بار حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے قلم وقرطاس کے ذریعہ دوسروں تک اس کے ابلاغ کی کوشش کی،لیکن الفاظ کی قبا اس پر چُست نہ ہوسکی اور بہت سے لوگ اس وجدانی حقیقت کو لفظوں کے جامہ میں پہچان نہیں پائے،نتیجہ میں

آپ کو ملحد وزندیق اور نہ جانے کیا کیا کہہ دیا۔ پھر حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے اپنے وقت میں الفاظ بدل کر معمولی فرق سے اسے وحدۃ الشہود کے نئے نام سے متعارف کرانے کی کوشش کی۔ میری معلومات کی حد تک سب سے پہلے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی نے ”الروض المجود فی تحقیق وحدة الوجود“ لکھ کر اس مسئلہ کو معقولی انداز میں سمجھایا۔ مگر امام احمد رضا نے تمثیل کے پیرایہ میں اس کی ایسی تفہیم فرمائی ہے کہ پھر اس کے حق ہونے میں کسی کو کوئی اشکال ہی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا ہے:

”ایک بادشاہِ علیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے، جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شئ کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت صاف نظر آتی ہے، بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوش نما، کسی میں بھونڈی۔

یہ اختلاف ان [آئینوں] کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے، خود واحد ہے۔ ان [عکسوں] میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلّی ان سے منزّہ ہے۔ ان [عکسوں] کے الٹے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس [متجلی] میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔

اہل نظر وعقلِ کامل اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بے شک وجود ایک بادشاہ کے لیے ہے! موجود ایک وہی ہے، یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے۔ اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ ان میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا! عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود۔ یہ اس نمودِ وجود میں اسی کے محتاج ہیں۔ اور وہ سب سے غنی۔ یہ ناقص ہیں، وہ تام۔ یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں، اور وہ سلطنت کا مالک۔ یہ کوئی کمال نہیں رکھتے حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں، اور وہ سب کا جامع۔ تو یہ اس کا عین کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں، بلکہ وہی وہ ہے، اور یہ صرف اس تجلی کی نمود۔ یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود“۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۴، ص:۶۴۲، ۴۳]

[۴] اللہ نے آنکھیں دی ہیں تو تعصب کا چشمہ اُتار کر کوئی امام احمد رضا کی تمام کتابیں نہیں، بس فتاویٰ رضویہ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی کی جلد ۷ میں مندرج صرف سوال نمبر ۵ کے جواب کو دیکھے، اگر آنکھیں خیرہ نہ ہو جائیں تو میرا ذمہ!

مسئلہ ۵: اذا ذکر العبد ربه او حمده، فما ذکر الله الا الله ولا حمد الله الا الله

[ترجمہ] بندہ جب اپنے رب کا ذکر یا اس کی حمد بیان کرتا ہے، تو اللہ ہی اپنا ذکر اور حمد بیان کرتا ہے۔

جواب: ”اعلم ان لکل فعل یصدر من العبد وجهتین: وجهته الی خالقه عزوجل اذلا وجود له الا به، ولیس للعبد من خلقه شئ، و وجهته الیٰ کاسبه اذ منه ظهر باظهار المولیٰ سبحانه وتعالیٰ وهٰذه الأُخریٰ هی مناط الاستناد العام لغة وعرفا وشرعا فلا یقال: قام. الا لمن قام

به القيام لالمن خلقه .لكن من الافعال مايصح صدوره من الخالق عزوجل ، فيسوغ اسنادها اليه لارتفاع الايهام والى العبدعلىٰ وجهه العام.وذلك كحمدوشكروودّحد وذكر لاكصلىٰ وسجد وصام وعبد وقام وقعد لماتقدم .والاول الحقيقة والآخرالصورة فاذاصحت الحقيقة غلبت واضمحلت عنده الصورةفصح نفيه عن كاسبه وقصر اسناده علىٰ خالقه . ذلك قوله تعالىٰ" فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم" "ومارميت اذرميت ولكن الله رمى" فاثبت ونفى صورة ومعنى. وكذلك وماتوفيقى الابالله ،وماتشآء ون الاان يشاء اللهُ .بل اذانظرت بعين الحقيقة فلاوجودالاله عزجلاله كل شئ هالك الا وجهه .هوالاول والآخر والظاهروالباطن . وهٰذاسيدناسوادبن قارب رضى الله تعالىٰ عنه قائلا فيما عرضه على النبى صلى الله عليه وسلم : فاشهد ان الله لا رب غيره،وانت مامون على كل غائب وصار كلمة التوحيد:لا وجود.فلااله الاالله،للناسكين لامعبودالاالله،وللسالكين لامقصود الا الله ، وللواصلين لامشهودالاالله، للكاملين لاموجودالاالله.والكل سديد والكل توحيد من دون اتحاد فانه الحاد".

ترجمہ: بندوں سے جو افعال صادر ہوتے ہیں، ان کے دو رخ ہیں: ایک رخ ان افعال کے خالق عزوجل کی طرف؛ کیوں کہ بندوں کے افعال کا خالق خدا ہی ہے، ان کی تخلیق میں بندوں کا کوئی حصّہ نہیں۔ دوسرا رخ ان افعال کے کاسِب کی طرف؛ کیوں کہ مولی سبحانہ نے بندوں کے کَسب پر ان افعال کو ظاہر فرمایا ہے۔ لغت، عرف اور شرع سب میں بندوں کی طرف ان افعال کی نسبت اسی دوسرے رخ کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ "لفظ کھڑا ہوا" کا اطلاق اسی کے لیے ہوتا ہے جس کے ساتھ اس فعل کا قیام ہو۔ جس ذات نے اس فعل کی تخلیق فرمائی ہے اس ذات پر اطلاق نہیں کیا جاتا ہے۔ لیکن کچھ افعال ایسے بھی ہیں جن کا صدور خالق سے صحیح ہے توجب ایہام نہ ہوتو ان افعال کی نسبت خالق کی طرف کی جاتی ہے ،جیسے : حَمِدَ ،شَكرَ اور ذَكرَ، نہ کہ صلّیٰ، سَجدَ، صامَ، عبدَ اور قامَ و قعدَ. پہلی نسبت، حقیقی نسبت ہے اور دوسری نسبت صوری نسبت ہے۔ جب حقیقی نسبت صحیح ہوتو وہ غالب اور صوری نسبت مضمحل ہوجاتی ہے۔ لہٰذا کاسِب سے اس کی نفی درست اور خالق ہی کی طرف صحیح ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کے ارشاد: "فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم" اور "ومارميت اذرميت ولكن الله رمى" میں اللہ تعالی کے لیے صورتاً و معنًی نسبت ثابت کرکے بندوں سے دونوں نسبتوں کی نفی کی گئی ہے۔ یوں ہی "وماتوفيقى الابالله" "وماتشاء ون الاان يشاء الله" میں بھی؛ کیوں کہ حقیقت کی آنکھ سے دیکھو تو اللہ جل جلالہ کا ہی وجود ہے، اللہ کے سوا ہر شئ ہلاک ہونے والی ہے۔ اللہ ہی اول وآخر، ظاہر وباطن ہے۔ یہ ہیں سیدنا سواد بن قارب رضی اللہ عنہ جنھوں نے اپنا یہ شعر بارگاہ رسالت میں پیش کیا تھا کہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ ہی موجود ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ اور آپ ہر غیب کے امانت دار ہیں" اس لیے تو کلمۂ توحید "لا اله الا الله" کے معنی ناسکین کے نزدیک "لا معبود الا الله"، سالکین کے نزیک "لا مقصودالا الله" واصلین کے نزیک "لا مشهود الا الله" اور کاملین کے نزدیک "لا موجودالاالله" ہوگئے۔

اور سارے معنی ہی صحیح اور اتحاد کے بغیر توحید ہی کے ہیں، اتحاد کے نہیں؛ کیوں کہ اتحاد تو الحاد ہے۔

یعنی اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کائنات کی ہر شئ کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔"اللہ خالق کل شئی"[زمر ۶۲] بندوں اور ان کے افعال کو بھی پردۂ عدم سے صفحۂ وجود پر وہی لاتا ہے۔" واللہ خلقکم وماتعملون "[صافات][۱۷] [۹۶] البتہ بندے اپنے ان افعال کے کاسِب ہوتے ہیں اور کسب کی یہ قدرت بھی اسی کی تخلیق کردہ ہے۔ تو بندہ جب کسی فعل کے لیے کَسب کرتا ہے تو اللہ تعالی اگر اس کَسب کے بعد اس فعل کی تخلیق فرمادیتا ہے تو وہ فعل وجود میں آجاتا ہے اور تخلیق نہیں فرماتا ہے تو کَسب کے باوجود، وجود میں نہیں آپاتا۔ مولائے کائنات کا ارشاد ہے:"عرفت ربّی بفسخ العزائم"[میں نے خدا کو پہچانا اپنے پکّے ارادوں کے باوجود کامیابی نہیں ملنے سے]

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بندوں کے بعض افعال تو وہ ہیں جو وجود تو پاتے ہیں اللہ ہی کی تخلیق سے، مگر ان کا صدور اللہ تعالی سے محال ہے، جیسے: جھوٹ بولنا، چوری کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا۔ اور بعض افعال وہ ہیں جن کا صدور اللہ تعالی سے محال نہیں ہے، جیسے: ذکر کرنا، حمد بیان فرمانا، رحم کرنا، معاف فرمانا۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں بعض وہ افعال جن میں غلط معنی کا ایہام نہیں ہے، ان کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے:"قل من یرزقکم من السماء والارض"[اے نبی آپ لوگوں سے کہیے کہ بھلا تمہیں آسمان وزمین سے روزی کون دیتا ہے؟][یونس ۳۱]" واللہ یتوفی الانفس"[اللہ ہی جانوں کو موت دیتا ہے][الزمر ۴۲]"اور بندے کی طرف بھی کی گئی ہے "وارزقوھم فیھاواکسوھم"[لوگوں کو روزی دو اور کپڑے پہناؤ][النساء: ۵] توفتہ رسلنا[ہمارے رسولوں[فرشتوں] نے انہیں موت دی][الانعام: ۶۱]۔ تو اللہ تعالی کی طرف ان افعال کی اسناد حقیقی و معنوی ہے یعنی بہ لحاظ تخلیق، اور بندوں کی طرف صوری و مجازی یعنی بہ لحاظ کسب۔ لغت وعرف اور شریعت، سب کی رو سے اس طرح کی اسناد درست ہے۔

جواہر البحار ج:۱، ص:۲۶۶ میں ہے:

وقال ملا علی القاری فی شرحه علی الشفا: لا یتصور اشتراك المخلوق مع الخالق فی نعتٍ من النعوت بحسب الوصف الحقیقی، وانما یکون بملاحظة المعنی المجازی والعرفی، فالله سمیع بصیرعلیم حی قادر مرید متکلم، وقد اثبت هذه الصفات ایضا لبعض المخلوقات، ولکن بینهما بون بین، ولا یخفیٰ مثل هذا علی متدین."

[ترجمہ] ملا علی قاری نے شرح شفا میں فرمایا ہے: وصف حقیقی کے اعتبار سے کسی بھی صفت میں خالق و مخلوق کے درمیان اشتراک متصور نہیں ہے، یہ صرف معنیٔ مجازی و عرفی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر، علیم وحی، قادر و مرید اور متکلّم ہے۔ پھر اسی نے یہ صفات بعض مخلوقات کے لیے بھی ثابت کی ہیں مگر ان کے معنوں میں بڑا فرق ہے جو کسی دین دار پر مخفی نہیں۔

مگر وہ افعال جن کا صدور اللہ تعالی سے محال ہے، اللہ تعالی کی طرف ان کی اسناد کرنے میں سننے والوں کو اس بات کا ایہام ہوگا کہ اللہ تعالی سے ان افعال کا صدور ہوسکتا ہے، اس لیے ان افعال کی اسناد اللہ تعالی کی طرف منع ہے۔ اور جن

افعال کا صدور محال نہیں ہے بندوں کی طرف ان افعال کی اسناد کی نفی درست ہے؛ کیوں کہ یہاں ایہام نہیں ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حقیقت و معنی کے بالمقابل چوں کہ مجاز و صورت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اسی لیے قرآن کریم کے اندر "فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم" [تم نے ان لوگوں کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے قتل کر دیا] اور "ومارميت اذرميت ولكن الله رمى" [جب تم نے پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی] میں قاتل و رامی سے قتل اور رمی کی نفی کرتے ہوئے اللہ کی طرف اس کی اسناد فرمائی گئی ہے۔ یہی صورت "وماتوفیقی الا باللہ [میری توفیق اللہ ہی سے ہے] [ہود ۸۸]" وماتشآء ون الا ان يشاء الله [تم کیا چاہو؟ مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے] [تکویر ۲۹]" میں بھی ہے —— بنابریں کلمۂ توحید "لااله الا الله" کے معنی ناسکین کے نزدیک "لا معبود الا الله" [اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں]، سالکین کے نزیک "لا مقصود الا الله" [اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں]، واصلین کے نزیک "لا مشهود الا الله" [اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں' اور کاملین کے نزدیک "لا موجود الا الله" [اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں] کے ہیں اور سبھی معنی درست ہیں۔ یہ ہرگز اتحاد نہیں جو کفر و الحاد ہے، بلکہ توحید ہی ہے۔

اس لیے جس نے سوال میں مذکور الفاظ ذکر اور حمد کی اسناد کی بندوں سے نفی کر کے خدا کی طرف کی ہے، درست کی ہے۔

آج طریقت کی "طا" سے ناآشنا کچھ حضرات سماع بالمزامیر کے تعلق سے فتاویٰ رضویہ میں مندرج بعض فتاویٰ کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا کو طریقت مخالف کہتے اور اُن سے بغض رکھتے ہیں، تو فقاہت کی "فا" سے ناواقف کچھ حضرات بھی لاشعوری طور پر امام احمد رضا کو خشک ملا کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ جب کہ امام احمد رضا کو فقاہت میں امامت کا منصب حاصل تھا، تو طریقت میں بھی وہ اجتہاد کے درجہ پر فائز تھے۔

فقاہت جس کا دوسرا نام شریعت ہے، وہ اگر لغت دیکھ کر "من" کا ترجمہ "سے" اور "الیٰ" کا ترجمہ "تک" جان لینے کا نام نہیں، بلکہ وہ ایوان طریقت کا زینہ ہے، تو طریقت بھی چنگ و رباب سے کھیلنے اور طبلے کی تھاپ پر تھرکنے کا نام نہیں، بلکہ جلوۂ بالائے بام کا دیدار ہے۔ جس طرح انسانیت کی تکمیل اس زینہ ہی کو طے کرتے رہ جانے میں نہیں، بلکہ جلوۂ بالائے بام کے دیدار میں ہے۔ اسی طرح جلوۂ بالائے بام کا دیدار بھی اس زینہ کو عبور کیے بغیر ممکن نہیں۔ علامہ جامی کا ارشاد ہے:

زلوح اول الف باتانخوانی
زقرآں درس خواندن کے توانی

[۶] سماع بالمزامیر کے تعلق سے بہت سی معروف قولی حدیثوں میں ممانعت آئی ہے، جن میں سے ایک یہ ہے:

"ليكونن من امتى اقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف" [بخاری ج:۲، ص:۸۳۷، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی من یستحل الخمر الخ]

[ترجمہ] بلاشبہہ میری امت میں وہ لوگ ہوں گے جو زنا، ریشمی کپڑے، شراب اور باجوں کو حلال ٹھہرائیں گے۔

جن کی بنیاد پر جمہور فقہا و مشائخ نے سماع بالمزامیر کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"الملاهی کلها حرام حتی التغنی بضرب قصب ونحوه حرام". [ھدایہ آخرین ص:۴۳۹، مجلس برکات]

[ترجمہ] سارے آلات لہو حرام ہیں حتی کہ بانسری اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو بجاتے ہوئے [حمد و نعت] پڑھنا بھی حرام ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

"استماع صوت الملاهی کالضرب بالقضیب ونحوه حرام". [ج:۱۲، ص:۲۰۲ مکتبہ زکریا]

[ترجمہ] آلات لہو جیسے بانسری اور اس قسم کی دوسری چیزوں کی آواز سننا حرام ہے۔

مگر بعض فقہا و مشائخ نے فرمایا ہے کہ مزامیر سننے کی حرمت کی علت "نفسانی لہو ولعب" ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت کی ابتدا میں شراب کی حرمت نہیں تھی تو بہت سے مسلمان بھی اس سے شوق رکھتے تھے۔ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو اگرچہ مسلمانوں نے اسے بالکل ہی ترک کر دیا، پھر بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال پر بھی پابندی عائد فرمادی، جن برتنوں کو شراب کے لیے استعمال کیا جاتا تھا کہ کہیں پرانی یادیں تازہ نہ ہو جائیں۔ مگر جب مرور ایام سے یہ خوف جاتا رہا تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت ہوگئی ــــــــ اسی طرح اہل عرب، شراب پیتے وقت "نفسانی لہو ولعب" کے لیے لازمی طور سے مزامیر کا استعمال کرتے تھے، تو مزامیر کے استعمال پر بھی پابندی لگادی گئی، مگر جب مسلمان شراب ہی کی طرح نفسانی لہو ولعب سے بھی یکسر دور ہو گئے تو اس کے بھی استعمال کی اجازت ہوگی؛ کیوں کہ جو حکم علت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے، وہ حکم اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک علت باقی رہتی ہے اور جب علت مرتفع ہو جائے تو حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔ ہاں! اگر کہیں وہ علت پھر سے پیدا ہو جائے تو حکم پھر پلٹ آئے گا۔ حضور محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ، حضرت فخر الدین زرادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"المزمار آلة توجد بها الاصوات الموزونة وبالنظر الی نفسها مباحة کما ذکرله، اما الحرمة فلعلة اخریٰ هی تذکر شرب الخمر کما روی عن الثقات عن النبی صلی الله علیه وسلم اذا حرم الخمر حرم المزامیر؛ اذ الناس یضربون وقت شربه فحرم ضربه لتذکره ایاه، وهو قبیح لمعنی فی غیره، فاذا کانت هذه العلة مفقودة تفقد الحرمة ضرورة."

[ترجمہ] مزامیر وہ آلات ہیں جن سے موزوں آوازیں نکلتی ہیں جو فی نفسہ مباح ہیں اور حرام قرار دینے کی علت شراب پینے کی یاد دہانی ہے، جیسا کہ ثقہ راویوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مروی ہے کہ جب شراب حرام قرار دی گئی تو مزامیر کو بھی حرام قرار دے دیا گیا؛ کیوں کہ لوگ شراب پیتے وقت مزامیر بجاتے تھے تو اس کی حرمت اس کے غیر کی وجہ سے ہے۔ پھر جب اس کی علت ناپید ہوگئی تو لا محالہ حرمت مزامیر بھی مفقود ہوگی۔ [رسالہ اصول السماع، الاصل الثالث فی المزامیر، ص:۱۷]

پرانے زمانے میں شریعت کے پابند اہل دل، بعض ارباب تصوف، فواحش و منکرات سے خالی اشعار مزامیر کے ساتھ

سناکرتے تھے جس سے ان کے دلوں میں پوشیدہ عشق رسالت اور محبت الٰہی کی چنگاریاں بھڑک اُٹھتی تھیں؛کیوں کہ مزامیر تو بے جان آلہ ہے جس سے اچھی آوازیں نکلتی ہیں اور دل پر اثر کرتی ہیں۔اب دل میں جو ہوتا ہے ، سرخوشی و مستی اور جذب و بے خودی کے عالم میں فطری طور پر اسی کا اظہار ہونے لگتا ہے۔

ع جان ہے عشق مصطفی روز فزوں کرے خدا۔
اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

☆

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے رب سلّم صدائے محمد

الغرض مزامیر کے ساتھ اچھے اور پاکیزہ اشعار سننے سے ان حضرات کی پاکیزہ روحوں کو غذا ملتی تھی اور وہ عالم ملکوت کی سیر کے لیے طاقت وقوت پاتے تھے۔اس لیے وہ حضرات اپنے لیے اِس کو نہ صرف جائز و مباح بلکہ مندوب و مستحب اور بسا اوقات وجوب کے درجہ تک سمجھتے تھے؛کیوں کہ ”الامور بمقاصدھا، انما الاعمال بالنیّات ولکل امرئ مانویٰ.“

مگر اِس زمانہ میں جس قسم کی قوالیاں مروج ہوگئی ہیں، ان کے بارے میں میں کیا عرض کروں؟ بقول غالب:
ع: مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں۔اس لیے ان قوالیوں کے لیے وہی حکم پھر پلٹ آیا کہ

”فی البزازیة: استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام.“[در مختار مع رد المحتار ج:۹، ص:۴۲۵]

[ترجمہ] آلات لہو جیسے بانسری اور اس قسم کی دوسری چیزوں کی آواز سننا حرام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا سے کسی شیخ شوکت علی نے جب سوال کیا کہ:

”ایک شخص میرا دوست آیا اور اس نے مجھ سے کہا: چلو ایک جگہ عرس ہے، میں چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا: بہت اشخاص ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول، دو سارنگی بج رہی ہے اور چند قوال پیرانِ پیر دست گیر کی شان میں شعر پڑھ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار گا رہے ہیں اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں۔۔۔۔ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طرح پر؟“

تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

”ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا کرنے والوں اور قوالوں پر الخ“[فتاوی رضویہ مترجم ج:۲۴، ص:۱۱۳]

میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کے پابند وہ اہل دل، ارباب تصوف حضرات، اگر آج حیات ظاہری سے ہوتے، تو بلا شبہہ وہ پاک باز حضرات خود بھی ایسی قوالیوں پر لعنت بھیجتے، جیسے پانی اپنی حد ذات میں پاک ہونے کے باوجود، کوئی اس میں نجاست کی

آمیزش کر دے تو ناپاک ہو جاتا ہے۔

فقاہت کے لیے ضروری ہے کہ وہ عام وخاص، مطلق ومقید، ظاہر ونص وغیرہ اوران کے احکام کو جانتا ہو۔ اجماعی و اجتہادی مسائل اوران کے احکام سے واقف ہو۔ مذہب کی روایات ظاہرہ ونادرہ کی معرفت رکھتا ہو۔ ترجیح وتطبیق، مصالح ومفاسد، اقتضاے زمانہ اوراحوال ناس سے باخبر ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک اور حضرت ابوبکر صدیق کے عہد زریں میں عورتیں پردہ کے ساتھ نماز کے لیے مسجد اور عید گاہ میں حاضر ہوا کرتیں۔ مگر جب حضرت عمر فاروق کے عہد میں عورتوں کے اندر وہ سادگی باقی رہی، نہ مردوں کے اندر وہ پاک بازی، جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے مسجد میں آنے پر پابندی لگادی۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"لوان رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى ماأحدث النساء لمنعهن المسجد."[مسلم شریف ج:۱،ص:۱۸۳]

[ترجمہ] اگر حضور ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھ لیتے توضرور آپ ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں جوان عورتوں کو تو مطلقاً کسی بھی نماز کے لیے مسجد کی حاضری سے منع فرمادیا تھا، مگر بوڑھی عورتوں کو فجر، مغرب اور عشا میں اس حکم ممانعت سے چھوٹ دے دی تھی؛ کیوں کہ اس زمانے میں فاسق وفاجر حضرات فجر میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے، مغرب کے وقت کھانا کھانے میں ان کی مشغولیت ہوتی اور عشا کے وقت وہ سوجاتے۔ اس لیے فتنہ کا خوف غالب نہیں تھا۔ ہدایہ میں ہے:

"﴿يكره لهن حضورالجماعات﴾ يعنى الشواب منهن لمافيه من خوف الفتنة﴿ ولا بأس للعجوز ان تخرج فى الفجروالمغرب والعشاء﴾ وهذاعندابى حنيفة رحمه الله".

[ترجمہ] امام اعظم کے نزدیک جوان عورتوں کے لیے جماعت کی حاضری ناجائز ہے کیوں کہ اس میں فتنہ کا خوف ہے۔ ہاں! بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشا میں حاضر ہوں تو مضائقہ نہیں۔

پھر جب فاسق و فاجر حضرات بالعموم ظہر سے لے کر فجر تک جاگنے اور صبح سے دوپہر تک سونے لگے، تو متاخرین فقہا نے بوڑھی عورتوں کو بھی تمام نمازوں میں مسجد کی حاضری سے روک دیا۔ فتح القدیر میں ہے:

"عمم المتاخرون المنع للعجائزوالشواب فى الصلوات كلهالغلبةالفسادفى سائر الاوقات".
[ج:۱،ص:۳۷۶]

[ترجمہ] متاخرین فقہا نے زمانے میں بگاڑ پیدا ہو جانے کی وجہ سے جوان ہی نہیں، بوڑھی عورتوں کے لیے بھی تمام نمازوں میں مسجد کی حاضری کو منع فرمادیا۔

اورآج تو بوڑھی عورتیں ہی نہیں، بچیاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ محرم مرد کے بغیر ان کے بھی

باہر جانے پر پابندی ہونی چاہیے۔

امام احمد رضا کی فقاہت کے تعلق سے علامہ خلیل مکی علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد ہم نقل کر چکے ہیں کہ وہ بالغ رتبۂ اجتہاد تھے۔ وہ، یہ جانتے تھے کہ سماع بالمزامیر کا مسئلہ اجماعی نہیں، اجتہادی ہے۔ اس لیے جہاں انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق مروّجہ قوالیوں کی حرمت کا فتویٰ دیا، وہیں یہ بھی فرمایا کہ:

"مزامیر یعنی آلات لہو ولعب "بروجہ لہو ولعب" بلاشبہہ حرام ہیں۔ جن کی حرمت اولیا وعلما دونوں فریق مقتدا کے کلماتِ عالیہ میں مصرح۔ ان کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعدِ اصرار، کبیرہ ہے اور حضرات علیہ سادات بہشت، کبرائے سلسلۂ عالیہ چشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا بہم کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافترا ہے"۔ [فتاوی رضویہ مترجم ج:۲۴ص:۷۸]

اس سے، وہ مشائخ کرام جنہوں نے اپنے لیے اس کو جائز سمجھا اور اس پر عمل پیرا ہوئے، ان کے دامان تقدس پر شریعت کے برخلاف عمل پیرا ہونے کا داغ بھی نہیں لگنے دیا؛ کیوں کہ ان حضرات کا سننا "بروجہ لہو ولعب" نہیں تھا۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ "بروجہ لہو ولعب" اگر قید احترازی ہے تو پہلے مذکورشدہ مسئلہ میں یہ قید کیوں نہیں ہے؟ وہاں تو صرف ایک ڈھول اور دو سارنگی کی بنیاد پر اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیا گیا ہے۔

تو عرض ہے کہ جو مسئلہ مقید ہوتا ہے، مفتیان کرام ہزار صوفی ہونے کے باوجود بھی کبھی سائل یا زمانے کے پیش نظر اسے مطلق بیان فرمادیتے ہیں جیسا کہ خود امام احمد رضا نے ہی فرمایا ہے:

"وانما تبتنی الاحکام الفقھیة علی الغالب فلاینظر الی النادر"۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم ج:۲۴، ص:۷۶]

ترجمہ: مفتی فتویٰ دینے میں غالب احوال کا خیال کرے، نادر کا لحاظ نہ کرے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

"عادتھم فی الاطلاق اعتمادا علی التقییدفی محله. قال فی البحر' وقصدھم بذلك ان لایدعی علمھم الا من زاحمھم علیه بالرکب، ولیعلم انه لایحصل الا بکثرة المراجعة وتتبع عباراتھم والاخذ عن الاشیاخ اھ"۔ [ردالمحتار ج:۲، ص:۱۲۴ مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیۃ]

[ترجمہ] فقہا کی عادت ہے کہ جو مسئلہ مقید ہوتا ہے یہ حضرات کبھی اسے قید کے بغیر مطلق بیان کر دیتے ہیں۔ بحر الرائق میں ہے کہ ایسا کرنے سے ان حضرات کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو اس کے اہل ہیں وہ سمجھ لیں، اور جو اہل نہیں ہیں پھر بھی اہلیت کا دعوی کرتے ہیں انہیں اپنی اوقات کا پتہ چلے اور یہ جان جائیں کہ مراجعت کی کثرت، فقہا کی عبارات کے تتبع اور اساتذہ کی کفش برداری کے بغیر یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔ جس کی تائید ذیل کی حدیث سے ہوتی ہے:

"واضع العلم عند غیر اھله کمقلد الخنازیر الجوھر واللؤلوء والذھب، رواہ ابن ماجه"۔ [مشکوٰۃ ص:۳۴]

[ترجمہ] نااہلوں کو علم سکھانا خنزیر کو سونے، موتی اور جواہر سے آراستہ کرنے کی طرح ہے۔

یعنی مفتی کو چاہیے کہ وہ فتوی دیتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ کوئی بوالہوس ان کے فتوے کی آڑ میں حسن پرستی کو شعار نہ بنا پائے اور شیوۂ اہل نظر کی آبرو سلامت رہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی صوفیت سے کس جاہل کو انکار ہو سکتا ہے؟ مگر آپ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت حسین بن منصور علیہ الرحمۃ جو کہ رہے ہیں، غلط نہیں کہ رہے ہیں! مگر جب فتوی دینے کی باری آئی اور دارالافتا میں تشریف فرما ہوے تو اپنے اس جاننے کے مطابق نہیں، بلکہ غالب احوال کے مطابق ہی دار پہ چڑھانے کا حکم دیا؛ کیوں کہ آپ سمجھ رہے تھے کہ یہ حکم نہیں دیا گیا تو ہر بوالہوس حسن پرستی کو شعار بنالے گا اور شیوۂ اہل نظر کی آبرو سلامت نہیں رہ پائے گی۔ ورنہ کیا کسی حقیقت ناآشنا مفتی سے ان الفاظ میں بھی فتویٰ لکھنے کی توقع کی جاسکتی ہے جن الفاظ میں امام احمد رضا نے لکھے ہیں؟

فتاویٰ رضویہ مترجم ج:۲۴، ص:۸۱ تا ۸۳ میں ہے:

"ممکن کہ بعض بندگان خدا جو ظلمات نفس و کدورات شہوت سے یک لخت بری و منزہ ہو کر فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو گئے کہ لایقولون الااللہ ولایسمعون الااللہ بل لایعلمون الااللہ بل لیس ھناك الااللہ. ان میں کسی نے بحالت غلبۂ حال، خواہ عین الشریعۃ الکبری تک پہنچ کر [۲۴] ازانجا کہ ان کی حرمت لعینہا نہیں وانماالاعمال بالنیّات وانمالکل امرئ مانوی۔ بعد وثوقِ تام واطمینانِ کامل کہ حالاً ومآلاً فتنہ منعدم، احیاناً اس پر اقدام فرمایا ہو، ولہذا افاضل محقق آفندی شامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی ردالمحتار میں زیر قول در مختار:۔۔۔ فرماتے ہیں:

۔۔۔۔۔۔ اقول: بلکہ یہاں ایک اور وجہ ادق واعمق ہے۔ صحیح بخاری شریف میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رب العزت تبارک و تعالی فرماتا ہے: لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبّہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا۔ اب کہیے کون کہتا اور کون سنتا ہے؟ آواز تو شجرۂ طور سے آتی ہے مگر لاواللہ پیڑ نے نہ کہا انّی انا اللہ رب العٰلمین

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود"

امام غزالی علیہ الرحمہ نے "احیاء العلوم" میں سماع بالمزامیر کو مخصوص حضرات کے لیے جائز قرار دیا ہے تو امام احمد رضا کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے:

[صوفیاے کرام] کبھی بہ نظر مصلحت سلوک، قول مرجوح پر عمل کرتے ہیں مانند سماع کے، کہ ہر چند مشہور مذہب امام اعظم وامام شافعی وامام مالک وامام سفیان ثوری میں کراہت ہے، مگر۔۔۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان شرائط وآداب کے ساتھ کہ احیاء العلوم میں مذکور ہیں، جائز ٹھہرایا۔ شیخ عبد الرحمٰن نے خاص اس باب میں کتاب لکھی اور کہا: راگ دل کی بات زیادہ کرتا ہے۔ پس فاسقوں کے حق میں گناہ اور عارفوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ نظیر اس کی فقہ میں بوسۂ منکوحہ ہے کہ جو صائم [روزہ

دار]نفس کوروک سکے اس کے حق میں جائزاور بدوں اس کے مکروہ ہے۔[ہدایۃ البریۃ ص:۳۳]

اور امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اسے مقرر رکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جانشین اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا ہے:

"قوالی مع مزامیر ہمارے نزدیک ضرور حرام وناجائز وگناہ ہے۔۔۔۔بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے، اگرچہ وہ لائق التفات نہیں، مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکم فسق سے بچادیا ہے جو ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں" الخ [فتاویٰ مصطفویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ص۴۵۶]

امام احمد رضا محض عالم نہیں، بلکہ "ملک العلما"، یہ بھی نہیں، بلکہ "ملک العلماگر" تھے۔ جن لوگوں کو "عالم" کے رموز کلام سمجھنے کی صلاحیت نہیں وہ "ملک العلما" بھی نہیں "ملک العلماگر" کی تحریروں کے رموز کو بھلا کیا سمجھیں گے۔ ایک مرتبہ حضرت محدث جوزی علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ

"من افضل بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،ابو بکر او علی ؟"

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہیں، ابو بکر یا علی؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا: "من کانت بنتہ تحتہ". جن کی بیٹی ان کی نکاح میں تھیں۔

اور بہت سے عالم نما جاہلوں نے سمجھ لیا کہ وہ حضرت علی کی افضلیت کے قائل ہیں، حالاں کہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو بیان فرمایا تھا؛ کیوں کہ پہلی ضمیر "ہ" کا مرجع لفظ "من" ہے، اور دوسری ضمیر "ہ" کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات۔ تو معنی یہ ہوئے کہ افضل وہ ہیں جن کی صاحب زادی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔ مجھے اس موقع پر امام غزالی یاد آرہے ہیں جنھوں نے اپنی کتاب "کیمیائے سعادت" میں بڑی عبرت آموز یہ تمثیلی حکایت تحریر فرمائی ہے۔ لکھا ہے:

"ایک بار کچھ اندھوں نے کسی سے سن لیا کہ شہر میں ہاتھی آیا ہے تو یہ سمجھ کر کہ جیسے سخت ونرم اور سرد وگرم کو ٹٹول کر پہچان لیتے ہیں ایسے ہی ہاتھی کو بھی ٹٹول کر پہچان لیں گے، دوڑ پڑے اور ہاتھی کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اب کسی کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑ گیا، کسی کا پاؤں پر، کسی کا دانت پر۔ بس خوش ہو گئے کہ ہم نے ہاتھی کو سمجھ لیا۔ اور واپس آکر جو اندھے نہیں جاسکے تھے، ان کو بتانا شروع کیا۔ اب جس کا ہاتھ ہاتھی کے پاؤں پر پڑا تھا اس نے بتایا کہ ہاتھی درخت کے تنے کی طرح ہے، جس کا ہاتھ دانت پر پڑا تھا اس نے کہا کہ ہاتھی پیلر کی طرح ہے، اور جس کا ہاتھ کان پر پڑا تھا اس نے کہا کہ کمبل کی طرح ہے۔ جب کہ پورے ہاتھی کو کسی نے نہیں پہچانا" [کیمیائے سعادت سے ترجمہ ص:۵۱]

یہی کچھ بیگانوں سے اپنوں تک نے امام احمد رضا کے ساتھ کیا۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفتہ من الفھم السقیم

حالاں کہ امام احمد رضا ایک طرف فقاہت میں بالغ رتبۂ اجتہاد تھے تو دوسری طرف معرفت وتصوف کے بھی عظیم منصب پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اُن سے حضرت تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی اور بیہقی وقت حضرت محدث سورتی علیہما الرحمۃ جیسے محدث وفقیہ حضرات اپنے اپنے دارالافتاؤں کے مسائل حل کراتے نظر آتے ہیں، تو وہیں آستانۂ غریب نواز اجمیر شریف سے حضرت علامہ سید غلام علی معینی علیہ الرحمۃ والرضوان اور خانقاہ صمدیہ پھپھوند سے حضرت مولانا عزیز الحسن جیسے چشتی بزرگ بھی خلافت واجازت حاصل کرتے اور اپنے ہی پیر خانہ مارہرہ مطہرہ نیز کچھوچھہ مقدسہ وغیرہ کے ارباب تصوف اپنی اپنی خانقاہوں کے معاملات کی گتھیاں سلجھواتے دِکھتے ہیں۔

اس لیے میں نے اس مقالہ کو ''مجمع البحرین'' کا عنوان دیا ہے۔ یعنی شریعت وطریقت کے سمندروں کا سنگم، جس سے ایک طرف محدثین وفقہا سیراب ہوتے ہیں تو دوسری طرف صوفیا واتقیا بھی اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ اسی حق وحقیقتِ حقہ کی ترجمانی کرتے ہوئے مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلی صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

جو مرکز ہے شریعت کا، مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا، وہ قطب الاولیا تم ہو
یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

کاش! کوئی مرد میداں ہمت کرے تو امام احمد رضا کی تمام تصانیف نہیں، صرف ''حدائق بخشش'' اور ''فتاویٰ رضویہ'' ہی سے تصوف ومعرفت میں آپ کی مہارت وانفرادیت کے موضوع پر Ph.D. کے لیے ایک بسیط تحقیقی مقالہ معرض وجود میں آسکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ فقیر رضوی ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

*****

امام احمد رضا جدید علماے عرب کی نظر میں

مولانا یسین اختر مصباحی: بانی دار القلم ذاکر نگر دہلی

امام احمد رضا حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی [متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء] کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شیخ ضیاء الدین، قادری، مہاجرِ مدنی [متوفی ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء] نے حضرت حافظ احسانُ الحق [گوجرانوالہ، پنجاب] سے بیان فرمایا:

”ایک مرتبہ، مصر کے فاضل ترین عُلماے کرام کے اجتماع میں میں نے اعلیٰ حضرت [امام احمد رضا] قبلہ قُدِّسَ سِرُّہٗ کا مندرجہ ذیل قصیدۂ عربیہ پڑھا تو انھوں نے، بیک زبان کہا کہ: یہ قصیدہ کسی فصیح اللّسان عربی النَّسل عالم دین کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے بتایا کہ اس قصیدہ کے لکھنے والے، مولانا احمد رضا خاں، بریلوی ہیں۔ جو عربی نہیں، بلکہ عجمی ہیں۔ تو عُلماے مصر، حیرت میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی میں اتنے ماہر ہیں۔“ قصیدہ، یہ ہے:

الحمد لله المتوحد — بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ
وَ صَلوتُهٗ دَوْماً عَلٰی — خَيْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ
وَالْاٰلِ وَ الْاَصْحَابِ هُمْ — مَاوَایَ عِنْدَ شَدَائِدِ
فَاِلَی الْعَظِيْمِ تَوَسُّلِیْ — بِكِتَابِهٖ وَ بِاَحْمَدِ
وَ بِمَنْ اَتٰی بِكَلَامِهٖ — وَ بِمَنْ هَدٰی وَ بِمَنْ هُدِیْ
وَ بِطَيْبَةَ وَ بِمَنْ حَوَتْ — وَ بِمِنْبَرٍ وَ بِمَسْجِدِ
وَ بِكُلِّ مَنْ وَّجَدَ الرِّضَآ — مِنْ عِنْدِ رَبٍّ وَّاحِدِ

[ص ۹۵-۹۶۔ ”فاضلِ بریلوی! عُلماے حجاز کی نظر میں۔“ از پروفیسر، محمد مسعود احمد۔ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء]

سرزمینِ حجاز کے مشہور و معروف اور مقبول ترین عالم، فاضلِ اجل، شیخ مفتی سعد اللہ مکی سے مولانا غلام مصطفیٰ، کوثر امجدی، صدر مدرس مدرسہ عربیہ اشرف العلوم، راج شاہی [موجودہ بنگلہ دیش] نے، ایامِ حج [۱۹۵۹ء] میں چند عُلما کے ایک وفد کے ساتھ، ملاقات کی۔ گفتگو کے دوران، انھوں نے بتایا کہ:

مفتی سعد اللہ، مکّی:

"بلادِ عرب میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے علم و فضل کا، ہر طرف، شُہرہ ہے۔ اور عُلمائے حرمین طیبین آپ کی عظیم و باوقار شخصیت سے جس قدر واقف ہیں ہندوستان کے لوگ بھی اتنے واقف نہیں۔" [سفرنامۂ حج۔ مطبوعہ ۱۹۶۰ء از مولانا غلام مصطفی، صدر مدرس مدرسہ اشرف العلوم، راج شاہی۔ موجودہ بنگلہ دیش]

مفتی سعد اللہ، مکی نے بطور آزمائش، اس وفد کو شیخ علوی عباس، مالکی، مکی کے پاس بھیجا۔ جن کے والد ماجد، حضرت امام احمد رضا کے ہم عصر اور آپ کے دوست تھے۔ انھوں نے، اس وفد سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب اُن کے پاس پہنچیں، تو یہ ضرور کہیں:

نَحۡنُ تَلامِیۡذُ تلامِیۡذِ الۡمَولانا احمدرضا الۡبَریلوی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ۔

جب، یہ وفد، ان کے دولت کدے پر پہنچا، تو تھوڑی دیر کے بعد ایک بزرگ تشریف لائے۔ سلام و مُصافحہ اور خیریت کے بعد، ان لوگوں نے وہی جملہ دُہرایا: نَحۡنُ تَلامِیۡذُ تَلامِیۡذِ الۡمَولانا احمدرضا الۡبَریلوی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت علوی مالکی، سروقد کھڑے ہو گئے۔ ایک ایک سے مُعانقہ کیا اور غایت شفقت و محبت سے پیش آئے۔ اس کے بعد فرمایا:

سید علوی عباس، مالکی [مکہ مکرّمہ]

"نَحۡنُ نَعۡرِفُہٗ بِتَصۡنِیۡفَاتِہٖ وَتَالِیۡفَاتِہٖ۔ حُبُّہٗ عَلامۃُ السُّنَّۃِ وَبُغۡضُہٗ عَلامۃُ الۡبِدۡعَۃِ۔"

حضرت امام احمد رضا سے، ان کی تصنیفات و تالیفات کے مُطالعہ کے ذریعہ ہم لوگ، اچھی طرح، واقف ہیں۔ ان کی محبت، سنیّت کی علامت اور ان سے بُغض، علامتِ بدعت و بدمذہبی ہے۔

دوسرے روز، شیخ محمد مغربی الجزائری کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو نہایت شان و شوکت اور رُعب و دبدبہ کے عالم تھے۔ ان کے یہاں، اس وفد کی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی۔ اپنی گفتگو کے دَوران، انھوں نے فرمایا:

شیخ محمد الۡمَغربی، الۡجزائِری:

"علّامہ احمد رضا، بریلوی، میرے ہم عصر اور دوست تھے۔ ہم آج بھی ان کے علم و فضل کے مداح ہیں اور انھیں ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔"

شیخ عبد الرحمن، مکّی:

اسی طرح ایک جلیل القدر عالم، شیخ عبد الرحمن مکی، جن کی عمر ۸۰ سال تھی، اُن سے ارکانِ وفد نے ملاقات کی۔ ان کے پاس، حضرت امام احمد رضا کے عطا کردہ بہت سے تبرکات، محفوظ تھے۔ انھوں نے ارشاد فرمایا:

"عُلمائے حرمین شریفین، جب، فاضلِ بریلوی سے ملتے تو دست بوسی کرتے اور اتنے احترام سے پیش آتے کہ: مَیں نے کسی ہندوستانی عالم کا اتنا اِعزاز و اِکرام، کبھی، نہیں دیکھا۔ کنافِ عالَم سے، ہر سال، ہزاروں قافلے اُترتے ہیں۔ جن میں ایک سے ایک عُلما و فضلا اور اصحابِ کمال ہوتے ہیں۔ لیکن! جو پذیرائی اور تعظیم و احترام آپ کا کیا جاتا ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب،

نہیں۔" [سفرنامۂ حرمین طیبین۔ مطبوعہ ۱۹۶۰ء]

شیخ ضیاء الدین احمد القادری [اَلْمَدِیْنَۃُ الْمُنَوَّرَہ]:

"اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امامِ اہلِ سنّت، مجدّدِ دین وملّت، وحیدِ عصر، فریدِ دہر امام ہُمام، علّامہ، شاہ، عبد المصطفیٰ، محمد احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہُ الْعَزِیْز اِس صدی کے مجدّدِ برحق، حقیقی معنوں میں اسلام کے ستون اور سنّت کے محافظ تھے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، رَضِیَ الْمَوْلیٰ تَعَالیٰ عَنْہُ اپنے اوصافِ دینی وخدماتِ علمی اور عظیم الشان تجدیدی کارناموں کے سبب اپنے عصر کے منفرد بَطلِ جلیل تھے۔" [۳ر محرم الحرام ۱۳۹۱ھ۔ مکتوب بنام مرکزی مجلس رضا لاہور، مطبوعہ 'پیغاماتِ یومِ رضا'۔ لاہور]

شیخ محمد علاء الدین البِکری [اَلْمَدِیْنَۃُ الْمُنَوَّرَۃ]:

"علّامۂ زماں، حسّانِ دَوراں، فاضلِ جلیل، عالمِ اجل، فقہائے کرام کے شیخ، شریعت وحقیقت کے عارف، شیخِ اجل، مولانا احمد رضا خاں بن مولانا مفتی نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں، بریلوی [اللہ، انھیں، کروٹ کروٹ، رحمت ورضا سے نوازے اور وسیع جنت میں مقام، عطا فرمائے۔ آمین] کے بارے میں فقیر، محمد علاء الدین بن علّامہ شیخ محمد علی اعظم حسین مدنی اپنی اس عقیدت کا اظہار کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا ذریعہ ہے۔ وہ، اہلِ سنّت وجماعت کے اکابر عُلما میں سے ایک ہیں۔ انھیں، کرم، اخلاقِ حمیدہ، علم وفضل، وعظ وارشاد میں بے شمار فضیلتیں، حاصل ہیں۔ وہ صاحبِ کمال ہیں۔ انھیں، دربارِ نبوی سے خاص محبت اور عشق ہے۔ اس بارے میں ان کا، کلامِ نثر ونظم ——— موتیوں کی لڑی اور عطر وعنبر پر فوقیت رکھتا ہے۔ یقیناً، ان پر، دربارِ نبوی کی طرف سے خاص عنایت ہے۔" [۲ر محرم الحرام ۱۳۹۱ھ۔ مکتوب بنام مرکزی مجلس رضا لاہور۔ 'در پیغاماتِ یومِ رضا' لاہور]

بتاریخ ۲۵ر تا ۲۸ر شوال ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، دار العلوم ندوۃ العلما، لکھنؤ نے بڑی دھوم دھام سے اپنا پچاسی ۸۵ سالہ جشنِ تعلیمی منایا تھا۔ سیکڑوں کی تعداد میں مختلف بِلاد ومِصار کے ملکی اور غیر ملکی نمائندے اس جشن میں شریک ہوئے تھے۔ ہندوستان کے بھی سیکڑوں عُلما ودانشور، شریکِ جشن تھے۔ اخبارات ورسائل نے اپنی شہ سرخیوں کے ذریعہ، اس کی خوب تشہیر کی۔

عباسیہ ہال [کتب خانۂ ندوہ] کے اندر، تعلیمی نمائش کا انتظام تھا۔ بڑے بڑے طُغروں میں ہندوستان کی عبقری اور یگانۂ روزگار شخصیتوں کے نام اور ان کی اعلیٰ وممتاز ترین تصنیفات، فن وار، مندرج تھیں۔ عقائد وکلام کے نقشے میں "خالص الاعتقاد" اور فقہ کے طغرے میں "اَلنَّیِّرَۃُ الْوَضِیَّۃ" از امام احمد رضا، بریلوی کے بھی، نام تھے۔ امام احمد رضا کا نام پڑھ کر، کئی مشاہیر عُلما، چونک اُٹھے۔ جیسے، عہدِ ماضی کی کوئی بھولی بسری یاد، دفعتًا، پردۂ ذہن پر، اُبھر آئی ہو۔ اندازہ ہے کہ ان کے پیش رَو عُلما نے، امام احمد رضا کے علم وفضل کا ذکر کر کے ان کے دلوں میں احترام وعقیدت کا بیج بو دیا ہو۔ یا۔ خود ہی کہیں، ان کی نگاہ سے آپ کی کوئی تصنیف گزری ہو۔ کئی عُلما نے "اَیْنَ مَجْمُوعَۃُ فَتَاوَاہ" کہہ کر، فتاویٰ رضویہ کی مانگ کی۔ لیکن، انھیں، بہ طریقِ

احسن کسی دوسری جانب، متوجہ کردیا گیا۔ ساتھ میں ایسا کوئی آدمی نہ ہوتا، جو نشان دہی کرسکتا۔

ایک مشہور، حنفی، شامی عالم، شیخ عبدالفتّاح ابوغُدّہ پروفیسر، کُلِیّۃ الشریعہ، محمد بن سعود یونیورسٹی [ریاض، سعودی عرب] جو، عربی زبان کی پچیسیوں کتابوں کے مُصنف محقق اور ایک ممتاز و نمایاں دینی وعلمی مقام کے مالک ہیں۔ اس کا اندازہ آپ، یوں کرسکتے ہیں کہ جب ان کی تقریر کی باری آئی تو ناظمِ اجلاس [مولانا محمد رابع حسنی، ندوی، مؤلّفِ منثورات، وَالادب العربی وغیرہ] کی بجائے مشہور دیوبندی عالم ومناظر، مولانا محمد منظور، نعمانی، سنبھلی نے بڑے زور دار انداز میں حاضرین سے آپ کا تعارف کرایا۔ ان کی نگاہ، جب امام احمد رضا، بریلوی کے نام پر، پڑی، تو فوراً بول اٹھے:

"اَیْنَ مَجْمُوعۃُ فَتَاویٰ الشَّیخ احمد رضا اَلْبَرَیْلَوِی"

ان کے ساتھ ایک تجربہ کار قسم کے "مولوی" تھے۔ موقع، نازک سمجھ کر، انھوں نے کہہ دیا: فتاویٰ رضویہ، یہاں، موجود نہیں۔ حُسنِ اتفاق سے ندوہ میں زیرِ تعلیم ایک سنّی طالب علم بھی ان کے پیچھے تھے۔ انھوں نے موقع غنیمت جان کر، بتا ہی دیا کہ: "اِنَّھَا تُوْجَدُ فِی ھٰذِہِ الدَّار "فتاویٰ رضویہ، یہاں کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ سُن کر، وہ مولوی صاحب، آگ بگولہ ہوگئے اور انھیں ڈانٹ پلاکر، وہاں سے رخصت کردیا۔ کچھ دیر بعد، اسی طالب علم نے مجھے اطلاع دی۔ میں نے فوراً تفصیلی ملاقات کی کوشش کی اور شیخ کی قیام گاہ [روم نمبر ۱۴۰، کلارک اودھ ہوٹل، لکھنؤ] پر، تقریباً، دو بجے دن میں پہنچا۔ میرے ساتھ، وہ طالب علم بھی تھے۔ کانفرنس کا آخری دن تھا۔ تین بجے، ان تمام نمائندوں کو بذریعہ ہوائی جہاز، دہلی پہنچنا تھا، جہاں، صدر جمہوریۂ ہند جناب فخرالدین علی احمد کے یہاں دعوت کے ایک پروگرام میں انھیں، شریک ہونا تھا۔ شیخ عبدالفتاح ابوغُدّہ، کوچ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور ماحضَر سے ضیافت کی، جو عربوں کی قدیم روایت ہے۔

دَورانِ گفتگو، میں نے پوچھا کہ:

سَمِعْتُ اَنَّکَ تَشْتَاقُ اِلیٰ مُطَالعۃِ مَجْمُوْعَۃِ الْفَتَاوِیٰ لِلشَّیخ الامامِ احمد رضا اَلْبَرَیْلَوِی"

میں نے سنا ہے، کہ آپ، فتاوی رضویہ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بہت مشتاق ہیں؟ نام سنتے ہی چہرہ، دمک اُٹھا اور بڑے مشتاقانہ انداز میں انھوں نے کہا۔ ہاں! کیا، آپ کے پاس، موجود ہے؟ میں نے کہا، اِس وقت تو، نہیں مل سکے گی، مگر، اِنْ شَاءَ اللّٰہ بہت جلد آپ کی خدمت میں بذریعۂ ڈاک، اِرسال کردوں گا۔ میرا دوسرا سوال تھا: "کَیْفَ عَرَفْتَ عِلْمَہٗ وَ فَضْلَہٗ؟ آپ، ان کے علم وفضل سے کیسے واقف ہوئے؟ اس سوال سے، ان کے چہرے پر تبسم کی لہر دوڑ گئی۔ فرمایا: عطر، بہرحال، عطر ہی ہے۔ کتنا بھی اسے بند شیشی میں رکھا جائے اس کی بھینی بھینی خوشبو، اہلِ ذوق تک پہنچ ہی جاتی ہے۔" "اس کے بعد شیخ نے، ہمیں بتایا کہ:

شیخ عبدُالْفَتّاح اَبُوغُدّہ، پروفیسر کُلِّیۃ الشریعہ، محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض [سعودی عرب]

"میرے ایک دوست، کہیں، سفر پر جارہے تھے۔ ان کے پاس، فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد، موجود تھی۔ میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتویٰ کا مطالعہ کیا۔ عبارت کی روانی اور کتاب وسنّت واقوالِ سَلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں، حیران و

ششدر رہ گیا۔ اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے، قائم کرلی کہ: یہ شخص، کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔"

اُس وقت، میں نے الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔ اعظم گڑھ [یو پی، انڈیا] کا عربی میں تعارفی کتابچہ و حاشیہ اَلْمُعْتَقَدُ الْمُنْتَقَد [مطبوعہ، استنبول] اور اَلدَّوْلَۃُ الْمَکِّیۃ [از امام احمد رضا بریلوی] کے ایک ایک نسخے، پیش کیے۔ اور اطمینان دلایا کہ: بہت جلد، فتاویٰ رضویہ آپ تک پہنچ جائے گی۔"

اَلشَّیْخ یوسف السَّیِّد ھاشِم اَلرِّفاعِی [اَلْکویت]

"شیخ احمد رضا نے، علومِ شرعیہ، حاصل کرنے کے بعد تدریس وافتا و تصنیف وارشاد واصلاحِ احوالِ اُمَّت میں اپنی پوری عمر، گزار دی۔ آپ کو سلسلۂ قادریہ کے ساتھ، سلسلۂ چشتیہ و نقشبندیہ وسہروردیہ کی بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔"

[ص ۱۵ . مِنْ عَقَائِدِ اَھلِ السُّنَّۃ. مطبوعہ لاھور و ممبئی]

اَلدُّکْتُوْر حُسَین مُجِیب الْمصری [اَلْقاھِرہ، مِصْر]:

"امام احمد رضا، ایک راسخ الاعتقاد سنّی عالمِ دین تھے، جن کا مذہب، حنفی اور مشرب، قادری تھا جو، ان کی کتب ورسائل سے پورے طور پر نمایاں ہے۔ ان کے معاصر عُلمائے کرام نے، ان کے معتقدات کا مطالعہ اور ان کا تحلیل و تجزیہ کرکے یہ لکھا اور ثابت کردیا ہے کہ: وہ پورے طور پر صحیح الاعتقاد تھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ پر، ان کا ایمان تھا کہ: اللہ ایک ہے، اس کے سوا، کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے سچے رسول ہیں۔ جن پر میرا ایمان ہے۔ میرا دین، اسلام ہے۔ اللہ کے سوا، سارے معبود، باطل ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت، شرک ہے۔ زندگی دینے والا، صرف اللہ ہے اور موت دینے والا بھی اللہ ہی ہے۔ اللہ، ایک ہے۔ وہی، رزق دینے والا اور وہی، بارش برسانے والا ہے۔ اسلام ہی، دینِ حق ہے اور اسلام کے علاوہ، سارے ادیان، باطل ہیں۔ وہ، کاملُ الایمان مومن تھے۔ قرآن پر، ان کا ایمان اور سُنّت قرآن سے انھیں، سچی محبت ووابستگی تھی۔ اور صراطِ مستقیم کے ہادی، قرآن پر، انھیں، فخر تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے محب صادق بھی تھے اور ان کے وسیلہ کے طالب بھی رہتے تھے۔ اس سے، ان کا عقیدہ، ان کی عبادت اور ان کا تقویٰ، سب کچھ، ظاہر ہے۔ وہ، اہلِ بیتِ اَطہار وصحابۂ کرام وَاولیائے عِظام، رِضْوَانُ اللہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن سے بھی، توسُّل کے قائل و عامل تھے۔ وَتِلْکَ غَایَۃُ الْغَایَاتِ فِی تَقْویٰ اللہِ وَمحبۃِ مُصْطَفاہ ﷺ.

انھوں نے، دینِ حنیف پر ہونے والے حملوں کا دفاع کیا اور علم سے نابلد مخالفین کے مکر و فریب کا پردہ، فاش کیا۔ انھوں نے، اِس طرح، جادۂ مستقیم کو ان کے سامنے، واضح کیا، اور ان کے فریب کو، ان کے سامنے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ ان کا بہت بڑا وصف ہے، جس سے، وہ، متَّصف ہوئے اور ان کے اس وصف کی شہرتِ عام بھی ہے۔" [ص ۱۵۔ مقدمہ صَفوۃ الْمدِیح. دارُ الْھِدایہ، اَلْقَاھرہ، مصر۔ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء]

اَلشَّیْخ مُصْطَفٰی مُحمد مَحْمُود [اُستاذُ الْحَدِیْثِ بِکُلِّیۃِ اُصُول الدِّیْن، اَلْاَزْھَر، اَلْقَاھِرَۃ]

”عَلاَّمَۃُ الْھِنْد، فریدُ عَصْرِہٖ، وَ وَحِیْدُ دَھرِہٖ، اَلْعَالِمُ النِّحْرِیر اَلْفَقِیْہُ الْکَبِیْر، صَاحِبُ الْفَضَائِلِ الْجَمَّۃ، وَ خَاتِمَۃُ عُلَمَاءِ الْاُمَّۃ مَوْلانا اَلْاِمَام اَحْمد رضا اَلْحَنْفِی کی کتاب ”محمد خَاتَمُ النَّبِیِّن“ [جَزَاءُ اللہِ عَدُوَّہٗ بِاِبَائِہٖ خَتْمَ النُّبُوۃ] اپنے موضوع پر نہایت جامع و مانع اور مشتاقانِ علم کے لیے نہایت مفید کتاب ہے۔ اس کا مفہوم و معنی سمجھنے میں قاری کو کسی طرح، دِقَّت، پیش نہیں آتی۔ اور عبارت بھی، رواں دواں اور دل نشیں ہے۔ اہلِ زَیغ و ضَلال کے شبہات و اعتراضات کا، شیخ احمد رضا نے، خوب رد و اِبطال کیا ہے اور حضرت علی، یا حضرت فاطمہ، یا حضرت حسن، یا حضرت حسین کی نبوت کے قائل روافض کے شکوک و مزعوماتِ باطلہ کے پرخچے اڑا کر، حق کو، واضح کر دیا ہے۔ آیاتِ کریمہ و احادیثِ صحیحہ و آثار و اَخبار سے اپنے موقف کا اِثبات کیا ہے۔ اور سَلفِ صالحین کے مسلک اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے امام المرسلین، خاتم النّبیین ﷺ کی عظمتِ مقام و منزلت کو، اُجاگر کیا ہے۔ اور، یہ امام المرسلین و خاتم النّبیین ﷺ تو وہ ہیں، جن کا مرتبہ خود اللہ ربُّ العزت نے اونچا کیا اور سارے عالَم میں ان کے ذکر کو، رفعت بخشی ہے۔“ [ص ۱۹۔ ۲۰۔ محمد خاتم النّبیین۔ طبعِ ثانی، کراچی۔ ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء]

اَلْاُسْتَاذ رَشِیْد عبدالرَّحْمٰن اَلْعُبَیْدِی [مُدِیرُ مَرکزِ الْبُحُوثِ وَالدِّرَاساتِ الْاِسْلَامِیہ. بغداد، اَلْعِرَاق]

”متعدّد و متنوّع علوم و معارف و فنون میں امام احمد رضا، بریلوی کی تقریبًا ایک ہزار کتب و رسائل کی تعداد سے پتہ چلتا ہے کہ امامِ بریلوی، عالمِ متبحر تھے۔ اور ان کی ذات، ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ عُلماے اسلام نے، اپنے عہدِ عروج و تہذیب و تمدن میں جن علوم و فنون میں دَرک و مہارت حاصل کی تھی، انھیں، امام احمد رضا، بریلوی نے بھی سیکھا اور ان میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ ان کے اَسرار و رُموز تک رسائی پائی اور ان کے اندر، غواصی کی۔ جن کے بے شمار علمی فوائد ایسے ہیں، جو دوسرے عُلما سے، لوگوں کو مشکل ہی سے پاتے ہیں۔ قدیم عُلما میں علّامہ جلال الدین سیوطی کی چار سو سے زیادہ کتابیں ہیں۔ اِدھر، امام بریلوی نے اپنی کتابوں کی کثرتِ تعداد سے یہ ثابت کر دیا کہ:

اُمَّتِ مسلمہ کا فیضان، مسلسل، جاری ہے اور عُلما و مفکرینِ اسلام کے تسلسل میں بھی کوئی فرق، نہیں آئے گا۔ وہ، ماضی سے وابستہ رہ کر، حال کو علوم و معارف و فنون کا سرمایہ بخشتے رہیں گے۔ اور ان کے اندر اپنا مستقبل، روشن کرنے کی بھی صلاحیت و قدرت ہے۔ کیوں کہ وہ، اپنے عقیدے اور اسلامی اصول و اقدار کی محبت سے سرشار و مالامال ہیں جو، ان کے عمل اور عطا و فیضان کا سبب اور قوی محرِّک ہے۔“ [ص: ۱۷ مقدمۂ قَصِیدَتَان رَائِعتان. بغداد. اَلطَّبْعَۃُ الْاُوْلٰی۔ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱]

اَلدُّکْتُور محمد مَجِید السَّعِید [اُستاذُ الْجَامعۃ الاسلامیۃ.. بغداد، عراق]

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے تین سال قبل مجھے ایک عظیم اسلامی شخصیت سے متعارف ہونے کا موقع، عنایت فرمایا، جو اعتقادی و فقہی و علمی و ادبی تحقیق و مطالعہ کے باب میں نہایت بلند مقام پر فائز ہے۔ ایسی نادر شخصیت کہ جس کے اندر، بے پناہ اور متنوع و ممتاز علمی اِستعداد و صلاحیت و لیاقت ہے، جس کا ذہن، جس کی ذکاوت اور جس کی فکر، نہایت صائب و ثاقب اور

بے نظیر ہے۔ یہ شخصیت ہے: شیخ امام، محمد احمد رضا، بریلوی، قندھاری، برکاتی، ہندی کی۔ جو ایسے علّامۂ فہامہ ہیں کہ زمانہ، کم ہی ایسے لوگوں کے وجود سے سرفراز ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسے جلتے ہوئے چراغ اور ایسی روشنی بکھیرتے ہوئے شعلہ اور شعاعِ پُرنور ہیں جس کا اجالا، کم ہونے اور جس کی روشنی، بجھنے کا، کبھی، نام، نہیں لیتی۔ شیخ احمد رضا کا تبحرِ علمی، وُسعتِ مطالعہ اور مسلسل و صبر آزما دینی و علمی کدو کاوش کا نتیجہ ہے کہ پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں انھیں، کامل مہارت، حاصل تھی۔" [۱۰. مقدمۂ شاعِرٌ مِنَ الْهِنْد. تالیف الدکتور مجید السعید. بغداد. ۱٤۲٤ھ / ۲۰۰۳ء]

الدکتور عماد عبد السّلام [بغداد. العراق]

"شیخ احمد رضا کو بہت سے علوم و معارف، بالخصوص علومِ شرعیہ میں اِس حد تک، مہارت تھی کہ: تحقیق و دِقّتِ نظر کے اعتبار سے وہ، اکثر موضوعات میں مجتہدانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اور ان کی تحقیقات و افادات کو ایک مستقل فقہی مکتبِ فکر کہا جا سکتا ہے۔ جس کی ضرورت، ہر مسلمان کو ہے، چاہے، وہ، جس رنگ و نسل کا ہو۔ اور جہاں، کہیں، جس ماحول و زمانہ سے اس کا تعلق ہو۔ ان کی کاوشوں کو، ان کے نام کی طرف، نسبت کرتے ہوئے "اَلدِّرَاسَاتُ الرَّضْوِیَّۃ" [مطالعۂ رضویات] بھی کہا جانے لگا ہے۔ اور اس موضوعِ تحقیق و مطالعہ [رضویات] کو "اَلدِّرَاسَاتُ الْاِسْلَامِیَۃ" کے ضمن میں متعدد عرب جامعات، مثلاً: جامعہ ازہر، مصر وغیرہ میں ایک مقام بھی حاصل ہو گیا ہے۔

شیخ احمد رضا کو عربی زبان پر بھی قدرت تھی۔ نثر و نظم میں ایسی قدرت تھی کہ: انھوں نے، کافی کتابیں، عربی زبان میں تصنیف کیں۔ جو عرب حلقوں میں بھی پھیل چکی ہیں۔ اہلِ عرب میں، سید عالَم ﷺ کی تشریف آوری کی وجہ سے شیخ احمد رضا کو، عربوں سے بڑی محبت تھی۔ سرزمینِ عرب سے ہی پرچمِ اسلام، بلند ہوا اور شرق و غرب میں یہ پرچم لہرانے لگا۔ قرآنِ حکیم کی زبان بھی عربی ہے۔ ان وجوہ و اسباب نے، ان کے دل میں عرب اور عربی، سب کی محبت ڈال دی۔ ان کے فتاویٰ اور کتب و رسائل سے اہلِ عرب کے ساتھ، وابستگی اور عربیت کا رنگ ہر جگہ، نمایاں ہے۔ ان کی تحریروں اور عبارتوں کے مطالعہ سے قاری کو ایسا لگتا ہے کہ: وہ، خود عربی ہیں، جو اپنی قوم سے مخاطب ہیں۔ کوئی ہندوستانی، نہیں لگتا، جو سمندر پار سے اُن سے مخاطب ہے۔"

[ص ۲. ۳. اَللآلی الْمُنتشرۃ. اَلْجُزءُ الْاَوَّل. تَالِیف عِمادُ عبد السَّلام رَؤف. بغداد. ۱٤۲٤ھ / ۲۰۰۳ء]

اَلْاُسْتَاذ حازِم محمد احمد عبد الرَّحیم الْمَحفوظ [کُلِّیۃُ اللُّغَاتِ وَالتَّرجمۃ، جامعہ ازہر، قاہرہ]

شیخ امام، احمد رضا، حنفی، قادری، بریلوی، صحیح معنیٰ میں فقیہِ امام ہیں۔ اور علمِ اصولِ دین و علومِ شرعیہ کے عرفان و فیضان سے داعیِ حق و ہدایت ہیں۔ آپ کی ایک ہزار کتابیں ہیں، جن میں سے اکثر، فقہ و فتاویٰ پر مشتمل ہیں۔ آپ نے مسلمانانِ عالَم کو پوری استقامت کے ساتھ، صحیح و درست دینی شاہراہ پر چلانے کا فریضہ، انجام دیا۔ صحیح و غلط اور اَوامِر و نَواھی اور محرّمات و مکروہات کا فرق و امتیاز اور ان کی اصل حیثیت، واضح کی۔ آپ، ایسے امام ہیں، جنھوں نے، ہمیشہ، فتاویٰ اور اُمورِ شرعیہ کی خدمت، انجام دی۔... اور دینی و علمی مصلح کی حیثیت سے اپنی یہ ذمہ داری سمجھی کہ: اُمّتِ مسلمہ کی مسلسل رہنمائی کرتے رہیں، تاکہ وہ، تاریک رات کے مسافر کی طرح کسی گڈھے میں نہ گر سکے۔ [ص ۳۴۔ مقدمہ المَنْظومۃ السَّلامیۃ تالیف الدّکتور

حازِم محفوظ. الطَّبْعَۃُ الْأُولی. ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء]

امام احمد رضا کی زندگی سے آج تک، تسلسل و تواتر کے ساتھ عُلما ے عرب و عجم کا اعترافِ علم و فضل، کمالِ توجہ و عنایت اور بے پناہ جذبۂ عقیدت و احترام یہ چیزیں، ہمیں، یقین دلاتی ہیں کہ:

امام احمد رضا، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ [متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء] اپنے وقت کے جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبت محدِّث، عدیم النَّظیر عالم، کثیر المطالعہ محقق بلند پایہ مصنف، ژَرف نگاہ مفکر، دیدہ وَر قائد، پُر سوز مصلح، صف شکن مجاہد، قادر الکلام شاعر، شریعت و طریقت کے جامع، علومِ کتاب و سنَّت کے ناشر، تعلیمات و ہدایاتِ اسلامی کے داعی، پیغامِ عشقِ مصطفوی کے مبلغ، اور تحریکِ تحفظِ ناموسِ رسالت کے علمبردار ہی نہیں بلکہ بادۂ حُب نبوی کے ایسے سرشار ہیں کہ ان کے، ہر بنِ مُو سے یہ صدا آتی ہے:

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں؟

اور یہی، وہ سرمایۂ عشقِ رسول اور خاک روبیِ درِ رسول ہے جس نے، اُن کے وجود کے فیضان کو، مخزنِ برکات و منبعِ ہدایات اور ان کے قلب و نظر کی تجلیات کو، حریفِ مہر و ماہ بنا دیا ہے۔

رشکِ قمر ہوں، رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرّہ جو تیرا اے شہِ گردوں جناب ہوں
دل بستہ، بے قرار، جگر چاک، اشکبار
غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں، سحاب ہوں
قالب تہی کیے ہمہ آغوش ہے ہلال
اے شہسوارِ طیبہ! میں تیری رکاب ہوں
کیا کیا ہیں تجھ سے ناز، ترے قصر کو کہ مَیں
کعبہ کی جان، عرشِ بریں کا جواب ہوں
حسرت میں خاک بوسیِ طیبہ کی اے رضآ
ٹپکا جو چشم مہر سے، وہ خونِ ناب ہوں

❊❊❊❊❊

امام احمد رضا کی اخلاقی قدریں

علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی: بانی دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو یوپی

اسلام میں اخلاق کا باب بہت وسیع ہے اور اخلاق کی تعریفیں بھی اسی لیے مختلف انداز سے کی گئی ہیں، ذیل میں ان کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔ پھر یہ بات پیش کی جائے گی کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس سلسلے میں کیا آثار چھوڑے ہیں اور اپنی زندگی میں اس کا کیسا کچھ خیال رکھا ہے۔

اخلاق خلق کی جمع ہے اور خُلق اردو میں واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، اخلاق اچھی عادتیں، خندہ پیشانی، مروت، رواداری ملنساری کے معانی میں آتا ہے، اصلاً اس کا معنیٰ اچھے برے دونوں طرح کے ہوتے ہیں لیکن عام طور سے اس کا استعمال اچھے اعمال و خصائص کے لیے ہی ہوتا ہے، ہاں جب بد اخلاق، برے اخلاق وغیرہ بولیں گے تو بری خصلتیں مراد ہوں گی، مطلق کی مثال کان خلقه القران [حدیث] ہے۔ قرآن میں آیا ہے: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْم [القلم: ۶۸/۴] بے شک تمھاری خوبی بڑی شان کی ہے۔

اخلاق کا ایک وسیع اور جامع معنی ہر ایک کو اس کا حق دینا بھی ہے، خدا کے لیے جیسا عقیدہ رکھنا چاہیے ویسا رکھے، رسول کو جو مقام اللہ نے دیا ہے اپنی معلومات کی حد تک رسول کو ویسا ہی مانے، عالم دین کو اس کے مقام و مرتبے پر رکھے، عوام الناس سے بھی مدارات کا سلوک کرے، یوں ہی والدین، اساتذہ اور اکابر کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا اخلاق کہلائے گا، کسی کو معاف کر دینا، خود غلطی ہو جائے تو معافی اور توبہ پر عمل کرنا بھی اخلاق حسنہ ہی کے ضمن میں آئے گا، گویا حق والے کو اس کا حق دینا اخلاق حسنہ کے تحت آ جائے گا، "الدین النصح" کا معنی بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔

اب ذرا دیکھیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ، حسن اخلاق، مدارات، نیک سلوک، تواضع اور اخوت سے متعلق کیا کیا ارشادات سپرد قرطاس فرمائے ہیں اور اس میدان میں کیا کیا گل بوٹے سجائے ہیں۔

آپس میں سلام کرنے کی برکتیں:

- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس سے ملاقات ہو اور سلام کہا جائے تو یہ اس کے لیے [صدقہ یعنی] باعث ثواب ہے۔ [فتاویٰ رضویہ ۲۰۱/۴]

- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے میرے بیٹے جب تو اپنے اہل پر داخل ہو تو سلام کر، وہ برکت ہوگا تجھ پر اور تیرے اہل خانہ پر۔

- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم اپنے گھر میں جاؤ تو اہل خانہ پر سلام کرو کہ جب تم میں سے کوئی گھر میں جاتے وقت سلام کرتا ہے تو شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوتا۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۹، حصہ دوم، ص:۹۰]

اس سے معلوم ہوا کہ گھروں کو برکتوں کا خزینہ بنانا اور شیاطین کو بھگانا ہو تو گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کی عادت ڈال لینی چاہیے جب کہ آج اس سے بڑی غفلت برتی جارہی ہے اور ساتھ ہی بے برکتی اور آسیبی خلل کی شکایات بھی کی جاتی ہیں۔

سلام کرنے میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت منع ہے:

- عمرو بن شعیب اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیر سے مشابہت پیدا کرے۔ یہود و نصاری سے تشبہ [مشابہت اختیار] نہ کرو کہ یہود کا سلام انگلیوں کا اشارہ ہے اور نصاریٰ [عیسائیوں] کا سلام ہتھیلیوں سے۔[صفائح اللجین بکون التصافح بکفی الیدین ص:۴۸]

- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے عرض کی:

یا رسول اللہ! کوئی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لیے جھکے فرمایا نہ۔[ابر المقال فی قبلۃ الاجلال، ص:۱۹]

آج کل انگلیوں اور ہتھیلیوں سے سلام کرنے اور سلام کے وقت جھکنے کی بدعت بہت ہی عام ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ان طریقوں سے سلام کا حق ادا کر دیا، حالاں کہ یہ طریقے جائز نہیں۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

انگلی یا ہتھیلی سے سلام کرنا ممنوع ہے۔ اور فرماتے ہیں: بعض لوگ سلام کرتے وقت جھک بھی جاتے ہیں پر جھکنا اگر حد رکوع تک ہو تو حرام ہے اور اس سے کم ہو تو مکروہ ہے۔[بہار شریعت:۱۶/۴۶۴، دعوت اسلامی دہلی]

مسلمان کے دل میں خوشی پیدا کرنا صدقہ ہے:

مسلمانوں کی آپسی رنجش اور انھیں دکھ پہنچانا بہت عام ہو گیا ہے، اس سے متعلق اعلیٰ حضرت نے یہ ارشاداتِ حدیث نقل فرمائے ہیں، ملاحظہ ہو:

احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ بعد الفرائض ادخال السرور فی قلب المسلم.[فتاویٰ رضویہ:۴/۳۹۱]

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی کے بعد مسلمان کا دل خوش کرنا اللہ کے یہاں محبوب عمل ہے۔[جامع الاحادیث:۳/۶۹]

- ان من موجبات المغفرۃ ادخال السرور علی اخیک المسلم

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک مغفرت واجب کر دینے والی چیزوں میں سے تیرا اپنے بھائی مسلمان کا جی خوش کرنا ہے۔[رادالقحط و الوباء بدعوة الجیران و مواساة الفقراء، ص:۱۱]

اور فرمایا:

- تبسمك فی وجه اخیك صدقة

اپنے بھائی کے ساتھ کشادہ روئی [خندہ پیشانی] سے پیش آنا اور مسکرادینا صدقہ ہے[فتاویٰ رضویہ ۴/۲۰۱]

اور فرمایا:

- اسماع الاصم صدقة

کسی ناشنوا[بہرے]کو قریب ہو کر یا اشارے سے بات سنانا بھی صدقہ ہے۔ بروایت سہل بن سعید۔

اور فرمایا:

- الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه

ایک شخص آیا جس کی جماعت چھوٹ گئی تھی وہ نماز پڑھنے لگا تو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو اس شخص پر صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز پڑھے تاکہ اس کو جماعت کا ثواب مل جائے۔اس حدیث سے دوسری جماعت کی ترغیب بھی معلوم ہوتی ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بندۂ مومن اور اپنے بھائی مسلمان کو خوش کرنا، اس کی خوشی کا سامان فراہم کرنا آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محبوب ہے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ ان روایات کو بیان کرکے یہی بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان پر عمل کرنا چاہیے۔

مسلمانوں اور غریبوں کے ساتھ مدارات کی بڑی مثال وصیت نامے میں موجود ہے جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

حسن سلوک کے فوائد و برکات:

مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، حسن سلوک سے اپنا بھائی خوش بھی ہوجاتا ہے، اس کی ضرورت بھی پوری ہوتی ہے، اور حسن سلوک کرنے والے کو ڈھیروں ثواب ملتا ہے، اس سلسلے کی بھی دو روایتیں ملاحظہ کریں جن کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ”رادالقحط و الوباء“ میں نقل فرمایا ہے:

- ”صنائع المعروف تقی مصارع السوء والآفات و المهلكات وأهل المعروف فی الدنیا هم أهل المعروف فی الآخرة“

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نیک سلوک کے کام بری موتوں، آفتوں، ہلاکتوں سے بچاتے ہیں اور دنیا میں احسان والے یہی آخرت میں احسان والے ہوں گے۔

صنائع المعروف تقی مصارع السوء ،الصدقة خفیا تطفئ غضب الرب و صلة الرحم زیادة فی العمر، کل معروف صدقة واهل المعروف فی الدنیا هم اهل المعروف فی الآخرة واهل المنکر فی الدنیا هم اهل المنکر فی الآخرة وأول من یدخل الجنة اهل المعروف.

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- بھلائیوں کے کام بری آفتوں سے بچاتے ہیں۔
- اور پوشیدہ طور پر خیرات رب کا غضب بجھاتی ہے۔
- اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک عمر میں برکت ہے۔
- اور نیک سلوک صدقہ ہے۔
- اور دنیا میں احسان والے ہی آخرت میں احسان پائیں گے۔
- اور دنیا میں بدی والے عقبیٰ میں بدی دیکھیں گے۔
- اور سب سے پہلے جو بہشت میں جائیں گے وہ نیک سلوک والے ہوں گے۔[رادالقحط والوباء، ص:۱۱]

اخلاق سے پیش آنے کی تاکید:

لوگوں کے ساتھ اخلاق اور حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید کرتے ہوئے آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

یا ابا ذر اتق اللہ حیث کنت واتبع السیئة الحسنة تمحها وخالق الناس بخلق حسنٍ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے ابوذر جہاں بھی رہو، اللہ سے ڈرو، کسی گناہ کے بعد نیکی ضرور کرو کہ یہ اس کو مٹادے گی، اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

دوسری روایت حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خالطوا الناس باخلاقهم

لوگوں کے ساتھ ان کی عادتوں سے میل کرو۔

ان حدیثوں کی نقل کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

لہٰذا ائمۂ دین نے ارشاد فرمایا:

لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک اس سے صریح نہی [ممانعت] ثابت نہ ہو ہرگز اس میں [ان کے] خلاف نہ کیا جائے بلکہ انہی کی عادت و اخلاق کے ساتھ ان سے برتاؤ چاہیے۔ شریعت مطہرہ بھی مسلمانوں میں میل پسند فرماتی ہے، اور ان کو بھڑکانا، نفرت دلانا، اپنا مخالف بنانا، ناجائز رکھتی ہے۔ بے ضرورت تامہ لوگوں کی راہ سے الگ چلنا سخت احمق جاہل کا کام ہے۔

امام حجۃ الاسلام احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

ان امور میں [جو رائج ہیں] لوگوں سے موافقت، صحبت و معاشرت کی خوبی سے ہے۔ اس لیے کہ مخالفت وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے۔ اور بالضرور لوگوں سے ان کی عادت کا برتاؤ کرنا چاہیے، جیساکہ حدیث میں وارد ہوا، اور خصوصًا وہ عادتیں جن میں اچھا برتاؤ، نیک سلوک اور موافقت کرکے دل خوش کرنا ہو۔ ایسے ہی مساعدت [موافقت] کی ساری قسمیں جب کہ ان سے دل خوش کرنا منظور ہو اور کچھ لوگوں نے وہ روش قرار دے لی ہو تو ان کے موافق ہو کر ان پر عمل کرنا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا، بلکہ موافقت کرنا ہی بہتر ہے۔ مگر جس امر میں کہ شرع سے ایسی نہی [مخالفت] دی ہو جو قابل تاویل نہیں۔ [تو ان میں موافقت جائز نہیں]

بے شک مقصود شرع کے یہ ہی موافق ہے، مگر جن لوگوں کو مقاصدِ شریعت سے کچھ غرض نہیں، اپنی ہوائے نفس کے تابع ہیں، وہ جو خواہی نخواہی ذرا ذرا سی بات میں مسلمانوں سے الجھتے ہیں اور ان کی عادات و افعال کو جن پر شرع سے اصلاً ممانعت ثابت نہیں کرسکتے ممنوع و ناجائز قرار دیتے ہیں۔ حاشا [ہرگز نہیں] کہ ان کی غرض حمایت شرع ہو، حمایت شرع چاہتے تو جن امور کی تحریم و ممانعت میں کوئی آیت و حدیث نہ آئی خواہ مخواہ بزور زبانی انھیں گناہ و مذموم ٹھہرا کر شرع مطہر پر افترا کیوں کرتے۔ [صفائح اللجین، ص:۵۳]

اعلیٰ حضرت قدس سرہ مذکورہ بالا ارشادات میں کس قدر مدارات اور حسن سلوک کی تاکید کرتے ہیں، یہ ہمارے لیے بہترین نمونہ اور بڑی ہدایت کی بات ہے۔ جو لوگ مختلف مباحث کو بنیاد بنا کر آپس میں مخاصمت کو فروغ دیتے ہیں، ضرور سبق لیں اور اپنی ان روشوں سے باز آئیں غیروں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے اخلاقی مظاہر:

مذکورہ بالا عبارات میں اخلاق حسنہ اور حسن سلوک کی احادیث کی روشنی میں تاکیدیں ملاحظہ کرچکے، اب یہ دیکھیں کہ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی اپنی زندگی میں اس کے کیا کیا نمونے پائے جاتے ہیں۔

تعظیم اکابر:

کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت خود ایک بہت بڑے عالم تھے تو اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، ایسا ہرگز نہیں، اپنے زمانے کے اکابر اور معاصرین علما کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، سیف اللہ المسلول حضرت علامہ مولانا فضل رسول بدایونی کی شان میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دو قصیدے عربی میں لکھے جو "قصیدتان رائعتان" کے نام سے

عربی میں قلمی نسخے کا عکس لے کر المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع ہو چکے ہیں، ان کا ترجمہ کر کے مولانا اسید الحق صاحب علیہ الرحمہ نے بدایوں سے بھی شائع کر دیا ہے۔ آپ ہی کے صاحب زادے حضرت علامہ تاج الفحول عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ کی مدح میں قصیدہ "چراغ انس" تصنیف فرمایا اور اس میں حضرت تاج الفحول کی خوب مدح فرمائی، بلکہ تاج الفحول لقب بھی اعلیٰ حضرت کا ہی دیا ہوا ہے۔

حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری [تلمیذ و خلیفہ اعلیٰ حضرت] فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت جس طرح اشداء علی الکفار [کافروں پر سخت ہیں] کے مصداق تھے، اسی طرح رُحماء بینھم [آپس میں رحم دل ہیں] کی بھی زندہ تصویر تھے، علمائے اہل سنت کی عزت و قدر ایسی کرتے کہ باید و شاید۔ خصوصاً حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی قدس سرہ العزیز کی بہت ہی عزت کرتے تھے۔ قصیدہ آمال الابرار میں علمائے اہل سنت کی تعریف میں فرمایا ہے:

"اذا حلوا تمصرت الابادی　　　اذا راحوا فصار المصر بیدا"

یہ علمائے کرام ایسے ہیں کہ جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم سے وہ پر رونق شہر ہو جاتا ہے، اور جب وہ کسی شہر سے روانہ ہوتے ہیں تو وہ شہر ویران ہو جاتا ہے۔

جس زمانے میں، میں محض برکت کے لیے یہ قصیدہ اعلیٰ حضرت سے پڑھا کرتا تھا، جب اس شعر پر پہنچا میں نے کہا یہ تو مبالغۂ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: نہیں، بلکہ بالکل واقعہ ہے۔ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شان تھی کہ جب تشریف لایا کرتے تو شہر کی حالت بدل جایا کرتی، عجیب رونق چہل پہل ہو جاتی اور جب تشریف لے جاتے تو باوجودے کہ سب لوگ موجود رہتے، مگر ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔ اس عزت و توقیر کے باوجود بعض بعض مسئلوں میں کچھ اختلاف بھی تھا، اور بعض اختلافی مسائل میں گفتگو ہو کر پھر اتفاق بھی ہو جاتا تھا۔ [حیات اعلیٰ حضرت اول، ص: ۱۴۷، ممبئی]

احترام سادات اور امر بالمعروف کا انوکھا واقعہ:

ملک العلماء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مولوی محمد ابراہیم صاحب فریدی صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم بدایوں کا بیان ہے کہ حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ جب میں بریلی آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے۔ حسب دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا: حضرت صاحب زادہ! انگوٹھی اور چھلے مجھے دے دیجیے، تو میں نے اتار کر دے دیا، اور وہاں سے بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے مارہرہ واپس آیا تو میری بیٹی فاطمہ نے کہا: ابا! بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا ہے، جس میں چھلے اور انگوٹھی تھے [یہ دونوں طلائی یعنی سونے کے تھے] اور والا نامہ میں مذکور تھا شاہ زادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیا آپ کی ہیں۔

یہ تھا اعلیٰ حضرت کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ساتھ ساتھ اکابر و مشائخ کی تعظیم و توقیر۔ [حیات اعلیٰ حضرت، حصہ

اول، ص:۱۴۹، رضا اکیڈمی]

اس ارشاد میں کہ ”شاہ زادی صاحبہ یہ دونوں طلائی [سونے کی] اشیا آپ کی ہیں“ کس قدر ادب اور تعظیم کا پہلو پوشیدہ ہے کہ یہ نہیں لکھا کہ یہ میں آپ کے لیے اپنی طرف سے بھیج رہا ہوں، یہ لکھا کہ یہ دونوں آپ کی ہیں، حالاں کہ وصول کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت اس کے مالک ہو چکے تھے،، مذکورہ جملے لکھتے تب بھی حرج نہ تھا، مگر غایت ادب کا لحاظ فرمایا کہ طبع نازک پر کچھ گراں نہ گزرے اور اپنی طرف ہدیہ لے کر کچھ اظہار احسان نہ ہو جائے، اس طرح گھر کی چیز گھر میں رہی، مسئلہ شرعیہ کی تعلیم بھی ہوگئی، اور نذر بھی گزار دی گئی۔ ساتھ ہی احترام سادات بھی ملحوظ رہا۔

اسلامی رواداری کی ایک شاندار مثال:

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ جناب سید ایوب علی کی زبانی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں:

ایک صاحب جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ [یعنی تعلقات گہرے تھے] ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت ان کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ان کے محلے کا ایک بیچارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چار پائی پر جو صحن کے کنارے پڑی تھی، جھکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑوے تیور سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ [کہ کیوں چار پائی پر بیٹھ گیا] یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا۔ اعلیٰ حضرت کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی، مگر کچھ فرمایا نہیں، [کہ دوسرے کا گھر تھا] کچھ دنوں کے بعد وہ اعلیٰ حضرت کے یہاں آئے، اعلیٰ حضرت نے اپنی چار پائی پر جگہ دی، وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم بخش حجام اعلیٰ حضرت کا خط بنانے کے لیے آئے، وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا بھائی کریم بخش کیوں کھڑے ہو؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان صاحب کے برابر [چار پائی پر] بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، وہ بیٹھ گئے۔ پھر ان صاحب کے غصے کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے، اور [مارے غصے کے] فوراً اٹھ کر چلے گئے پھر کبھی نہ آئے، خلاف معمول جب عرصہ گزر گیا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا: میں ایسے متکبر مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔ [حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص:۱۵۳]

یہ تھا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا کردار جہاں ایک مومن حجام کی عزت تھی، لیکن مغرور اور متکبر کو خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا، اس سے وہ لوگ بھی سبق لیں جو اعلیٰ حضرت پر اس بات کا الزام لگاتے ہیں کہ ان کے یہاں کم درجہ لوگوں کی عزت نہیں کی جاتی تھی، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے یہاں عزت و عظمت کا معیار ایمان و تقویٰ تھا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ”ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم“ اللہ کے نزدیک وہی زیادہ عزت والا ہے جو تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے۔ اور قرآن پاک میں یہ بھی آیا ہے ”ان اللہ لا یحب المستکبرین“ اللہ تکبر والوں کو پسند نہیں فرماتا، جو لوگ اللہ کو پسند نہیں وہ اعلیٰ حضرت کو کیوں پسند ہو۔

اصاغر کے ساتھ نوازش کے واقعات حیات اعلیٰ حضرت میں کئی ایک ہیں، انھیں نقل کرنا اس لیے چھوڑ دیا کہ مضمون

طویل ہو جائے گا، ان واقعات میں خدام کے ساتھ خوش خلقی، انھیں اپنے بیٹوں جیسا قرار دینا، طلبۂ مدارس کی خاطر مدارات، خوشی کے موقع پر ان سے پوچھ کر کھانے بنوانا، بنگال کے طلبہ کے لیے ان کے موافق مچھلی، بہار کے طلبہ کے لیے بریانی و زردہ وغیرہ، پنجابی طلبہ کے لیے ان کے موافق کھانے تیار کرانا، ان کی ضیافت کرنا وغیرہ واقعات اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خوش خلقی، حسن سلوک اور خاطر مدارات کی وہ مثالیں ہیں جو ہمارے لیے لائق تقلید اور درس عبرت و نصیحت ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے صرف فتاوے اور احکام شرع جاری نہیں کیے بلکہ ان پر حتی الوسع عمل بھی کرتے رہے جو مفتی حضرات کے لیے بھی قابل عمل اور پیروی کے لائق ہے۔

امام اہل سنت کے اخلاق کریمانہ کی جھلکیاں:

ملک العلماء حضرت علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت کے شاگرد بھی تھے اور مرید و خلیفہ بھی، اعلیٰ حضرت کے شب روز ان کے سامنے تھے، انھوں نے سرکار اعلیٰ حضرت کے اخلاق کریمانہ کی جو جھلکیاں پیش کی ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں، ان کا اختصار کرنا چاہتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

میں نے علمائے کرام و مشائخ عظام کی جہاں تک زیارت کی اور معززین دنیاداروں کو دیکھا اکثر ایسا ہی پایا کہ ان کی تعریف کیجیے تو بہت خوش، اور جہاں کسی بات پر اعتراض کیا اس درجہ خفا ہوئے کہ ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ ان میں سب سے اول نمبر پر جسے مستثنیٰ دیکھا وہ ذات گرامی صفات اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی تھی اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لیے تھے، نہ کسی کی تعریف سے مطلب نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا۔ حدیث شریف: من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان کے مصداق تھے۔ آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لیے، مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لیے، کسی کو جو کچھ دیتے تو اللہ ہی کے لیے، اور کسی کو منع کرتے تو اللہ ہی کے لیے۔ جیسا خود ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جز من و چند کتابے و دواتے و قلمے

مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت کا صیغۂ معمول تھا کہ تصنیف و تالیف، کتب بینی، اوراد و اشغال کے خیال سے خلوت میں تشریف رکھتے۔ پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں تشریف لاتے اور ہمیشہ نماز با جماعت ادا فرمایا کرتے، اکثر مکان ہی سے وضو کر کے تشریف لاتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مسجد میں آکر مٹی کے لوٹے سے، اتر کی طرف فصیل پر بیٹھ کر وضو فرماتے، مسجد کے لوٹے عموماً متوسط درجہ کے ہوا کرتے ہیں اور اعلیٰ حضرت وضو اور غسل میں بہت احتیاط فرمایا کرتے۔ خاص طور پر خیال کر کے ایک ایک عضو کو تر کیا کرتے، اور وہ بھی اس طرح کہ ہر جگہ سے سیلان آب ہو جائے [یعنی پانی بہ جائے] اس لیے عموماً دو لوٹا پانی

رکھا جاتا[اور جب مسجد کے قریب وضو فرماتے تو] سنت ونوافل قبلیہ مسجد ہی میں پڑھتے۔ وقت جماعت ہوجانے پر فرض نماز باجماعت پڑھنے کے بعد سنت بعدیہ مسجد ہی میں ادا کر کے مکان تشریف لے جایا کرتے۔ سوائے عصر کے، اس لیے کہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں تشریف لاتے اور چار پائی پر تشریف رکھتے، چاروں طرف کرسیاں رکھ دی جاتیں، زائرین آتے اور کرسیوں پر بیٹھتے، زائرین حاجتیں پیش کرتے ان کی حاجتیں پوری کی جاتیں، حقہ پانی سے ہر ایک کی تواضع کی جاتی [کہ اس زمانے کا رواج تھا] اعلیٰ حضرت زردہ نہیں استعمال فرماتے، اسی لیے پان کی تھالی میں زردہ نہیں رکھا جاتا۔

حقہ عام طور سے لوگ اعلیٰ حضرت کا پاس ادب کرتے ہوئے سامنے نہیں پیا کرتے، البتہ بعض بوڑھے یا سادات کرام، حضرت کے سامنے بھی حقہ نوش کرتے، ان کے سامنے حقہ پیش کر دیا جاتا۔ [حیات اعلیٰ حضرت، اول، ص:۱۶۲، رضا اکیڈمی]

اعلیٰ حضرت کی غربا نوازی:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سنتوں کے پیکر تھے، سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں غربا نوازی، حاجت مندوں کی حاجت برآری کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غربا و مساکین کے زمرے میں حشر ہو اس کی دعا بھی فرمائی ہے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی زندگی غربا پروری کے واقعات سے بھری ہے، ذیل میں ایسے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ سید ایوب علی صاحب کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

ایک غریب بیوا کی دعوت قبول کرنا:

ایک کم سن صاحب زادے نہایت ہی بے تکلفانہ انداز میں سادگی کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: میری بوا [یعنی والدہ] نے تمھاری دعوت کی ہے، کل صبح کو بلایا ہے، حضرت نے ان سے دریافت فرمایا: مجھے دعوت میں کیا کھلایئے گا؟ اس پر ان صاحب زادے نے اپنے کرتے کا دامن جو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھے، پھیلا دیا جس میں ماش کی دال اور دو چار مرچیں پڑی ہوئی تھیں۔ کہنے لگے دیکھیے نا! یہ دال لایا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: اچھا۔ میں اور یہ [حاجی کفایت اللہ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے] کل دس بجے دن آئیں گے اور حاجی صاحب سے فرمایا: مکان کا پتہ دریافت کر لیجیے، غرض صاحب زادے مکان کا پتہ بتا کر خوش خوش چلے گئے۔ یہ ہے حدیث شریف: لو دعيت الى كراع لاجبته کی تعمیل۔

دوسرے دن وقت متعیّن پر اعلیٰ حضرت عصائے مبارک ہاتھ میں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور حاجی صاحب سے فرمایا: چلیے! انہوں نے عرض کیا کہاں؟ فرمایا: ان صاحب زادے کے یہاں دعوت کا وعدہ جو کیا ہے۔ آپ کو مکان کا پتہ معلوم ہو گیا ہے یا نہیں؟ عرض کیا، ہاں حضور! ملوک پور میں ہے اور ساتھ ہو لیے۔ جس وقت مکان پر پہنچے تو وہ صاحب زادے دروازے پر کھڑے انتظار میں تھے، حضور کو دیکھتے ہی یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ ارے لو مولوی صاحب آ گئے اور مکان کے اندر چلے گئے

،دروازے میں ایک چھپر پڑا تھا وہاں کھڑے ہوکر اعلیٰ حضرت انتظار فرمانے لگے ،کچھ دیر بعد ایک بوسیدہ چٹائی آئی اور ڈھلیاں میں موٹی موٹی باجرہ کی روٹیاں اور مٹی کے رکاب میں وہی ماش کی دال جس میں مرچوں کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے ،لاکر رکھ دی اور کہنے لگے لو کھاؤ! اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اچھا کھاتا ہوں، ہاتھ دھونے کے لیے پانی لے آئیے ،ادھر وہ صاحب زادے پانی لانے کو گئے ادھر حاجی صاحب نے کہاں کہ حضور یہ مکان نقارچی کا ہے۔اعلیٰ حضرت یہ سن کر کبیدہ ہوئے اور طنزًفرمایا: ابھی کیوں کہا؟ کھانا کھانے کے بعد کہا ہوتا، اتنے میں وہ صاحب زادے پانی لے کر آگئے ،اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا: آپ کے والد صاحب کہاں ہیں ؟ اور کیا کام کرتے ہیں ؟ دروازے کے پردے سے ان صاحب زادے کی والدہ صاحبہ نے عرض کیا حضور میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، وہ کسی زمانے میں نوبت بجاتے تھے۔اس کے بعد توبہ کرلی تھی، اب صرف یہ لڑکا ہے جو راج مزدوروں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔اعلیٰ حضرت نے الحمد للہ کہا اور دعاے خیر وبرکت فرمائی، حاجی صاحب نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ دھلوائے اور خود ہاتھ دھوکر شریک طعام ہوگئے ، مگر دل ہی دل میں حاجی صاحب کے یہ خیال گشت کررہا تھا کہ حضور کو کھانے میں بہت احتیاط ہے، غذا میں سوجی کے بسکٹ کا استعمال ہے، یہ روٹی اور وہ بھی باجرے کی اور اس پر ماش کی دال کس طرح تناول فرمائیں گے ؟ مگر قربان اس اخلاق اور دلداری کے کہ میزبان کی خوشی کے لیے خوب سیر ہوکر کھایا۔حاجی صاحب فرماتے تھے کہ میں جب تک کھاتا رہا اعلیٰ حضرت بھی برابر تناول فرماتے رہے ،وہاں سے واپسی میں پولس کی چوکی کے قریب حاجی صاحب کے شبہے کو رفع فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا: اگر ایسی خلوص کی دعوت روز ہو تو میں روز قبول کروں۔[حیات اعلیٰ حضرت، اول، ص:۱۶۶]

اس واقعے میں اخلاق وکردار کے کتنے حسین پہلو پنہاں ہیں ملاحظہ کریں۔

- دعوت قبول کرنے کی سنت پر عمل کرنا جب کہ داعی نہایت غریب تھا۔
- ایک غریب بچے کی دعوت کو بھی قابل اعتنا سمجھنا۔
- وہ کھانا شوق سے تناول فرمانا جو اپنے معمول کے خلاف تھا۔
- ساتھ حاجی صاحب کو لے جانا تھا اس کا بھی پیشگی ذکر کرکے منظوری حاصل کرلینا تاکہ میزبان پر دوسرا آدمی گراں نہ ہو۔
- وقت پر پہنچنا۔
- وعدے کا پاس ولحاظ کرنا۔
- بچے نے بے تکلفانہ انداز اختیار کیا پھر بھی برا نہ ماننا۔
- نقارچی کے کھانے کا شبہہ پڑ گیا تو بطریق احسن اس کی تحقیق کرنا۔
- حاجی صاحب جو ساتھ میں تھے ان کا لحاظ کرنا کہ جب تک وہ کھاتے رہے ساتھ اعلیٰ حضرت بھی کھاتے رہے ورنہ اعلیٰ حضرت پہلے ہاتھ کھینچ لیتے اور حاجی صاحب کو کھانے میں تکلف ہوتا اور شاید وہ خواہش کے مطابق کھانا تناول نہ کرپاتے۔
- ایسی غریب پروری کہ فرمایا: اگر ایسی خلوص کی دعوت روز ہو تو میں روز قبول کروں۔اس میں بھی احتیاط یہ کہ میزبان کے سامنے نہیں فرمایا کہ بناوٹ یا دکھاوے کی بولی پر اسے محمول کیا جاتا بلکہ یہ اعلیٰ حضرت کی مخلصانہ آواز تھی جو حاجی صاحب

کے سامنے کھول کر رکھ دی۔

- ایک بار بھی کسی بات پر ناراضگی [ناراضی] کا اظہار نہ کرنا۔

اللہ اللہ! یہ تھا اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ کا حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار جس کی مثال شاید ہی ملے۔

ایک اور غریب کی دعوت کا واقعہ:

اس مذکورہ واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے اپنے سامنے کا ایک واقعہ بیان فرمایا: جو اس طرح ہے:

فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ المولیٰ القوی کہتا ہے کہ میرے قیام بریلی شریف کے زمانے میں بھی ایک واقعہ اسی قسم کا پیش آیا۔ محلہ بانس منڈی کے قریب ایک صاحب اعلیٰ حضرت کو دعوت دے کر چلے گئے، دوسرے دن گاڑی آئی اعلیٰ حضرت نے مجھ سے فرمایا: مولانا آپ بھی چلیں، گرمی کا زمانہ تھا اور بعد مغرب کا وقت، مکان پر گاڑی پہنچی تو میزبان صاحب منتظر تھے، باہر بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی اندر مکان کے تشریف لے گئے، آنگن میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی اور اس پر دری تھی، چلتے وقت میں نے خیال کیا تھا کہ پلاؤ ضرور ہوگا، اب جو دیکھتا ہوں کہ ہاتھ دھلانے کے بعد ایک ڈھلیا میں چند روٹیاں رکھی ہوئی ہیں اور قیمہ غالباً گائے کے گوشت کا تھا، یہ دیکھ کر مجھے الجھن ہوئی، نگاہ اوپر اٹھائی تو سامنے خس پوش مکان نظر پڑا، سمجھا کہ آدمی غریب ہے اس لیے اس سے جو ہو سکا حاضر کیا، لیکن ساتھ ساتھ خیال ہو رہا تھا کہ اعلیٰ حضرت تو گائے کا گوشت تناول نہیں فرماتے، اگر شوربہ دار ہوتا تو شوربے ہی پر اکتفا فرماتے، میں اسی خیال میں تھا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: حدیث شریف میں ہے کہ بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمه شئی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم پڑھ کر مسلمان جو کچھ کھالے ہرگز ضرر نہ دے گا۔ میں سمجھ گیا کہ میرے شبہے کا جواب ہے، میزبان صاحب میرے ملاقاتی تھے، جب کھانے کے بعد ہاتھ دھونے لگا تو ان سے کہا کہ اس غربت کی حالت میں آپ کو اعلیٰ حضرت کے دعوت کی ضرورت ہی کیا تھی، بولے کہ غربت ہی کی وجہ سے تو اعلیٰ حضرت کی دعوت کی تاکہ اعلیٰ حضرت کا قدم مبارک میرے یہاں پہنچے، نان، نمک جو کچھ ہو سکے حاضر خدمت کروں، حضور کھانے کے بعد دعا فرمائیں تو گھر کا دِلدّر دور ہو اور خوش حالی آئے اور برکات دین ودنیا حاصل ہوں۔ [حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۱۶۸، ۱۶۷]

اس واقعے سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت اگرچہ سخت احتیاط فرماتے تھے، مگر میزبان کو اشارہ بھی نہیں کرتے تھے کہ میں کیا کھاؤں گا کیا نہیں کھاؤں گا۔ آج کل محتاط لوگ یا تو دعوت ہی منظور نہ کریں گے یا جائیں گے تو دنیا بھر کی فرمائشات پیش کرکے، مگر سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے غریب کی غربت کا پورا پورا لحاظ فرمایا۔ ساتھ ہی دوسری بات یہ بھی ثابت ہوئی اعلیٰ حضرت کو سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثوں پر کس درجہ اعتماد تھا کہ کھانا کیسا ہی طبیعت کے خلاف ہو اگر یہ دعا پڑھ لی جائے گی ضرر سے محفوظ رہیں گے، تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ بریلی شریف میں عقیدت مند لوگ اعلیٰ حضرت کی دعاے خیر وبرکت حاصل کرنے کے لیے دعوتیں کیا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کیسا ہی غریب اور مفلوک الحال ہو اس کی دعوت

بلا تکلف قبول فرمالیا کرتے تھے، بلکہ خوش حال میزبان ہوتا تب بھی دعوت میں فرمائش نہیں کرتے، جو ملتا تناول فرماتے اگرچہ اس کھانے کی وجہ سے بعض اوقات تکالیف میں مبتلا ہو جاتے، اس سلسلے کے اور بھی واقعات حیات اعلیٰ حضرت میں مرقوم ہیں۔

کرم گستری اور سخاوت:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ صرف یہی نہیں کہ بہت بڑے عالم اور بے بدل فقیہ تھے، بلکہ آداب زندگی کی تمام جہتوں سے بھرے پڑے تھے، اخلاق کی بلندی، کرم گستری اور سخاوت کے آپ پیکر تھے، کوئی حاجت مند متعارف ہو چاہے غیر متعارف، ہر ایک کی حاجت برآری آپ کا شیوہ تھا، اس سلسلے کے بھی چند واقعات بطور شہادت پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ جناب ذکاء اللہ خاں صاحب کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ ---- سردی کا موسم تھا، بعد مغرب اعلیٰ حضرت حسب معمول پھاٹک میں تشریف لائے کہ لوگوں کو رخصت کریں، خادم کو دیکھ کر فرمایا: آپ کے پاس رزائی نہیں ہے؟ خادم خاموش ہو گیا، اس وقت جو رزائی اعلیٰ حضرت اوڑھے ہوئے تھے خادم کو اتار کر دے دی اور فرمایا اوڑھ لیجیے، خادم نے بصد ادب قدم بوسی کی اور حضرت کے فرمان کے مطابق رزائی اوڑھ لی۔

انھیں ذکاء اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جب رزائی مجھے عنایت فرمائی اس کے دو تین دن کے بعد حضرت کی دوسری رزائی تیار ہو کر آگئی، نئی رزائی اوڑھے ہوئے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ مسجد میں ایک مسافر صاحب رات کے وقت آئے اور اعلیٰ حضرت سے عرض کیا میرے پاس کچھ اوڑھنے کو نہیں ہے، اعلیٰ حضرت وہی نئی رزائی اس مسافر صاحب کو دے دی۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ میرے والد علیل تھے، عسرت [تنگی] کی حالت تھی، حضور کو معلوم ہوا تو دس روپے مجھے عطا کیے اور میری طبیعت [استغنا] کا اندازہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میں آپ کو نہیں دیتا ہوں، بلکہ اپنے دوست کی دوا کے لیے دے رہا ہوں۔

انھیں سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ موسم برسات میں بعض اوقات مسجد کی حاضری بحالت ترشح ہوا کرتی [یعنی بوندیاں پڑتی رہتیں] جناب حاجی کفایت اللہ صاحب نے ایک چھتری خرید کر نذر کی اور اپنے ہی پاس رکھی کہ جب اعلیٰ حضرت کا شانۂ اقدس سے باہر تشریف لائیں گے تو حاجی صاحب چھتری لگا کر مسجد تک لے جائیں گے ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک حاجت مند نے چھتری کا سوال کیا، اعلیٰ حضرت نے فوراً وہ چھتری حاجی صاحب سے اسے دلوادی۔

انھیں کا بیان ہے کہ موسم سرما میں ایک مرتبہ جناب ننھے میاں صاحب [مولانا محمد رضا برادر خرد اعلیٰ حضرت نے] حضور کے واسطے خاص طور پر ایک فرد تیار کرا کر پیش کی۔ حضور اعلیٰ حضرت کی عادت کریمہ تھی کہ ہر سال فردیں تیار کرا کے غربا میں تقسیم کراتے تھے اس کی سب فردیں تقسیم ہو چکی تھیں کہ ایک صاحب نے درخواست کی حضور نے بلا تاخیر اپنی وہ فرد جو ننھے میاں تیار کرا کے حضرت کی خدمت میں پیش کی تھی اور اسی وقت اس کو اوڑھا تھا، فوراً اتار کر سائل کو دے دی۔

***

امام احمد رضا خلق جمیل کا مہر درخشاں

مولانا مبارک حسین مصباحی: چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

عالم تصور میں جب بریلی کے تاجدار امام احمد رضا کا خاکہ ابھرتا ہے تو دل و دماغ عشق رسول کی خوشبو سے مہک اٹھتے ہیں اور ہر طرف علم وفن کی قندیلیں جگمگا اٹھتی ہیں۔ ایک سو سے زیادہ علوم وفنون پر قریب ایک ہزار کتابیں لکھنا کسی فرد واحد کا کام نہیں۔ ان کی ذات فرد واحد میں انجمن در انجمن تھی۔ ان کی زندگی کے جس رخ کو نگاہ اٹھا کر دیکھیے وہ علم وفضل اور کردار و اخلاق کے بلند قامت مرد کامل نظر آتے ہیں۔ ان کے علم وحکمت کی سرپٹکتی موجوں سے ہزاروں نہریں نکلیں، جن کی علمی آب کاریوں سے عرب وعجم شاداب وسرشار ہوگئے، وہ سراپا جمال اور ان کا ہر کردار پیکر اخلاق تھا، ان کی محفلیں علم وعشق سے لبریز رہتی تھیں۔ ان کی حیات کا ہر گوشہ اخلاق نبوی علیہ الصلوۃ والتسلیم کا پرتو جمال تھا۔

جو ان سے ایک بار ملاقات کر لیتا بار بار ملاقات کا شوق فراواں لے کر اٹھتا، وہ گالیوں کا جواب بھی مسکراہٹوں کے پھولوں سے دینے کا ہنر جانتے تھے، غیروں نے ان کا تعارف شدت پسند کی حیثیت سے کرایا، مگر یہ ان کی نظر کا فرق تھا۔ غیروں نے جس وصف کو تشدد سے تعبیر کیا، وہ ان کا تصلب فی الدین تھا۔ دشمنان رسول کے خلاف شدت برتنا ایمان کا تقاضا بھی تھا اور اخلاق کا داعیہ بھی۔ ان کی اقلیم حیات میں منافقت اور مداہنت کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔

امام احمد رضا اپنے آقا مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلام اور پکے وفادار تھے۔ انہوں نے اپنے آقا کی سنتوں سے کبھی سر موانحراف نہیں کیا۔ وہ کاروبار حیات سے لے کر محراب و منبر تک شریعت وطریقت کے پابند رہتے تھے۔ جس کی آنکھوں میں اخلاق نبوی کی تصویریں تیرتی ہوں وہ کبھی ترش رو نہیں ہو سکتا، جو نبی رحمت کی اداؤں کا داعی ہو، کبھی شدت پسند نہیں ہوسکتا، وہ سراپا انسانیت تھے، حقوق انسانی کی ادائیگی ان کا طرۂ امتیاز تھا، تواضع وانکساری ان کا وصف جمیل تھا، ان کی دل آویز زندگی کا مطالعہ کیجیے، محبت ہی محبت نظر آئے گی۔ دراصل عام طور پر ان کی علمی خدمات پر لکھا گیا، ان کے رد بدعات و منکرات کو موضوعِ سخن بنایا گیا، گستاخان رسول کے خلاف ان کی تنقیدات وتعقبات کو عنوان قلم بنایا گیا، اس لیے ان کی نرم خوئی اور منکسر المزاجی پردۂ خفا میں چلی گئی، غیروں کو بھی انہیں شدت پسند کی حیثیت سے بدنام کرنے کا خوب موقع ملا، جس کے نتیجے میں ان کی فکر وشخصیت شدت پسندی کی علامت بن کر رہ گئی، حالاں کہ یہ ایک عظیم جمالیاتی فکر کی حامل بلند اخلاق شخصیت

کے ساتھ ناانصافی ہے۔

یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ ہر بلند شخصیت کے مختلف جہات ہوتے ہیں اور یہ ہوتا رہا ہے کہ بعض حالات کے تقاضے شخصیت کے بعض اہم پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ امام احمد رضا کے دور سے لے کر آج تک دشمنان رسول کا رد بڑا احساس موضوع رہا ہے۔ امام احمد رضا کے فکر و قلم نے اس رخ پر بڑا اہم اور کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے ان کا قلم ہمیشہ بیدار اور برق بار رہا ہے۔ اس لیے اس میدان میں ان کی سخت گیری تو خوب مشتہر ہوئی، مگر ان کی حیات کے انسانیت نواز اور اخلاقی پہلو پس دیوار چلے گئے۔ اخلاص و للّٰہیت، اخلاق و تقویٰ، ایثار و وفا، خدمت خلق، حسن سلوک، غریبوں کی غمگساری، اعزہ واقارب کی صلہ رحمی، مریضوں کی عیادت، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت، احباب و تلامذہ پر بارش کرم، سائلوں پر جود و سخا جیسے اوصاف و کمالات ان کی دلکش حیات کے درخشاں پہلو ہیں۔ اخلاقیات کے ان دل آویز گوشوں پر آپ نے زندگی بھر لکھا بھی اور اپنی زندگی میں ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اخلاقیات کے ہر پہلو کی تکمیل کے لیے ایک جامع دستور العمل ہے۔ ایک بندہ مومن کو پیکر اخلاق ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کی زندگی عشق رسول کے سوِزدروں سے لبریز اور اتباع رسول سے عبارت ہو اور سچی بات یہ ہے کہ کامل اطاعت گہری محبت ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ محبت کے بغیر اطاعت بے کیف اور بے رنگ نظر آتی ہے۔

ذاتی اوصاف و خصائل پر ایک نظر:

امام احمد رضا قدس سرہ کی نشست و برخاست اور رفتار و گفتار سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور تواضع و انکساری ان کے ایک ایک عمل میں نمایاں تھی۔ ان کی عادات و خصائل پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ ان کے مزاج میں شدت رہی ہوگی۔ بقول سید ایوب علی: ”اکثر اوقات ایسا ہوا کہ میں اور برادرم قناعت علی پھاٹک سہ دری کے اندر کام کر رہے ہیں اور اعلیٰ حضرت کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور پورا صحن بیرونی نشست گاہ طے فرما کر خود تقدیم سلام فرمائی تب ہم لوگ خبردار ہوئے۔“

انھیں کا بیان ہے کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے تھے، چوں کہ کمر میں ہمیشہ درد رہا کرتا تھا، اس لیے گاؤ تکیہ پشت مبارک کے پیچھے رکھا کرتے تھے۔ اس سے پیشتر کہ یہ مرض نہیں تھا کبھی گاؤ تکیہ استعمال نہ فرمایا۔ کتب بینی یا لکھتے وقت پاؤں مبارک سمیٹ کر دونوں زانو اٹھائے رہتے ورنہ سیدھا زانوئے مبارک اٹھا رہتا اور دوسرا بچھا رہتا، اور کبھی بایاں زانو ضرور تا اٹھاتے تو داہنا بچھا لیا کرتے تھے۔ ذکر میلاد مبارک میں ابتدا سے آخر تک ادباًدو زانو بیٹھے رہا کرتے، یوں ہی واعظ فرماتے، چار پانچ گھنٹے کامل دو زانو منبر شریف پر رہتے۔

جناب سید ایوب علی کا بیان ہے کہ امام احمد رضا کی بعض عادات کریمہ یہ بھی تھیں کہ بہ شکل نام اقدس (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرمانا، ٹھٹھا نہ لگانا، جمائی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لینا اور کوئی آواز نہ ہونا، کلی کرتے وقت دست چپ ریش

مبارک پر رکھ کر خمیدہ سر ہو کر پانی منہ سے گرانا، قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکنا، نہ قبلہ کی طرف پائے مبارک دراز کرنا، نماز پنج گانہ مسجد میں باجماعت ادا کرنا، فرض نماز باعمامہ پڑھنا۔[حیات اعلی حضرت، ص:۹۲]

حیات اعلی حضرت میں انھیں کا بیان ہے کہ حضور کی غذا زیادہ سے زیادہ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کے اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا اور وہ بھی روزانہ نہیں بلکہ بسا اوقات ناغہ بھی ہوتا۔ ہفتہ میں دو بار جمعہ اور سہ شنبہ کو ملبوسات شریف تبدیل کرتے تھے، ہاں اگر پنجشنبہ کو یوم عیدین یا یوم النبی اگر پڑے تو دونوں دن لباس تبدیل فرماتے، یا شنبہ کے دن یہ مبارک تقریبیں آتیں تب بھی دونوں دن تبدیل فرماتے۔ ان دونوں تقریبوں کے علاوہ سوا یوم معین کے اور کسی وجہ سے لباس تبدیل نہ فرماتے۔

تواضع وانکساری:

امام احمد رضا عجز وانکسار کے بھی پیکر تھے۔ جناب سید ایوب علی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ پیلی بھیت شریف میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے عرس سراپا قدس سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی، حضور نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفہ کی صندوقچی حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی، کسی نے جلدی سے آرام کرسی ویٹنگ روم سے لاکر بچھا دی، ارشاد فرمایا: یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے، جتنی دیر تک وظیفہ کیا آرام کرسی کے تکیہ سے پشت مبارک نہ لگائی۔[حیات اعلی حضرت، ص:۱۰۷]

حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں کا بیان ہے کہ حضرت جد امجد سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ العزیز کا عرس شریف میرے والد صاحب قدس سرہ نہایت اہتمام وانتظام اور اعلیٰ پیمانے پر کیا کرتے تھے، اس میں بارہا حضرت مولانا بھی تشریف لاتے اور میرے اصرار سے بیان بھی فرمایا، مگر اس طرح کہ حاضرین مجلس سے فرماتے ہیں:

"ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں، آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعیہ دریافت فرمائیں، ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا [چوں کہ بعد سوال اس کو ظاہر کر دینا حکم شریعت ہے] میں ظاہر کر دوں گا۔"[حیات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور، ص:۱۰۶]

اساتذۂ کرم کا ادب واحترام:

امام احمد رضا قدس سرہ نے جن اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی، ان کا بے پناہ ادب واحترام کرتے، خود امام احمد رضا نے اساتذۂ کرم کے ادب واحترام کے تعلق سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ امام احمد رضا اساتذہ کی تعظیم کے حوالے سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"عالم گیری ونیز امام حافظ الدین کردری سے ہے: امام زندویستی نے فرمایا: عالم کا حق جاہل اور استاذ کا شاگرد پر یکساں ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے پہلے بات نہ کرے، اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کے غیبت میں بھی نہ بیٹھے، اور چلنے میں اس کے آگے نہ بڑھے۔ اسی میں غرائب سے ہے: ینبغی للرجل ان یراعیٰ حقوق استاذہ وآدابہ لایفتن بشئی من

مالہ. آدمی کو چاہیے کہ اپنے استاذ کے حقوق واجب کا لحاظ رکھے، اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے، یعنی جو کچھ اسے درکار ہو، بہ خوشی خاطر حاضر کرے، اس کے قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔ اسی میں تاتارخانیہ سے ہے: استاذ کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے اور جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو، اس کے لیے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے، اپنے استاذ پر کسی کو ترجیح نہ دے، اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام کے رشتوں سے ایک رسی کھول دی۔ استاذ کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہو تو اس کے دروازے پر ہاتھ نہ مارے، بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے۔

علما فرماتے ہیں:

جس سے اس کے استاذ کو کسی طرح ایذا پہنچے وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا اور اگر اس کے احکام واجبات شرعیہ ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا لزوم دوبارہ ہو گیا، اور اس کی نافرمانی صریح راہ جہنم ہے۔ [ملخصا فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۶۷۔۶۸]

امام احمد رضا کی یہ تحریر تعظیم استاذ کے تعلق سے انتہائی جامع اور ایمان افروز ہے۔ اسلام میں استاذ کا مقام والدین کریمین سے بھی زیادہ ہے۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ امام احمد رضا اپنے استاذ کی بارگاہ میں کتنے ادب شناس ہوں گے۔ ابتدائی کتابوں کے بعد امام احمد رضا نے میزان و منشعب وغیرہ حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھیں، امام احمد رضا بآں فضل و کمال ان کا بے حد احترام کرتے، ان کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتے۔ حضرت مولانا ظفر الدین رضوی تحریر فرماتے ہیں:

"ایک زمانے میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ امر تالین میں تھا، وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھیجا کرتے، فتاویٰ رضویہ میں اکثر استفتا ان کے ہیں، انھیں کے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" تحریر فرمایا۔ اعلیٰ حضرت ان کی بات بہت مانا کرتے تھے، جب کوئی اہم کام سمجھا جاتا تو لوگ حضرت مرزا مرحوم کو سفارشی لاتے، ان کی سفارش کبھی رائیگاں نہیں جاتی تھی۔ اعلیٰ حضرت ان کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ اور وہ جو کچھ عرض کرتے ان کو قبول فرماتے۔ بڑے صاحب تقویٰ اور اعلیٰ حضرت کے فدائی اور جاں نثار تھے۔ [حیات اعلیٰ حضرت، ص:۹۶۔۹۷]

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ تلامذہ جب بہت قابل اور مشہور ہو جاتے ہیں تو اپنے ابتدائی اساتذہ کو خاطر میں نہیں لاتے، مرزا صاحب امام احمد رضا کے ابتدائی استاذ تھے، بلکہ وہ بعد میں امام احمد رضا سے مسائل بھی دریافت کرتے تھے، مگر اس کے باجود امام احمد رضا کا رویہ ان کے ساتھ ایک شاگرد ہی کی طرح رہا۔

والدین کریمین کی تعظیم و تکریم:

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نقی علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ امام احمد رضا کے والد ماجد بھی تھے اور استاذ گرامی بھی۔ آپ کے دل میں ان کا جو اعلیٰ مقام تھا، اسے قید تحریر میں نہیں لایا جا سکتا، امام احمد رضا شہرت و مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود اپنے والد ماجد کی بے پناہ تعظیم و تکریم فرماتے۔ اسی طرح والدہ ماجدہ کی بھی بے حد تعظیم و تکریم کرتے اور ان کے ہر حکم

پر سرنیاز خم کرتے۔ حضرت مولانا حسنین رضا بریلوی کا بیان ہے:

”اعلیٰ حضرت قبلہ حجۃ الاسلام کو گھر کے ایک دالان میں پڑھانے بیٹھتے، وہ پچھلا سبق سن کر آگے سبق دیتے، پچھلا سبق جو سنا تو یاد نہ تھا، اس پر ان کو سزا دی۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ محترمہ جو دوسرے دالان کے کسی گوشے میں تشریف فرما تھیں، انھیں کسی طرح اس کی خبر ہوگئی، وہ حضرت حجۃ الاسلام کو بہت چاہتی تھیں، غصہ میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دو ہنٹر مارا اور فرمایا تم میرے حامد کو مارتے ہو، اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہوگئے اور اپنی والدہ محترمہ سے عرض کیا: اماں اور ماریئے، جب تک آپ کا غصہ فرو نہ ہو، یہ کہنے کے بعد انھوں نے ایک دو ہنٹر مارا، اعلیٰ حضرت سر جھکائے کھڑے رہے، یہاں تک کہ وہ خود واپس تشریف لے گئیں، اس وقت تو جو غصہ میں ہونا تھا ہوگیا، مگر اس واقعہ کا ذکر جب کرتیں تو آپ دیدہ ہو کر فرماتیں کہ دو ہنٹر مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے، ایسے مطیع و فرماں بردار بیٹے کو جس نے خود کو پٹنے کے لیے پیش کر دیا، دوسرا ہنٹر کیسے مارا، افسوس۔“ [سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۹۲]

سادات و مشائخ کا احترام:

اسی طرح اعلیٰ حضرت سادات کرام کا بے پناہ ادب و احترام کرتے۔ مولوی محمد ابراہیم فریدی صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم بدایوں کا بیان ہے کہ حضرت مہدی حسن سجادہ نشیں سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ:

”میں جب بریلی آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے۔ حسب دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا: حضرت شہزادہ صاحب انگوٹھی اور چھلے مجھے دے دیجیے، میں نے اتار کر دے دیے اور وہاں سے ممبئی چلا گیا، ممبئی سے مارہرہ واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا: ابا! بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا، جس میں چھلے اور انگوٹھی تھے، یہ دونوں طلائی تھے اور نامہ میں مذکور تھا، شہزادی یہ دونوں طلائی اشیا آپ کی ہیں۔“ [حیات اعلیٰ حضرت، ص:۱۱۱۔۱۱۲]

یہ تھا اعلیٰ حضرت کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ساتھ ساتھ اکابر و مشائخ کی تعظیم و تکریم کا منفرد انداز۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت جس طرح اشداء علی الکفار کے مصداق تھے اسی طرح رحماء بینھم کی بھی زندہ تصویر تھے۔ علماے اہل سنت کی عزت و قدر ایسی کرتے کہ باید و شاید خصوصاً حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ العزیز کی بہت ہی عزت کرتے تھے۔ اس عزت و توقیر کے باوجود بعض بعض مسئلوں میں کچھ اختلاف بھی تھا اور بعض اختلافی مسائل میں گفتگو ہو کر پھر اتفاق ہو جاتا تھا۔

مشائخ کے تعلق سے اعلیٰ حضرت انتہائی محتاط تھے، اگر کسی مسئلہ میں ان کی تحقیق ہوتی لیکن ان کے مشائخ کا رجحان ان کے خلاف ہوتا تو سر تسلیم خم کر دیتے، حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں مارہروی کا بیان ہے کہ ایک بار ان دونوں حضرات میں ”مسئلہ عینیت و غیریت صفات باری تعالیٰ“ پر بحث ہوئی، مولانا عبد القادر صاحب فرماتے کہ صوفیہ کے صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق ہے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب اس فرق کے ماننے میں اپنا تأمل ظاہر فرماتے

تھے، آخر یہ ٹھہری کہ سیتا پور چلیے اور وہاں حضور جد امجد سیدنا شاہ اچھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مولفہ کتاب ''آئین احمدی'' کی جلد عقائد میرے کتب خانے میں ہے اور دیگر کتب صوفیہ بھی موجود ہیں، ان میں فرق دیکھ لیجیے۔ دونوں حضرات تشریف لائے اور ''آئین احمدی'' کی جلد عقائد سے کتاب زبدۃ العقائد مولفہ حضرت سید احمد کالپوی قدس سرہ جو ہمارے پیران سلسلہ سے ہیں، مولانا عبد القادر صاحب نے نکال کر دکھائی، اسے دیکھ کر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا:

''میں بغیر دلیل تسلیم کیے لیتا ہوں کہ صوفیہ کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول عینیت میں فرق ہے، اس لیے میرے مرشدان عظام فرماتے ہیں: ہم صفات کو عین ذات مانتے ہیں، وہ اس طرح نہیں، جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں، اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں اب تک نہیں آیا ہے، لیکن چوں کہ میرے مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں، اس لیے میرے مرشدان عظام کے ارشاد پر سر تسلیم خم کیے دیتا ہوں۔'' [سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۱۱۱]

احباب اہل سنت سے وفور محبت:

اپنے احباب و معتقدین سے بھی بے پناہ محبت کرتے تھے، مولانا محمود جان صاحب نے سیٹھ سلیمان صاحب کو آپ کے پاس بھیجا اور تعویذ دینے کی سفارش کی۔ آپ نے جناب سلیمان صاحب کے ساتھ جو حسن سلوک کیا وہ بہت اہمیت کا حامل ہے، امام احمد رضا مولانا محمود جان صاحب کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''سیٹھ سلیمان عثمان تشریف لائے، مگر ایسے وقت میں کہ میں بہت علیل ہوں، ان کی خاطر کچھ نہ کر سکا، ساڑھے چار مہینے کے قریب ہوئے کہ آنکھ دکھنے آئی تھی، جب سے آج تک پڑھنے لکھنے کے قابل نہیں، مسائل سنتا، جواب لکھوا دیتا ہوں۔ بارہویں کی شام سے علالت شدیدہ لاحق ہوئی کہ ایسی کبھی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ میں نے وصیت نامہ لکھوا دیا، اس کے بعد مولا تعالیٰ نے اس بلائے شدید سے نجات بخشی، مگر بقیہ مرض اب تک ہے، اور ضعف اس قدر شدید ہے کہ مسجد تک جانے میں تمام بدن میں درد ہونے لگتا ہے، دعا کا حاجت مند ہوں اور آپ کے اور آپ کے گھر کے لیے دعا کرتا ہوں۔

بھائی سلیمان صاحب نے مجھ سے تعویذ مانگا تھا، میں آج کل لکھ نہیں سکتا، لہذا سب سے بہتر ان کی خاطر یہی میری سمجھ میں آئی کہ خاص اپنے لیے جو عظیم تعویذ ۷۸۶ خانے کا تیار کیا تھا، ان کی نذر کر دوں، زندگی اگر باقی ہے تو اپنے لیے اور تیار کر لیا جائے گا، اس تعویذ کے لیے منافع، وسعت رزق و بلندی مرتبہ واستقامت دین حق و رحمت الہی ہیں، ایک دن کامل کی محنت میں لکھا جاتا ہے، میں نے بھائی سلیمان کو وہ چیز دی جو عمر بھر میں صرف اپنے لیے تیار کی تھی، اور کسی کو نہ دی تھی، آپ کے فرمانے کی اسی قدر تعمیل کر سکا۔'' [مکتوبات امام احمد رضا بریلوی، ص:۲۶]

آپ عام مسلمانوں کی بھی بہت عزت فرماتے اور مسلمانوں کو اس کی ترغیب بھی دیتے کہ کوئی مسلمان پیٹھ پیچھے بھی کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے، بلکہ ایک دوسرے کی عزت نفس کا احترام کریں اور باہم اخوت و محبت کا مظاہرہ کریں۔ امام احمد رضا مسلمانوں کی تعظیم و توقیر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"بلا وجہ شرعی کسی مسلمان جاہل کی بھی تحقیر حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بحسب امری من الشر ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ۔" آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی تحقیر کرے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، خون، آبرو، مال۔ [رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ] اسی طرح کسی مسلمان جاہل کو بھی بے اذن شرع گالی دینا حرام قطعی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "سباب المسلم فسوق" مسلمان کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے۔ [رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ والحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ] اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: "سباب المشرف کا لمشرف علی الھلکۃ" مسلمان کو گالی دینے والا اس کے مانند ہے جو عن قریب ہلاکت میں پڑا چاہتا ہے۔ [رواہ الامام احمد والبزاز عن عبد اللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسند جید] اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: "من آذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ" جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔ [رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۱۴۰]

بچوں اور غریبوں پر شفقت:

امام احمد رضا قدس سرہ عام علما کی طرح صرف امیروں ہی کے یہاں نہیں جاتے تھے، بلکہ غریبوں کے یہاں جانے میں بھی خوشی محسوس کرتے تھے، حضرت مولانا حسنین رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے غریبوں پر شفقت کے حوالے سے ایک واقعہ تحریر کیا ہے، ایک روز ایک صاحب زادے امام احمد رضا کی بار گاہ میں آئے اور بڑی بے تکلفی سے کہنے لگے، میری بوا [اماں] نے آپ کی دعوت کی ہے، کل بلایا ہے، امام احمد رضا نے ان کی بے تکلفی پر مزاحا فرمایا: دعوت میں کھلاؤ گے، صاحب زادے نے دامن پھیلا کر دکھایا، اس میں ماش کی دال اور کچھ مرچیں تھیں، اور کہا: دیکھیے نا، یہ لایا ہوں، امام احمد رضا نے ان کے سر پر دست شفقت رکھا اور فرمایا کہ میں اور یہ حاجی کفایت اللہ صاحب آئیں گے، حاجی صاحب کو حکم دیا کہ ان کے مکان کا پتہ دریافت کر لیجیے۔ دوسرے دن وقت پر امام احمد رضا اندر تشریف لائے اور حاجی صاحب سے فرمایا: چلیے، جس وقت ان کے مکان پر پہنچے، صاحب زادے انتظار کر رہے تھے، امام احمد رضا کو دیکھتے ہی اندر بھاگے، اور کہا: ارے مولوی صاحب آگئے، ان کے دروازے پر ایک چھپر پڑا تھا، جس کے سائے میں امام احمد رضا اور حاجی صاحب کچھ دیر کھڑے رہے، اندر سے ایک بوسیدہ چٹائی آئی، اس کے بعد باجرہ کی گرم گرم روٹیاں آئیں، مٹی کی رکابی میں ماش کی دال آئی جس میں مرچوں کے ٹکڑے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے، یہ رکھ کر صاحب زادے نے کھانے کو کہا۔ آپ نے فرمایا: ہاتھ دھونے کے لیے پہلے پانی تو لائیے۔ پانی لانے کے لیے مکان میں گئے تو حاجی صاحب نے عرض کیا، یہ مکان تو نقارچی کا ہے، اعلیٰ حضرت نے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا، ابھی سے کیوں کہہ دیا، کھانے کے بعد کہتے، اتنے میں صاحب زادے پانی لے کر آئے، آپ نے ان سے پہلا سوال یہی کیا، آپ

کے والد کہاں ہیں، اور کیا کرتے ہیں؟ پردے کی آڑ میں ان کی ماں نے عرض کیا، میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، وہ پہلے نوبت بجاتے تھے اس کے بعد انھوں نے توبہ کرلی اور اب کمانے والا صرف یہ لڑکا ہے جو راجوں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے خدا کا شکر ادا کیا اور ان لوگوں کے لیے دعاے خیر برکت کی۔ حاجی صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ امام احمد رضا کے کھانے میں گھر پر تو یہ احتیاط برتی جاتی ہے کہ بجائے چپاتی کے سوجی کا بسکٹ، گوشت بزیا چوزے کے ساتھ تناول فرماتے ہیں یا بعض وہ میٹھی اور ٹھنڈی چیزیں جو مضر نہ ہوں۔ واضح رہے کہ یہ اہتمام ان کی علالت اور کمزوری کی وجہ سے ہوتا تھا اور یہاں باجرہ کی روٹی اور ماش کی دال تناول فرما رہے ہیں، یہ امام احمد رضا کی غریب پروری اور اخلاقی بلندی تھی کہ پیٹ بھر کر خوشی خوشی کھانا کھایا، اور زبان پر حرف شکایت نہ آیا۔

امام احمد رضا کے جود وسخا اور غربا پروری کے حوالے سے ہم نے چند مثالیں سپرد قلم کی ہیں، اگر اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تو دفتر درکار ہوگا، بلاشبہہ امام احمد رضا اخلاق وتواضع کے پیکر جمیل تھے، ان کے دل میں حقوق انسانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، وہ انتہائی نرم خو، خوش مزاج اور جود وسخا کے بحر بے کراں تھے، امام احمد رضا کی مقدس زندگی کا یہ رُخ پردۂ خفا میں ہے، اہل قلم کو چاہیے کہ وہ اس طرف بھی توجہ کریں، اور بساط علم ودانش تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ امام احمد رضا خلق جمیل کے مہر درخشاں تھے۔

امام احمد رضا کی حق گوئی و بے باکی

مولانا محمد اختر الاسلام نعمانی قادری: استاذ جامعہ قادریہ چریاکوٹ، مئو

امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات اپنے اندر بے شمار خوبیاں سمیٹے ہوئے تھی، جن کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔ ہر وصف نرالا، ہر خوبی بے مثال، آج ایک صدی مکمل ہوگئی آپ کے اس جہان سے رحلت کیے ہوئے، مگر آپ کے علمی افکار کے گلاب دن بدن اور بھی مہکتے جارہے ہیں اور اپنی خوشبوؤں سے مشام عالم کو معطر کر رہے ہیں۔ صرف ایک صدی کے اندر آپ کی ذات بحر وبر کی وسعتوں میں چھاگئی اور برصغیر سے نکل کر آفاق گیر شہرتوں کی حامل بن گئی۔

یوں تو آپ کے اوصاف مختلف الجہات ہیں اور لکھنے والوں نے آپ کی زندگی کے ہر ہر گوشے پر تفصیل سے لکھا ہے، مگر آج بھی لگتا ہے کہ وہ تشنہ ہے۔ بہت کم لکھا گیا ہے، کچھ اور بھی لکھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سلسلہ ابھی تک تھما نہیں بلکہ لوگ اور بھی شدت سے اپنے امام کی ذات پر لکھ رہے ہیں اور نہ جانے کب تک لکھتے رہیں گے۔ بلکہ اب تو بعض دیوبندیوں کی جانب سے بھی آپ پر مستقل تحریریں اور رسائل دیکھنے کو مل رہے ہیں، جیسا کہ حالیہ دنوں میں کشمیر سے نکلنے والا ''ماہنامہ الحیات'' کا امام احمد رضا نمبر دیکھنے کو ملا، جو اگست ۲۰۱۸ء میں نکلا۔ جو امام احمد رضا کی عظمتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ کی زندگی کا جو سب سے نمایاں وصف ہے، وہ آپ کی حق گوئی اور اسلامی حمیت وغیرت، باطل افکار ونظریات کی بیخ کنی، حق کے بالمقابل باطل سے نبرد آزمائی ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو سب سے نمایاں کام کیا وہ یہ کہ حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کرنے والوں کو بے نقاب کیا۔ اسلام کے نام پر پیدا ہونے والے نئے نئے فرقوں اور جماعتوں کا تعاقب کر کے اسلام کے دامن کو ان کے افکار کی گندگی سے صاف وشفاف کیا۔

آپ نے جہاں غیروں کے ساتھ قلمی جہاد فرمایا، وہیں اپنوں کی لغزشوں پر بھی فوراً تنبیہ فرمائی، شریعت اسلامی کی پاسداری میں آپ نے اپنوں اور غیروں کا فرق مٹا دیا، یہی وجہ ہے کہ جہاں غیر آپ کے کاری وار سے اپنے زخم سہلاتے رہے وہیں بعض اپنے کہے جانے والے افراد بھی آپ کی شرعی گرفت پر آپ سے نالاں نظر آتے ہیں۔ مگر آپ نے دین کی حقانیت اور سربلندی کے لیے احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ بخوبی انجام دیا اور تا عمر آپ کا یہی شیوہ رہا۔ یہی ایک مومن کامل کی شان ہے۔

حدیث پاک کا مضمون بھی ہے کہ جہاں تک ہو سکے ناجائز امور کا تدارک کیا جائے، اگرچہ ہاتھوں سے ہو یا زبان سے اور اعلیٰ حضرت نے اپنی زبان وقلم سے اس کا خوب خوب حق ادا کیا۔ بقدر استطاعت گرد وپیش میں پھیلے ہوئے منکرات کا قلع قمع

کرنا اور خلاف شرع امور کا انسداد کرنا اور قوم وملت کی صحیح رہنمائی کرنا ایک مومن کا ایمانی فریضہ ہے۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"ازالہ منکر بقدر ضرورت فرض ہے۔" [فتاویٰ رضویہ، ص:۱۶۹، ج:۹، رضا اکیڈمی ممبئی]

مزید فرماتے ہیں:

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور بنص قاطعہ قرآنیہ اہم فرائض دینیہ سے ہے۔ بحال وجوب اس کا تارک آثم وعاصی اور ان نافرمانوں کی طرح خود بھی مستحق عذاب دنیوی واخروی، احادیث کثیرہ اس پر ناطق۔" [فتاویٰ رضویہ، ص:۲۱۵، ج:۹، رضا اکیڈمی ممبئی]

اعلیٰ حضرت کی عبارت سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اللہ ورسول کی رضا کن باتوں میں مضمر ہے۔ آج ہماری پریشانیوں کی بہت بڑی جڑ یہی ہے کہ ہم حق کو حق کہنے کی جرأت نہیں کرتے۔ نہ ہی اپنے سامنے ہونے والے منکرات کے ازالے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے افراد جن کے سامنے منکرات شرعیہ کا ارتکاب ہوا اور وہ اس پر خاموشی برتیں تو وہ بھی انھی گناہ گاروں کی صف میں ہیں۔ جب کہ اگلی امتوں پر عذاب الٰہی آنے کے وقت ان امتوں کے اچھے افراد کو بھی گرفت میں لیا گیا جو اپنی قوموں میں ہونے والے گناہوں پر چپی سادھے رہے اور اپنے سامنے رب عزوجل کی نافرمانیاں ہوتے دیکھتے رہے۔

لیکن جب ہم اعلیٰ حضرت کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپ کے اندر حق پرستی، تصلب دینی، انسداد منکرات شرعی کا وصف کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ کیا مجال آپ کے سامنے کوئی غلط بولے اور نکل جائے۔ آپ نے ان معاملوں میں نہ اپنا دیکھا نہ بیگانہ، مداہنت پسندی آپ سے کوسوں دور تھی۔ بدعات وخرافات اور باطل افکار ونظریات کے تئیں آپ کی ذات شمشیر برہنہ تھی۔ جہاں غیروں کے لیے آپ نے اپنے کلک کو خنجر خوں خوار بنایا وہیں اپنوں کے درمیان رائج بدعات وخرافات پر قدغن لگائی۔ خلاف شرع امور کے ارتکاب سے روکا اور سختی کے ساتھ اس کا رد فرمایا۔ چاہے وہ مزارات اولیا پر کیے جانے والے افعال شنیعہ ہوں یا خانقاہوں میں رائج بدعات قبیحہ۔ ان کے خلاف آپ نے اپنا اشہب قلم خوب دوڑایا۔ یہاں تک کہ اس کی پاداش میں اپنوں کی جانب سے بھی پریشانیاں جھیلنی پڑیں۔ آپ کو گالیاں دی گئیں۔ آپ کے خلاف طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔ عوام اہل سنت کو آپ سے دور کرنے کی کوششیں گئیں۔ مگر امام اہل سنت نے اس کی قطعی پرواہ نہ کی بلکہ ایسے لوگوں کی شرعی گرفت کرکے کتاب وسنت کا حق ادا کر دیا۔

آئیے! آپ کے ان کارناموں پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

خانقاہوں میں رائج بدعات ومنکرات پر قدغن:

آج کل بعض خانقاہوں اور اہل اللہ کے آستانوں پر جہاں اکثریت جاہل پیروں اور دنیادار مجاوروں کی ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ نہایت دھڑلے سے مزارات کے سجدے کروائے جاتے ہیں۔ پیروں کے آگے سجدے ہوتے ہیں۔ مرد وزن کا بے حجاب اختلاط ہوتا ہے۔ پیر صاحب عورتوں کے سر پر، چہرے پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیتے نظر آتے ہیں۔ نازیبا اور ممنوع

حرکات ہوتی ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر تو باقاعدہ سجدے کا معمول ہے۔ اگر پیروں کو سجدہ نہ کیا تو جبراً کروائے جاتے ہیں، نہ کرنے پر طرح طرح کے طعنے دیے جاتے ہیں، بلکہ دھکے مار کر باہر بھی کر دیا جاتا ہے۔ **العیاذ باللہ!**

امام احمد رضا قدس سرہ کے دور میں بھی بعض خانقاہوں میں سجدۂ تعظیمی کی بدعت رائج تھی۔ بلکہ بعض پیروں کی طرف سے اس کے جواز میں باقاعدہ کتابیں بھی لکھی گئیں اور معاشرہ میں اس قبیح بدعت کو بڑھاوا دینے کی نازیبا کوشش کی گئی۔

سیدی اعلیٰ حضرت نے اس بدعت کے خلاف مورچا سنبھالا اور نہایت شد و مد کے ساتھ اس کے خلاف آواز بلند کی اور اپنے فتاوے اور تحریروں میں اس کی قباحت و شناعت کو اجاگر فرمایا۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی حرمت کو واضح فرمایا اور باقاعدہ ایک کتاب الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ لکھ کر قوم کے سامنے ایک واضح موقف پیش فرمایا۔ جس میں سو سے زیادہ آیات و احادیث سے اس کی حرمت کو ثابت کیا۔ اسی کتاب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”مسلمان! اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عزجلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مبین و کفر مہین اور سجدہ تحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین اس کے کفر ہونے میں اختلاف علمائے دین، ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول اور عند التحقیق کفر صوری پر محمول۔

صحابہ نے حضور سے سجدۂ تحیت کی اجازت چاہی اس پر ارشاد ہوا کہ کیا تمھیں کفر کا حکم دیں، معلوم ہوا کہ سجدہ تحیت ایسی قبیح چیز ہے جسے کفر سے تعبیر فرمایا۔ جب خود حضور کے لیے سجدہ تحیت کا یہ حکم ہے پھر اور کا کیا ذکر۔“ [الزبدۃ الزکیۃ، ص:۵، ۱۰، مطبوعہ سمنانی میرٹھ]

قوالی مع مزامیر کی قباحت:

آج کل خانقاہوں میں ڈھول سارنگی اور باجوں کے ساتھ جو قوالیاں رائج ہیں۔ جس میں خوب دھمال کیا جاتا ہے، رقص و وجد کی نازیبا صورتیں اپنائی جاتی ہیں بلکہ بعض اشعار تو صریح گمرہی اور کبھی کفریات پر مشتمل ہوتے ہیں، انھیں تصوف کا نام دے کر نہایت ذوق و شوق سے سنا جاتا ہے، جب کہ علما و فقہا ایسی قوالیوں کی حرمت کا قول کرتے ہیں، جو باجے اور ساز کے ساتھ ہو۔ امام اہل سنت قدس سرہ نے بھی مزاراتِ اولیا اور خانقاہوں میں ہونے والی ان قوالیوں کے خلاف آواز بلند کی اور ان نام نہاد علم برداران تصوف کو شریعت پر عمل کی دعوت پیش کی۔ اپنے فتاویٰ اور تحریروں میں بدلائل اس کی حرمت کو ثابت کیا اور ایک رسالہ مسائل سماع کے نام سے قلم بند فرمایا۔ جب کہ فقہ حنفی کے انسائیکلوپیڈیا فتاویٰ رضویہ جلد دہم کے متعدّد مقامات پر بھی قوالی مع المزامیر کے بارے میں ممانعت کے احکام بیان فرمائے، آپ کی مشہور زمانہ کتاب احکام شریعت سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں ملاحظہ کیجیے:

ڈھول سارنگی اور باجوں کے ساتھ ہونے والی قوالیوں کے تعلق سے آپ سے جب سوال ہوا تو اس کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا:

”ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر اور قوالوں کا گناہ بھی

اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے، یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو۔" [احکام شریعت، اول، ص:۲۹]

آپ کے اس دو ٹوک مسئلہ بتانے کی وجہ سے نہ جانے کتنی خانقاہیں آپ سے کٹ گئیں، مجاورین اور پیران عظام آپ کے دشمن ہو گئے۔ آپ کے خلاف واویلا مچایا گیا، مگر آپ نے اس کی قطعی پرواہ نہ کی اور حق کو واضح کر کے چھوڑا۔ ناراض ہونے والے ناراض ہوں، مگر اللہ و رسول کی ناراضگی نہ ہو۔ آپ نے اپنا مطمح نظر یہی رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ رب عزوجل نے آپ کو وہ مقام عطا کیا جس کی نظیر مشکل ہے۔ آج بھی بہت لوگ امام اہل سنت کے تعلق سے بدظنی کے شکار ہیں اور جن خانقاہوں میں یہ بدعتیں رائج ہیں وہ اعلیٰ حضرت کے نام سے اب بھی چڑھتی ہیں بلکہ یہ نفرت اور عصبیت تو اتنی بڑھ گئی ہے کہ بعض خانقاہوں میں سلام رضا اور کلام رضا پڑھنے پر بھی پابندی عائد ہے۔

تعزیہ داری اور مراسم محرم:

برصغیر میں اہل تشیع کے اثرات قبول کرتے ہوئے عوام اہل سنت میں یہی بعض ایسی رسومات اور خرافات در آئیں جن کا سدباب ضروری تھا۔ مثلاً: شیعوں کی وجہ سے عوام اہل سنت میں تعزیہ داری سوگ یا محرم میں شادی بیاہ یا کوئی نیا کام نہ کرنا وغیرہ جیسی خرافات پنپ رہی تھیں۔ بلکہ جڑ پکڑ چکی تھیں اور جاہل پیروں اور خانقاہوں کی جانب سے تفضیلیت کے اثر سے یہ سب بدعتیں فروغ پا رہی تھیں، مگر امام اہل سنت نے ان کے خلاف بھی علم جہاد بلند فرمایا اور حق گوئی کی مثال قائم کرتے ہوئے کتابیں لکھیں۔ فتاوے دیے اور حکم شرعی تحریر فرمایا۔

تعزیہ کی اصل تو بس اتنی تھی کہ روضۂ امام عالی مقام سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا نقشہ بنا کر بطور یادگار گھروں میں رکھا جاتا۔ جیسے خانہ کعبہ اور روضۂ سرکار مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشے۔ جیسے یہ جائز، وہ بھی جائز۔ لیکن اب روضۂ امام کے نقشے کے ساتھ طرح طرح کی خرافات نے اس کو ممنوع اور ناجائز بنا دیا ہے۔ مثلا: اس نقشۂ روضۂ امام کو قبر امام عالی مقام سمجھنا، اس سے مراد مانگنا، اس کے سامنے جھکنا، اس کا طواف کرنا، باجے تاشے سے اس کا جلوس نکالنا، ہر سال اسے مصنوعی کربلا لے جا کر مال ضائع کرنا، نوحہ خوانی و سینہ کوبی اور پھر اب نقشے بھی ایسے بنائے جاتے ہیں جو روضۂ امام عالی مقام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ نئی نئی تراش اور من گھڑت شکلیں بنائی جاتی ہیں، اور ان کو روضۂ امام سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس قسم کی تعزیہ داری ظاہر ہے کہ ناجائز ہے کوئی بھی عقل و ہوش والا اس کے جواز کا قائل نہیں۔ اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی اسے ناجائز کہا اور اس کے خلاف فتویٰ دیا ملاحظہ ہو۔

[رسائل اعلی حضرت، بدرالانوار، رسالہ تعزیہ داری، فتاوی رضویہ جلد دہم، الملفوظ جلد دوم صفحہ نمبر:۸۷، عرفان شریعت صفحہ نمبر:۱۶ وغیرہ۔]

سوال ہوا:

[۱] بعض اہل سنت و جماعت عشرۂ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں، نہ جھاڑو دیتے ہیں، کہتے ہیں "بعد دفن تعزیہ

روٹی پکائی جائے گی۔"

[۲] دس دن کپڑے نہیں اتارتے۔

[۳] ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔

[۴] ان ایام میں سوائے امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے، یہ جائز ہیں یا ناجائز۔

تو جواب دیا۔

پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام اور چوتھی بات جہالت ہے۔ ہر مہینے میں، ہر تاریخ میں، ہر ولی کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔[از: احکام شریعت، ج:۱، ص:۷۵]

مزارات اولیا پر طواف:

بعض مزاروں پر جاہل عوام جاکر مزارات کا طواف کرتے ہیں اور اپنے اس عمل سے صاحب مزار کی رضا چاہتے ہیں کہ طواف بھی دراصل عقیدت و محبت کی ایک علامت ہے، لیکن شریعت مطہرہ نے خانۂ کعبہ کے علاوہ کسی اور مقام کے طواف کی اجازت نہیں دی، کہ اصلا یہ ایک عبادت ہے اور مزارات کا طواف بطور تحیت ہوتا ہے، جو مشابہ عبادت ہے۔ بایں وجہ یہ ممنوع ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ مزارات و خانقاہ میں در آئی اس بدعت کا بھی محاسبہ فرمایا اور کھلے لفظوں میں اس کی ممانعت فرمائی، آپ فرماتے ہیں: مزار کا طواف محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بہ خانۂ کعبہ ہے، مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیے علما اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔[فتاویٰ رضویہ ص:۲۱۳۰ ج:۴، مطبوعہ مبارک پور]

بزرگوں کی تصاویر کا حکم:

بعض جاہل پیروں کے جاہل مریدین اپنے پیر کی عقیدت میں ان کی تصاویر اپنے گھروں میں آویزاں رکھتے ہیں۔ ان پر پھول مالا چڑھاتے ہیں۔ ان سے عقیدت کا معاملہ کرتے ہیں بلکہ ایسے جاہل پیر خود اپنی تصاویر فروخت کرتے ہیں اور مریدوں سے کہہ کہہ کر لگواتے ہیں۔ بے چارے سادہ لوح مریدین اپنے پیر کی عقیدت میں یہ ناجائز عمل کرتے ہیں اور اسے باعث برکت گمان کرتے ہیں۔ جب کہ یہ صریح ناجائز اور گمرہی ہے، بلکہ ایمان و عقیدے کی بربادی کا سبب ہے اور بت پرستی کی ابتدا بھی اسی سے ہوئی کہ گزشتہ امتیں اپنے معظمان دینیہ کی تصاویر بغرض زیارت و عقیدت لگاتے، جو بعد میں چل کر بت پرستی کی شکل میں ڈھل گئیں۔ عام تصاویر کی بہ نسبت محترم و معظم شخصیات کی تصاویر زیادہ حرمت رکھتی ہیں۔ امام اہل سنت نے اس قبیح بدعت کے خلاف بھی اپنا قلم اٹھایا اور ایک رسالہ "عطایا القدیر فی حکم التصاویر" رقم فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں:

"بالقصد تصویر کی حرمت و عظمت کرنا، اسے معظم دینی سمجھنا، اسے تعظیما بوسہ دینا، سر پر رکھنا، آنکھوں سے لگانا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کے لائے جانے پر قیام کرنا، اسے دیکھ کر سر جھکانا وغیرہ افعال تعظیم بجالانا یہ سب سے اخبث اور قطعًا یقینًا اجماعا اشد حرام و سخت کبیرہ ملعونہ ہے اور صریح کھلی بت پرستی سے ایک ہی قدم پیچھے ہے، اسے کوئی مسلمان کسی حال

میں حلال نہیں کہہ سکتا۔" [عطایا القدیر، ص: ٦٧]

معاصرین علما کے بعض فتاوے پر نظر:

امام احمد رضا قدس سرہ اپنے زمانے کے مرجع علما و فقہا تھے۔ بلکہ فقہا کے تاجدار تھے۔ بعض مفتیان کرام آپ کی بارگاہ میں صرف اس لیے اپنے فتاوے پیش کرتے کہ اگر اعلیٰ حضرت نے ایک نظر دیکھ لیا تو ان فتووں کو درجۂ اعتبار حاصل ہو جائے گا۔ آپ کے فتاوے اور فیصلے حکم اخیر کا درجہ رکھتے تھے، آپ کے سامنے بسا اوقات دوسرے مفتیان کرام کے دیے گئے فتوے اور ججوں کے فیصلے پیش ہوتے تاکہ اگر ان کے اندر کوئی شرعی سقم ہو تو فیصلوں میں تبدیلی کی جا سکے، اگر وہ فیصلے اور فتوے صحیح ہوتے، اصول فقہ حنفی کی رو سے ان میں کوئی قباحت نہ ہوتی تو آپ اس پر تصدیق صادر فرماتے وگرنہ بلا کسی رو رعایت کے فوراً اس کی تغلیط فرماتے اور صحیح حکم شرعی سے روشناس کرتے، اس میں آپ نہ کسی حاکم کے رعب و داب میں آتے نہ معاصر مفتیان کرام کے علمی جاہ و جلال سے ڈرتے، نہ کسی جج یا فیصل کو خاطر میں لاتے، حق کی وضاحت کرتے اور غلطیوں پر تنبیہ کرتے۔

ایسا ہی ایک معاملہ بہاول پور [پاکستان] کی عدالت میں وصیت و وراثت کا پیش ہوا، جو اس سے پہلے ذیلی کورٹ میں پیش ہو چکا تھا جہاں مدعی اور مدعی علیہ کے بیانات سننے کے بعد جج نے سات سوالات قائم کر کے آٹھ مفتیان کرام سے استفتا کیا، ان کے جوابات مختلف اور غیر واضح تھے پھر یہ مقدمہ چیف کورٹ بہاولپور پہنچا، جہاں فاضل جج محمد دین نے تمام جوابات اور مقدمے کا حل دیکھنے کے بعد پانچ سوالات قائم کیے جو ان کی نظر میں ہنوز تصفیہ طلب تھے پھر حکم دیا کہ وصیت نامہ، آٹھوں فتووں کی نقلیں اور یہ پانچ سوالات سب مولانا احمد رضا کی خدمت میں بھیجے جائیں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاویٰ کو ملاحظہ فرمائیں اور ان حل طلب سوالات سے متعلق اپنی رائے مع دلیل تحریر فرما کر بہت جلد مرحمت فرمائیں، ان کے علاوہ کوئی اور امر قابل اصدار فتویٰ ہو اطلاع بخشیں۔ حکم کے مطابق ۲۳؍ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ کو یہ استفتا مع نقول فتویٰ ارسال ہوا۔ یہ سب تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بعد ملاحظہ فتاویٰ تحریر فرمایا:

"بہت افسوس کے ساتھ گزارش ہے کہ آٹھوں فتووں میں اصلاً ایک بھی صحیح نہیں، اکثر سراپا غلط ہیں اور بعض مشتمل بر اغلاط"۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اولاً کچھ افادات لکھے اور ہر افادہ کے تحت تفریعات کے عنوان سے فوائد متفرعہ تحریر کیے، جن سے احکام بھی واضح ہوئے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان مفتیوں نے کہاں کہاں، کیا کیا غلطیاں کیں، اور ان کے علاوہ کیا کیا ضروری باتیں ان کی نظر سے رہ گئیں۔۔۔۔۔ اور آخر میں حکم اخیر لکھا کہ اس مقدمے میں دار القضا کو کیا کرنا چاہیے۔

یہ جواب بارہ افادات ایک سو چوبیس تفریعات اور ۲۷؍ ضمنی فوائد پر مشتمل ہے اور رضا اکیڈمی ممبئی کی شائع کردہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم کے ص: ۲۱۳ سے ۲۶۰ تک تقریباً ۴۸؍ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ [بحوالہ، خطبہ صدارت ۲۵واں فقہی سیمینار مجلس شرعی، از: علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی]

اس سے جہاں جواب کی اہمیت نمایاں ہوتی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات اپنے زمانے میں کس

قدر استناد کا درجہ رکھتی تھی، اور اعلیٰ حضرت مسائل شرعیہ پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے جہاں عام مفتی کی نظر نہیں پہنچ پاتی تھی اور پھر آپ کے اندر جرات و ہمت کا وہ خزانہ تھا کہ بیک جنبش قلم غلط فتاویٰ کو رد فرمادیا۔

مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی توبہ و اصلاح:

مذہبی اختلافات ہوں یا سیاسی اور علمی، آپ نے عدل و میانہ روی پر گامزن رہتے ہوئے پہلے افہام و تفہیم کی راہ اختیار کی۔ کسی نے شرعی جرم کیا تو آپ نے پہلے اسے اس کی غلطیوں پر تنبیہ کیا۔ وضاحت کا موقع فراہم کیا اور گفت و شنید کے بعد بھی اگر آپ کا مخالف اپنے باطل موقف پر ڈٹا رہا تو پھر آپ نے حکم شرعی پیش کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کی۔ آپ کے پیش نظر ہمیشہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ، محبت بھی اللہ کے لیے اور بغض و عداوت بھی اللہ کے لیے، اس میں آپ کی ذات کا قطعاً دخل نہ ہوتا نہ نفسانیت کا ہلکا سا شائبہ ہوتا۔

آپ اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی کھنگال ڈالیے آپ کو لمحے لمحے اس کی جلوہ فرمائی ملے گی، آپ نے دین میں مداہنت کبھی پسند نہیں کی، یہاں تک کہ جب تک آپ کا مد مقابل راہ راست پر نہ آگیا اس سے ملنا تک گوارہ نہیں کیا۔ ہاں جب جانب مخالف سے توبہ و رجوع دیکھا تو پھر اخوت اسلامی کا بڑھ چڑھ کر مظاہرہ کیا، اسے گلے سے لگایا اس کی عزت افزائی کی۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے ہنگامہ خیز دور میں جب حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی و دیگر خلافتی و موالاتی علماو قائدین کی طرف سے بعض غیر شرعی امور قولاً و فعلاً صادر ہوئے تو امام احمد رضا نے اس کا شرعی مواخذہ فرمایا۔

حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے مولانا ریاست علی شاہ جہاں پوری کو اواخر جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ میں لکھنو سے بریلی بھیجا۔ انھوں نے امام احمد رضا سے ملاقات کر کے مولانا عبد الباری کا یہ پیغام دیا کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملاقات و تبادلہ خیال کرنا چاہتے ہیں۔

امام احمد رضا نے جواب دیا کہ جن امور پر شرعی مواخذہ ہے، ان سے وہ توبہ کرلیں میں خود لکھنو پہنچ کر ان سے ملاقات کروں گا۔ [علماے اہل سنت کی بصیرت و قیادت ص: ۸۲]

یہ پورا معاملہ تفصیل سے قلم بند ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں حکم شرعی کی کیا اہمیت تھی اور جب تک کوئی اپنے باطل موقف پر ڈٹا رہتا آپ اس سے ملاقات کرنا بھی گوارا نہ کرتے۔ یہ آپ کی حق پسندی اور جرات ایمانی کی بین دلیل ہے، وہ کوئی بھی ہو، اس معاملے میں مداہنت کو روا رکھنا امام اہل سنت کی شان کے خلاف تھا، ہاں جب مولانا عبد الباری نے اپنی توبہ و رجوع شائع کروادیا تو پھر امام اہل سنت کی عزت و افزائی ملاحظہ کیجیے، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

فقیر کی راے میں فوراً ایک جلسہ، تہنیت توبہ مولانا مولوی صاحب لکھنوی چھاپ کر اس کی تہنیت کا جلسہ وہاں بھی کیا جائے اور اس میں وہ تحریر ہو جو اس نے انہیں توبہ کے لیے بھیجی تھی پڑھ کر سنائی جائے، اس کی تفصیل انشاء اللہ عن قریب حاضر

کرتا ہوں، پھر ان کے یہ الفاظِ توبہ پڑھ کر سنائے جائیں اور جلسہ کی طرف سے ان کی مبارک باد کا تار مولوی عبد الباری کو دیا جائے۔[بحوالہ علمائے اہلِ سنت کی بصیرت وقیادت، ص: ۳۱]

ردِ فرقہائے باطلہ اور بعض علما پر حکم تکفیر:

امام احمد رضا قدس سرہ کی حق پسندی اور بے باکی ہی تھی کہ آپ نے تنِ تنہا اپنے زمانے میں پیدا شدہ فرقہا ے باطلہ کے رد و ابطال میں درجنوں کتابیں لکھیں جن کی تفصیل حیاتِ اعلیٰ حضرت حصہ دوم مطبوعہ رضا اکیڈمی میں درج ہے۔آپ نے اپنی پوری زندگی باطل افکار و نظریات سے پنجہ آزمائی میں صرف کی، اگر اعلیٰ حضرت کی ذات اس محاذ پر نہ ڈٹی رہتی تو شاید آج اہلِ سنت کی جو معتدبہ تعداد برصغیر میں نظر آرہی ہے وہ نہ ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ آج اہلِ سنت کی شناخت اعلیٰ حضرت بریلوی کی ذات سے موسوم ہے۔

انگریز دنیا کی ایسی چالاک اور مکار قوم ہے کہ مکاری میں جن کا کوئی ثانی نہیں۔جس نے اپنی چالاکی اور عیاری سے دنیا کے بیشتر خطوں پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیا اور وہاں کے مکینوں کو آپس میں لڑا کر ان پر اپنا اقتدار قائم کیا اور برسوں ان پر حکومت کرتے رہے۔کچھ یہی حال متحدہ ہندوستان کا بھی تھا۔انہوں نے ایک لمبے عرصے تک اپنا پنجۂ استبداد گڑائے رکھا اور جب یہاں سے ان کا بوریا بستر بندھ گیا، تو جاتے جاتے مسلمانوں میں ایسی تفریق کا بیج بو کر گئے جس کی ٹیس سے آج بھی مسلمانانِ برصغیر کراہ رہے ہیں۔

انگریزوں نے بڑی چالاکی سے کچھ دین دار علما کو خریدا اور ان سے کچھ ایسی باتیں کہلوائیں جو مسلمانوں کے درمیان تفریق اور انتشار کا سبب بنیں، یہ قوم اتنی چالاک تھی کہ غیر محسوس انداز میں اپنا کام کرتی رہی اور دوسروں کو اس کا احساس تک نہ ہوا۔ ان علما کے ذریعے کہیں شانِ رسالت مآب میں گستاخیاں ہوئیں، کہیں بارگاہِ الوہیت کا ادب برقرار نہ رکھا جاسکا، کبھی اہلِ سنت وجماعت کے متفقہ اصول وعقائد پر شب خون مارا گیا، تو کہیں اپنے باطل مزعومات وافکار کو اصل اسلام بنا کر پیش کیا گیا، الغرض پورے ملک میں آگ سی لگ گئی، مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا، ان کے درمیان نفرتوں کی ایسی خلیج کھینچ دی گئی جس کا پاٹنا آج تک ممکن نہ ہو سکا۔

ایسے وقت میں امام اہلِ سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے امت کی ڈوبی ناؤ کا پتوار سنبھالا اور اسے ساحلِ عافیت تک لے آنے کی بھرپور کوشش فرمائی اور ان گمراہ قسم کے دنیادار مولویوں کے خلاف جہاد بالقلم فرما کر امت مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا، انہیں پہلے سمجھایا، راہ راست پر آنے کی دعوت دی اور ان کی فکری کج روی کو درست قبلہ فراہم کرنے کی بھرپور کوششیں کیں، مگر جب انھوں نے دین کے بدلے دنیا کو قبول کرنا گوارا کر لیا تو پھر بلا کسی خوف کے جرأت ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے ان پر حکم کفر واضح کیا، اور اس پر علمائے حرمین شریفین سے تصدیقات لیں تاکہ کوئی کسر باقی نہ رہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان علمائے سو کی جانب سے آپ کو کافر بنا دیا گیا، آپ کو مکفر المسلمین، متکبر، جھگڑالو، متشدد نہ جانے کیا کیا خطاب دیا گیا، مگر آپ نے اس کی قطعی پرواہ نہ کی، اور حق وباطل کی آمیزش سے مذہب وملت کو بچائے رکھا، آپ کے دورِ حیات میں

پورے بر صغیر میں بڑے جید علما تھے مگر ہر کسی نے گوشۂ عافیت اختیار کیا، اور اس نازک معاملے میں ہاتھ ڈالنا گوارانہ کیا لیکن امام اہل سنت کی غیرت ایمانی نے دین میں مداہنت کو ہرگز گوارانہ کیا اور آپ نے وہ کیا جو رہتی دنیا تک امت مسلمہ پر آپ کا احسان ہے۔

اخیر میں اعلی حضرت کی تصلب دینی، حق پرستی جرأت و بے باکی اور اللہ اور رسول سے غایت درجہ محبت پر مبنی وصیت پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

"جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمھارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو وہ کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ، ہو اپنے اندر سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔"

یہ موضوع اصلا بہت تفصیلی ہے، ایسے ہزاروں واقعات ہیں جنھیں قلم بند کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، میں نے اختصار کے پیش نظر امام اہل سنت کی زندگی کے اس رخ کے چند گوشے بیان کرنے کی کوشش کی ہے ورنہ اعلی حضرت وہ سمندر رہیں جس کی گہرائی آج تک نہ کوئی ناپ سکا اور نہ آگے ناپ پائے گا، ہر دن افکار رضا کے نئے نئے باب کھل رہے ہیں اور مدینے والے آقا کے کرم سے آئندہ بھی کھلتے رہیں گے۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا اور اتباعِ سنت

مفتی محمد طاہر حسین مصباحی: جامعہ عربیہ اہل سنت مصباح العلوم بدھیانی، خلیل آباد، بستی، یوپی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے ہی سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ انہوں نے پوری زندگی شریعت پر سختی سے عمل کیا۔ ہر فرض و واجب کی محافظت اور اتباع سنت و شریعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا، جس کے نتیجے میں ان کا قلب مبارک ایسا پاکیزہ اور مصفیٰ ہو چکا تھا کہ پیر و مرشد کی بارگاہ عالیہ سے متبع سنت و شریعت ہونے کی ان کو سند ملی۔

میدان عمل میں محبت کا اظہار متعدّد طرح سے ہوتا ہے:

[۱] محبوب کے فراق میں تڑپنا، وصل کو منزل مقصود سمجھنا اور اس کے ذکر و فکر میں مستغرق رہنا۔

[۲] محبوب کے یاروں اور پیاروں کا محبت سے ادب و احترام کرنا۔

[۳] محبوب کے ہر قول و فعل کو محبوب سمجھ کر اپنا دستور عمل بنائے رکھنا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان کی زندگی کا مرکز و محور صرف اور صرف عشق رسول تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی سیرت عشق رسول کے تقاضوں کا مجموعہ تھا۔ آپ کی تمام تصانیف ہمارے اس دعوے کے روشن دلائل ہیں اور نعتیہ کلام ''حدائق بخشش'' تو وہ منھ بولتا ثبوت ہے جس کی نظیر لوگوں نے کم ہی دیکھی ہوگی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی زندگی کو اگر میدان عمل کی تیسری قسم کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ سنت رسول کے آپ حد درجہ متبع اور محبوب کی رضا جوئی میں ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ عرب و عجم کے ممتاز علما اور باکمال حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جیسا جامع سنت اور قاطع بدعت اس دور میں کوئی دیکھا نہیں گیا۔ اتباع سنت آپ کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ ذیل میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان کے اہتمام شریعت اور اتباع سنت کے چند واقعات اور معمولات نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں:

اقامت نماز:

اس سلسلے میں ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا بیان حیات اعلیٰ حضرت کی روشنی میں ملاحظہ ہو:

''اعلیٰ حضرت تندرست ہوں یا بیمار پانچوں وقت مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے خوگر تھے اور اپنے مریدین کو ہمیشہ اس امر کی خاص ہدایت فرماتے تھے۔ موسم گرما میں نماز دراز کر کے پڑھتے، لیکن ایسا نہیں کہ مکروہ وقت آجائے۔ نماز ادا کرتے وقت رکوع، سجود، قومہ، قعدہ اور جلسہ وغیرہ کی صحیح ادائیگی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ حروف کو ان کے مخارج سے صفت لازمہ محسنہ کے ساتھ ادا کرنے میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔''[حیات اعلیٰ حضرت، ص:۱۳۸، ج:۱، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف]

اس تعلق سے سید ایوب علی رضوی کا بیان بھی سیرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے حوالے بہت اہم ہے:

''ایک بار اعلیٰ حضرت سخت بیمار تھے، نشست و برخاست کی بالکل طاقت نہ تھی، اس کے باوجود فرض نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ انتظام یہ تھا کہ کرسی میں لکڑی باندھ کر چار آدمی آپ کو مسجد میں لاتے اور بعد جماعت دولت خانہ میں پہنچا دیتے۔ بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس نازک حالت میں بھی آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے، طاقت نہ دیکھتے ہوئے مجبوراً بیٹھ کر پڑھنی پڑتی، لیکن ایسی حالت میں بھی دونوں پیروں کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگانے کی بے حد سعی کرتے۔''

احترام مسجد:

آداب مسجد سے ہے کہ اندر داخل ہوتے وقت پہلے دایاں قدم رکھا جائے اور مسجد سے جاتے وقت پہلے بایاں قدم باہر رکھا جائے۔ سید ایوب علی رضوی کی زبانی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا عمل ملاحظہ فرمائیں:

''ایک دفعہ فریضۂ فجر ادا کرنے میں خلاف معمول کسی قدر دیر ہو گئی۔ نمازیوں کی نظریں بار بار کاشانۂ اقدس کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ اسی اثنا میں آپ جلدی جلدی تشریف لاتے ہوئے دکھائی دیے۔ اس وقت برادرم سید قناعت علی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اس تنگ وقت میں دیکھنا یہ ہے کہ حضرت دایاں قدم مسجد میں رکھتے ہیں یا باں؟ لیکن قربان جائیں اس عاشق رسول اور متبع سنت پر کہ دروازۂ مسجد کے زینے پر جس وقت قدم مبارک رکھا تو دایاں۔ توسیعی فرش مسجد پر قدم پہلے رکھا تو دایاں، قدیمی فرش مسجد پر بھی دایاں قدم پہلے رکھا، یونہی ہر صف پر تقدم دائیں قدم ہی سے فرمائی، حتیٰ کہ محراب میں مصلیٰ پر دایاں قدم ہی پہلے پہنچا۔''[حیات اعلیٰ حضرت، ص:۲۶۹، ج:۱، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف]

علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''ایک مرتبہ سیدی امام احمد رضا خان مسجد میں معتکف تھے۔ سردی کا موسم تھا اور دیر سے مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ حضرت کو نماز عشا کے لیے وضو کرنے لے لیے فکر ہوئی، پانی تو موجود تھا، لیکن بارش سے بچاؤ کی کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں وضو کیا جاتا، کیوں کہ مسجد میں مستعمل پانی کا قطرہ تک گرانا بھی جائز نہیں ہے، آخر کار مجبور ہو کر مسجد کے اندر ہی طاف اور گدے کی چار تہ کر کے ان پر وضو کر لیا اور ایک قطرہ تک فرش پر گرنے نہیں دیا۔ سردیوں کی رات، جس میں طوفان بادو باراں کے اضافات، مگر خود اتنی سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے رات گزارنی منظور کی، لیکن ایسی دشواری میں بھی مسجد کی اتنی سی بے حرمتی برداشت نہ کی۔''[حیات اعلیٰ حضرت، ص:۲۷۲، ج:۱، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف]

والدین کی رضاجوئی:

ارشاد خداوندی کسے نہیں معلوم کہ والدین کریمین کو اُف بھی نہ کہو۔ فرمان مصطفوی ہے کہ جنت تمھاری ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ یعنی ان کی خدمت کر کے جنت حاصل کرلو۔ عملی اور زبانی میدان میں بڑا فرق ہوتا ہے، آئیے ذرا امام احمد رضا کا طرز عمل دیکھیں:

”حضرت شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ جب مولانا [اعلیٰ حضرت] کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب [المتوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء] کا انتقال ہوا۔ اعلیٰ حضرت اپنے حصۂ جائداد کے خود مالک تھے، مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کو تھا، وہ پوری مالکہ متصرفہ تھیں، جس طرح چاہتیں صرف کرتیں۔ جب مولانا کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی والدہ ماجدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت بتاتے تو وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے۔“ [حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۱۰۴، ج:، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف]

دائیں ہاتھ، پاؤں کے استعمال کی عادت کریمہ:

سید ایوب علی رضوی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ناک صاف کرنے اور استنجا کرنے کے علاوہ ہر کام کی ابتدا سیدھی ہی جانب سے تھی، چنانچہ عمامہ مبارک کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا۔ عمامہ مبارک کے پیچ سیدھی جانب ہوتی، عمامہ مقدسہ کی بندش اس طور پر ہوتی کہ بائیں دست مبارک میں گردش اور دہنا دست مبارک پیشانی پر ہر پیچ کی گرفت کرتا تھا۔

ایک بار جناب سید محمود خاں صاحب نوری مرحوم و مغفور نے حضور کے عمامہ باندھنے پر عرض کیا کہ حضور عمامہ باندھنے میں الٹا ہاتھ کام کرتا ہے، فرمایا: اگر سیدھا ہاتھ ہٹالیا جائے تو الٹے ہاتھ سے باندھ تو لیجیے، اصل بندش تو سیدھے ہی ہاتھ سے ہوتی ہے۔ سید ایوب علی رضوی بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو اگر کسی کو کوئی چیز دینا ہوتا اور لینے والا الٹا ہاتھ بڑھاتا فوراً اپنا دست مبارک روک لیتے اور فرماتے: سیدھے ہاتھ میں لیجیے، الٹے ہاتھ میں شیطان لیتا ہے۔ اعداد بسم اللہ شریف [۷۸۶] عام طور سے جب لوگ لکھتے ہیں تو ابتداے سے کرتے ہیں، پھر ۸ لکھتے ہیں، اس کے بعد ۶، مگر اعلیٰ حضرت پہلے ۶ تحریر فرماتے، پھر ۸، تب ۷، یوں ہی نقش کے خطوط سیدھی ہی جانب سے کشش فرماتے اور تہ فرمانے میں بھی اس کا لحاظ تھا کہ نقش کہ سیدھے رخ کی طرف یعنی جس طرف ۷۸۶ ہے ادھر سے نیچے کی طرف تہ کرتے ہوئے لاتے، پھر سیدھی جانب سے فلیتے تعویزی صورت میں کردیتے۔ [حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۲۰۷، ج:۱، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بریلی شریف]

غربا پروری:

غربا و مساکین، یتیموں و بیواؤں اور سائلوں و حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا آقاے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان یتیموں اور بیواؤں اور دیگر مساکین کے ماہوار وظیفے مقرر کر رکھے تھے، سائلوں اور ناداروں میں رضائیاں تقسیم کرنا آپ کا معمول تھا۔

موسم سرما میں ایک مرتبہ ننھے میاں صاحب [اعلیٰ حضرت کے برادر خرد] مولانا محمد رضا خاں صاحب قدس سرہ نے اعلیٰ

حضرت کی خدمت میں ایک فرد پیش کی۔ اعلیٰ حضرت کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ سردیوں میں رضائیاں تیار کرواکر غربا میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت سب رضائیاں تقسیم ہوچکی تھیں، ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت سے رضائی کی درخواست کی تو آپ نتھے میاں صاحب والی وہی فرد اپنے اوپر سے اتار کر اسے عنایت فرمادی۔ [حیات اعلیٰ حضرت ص ۱۱۶ جلد نمبر ۱ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی]

حضرت علامہ بدر الدین احمد رحمہ اللہ یوں رقم طراز ہیں:

کاشانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا، بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لیے آپ کی جانب سے ماہ وار رقمیں مقرر تھیں اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں ہی کے لیے نہیں تھی، بلکہ بیرونجات میں بذریعہ منی آرڈر امدادی رقم روانہ فرمایا کرتے تھے۔ [سوانح اعلیٰ حضرت، ص: ۹۰، رضا اسلامک مشن نزد نو محلہ مسجد بریلی شریف]

دم واپسیں بھی آپ نے غریبوں کو فراموش نہیں کیا، بلکہ فقرا کے بارے میں اپنے عزیز و اقارب کو یوں وصیت فرماتے ہیں:

فاتحہ کے کھانے سے اغنیا کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقرا کو دیں اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ نہ جھڑک کر۔ غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو، اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیا سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرنی اردکی پھریری دال مع ادرک و لوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف، اگر روزانہ ایک چیز ہوسکے یوں کردیا کریں۔ جیسے مناسب جانو، مگر بطیب خاطر، میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔ [وصایا شریف، ص: ۱۱، مطبوعہ لاہور از علامہ حسنین رضا خاں]

احادیث پر یقین:

یوں تو لاکھوں علما موجود ہیں جو احادیث پر کمال یقین کے مدعی ہوں گے، لیکن امام احمد رضا کی اپنے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ پر یقین کی شان ملاحظہ ہو، خود فرماتے ہیں:

میرے پاس ان عملیات کے ذخائر بھرے پڑے ہیں، لیکن بحمد اللہ آج تک کبھی اس طرف خیال بھی نہ کیا، ہمیشہ ان دعاؤں پر جو احادیث میں ارشاد ہوئیں عمل کیا، میری تو تمام مشکلات انہیں سے حل ہوتی رہتی ہیں۔ [ملفوظات اعلیٰ حضرت، ج: ۲، ص: ۲، مطبوعہ کراچی]

۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں جب آپ والدین کریمین کے ساتھ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مطہرہ کے شرف سے مشرف ہوئے تو واپسی میں بوقت طوفان اسی یقین کا عجیب منظر سامنے آیا، چناں چہ فرماتے ہیں: پہلی بار کی حاضری والدین ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے ہم رکاب تھی، اس وقت مجھے تیسواں سال تھا۔ واپسی میں تین دن طوفان شدید تھا، اس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لیے تھے، حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لیے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ آپ اطمینان رکھیے، خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا، یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی، جس حدیث میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے، میں نے وہ دعا پڑھی تھی، لہذا حدیث کے وعدۂ

صادقہ پر مطمئن تھا۔ پھر قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا۔ اور معًا حدیث یاد آئی [من یتال علی اللہ یکذبہ] حضرت عزت کی طرف رجوع کی اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ الحمد للہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدت چل رہی تھی دو گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی۔ اور جہاز نے نجات پائی۔ [ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص:۳۰،۲، ج:۲، مطبوعہ کراچی]

سونے کا انداز:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے سونے کا طریقہ علامہ بدر الدین احمد صاحب نے یوں رقم فرمایا ہے:

"آپ کے خادم کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت ۲۴ رگھنٹے میں صرف ڈیڑھ دو گھنٹے آرام فرماتے، باقی تمام وقت تصنیف و کتب بینی اور دیگر خدمات دینیہ میں صرف فرماتے اور ہمیشہ بشکل نام اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم سویا کرتے۔ اس طرح کہ دونوں ہاتھ ملا کر سر کے نیچے رکھتے اور پاؤں سمیٹ لیتے، جس سے سر میم، کہنیاں ح، کمر میم۔ پاؤں دال بن کر گویا نام پاک محمد کا نقش بن جاتا [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ [سوانح اعلیٰ حضرت، ص:۱۱۹، مطبوعہ رضا اسلامک مشن بریلی شریف]

سلام کا جواب:

آج کل تو سلام کرنے اور جواب دینے میں کتنی ہی جدتیں پیدا ہو چکی ہیں جن کا رات دن مشاہدہً عام ہو رہا ہے۔ یہاں مسنون سلام کے بارے میں آپ کے بچپن کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے:

"ایک روز مولوی صاحب موصوف حسب معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے سلام کیا، مولوی صاحب نے جواب دیا: "جیتے رہو" اس پر حضور اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ یہ تو سلام کا جواب نہیں ہوا، وعلیکم السلام کہنا چاہیے تھا۔ مولوی صاحب سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔" [سوانح اعلیٰ حضرت، ص:۱۱۷، مکتبہ رضا اسلامک مشن، بریلی شریف]

جذبات کا طوفان اور امام احمد رضا کی بے مثال سلامت روی

مفتی نورالقمر ابن رقم مصباحی: مفتی جامعہ اہل سنت فیض الرسول [ساکی ناکہ ممبئی]

جب سے ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد ہوئی ہے ان کے ایمان وعمل کو یہاں کی وحشی تہذیب سے مسلسل خطرہ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان کبھی بھی اس رخ سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں رہے۔

مصلحین امت نے بھی اپنے اپنے وقت پر تبلیغ وارشاد، اصلاح اور تجدید کے ذریعہ امت کو بیدار رکھنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا، اور یوں اس کفرستان میں کاروان اسلام اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔

ہندوستانی مسلمان اور اجتماعی قوت کا راز:

مسلمانوں میں کوئی مذہبی اختلاف نہیں تھا، کوئی فرقہ بندی نہیں تھی، سنّی حنفی مسلک ہی سب کا پسندیدہ مسلک تھا، کیرل کے ساحلی علاقوں میں شافعی مسلک کے بھی کچھ لوگ پیروکار تھے، شیعی اثرات بہت بعد میں یہاں پہنچے، مگر ابتدا میں ان کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر تھی۔

آٹھ سو برس پہلے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے درمیان خوش گوار مذہبی ماحول کے متعلق جو فرمایا تھا وہ حیران کن ہے۔

خوشا ہندوستان و رونق دیں
شریعت را کمال عز و تمکیں
بدیں عزت شدہ اسلام منصور
بداں خواری سرانِ کفر مقہور
زغزنین تا لبِ دریا دریں باب
ہمہ اسلام بینی بریکے آب
مسلمانان نعمانی روش خاص
زدل ہر چار آئیں رابہ اخلاص

نہ کیں با شافعی نے مہر با زید
جماعت را و سنت را بہ جاں صید
زہے ملک مسلماں خیز و دیں جوئے
کہ ماہی نیز سنی خیزد از جوئے

[رسائل مجدد الف ثانی، ص:۱۱۹]

یعنی: ملک ہندوستان اور یہاں کی مذہبی رونق کے کیا کہنے۔ جہاں شریعت اسلامی کو مکمل طور پر عزت و شوکت حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے اسلام کا علم بلند اور کفر شکست خوردہ ہے۔ غزنی سے ہند تک اسلام ہی کا بول بالا ہے۔ حنفی مسلمانوں کی خاص روش نے سب کا دل جیت لیا ہے۔ نہ امام شافعی سے نفرت نہ زید سے الفت، یہاں تک کہ مسلمان دل وجان سے اہل سنت و جماعت کے پابند ہیں۔ اسلامیان ہند کے کیا کہنے، یہاں تو دریا سے جو مچھلی نکلتی ہے وہ بھی سنّی ہوتی ہے۔

یہ تو امیر خسرو رحمۃ اللہ کے زمانے کی بات تھی، اس کے ٹھیک تین چار صدی بعد ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

”ہندوستان کے تمام اسلامی باشندے ”عقیدۂ حقّہ“ اہل سنّت و جماعت پر ہیں اور اہل بدعت و ضلالت کا اس دیار میں نشان نہیں، سب طریقۂ مرضیہ حنفیہ رکھتے ہیں“ ۔[رسائل مجدد الف ثانی، ص:۱۱۸]

”البتہ بعض شیعہ ایران سے جلاوطن ہو کر ہندوستان آئے اور حکام و سلاطین کا تقرب حاصل کر کے بعض جہلا کو جھوٹے مقدمات اور فریب زدہ مغالطات سے گمراہ کیا، اور راہ سے دور لے گئے، لیکن دیارِ ہند میں ان بدکیشوں کے قدوم بدکی بدولت مسلمانوں میں فتور عظیم واقع ہوا اور فتنہ از سر نو بیدار ہو گیا“۔[رسائل مجدد الف ثانی، ص:۱۱۹]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہندوستان کے اندر روافض نے بھی اپنا قدم پسارنا شروع کر دیا تھا، لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی کے ہاتھوں اکبر کی لامذہبیت کا فتنہ درگور کیے جانے کے بعد ۱۲۰۰ھ تک ہندوستان کی مذہبی فضا میں کوئی قابل ذکر تلاطم رونما نہیں ہوا، اگر ہوا بھی تو اس کی نوعیت ایسی نہیں تھی کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں پر ادبار کا دور شروع ہو جائے۔

بارھویں صدی ہجری کے اختتام پر مسلمانوں کی خوش گوار مذہبی فضا کو کسی کی نظر لگ گئی اور مسلم امہ اختلاف وانتشار اور بدترین خانہ جنگی میں مصروف پیکار ہو گئی۔

مشہور محقق ابوالحسن زید فاروقی [متوفی ۱۹۹۳ء] افتراق وانتشار کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”حضرت مجدد کے زمانے سے ۱۲۴۰ھ تک ہندوستان کے مسلمان دو فرقوں میں بٹے رہے، ایک اہل سنت و جماعت، دوسرے شیعہ۔

اب مولانا اسماعیل دہلوی کا ظہور ہوا، وہ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے

بھتیجے تھے۔

ان کا میلان محمد ابن عبد الوہاب نجدی کی طرف ہوا اور نجدی کا رسالہ "ردالاشراک" ان کی نظر سے گزرا اور انہوں نے اردو میں تقویۃ الایمان لکھی۔

اس کتاب سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہلحدیث کہلایا، کسی نے اپنے کو سلفی کہا۔ ائمہ مجتہدین کی منزلت اور احترام جو دل میں تھا وہ ختم ہوا، معمولی نوشت وخواند کے افراد امام بننے لگے اور افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہ نبوت کی تعظیم واحترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا"۔[مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، ص:۹]

فاروقی صاحب کا خیال ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی یکجہتی اسی کتاب کی وجہ سے ختم ہوئی اور اختلاف کا فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے نوسوسالہ مسلم مملکت کا خاتمہ کر دیا، یہاں تک کہ اس کتاب کے چھپنے سے تیس سال کے اندر اندر صدہا سال کی نعمتیں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئیں۔[مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، ص:۱۴]

تقویۃ الایمان کے مصنف کو بھی اس بات کا شدید احساس تھا کہ اس کتاب کے چھپتے ہی مسلمانوں کی جمعیت منتشر، اتحاد ختم، اجتماعی قوت فنا اور دشمن کے مقابلے مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جائے گی، تقویۃ الایمان کے مصنف کا یہ اعتراف چشم عبرت سے پڑھیے:

"میں نے یہ کتاب لکھی ہے، مکروہ اور شرک خفی جیسے امور کو شرک جلی لکھ دیا ہے، گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔[ارواح ثلثہ، ص:۶۷]

مولوی اسماعیل دہلوی کی اس عجیب وغریب توقع پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی لکھتے ہیں:

"ان کا پہلا خیال تو یقینا صحیح ہوا کہ شورش ہی نہیں ہنگامہ آرائی، خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہوگئی، لیکن دوسرا خیال کہ لڑ بھڑ کر ٹھیک ہو جائیں گے کبھی صحیح نہیں ہو سکتا، مذہب وعقائد جیسے حساس معاملہ پر شورش پیدا کی جائے اور وہ ختم ہو جائے ---ناممکن ہے"[معاصر اسلامی تحریکات اور فکر اقبال۔ ص:۱۳۶]

اسماعیل دہلوی کی پالیسیوں کے سنگین نتائج:

تقویۃ الایمانی نظریات کو عام کر کے مولوی اسماعیل دہلوی اور ان کے پیرو مرشد سید احمد بریلوی نے جہاں مسلمانوں کے اعتماد کو پارہ پارہ کیا، عین اسی وقت سرحد پر سکھوں کے خلاف بے موقع اعلان جنگ کر کے ہندوؤں کے ساتھ سکھ جیسی بہادر قوم کو بھی مسلمانوں کا مخالف بنا دیا، جس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جتنے سیاسی وخونی معرکے ہوئے ہندو قوم، بہادر سکھوں کو بھی اپنے ساتھ لے آئی، جس کے سنگین نتائج مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے مسلم کش فسادات میں بھگتنے پڑے۔

۱۸۵۷ء کی خونی تاریخ میں انگریزوں کے ساتھ ہندو اور سکھ دونوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، جس کے چشم دید گواہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، دیکھئے! باغی ہندوستان ص:۴۵/۵۰/۵۱/۵۳/اور ۶۹۔[داستان غدر، صفحہ ۵۵/ظہیر دہلوی]

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا، انتقال مکانی کے نام پر مسلم کش فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا، مسلمانوں کے اس قتل عام میں عام ہندوؤں اور سکھوں کے علاوہ ہندو، سکھ فوجیوں نے بھی بھرپور حصّہ لیا، جس کے چشم دید گواہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے داعی اور پکے کانگریسی لیڈر رہتے تھے، دیکھیے ان کی لکھی ہوئی آپ بیتی! نڈیا ونس فریڈم، ص:۳۰۸/ ۳۰۹/ اور ۳۱۱۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب اور تہذیب نو کے فسانے:

۱۸۵۷ء میں ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا، سقوط غرناطہ وبغداد کے بعد آسمان نے سقوط دلی کا بھی نظارہ دیکھا جو بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے قتل عام کی شکل میں سامنے آیا، جنگ میں مسلمان ہی پیش پیش تھے، اس لیے قبضہ کے بعد انگریزوں کے انتقام کا سارا نزلہ مسلمانوں ہی پر اترا۔

تختۂ دار ورسن اور تیغ ظلم وستم سے جو مسلمان باقی بچے تھے ان کو ہر میدان سے کھدیڑ کر درماندگی وپسماندگی اور غربت وافلاس کی سب سے نچلی سطح کی طرف دھکیل دیا گیا، وفاداری اور جاسوسی کے انعام میں پڑوسی قوم کو تعلیم، فوج، تجارت اور سرکاری عہدوں میں مواقع اور سہولیات فراہم کی گئیں، ان حالات نے پوری امت کو مایوسی میں مبتلا کر دیا۔

لال قلعہ پر فرنگی جھنڈا لہرانے کے بعد ہر وہ چیز جس کا تعلق مسلم عہد سے تھا اس کے معنی بدل گئے، پروفیسر ابواللیث صدیقی نے ایوان دہلی کی چوکھٹ پر تہذیب نو کی جو آہٹ محسوس کی ہے وہ بہت دردناک ہے، دیدۂ عبرت سے آپ بھی پڑھیے:

”انقلاب کے بعد برطانوی پرچم لال قلعہ پر لہرانے لگا تو ایک نئے تہذیبی دور کا آغاز ہوا، اس نئے دور میں تہذیب کا تصور ہی بدل گیا، مشرق اور مشرقی روایات کی علم برداری کو رجعت پسندی قرار دیا گیا۔

اور مغرب پرستی، روشن خیالی اور ترقی کی دلیل ٹھہری، جس لباس پر ہمارے شرفا فخر کرتے تھے اور جو شاہی درباروں کا سرکاری جامہ تھا وہ چپراسیوں کی وردی بنا، اور کوٹ پتلون پہننے والے حلال خور اور کفش دوز۔۔۔ صاحب لوگ بن بیٹھے۔۔۔۔ عربی، فارسی جس پر ہماری تہذیب، زبان اور شاعری کی بنیادیں استوار ہوئی تھیں ان کی جگہ بھی انگریزی نے لے لی اور لوگ سعدی، حافظ اور عمر خیام کو بھول کر شکسپیر اور ملٹن کی باتیں کرنے لگے“۔ [مقدمہ دیوان بہادر شاہ ظفر، ص:۱۰]

انگریز اپنے اقتدار اور تہذیب کے لیے علماے اہل سنت ہی کو خطرہ سمجھتے تھے، کیوں کہ اپنے مسائل کو لے کر یہی لوگ زندہ قوم کی طرح ظالم حکمراں کے سامنے کھڑے تھے اور تمام ہندوستانی مسلمانوں کو انہی کے ساتھ جذباتی لگاؤ بھی تھا، اہل سنت کو چھوڑ کر پڑوسی قوم اور پوری وہابی لابی انگریز گورمنٹ کی حمایت میں کھڑی تھی، سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

”بیس تیس برس پیشتر ایک بہت بڑے نامی مولوی محمد اسماعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کہا اور آدمیوں کو جہاد کی ترغیب دی، اس وقت اس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکار انگریز کے امن میں رہتے ہیں ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے“ [اسباب بغاوت ہند، ص:۱۶]

اسلامی اقدار، مغرب پرستی کی زد پر:

مسلمانوں کی دینی حمیت، مغربی اقتدار کے لیے خطرہ بنی ہوئی تھی، ان کی دینی حمیت وغیرت کی تیزی کو ختم کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے مختلف جہتوں میں کام کا آغاز کیا۔

[۱] مشن اسکول کھولے۔

[۲] اپنی قوم کے اعلیٰ دماغوں کی خدمات حاصل کر کے نصابی کتابیں تیار کیں، جن میں اسلامی شخصیات اور عقائد کو ہدف تنقید بنا کر مسلم بچوں کے دلوں سے ان کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی گئی۔

[۳] عربی، فارسی اور اردو کی جگہ انگریزی زبان وادب کو معیار کامیابی، اظہار شائستگی اور ذریعۂ ترقی ٹھہرایا۔

[۴] یورپ سے پادریوں کو بلا کر اسلام اور اسلامی شخصیات کے خلاف زہر اگلنے پر مامور کیا۔

[۵] جگہ جگہ اسپتال اور شفاخانے کھولے اور ان میں مفت علاج ومعالجہ کی سہولیات فراہم کیں، لیکن ڈاکٹر اور نرس کے نام پر جو عملہ رکھا گیا وہ دراصل عیسائی مبلغین تھے۔

[۶] ہر گاؤں میں پرائمری درجے کے اسکول کھولے، تعلیم کے نام پر معصوم ذہنوں میں عیسائیت کا بیج بونے کے لیے انتہائی تربیت یافتہ عیسائی عورتوں یا مغرب زدہ عورتوں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ جہاں مفت تعلیم کے علاوہ بچوں کے سرپرستوں کو کپڑا، اناج اور روپے پیسے کی شکل میں امداد بھی دی جاتی تھی۔

برطانوی حکومت کے مذکورہ منصوبے اگرچہ خفیہ طور پر تدریجاً عملی شکل دیے جا رہے تھے، لیکن بعض ارباب بصیرت کو بہت پہلے اس کی بھنک لگ گئی تھی، ان میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی ذات بھی تھی، آپ فرماتے ہیں:

”انہوں نے تمام باشندگان ہند کو، کیا امیر کیا غریب، چھوٹے بڑے، مقیم ومسافر، شہری ودیہاتی سب کو نصرانی بنانے کی اسکیم بنائی۔۔۔۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ سب لوگ انہیں کی طرح ملحد وبے دین ہو کر ایک ہی ملت پر جمع ہو جائیں اور کوئی بھی ایک دوسرے سے ممتاز فرقہ نہ رہ سکے۔۔۔۔ اس لیے پوری جاں فشانی اور تن دہی کے ساتھ مذہب وملت کو مٹانے کے لیے طرح طرح کے مکر وحیلہ سے کام لینا شروع کیا۔

انہوں نے بچوں اور نافہموں کی تعلیم اور اپنی زبان ودین کی تلقین کے لیے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کیے۔ پچھلے زمانے کے علوم ومعارف اور مدارس ومکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔

دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقوں پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلہ کی پیداوار، کاشتکاروں سے لے کر نقد دام ادا کیے جائیں، اور ان غریبوں کو خرید وفروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے، اس طرح بھاؤ کے گھٹانے بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں۔

اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ خدا کی مخلوق مجبور ومعذور ہو کر ان کے قدموں میں آپڑے اور خوراک نہ ملنے پر نصاریٰ کے ہر حکم کی تعمیل وتکمیل کرے“ [باغی ہندوستان، ص:۳۱]

پادری ایڈمنڈ نے پورے ہندوستان میں ایک گشتی چٹھی جاری کی جس کے الفاظ یہ تھے:

”اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی، تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد ورفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہیے، اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ“۔[تاریخ تحریک آزادی ہند، ج:۲/ص:۲۱۳۔از:ڈاکٹر تاراچند]

پادری ایڈمنڈ کے اس چٹھی کا ذکر سرسید احمد خان نے بھی اسباب بغاوت ہند صفحہ ۲۷/ پر کیا ہے، مذکورہ حوالوں سے برٹش گورمنٹ کے خطرناک عزائم کا پتا چلتا ہے، انگریزوں نے ہندوستانیوں کے پیچھے ایسے بہروپیے چھوڑے ہوئے تھے جو ایسے طالع آزما عناصر کی کھوج میں لگے رہتے جن کے اندر جاہ طلبی اور حرص وطمع کوٹ کوٹ کر بھری ہو، یا ایسے لوگوں کی تلاش میں لگے رہتے جو ہر حال میں مادی ترقی وخوش حالی کے دل دادہ ہوں اور ظاہری شان وشوکت اور عزت وشہرت کی خاطر کچھ بھی کرگزرنے کے لیے تیار ہوں۔

☆ بدقسمتی سے برٹش گورمنٹ کو ہر قوم سے ایسے کچھ لوگ مل گئے۔

☆ انگریزوں کے اشارے پر کچھ ہندو مؤرخین نے مسلمانوں کے خلاف لکھنے اور بولنے کا بیڑا اٹھایا، ان میں قابل ذکر پنڈت دیانند سرسوتی ہیں، اس نے ستیارتھ پرکاش لکھی، جس میں انہوں نے جی بھر کر اسلام اور اسلامی مقتدر شخصیات کو نشانہ بنایا۔

☆ شنکر راجپال آچاریہ نے رنگیلا رسول نامی کتاب لکھی، جس میں اس آچاریہ نے وہ زبان استعمال کی ہے، جس سے اندازہ ہوا کہ ایک آچاریہ اس حد تک گر سکتا ہے۔

☆ اسی طرح ۱۹۳۶ء میں گڑگاؤں ہریانہ کے ایک معالج ڈاکٹر رام گوپال نے کھلے عام رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیوں کا آغاز کیا۔

☆ ۱۹۲۹ء میں حیدرآباد سندھ کے رہنے والے نتھورام نامی ایک آریہ سماجی حضور ﷺ کی شان اقدس میں بکواس کرکے انگریزوں کا آلہ کار بنا۔

☆ پنڈت شردھانند مشہور آریہ سماجی نے ایک طرف شدھی تحریک کا آغاز کرکے مسلمانوں کو ہندو مذہب قبول کرانے کی کوشش کی تو دوسری جانب شان رسالت مآب ﷺ اور مذہب اسلام پر تنقیدات کا سلسلہ شروع کردیا۔

کولکتہ کے بھولاناتھ سن اور قصور کے پالامل نے بھی حضور کی شان اقدس میں گستاخیاں کرکے مسلمانوں کو روحانی اذیت پہنچانے کا کام کیا۔

یہ حالات دیکھ کر کچھ مسلم نوجوانوں کو غیرت آئی، جب تک انہوں نے بدلہ نہ لے لیا ان کو چین نہیں آیا۔ بقول پروفیسر بدر چشتی۔

”غازی عبدالرشید نے پنڈت شردھانند کو۔ غازی عبدالعلیم نے راجپال لاہوری کو۔ غازی عبداللہ اور امیر احمد نے بھولاناتھ

کولکتوی کو۔غازی محمد صدیق نے پالامل اور غازی عبد القیوم نے نتھو رام کو قتل کرڈالا"۔[جہان امام احمد رضا،ج:۱۹،ص:۱۷۴]

☆بنکم چندر چٹرجی بنگالی ادیب نے "آنند مٹھ" نامی کتاب لکھی یہ کتاب ہندوؤں میں اور خاص طور پر بنگالیوں میں وید کا درجہ رکھتی ہے،اسی کتاب کے خاتمے پر مصنف نے مشہور زمانہ شرکیہ نظم وندے ماترم لکھی ہے۔

اسی کتاب میں مصنف نے مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے اور انگریزوں کی فتح پر خوشیوں کا اظہار کیا ہے،پنڈت شردھا نند اور بنکم چندر چٹرجی نے انگریزوں کو مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا اور تمام اسلامی شعائر وعلامات مساجد و مقابر کا یک لخت خاتمہ کردے۔

☆انگریزوں کے اشارے پر پڑوسی قوم نے اذان، گاے کی قربانی، جلوس محرم کے نام پر طویل فسادات کا سلسلہ شروع کیا،انگریزوں کے مظالم سے جو مسلمان بچ گئے تھے وہ یوں برباد ہورہے تھے۔

اس غداری کے بازار میں ایمان فروشی کے لیے کچھ اپنے بھی موجود تھے۔

☆مولوی اسماعیل دہلوی نے امت کی متحدہ قوت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے تقویۃ الایمان نامی کتاب لکھی اور سب سے پہلے اسی کتاب کو لاکھوں کی تعداد میں برٹش گورمنٹ نے طبع کراکر مفت تقسیم کیا۔

☆وہابیوں نے دنیا کے تمام خوش عقیدہ مسلمانوں پر کفر وشرک کا فتوی لگاکر امت کے رشتہ کو نبی محترم سے توڑنے کی کوشش کی،جس کی وجہ سے پورے ملک میں ہنگامے ہوئے۔

☆اہل حدیث، غیر مقلدین نے انگریز نوازی کی تمام حدیں پار کردیں،فتنۂ عدم تقلید برپا کرکے امت کا رشتہ اسلاف سے توڑنے کی کوشش کی۔

☆مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ، فتویٰ امکان کذب لکھ کر،مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس نامی کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کے اجماعی قطعی عقیدے کو مشکوک بناکر۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ نامی کتاب میں اللہ کے لیے امکان کذب کی تصدیق اور رسول اللہ کے علم مبارک پر شیطان کے حقیر وذلیل علم کی برتری دکھاکر۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے رسول اللہ کے علم مبارک کو حقیر وذلیل مخلوقات سے تشبیہ دے کر۔

اور مرزا غلام احمد قادیانی نے دعواے نبوت کرکے انگریزوں کا حق نمک خوب خوب ادا کیا اور امت کے درمیان بدقسمت دڑاڑوں کو اور وسیع کردیا،امت کے دامن اتحاد میں ان نمک حلالوں کے ہاتھوں جو شگاف پڑ چکا تھا،حکمت کی سوئی اس کو سینے،پرونے سے عاجز تھی۔

انگریزوں کی ریشہ دوّانی کارگر ثابت ہوئی، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ و جدال کا بازار گرم ہوگیا اور دوسری طرف مسلمان۔۔۔۔فرقوں میں بٹ کر آپس ہی میں دست وگریباں ہوگئے اور ان کے درمیان بحث ومناظرہ کا ایک تھکا دینے والا سلسلہ چل پڑا،جس کی وجہ سے اصل مسائل کی طرف عام مسلمانوں کا ذہن جا ہی نہ سکا۔

کفر کا نیا روپ اور گنگا جمنی تہذیب:

تاریخ گواہ ہے، جب کبھی اقلیت نے اکثریت کے ساتھ رہنے کے سخت اصول نہ اپنائے۔۔۔اقلیت برباد ہوگئی یا اکثریت میں مدغم ہوگئی، ہندوستان پر برطانوی تسلط کے بعد بدقسمتی سے ہماری پڑوسی قوم نے ملک کے اندر ایسی فضا بنانے کی کوشش تیز کردی تھی جس سے یا تو مسلمان فنا ہوجاتے یا تدریجاً اکثریت میں مدغم ہوجاتے یا پھر عاجز اور بے دست وپا بن کر رہ جاتے۔

ہمسایہ قوم نے سب سے پہلے انگریزوں کو اپنی بلا مشروط وفاداری کی یقین دہانی کرائی، اس کے لیے انہوں نے کبھی مسلمانوں کو، کبھی دلتوں کو اور کبھی اپنے سیاسی اصولوں تک کی بلی چڑھادی۔

اس کے بعد ہی بڑی دوراندیشی سے انہوں نے انگریزوں سے اپنی وفاداریوں کے انعام میں مراعات لے لے کر پہلے تعلیمی پھر اقتصادی وتجارتی میدانوں میں اپنا قدم جمانا شروع کیا۔

صرف تعلیمی میدان میں ان کی ترقی کی رفتار کیا تھی اس کے متعلق پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری فرماتے ہیں:

"انگریزی سلطنت میں۔۔۔۔ ہندوستانیوں نے دیکھا کہ اب بقا اور نمود کی زندگی بغیر علوم مغربی حاصل کیے ناممکن ہے، تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندوؤں نے بڑھ کر انگریزی تعلیم کا استقبال کیا۔۔۔۱۸۳۵ء میں مسلمانوں نے انگریزی حکومت کو ایک درخواست دی تھی جس میں مانگ کی گئی تھی کہ انگریزی تعلیم پر کوئی رقم صرف نہ کی جائے، اس درخواست پر آٹھ ہزار مسلمانوں کے دستخط تھے، اسی سال راجہ رام موہن رائے کی سرپرستی میں ایک وفد ہندوؤں کا پیش ہوا، انہوں نے گورمنٹ سے مانگ کی تھی کہ کل رقم انگریزی تعلیم میں صرف کی جائے۔۔۔۔ عہد موجود میں ہندو تعلیم میں بہت آگے ہیں، اس سبب سے حکومت میں ان کا حصہ بھی بہت ہی غالب ہے، بلکہ عملاً آدھی حکومت ہندوؤں کی ہے۔۔۔۔ ہندوؤں نے اس قدر تعلیم حاصل کرلی ہے اگر دس برس تک یک قلم تعلیم سے دست کش ہوجائیں اور مسلمان اس اثنا بڑی سرگرمی سے تعلیم حاصل کریں جب بھی ہندو تعلیم یافتوں کا شمار مسلمانوں کے المضاعف ہوگا"۔ [النور، ص:۱۹۲/ تا ۱۹۶]

یہ مختلف جگہوں کی عبارات ہیں، میں نے اختصار کے لیے کچھ الفاظ بھی بدل دیے ہیں، البتہ مفہوم ہو بہو وہی ہے۔

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے کالج اور کالج میں پڑھنے والے طلبہ کی تعداد پر بھی روشنی ڈالی ہے:

علامہ موصوف کا تجزیہ ایک چشم کشا تحریر ہے جو ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندوؤں کی تعلیمی میدان میں واضح برتری کو بتاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس [۱۲۵] ہے، تین مسلمانوں کے اور ایک سو بائیس [۱۲۲] ہندوؤں کے۔

ان میں سے اگر سرکاری کالجوں کو جن کی تعداد کل چونتیس [۳۴] ہے، الگ کرلیے جائیں جب بھی اٹھاسی [۸۸] کالج خاص ہندوؤں کے رہ جاتے ہیں۔

ان میں بائیس [۲۲] کالج ایسے ہیں جس میں گورمنٹ کی امداد قطعاشامل نہیں، اور چھیاسٹھ [۶۶] کالج ہیں جن میں گورمنٹ کی امداد جاری ہے۔

تین اوراٹھاسی کی نسبت ذراغور سے ملاحظہ کیجیے پھر تعلیم کے ملیامیٹ کردینے کا فیصلہ کیجیے۔

سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی چھیالیس ہزار چار سوسینتیس ہے [۴۶۴۳۷] جن میں سے مسلم طلبہ چار ہزار آٹھ سو پچھتر ہیں [۴۸۷۵]، ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس ہزار پانچ سو باسٹھ ہے [۴۱۵۶۲]۔

کہاجاتا ہے کہ ہندو چوبیس کڑوڑ اور مسلمان سات کروڑ ہیں، اس تناسب سے جب کہ مسلمانوں کے تین کالج [علی گڑھ، لاہور، پشاور] تھے، ہندوؤں کے بارہ ہوتے، مسلمان طلبہ کی تعداد کالجوں میں چار ہزار تھی تو ہندو سولہ ہزار ہوتے۔ [النور، ص:۱۹۶]

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے اس وقت کے حالات کا جس باریکی سے مطالعہ فرمایا ہے وہ تاریخی حیثیت سے بہت اہم ہے، آپ کے بقول ہندوؤں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ انگریز ایک دن ضرور ہندوستان چھوڑ کر جائے گا اور اس کے جانے کے بعد حکومت کی باگ ڈور اس قوم کے ہاتھ میں آئے گی جس کے افراد مال، تجارت، سیاست اور تعلیم میں آگے ہوں گے، اس لیے تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے ہر میدان میں ایک مناسب تعداد اتار دی اور ایک مدت تک محنت ومشقت، کفایت شعاری، زراندوزی کر کے ہر سطح پر خود کو مضبوط کیا اور تعلیم وسیاست میں سوجھ بوجھ پیدا کر کے اپنے اندر جہاں بانی وحکمرانی کی اہلیت پیدا کرلی۔

مسلم سیاسی قیادت ہمسایہ قوم کے عزائم سے بالکل بے خبر تھی، ہندو مسلم اتحاد کے نام پر ایسی سیاسی تحریکات کا آغاز کیا گیا جن میں آزادی ہند کے نام پر خوش کن، جوش بھرے نغمے تو تھے لیکن ان تحریکات کا انجام ہر حال میں مسلمانوں کی تباہی وبربادی کی صورت میں سامنے آنے والا تھا۔

- تحریک ترک موالات۔
- تحریک خلافت۔
- تحریک ہجرت۔ وغیرہ

ان تحریکات میں سے ہر تحریک کا پس منظر اس کے اغراض ومقاصد کی تہ داری کے اعتبار سے اتنا حیران کن ہے کہ مستقل مطالعہ اور مستقل عنوان کا تقاضا کرتا ہے، ان سب میں جس بات کو مرکزی حیثیت حاصل تھی وہ ہے "ہندو مسلم اتحاد"، "گنگا جمنی تہذیب کا آغاز" یا دین الٰہی کی دوسری شکل کا ظہور۔

اس گنگا جمنی تہذیب کے پر جوش داعیوں میں مندرجہ ذیل افراد کے نام نمایاں طور پر تاریخ میں محفوظ ہیں:

- مولانا محمد علی جوہر۔
- مولانا شوکت علی۔
- مولانا عبدالماجد بدایونی۔

- ظفر الملک مولانا اسحٰق علی۔
- ابوالکلام آزاد۔
- ڈاکٹر سیف الدین کچلو۔
- عبدالماجد دریاآبادی۔
- مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔
- قاضی عدیل عباسی۔
- عنایت اللہ مشرقی۔
- مولوی عزیز گل دیوبندی۔
- مولانا آزاد سبحانی۔

ان مسلم لیڈروں کے بعض کفری اقوال وافعال آپ بھی ملاحظہ کیجیے اور اندازہ لگایئے کہ دین کے دانشور کہلانے والے یہ لیڈر کس حد تک سازش کے شکار ہوچکے تھے۔

☆مولانا محمد علی جوہر نے کہا:"رسول کے بعد میرے اوپر گاندھی جی کا حکم نافذ ہے"۔ [تحریک خلافت، ص: ۸۰ از: قاضی عدیل عباسی]

☆مولانا جوہر اور مولانا شوکت علی "گاندھی جی کو باپو کہا کرتے تھے"۔[ایضا، ص،۸۰]

☆مولانا جوہر نے اپنی تقریر میں ایک مرتبہ فرمایا:"اگر ہندو میری ماں کی عصمت دری کریں تب بھی میں ہندوؤں سے نہیں لڑوں گا"[ایضا، ص:۲۵۱]

☆مولوی عزیز گل نے کہا کہ:"ہم نے گاندھی کو اپنا رہنما مان لیا ہے، آگے جانے کہے گا تو آگے جائیں گے، پیچھے ہٹنے کہے گا تو پیچھے ہٹ جائیں گے، جب تک وہ راہ حق پر رہے گا ہمارا رہنما ہے"۔[ایضا، ص:۸۰]

☆ مولانا آزاد سبحانی "گاندھی جی کے آشرم چلے گئے تھے اور انہی کی طرح لباس پہن لیا تھا اور مولانا ابوالکلام قولاو عملا گاندھی جی کے ہمنوا ہو گئے تھے"۔[ایضا، ص:۸۰]

☆ ایک ایسی مجلس میں گاندھی جی آئے جس میں خواجہ حسن نظامی، اہل حدیث عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو پہلے سے موجود تھے، ان کے آتے ہی یہ حضرات کھڑے ہوکر ان کا استقبال کرتے ہیں اور گاندھی جی کی جے کا نعرہ بھی لگاتے ہیں۔[ایضا، ص:۱۵۴]

☆مسلمانوں نے مسلم لیڈروں کے کہنے پر گاندھی کی ٹوپی اور کھدّر کا لباس پہن لیا بلکہ ترکی ٹوپی جو اس وقت خاص مسلمانوں کی علامت سمجھی جاتی تھی اسے جلا ڈالا۔[ایضا، ۱۵۷] [فتاویٰ رضویہ، ج:۶/ص:۱۱]

☆تلک کے مرنے پر مسلم لیڈراوران کے کہنے پر مسلم طلبہ نے سوگ منایا، ننگے سر اور ننگے پیر گنگا کے کنارے تک

گئے، مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے اس کی ارتھی کو کاندھا دے کر شمشان گھاٹ تک پہنچایا۔[ایضا، ص:۱۶۱]

☆ بلکہ ان لیڈروں کے کہنے پر مسلمانوں نے جامع مسجد دلّی میں تلک کے لیے ننگے سر جمع ہو کر دعاے مغفرت کی، فاتحہ خوانی کی اور اس کی مغفرت کے لیے اشتہار شائع کیا۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۶/ص:۳۰]

☆ مولانا عبد الماجد بدایونی نے بر سر منبر کہا کہ خدا نے گاندھی کو مذکر و مدبر بنا کر بھیجا ہے، مولوی اسحٰق ظفر الملک نے کہا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے، ابوالکلام آزاد نے مسٹر گاندھی کے لیے مقدس ستودہ صفات کے القاب استعمال کیے، حیرت کی بات یہ کہ ایسا انہوں نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے کیا۔

مولوی عبد الماجد دریا آبادی کے نزدیک توحید کے بعد رسول کو ماننے کی ضرورت نہیں تھی، حضرت عیسیٰ مجہول النسب تھے، ان کی والدہ کی معاذاللہ عصمت مشکوک تھی، رسول اللہ نے اپنی تعظیم کی آیتیں قرآن میں بڑھا کر اپنے ماننے والوں کی آزادی پامال کر دی ہے۔

مولانا شوکت علی نے کہا کہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان شاء اللہ ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی جائے گی جو کفر و اسلام کا امتیاز مٹا دے گا اور پریاگ و سنگم کو ایک مقدس علامت ٹھہرائے گا۔ میرٹھ میں گاندھی کی آمد پر جلوس نکالا گیا اور مسلمانوں نے ماتھے پر قشقے لگائے، دلی کی جامع مسجد کے منبر پر پنڈت شردھانند کو اور امرتسر کی جامع مسجد کے منبر پر گاندھی جی کو بٹھا کر مسلمانوں نے ان کی تقریر سنی۔

مذکورہ بالا اقوال کفریہ و افعال شرکیہ اس وقت کے ہم عصر ماہناموں، روزناموں، اخبارات، رسائل و جرائد کے ذریعے پورے ملک میں پھیل چکے تھے بلکہ بعض جلسوں میں مسلم لیڈروں کے سامنے اہل حق نے ان کی یہ خلاف اسلام حرکتیں پیش کیں تاکہ وہ توبہ و رجوع کر کے براءت کا اعلان کر دیں مگر علی برادران اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو چھوڑ کر کسی مسلم لیڈر کو شاید ایسی توفیق نہیں ملی، اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے آپ مندرجہ ذیل حوالوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

- الرضا بریلی شریف شمارہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء
- اتفاق دہلی شمارہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۲۰ء
- الفقیہ امرتسر شمارہ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
- پیسہ اخبار لاہور شمارہ ۱۸/ نومبر ۱۹۲۰ء
- دبدبۂ سکندری رامپور ۱/ نومبر ۱۹۲۰ء
- فتاویٰ رضویہ ج،۶/ص:۳۰
- النور از سید سلیمان اشرف بہاری ص:۱۵۰
- تحریک خلافت از قاضی عدیل عباسی
- آزادی کی جنگ از عبد الوحید خان

امام احمد رضا۔۔۔نور خدا کے محافظ:

۱۸۵۷ء میں دلی پر انگریزوں کے تسلط کے بعد چاروں طرف سے اسلامیان ہند کے خلاف فتنوں نے اس شدت سے سر اٹھایا گویا تمام فتنوں کو اسی وقت کا انتظار تھا، فتنوں کی اس آندھی کے بیچ اللہ کے دین کا چراغ اس دیار ہند میں چراغ سحری لگنے لگا، لیکن اللہ کا ارشاد ہے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ [توبہ،۳۲]

ظالم پھونکوں سے اللہ کے چراغ کو بجھا دینا چاہتے ہیں، اللہ دین کا چراغ ہرگز بجھنے نہ دے گا بلکہ اس کے نور کو اور بڑھائے گا اگرچہ کافر برا مانیں۔

اس لیے چراغ مصطفوی پر نگاہ رکھنے والی آنکھوں کو اللہ نے ۱۸۵۷ء سے ایک سال پہلے ۱۸۵۶ء ہی میں پیدا فرما دیا تھا، ان آنکھوں نے اس شان سے نور خدا کی نگہبانی فرمائی کہ آندھیوں کی شدت ماند پڑ گئی اور طوفان نے اپنا رخ بدل دیا، انہیں مہربان آنکھوں کو بعد میں امام احمد رضا خان بریلوی کا نام دیا گیا۔

پروفیسر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء اور اس کے بعد ہندی اور اسلامی تہذیب کی آمیزش کے جو نظارے سامنے آئے ۔۔۔۔ اگر امام احمد رضا اپنی پوری قوت سے اس سیلاب عظیم کی مزاحمت نہ فرماتے تو آج اسلام کی صورت دیکھنے کو برصغیر کے مسلمان ترس رہے ہوتے۔“ [تنقیدات و تعقبات، ص:۱۴۲]

اعلیٰ حضرت نے سب سے پہلے داخلی فتنوں کا تعاقب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل شخصیات کا علمی محاسبہ فرمایا۔

مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا اسماعیل دہلوی، مولوی سید احمد بریلوی، مولوی صدیق حسن بھوپالی، مولوی نذیر حسین ٹانڈوی، مولوی اسحٰق دہلوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی حسین احمد مدنی، مولوی محمد علی مونگیری ناظم ندوہ، مولوی ابوالکلام آزاد، مولوی عبد الماجد دریا آبادی، مولانا محمد علی جوہر، مولوی شوکت علی، مولوی اسحٰق ظفر الملک، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولوی عنایت اللہ مشرقی، مولوی ابوالاعلی مودودی، سر سید احمد خان وغیرہم، اعلیٰ حضرت کی تنقید پر ان میں سے کچھ کو توبہ کی توفیق ملی جیسے علی برادران اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی وغیرہ۔

رہبری کے نام پر جن چند مولویوں نے اپنی کفری تحریروں کے ذریعہ مذہبی دنیا میں بھونچال پیدا کر دیا تھا آپ نے شدید علمی گرفت فرمائی اور ان عبارات کا بارگاہ الٰہی اور بارگاہ رسالت میں مبنی بر توہین ہونا واضح فرما دیا، ان کے غیر شرعی افعال و اقوال پر شدید تعاقب فرما کر ان کی واقعی علمی حیثیت کو بھی بے نقاب فرمایا۔

ان میں سے بعض کو علمائے حرمین شریفین کی عدالت میں پیش فرمایا تاکہ وہاں سے فیصلہ آنے کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے ان مولویوں کے سنگین جرائم کی حقیقت واضح ہو جائے، علمائے حرمین کے فیصلے نے مولوی رشید احمد گنگوہی،

مولوی قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مرزا غلام احمد قادیانی جیسے مدعیان علم کو حکم شرعی کے مطابق "کفر وارتداد" جیسے جرائم کا مرتکب ٹھہرایا، اعلیٰ حضرت نے تمام اختلافی مسائل پر اہل حق کے موقف کی حمایت میں ایسی عالمانہ و محققانہ کتابیں لکھیں کہ باطل اپنی شدت کھو بیٹھا، مختلف مکاتب فکر کے جن علما کا آپ نے سخت علمی محاسبہ فرمایا ان کی فکری اور علمی کمزوریوں کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ حضرت کی مندرجہ ذیل کتب ورسائل کی طرف رجوع کریں، جن کا مطالعہ نہ صرف ایمان وعقیدہ کی پختگی کا سبب بنے گا بلکہ وسعت فکر ونظر کے ساتھ علم میں بھی بہت کچھ اضافے کا سبب بنے گا۔

تمھید الایمان، حسام الحرمین، الکوبة الشهابیة، سبحان السبوح، سل السیوف الهندیة، شمول الاسلام، منیر العینین ، سلطنة المصطفیٰ، منیة اللبیب، تجلّی الیقین، حاجز البحرین، جزاء الله عدوه، رد الرفضة.

ان کے علاوہ ان موضوعات پر اعلیٰ حضرت کی ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں موجود ہیں جن کا مطالعہ مختلف مکاتب فکر کے نظریات کو سمجھنے کے لیے کافی مفید ثابت ہوگا۔ [تصانیف امام احمد رضا، ص:۳۲/ از: علامہ عبد المبین نعمانی]

اعلیٰ حضرت نے محسوس کیا کہ تقویۃ الایمان ، فتاویٰ رشیدیہ ، تحذیر الناس ، حفظ الایمان، براہین قاطعہ جیسی قابل اعتراض کتابوں سے امت کا رشتہ اپنے نبی محترم سے کمزور پڑ رہا ہے، آپ نے امت کو متنبہ فرمایا:

قرآن وحدیث ارشاد فرما چکے ہیں کہ ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں:

[۱] محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم۔

[۲] محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہاں پر تقدیم۔ تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمھارے باپ، تمھارے استاد، تمھارے پیر، تمھاری اولاد، تمھارے بھائی، تمھارے احباب، تمھارے اصحاب، تمھارے مولوی، تمھارے حافظ، تمھارے مفتی، تمھارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد۔ جب وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کریں اصلاً تمھارے دل میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو، نہ اس کی مولویت، شخصیت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کی بنا پر تھا، جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا، اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں، کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ عمامے نہیں باندھتے۔ ان کے نام، علم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں، کیا بہتیرے پادری بکثرت فلسفی، بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے۔ [تمہید الایمان، ص:۱۴]

مسلمانوں کے دین وایمان پر فکر باطل کی یلغار سے تڑپ کر ایک جگہ اعلیٰ حضرت نے یوں سوز دل کا اظہار فرمایا: "مسلمان کہلانے والو! للہ اپنا ایمان سنبھالو! واحد قہار کے قہر سے ڈرو! حب للہ وبغض للہ کے سامان درست کرو! نیچری تہذیب

اورساختہ تادیب کی خواب غفلت سے جاگو! جس سے کلمۂ تکفیر وتوہین خدااور سول سنو، تمھارا کیسا ہی معظم یا پیارا ہو دور کرو، دور بھاگو، خدا کے دشمن کو دشمن مانو، اس سے تعلق کو آگ جانو، ورنہ عنقریب دیکھ لوگے کہ تمھارے قلوب مسخ ہوگئے، تمھارے ایمان نسخ ہوگئے، تمھارے نکاح فسخ ہوگئے"۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۶/ص:۱۶۰]

تقویۃ الایمان کے مصنف نے محبوبان خدا کی شان میں جوزبان استعمال کی ہے وہ بہت مشہور ہے ،اس کتاب کی بازگشت فتاویٰ رشیدیہ، براہین قاطعہ، تحذیرالناس، حفظ الایمان، بہشتی زیور اور جہدالمقل جیسی کتابوں میں صاف محسوس کی جاسکتی ہے، مسلمانوں کی شدید برہمی کے بعد بھی نہ انہوں نے کتابوں کی اشاعت بند کی، نہ متنازعہ عبارات کتابوں سے ہٹائیں اور نہ ہی انہوں نے توبہ ورجوع کیا، جب کہ ان کتابوں کی وجہ سے امت فرقوں، جماعتوں اور ٹولیوں میں بٹ بٹ کر اپنی قوت کھو رہی تھی، اعلیٰ حضرت کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ اگر اختلاف کی بنیاد[متنازعہ عبارات]ختم نہ کی گئی تو امت مزید ہراساں ہوکر برباد ہوجائے گی، آپ نے ان کتابوں کے مصنفین سے براہ راست رابطہ فرمایا، خطوط لکھے، رجسٹریاں بھی بھیجیں، متنازعہ عبارات کی اشاعتوں اوران کے سنگین نتائج کی طرف باربار توجہ دلائی، احقاق حق کے لیے آمنے سامنے گفت وشنید حتی کہ مناظرے کی دعوت بھی دی، مگر اتحاد واتفاق کی ساری کوششیں آپ کی بیکار ثابت ہوئیں۔

محبوبان خدا کی تنقیص وتوہین کا سلسلہ بدقسمتی سے آج بھی جاری ہے بلکہ منظم ہوکر انہوں نے اس باب میں بڑی وسعت پیدا کرلی ہے، قرآن، حدیث، تواریخ وسیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے باطل نظریات کے لیے مواد جمع کرلیا ہے، حالاں کہ مواد کی فراہمی اور انتخاب میں انہوں نے علم ودیانت کا خون کرکے محض جھوٹی تسلیاں دینے کی کوشش کی ہیں۔

ایک عبرت آموز واقعہ:

پروفیسر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مخالف کیمپ کے ایک نامور عالم نے اپنی کتاب پر تقریظ لکھنے کی گزارش کی، اس کتاب میں مصنف نے محبوبان خدا کی شان میں نازیباالفاظ اور گستاخانہ لب ولہجہ استعمال کرکے تقویۃ الایمان کی روایت کو دہرانے کی کوشش کی تھی۔

- مثلانبی وولی۔۔۔اللہ کی بے بس وعاجز مخلوق ہوتے ہیں۔
- کسی کو کنویں میں ڈال دیا گیا۔
- کسی کو قید، کسی کو بیمار کردیا گیا۔
- کسی کو دریامیں پھینک کر مچھلی کے پیٹ میں محبوس کردیا گیا۔
- کسی کو میدان جنگ میں لہولہان کردیا جاتا ہے۔
- کسی کو آگ میں ڈال دیا گیا۔
- کسی کو رونے کی وجہ سے بینائی سے محروم کردیا گیا۔

- یہ سب ان کی بے بسی وعاجزی کی وجہ سے پیش آیا۔

پروفیسر موصوف نے فرمایا! بھئی! اللہ کے محبوبوں کا یہ کیسا تعارف آپ نے کرایا ہے؟

صاحب کتاب نے جواب دیا کہ یہ سب تو قرآن میں موجود ہے۔

پروفیسر موصوف آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا:

"یہ واقعات آپ کو قرآن میں مل گئے، مگر اسی قرآن میں آپ کو وہ آیات نظر نہیں آئیں جو انبیاے کرام اور تمام محبوبان خدا کی عظمت پر صریح دلالت کرتی ہیں، پروفیسر موصوف نے متعدّد آیات قرآنیہ ترجمے کے ساتھ پیش کیں اور فرمایا اللہ اللہ یہ سارے اذکار قرآن حکیم میں موجود ہیں، ان کا کیوں ذکر نہ کیا؟ عالم مذکور سٹپٹا گئے، کہنے لگے محبوبان خدا کی عظمتوں کا ذکر کیا جائے تو لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں"

پروفیسر موصوف نے فرمایا کہ اس کی تدبیر تو حق جل مجدہ فرماتا۔۔۔۔ جس نے ایسی آیات نازل فرمائیں، آپ کیوں اس فکر میں مبتلا ہو گئے، نامراد ہو کر وہابی مولوی وہاں سے چلیے گئے۔[نور و نار، ص:۳۴۔از: پروفیسر مسعود احمد]

وہابیت کی خمیر معلوم نہیں کس قسم کی ایمانی مٹی سے تیار ہوئی ہے کہ جونہی کسی محبوب خدا کی عظمت کا چرچا ہوتا ہے کفر و شرک کی بو۔۔۔۔ وہابیوں کو ستانے لگتی ہے، حالاں کہ ذات باری اور تمام مخلوقات کے درمیان بطور حقیقت کوئی بھی چیز مابہ الاشتراک نہیں، اس طے شدہ اصول کے باوجود اللہ رب العزت نے بہت دفعہ اپنی ذات سے منسوب اوصاف کو مخلوق کی طرف بھی منسوب فرمایا ہے، ان تمام جگہوں میں کوئی بھی صاحب ایمان، سمجھنا تو دور کی بات ہے، وہم بھی نہیں کرتا کہ عبد اور معبود دونوں کے لیے استعمال کیا گیا وصف دونوں جگہ ایک ہی معنی کے لیے استعمال ہوا ہے، چند مثالوں سے اس کو سمجھیے۔

[۱] وجود:----- عبد اور معبود دونوں وجود سے متّصف لیکن عبد کا وجود اللہ کی عطا سے ہے، عبد فانی حادث ہے، معبود کا وجود عین ذات واجب لذاتہ، معبود باقی قدیم، ہر صاحب ایمان یہی سمجھتا ہے۔

[۲] عزیز، رؤف، رحیم:-----سورۂ توبہ کی آخری آیت میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا ہے، جب کہ قرآن ہی میں بے شمار جگہوں پر خود اللہ نے ان اوصاف کو اپنے لیے بھی استعمال فرمایا ہے۔

[۳] العزۃ:-------سورۃ النساء، پارہ ۴/ آیت ۱۳۹/، سورۂ یونس، پارہ ۱۱/ آیت ۶۵/ سورۂ فاطر پارہ ۲۲/ آیت ۱۰/ میں اللہ نے اس صفت کو اپنے لیے استعمال فرمایا ہے "ان العزۃ للہ جمیعا"، جب کہ سورۂ منافقون پارہ ۲۸/ آیت ۸/ میں اپنے لیے بھی اور اپنے رسول بلکہ عام مؤمنین کے لیے بھی استعمال فرمایا "للہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین"۔

پہلی تین سورتوں میں اللہ نے فرمایا کہ کل عزتیں اللہ کی ہیں یعنی اس میں حصص ممکن نہیں، پھر سورۂ منافقون میں اس عزت کو اللہ نے اپنے ساتھ رسول اور عام مؤمنین کے لیے بھی ثابت فرمایا، مطلب واضح ہے کہ کل عزتیں اللہ کی ہیں اور رسول اور مؤمنین کی عزتیں و شوکتیں دراصل اللہ ہی کی عزتیں و شوکتیں ہیں، ان کی عزتیں اس کی عطا ہیں، وہ اصل اور یہ اس کے ظل ہیں، محبوبان خدا کی ہستیاں خدا کے مقابلے کوئی مستقل ہستیاں نہیں بلکہ اپنے کمالات میں مظہر خدا ہیں۔

خدا کے مقابلے کسی مخلوق کو ایک مستقل ہستی ماننا ہی کفر کی پہلی سرنگ ہے جو بالآخر شرکستان کی ہولناک وادی میں جا کر کھلتی ہے۔

تاریخ کا یہ گوشہ حیران کن ہے کہ محبوبان خدا کی عظمتوں سے کھیلنے کا جب بھی کسی نے مزاج بنایا ہے تو اس نے پہلے ان کی عظمتوں پر حملہ نہیں کیا بلکہ:

"پہلے یہ لوگ خدا کے ساتھ انبیا کے تقابل کا ایک فرضی ماحول بناتے ہیں اور اس کے بعد انبیا کو خدا کے مقابلے پر رکھ کر جو چاہتے ہیں بے خطر کہہ جاتے ہیں"۔[تبلیغی جماعت، ص:۵۰/از: علامہ ارشد القادری]

تقویۃ الایمان کی دونوں عبارتوں پر غور کیجیے جن میں یہ تقابل موجود ہے:

[۱] یہ یقین سے جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔[ص:۱۴۱/ مکتبہ ندویہ]

[۲] سب انبیا اور اولیا اس کے روبرو ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔[ص:۱۱۹/ مکتبۂ ندویہ]

ان دو عبارتوں کی صفائی میں مولوی رشید احمد گنگوہی نے جو کچھ کہا ہے اس میں بھی یہ تقابل موجود ہے:

"مگر حق تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں وہ [رسول خدا] بھی بندۂ مخلوق ہے" "لہٰذا تقویۃ الایمان کی عبارتوں سے مراد حق تعالیٰ کی بے نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے"[فتاویٰ رشیدیہ، ص:۸۴]

حضور مفتی اعظم ہند کا اس پر علمی تبصرہ قابل مطالعہ ہے، تسہیل کے بعد حاضر ہے:

"صفحہ ۱۴۱/ پر چمار سے بھی ذلیل کہا، صفحہ ۱۱۹/ پر ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر"

چمار سے ذرۂ ناچیز کی طرف تنزل کیوں؟

اس لیے کہ چمار جیسا بھی ہے مگر ہے انسان۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو غیر انسان پر کچھ نہ کچھ عزت ضرور دی ہے۔"ولقد کرمنا بنی آدم" کا فرمان شاہد ہے۔

اس لیے وہابی ذہنیت اول سے دوم کی طرف عدول پر مجبور ہوئی تا کہ محبوبان خدا کو ایک عام انسان کی عزت بھی نہ مل سکے"

پھر فرماتے ہیں:

"وہابیوں نے دو مستقل عزتیں رکھیں:

[۱] ایک اللہ کی۔

[۲] دوسری انبیا و اولیا کی۔

اور پھر موازنہ کے لیے۔۔۔ آگے۔۔۔ روبرو۔۔۔ مقابلہ۔۔۔ جیسے الفاظ سے اسی تقابل کی تعبیر کی۔

اس لیے انہوں نے انبیا و اولیا سے مدد مانگنے کو شرک ٹھہرایا ہے کیوں کہ ان کے نزدیک انبیا و اولیا طاقت و قوت میں جدا ہستیاں ہیں جیسے مشرکوں نے بتوں کے متعلق یہی عقیدہ بنا رکھا ہے۔

حالاں کہ انبیا واولیا طاقت وقوت میں مستقل ہستیاں نہیں ہیں جو کچھ کمالات ان کے پاس ہیں اللہ کی عطا سے ہیں، ان سے مانگنا بعینہ خدا ہی سے مانگنا ہے، اللہ ہی کی عزتیں اور قدرتیں ان میں تجلی فرما ہیں، پھر ناپ تول کیسا، بلا تشبیہ آئینے میں بادشاہ کے عکس کی اسی کے سامنے تذلیل کیجیے کہ یہ عکس تو بادشاہ کے مقابلے میں نہایت ذلیل اور ناپاک سور سے بھی بد تر ہے تو یہ بادشاہ ہی کی توہین ہوگی۔[تکمیلات ضمیمہ الاستمداد تکملہ نمبر ۳۱]

محبوبان خدا کی عظمتوں کے ذکر سے گھبرا کر بعض لوگوں کا کفر وشرک کے توہمات میں الجھ جانا محبوبان خدا کی قرار واقعی عظمتوں کی عظیم الشان بلندی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس ناقص تصور کی وجہ سے ہوتا ہے جو خدا کی لا محدود عظمتوں کو محدود دائرے میں سمجھنے کا عادی ہو چکا ہے، اس قسم کے محدود اور کمزور پیمانے سے خدا کا تصور کرنے والا ہمیشہ اس خوف کے سائے میں زندگی گزارتا ہے کہ کسی محبوب خدا کی میں نے بڑے بھائی سے زیادہ عزت اور تعظیم کر لی تو کہیں کافر اور مشرک نہ ہو جاؤں۔

محبوبان خدا کی عظمتوں کے سامنے سر عقیدت خم کر دینے سے کفر وشرک میں مبتلا ہو جانے کا خوف بعض لوگوں کیوں ستانے لگتا ہے؟

اس خوف کے محرکات اور بنیادوں کا پتا لگانے کی بعض محققین نے کامیاب کوشش کی ہے، جن میں قابل ذکر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی فیصل آباد پاکستان کا معتمد ومستند نام بھی شامل ہے، ڈاکٹر قریشی کا انتہائی معنی خیز تبصرہ توجہ کے ساتھ پڑھنے کی چیز ہے، فرماتے ہیں:

"برصغیر کے سیاسی ومجلسی پس منظر کا جائزہ لیا جائے اور ہندو اکثریت کے قرب کو ذہن میں رکھا جائے اور ہندو مت کے تصور الٰہ کا مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ہندو مذہب میں "خدا" کا تصور مادی آلائشوں میں اسیر ہو گیا تھا، دیوتا شادی کرتے تھے، اولاد بھی تھی، جنسی بے راہ روی بھی ان کا استحقاق تھا، یوں محسوس ہوتا ہے اوتار اور دیوتا کا فرق کم سے کم تر ہو گیا تھا حتی کہ بعض معاملات میں ایک سے رویے اپنائے گئے تھے، خالق جو برتر اور لافانی وجود تھا بعض خوارق کے باوجود انسان کے قریب آگیا تھا، مجلسی قرب نے غیر شعوری طور پر بعض اذہان میں تصور الٰہ کو بھی اس کوتاہ خیالی کا اسیر بنا دیا تھا، اس لیے جب بھی ذات رسالت ﷺ کی عظمت، برتر حیثیت اور بے مثال رفعت کا ذکر ہوتا خدا بنا دینے کا واہمہ پیدا ہوتا، یہ در حقیقت ذات رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے مبالغہ آمیزی کا اثر نہ تھا بلکہ ذات الٰہ کے بارے میں انسانی حوالوں سے کم تر سوچ کا سبب تھا، وہ ذات پاک اپنی منزہ حیثیت کی حامل رہتی تو کسی بے جا قرب کا وسوسہ پیدا نہیں ہوتا"[نعت رنگ کا اعلیٰ حضرت نمبر: ۴۶؍ شمارہ ۱۸؍ دسمبر ۲۰۰۵ء]

اپنے سراغ اور کھوج میں کامیابی کے بعد ڈاکٹر قریشی نے اعلیٰ حضرت کے تصور الٰہ اور اس کی پاکیزگی کی تعریف کی کہ اعلیٰ حضرت کا تصور الٰہ اس طرح کی آمیزش سے پاک تھا۔

"فاضل بریلوی ذات رسالت پناہ ﷺ کی بے پناہ عظمتوں کے قائل تھے، ہر حسن جو متصور ہے اس ذات میں دیکھتے تھے، مگر ان کے ذہن میں یہ خیال کبھی نہ آیا کہ "ذات الٰہ" میں شرکت کا باعث ہوگا، اس لیے کہ وہ خالق اور مخلوق کے فرق

کو پوری شعوری قوت سے تسلیم کرتے تھے اور التباس ذات کے کسی واہمہ کے شکار نہ تھے“۔[نعت رنگ کا اعلیٰ حضرت نمبر، ص:۴۶]

الحمدللہ ہم جیسے اعلیٰ حضرت کے لاکھوں کروڑوں غلام بھی اس قسم کے کسی خوف میں زندگی نہیں گزارتے، خدا کے فضل سے اہل سنّت کا بچہ بچہ خالق اور مخلوق، عبد و معبود کے فرق کو سمجھتا ہے اور فرق مراتب کے لحاظ میں ہم سب غلاموں کو شرح صدر حاصل ہے۔

حرمین شریفین کے ۳۴؍جلیل القدر علمائے کرام اور برصغیر کے ۲۶۸؍عظیم القدر پیشوائے اسلام نے بالاتفاق مذکورہ کتابوں کے مصنفین مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم، مولوی خلیل احمد، مولوی اشرف علی اور مرزا غلام احمد قادیانی پر حکم کفر لگایا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ علمائے اہل سنّت کی تنبیہ کے بعد فریق مخالف اپنے مفروضہ عقائد کو قرآن، حدیث اور اقوال سلف کے میزان حق پر پیش کرتے اور اپنے عقائد باطلہ کا قبلہ درست کرتے، اور امت کو کربناک آزمائش سے بچا لیتے، مگر ایسا نہ ہوا، ان کی طرف سے جو افسوس ناک رویہ سامنے آیا اس سے ان کے شعور و آگہی پر ہمیشہ کے لیے سوالیہ نشان لگ گیا۔

امت کے درد و کرب کو محسوس کر کے اپنی کتابوں کی اشاعت بند کیا کرتے، متنازعہ عبارات کتابوں سے کیا حذف کرتے، الٹا انہوں نے جہاں بھی اپنے مفروضہ عقائد کے خلاف قرآن کے معانی محسوس کیے معانی بدل ڈالے، تفسیری جملے، الفاظ حدیث اور اقوال سلف پایا تحریف و تبدیل کر کے مجرمانہ سوچ کا ثبوت دیا، ان کی طرف سے کی گئی اس قسم کی بعض تحریفات کو علامہ فضل اللہ چشتی صابری نے اپنی کتاب ”تحریفات“ میں جمع کر دیا ہے، توفیق توبہ نہ ملنے پر انسانی جرأت و بے باکی اور انجام بد سے لاپرواہی کی عبرتناک داستان کسی کو پڑھنے کا شوق ہو تو وہ ”تحریفات“ نامی کتاب کا ضرور مطالعہ کرے۔

امام احمد رضا ایک بادہ خوار عاشق، مگر حکیم فرزانہ تھے:

علم و تحقیق کی راہ پر انسانی معلومات میں جوں جوں وسعت آتی ہے، فکر میں اعتدال، سوچ میں وسعت، ظرف میں گنجائش، طبیعت میں نرمی، مزاج میں سادگی اور کردار و گفتار میں میانہ روی آجاتی ہے، اعلیٰ حضرت علم و تحقیق کی جس بلندی پر فائز تھے وہ مرتبہ آپ کے معاصرین میں کسی کو حاصل نہ تھا، وقت کے بڑے بڑوں نے آپ کی علمی برتری کو تسلیم کیا تھا، اس بیکراں علمی وسعت کا واضح اثر اور نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ آپ کے مزاج میں نرمی ہوتی اور مخالفین کی تردید میں مصلحت کوشی اور سہل پسندی سے کام لیتے، مگر اس کے برخلاف اعلیٰ حضرت نے بڑی شدت کے ساتھ ان کا تعاقب فرمایا اور ان کے خلاف اس وقت تک لکھتے رہے جب تک ان کے فتنوں کی ہلاکت خیزیوں کو خود ان کی چوکھٹوں پر شکست نہ دے دی۔

عاشقی اور شدت ایک طبیعت میں جمع نہیں ہو سکتی، اس کو تو خیال یار سے فرصت ہی نہیں ملتی، اعلیٰ حضرت تو سر حلقۂ عاشقاں تھے، بزم کیف و مستی کے لیے شمع محفل تھے، آپ تو صدائے یوم الست کے مست تھے، فراق یار میں آپ کا دل کبابِ آہو بنا ہوا تھا۔

جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزش عشق چشم والا
کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

[رضا بریلوی]

آپ نے عشق کی نزاکتوں کا لحاظ اس وقت بھی رکھا جب خیال یار میں ڈوب کر قرآن کا ترجمہ کر رہے تھے، مزاج عشق کی ناز برداری اس وقت بھی محفوظ رکھی جب آپ شریعت کی پاسبانی کے لیے ایک ہزار سے زائد کتابیں امت کے حوالے کر رہے تھے۔

عشق، عاشق کے جوڑ جوڑ کو توڑ کر رکھ دیتا ہے، عاشق کسی سے نہیں الجھتا، وہ ٹونڈھال جان اور ٹوٹا دل ہوتا ہے، عاشق کے نزدیک ہر اختلاف کا حل عشق ہے، عاشق بہر صورت عشق ہی کو نقطہ اتحاد سمجھتا ہے۔

یوں تو سب انہیں کا ہے، پر دل کی اگر پوچھو
یہ ٹوٹا ہوا دل ہی خاص ان کی کمائی ہے
طیبہ نہ سہی افضل، مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

امام احمد رضا

آپ کا بچپن عشق ـــــ آپ کی جوانی عشق ـــــ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ عشق ـــــ آپ کی ہر سانس سوزش عشق سے گرم ـــــ آپ کا ہر لفظ ساز دل کا ترجمان ـــــ آپ کی ہر ادا میں سوز دروں کی جھلک ـــــ آپ کا مقصد حیات عشق ـــــ آغوش لحد کا سامان عشق ـــــ ہنگامہ محشر ہو تو سامان راحت، عشق ـــــ قیامت کا سماں ہو تو اطمینان، عشق ـــــ آپ کا مرض عشق ـــــ دواء عشق ـــــ شفاء عشق ـــــ آپ کا زخم عشق مرہم عشق ـــــ عشق ہی آپ کا وجود، فنا عشق ـــــ رضؔا بریلوی کا دعویٰ، عشق ـــــ دلیل، عشق ـــــ دلیل کا صغریٰ کبریٰ، حد اوسط عشق ـــــ آپ کا باطن، عشق

دل میں روشن ہے شمع عشق حضور
کاش جوش ہوس ہوا نہ کرے

آپ کی روح، عشق

الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دیگر برزن عِشقا
موراتن، من، دھن سب پھونک دیا، یہ جان بھی پیارے جلا جانا

آپ کی جان، عشق
آپ کا مرض، عشق
شفا، عشق

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اُٹھائے کیوں

آپ کا درد و غم، عشق

ہمارے درد جگر کی کوئی دوا نہ کرے
کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے

آپ کا سوز وگداز، عشق
نالہ وشیون، عشق

برق عشق شہ والا یہ گری وہ تڑپی
شور سینوں میں ہے برپا یہ گری وہ تڑپی

آپ کی پرنم آنکھیں اور تردامنی، عشق

عشق مولیٰ میں ہو خوں بار کنار دامن
یاخدا جلد کہیں آئے بہار دامن

آپ کے نزدیک آب حیات ہے، عشق

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

قبر کی اداس تنہائیوں کا ندیم، عشق

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

قبر وحشر ونشر میں رضا کی بعثت، عشق —— سوالوں کا جواب، عشق

جب رضا خواب گراں سے سر اُٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

حساب وکتاب اور رضا کی نجات بھی، عشق

اے عشق تیرے صدقے، جلنے سے چھٹے سستے
آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

جس عاشق کا تن من دھن، سوز دروں سے یوں پھونک چکا ہو، دل میں عشق کا ایسا طوفان لیے کوئی عاشق کسی سے کیسے الجھ سکتا ہے، امام احمد رضا میخانۂ عشق کے عظیم بادہ خوار ہو کر نہ صرف الجھے بلکہ اپنے محبوب کے وقار کے لیے لڑ پڑے، کیوں؟ کیوں کہ امام احمد رضا میخانۂ عشق کے بادہ خوار بھی تھے، حکیم فرزانہ بھی تھے، آپ عین حالت سکر میں بھی مقام صحو پر فائز تھے، آپ کے زمانے میں جادۂ حق سے بے راہ روی، اسلاف بیزاری، انبیا اور صالحین کی بارگاہوں میں بے ادبی کا فتنہ، صرف فتنہ نہیں رہ گیا تھا

بلکہ کثرت کے ساتھ لوگ اس میں مبتلا ہورہے تھے، ایسے فتنوں کی سرپرستی کے لیے علماے ہند کا ایک بڑا طبقہ میدان عمل میں اتر چکا تھا، ان فتنوں کی نشر و اشاعت کے لیے مدارس، مکاتب، دارالعلوم اور بڑے بڑے جامعات کھول کر ہزاروں کی تعداد میں پر چارک پیدا کیے جارہے تھے، ان علما میں کچھ پر مشیخیت کا لیبل لگا تھا، کچھ سیاسی قائدین تھے، سیکڑوں کی تعداد میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو خود کو دانشور کہلاتے تھے، بڑی تعداد میں قرطاس وقلم کے ماہرین ان فتنوں کے اندر معقولیت کا رنگ بھر رہے تھے، رسائل و جرائد، کتب، مطابع، پریس، اخبارات تمام عصری وسائل کو انہوں نے اس کام پر لگادیا تھا۔

فتنوں کے اس ہوش ربا ماحول میں اگر کچھ بھی نرمی برتی جاتی تو فتنوں کا سیلاب سب کچھ بہالے جاتا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ایک حکیم فرزانہ کی طرح مرض کا علاج فرمایا اور اپنی بے پناہ علمی وفکری اور تجدیدی صلاحیتوں کو کام میں لاکر بڑی شدت سے فتنوں کا محاسبہ فرمایا، آپ کا طرز عمل شدت نہیں ایک حکیم کا فرض منصبی تھا۔

امام احمد رضا کی سیاسی دقت نظری۔

امام احمد رضا نے داخلی فتنوں کی سرکوبی کے بعد خارجی وسیاسی فتنوں کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔

آپ نے محسوس کیا کہ اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاچکا ہے، مسلم لیڈروں کی عاقبت نااندیشی سے موقع پرستوں نے کاروان اسلام کو طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر لوٹنے کی کوشش کی ہے، ہمسایہ قوم کے شاطر دماغوں نے چند مولویوں کو اقتدار کا لالچ دے کر آلہ کار بنالیا ہے اور ان کے ذریعے عام مسلمانوں کی جانوں کو برطانوی بندوقوں کے سامنے قربان کردینے کا سودا طے پاچکا ہے، مسلمانوں کی جائز قیادت بکھری ہوئی ہے، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت، تحریک شدھی اور تحریک ترک گاؤکشی کی فسوں کاری کرکے ہمسایہ قوم نے مسلمانوں کو بالکل تباہی کے دہانے پر لاکر کھڑا کردیا ہے۔

۱۹۱۴ء میں جب پہلی عالمی جنگ کا بگل بجا، عالم اسلام کا محبوب ترین ملک ترکی بھی جنگ میں شامل ہوگیا، یا خفیہ ماحول سازی کرکے اسے جنگ میں زبردستی گھسیٹا گیا، فلسطین، بیت المقدس، شعائر اسلام کی حفاظت اور حرمین شریفین کی خدمت ومیزبانی میں ترکوں نے صدیوں سے اپنی جان کی بازی لگارکھی تھی، اس کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ترکی سے جذباتی لگاؤ ہوگیا تھا، بلکہ پورا عالم اسلام ترک قوم کو اپنا محافظ اور مذہبی پیشوا سمجھتا تھا، ہندوستانی مسلمان تو ان پر جان چھڑکتے تھے، ترکوں کی یہ عظیم الشان قیادت یورپ اور دوسری عیسائی ویہودی قوموں کو ایک آنکھ نہیں بھارہی تھی، اسی وجہ سے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ترکی کی وسیع سلطنت پر ان کی نظر برسوں سے تھی، ان کو ایک ایسے موقع کی تلاش تھی جس میں ترکی سلطنت کی مرکزیت کو نقصان پہنچا سکے اور آسانی سے اس کے ٹکرے کرکے بندربانٹ کا ان کو موقع مل جائے اور یہ موقع ان منفی قوتوں کو پہلی عالمی جنگ کی صورت میں مل گیا۔

[۱] بیت المقدس پر قبضہ۔

[۲] فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنا۔

[۳] حجاز، مصر، ایران، عراق اور دوسری ترکی ریاستوں میں بغاوت کی آگ بھڑکانا۔

[۴] ترکی کی وحدت پارہ پارہ کرنا۔

[۵] مسلم ریاستوں میں آثار قدیمہ کی تلاش کے نام سے کھدائی اور پھر پس پردہ معدنی ذخائر تیل، گیس اور سونے چاندی کے کانوں کی تلاش اور قبضہ۔

[۶] جدید صنعتی انقلاب کے نتیجے میں ضرورت سے زیادہ مصنوعات کی پیداوار، ان کی کھپت کے لیے عالمی مارکیٹوں تک رسائی۔

[۷] حدود سلطنت میں اضافہ کے لیے نوآبادیات کی تلاش۔

یہ سب پہلی جنگ عظیم کے اسباب بھی تھے اور مقاصد بھی۔

ترکوں نے میدان جنگ میں ایسی جانبازی دکھائی کہ آلات جنگ کی کثرت اور لاجواب فوجی قوت کے باوجود برطانیہ اور اتحادیوں کی فوج ہر جگہ پسپا ہو کر شکست کھائی، خصوصاً بیت المقدس اور فلسطین کے محاذ میں ترکوں نے ایسے حوصلے دکھائے جوان کی ہی طرح قوم دکھا سکتی ہے، جب فلسطین اور بیت المقدس پر فتح کا خواب پورا ہوتا نظر نہ آیا تو برطانیہ نے ہندوستان کو بھی جنگ میں جھونک دیا، مسٹر پٹیل، تلک، گاندھی جی اور دوسرے غیر مسلم لیڈروں کی ترغیب دلانے پر تقریباً دس لاکھ ہندوستانی۔۔۔ فوج میں بھرتی ہوئے جن میں اکثر مسلمان تھے اور چند ہزار ہندو تھے، جنگ کے دوران ہندو فوجیوں کو جو ذمہ داریاں دی گئیں وہ پچھلی صفوں کی غیر اہم ذمہ داریاں تھیں، جس کی وجہ سے ان کو کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا، برطانیہ نے ہندوستانی فوجیوں کی مدد سے فلسطین اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا، پھر اس کے بعد ہندوستانی فوج نے ترکوں کو کئی محاذوں پر شکست سے دوچار کیا، جس کی وجہ سے حجاز، مصر، عراق اور بلاد یورپ ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے، اور ترکوں کی کمر ٹوٹ گئی۔

برطانیہ کی فوج میں مسلمانوں کی بھرتی اور ترکوں کے خلاف جنگ پھر ترکوں کی تباہی پر ایک دو آنسوں ابوالکلام آزاد نے بھی بہایا ہے، حالاں کہ یہ کانگریسیوں کے بڑے قریبی دوست اور ہم خیال بھی تھے۔

”نہایت ہی افسوس اور روسیاہی کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ مذہبی فیصلہ صحیح تھا نہ وعدوں اور اعلان پر اعتماد، انہوں نے اپنی تیرہ سو سالہ تاریخ حیات میں شاید ہی کوئی ایسی قومی و مذہبی غلطی کی ہو گی جیسی اس موقع پر کی“ [مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب، ص:۲۸۹]

ایک جگہ پھر لکھتے ہیں:

”بدبخت مسلمانوں نے برطانیہ کے وعدوں پر بھروسہ کیا اور جنگ کے نتائج سے مطمئن ہو گئے، ان کا روپیہ ان کی جانیں، ان کے ملک کی تمام قوتیں بے دریغ [ترکوں کے خلاف] خرچ کی گئیں، دنیا کی آخری اسلامی حکومت و خلافت کو مٹانے میں ان کی ہر چیز نے پورا پورا کام کیا، یہاں تک کہ برٹش گورمنٹ اپنی تاریخ حیات کے سب سے بڑے مہلک وقت سے بچ گئی اور وہ فتح مندی مکمل ہو گئی جس کا پہلا نتیجہ اسلامی خلافت کی بربادی و تباہی ہے“ [مسئلہ خلافت، ص:۲۹۱]

جنگ میں فوج کی بھرتی کے دوران برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ

[۱] حجاز مقدس

[۲] بیت المقدس

[۳] مقامات مقدسہ

[۴] ترکی کے علاقوں

[۵] اور ترکی کی مرکزی قوت

سے چھیڑ خوانی نہیں کی جائے گی، ہوا کیا؟ فتح کے بعد برطانیہ نے سارے وعدے بھلا دیے اور ترکی کے حصے بخرے کر کے ذلت آمیز شرائط پر مبنی صلح نامے پر دستخط کے لیے اس کو مجبور کر دیا، سیاسی قائدین کی کوتاہ نظری اور نتائج سے بے خبری کی وجہ سے ترکوں کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا اس سے اسلام کا چاند یورپ میں گہنا گیا۔

یہ حالات دیکھ کر ہندوستانی مسلمان تڑپ کر رہ گئے، ہندو لیڈروں کے اشارے پر مسلم لیڈر میدان میں کود پڑے۔ جو کبھی مسٹر محمد علی جوہر، مسٹر شوکت علی، مسٹر عبد الماجد دریا آبادی، مسٹر ابو الکلام آزاد ہوا کرتے تھے، اب وہ سب اچانک مولانا بن چکے تھے، تحریک خلافت کی بنیاد ڈالی گئی اور ہر اسٹیج پر جذباتی تقریریں کر کے مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف انہوں نے آگ لگادی۔

پردے میں بیٹھے کسی شطرنج باز کے اشارے پر مسلم قائدین ایک غلطی کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں ترکوں کا قتل عام کرا چکے تھے اور اب دوسری غلطی کی طرف قدم بڑھا رہے تھے، وہ عظیم سلطنت جو برباد ہو چکی تھی اس کی مدد، نصرت وحمایت کے نام پر تحفظ خلافت کا نعرہ بلند کیا، چندہ وصولنے کے لیے کمیٹیاں بنائیں، اشتہار دیے پھر جگہ جگہ جلسے جلوس نکال کر پورے ماحول کو گرما دیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ خوب چندے ہوئے، کروڑوں روپیے وصول ہوئے، عورتوں نے زیورات تک اتار اتار کر چندے کی چادروں میں ڈال دیں۔

موقع پرستوں کو اسی لمحے کا انتظار تھا، انگریزوں کو بھگا کر رام راج لانے کے لیے انگریزوں سے لڑنے کی ضرورت تھی اور لڑنے کے لیے جان اور مال دونوں چاہیے تھا، تحریک خلافت نے جو ماحول سازی کی تھی اس میں موقع پرستوں کو دونوں چیزیں ایک ساتھ مل گئیں، وہ غیر مسلم لیڈران جو چند مہینے پہلے لاکھوں مسلمانوں کو ترکوں کے خلاف لڑنے، ترکوں کو برباد کرنے میدان جنگ میں بھیجا تھا آج وہی لوگ تحفظ خلافت کے نام پر تحریک خلافت میں بھی شامل ہو گئے تھے، خلافت جو خالص مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ تھا انہوں نے اپنا مسئلہ بنالیا، ہر اسٹیج پر چاہے کوئی مسلم لیڈر موجود ہو یا نہ ہو مگر تلک، پٹیل اور گاندھی جی ضرور نظر آجاتے، یہ عجب معمہ تھا۔ نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

ترکوں کے نام پر چندہ۔۔۔۔۔رقم کیا ہوئی؟

خلافت کمیٹی کے ایک ممبر عدیل عباسی کے بقول انگریزوں کے خلاف ماحول بنانے کے لیے مسلم، غیر مسلم لیڈروں نے گاندھی جی کی سرپرستی میں ملک گیر دورے کیے، وہ بھی خلافت کے فنڈ سے، پورے ملک میں جلوس نکالے گئے، جلسے کیے گئے،

خلافت ہی کے فنڈ سے، بیرون ممالک میں لیڈروں کا ایک سے زائد بار دورہ ہوا خلافت ہی کے فنڈ سے، ممبئی میں خلافت ہاؤس کی عالیشان عمارت کی تعمیر خلافت ہی کے فنڈ سے ہوئی۔

خلافت کے ایک اہم رکن سیٹھ جان محمد چھوٹانی نے خلافت فنڈ سے ۱۶/ لاکھ روپے لے کر اپنے کاروبار میں لگادیا، کانگریس کو ملک گیر تحریک بنانے کے لیے خطیر رقم کی ضرورت تھی، اس کے لیے چالیس لاکھ روپے خلافت کمیٹی نے دیے، پھر بعد میں گاندھی جی نے ایک کروڑ روپے کی مانگ کی تو وہ بھی خلافت کمیٹی نے پوری کی۔

جب ترکان احرار کے ہاتھوں ترکی میں شخصی حکومت کی جگہ جمہوری نظام حکومت نافذ کیا گیا ہندوستان میں تحریک خلافت بے اثر ہوگئی اور فنڈ میں پندرہ لاکھ پونڈ کی خطیر رقم جمع تھی وہ بھی کانگریس کو دے دی گئی۔

بعض دانشوروں کے مطابق:

”ہندوستان کے غریب مسلمانوں نے اپنے ترک بھائیوں کی امداد کے لیے جو کروڑوں روپے کا چندہ خلافت کمیٹی کو دیا تھا اس کا دسواں حصہ بھی ترکوں تک نہیں پہنچا“

ایک مرتبہ کسی نے مولانا محمد علی جوہر سے چندے کا حساب مانگ لیا، بھڑک گئے، کہنے لگے تم کون ہوتے ہو حساب لینے والے، میں صرف اللہ کو حساب دوں گا۔

جمیعۃ العلما ممبئی کے صدر مولانا احمد مختار صاحب کے بقول: ترکوں کے دردناک حالات بیان کر کے جو رقم وصول کی گئی تھی اس رقم سے دو لاکھ تقویۃ الایمان چھاپ کر وہابیوں نے مفت تقسیم کیا۔

چندے کے متعلق مذکورہ معلومات کے لیے مندرجہ ذیل ماخذوں کی طرف رجوع کریں۔

☆ تحریک خلافت، ص: ۱۳۳ از: عدیل عباسی

☆ معاصر اسلامی تحریکات، ص: ۲۱۰، از: ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

☆ اتہامات عبدالرزاق، ص: ۱۰۴، ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی

☆ پاکستان بنانے والے علما و مشائخ، ص: ۱۶۱/ محمد جلال الدین قادری

☆ فتاویٰ رضویہ، ج: ۶، ص: ۴۸۵ [رضا اکیڈمی]

تحریک ترک موالات کا پس منظر:

خلافت کے نام پر نہ صرف چندے کی رقم میں بڑے پیمانے پر دھاندلی ہو رہی تھی بلکہ غیر مسلم لیڈروں کے اشارے پر مسلم لیڈر مسلمانوں کو ایسے احمقانہ اقدامات کے لیے بھی اکسا رہے تھے جس سے مسلمانوں کا دین تو دین، دنیا بھی برباد ہو رہی تھی۔

گاندھی جی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ:

[۱] تمام کالج اور اسکول بند کر دیں۔

[۲] سارے طلبہ اسکولوں اور تعلیم گاہوں سے باہر آجائیں۔

[۳] سرکاری نوکری اور عہدوں سے استعفیٰ دے دیں۔

[۴] پولس اور فوج کی نوکریاں چھوڑدیں۔

[۵] اپنے تمام خطابات اور ایوارڈ حکومت کو واپس کردیں۔

یہ تو گاندھی کا مشورہ تھا لیکن مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کو ان پر عمل کرانے کے لیے ہر وہ کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔

تحریک ہجرت اور اس کا پس منظر:

گاندھی جی ہی کے دماغ سے مسلم لیڈر سوچنے سمجھنے کے عادی ہو چکے تھے، جس طرح انگریزوں سے مالی مدد لینا مسلم لیڈر حرام سمجھ رہے تھے، اپنی عقلوں کا استعمال بھی انہوں نے حرام سمجھ لیا تھا، گاندھی جی کا اشارہ پاتے ہی ابوالکلام آزاد نے ہندوستان کو دارالحرب ٹھہرا کر مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کرنے کا حکم صادر کردیا۔ [اتہامات، عبدالرازق ملیح آبادی، ص:۱۵۲]

ہزاروں ہزار لوگ اپنے گھربار، مال مویشی یوں ہی چھوڑ کر یا اونے پونے داموں بیچ کر افغانستان اور ایران کی طرف نکل پڑے، جب کہیں پناہ نہیں ملی لُٹ لُٹا کر واپس ہوئے، آدھے سے زیادہ مرد، عورت اور بچے راستے ہی میں ہلاک ہو گئے، بچے کھچے لوگ جب وطن پہنچے تو دیکھا ان کا سب کچھ لٹ چکا ہے، کچھ پر انگریزوں نے، کچھ پر ہندو بنیوں نے قبضہ کرلیا ہے۔

سیاسی تحریکات کے برے انجام اور اعلیٰ حضرت کی مؤمنانہ فراست:

اعلیٰ حضرت کی نگاہ۔۔۔ حالات کے بہاؤ پر جمی ہوئی تھی، تحریک خلافت، تحریک ترک مولات اور تحریک ہجرت کے مہلک نتائج اپنی مؤمنانہ فراست سے بھانپ چکے تھے۔

ارکان خلافت اور ارباب سیاست جس طرح کام کر رہے تھے، ان کے طریقے سے بھی آپ مطمئن نہیں تھے، اہل سنّت کا اجماعی موقف تھا کہ خلیفۃ المسلمین کا قریشی ہونا شرط ہے، ترک قوم نے صدیوں سے بلاد اسلامیہ، مقامات مقدسہ کی حفاظت وصیانت کی تھی، بیت المقدس اور حجاز شریف کی میزبانی حرمین شریفین کی خدمت نے ترک قوم کو پوری دنیا کا ہیرو بنا دیا تھا، اس کے باوجود ترکی سلطنت کو شرعی خلافت کا نام دینا اہل سنّت کے اجماعی موقف سے ہٹ کر تھا، کیوں کہ عثمانی ترک قریشی نہیں تھے، ترک سلطان کو اگر خلیفۃ المسلمین کا خطاب نہ بھی دیا جاتا تو کوئی حرج نہیں تھا، کیوں کہ خادم الحرمین شریفین کا خطاب تو ان کے لیے آسمان سے اترا تھا، وہ دلکشی میں لفظ "خلیفۃ المسلمین" سے کم نہیں تھا، تحریک خلافت کے ارکان نے جس مجبوری کی وجہ سے اہل سنّت کے اجماعی موقف کو چھوڑا تھا، اعلیٰ حضرت اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل عقل و دین اوّل تو غوغائے بے ثمر کو خود ہی عبث جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قانع رہیں گے اور اگر شاید شرکت چاہیں تو انہیں مذہب اہل سنّت ہر شے سے زیادہ عزیز ہے، مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے، لہٰذا ایسے لفظ کی چلاہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہل سنّت ہو کہ وہ شریک ہوتے ہوں تو نہ ہوں اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھیے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں، یہ تو معاذاللہ

نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں تاکہ عوام ان سے بھڑکیں اور دیوبندیت ووہابیت کے پنجے جمیں"[فتاویٰ رضویہ،ج:۱۱/ص:۴۸۵،بریلی]

ترکوں کی امداد کے نام پر جو کروڑوں کا چندہ ہوا تھا اور اس صیغے میں جو بدعنوانیاں لیڈروں نے کی تھیں وہ آپ دیکھ چکے ہیں، اعلیٰ حضرت نے تاڑ لیا تھا کہ چندے کی رقم امانت دار ہاتھوں میں نہیں ہے، بلکہ اس چندے سے کانگریسیوں کا ہاتھ مضبوط کیا جارہا ہے، اعلیٰ حضرت نے اپنی بے اطمینانی وبے چینی کا اظہار یوں فرمایا:

"ترکوں کی مالی امداد ایک چیز ہے، مگر ذرائع وصول مہیّا ہونا اور وصول پر وثوق کے ساتھ اطمینان ملنا بہت ضروری ہے، نہ ایسا کہ لاکھوں کے چندے ہوئے اور باوصف کثرت تقاضا اب تک حساب بھی نہیں دیتے"[فتاویٰ رضویہ،ج:۶/ص:۹۸،رضا اکیڈمی ممبئی]

۱۹۲۰ء میں جب پورن سوراج کا اعلان ہوا تو گاندھی جی سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا آزادی کے بعد ہندوستان میں "رام راج"۔[آزادی کی جنگ،ص:۳۷/ از عبدالوحید خان]

مسٹر لوکمانیہ تلک اور دوسرے ہندو لیڈروں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ خلافت کے نام سے جو مسلمانوں کے جذبات انگریزوں کے خلاف بھڑکے ہیں، انہی جذبات کا استعمال کرکے ہندوستان انگریزوں سے آزاد کرالیا جائے، تحریک خلافت کی جگہ کانگریس کو مضبوط کیا جائے۔[تحریک خلافت۔ص:۱۶۱/۱۸۱]

یہ در پردہ چل رہا تھا، مگر اعلیٰ حضرت کی مؤمنانہ فراست سے چھپی نہیں تھی، ان کے منصوبوں اور خلافت فنڈ کے بے جا استعمال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ترکی کی حمایت تو دھوکے کی ٹٹی ہے، اصل مقصود بغلامی ہنود سوراج کی چکی ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کردی ہے، بھاری بھر کم خلافت کا نام لو، عوام بھڑیں، چندہ خوب ملے، اور گنگا جمنا کی مقدس زمین آزاد کرانے کا کام چلے۔"[فتاویٰ رضویہ،ج:۱۱/ص:۴۸۵،بریلی]

خلافت کے چندے سے علی برادران، گاندھی جی، مسٹر تلک اور مسٹر ابوالکلام آزاد ملک گیر دورہ کررہے تھے، اور ترک مولات اور کانگریس کے لیے فضا ہموار کررہے تھے، چندے کی رقم ترکوں کو نہ بھیج کر لیڈر سیر وسیاحت پر خرچ کررہے تھے، اس پر اعلیٰ حضرت نے سخت تنقید فرمائی ہے۔

"غریب نادار مسلمانوں کی کمائی کا ہزارہا روپیہ ان تبلیغوں میں برباد جارہا ہے اور جائے گا اور محض بے کار ونامراد جارہا ہے اور جائے گا، ہاں لیڈروں، مبلّغوں کی سیر وسیاحت کے سفر خرچ اور جلسہ واقامت کے پلاؤ قورمے سیدھے ہوگئے اور ہوں گے، اگر یہ فائدہ ہے تو نقد وقت ہے اور سیر یورپ کے حساب کا راز تو روز حساب ہی کھلے گا۔"[المحجۃ المؤتمنۃ،ص:۱۲۸، رسائل رضویہ،ج:۱۱]

جنگ آزادی اور اعلیٰ حضرت کا نقطۂ نظر :

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی دلی خواہش تھی کہ ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو، اعلیٰ حضرت کے مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کیجیے۔

نصاریٰ کی غلامی۔۔۔۔۔چھوڑنا چاہتے ہیں

مبارک ہو

اور خدا سچ کرے

اور راست لائے۔[الحجۃ المؤتمنۃ، ص:۲۴، رسائل رضویہ، ج:۱۱]

اعلیٰ حضرت چاہتے تھے کہ آپسی اختلافات کی بنیاد ختم ہو، نازک مزاج شریعت کے خلاف جو اقوال وافعال سرزد ہوئے ہیں ان سے توبہ ورجوع ہو، پھر متحد ہوکر پوری قوت کے ساتھ مسلمان میدان میں اترے اور اپنے بل پر آزادی کی جنگ لڑے، تمام سیاسی وغیر سیاسی معاملات میں قائدانہ کردار ادا کرے، ملک انگریزوں سے واپس لے، اگر برادران وطن اس جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہوں تو۔۔۔بے شک ہوں۔۔۔ مگر یہ شرکت بطور سپاہیانہ ہو۔۔۔ قائدانہ نہیں کیوں کہ بادشاہت اور ملک مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھینا گیا تھا، لہٰذا آگے بڑھ کر مسلمانوں کو ہی قیادت کا حق ادا کرنا چاہیے، جنگ آزادی کے تعلق سے اس قسم کے خیالات کا اظہار اعلیٰ حضرت نے الحجۃ المؤتمنۃ میں ص:۸۵/ سے ۱۲۶/ تک فرمایا ہے، اعلیٰ حضرت کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لیے ان صفحات کا مطالعہ چشم کشا ثابت ہوگا۔

کسی طاقت ور قوم کا پس رو بن کر آزادی کی جنگ میں حصہ لینا اعلیٰ حضرت کے نزدیک اسلامی نقطۂ نظر سے بھی اور مسلمانوں کے سیاسی وجود کے لیے بھی خطرناک تھا، آپ کا خیال تھا کہ ایک دشمن کے پھندے سے گردن نکال کر دوسرے قوی دشمن کے پھندے میں گردن پھنسا دینا آزادی نہیں خودکشی ہے۔

مسلمانوں کے جو لیڈر بنے پھر رہے تھے، اتنی دوراندیشی اور گہرائی میں اتر کر سوچنے کے لیے وہ تیار نہیں تھے، اپنی قائدانہ حیثیت بھول کر انھوں نے برادران وطن کی حاشیہ برداری قبول کر لی تھی، حالاں کہ ان میں سے ہر ایک کے اندر یا ان کی اجتماعی ہیئت کے اندر ملک چلانے کی صلاحیت موجود تھی، علماے اہل سنّت اور خاص طور پر اعلیٰ حضرت کی بار بار تنبیہ کے باوجود سیاسی لیڈروں نے اپنی تمام تر سیاسی تدبر، فہم وفراست، دوراندیشی، علمی وفکری جاہ وجلال سب کچھ غیر مسلم لیڈروں کی جھولی میں ڈال دیا، اور احساس کمتری اور مرعوبیت میں مبتلا ہوکر ہندو مسلم اتحاد کے سیلاب میں بہتے چلے گئے، ہندوؤں کے ساتھ اتحاد اور دوستی نبھانے کے لیے مسلم لیڈروں نے جن غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کیا تھا ان کا ہلکا سا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت جیسے امام وقت، نکتہ داں فقیہ، دوراندیش مصلح ومدبر اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہ کا ان حالات سے بے خبر رہنا ممکن نہ تھا بلکہ مسلم لیڈروں کی بے خبری وبے راہ روی پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے، مسلسل بخار سے انتہائی ضعف ونقاہت محسوس کرنے کے باوجود کتابیں لکھ لکھ کر مفت تقسیم کر رہے تھے، الفقیہ امرتسر، تحفہ حنفیہ پٹنہ، دبدبۂ سکندری رامپور اور الرضا بریلی جیسے پرچوں سے مسلم لیڈروں کو بار بار تنبیہ فرما رہے تھے، مگر ان کو اعلیٰ حضرت کی درمندانہ اپیل، خیر خواہانہ تنبیہات میں انگریز دوستی، ترکوں کی امداد سے بیزاری یا وطن عزیز کی آزادی سے عدم دل چسپی نظر آ رہی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے نام پر مسلم لیڈروں نے شریعت محمدی کا جیسا مذاق بنا رکھا تھا اس پر تنبیہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”خیر خواہی اسلام حدود اسلام میں رہ کر ہے، مشرکین سے اتحاد وموالات اور ان کو راضی کرنے کو شعار اسلام کی بندش،

مشرک لیڈر کو اپنے دین کا ہادی و رہبر بنانا، مشرک لکچرار کو مسلمانوں کا واعظ ٹھہرانا، اسے مسجد میں لے جا کر جماعت مسلمین سے اونچا کھڑا کر کے لیکچر دلوانا، اپنے ماتھوں پر مشرکوں سے قشقے لگوانا، مشرکوں کے مجمع میں مشرک لیڈروں کی جے پکارنا، مشرک لیڈروں کی ٹکٹکی اپنے کندھوں پر اُٹھا کر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو مشرک کا ماتم گاہ ٹھہرانا، اس کے ماتم کے لیے مساجد میں سر برہنہ ہونا، اس کے لیے نماز و دعاے مغفرت کا اشتہار دینا۔۔۔ صاف لکھ دینا کہ ہم نے قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر شار کر دی۔۔۔ صاف لکھ دینا کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو کفر و اسلام کا امتیاز اُٹھا دے گا، صاف لکھ دینا کہ ہم ایسا مذہب بنانا چاہتے ہیں جو سنگم و پریاگ [بتوں کی پرستش گاہ] کو مقدس مقام ٹھہرائے گا، یہ امور خیر خواہی اسلام نہیں کند چھری سے اسلام کو ذبح کرنا ہے۔" [فتاویٰ رضویہ، ج:۶/ ص:۳۰، رضا اکیڈمی]

ترک موالات کے منصوبے اور اعلیٰ حضرت کی عقابی نظر:

کافروں کے اقسام ذمی، مستامن اور حربی، ان کے ساتھ معاملات و موالات کے احکام۔۔۔ کافروں سے امداد لینے کی صورتیں، التجا، اعتماد اور استخدام، جہاد کے اقسام و احکام پر تفصیلی گفتگو فرمانے کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان مہلک منصوبوں اور ہلاکت خیز اسکیموں کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کرائی جو مختلف خلافتی جلسوں میں گاندھی جی اور اس کے ہمنوا لیڈروں نے پیش کی تھیں اور ان پر عمل کے لیے مسلمانوں کو بار بار اکسارہے تھے۔

ان اسکیموں پر عمل کے نتائج پر گفتگو کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

"اگر اب مسلمان زمینداریاں، تجارتیں، نوکریاں تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا تمھارے جگری خیر خواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے اور تمھاری طرح نرے ننگے بھوکے رہ جائیں گے؟ حاشا ہرگز نہیں۔۔۔ زنہار نہیں۔۔۔ اور جو دعویٰ کرے اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں۔

اتحاد و وداد کے جھوٹے بھرّوں پر بھولے ہو، منافقانہ میل پر پھولے ہو، سچے ہو تو موازنہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری، تجارت، زمینداری چھوڑ دی ہو۔۔۔ کہ یہاں مالی نسبت یہی یا اس سے بھی کم ہے، اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا۔۔۔۔ جو سنا افسانہ تھا

لاجرم۔۔۔ نتیجہ کیا ہوگا؟۔۔۔ یہ کہ۔۔۔ تمام اموال، کل دولتیں، دنیادی جمیع اعزاز۔۔۔ جملہ وجاہتیں صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں رہ جائیں اور مسلمان دانے دانے کو محتاج، بھیک مانگیں" [الحجۃ المؤتمنۃ، ص:۱۳۲/ رسائل رضویہ، ج:۱۱]

اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت اور دقت نظری:

سورۂ آل عمران کی ۱۱۸/ نمبر آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے: "قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ"، بغض و کینہ کافروں کے منہ سے ظاہر ہو چکی ہے اور تمہیں برباد کرنے کے

جو خطرناک منصوبے ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔

۱۹۱۷ء کا سال تھا، آرہ بہار کے مسلمانوں پر ہندوؤں نے حملہ کر دیا، اس حملے میں مسلمانوں کی جان ومال کا بے انتہا نقصان ہوا، گھر جلائے گئے، معصوم بچے قتل کیے گئے، سوتے ہوئے مسلمانوں کو چارپائی سے باندھ کر آگ لگادی گئی، مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ سارا ملک آرہ بن کر مسلمانوں کے سروں پر چل گیا تھا۔

اس سے پہلے ۱۹۱۴ء میں مظفر پور بہار میں مسلمانوں پر حملے ہوئے اور مسلمانوں کا سب کچھ برباد ہو گیا، سیکڑوں مسلمان شہید ہوئے، ۱۹۱۷ء میں پچیس ہزار ہندوؤں نے اعظم گڑھ کے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا، قتل وغارت گری کے ساتھ مسلمانوں پر اتنے مظالم کیے کہ تاریخ مثال نہیں پیش کر سکتی، ۱۹۱۸ء میں ہردوار کٹار پور کے مسلمانوں پر حملہ ہوا، کچھ مسلمان ایک بند مکان میں چھپے تھے اس میں آگ لگادی، تقریباً بیس مسلمان جل کر خاک ہو گئے، ان کی جان ومال اور آبرو کو نہایت بے رحمی سے تباہ کیا، اس کے بعد ہی کلکتہ کے مسلمانوں پر حملے ہوئے، چالیس ہزار تک مسلمان کام آئے، اور دوارب تک مالی نقصان ہوا۔

ہندوؤں کے مظالم اور ان کی طرف سے بھڑکائے فسادات کی ایک لمبی فہرست ہے، چند فسادات کے ذکر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلمانوں سے ان کی نفرت کس حد تک پہنچ چکی تھی، ہوشیار ہو جانے کے لیے اتنے ہی حادثات کافی تھے، قرآن کی مذکورہ آیت کے دوسرے حصے میں متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کے دلوں میں جو منصوبے ہیں وہ اور زیادہ خوفناک ہیں، اعلیٰ حضرت تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت کے بھیانک نتائج سے مسلمانوں کو باخبر کرتے ہوئے اس آیت کی سچائی کا یوں نظارہ فرمایا:

''آؤ اب ہم تمہیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس مِیل اور مَیل کا راز بتائیں، دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے۔ اوّل: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔ دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔ سوم: یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف نے تینوں درجے ان پر طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔ اوّلاً جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔ ثانیاً جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھرّا دیا کہ کسی طرح دفع ہوں، ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں، ان کی مساجد و مزارات اولیا ہماری پامالی کو رہ جائیں۔ ثالثاً جب یہ نہ نبھی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملات پر ابھارا کہ [۱] نوکریاں چھوڑ دو، [۲] کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، [۳] مالگزاری ٹیکس کچھ نہ دو، [۴] خطابات واپس کر دو۔

امر اخیر تو صرف اس لیے کہ ظاہر نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے، اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ وہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں، جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے حقوق اسلام پر جو گزرتی ہے ظاہر ہے، جب تنہا وہ رہ جائیں گے تو اس وقت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔

مالگزاری نہ دینے پر کیا انگریز چپ بیٹھے رہیں گے، ہرگز نہیں، قرقیاں ہوں گی، تعلیقے ہوں گے، جائدادیں نیلام ہوں گی

اور ہندو خریدیں گے، نتیجہ یہ کہ مسلمان صرف قلی بن کر رہ جائیں، یہ تیسرا درجہ ہے۔" [الحجۃ المؤتمنۃ،ص:۱۳۴/رسائل رضویہ،۱۱]

باٹا جو تاکمپنی کی ایجنسی ہندوستان میں داؤد اینڈ کمپنی کے پاس تھی، سمندری جہازرانی کی صنعت پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، جہازرانی کے مزدور، ملاح اور مالکان جس محلے میں رہتے تھے ممبئ میں آج بھی وہ جگہ ناخدا محلے کے نام سے مشہور ہے۔

پیتل، تانبا، اسٹیل کمپنیاں، برتن کے کارخانے، لیدر اور چمڑے کی صنعت، سوتی کپڑوں کی میلیں، رنگ ریزی، کپڑوں میں زرگری، بنارسی ساڑی صنعت، عطرسازی، برطانیہ کے مانچسٹری کپڑے، لپٹن دودھ، چائے، تعمیراتی سازوسامان، گیس بتیاں، لائف بوائے اور دوسرے لاتعداد ملکی صنعتوں اور انگریزی مصنوعات کی ایجنسیاں مسلمانوں کے قبضے میں تھیں، جب ترک موالات کی فسوں کاری کی گئی مسلمانوں نے تمام کاروباری ایجنسیاں انگریزوں کو واپس کر دیں اور خاص ملکی صنعتوں سے بھی باہر نکل آئے، یہ تھی آزادی کے تعلق سے مسلمانوں کی قربانیاں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ خفیہ طور پر انگریزوں سے رابطہ کر کے گجراتی ماڑواڑیوں اور دوسری ریاستوں کے ہندو بنیوں نے یہ ایجنسیاں اونے پونے داموں حاصل کر لیں اور مسلمان وطن کے ساتھ وفاداری کے صلے میں معاشی بدحالی کے شکار ہو کر برباد ہو گئے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ عین اس وقت جب ترک تعاون کی اسکیموں پر عمل کر کے مسلمان غیر ملکی مصنوعات کا بائیکاٹ کر رہے تھے کانگریس کے خاص ممبر دادا بھائی نوروز جی اور جمشید جی ٹاٹا نے کئی بار برطانیہ کا دورہ کیا اور ہر بار جب لوٹے نیا پرمٹ، نیا آرڈر اور نئے کارخانوں کے لیے پر فضا مقامات پر وسیع ترین زمینیں اپنے نام کرا کر لوٹے، جنگ آزادی میں ان دونوں نے کبھی بھی کسی طرح کا کوئی حصہ نہیں لیا، نہ کبھی جیل گئے، نہ لاٹھی کھائی، نہ جائداد ضبط ہوئی، نہ ان پر کبھی مقدمہ چلا پھر بھی برادران وطن ان کو نہ صرف جنگ آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کر رہے ہیں بلکہ حکومت کروڑں روپے خرچ کر کے ان کی یادگار بھی قائم کر رہی ہے، اس طرح تاریخ کی سچائیوں کو بدلنے کا کام پر اسرار طریقے سے جاری ہے۔

ترک تعاون کے نام پر تعلیم گاہوں کو بند کرانے کی جب باری آئی تو ان کی نظر صرف مسلمانوں کے تین کالج علی گڑھ، لاہور اور پشاور کی طرف رہی اور انہیں بند کرانے کے لیے تحریکیں چلائیں، مگر ایک سو بائیس کالج جو ہندوؤں کے زیر اہتمام چل رہے تھے ادھر رخ تک نہ کیا۔

جذبات کا طوفان اور اعلیٰ حضرت کی بے مثال سلامت روی:

مسلم لیڈروں کی کوتاہ نظری اور غلط سیاسی پالیسیوں نے امت کو ہراساں کر دیا تھا، اس وقت پورے ملک میں نہ تحریکوں کی کمی تھی، نہ لیڈروں کی، نہ مسائل کی، نہ ایسے بیان باز مولویوں کی جو بول کر پھر سوچتے تھے، کر کے پھر پچھتاتے تھے۔ بے سوچے سمجھے جوشیلی تقریریں کرنے والے گرم دماغ خطیب تو ہر گلی میں گھوم رہے تھے۔

حالات کی ابتری اور نتائج سے بے خبر لیڈروں کے تحکم آمیز غلط فیصلوں نے امت کو اس حد تک بے بس کر دیا تھا کہ اگر صبح کسی اسٹیج پر علی برادران کوئی پر جوش بیان دے ڈالتے اسی کو امت اپنے مسائل کا حل سمجھ لیتی، اسی شام اگر ابوالکلام

آزاد اس کے بر خلاف کوئی اور اسکیم لے کر آتے تو لوگ اسی کو ہر دکھ کا علاج سمجھ بیٹھتے، اگر کوئی غیر معروف آدمی کسی طرف انگلی اُٹھاکر اشارہ کر دیتا تو لوگ بے سوچے سمجھے اسی طرف دوڑ پڑتے، اگر کوئی ہندو بنیا بھی یہ کہہ دیتا تھا کہ سب چھوڑ کر افغانستان ترکستان نکل جاؤ تو اندھا دھند اس پر بھی عمل شروع ہو جاتا تھا اور لاکھوں لاکھ لوگ پریشان ہو جاتے تھے اور تیس سے چالیس ہزار جانیں گنواں بیٹھتے تھے، لیڈر اپنی لیڈری کے ارمان نکال رہے تھے، ادھر امت لٹ کر برباد ہوری تھی۔

ایسے نازک حالات میں اعلیٰ حضرت کی بے مثال شان دعوت و عزیمت، فاضلانہ تحقیقات پر مبنی مقالات اور کتابوں نے امت کو قرآن و حدیث کی روشنی دکھائی اور آپ نے پر وقار لب ولہجہ، مستند گفتگو اور معتمد آواز کے ساتھ امت رسول کو آواز دی۔

''مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال میں نہ پھنسیں، [نہ سیکھیں] اپنے اوپر مفت بدگمانی کا موقع نہ دیں'' [فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲/ص ۱۷۷]

تحریک ہجرت، مسئلہ خلافت، مشرکین ہند کے ساتھ مذہبی ادغام، ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب ہے، گائے کی قربانی کریں نہ کریں، مسلم لیڈروں اور بعض علما کی بے راہ روی جیسے مسائل آپ کے سامنے تھے، آپ نے مندرجہ ذیل تحقیقی و معلوماتی کتابیں لکھ کر شریعت کے موقف کا فوراً برملا اظہار فرمایا۔

[۱] اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام.

[۲] انفس الفکر فی قربان البقر.

[۳] دوام العیش فی الائمة من القریش.

[۴] تدبیر فلاح ونجات واصلاح۔

[۵] المحجة المؤتمنه فی آیة الممتحنه

[۶] الطاری الداری لهفوات عبدالباری.

[۷] بالغ النور علی سوالات جبلفور.

ابوالکلام آزاد کے فتوائے ہجرت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے پہلے ہجرت کے اقسام، اور ہر قسم کے احکام پھر ہجرت کی تمام صورتوں پر تفصیلی گفتگو فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا:

''ہندوستان دارالاسلام ہے، اس سے ہجرت عامہ حرام ہے، کہ اس میں مساجد کی ویرانی و بے حرمتی، قبور مسلمین کی بربادی، عورتوں بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی۔'' [فتاویٰ رضویہ، ج:۶/ص:۲]

مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی زندگی پر اعلیٰ حضرت نے جو حقیقت پسندانہ تجزیہ فرمایا ہے وہ سماجی علوم کے طالب علم کے لیے بہت اہم ہے، آپ نے پہلے گھر پریوار اور معاشرتی خرابیوں کی طرف توجہ دلائی، تسہیل کے بعد اعلیٰ حضرت کی تجزیاتی تحریر ملاحظہ فرمائیے:

’’آپسی جھگڑوں میں گھر کے بڑے جو فیصلہ کرے وہ قبول نہیں،FIR کاٹیں گے،کیس کریں گے،مقدمہ بازی ہوگی،اس میں گھر گھرانہ برباد،یہ دل سے قبول،گرہ گرہ بھر زمین کے لیے کچہری میں دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں۔‘‘[فتاویٰ رضویہ،ج:۱۲؍ص:۱۷۸]

مسلمانوں کی تجارت سے بیزاری، صنعت و حرفت سے دوری اور تجارت کے اصولوں سے ناواقفی پر تبصرہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

’’مسلمان خود کو بادشاہوں کی اولاد اور خاندانی سمجھنے کی وجہ سے حرفت اور تجارت کو عیب سمجھتے ہیں، حالاکہ یہی لوگ ذلت کی نوکریاں کرنے، نوکریوں کے لیے در در کی ٹھوکریں کھانے، حرام کام کرنے، حرام مال کھانے کو فخر و عزت سمجھتے ہیں، اگر کچھ اپنے بھائی تجارت بھی کریں تو خریداروں کو اتنا حس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریدیں، اگر چہ ایک پیسہ زائد سہی کہ نفع ہے تو اپنے ہی بھائی کا ہے، ادھر مسلمان دکانداروں کی یہ حالت ہے کہ ہندو آنہ روپیہ نفع لے تو مسلمان صاحب چونی سے کم پر راضی نہیں، پھر لطف یہ کہ مال بھی اس سے ہلکا بلکہ خراب، یہ سب تجارت کے اصول کے خلاف ہے۔[ایضا]

ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے اصول کرلیں‘‘[ایضا]

اہل ثروت اور امرا کے متعلق آپ نے جو تبصرہ فرمایا ہے اس میں حقیقت کی مکمل عکاسی فرمادی ہے۔

’’امراء اور اہل ثروت داد عیش دے رہے ہیں، ناچ گانے اور رقص و سرور کی محفلوں میں لاکھوں لاکھ اڑا دیتے ہیں، خود کو نوابوں کی اولاد سمجھتے ہیں، اس لیے ایسے ہی بیہودہ کاموں میں ناموری سمجھتے ہیں، سودی کاروبار کرتے ہیں اور منافع بھی بنیوں سے دوگنا زیادہ رکھا ہے ’’نہ شرم نبی نہ خوف خدا‘‘ ختنہ نے انہیں مسلمان کیا اور گائے گوشت نے مسلمانی قائم رکھی ہے‘‘[ایضا]

دینی تعلیم کے حصول میں ہزار ہزار سہولیات فراہم ہیں، طعام و قیام فری، کتابیں مفت، علاج و معالجہ مفت، نہ فیس، نہ ڈونیشن، مدرسے سے باہر آؤ تو قوم آنکھوں پر بیٹھاتی ہے، ہر طرح کی دینی و دنیاوی عزتیں استقبال کرتی ہیں، اس کے باوجود دینی تعلیم سے دور بھاگتے ہیں، اپنے جگر کے ٹکڑوں کو عالم بنانے سے کتراتے ہیں، مدرسہ بھیجنے سے گھبراتے ہیں، دینی تعلیم سے قوم کی بیزاری پر اعلیٰ حضرت نے جو فرمایا ہے وہ آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے، فرماتے ہیں۔

’’مسلمان انٹر پاس کو رزّاق مطلق سمجھ رہے ہیں، حالاکہ ا س تعلیم کی راہ میں قدم قدم پر ذلتیں ہیں، نوکری میں عمر کی شرط، پاس ہونے کی شرط، پھر اسکول کی پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے، نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے، ابتدائی عمر کہ وہی تعلیم کا زمانہ ہے یوں گنوائی، اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے، تین تین بار فیل ہوتے ہیں، پھر بھی لپٹے چلے جاتے ہیں، قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کیے جاتے ہیں، تقدیر سے اگر پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتہ نہیں، ملی بھی تو صریح ذلت کی، کہیے! علم دین سیکھنے، دین حاصل کرنے اور نیک و بد میں تمیز آنے کا وقت کونسا آئے گا، لاجرم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں، اپنے باپ دادا کو جنگلی، گنوار بے تمیز، وحشی نالائق، بیہودہ احمق وغیرہ جاننے لگتے ہیں‘‘۔[فتاویٰ رضویہ،ج:۱۲؍ص:۱۷۸]

مذہبی تشخص کا زوال اور اعلیٰ حضرت کی فکر مندی:

اعلیٰ حضرت نے محسوس کر لیا تھا کہ بھولے بھالے مسلمانوں کے گرد ہندوستانی وثنی تہذیب کے دیو نے اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ موقع پاکر ان کی دولت ایمان کو پر فریب آہنی پنجوں میں دبوچ لے، جبکہ تازہ دم مغربی تہذیب کی عریاں دیوی اپنے دانت اور ناخن سے مسلمانوں کی غیرت کو مسلسل لہولہان کر رہی تھی، مسلمانوں کی یہ بے بسی اعلیٰ حضرت جیسے حساس مرد مومن کے لیے انتہائی کربناک تھی، اعلیٰ حضرت ہوا کے رخ کو دیکھ کر سمجھ چکے تھے کہ ان جادوئی تہذیبوں کے اثرات سے بچنے کا واحد حصار یہی ہے کہ امت کو دینی تعلیم سے قریب کیا جائے اور اس پر سختی سے عمل کے لیے ملک گیر تحریک چلائی جائے اور اس کی ابتدا بچوں سے ہو۔

بچوں کے اندر دینی روح پیدا کرنے کے چند رہنما اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"پیدائش کے فوراً بعد سیدھے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہے، میٹھی چیز چبا کر منہ میں ڈالے، ماں یا نیک دایہ نمازی، صالحہ شریف القوم سے دو سال تک دودھ پلوائے، رذیل، بدافعال عورت کے دودھ سے بچائے کہ دودھ طبیعت کو بدل دیتا ہے، زبان کھلتے ہی اللہ اللہ پھر پورا کلمہ لا الہ اللہ پھر پورا کلمہ طیبہ سکھائے، جب تمیز آئے ادب سکھائے، کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعلیم، ماں باپ استاذ اور بیٹی کو شوہر کے بھی اطاعت کے طرق وآداب بتائے۔

قرآن مجید پڑھائے، استاذ نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ سن رسیدہ کے سپرد کرے، بیٹی کو نیک پارسا عورت سے پڑھائے۔۔۔۔۔ عقائد اسلام اور سنت سکھائے۔۔۔ کہ۔۔۔ لوح سادہ۔۔۔ فطرت اسلامی وقبول حق پر مخلوق ہے اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا۔

حضور انور ﷺ کی محبت وتعظیم ان کے دل میں ڈالے، کہ اصل ایمان وعین ایمان ہے، حضور پر نور ﷺ کے آل واصحاب واولیا وعلما کی محبت وعظمت کی تعلیم کرے کہ اصل سنت وزیور ایمان بلکہ باعث بقائے ایمان ہے، بری صحبت میں ہرگز ہرگز نہ بیٹھنے دے، سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کر دے، اور علم دین خصوصا[۱] وضو، غسل، نماز وروزہ کے۔۔۔ مسائل [۲] توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت صدق، عدل، حیاء، سلامت صدر ولسان وغیرہ خوبیوں کے۔۔۔ فضائل [۳] حرص، طمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہا برائیوں کے۔۔۔ رذائل پڑھائے، جب عمر دس برس کا ہو نماز مار کر پڑھائے، لکھنا پیرنا اور سپہ گری سکھائے" [تلخیص فتاویٰ رضویہ، ج:۹/ ص:۴۶/۴۷]

انگریزی زبان کی تعلیم اعلیٰ حضرت کے نزدیک جائز بلکہ بعض صورتوں میں تعلیم حاصل کرنے والا اجر کا مستحق ہے، لیکن وہ انگریزی تعلیم جو دین وایمان تباہ کر دے تو اس صورت میں اعلیٰ حضرت کے نزدیک نہ صرف انگریزی تعلیم بلکہ ایسا نتیجہ دینے والا ہر علم سیکھنا حرام ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۹/ ص:۹۹]

کالج اور اسکولوں میں مغربی تعلیم کے نتائج اعلیٰ حضرت کے سامنے تھے، انگریزی تعلیم پا کر ایک شخص مندرجہ ذیل فکر وعمل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

دین کا مضحکہ، سنت سول [ﷺ] کا استہزا کرنے لگتا ہے، اسلاف کا گستاخ اور باپ دادا کو جنگلی، وحشی، گنوار بیوقوف بے تمیز، نالائق اور احمق سمجھنے لگتا ہے۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲/ص:۱۷۹]

اور تشبہ وضع وتحقیر شرع وشیوع دہریت وفروغ نیچریت میں مصروف ہو جاتا ہے۔[الحجۃ المؤتمنۃ، ص:۲۴/ رسائل رضویہ، ج:۱۱]

اس لیے انگریزی تعلیم کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”انگریزی اور وہ بے سود تضیع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا جو صرف اس لیے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے ایں وآں ومہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو۔۔۔وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں۔۔۔اور ہمارا دین کیا، جیسا کہ عام طور پر مشہود ومعہود ہے، جب یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم وتکمیل عقائد حقہ وعلوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں دہریت ونیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے“[الحجۃ المؤتمنۃ، ص:۱۳۰]

اعلیٰ حضرت نے تمام ہندی مسلمانوں کو سختی کے ساتھ تاکید فرمائی کہ:

”آپ سب کے لیے سب سے اہم یہ کہ دین پر مضبوطی سے عمل کریں، اگلوں کو دین پر عمل کے صدقے ہی جہاں بانی وجہاں گیری کی دولت ملی تھی، دین پر عمل کی گرفت جب سے ڈھیلی پڑنے لگی ہے مسلمان دن بدن برباد ہو رہے ہیں، موجودہ حالات کی سنگینی اور مستقبل کے خطرات کے پیش نظر اپنے اور اپنے بچوں کے لیے دینی تعلیم لازم کر لیں اور بہر صورت اپنے عقائد ومعمولات اور مذہبی تشخصات کی حفاظت میں ہمیشہ مستعد رہیں“[تلخیص وتسہیل][فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲/ص:۱۷۷/ مقامع الحدید، ص:۶۲]

دینی تعلیم اور اعلیٰ حضرت کا معاشی نظریہ:

دینی تعلیم کی طرف مسلمانوں کی رغبت بڑھانے کے لیے اعلیٰ حضرت معاشی نقطہ نظر سے بھی سوچتے تھے، بلکہ آپ اس کو ملک گیر تحریک بنا دینا چاہتے تھے، آپ کی دلی خواہش تھی کہ ہر مسلمان دیگر اخراجات کے ساتھ ساتھ ہر مہینہ کچھ رقم پس انداز کر کے دینی خدمت کے لیے بھی مختص کر لے اور اس سے دینی مطابع ومدارس کو معاشی طور پر مستحکم کرے، حدیث پاک میں ہے ”اخیر زمانے میں دین کا کام درہم ودینار سے انجام پائے گا“ اعلیٰ حضرت کا خیال تھا کہ یہ وہی زمانہ ہے جس کی خبر حضور ﷺ نے دی تھی، لہٰذا ہر مسلمان پر دین کا تحفظ بقدر طاقت فرض ہے، آگے بڑھے اور ہر کوئی اپنا کردار ادا کرے۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲/ص:۱۳۴]

دینی تعلیم کو ملک گیر تحریک اور اس تحریک کو معاش، خلوص، محنت اور حرکت وعمل سے جوڑنے کے لیے آپ نے ایسے جامع ترین منصوبوں کی طرف رہنمائی فرمائی جن پر اگر عمل کر لیا جاتا یا آج عمل شروع کر دیا جائے تو ہماری شکست فتح سے بدل سکتی ہے

اورامت دوررس تبدیلیاں محسوس کرے گی اور یہ جاننے لگے گی کہ "ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے"۔[الحجۃ المؤتمنۃ، ص:۲۳]

آپ کے انقلاب آفریں منصوبے یہ ہیں:

[۱]عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

[۲]طلبہ کووظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

[۳]مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیں پر دی جائیں۔

[۴]طبائع طلبہ کی جانچ ہو، جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

[۵]ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دیکر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریرا و تقریرا و وعظا و مناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔

[۶]حمایت مذہب وردبدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

[۷]تصنیف شدہ اور نوتصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔

[۸]شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں، جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

[۹]جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

[۱۰]آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت وبلاقیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲/ص:۱۳۳]

مسلمانوں کی معاشی وسماجی ابتری اور اعلیٰ حضرت کی اصلاحی تدابیر:

غیر مسلم سیاسی رہنماؤں کے زیر اثر مسلم رہنماؤں نے جن سیاسی ونیم سیاسی تحریکات کا آغاز کیا تھا ان سے مسلمانوں کا مذہبی ودینی تشخص تو برباد ہوا ہی تھا، ان کی معیشت بھی برباد ہو چکی تھی، اعلیٰ حضرت کے مطابق قوم مذہبی طور پر اس وقت فتنوں کا مقابلہ کر سکتی ہے جب وہ مالی طور پر مضبوط ہو، آپ فرماتے ہیں۔

"حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ "وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا" کوئی باقاعدہ عالی شان مدرسہ ۔۔۔ نہیں، کوئی اخبار پرچہ ۔۔۔ نہیں، مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین، کی کثرت بقدر حاجت ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ روپیہ وافر ہو تو ممکن کہ یہ سب شکایت رفع ہوں ۔۔۔ روپیہ ہونے کی صورت میں اپنی قوت پھیلانے کے علاوہ گمراہوں کی طاقتیں توڑنا بھی ان شاء اللہ العزیز آسان ہو گا، میں دیکھ رہا ہوں کہ گمراہوں کے بہت سے رضا کار مبلغ صرف تنخواں کی لالچ میں زہر اگلتے پھرتے ہیں، ان میں جسے دس کی جگہ بارہ دیجیے اب آپ کی سی کہے گا، دیکھیے حدیث کا ارشاد کیسا صادق آیا"[تلخیص

فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۲۴، ۱۲۳]

اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو سخت تاکید فرمائی کہ حالات کے بہاؤ میں نہ بہیں، سلامت روی پر قائم رہیں، اور سب سے پہلے حلال طریقے سے اپنی معیشت مضبوط کریں اور مندرجہ ذیل باتوں پر سختی سے عمل کریں۔

[۱] اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں رکھیں، پنچایتیں بنائیں اور اپنے مقدمات اپنے آپ فیصل کریں۔ یہ کڑوڑوں روپے جو اسٹامپ اور وکالت وکچہری میں گھسے جاتے ہیں، اس سے گھر کے گھر تباہ ہوگئے، اس سے چھٹکارا ملے گا۔

[۲] اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں تاکہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہے۔

[۳] اپنی حرفت اور تجارت کو ترقی دیں تاکہ کسی چیز میں بھی کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہیں۔

یورپ اور امریکہ والوں کو دیکھو چھٹانک بھر تانبا میں کچھ صناعی کی گھڑنت کر دیتے ہیں، اسے گھڑی وغیرہ کا نام دے کر بیچ ڈالتے ہیں اور پاؤ بھر سونا چاندی بدلے میں لے جاتے ہیں۔

[۴] ممبئی، کلکتہ، رنگوں، مدراس، حیدرآباد اور دوسرے بڑے شہر کے تونگر اور مال دار مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں، سود سے بچتے ہوئے غریب مسلمانوں کو اپنی تجارت، صنعت وحرفت کے لیے قرض دیں اور انہیں اپنے پیروں پر کھڑا کریں۔

سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں، جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے، اس کے لیے کتاب کفل الفقیہ الفاہم بھی مطالعے میں رکھنا مفید ہو سکتا ہے۔

ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انہیں بھی نفع پہنچتا اور اپنے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر ہوتی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر مدیون کی جائداد ہی لی جاتی تو مسلمان ہی کے پاس رہتی یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنئے چنگے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲؍ ص:۱۷۷]

اعلیٰ حضرت اتحاد امت کے سب سے بڑے داعی تھے:

اعلیٰ حضرت کا خیال تھا کہ دینی تعلیم ہو یا معیشت کا استحکام اس کے لیے سب سے پہلے دو قوتوں کا حصول ضروری ہے۔

[۱] علمائے اہل سنّت آپسی اختلاف بھلا کر ایک متحدہ پلیٹ فارم پر آجائیں۔

[۲] علمائے اہل سنّت اور عوام اہل سنّت کے درمیان مضبوط بنیادوں پر تعلقات استوار ہوں۔

ان دو متحدہ قوتوں کے بغیر ان منصوبوں پر عمل ممکن نہیں۔

اہل سنّت کی اجتماعی قوت کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ اس قوت کی فراہمی کے لیے تین بنیادی عناصر ہیں:

[۱] علما کا اتفاق۔ [۲] ہر سنّی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ اپنی خدمات پیش کرے۔ [۳] اہل ثروت لوجہ اللہ متفق ہو جائیں اور ہر سال خیرات کی رقم کسی ایک جگہ جمع کریں، ملک کے اندر رفاہی و دینی اہم مراکز کی فہرست بندی کریں پھر الاھم

فالاھم کے طور پر اپنی رقم ان مصارف میں صرف کریں۔
علماے اہل سنّت اور عوام اہل سنّت کے درمیان اتحاد کی فضا کیسے ہموار ہوگی؟ اس کے لیے آپ نے بہت ہی مناسب اوراہم نکات کی طرف رہنمائی فرمائی۔

[۱] بدمذہبوں کے عقائد اوران کی لغزشوں کی خوب خوب اشاعت کی جائیں تاکہ مسلمانوں کا ان پر سے اعتبار اٹھے اوران کی اتباع سے بچیں۔

[۲] لیکن علماے اہل سنّت کی لغزشوں کا اخفا واجب سمجھے تاکہ عوام اہل سنّت ان سے بدگمان ہوکران سے دور نہ بھاگیں اور جونفع ان کی تحریروں اور تقریروں سے عوام اہل سنّت کو پہنچتا تھا اس میں خلل واقع نہ ہو۔

[۳] مشاہر علماے اہل سنّت جس امر پر متفق ہوں عوام اہل سنّت ان کے ارشادات پر بے دغدغہ عمل کریں۔

[۴] وہ فروعی مسائل وامور جواہل سنّت اور مخالفین کے درمیان مابہ الامتیاز ہیں جیسے محفل میلاد، فاتحہ، عرس، استمداد، نداا وران جیسے اور مسائل، اہل سنّت اپنا تشخص باقی رکھنے کے لیے ان پر بھی عمل جاری رکھیں۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۳۰]

دینی تعلیم اور معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے جن خطوط کی طرف اعلیٰ حضرت نے رہنمائی فرمائی ہے وہ بہت ہی اہم اورانقلاب آفریں ہیں لیکن ان کے فوائد اس وقت سامنے آئیں گے جب پورے ملک کے مسلمان ان پر عمل کریں اوراس کے لیے ملک گیر تحریک چلانے کی ضرورت تھی، اس لیے اعلیٰ حضرت نے ایک ملک گیر تحریک کی ضرورت پر زور دیا۔

”اہل الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں، اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر اور ہر قصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان منصوبوں پر عمل پیرا کریں پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجیے۔

یہ خیال نہ کیجیے کہ ایک ہمارے کیے کیا ہوتا ہے، ہر ایک نے یونہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا بلکہ ہر شخص یہ تصور کرے کہ مجھ ہی کو کرنا ہے، یوں ان شاء اللہ تعالیٰ سب کریں گے، چند جگہ جاری تو کیجیے، خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے، خدا نے چاہا تو عام بھی ہوجائے گا“[فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۷۵]

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا پیکر زہد و تقویٰ

مفتی محمد انور عالم مصباحی: صدر مالن گاؤں، اتر دیناج پور/ دار العلوم خیریہ فیض عام گھوسی مئو

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات، تجدیدی و تحقیقی خدمات اور ان کے افکار و تعلیمات پر جتنی کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں، ان تمام میں ان کی مجددانہ شان و شوکت، مجتہدانہ کمال، علمی و فقہی بصیرت، مجاہدانہ و صوفیانہ زندگی، منصفانہ و عارفانہ مزاج، دینی و ملی حمیت و استقامت اور خلوص وللّٰہیت کی ضیابار جھلکیاں پوری آب و تاب کے ساتھ تاریخ کے صفحات میں چمک رہی ہیں، لیکن ان کی حیات مبارکہ اور کثیر خدمات میں سے ایک پہلو جو ان کی صوفیانہ زندگی، تقویٰ و پرہیزگاری اور ولایت و قطبیت سے متعلق ہے، اس پر واضح اور تفصیلی طور پر بہت تاخیر سے کام ہوا ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگوں میں سرکار اعلیٰ حضرت جیسے عالم باعمل، پیکر زہد و تقویٰ اور ولی کامل کے بارے میں غلط فہمی ہونے لگی، جیسا کہ ”امام احمد رضا اور معارف تصوف“ کی تقریب میں اس کا اظہار کیا گیا ہے:

”بعض حلقے میں یہ بات پھیلائی گئی کہ مولانا احمد رضا مفسر و محدث، فقیہ و مفتی اور مجدد سب کچھ ہیں، علوم و فنون کے بحر بیکراں ہیں، مگر ولی اور صوفی نہیں ہیں، تصوف و طریقت پر ان کی گرفت و دسترس نہیں ہے، حالاں کہ وہ صاحب طریقت، مرشد باکرامت، ولی، عامل بالشرع صوفی بھی ہیں“۔[امام احمد رضا اور معارف تصوف، مفتی عیسیٰ رضوی]

بعض نے یہاں تک لکھا کہ اعلیٰ حضرت کے تصوف اور زہد و تقویٰ سے متعلق ان کی صوفیانہ زندگی و روحانی خدمات پر ان کے کوئی شاگرد کے شاگرد نہیں لکھ سکتے ہیں اور اس نے اعلیٰ حضرت کے شاگردوں کو صرف ظاہری علوم کا عالم گمان کیا، جیسا کہ استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ”امام احمد رضا اور تصوف“ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے:

”سید اعجاز احمد مدنی صاحب کا مضمون ”امام احمد رضا اور تصوف“ ضیاے حرم لاہور کے اعلیٰ حضرت بریلوی نمبر ۱۴۰۳ھ میں میری نظر سے گزرا، جس میں اپنوں نے امام احمد رضا جیسے صاحب تصوف کے تصوف پر علما کے مضامین اور نگارشات نہ ہونے کا شکوہ کیا تھا، لیکن نہ لکھنے کا سبب دوسرے موضوعات اور دوسری خدمات میں علما کی مصروفیت کو قرار دینے کی بجاے موصوف نے یہ سمجھا کہ امام احمد رضا کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ چوں کہ درس گاہی اور ظاہری عالم تھے، اس لیے تصوف

پر کچھ نہ لکھ سکے، خانقاہی بزرگ کی اس تحریر سے راقم کو صدمہ ہوا، دراصل وہ شریعت وطریقت اور معقول و منقول میں ہمارے اکابر کی جامعیت سے بے خبری میں جو سمجھ میں آیا، کہہ گئے، مزید کرم یہ کہ خود بھی موضوع کا حق ادا نہ کیا اور صرف شواہد پر قصہ تمام کر دیا۔" [امام احمد رضا اور تصوف، ص:۱، از علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور]

اس طرح کی اور بھی غلط فہمیاں ہیں ان میں سے کچھ تو اپنوں کی بے توجہی اور حاسدین واغیار کی تنگ نظری سے پھیلی ہیں، حالاں کہ تعصب کی عینک اتار کر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو حیات اعلیٰ حضرت، سوانح اعلیٰ حضرت اور تصانیف رضا میں جابجا امام احمد رضا کی صوفیانہ زندگی، عارفانہ وزاہدانہ گوشے، تصوف کے اسرار اور طریقت کے معارف کی بہاریں ملتی ہیں، جن سے امام احمد رضا کا زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ اور ولایت وقطبیت واضح طور پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ کچھ دیر سے ہی سہی اب امام احمد رضا کے اس گوشہ پر بھی آسان لب و لہجے میں چند کتابیں منظر عام پر آگئی ہیں، جن کے مطالعہ سے قارئین کو ان کے شب و روز کے معمولات، زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ، شریعت کی پاسداری اور سنن مصطفوی کی پیروی، تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب، تربیت و اصلاح اور ان کے عارفانہ و مصلحانہ کتب ورسائل سے ان کی ولایت و عرفان کا بخوبی اندازہ ہوگا اور اہل جہاں کو یہ سچائی بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ امام احمد رضا دیگر فنون کے شہ سوار ہونے کے ساتھ ساتھ اس میدان کے بھی امام ہیں۔ "ذلك فضل الله يو تيه من يشاء."

امام احمد رضا قدس سرہ کی زہد و تقویٰ سے آراستہ زندگی کے چند شواہد و واقعات اور ان کی ولایت وقطبیت کی چند ضیا بار جھلکیوں کو ذکر کرنے سے پہلے زہد و تقویٰ اور تصوف کی تعریفات کو ذکر کر دینا مناسب ہے، تاکہ ان تعریفات کی روشنی میں امام اہل سنت کی مبارک زندگی کے لمحے لمحے کا زہد و تقویٰ سے مزین ہونا اور ولایت وقطبیت میں ان کا اعلیٰ مقام و منصب پر فائز ہونا بالکل واضح اور منقح ہو جائے۔

زہد و تقویٰ اور تصوف کی تعریفیں:

صاحب خزائن العرفان نے تقویٰ کی چند تعریفات تحریر فرمائی ہیں:

[۱] نفس کو خوف کی چیز سے بچانا اور عرف شرع میں ممنوعات چھوڑ کر نفس کو گناہ سے بچانا [۲] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: متقی وہ ہے جو شرک و کبائر اور فواحش سے بچے۔ [۳] بعض کا قول ہے کہ تقویٰ حرام چیزوں کا ترک اور فرائض کو ادا کرنا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ تقویٰ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کا نام ہے، یہ تمام معانی باہم مناسبت رکھتے ہیں، مفہوم کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

زہد کی بھی چند تعریفیں کی گئی ہیں:

زہد: لغت میں ترك الميل الى الشئي ہے، یعنی کسی دنیاوی چیز کی طرف میلان کو ترک کر دینا ہے۔ اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دنیا کی راحت کو آخرت کی راحت حاصل کرنے کے لیے ترک کرنا۔ [۱] اسی طرح تصوف کی بھی متعدّد تعریفیں ہیں، علامہ عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: تصوف احکام شرعیہ پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔ حضرت ابو محمد جریری کے

نزدیک تصوف تمام اخلاق کا جامع اور اخلاق ردیہ وشنیعہ سے بری ہونے کا نام ہے۔ سید الاولیا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ تصوف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: تصوف اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔[۲]

زہد وتقویٰ اور تصوف کی تعریفات کے تناظر میں امام احمد رضا کا پیکر زہد وتقویٰ، واقف اسرار معرفت، صاحب تصوف، حامل طریقت، ولی کامل اور صاحب کشف وکرامت ہونا آپ کی حیات مبارکہ کے روحانی گوشوں سے واضح ہے، انتہائی اختصار کے ساتھ اس مقالے میں چند شواہد اور ان کی روحانی وعلمی خدمات ذکر کیے جارہے ہیں تاکہ اس فقیر کو بھی قطب الاقطاب امام احمد رضا قدس سرہ کی مقدس بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا شرف حاصل ہوجائے۔ گر قبول افتد زہے عزو شرف۔

امام احمد رضا قدس سرہ کا نور بار ومقدس گھرانہ علم وعمل، فضل وکمال، زہد وتقویٰ اور دین داری وپرہیز گاری سے مالا مال تھا، آپ کے جدامجد اور والد ماجد شریعت مطہرہ کے عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت کے اسرار ودقائق کے رمز آشنا اور ولی باصفا تھے، ان عظیم شخصیات کی مبارک وبافیض صحبت میں پرورش وپرداخت پاکر صغر سنی ہی میں علم وفضل، زہد وتقویٰ اور عرفانی وروحانی فیوض سے بہرہ مند ہوئے، آپ کی جبین اقدس سے انوار سعادت وآثار ولایت بچپن ہی سے روشن تھے، جنھیں اہل نظر دیکھ کر اظہار بھی فرماتے تھے۔ ہنگام طفولیت ہی سے زہد وتقویٰ، روحانی فیضان وعرفان اور صفائے قلبی کے حیرت انگیز واقعات کا صدور ہونے لگا تھا، چند شواہد کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

❶ جب سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ میں اس خاک دان گیتی میں رونق افروز ہوئے تو ان کے جدامجد حضرت علامہ رضا علی خاں علیہ الرحمہ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ "یہ فرزند عالم وعارف ہوگا" یہ بشارت ایک مدت پہلے سنی گئی، لیکن رہتی دنیا تک اس کی تصدیق ہوتی رہے گی اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ولایت وقطبیت کی شہادت اہل حق دیتے رہیں گے۔[۳]

❷ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم طریقت وشریعت ہونے پر یہ بھی ایک بشارت ہے، جس کو جناب سید ایوب علی صاحب نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"جس وقت اعلیٰ حضرت بطن مادر میں تھے، آپ کے والد ماجد نے ایک بہت ہی عجیب خواب دیکھا، جس کی وجہ سے کچھ پریشانی سی لاحق ہوئی، رات بھر اس خواب کی فکر میں رہے اور صبح اٹھے تو بھی اس کی تشویش باقی تھی، صبح حضرت سراپا فیض وبرکت مفتی رضا علی خاں صاحب سے آپ کے والد ماجد نے اپنا خواب بیان کیا، حضرت ممدوح نے فرمایا: بہت مبارک خواب ہے، بشارت ہو کہ پروردگار عالم تمھارے نطفہ سے ایک فرزند پیدا فرمائے گا، جو علم کا دریا بہائے گا اور جس کا شہرہ مشرق ومغرب میں پھیلے گا۔[۴]

سبحان اللہ! والد ماجد کو ایسی بشارت ملی کہ جدامجد کی زبان مبارک کا ایک ایک لفظ صحیح ثابت ہوا، اور فرزند سعید کی علمی وروحانی کرنیں ایسی ظاہر ہوئیں کہ ان سے مشرق ومغرب کے عاشقان اولیا روشنی وتابندگی حاصل کررہے ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک

ان بشارات کے بعد صرف چند حیرت انگیز واقعات ہی پر اکتفا کیا جائے گا، آنے والے واقعات سے بچپن ہی میں اسرار شریعت ومعارف طریقت پر ان کی رسائی اور غیر معمولی ذہانت کا اندازہ ہونے کے ساتھ اتنی خرد سالی میں عارفانہ نکتوں کو جاننے کا شوق بھی واضح ہو جائے گا۔

امام احمد رضا بچپن ہی سے فطری طور پر غیر معمولی ذہین تھے، چار سال کی ننھی سی عمر میں قرآن مجید کا ناظرہ مکمل کر لیا، چھ سال کی عمر میں ربیع الاول کے مبارک مہینے میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ایک عظیم مجمع میں میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ آپ کی غیر معمولی ذہانت دیکھ کر آپ کے اساتذہ حیرت زدہ تھے۔ اعلیٰ حضرت اپنی خداداد قوت حافظہ اور غیر معمولی ذہانت کا ذکر خود فرماتے تھے کہ میرے استاذ جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا، جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے، ایک دو مرتبہ دیکھ کر کتاب بند کر دیا کرتا، جب وہ سبق سنتے تو حرف بحرف لفظ بلفظ سنا دیتا، روزانہ یہ حالت دیکھ کر استاذ سخت تعجب کرتے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ احمد میاں! یہ تو کہو تم آدمی ہو یا جن؟ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے، مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، میں انسان ہی ہوں، ہاں! اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کی حمایت شامل حال ہے۔ [۵]

بسم اللہ خوانی ہی کی رسم میں ایک حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا، حیات اعلیٰ حضرت میں ہے کہ امام احمد رضا کے استاذ مکرم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الف، با، تا، جس طرح پڑھایا جاتا ہے، پڑھایا، امام احمد رضا ان کے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب لام الف [لا] کی نوبت آئی، استاذ نے فرمایا: کہو لام الف، امام احمد رضا خاموش ہو گئے اور لام الف نہ کہا، استاذ نے دوبارہ کہا: کہو میاں لام الف، امام احمد رضا نے فرمایا: یہ دونوں تو پڑھ چکے ہیں، یہ دوبارہ کیا؟ اس وقت امام احمد رضا کے جد امجد علامہ رضا علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز جو جامع کمال ظاہری وباطنی تھے، فرمایا: بیٹا! استاذ کا کہا مانو، جو کہتے ہیں پڑھو، امام احمد رضا نے جد امجد کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے جد امجد کے چہرے کی طرف نظر کی، جد امجد نے اپنی ایمانی فراست سے سمجھ لیا کہ اس بچہ کو شبہہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ کا بیان ہے، اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے آیا؟ ورنہ یہ دونوں حروف الگ الگ تو پڑھ ہی چکے ہیں، اگر چہ بچے کی عمر کے لحاظ سے اس علمی نکتہ کو واضح کرنا مناسب نہ تھا اور سمجھ سے بالاتر خیال کیا جاتا، مگر ”ہونہار پروے کے چکنے چکنے پات“ حضرت جد امجد نے نور باطنی سے سمجھ لیا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے، اس لیے ابھی سے اسرار ونکات کا ذکر ان کے سامنے مناسب جانا اور فرمایا: بیٹا! تمھارا خیال درست ہے اور سمجھنا بجا ہے، مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا حقیقتاً وہ ہمزہ ہے اور یہ در حقیقت الف ہے، لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن، اس لیے ایک حرف یعنی لام، اول میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ امام احمد رضا نے کہا: تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا، لام کی کیا خصوصیت ہے؟ با، تا، دال، سین شروع میں لا سکتے تھے۔ جد امجد نے غایت محبت وشفقت میں اپنے عظیم پوتے کو سینے سے لگا لیا اور دل سے بہت ساری دعائیں دیں، پھر فرمایا: لام اور الف میں صورۃً وسیرۃً مناسبت خاص ہے، ظاہراً لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ لا میں لام اور الف تقریباً یکساں نظر آتے ہیں اور دونوں میں سیرۃً اس طرح یکسانیت ہے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے، یعنی یہ اس کے بیچ میں ہے اور وہ اس کے بیچ میں ہے۔ کہنے کو امام احمد رضا کے جد امجد نے لام کو مرکب لانے کی

وجہ بیان فرمائی مگر باتوں بات میں بہت کچھ بتادیا اور اسرار و حقائق کے رموز واشارات کی دریافت وادراک کی صلاحیت و قابلیت اسی وقت سے پیدا کردی، جس کا اثر سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شریعت میں امام احمد رضا اگر امام اعظم کے خاص اصحاب میں نظر آتے ہیں تو طریقت میں وہ سیدی غوث اعظم قدس سرہ کے نائب اکرم کے منصب پر فائز ہیں۔[۶]

اسی طرح بچپن کا دوسرا واقعہ بھی اپنے دامن میں شریعت وطریقت کے رموز واسرار کو سمیٹے ہوئے ہے، وہ اسی طرح ہے:

جناب سید ایوب علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں آپ کو گھر پر ایک مولوی صاحب پڑھانے آیا کرتے تھے، ایک روز کا ذکر ہے کہ مولوی صاحب کسی آیت کریمہ میں بار بار ایک لفظ آپ کو بتاتے تھے مگر آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلتا تھا، وہ "زبر" بتاتے تھے اور آپ "زیر" پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت جب آپ کے جدامجد مفتی رضا علی خاں علی الرحمہ نے دیکھی توامام احمد رضا کو اپنے پاس بلالیا اور کلام پاک منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب نے غلطی سے زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا، یعنی جو امام احمد رضا کی زبان سے نکلتا تھا، وہ صحیح تھا، آپ کے جدامجد نے پوچھا کہ بیٹے! جس طرح مولوی صاحب پڑھاتے تھے تم اسی طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کی: میں ارادہ کرتا تھا مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔[۷]

سبحان اللہ! امام احمد رضا کی مبارک زبان سے بچپن ہی سے صحیح و مناسب لفظ نکلتا تھا، آپ کو شریعت وطریقت کے مسائل میں وہ خداداد بصیرت و گہرائی عطا ہوئی تھی کہ آپ جس بھی مسئلہ کو زبان وقلم سے واضح فرماتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ سمندر کی تہ سے خوبصورت موتیوں کو نکالتے ہیں۔ اور جو مسئلہ بھی بیان فرماتے ہیں وہ عقل و نقل اور حال ومقام کے بالکل مناسب ہے، رب قدیر نے اپنے فضل وکرم سے اپنے حبیب کے صدقہ وطفیل آپ کی زبان وقلم کو اپنی حفاظت میں لے لیا تھا، جس کا اظہار حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کیا ہے:

"ہم کو اور ہمارے ساتھ سارے علمائے عرب وعجم کو اعتراف ہے کہ حضرت شیخ محقق دہلوی، پھر بحر العلوم فرنگی محلی یا پھر اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے، اس کو ناممکن فرمادیا۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء، اس عنوان پر غور کرنا ہو تو فتاویٰ رضویہ کا گہرا مطالعہ کر ڈالیے۔"[۸]

خردسالی ہی میں امام احمد رضا کی علمی وروحانی بصیرت، اسرار ودقائق سے واقفیت خداداد ذہانت اور پیدائشی ولایت پر صرف چند شواہد وواقعات "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں۔

ولایت کی تصدیق:

بچپن کے ان تمام شواہد وواقعات کی تصدیق وتائید قطب الاقطاب، ولی کامل رازدار طریقت ومعرفت، حضور خاتم الاکابر حضرت علامہ سید آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد کو بیعت وارادت سے منسلک کرتے وقت بہت ہی اچھوتے انداز میں فرمادی اور اپنے قابل فخر مرید صادق کو بیعت وارادت سے وابستہ کرنے کے ساتھ خصوصی انعام وفیض سے نواز کر شریعت اور طریقت کا امام بھی بنادیا، اعلیٰ حضرت کی بیعت وخلافت کا واقعہ بھی بہت سے فضائل

وکمالات اور معارف کا حامل ہے، جسے اسی خاندان کے چشم وچراغ پروفیسر حضور امین ملت حضرت سید امین میاں برکاتی سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ نے اپنے نوک قلم سے زینت قرطاس کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''مجھ سے والد ماجد حضور سید احسن العلما مدظلہ، عم مکرم حضور سید العلما علیہ الرحمۃ والرضوان اور دادا صاحب حضرت سید آل عبا قادری نوری مدظلہ العالی نے فرمایا:

ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزرا، ۱۲۹۴ھ میں ایک نوجوان صاحب زادے مع اپنے والد بزرگوار مارہرہ کے خانقاہ برکاتیہ میں تشریف لائے۔ سجادہ غوثیہ برکاتیہ پر خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ تشریف فرما تھے، ایک مختصر مجلس میں، جس میں خاتم الاکابر کے خلیفہ، پوتے قدس سرہ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کے پیرومرشد یعنی جد مکرم حضور پرنور خاتم الاکابر ہند سید شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب بہ ''میاں صاحب'' قدس سرہ اور میرے پردادا حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں رحمۃ اللہ علیہ جو خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے حقیقی نواسے اور بڑے محبوب خلیفہ تھے، تشریف فرما تھے۔ ایسے روحانی ماحول میں ان دونوں حضرات بریلی کو بیعت فرما کر خلافت سے نوازا گیا۔ نوری دادا نے پوچھا کہ حضور! آپ کے خاندان میں تو خلافت بڑی ریاضت اور مجاہدے کے بعد دی جاتی ہے، ان دونوں حضرات کو آپ نے فوراً خلافت عطا فرما دی۔ حضرت سیدی شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب! اور لوگ گندے دل اور نفس لے کر آتے ہیں، ان کی صفائی کی جاتی ہے پھر خلافت سے نوازا جاتا ہے، مگر یہ دونوں حضرات پاکیزگی نفس کے ساتھ آئے تھے، صرف ''نسبت'' کی ضرورت تھی، وہ ہم نے عطا کر دی۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ دونوں حضرات کون تھے؟ نوجوان صاحب زادے تھے، چودہویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی فاضل بریلوی قدس سرہ اور دوسرے صاحب زادے تھے اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان۔

اسی مجلس میں اعلیٰ حضرت کے مرشد سیدی آل رسول قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: میاں صاحب! ایک فکر عرصہ سے پریشان کیے ہوئے تھی، بحمد للہ آج وہ دور ہوگئی۔ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول ہمارے لیے کیا لایا؟ تو میں اپنے مولوی احمد رضا خاں کو پیش کر دوں گا۔ پھر مزید ارشاد فرمایا کہ ''میاں صاحب! [نوری دادا کو اسی لقب سے یاد فرماتے تھے] اب ہم بوڑھے ہوئے، ہمارا علم بوڑھا، تم جو کچھ لکھا پڑھا کرو وہ مولوی صاحب کو دکھا لیا کرو''۔

سبحان اللہ! مرشد برحق صاف صاف چودہویں صدی کے عہدۂ مجددیت پر فائز ہونے کی بشارت دے رہے ہیں۔ حضرت صاحب نے اسی محفل میں اعلیٰ حضرت کو وہ تمام اعمال واشغال وغیرہا عطا فرما دیے جو خاندان برکاتیہ میں سینہ بہ سینہ چلے آرہے تھے۔''[۹]

بیعت وخلافت کے بعد مرشد کامل سے جو اعلیٰ حضرت کو خصوصی روحانی فیض وانعام حاصل ہوا، اس کی ترجمانی گل گلزار برکاتیت حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں قادری برکاتی، جانشین حضور سید العلما قدس سرہ اپنے قلم سے کرتے ہیں:

”امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سلسلۂ عالیہ میں شامل ہونے کی تمنا لے کر مارہرہ شریف آئے ہیں۔ حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ ایک ہی نظر میں نوجوان صاحب زادے کی اعلیٰ ظرفی، بلند اقبال اور روحانی استعداد واستطاعت پہچان لیتے ہیں۔ قطرہ سمندر سے جاملتا ہے اور ایسا ملتا ہے کہ خود بحر بیکراں بن جاتا ہے۔ رسم بیعت اختتام پذیر ہوتی ہے۔ مرشد کی روحانی توجہ سے سرشار مرید حجرے سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ خدام خانقاہ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ بے اختیار اسم جلالت ”اللہ، اللہ“ پکار اٹھتے ہیں۔ اس خانوادے کی روایت کے مطابق اسم جلالت صرف اسی وقت بلند کیا جاتا ہے جب صاحب سجادہ اپنے حجرۂ سجادگی سے برآمد ہوتا ہے۔ آج خادموں کو یہ کیا سوجھی؟ حضرت خاتم الاکابر تو اب بھی اپنی جگہ تشریف فرما ہیں۔ حجرے سے باہر آنے والے تو محمد احمد رضا ہیں۔ پھر آج خاندانی روایت میں یہ فرق کیسا؟ لیکن خادموں کا بھی کوئی قصور نہیں، ان کی نظریں اس وقت احمد رضا کو نہیں، خاتم الاکابر شاہ آل رسول کو دیکھ رہی ہیں۔ سبحان اللہ! کیا طالب اور کیا مطلوب! تصرف ہو تو ایسا، ایک نظر میں اپنا جیسا بنا دیا۔ حجرہ شریف میں داخل ہوئے تھے، احمد رضا اور جب باہر تشریف لائے تو واقف رموز جلیہ وخفیہ، کاشف غوامض علمیہ، حل مشکلات ہر علم وفن، علامۂ زمن، مرجع العلما، محی الملۃ والدین، شیخ الاسلام والمسلمین، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکۃ، مجدد اعظم دین وملت بن چکے تھے۔ مرشد روشن ضمیر نے اپنے پیارے مرید کی پیشانی پر دست قدرت کی لکھی روشن تحریریں پڑھ لی ہیں، بریلی شریف کے مقدس گھرانے کا یہ فرد آگے چل کر اس صدی کا مجدد بنے گا، حضور غوث اعظم پیران پیر دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نائب اور رسول مکرم سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وارث ہوگا، اس کا سینہ انوار ومعارف اور علوم وحقائق لدنیہ کا خزینہ بنایا جائے گا، جس کا ظرف اتنا عالی ہے اس کے لیے عطا میں کیوں کمی کی جائے، دینے والے مجسم عطا لینے والے سراپا رضا، سونا تو پہلے تھے، طریقت کی آنچ ملی تو کندن ہو گئے۔[۱۰]

سبحان اللہ! سرکار اعلیٰ حضرت بیعت وخلافت کے وقت بائیس سال کے تھے، اس عمر میں ان کا قلب مبارک ایسا مزکی ومصفی اور روشن تھا کہ مرشد کامل نے خلافت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ خصوصی فیوض وانعامات دیتے ہوئے ان کے مادر زاد ولی ہونے کی تصدیق بھی فرما رہے ہیں اور چودھویں صدی کے مجدد ہونے کی بشارت بھی دے رہے ہیں، جب اس عمر میں عبقریت وولایت کی تصدیق وتشہیر ہو رہی ہے تو انتہا میں عروج وارتقا کا عالم کیا ہوگا؟ اسی لیے آپ کی دینی، علمی، روحانی، اصلاحی اور اقتصادی خدمات وتجدیدی کارناموں کو دیکھ کر جہاں علماے عرب وعجم نے آپ کو مجدد اعظم، خاتم الفقہا والمحدثین، امام علوم شریعت، حامی سنت وطریقت، ماحی بدعت وضلالت گنجینۂ علوم کے مشکلات ظاہر وباطن کا کھولنے والا، علماے عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مقتداے اہل سنت وغیرہ سے یاد کیا، وہیں آفتاب معرفت، رازدار طریقت، امام الائمۃ المجدد لھٰذہ الامۃ، نادر روزگار اور خلاصۂ لیل ونہار وغیرہ سے بھی موسوم کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

زہد وورع، تقویٰ وطہارت اور دیگر اوصاف حمیدہ میں مقام:

امام احمد رضا بچپن ہی سے زہد وورع، تقویٰ وطہارت، تواضع وانکساری جیسی صفات حسنہ کی طرف مائل تھے، آپ کی پوری

زندگی زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور حزم و احتیاط سے آراستہ تھی، آپ کا ہر قول و فعل شریعت مطہرہ اور سنن نبوی کے مطابق ہی ہوتا، زندگی کا ایک ایک لمحہ شریعت و سنت اور سیرت اسلاف کی روشنی ہی میں گزارتے، ایک مجدد و ولی کامل میں جن اوصاف حمیدہ اور فضائل و خصائل ہونے چاہیے وہ تمام صفات و کمالات آپ کے اندر موجود تھے۔ ان سے متعلق چند واقعات و شواہد کا ذکر اختصاراً کیا جارہا ہے۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ مجدد وقت و ولی کامل ان صفات میں بھی کس بلند مقام پر فائز تھے۔

اسلامی شعائر اور مقدس مقامات کے آداب و لحاظ کی روایتیں آپ سے بکثرت ثابت ہیں:

چھ سال کی عمر میں جب آپ نے بغداد شریف کے بارے میں سمت معلوم کرلی پھر تادم حیات غوث الاعظم کے متبرک شہر کی طرف پاؤں نہ پھیلائے۔ قبلہ کا آپ بہت زیادہ احترام فرماتے تھے، کبھی قبلہ کی طرف نہ تھوکتے اور نہ پاؤں پھیلاتے، یہاں تک کہ کبھی قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے مسجد سے واپس نہیں ہوتے، ہمیشہ قبلہ کی طرف منہ کر کے قبلہ رو ہو کر ہی نکلتے، یعنی شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کی جانب واپسی قبلہ رو ہونے کے بعد ہوتی، کبھی پشت کرتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔[۱۱]

ہنگام طفولیت میں تقویٰ و پرہیز گاری کا یہ واقعہ بھی بہت نصیحت آمیز ہے، ملاحظہ ہو:

☆ ابھی تقریباً ساڑھے تین برس کی عمر ہے، کرتا پہنے باہر سے دولت خانہ کی طرف چلے جارہے تھے کہ سامنے سے کچھ بازاری عورتوں [طوائف] کا گزر ہوا نظر پڑتے ہی ساڑھے تین برس کے امام نے اپنا لمبا کرتا اٹھایا اور دامن سے آنکھیں چھپالیں۔ یہ غیورانہ انداز دیکھ کر ان عورتوں نے تضحیکانہ انداز میں کہا: "واہ میاں صاحب زادے! نظر کو ڈھک لی اور ستر کھول دیا۔" اس پر امام احمد رضا نے برجستہ عارفانہ جملے ارشاد فرمایا: پہلے نظر بہکتی ہے، تب دل بہکتا ہے توستر بہکتا ہے۔" اب تو ان سب عورتوں پر سکتہ طاری ہوگیا اور پھر کچھ بولنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ ساڑھے تین برس کی عمر میں فکر و شعور اور عفت و پرہیز گاری کی اس قدر بلندی کم تعجب خیز نہیں، آپ نے اس جواب کے اندر شریعت و طریقت کے ایسے پنہاں نکتے منکشف فرمادیئے، جن کا ادراک آج بوڑھے ہونے کے بعد بھی مشکل سے ہوتا ہے۔[۱۲]

امام احمد رضا دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تحقیق و افتا اور دیگر دینی و روحانی شعبوں میں خالصاً لوجہ اللہ عبادت و سنت سمجھ کر مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ فرائض و واجبات، نوافل و مستحبات بلکہ اوراد و ظائف اور ذکر و اذکار پر بھی سختی سے عامل تھے، اور نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے، جماعت کی پابندی سے متعلق استاذی الکریم علامہ محمد احمد مصباحی صاحب اپنے استاذ محترم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی روایت کو "جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور" کے حاشیہ میں لکھے ہیں:

"ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا، جماعت کا وقت ہوگیا، طبیعت پریشان ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر مسجد ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔"

آج صحت و توانائی اور تمام تر سہولت کے باوجود ترک نماز اور ترک جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درس عبرت ہے۔

امام احمد رضا کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا، اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی، دوسرے عمر مبارک کا آخری حصہ اور ضعف و مرض کی شدت، شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ قضا کرے، لیکن امام احمد رضا کا فتویٰ اپنے لیے کچھ اور ہی تھا جو در حقیقت فتویٰ نہیں تقویٰ تھا، انہوں نے فرمایا: بریلی میں گرمی کی شدت کے سبب میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں، لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے، یہاں سے نینی تال قریب ہے، بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے، میں وہاں جانے پر قادر ہوں، لہٰذا میرے اوپر وہاں جاکر روزہ رکھنا فرض ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک وہیں گزارے اور پورے روزے رکھے۔[۱۳]

پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں علیہ الرحمہ سے ملنے محدث سورتی کے ساتھ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ احکام شرع پر کمال غیرت کے باعث اعلیٰ حضرت بغیر ملے ہوئے واپس تشریف لائے، کوئی دوسرا ہوتا تو بگڑ جاتا، مگر شاہ صاحب کی بے نفسی و حق پسندی کا کمال اس طرح جلوہ گر ہوا کہ شام کو اسٹیشن تک پہنچانے تشریف لائے اور صبح کے واقعہ پر اظہار افسوس کے ساتھ کہا، مولانا اب آئندہ میں عورتوں کے پس پردہ بٹھاکر بیعت لیا کروں گا اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان سے مصافحہ و معانقہ فرمایا۔[۱۴]

امام احمد رضا کے برادر زادہ اور تلمیذ و خلیفہ حضرت علامہ مولانا حسنین رضا صاحب علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت کے وقت وصال موجود تھے، فرماتے ہیں کہ ایک بج کر چھپن منٹ پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: گھڑی سامنے رکھ دو، گویا کہ پہلے ہی سے وقت معلوم ہے اور اب شدت سے وقت متعیّن کا انتظار ہے۔ اور کیوں نہ واقف ہوں کہ بارگاہ نبوت کے محبوب خاص تھے، ورنہ جاں کنی کا وقت اور سامنے گھڑی ہونے کی خواہش چہ معنی دارد؟ پھر فرمایا: ’’تصاویر ہٹا دو‘‘۔ لوگوں نے سوچا یہاں تصاویر کا کیا کام؟ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ خود ہی فوراً ارشاد فرمایا: ’’یہی لفافے، کارڈ اور روپے پیسے وغیرہ‘‘[جس میں تصویریں ہوتی ہیں] یہاں حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا احتیاط و تقویٰ قابل دیدنی ہے کہ حدیث شریف میں ہے: ’’جس گھر میں تصویر اور کتا ہوتا ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ہیں۔‘‘ مگر سکوں کو بدرجہ مجبوری اس حکم سے الگ رکھا گیا ہے جیسا کہ اکثر علماے عظام کا قول ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے اسے بھی گوارہ نہ کیا اور کلیتاً تصویر کے شائبے سے بھی اجتناب فرمایا۔[۱۵]

امام احمد رضا کے تواضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار پیلی بھیت آتے وقت ٹرین میں تاخیر تھی تو اسٹیشن پر آرام کرسی بیٹھنے کو دی گئی۔ فرمایا یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔ تشریف رکھا مگر پشت نہ لگائی اور وظائف میں مشغول رہے۔[امام احمد رضا اور تصوف[ملخصًا]

ایک دن شام کے وقت حسب معمول پان آنے میں تاخیر ہوگئی، دیر میں ایک بچہ پان لے کر حاضر خدمت ہوا، رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور تقریباً مغرب کے بعد دو گھنٹے ہو چکے تھے، اور امام احمد رضا قدس سرہ رمضان میں افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے تھے، لانے والے بچے سے فرمایا: ’’اتنی دیر میں لایا اور اسے ایک چپت بھی دھیرے سے رسید کر دی۔‘‘ واقعہ تو گزر گیا مگر امام احمد رضا نے بعد میں سوچا کہ میں نے غلطی کی کہ اس بچے کو ایک چپت رسید کر دیا۔ لہٰذا اب اس غلطی کا تدارک اسی

طرح ہو گا کہ تم بھی میرے سر پر چپت مارو، اور سر سے ٹوپی اتار کر اصرار فرمایا۔ حاضرین یہ تماشا دیکھ کر مضطرب و پریشان ہوئے۔ بچہ بھی عالم حیرت میں مبتلا ہو گیا اور عرض کیا: حضور میں نے معاف کیا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: تم نابالغ، تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں ہے، تم چپت مارو، مگر نہ مار سکا۔ اس کے بعد اپنا بکس منگا کر اس سے مٹھی بھر پیسے نکالے اور فرمایا: میں تمہیں اتنے پیسے دوں گا، تم چپت مارو، مگر وہ بچہ کہتا رہا، حضور میں نے معاف کیا۔ آخر کار جب اعلیٰ حضرت نے یہ دیکھا کہ یہ بدلہ نہیں لے پا رہا ہے تو وہ خود اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے سر مبارک پر بہت سی چپتیں لگائیں اور پھر اس بچے کو پیسے دے کر رخصت فرمایا۔[۱۶]

سبحان اللہ! ایک چھوٹے سے بچے کو دھیرے سے ایک ہی چپت مارنے پر اس طرح معافی و تلافی کروانا، یہ اس دور میں ان لوگوں کے لیے نصیحت آمیز ہے جو مسلمانوں کی ایذا رسانی اور حقوق العباد کی پامالی کرتے رہتے ہیں۔

امام احمد رضا خلوص وللّٰہیت اور زہد و استغنا میں یکتائے روزگار تھے، آپ کے تمام دینی امور و خانگی معاملات اور دینی خدمات میں خلوص وللّٰہیت اور زہد و استغنا کے حسین جلوے نمایاں ہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے فتویٰ نویسی میں فیس کے بارے میں پوچھ دیا تھا، امام احمد رضا قدس سرہ نے جواباً تحریر فرمایا: ”یہاں بحمد اللہ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا اور نہ لیا جائے گا، بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست ہمت ہیں جنہوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے، جس کے بعد دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی۔ بھائیو! ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔ ”میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے۔[۱۷]

آج کل پھونک اور تعویذات میں مانگ کر فیس لی جاتی ہے، جیسا کہ ہر شہر میں ایسے جھاڑ پھونک کرنے والے باباؤں کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے، مگر امام احمد رضا ایسے ولی کامل تھے کہ آپ نے کبھی بھی کسی سے تعویذات پر اجرت قبول نہ کی، جیسا کہ جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے: ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور بدایونی پیڑوں کی ہانڈی پیش کی، فرمایا کس لیے آنا ہوا؟ عرض کیا: سلام کے لیے حاضر ہو گیا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا: کوئی ضرورت؟ بولے! بس یوں ہی مزاج پرسی کے لیے آ گیا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد پوچھا: کچھ کہیے گا؟ بولے کوئی عرض نہیں۔ اس کے بعد آپ نے وہ شیرینی کی ہانڈی مکان میں بھجوا دی، تھوڑی دیر بعد وہ صاحب ایک تعویذ طلب کی۔ آپ نے تعویذ دے دیا اور ساتھ ہی ساتھ مٹھائی کی ہانڈی بھی گھر میں سے منگا کر واپس فرما دیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے آپ سے پہلے ہی تین بار دریافت کیا، مگر آپ ہر بار انکار کرتے رہے، یہ ہانڈی لیتے جائیے۔ یہاں تعویذ بکتا نہیں ہے۔[۱۸]

امام احمد رضا کے زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، خلوص وللّٰہیت اور احتیاط و استغنا وغیرہ پر نصیحت آمیز واقعات و شواہد بہت زیادہ ہیں۔ بلا شبہہ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ زہد و توکل، استغنا اور حزم و احتیاط میں بھی اپنے دور میں بے نظیر تھے۔

آپ نے ارکان دولت و رئیسوں کی طرف کبھی بھی التفات نہ فرمائی، اپنے ہم مسلک اور معتقد رئیسوں و نوابوں کی مسلسل درخواستوں کے باوجود ان سے ملاقات کے لیے جانا پسند نہیں کیا اور یہی فرمایا:

کروں مدح اہل دول رضا، پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

بڑوں کی تعظیم وتکریم، چھوٹوں پر شفقت ومحبت، اکابر علماے اسلام کی توقیر اور اطاعت والدین میں آپ نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا، چناں چہ والد ماجد کے وصال کے بعد اپنی پوری باگ ڈور والدہ ماجدہ قدس سرہا کے ہاتھ میں دے رکھی تھی، ان کی اجازت کے بغیر حج نفل بھی گوارا نہ کیا۔ جو پیسے ہوتے سب والدہ کی خدمت میں حاضر کر دیتے، ان کی اجازت کے بغیر کتابیں بھی نہ خریدتے، آپ انتہائی ادب وتواضع سے علامہ شامی علیہ الرحمہ اور محقق علی الاطلاق جیسے اکابر کی باتوں پر کلام کرتے: "ایک جگہ ردالمحتار میں علامہ شامی نے فرمایا اس اعتراض کا حل ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ اعلیٰ حضرت نے جدالممتار میں اس پر لکھا:" وظهر لنا ببركة خدمة كلماتكم " آپ کے کلمات پر کام کرنے کی برکت سے ہمیں سمجھ میں آگیا۔[۱۹]

سادات کرام کا امام احمد رضا قدس سرہ حد درجہ احترام فرماتے، اس تعلق سے آپ کے واقعات وعملی نقوش حیرت انگیز ونصیحت آمیز ہیں، اس پر چند شواہد ملاحظہ ہوں:

ایک کم عمر صاحب زادے خانہ داری کے امور میں امداد کے لیے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سید زادے ہیں۔ لہٰذا گھر والوں کو سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تاکید فرمائی کہ صاحب زادے سے کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادے ہیں۔ کھانا وغیرہ اور جس چیز کی ضرورت ہو، حاضر کی جائے، جس تنخواہ کا وعدہ ہے وہ بطور نذرانہ پیش ہوتی رہے۔ چنانچہ حکم کے مطابق عمل ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد وہ صاحب زادے خود ہی تشریف لے گئے۔[۲۰]

ایک دفعہ بعد نماز جمعہ امام احمد رضا پھاٹک میں تشریف فرما تھے کہ شیخ امام علی قادری رضوی کے بردار صغیر [مولانا نور محمد صاحب جوان دنوں بریلی شریف میں زیر تعلیم تھے] قناعت علی، قناعت کہہ کر پکارتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے انہیں بلوایا اور فرمایا: عزیزم! سید صاحب کو اس طرح پکارتے ہو؟ مولانا نور محمد صاحب نے ندامت سے نظریں جھکالیں۔ آپ نے فرمایا: سادات عظام کی تعظیم کا آئندہ خیال رکھیے اور جس عالی گھرانے کے یہ افراد ہیں، اس کی عظمت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے، اس کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سادات کا اس درجہ احترام ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قاضی اگر کسی سید پر حد لگائے تو یہ خیال تک نہ کرے کہ میں اسے سزا دے رہا ہوں بلکہ یوں تصور کرے کہ شاہ زادے کے پیروں میں کیچڑ لگ گیا ہے۔ اسے دھو رہا ہوں۔[۲۱]

مذکورہ واقعات کو ہم احمد رضا کا سادات کے ساتھ ادب واحترام اور عقیدت کے جلوے دیکھ کر نمونۂ عمل وآئیڈیل بنا سکتے ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ تحدیث نعمت کے طور پر اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"بحمد اللہ مجھے بچپن سے دشمنان خدا سے نفرت رہی ہے، نہ صرف مجھے بلکہ میرے بچوں کے بچوں کو بھی اس سے عداوت ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوگیا" اولئك كتب فی قلو بهم الايمان". بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک ٹکڑے پر لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا اور دوسرے حصہ پر محمد رسول اللہ تحریر ہوگا۔ اور بحمد اللہ ہمیشہ ہر بد مذہب پر فتح حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔ اثناے گفتگو میں فرمایا: آٹھ دس برس ہوئے، رجب کے ماہ میں حضرت والد ماجد سے خواب میں مشرف بہ ملاقات ہوا، والد صاحب نے فرمایا: اے احمد رضا! اس بار رمضان

میں تمہیں بیماری ہوگی، روزہ نہ چھوڑنا۔ بحمد اللہ جب سے روزے فرض ہوئے، کبھی نہ سفر میں نہ مرض میں کسی حالت میں روزہ نہ چھوڑا، اخیر رمضان میں بیمار ہوا اور بہت بیمار ہوا، لیکن بحمد اللہ روزے نہ چھوڑے"۔[۲۲]

دوسری جگہ اپنوں کی تعریف پر خوش ہونے اور اغیار کی گالیوں پر ناخوش ہونے پر اظہار خیال فرماتے ہیں: بخدا میں نہ ان اکابر علما و اولیا کی مدح پر اتراتا ہوں نہ ان دشمنان خدا اور رسول کی گالیوں سے غصہ میں آتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کے اس ناچیز کو اس قابل بنایا کہ اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ناموس کی حفاظت میں گالیاں سنے، جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے ہیں اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔[۲۳]

کرامات وتصرفات:

امام احمد رضا قدس سرہ عظیم مجدد، عظیم مصلح، عظیم عاشق رسول، طریقت وشریعت کے عظیم امام ورہنما ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب استقامت وکرامت ولی کامل بھی تھے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کی چند مشہور حسی کرامات وتصرفات کا ذکر کیا جارہا ہے:

آپ نے سید کو پالکی میں سوار کی حالت میں سید زادے کی خوشبو سے پہچان لیا، یہ لمبا واقعہ ہے جو سید زادے کی تعظیم وتوقیر اور عشق رسول پر عظیم شہادت ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی کرامت بھی ہے۔

متعدّد بار خواب میں حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے روضۂ رسول میں بیداری کی حالت میں بھی دیدار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے، یہ واقعہ امام احمد رضا کا سچے عاشق رسول اور درجۂ فنا فی الرسول کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ان کی اعلیٰ کرامت حسی بھی ہے۔

حیات اعلیٰ حضرت میں ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد رضا کے سامنے نواب کلب علی خان صاحب والی ریاست رامپور کا ذکر ہورہا تھا، ارشاد فرمایا کہ مرحوم اہل دل سے تھے، پھر فرمایا: میں ان کو ایام حج میں ہر سال مدینہ منورہ کی گلیوں میں دیکھتا ہوں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنے زمانۂ حیات میں ہر سال باطنی طور پر ایام حج میں مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ نیز نواب صاحب مرحوم بھی بعد وفات ہر سال ایام حج میں مدینہ طیبہ کی زیارت کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شب کے وقت مولانا رحیم بخش صاحب "میر زاہد" مطالعہ فرمارہے تھے کہ طلبہ کو اس کا درس دینا تھا، دوران مطالعہ ایک جگہ رکاوٹ پیدا ہوئی، بہت غور کیا مگر وہ مقام حل نہ ہوا، شب کا زیادہ وقت اسی میں گزر گیا آخر کار کتاب بند کردی، دوسری شب کو پھر دیر تک اس پر غور کیا مگر سمجھ میں نہ آیا، تیسری شب انتہائی سعی فرمائی مگر کامیابی نہ ہوئی اور کتاب بند کر کے بارادہ استراحت لیٹ گئے مگر نیند نہ آئی، دیر تک کروٹیں بدلتے رہے آخر کار آنکھ لگ گئی، تھوڑی ہی دیر بعد خواب میں دیکھتے ہیں کہ حضور اعلیٰ حضرت قبلہ ایک اجتماع کثیر میں اسی مسئلۂ لاینحل کو حل فرمارہے ہیں، معاً آنکھ کھل گئی تو فجر کا وقت تھا، وضو کیا اور نماز پڑھی اور خوش خوش مدرسہ پہنچ کر طلبہ کو درس دیا اور جس وقت سے بیدار ہوئے تھے قلب بار بار متقاضی تھا کہ بریلی شریف

حاضر ہوکر قدم بوسی حاصل کروں، چنانچہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سبب حاضری عرض کیا، اعلیٰ حضرت قبلہ نے تبسم فرماتے ہوئے اس حل کی تائید کی۔[۲۴]

سبحان اللہ ! اس کرامت سے سرکار اعلیٰ حضرت کا پریشان حال معتقدین کی پریشانی دور کرنے والا فریاد کرنے والا کی فریاد سننے والا واضح ہونے کے ساتھ ان کے صاحب تصرف وکشف پر بھی شاہد عدل ہے۔

اسی طرح کی کرامتیں ”حیات اعلیٰ حضرت، کرامات اعلیٰ حضرت، ملفوظات اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا اور تصوف امام احمد رضا اور معارف تصوف وغیرہ کتابوں میں بھری ہوئی ہیں۔

وصال مبارک پر چند کشف وکرامات:

اولیاے کاملین کو الہامی طور پر وصال کا دن اور وقت معلوم ہوجاتا ہے، انھیں اولیاے کاملین میں سے سیدی امام احمد رضا قدس سرہ بھی تھے کہ آپ کو وصال سے پہلے ہی الہامی طور پر وصال کا دن اور وقت معلوم ہو گیا تھا[۲۵] آپ نے اپنا مادۂ تاریخ وفات اس آیت مبارکہ سے نکالا تھا” و یطاف علیھم بأنیة من فضة واکواب “۔[۲۶]

دو بج کر ۳۸ر منٹ بروز جمعہ ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء کو روح مبارک جسم پاک سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شہر بریلی شریف، محلہ سوداگران میں مرکز اہل سنت دار العلوم منظر اسلام کے شمالی جانب ایک پر شکوہ عمارت میں مزار انوار زیارت گاہ خلائق ہے۔

آپ کے وصال مبارک پر کشف وولایت کے جلوؤں سے معمور دو واقعہ کے بیان پر اس مقالہ کو ختم کرتا ہوں، جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی، درگاہ اجمیر معلی کے سجادہ نشیں حضرت دیوان سید آل رسول صاحب کے خال محترم کی زبانی ایک واقعہ تحریر فرمائے ہیں جسے موضوع کی مناسب سے بیان کیا جارہا ہے، حضور حافظ ملت تحریر فرماتے ہیں:

”میری زندگی کا سب سے بہترین زمانہ دار الخیر اجمیر شریف کی حاضری کا وہ دور طالب عملی ہے جس میں نو سال تک سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری نصیب ہوئی اور استاذ محترم حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا۔ اس مبارک زمانہ میں اکثر علما، مشائخ اور بزرگان دین کی زیارت میسر آتی تھی۔ انہیں بزرگوں میں، حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں صاحب قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، دیوان صاحب کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے، موصوف کی خدمت میں میری حاضری ہوا کرتی تھی۔ وہ اکثر بزرگان دین کے واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت نے فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے۔ ان کی آمد کی خبر پاکر میں نے ان سے ملاقات کی۔ بڑی شان وشوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا ہی استغنا تھا۔ مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے تھے، ان

کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے، نذرانہ پیش کرتے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بفضلہ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں مجھے روپے پیسے کی ضرورت نہیں۔

مجھے ان کے استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا۔ عرض کیا: حضرت یہاں ہندوستان تشریف لانے کا سبب کیا ہے ؟ فرمایا: مقصد تو بڑا زرین تھا، لیکن حاصل نہ ہوا جس کا افسوس ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۵؍ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی ، خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے، قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔

میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: ”فداك ابی و امی “ کس کا انتظار ہے ؟ ارشاد فرمایا ”احمد رضا کا انتظار ہے“ میں نے عرض کیا: احمد رضا کون ہیں ؟ فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ میں ہندوستان آیا۔ بریلی پہنچا، معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اور وہی ۲۵؍ صفر ۱۳۴۰ھ ان کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے یہ طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لیے ہی کیا، لیکن ملاقات نہ ہو سکی، اس لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مقبولیت بارگاہ رسالت میں معلوم ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو عاشق رسول یوں ہی نوازے جاتے ہیں۔[۲۷]

دوسرا ایمان افروز واقعہ حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی ناگپور میں جشن ولادت امام احمد رضا کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ کے مقالہ میں تحریر فرمایا ہے:

”میں اپنے مکان پر تھا اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا۔ میرے مربی حضور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یکبارگی رونے لگے ۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ میں آگے بڑھا تو فرمایا کہ بیٹا میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں ۔ چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا تو ہمارے گھر پر کہرام پڑ گیا۔ اس وقت حضرت والد صاحب قبلہ حکیم الاسلام علامہ سید نذر اشرف قدس سرہ کی زبان پر بے ساختہ آیا کہ رحمۃ اللہ علیہ، اسی وقت ایک خاندانی بزرگ نے فرمایا کہ اس سے تو تاریخ وصال نکلتی ہے۔“[۲۸]

سبحان اللہ ! وقت کے ایک صوفی وعارف اپنے وقت کے مجدد اعظم ،ولی کامل ،قطب الارشاد کے جنازہ کو فرشتوں کے کاندھے پر دیکھ رہے ہیں، کیوں نہ ہو ایسے اولیاے کاملین کی نماز جنازہ میں فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

ورق تمام ہوا مدح ابھی باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

رب قدیر ہم سب کو مجدد اعظم قطب الارشاد امام احمد رضا قدس سرہ کے فیوض وبرکات سے فیض یاب فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلیہ واصحابہ وحزبہ اجمعین۔

مفتی محمد انور عالم مصباحی
اتر دیناج پور/ دار العلوم خیریہ فیض عام گھوسی

ماخذومراجع

[۱]التعریفات للجرجانی
[۲]بہجۃ الاسرار
[۳]اعلیٰ حضرت بریلوی مادرزادولی
[۴]حیات اعلیحضرت [ملخصا]
[۵]حیات اعلیٰ حضرت[ملخصا]
[۶]حیات اعلیٰ حضرت[ملخصا
[۷]حیات اعلیٰ حضرت[ملخصا]
[۸]المیزان: امام احمد رضا نمبر ص:۲۶۶
[۹]المیزان: امام احمد رضا نمبر، ص:۳۵۳
[۱۰]المیزان: امام احمد رضا نمبر، ص:۲۵۱
[۱۱]ملخص از حیات اعلیٰ حضرت۔المیزان امام احمد رضا نمبر۔
[۱۲]المیزان امام احمد رضا نمبر جدید ایڈیشن ص:۲۵۰
[۱۳]امام احمد رضا اور تصوف ص:۶۰
[۱۴]]امام احمد رضا اور تصوف، ص:۶۱
[۱۵]المیزان امام احمد رضا نمبر جدید ایڈیشن ص:۲۴۵
[۱۶]المیزان امام احمد رضا نمبر جدید ایڈیشن ص:۲۴۹
[۱۷]فتاوی رضویہ[ملخصا]
[۱۸]حیات اعلیٰ حضرت[ملخصا]
[۱۹]امام احمد رضا اور تصوف.
[۲۰]حیات اعلیٰ حضرت
[۲۱]سیرت امام احمد رضا۔
[۲۲]المیزان امام احمد رضا نمبر بہ حوالہ الملفوظ۔
[۲۳]امام احمد رضا اور تصوف بہ حوالہ حیات اعلیٰ حضرت
[۲۴]حیات اعلیٰ حضرت
[۲۵]المیزان امام احمد رضا نمبر، جدید ایڈیشن ۲۰۱۸
[۲۶]القرآن المجید، سورہ مجادلہ
[۲۷]امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں۔
[۲۸]المیزان: امام احمد رضا نمبر، ص:۲۶۴
اور دیگر کتب ورسائل۔۔۔

❁❁❁❁❁

امام احمد رضا بریلوی کے اوصاف و معمولات

مولانا شکیل انور مصباحی: نوری نگر، کمات اتر دیناج پور، بنگال

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ جہاں علمی کمالات کے جامع تھے وہیں ذاتی اور شخصی اوصاف میں بھی بے مثال اور امتیازی مقام و مرتبے کے حامل تھے۔ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک گوشہ سنت مصطفوی کا آئینہ دار تھا۔ آپ کے معمولات زندگی میں شریعت کی پاس داری کا عنصر نمایاں تھا، آپ کا ایک ایک لمحہ دین متین کی خدمت واشاعت میں گزرتا۔ عہد طفلی ہو یا عہد شباب، ہر زمانے میں آپ کی کتابِ حیات کا ہر ہر ورق سنت و شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرت سیدنا شاہ اسمٰعیل حسن میاں قادری مارہروی قدس سرہ آپ کے اوصاف و کمالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی، صوری و معنوی بنایا تھا، اوصاف و کمالات جس کو لے کر دیکھیے مولانا کی ذات میں بدرجہ کمال اس کا ظہور تھا۔" [حیاتِ اعلیٰ حضرت ، ترتیب جدید ۱۴۱/۱ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی]

مولانا حسنین رضا بن مولانا حسن بریلوی آپ کے طرز گفتگو پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت قبلہ ہر شخص سے اس کی سمجھ کے موافق بات چیت کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ہر شخص سے اس کی سمجھ کے موافق بات چیت کرتے تھے۔ ایسے موقع پر ان کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ ان کے ہر مخاطب کے دل میں اتر گئے۔ اس واسطے کہ انہیں اپنی سطح سے ہر شخص کی سطح پر اتر کر بات چیت کرنے کا پورا ملکہ تھا اور ارشاد سرکار دو عالم ﷺ: "لوگوں سے ان کی سمجھ کے موافق بات چیت کرو۔" پر پورے عامل تھے۔" [سیرتِ اعلیٰ حضرت مع کرامات ، ص:۹۹ مطبوعہ سنی رضوی اکیڈمی افریقہ]

آپ کے خادمِ خاص جناب سید ایوب علی رضوی بریلوی کی روایت سے مولانا ظفر الدین قادری آپ کے بیٹھنے اور چلنے کے انداز کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضور [اعلیٰ حضرت] کی سبک خرامی کا یہ حال تھا کہ چلنے میں کبھی پائے مبارک کی چاپ سننے میں نہ آئی۔ نشست کا حال یہ تھا کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے۔ کتب بینی، یا لکھتے وقت پائے مبارک سمیٹ کر دونوں زانو اٹھائے رہتے، ورنہ سیدھا زانوے مبارک اکثر اٹھا رہتا اور دوسرا بچھا رہتا اور کبھی بایاں زانو ضرورتاً اٹھاتے تو داہنا بچھا لیا کرتے تھے۔ ذکر میلاد میں ابتدا سے انتہا تک ادباً دو زانو رہا کرتے، یوں ہی وعظ فرماتے، چار پانچ گھنٹے کامل دو زانو ہی منبر شریف پر رہتے۔ [حیات اعلیٰ حضرت ۱۴۲/۱]

اعلیٰ حضرت ہر کام داہنی جانب سے شروع کرتے۔ مولانا صابر القادری نسیم بستوی تحریر فرماتے ہیں:

”ناک صاف کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا آپ کے ہر کام کی ابتدا سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔ چنانچہ عمامہ مبارک کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا، اس کے پیچ سیدھی جانب ہوتے اور اس کی بندش اس طور پر ہوتی کہ بائیں دست مبارک میں بندش اور داہنا دست مبارک پیشانی پر ہر پیچ کی گرفت کرتا تھا۔“[ص:۸۹، مجد داسلام مطبوعہ کان پور]

مولانا بدرالدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

” اگر کسی شخص کو کوئی چیز دیتے اور وہ بایاں ہاتھ بڑھاتا تو فوراً دست مبارک روک لیتے اور فرماتے کہ: داہنے ہاتھ میں لو، بائیں ہاتھ میں شیطان لیتا ہے۔ بسم اللہ شریف کا عدد ۷۸۶ لکھنے کا عام دستور یہ ہے کہ پہلے سات ۷ پھر ۸ اس کے بعد ۶ لکھتے ہیں۔ لیکن آپ پہلے ۶ پھر آٹھ ۸ تب ۷ تحریر فرماتے۔ یعنی اعداد کو بھی داہنی جانب سے لکھتے۔“[ص:۱۱۳، سوانح اعلی حضرت]

مولانا ظفر الدین قادری رضوی نے اغنیا و امرا سے اجتناب اور خودداری کے تعلق سے کثیر واقعات ذکر کیے ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ نقل کیا جا رہا ہے:

”ایک بار نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے۔ جب بریلی پہنچا تو حضرت شاہ مہدی میاں صاحب اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار نوٹ ریاست کے مدار المہام کی معرفت بطور نذرانہ اسٹیشن سے حضور [اعلی حضرت] کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور والی ریاست کی جانب سے مستدعی ہوتے ہیں کہ ملاقات کا موقع دیا جائے۔ حضور [اعلی حضرت] کو مدار المہام صاحب کے آنے کی خبر ہوئی تو اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدار المہام صاحب سے فرمایا:

میاں کو سلام عرض کیجیے اور کہیے گا کہ یہ الٹی نذر کیسی؟ مجھے میاں کی خدمت میں نذر پیش کرنی چاہیے نہ کہ میاں مجھے نذر دیں۔ یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے ہوں واپس لے جائیے۔ فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والی ریاست کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔“[حیات اعلی حضرت جدید ۱/۲۰۹]

حضرت سیدنا شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب قدس سرہ بیان کرتے ہیں:

”والدین کے اتباع کا یہ حال تھا کہ جب مولانا [احمد رضا] کے والد ماجد جناب مولانا نقی علی خاں صاحب کا انتقال ہوا۔ اپنے حصۂ جائیداد کے خود مالک تھے۔ مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا۔ وہ پوری مالکہ اور متصرفہ تھیں۔ جس طرح چاہتیں صرف کرتیں۔ جب مولانا کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی تو والدہ ماجدہ صاحبہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت ظاہر کرتے جب وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے۔“[حیات اعلی حضرت ۱/۱۴۷]

مولانا ظفر الدین قادری رضوی جو اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ اور خلفا میں ہیں اور آپ کے ساتھ سفر و حضر میں اکثر ساتھ ہوتے آپ کی تواضع وانکساری کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

آپ کبھی قیمتی لباس، قیمتی عبا، قیمتی عمامہ وغیرہ استعمال نہیں فرماتے تھے، نہ خاص مشائخانہ انداز، خانقاہ، چلہ حلقہ وغیرہ یا خدام کا مجمع ہوتا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ہر شخص حتیٰ کہ چھوٹی عمر والے سے بھی نہایت خلق کے ساتھ ملتے۔ "آپ" اور "جناب" سے مخاطب فرماتے اور حسب حیثیت اس کی توقیر و تعظیم فرماتے۔" [حیات اعلیٰ حضرت ۱/۱۹۸]

آپ کے ایک عینی شاہد مولانا سید ابو سلمان محمد عبد المنان قادری عظیم آبادی کا تحریری بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت:

"اخلاق نبویہ ﷺ کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ کی زیارت نے تمام و کمال فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریف ہوتی ہے وہ کم ہے۔" [مکتوب بنام مولانا ظفر الدین قادری رضوی]

"حضرت سیّد شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہروی کا بیان ہے کہ حضرت جدِّ امجد سیّد ناشاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا عرس شریف ایک زمانے میں میرے والدِ ماجد صاحب قدس سرہ نہایت اہتمام و انصرام اور اعلیٰ پیمانے پر کیا کرتے تھے، اس میں بارہا حضرت مولانا [امام احمد رضا] بھی تشریف لائے اور میرے اصرار سے بیان بھی فرمایا، مگر اس طرح کہ حاضرینِ مجلس سے فرماتے: میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں، آپ حضرات مجھ سے مسائلِ شرعیہ دریافت فرمائیں، ان کے بارے میں جو حکمِ شرع میرے علم میں ہو گا، چوں کہ بعدِ سوال اسے ظاہر کر دینا حکمِ شریعت ہے، میں ظاہر کر دوں گا۔" [مولانا ظفر الدین رضوی: حیات اعلیٰ حضرت، قدیم، بریلی، ج۱، ص:۴۰]

محبت و عزت علما کے تعلق سے مولانا ظفر الدین قادری طویل زمانے تک کا براہ راست مشاہدہ یوں سپرد قلم کرتے ہیں کہ:

میرے زمانۂ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۱۲ھ سے ۱۳۲۰ھ تک علمائے اہل سنت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں، اب سب کی خاطر و مدارات حسب مرتبہ کی جاتی اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت کی مسرت کی جو حالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ [حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۱۸،]

آپ کے خادم خاص سید ایوب علی رضوی آپ کے عام مسلمانوں سے سبقت سلام کے عمل کو بتاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

"اعلیٰ حضرت نماز جمعہ کے لیے جس وقت تشریف لاتے فرش پر قدم رکھتے ہی حاضرین سے تقدیم سلام فرماتے۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ جس درجہ میں وجودِ مسعود ہوتا، تقدیم سلام ہوتی جاتی۔" [حیات اعلیٰ حضرت ۱/۱۹۵]

مولانا بدر الدین احمد قادری رضوی آپ کی سخاوت و فیاضی اور غربا پروری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کاشانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا، بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لیے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں۔ [ص:۱۱۱۔ سوانح اعلیٰ حضرت]

ایسے بلند اوصاف و عادات، پاکیزہ اخلاق اور عظمت کردار و عمل کی حامل شخصیت کی پوری زندگی "پیغامِ عمل" تھی۔ جس کی آپ عملی و قلمی تبلیغ و ترسیل کرتے رہے۔

*****

امام احمد رضا ایک عبقری شخصیت

مولانا محمد اسمٰعیل رضوی: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

جب سے اس دار فانی کا وجود ہوا اور اس فرش گیتی پر انسانوں نے سکونت اختیار کی، نہ جانے کتنے لوگوں نے اپنے قدوم میمنت سے اس عالم کو شرف بخشا، اور اس کے مقام و مرتبہ کو دوبالا کیا، اس فرش گیتی پر اپنے وقت کے مفکرین، مدبرین، مصنفین، اور ارباب علم و دانش جلوہ فگن ہوئے، ہر ایک نے اپنی علمی صلاحیتوں سے اکناف عالم کو روشن و تابندہ کیا، اور یہ سلسلہ برابر چلتا رہا، یہاں تک کہ چودھویں صدی میں ہندوستان کی سرزمین پر بریلی شریف اتر پردیش میں ایک ایسا تابندہ ستارہ جلوہ فگن ہوا جو امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے پہلے بڑے بڑے عظیم فقہا گزرے جنھیں چار سے پانچ یا اس سے کچھ زیادہ فنون میں مہارت حاصل تھی، لیکن امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کو ۷۱؍علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی، ۲۱؍علوم توانھوں نے اپنے والد ماجد سے حاصل کیے تھے، ۴۰؍علوم وفنون آپ نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیے، اور ۱۰؍علوم ایسے ہیں جن کے بارے میں آپ نے خود لکھا ہے کہ میں اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا، علمائے کرام سے مجھے ان کی اجازت حاصل ہے، اس طرح آپ نے ۷۱؍علوم وفنون پر تقریباً ۵۵؍سال میں تیرہ سو کے قریب کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

فقیہ اسلام امام اہل سنت مولانا احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی [ولادت-بوقت ظہر بروز شنبہ، ۱۰؍شوال المکرم ۱۲۷۲ھ- ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء-بریلی شریف- وصال بوقت دو بجکر اڑتالیس منٹ، بروز جمعہ بتاریخ ۲۵؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۲۱ء بریلی شریف]کی حیات وخدمات اور دینی و علمی احوال وآثار پر اس وقت ہندوستان کی درس گاہوں ودانش گاہوں کے اساتذہ وطلبہ بہت کچھ لکھ رہے ہیں اور اس شہرۂ آفاق شخصیت کی زندگی کے اہم پہلو پر بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں تحقیقات کی جارہی ہیں، یہ آپ کی جامع شخصیت کا اثر اور قبول عام کا ایسا نمونہ ہے جس سے آپ کی شخصیت اہل علم وفکر کی نظر میں مزید باوزن اور پرکشش ہو جاتی ہے۔

آپ کا اصل نام ''محمد'' رکھا گیا جد امجد مولانا رضا علی بریلوی [متوفی ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء] نے آپ کا نام احمد رضا رکھا، تاریخی نام المختار [۱۲۷۲ھ] ہوا، والد ماجد مولانا نقی علی بریلوی اور اعزّہ واقارب احمد میاں کہتے تھے اور والدہ ماجدہ ارشاد بیگم امّن میاں کہہ کر پکارا کرتی تھیں۔ مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے آپ نے اپنے سالِ ولادت کا استخراج کیا:

اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ [سورۂ مجادلہ/۲۲]

یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔

آپ نے اپنے نام کے ساتھ اضافہ کرتے ہوئے عبدالمصطفیٰ لکھنا شروع کیا، جس کا اظہار آپ کے اس شعر میں بھی ہے:

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ

تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے

[آفتاب و مہتاب: ص:۷]

امام احمد رضا علیہ الرحمہ بچپن سے ہی نہایت ذہین تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت علامہ نقی علی خاں صاحب سے حاصل کی اور صرف چار سال کی عمر شریف میں قرآن کریم ناظرہ ختم کیا، اور چھ سال کی عمر میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر بہت بڑے مجمع کے سامنے مسلسل پونے دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شاہ آل رسول مارہروی، مولانا عبدالعلی رامپوری، شاہ ابوالحسین احمد نوری، مرزا غلام قادر بیگ وغیرہ قابل ذکر ہیں، نئی تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ اعلیٰ حضرت کو ۱۰۵ر علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی، آٹھ سال کی عمر میں آپ نے عربی درسی کتاب ہدایۃ النحو کی شرح لکھی جو آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔

دس سال کی عمر میں درس نظامی کی مشہور کتاب مسلم الثبوت پر حاشیہ لکھا، اور ۱۸۶۹ء میں فارغ التحصیل ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر ۱۳ر سال دس ماہ، پانچ دن کی تھی، آپ خود فرماتے ہیں: میں نے جب پڑھنے سے فراغت پائی اور میرا فارغ التحصیل علما میں شمار ہونے لگا تو یہ واقعہ ۱۲۷۶ ہجری کا ہے، اس وقت میں ۱۳ر سال ۱۰ر ماہ، ۵ر دن کا تھا، اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی تھی اور شرعی احکام متوجہ ہوئے تھے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ۱۳ر سال کی ہی عمر میں سب سے پہلا فتویٰ تحریر فرمایا، اور پھر عمر بھر فتویٰ کے کام بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، فتویٰ نویسی کے یہ فرائض بغیر کسی ادنیٰ معاوضے کے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دیے جاتے تھے، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

"بھائیو! میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو سارے جہان کے پرورگار کے پاس ہے اگر وہ چاہے۔"

اعلیٰ حضرت نے ۱۴ر شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ سے فتوے لکھنے شروع کیے اور صفر المظفر ۱۳۴۰ھ تک برابر ۵۴ر سالوں تک فتوے لکھتے رہے، آپ کے پاس برّاعظم ایشیا، برما، چین، افغانستان، حجاز مقدس، امریکہ وغیرہ سے بکثرت استفتے آتے تھے، ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جایا کرتے تھے، افریقہ سے بے شمار سوالات آتے رہتے تھے، چنانچہ جب انھیں جمع کر کے شائع کیا گیا تو ایک مستقل کتاب بن گئی، جس کا نام آپ نے **السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ** تجویز فرمایا، آپ سے جس زبان میں سوال کیا جاتا اسی زبان میں جواب ارسال کیا جاتا حتیٰ کہ انگریزی سوالات کے جوابات انگریزی میں بھیجے جاتے تھے، آپ کے فتوؤں کو جب جمع کیا گیا تو بڑے سائز میں کل ۱۲ر جلدیں تیار ہوئیں، اور اس کا نام آپ نے **العطایاالنبویۃ فی**

الفتاویٰ الرضویہ تجویز فرمایا، فتاویٰ رضویہ میں اردو، فارسی، عربی، اور انگریزی چاروں زبانوں میں فتوے ملتے ہیں، ہندوستان کے مشہور قانون داں پروفیسر ڈی، ایف، ملاّ نے فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ رضویہ کو ہندوستان کا فقہی شاہ کار قرار دیا ہے۔

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال جنھوں نے فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کیا اور متاثر ہو کر فرمایا کہ:

''مولانا احمد رضا بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے اور ہندو پاک کے نابغۂ روز گار فقیہ تھے۔'' [بحوالہ مقالات یوم رضا ج:۳، ص:۱۰]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ذہانت وفطانت سے متعلق ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ حضرت وصی احمد محدث سورتی کے یہاں پیلی بھیت تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد دوران گفتگو عقود الدرّیہ کا ذکر نکلا، محدث صاحب نے فرمایا کہ میرے کتب خانے میں موجود ہے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا، میں نے نہیں دیکھی ہے، جاتے وقت میرے ساتھ کر دیں، محدث صاحب نے بخوشی قبول فرمایا اور کتاب لاکر حاضر کر دی، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دینا، آپ کے یہاں تو بہت ساری کتابیں ہیں اور یہاں تو گنتی کی چند کتابیں ہیں، اعلیٰ حضرت کا اسی دن واپسی کا ارادہ تھا، لیکن ایک جانثار نے آپ کی دعوت کر دی، اس لیے وہیں رک جانا پڑا، رات کو اعلیٰ حضرت نے **عقود الدریۃ** کو جو ایک ضخیم کتاب دو جلدوں پر مشتمل تھی، ملاحظہ فرمایا، دوسرے دن دو پہر کے وقت جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو مجھ سے فرمایا **عقود الدریہ** محدث صاحب کو دے آؤ، مجھے تعجب ہوا کہ ارادہ تو لے جانے کا تھا واپس کیوں فرما رہے ہیں، لیکن بولنے کی ہمت نہ ہوئی، جب محدث صاحب کی خدمت میں کتاب لے کر حاضر ہوا، محدث صاحب زنانہ مکان سے اعلیٰ حضرت کو روانہ کرنے کے لیے آرہے تھے، میں نے کتاب دے کر اعلیٰ حضرت کا جملہ ادا کیا کہ ''اسے محدث صاحب کو دے آؤ'' جب محدث صاحب پہنچے تو فرمایا، حضور میرے اس کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب مطالعہ فرمالیں تو بھیج دیں، شاید آپ کو ملال ہوا کہ اس کتاب کو واپس کر دیا، اعلیٰ حضرت نے فرمایا ارادہ ساتھ بریلی لے جانے کا تھا اور اگر کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لے جاتا، لیکن جب کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی، اب لے جانے کی ضرورت نہیں، حضرت محدث صاحب نے فرمایا: بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گیا، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی فتویٰ میں لکھ دوں گا اور مضمون تو ان شاء اللہ عمر بھر کے لیے محفوظ ہو گیا۔ [حیات اعلیٰ حضرت ملخصا، ج:۱، ص:۹۹]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے ہشت پہلو شخصیت کے یہ چند نمونے تھے، جسے میں نے اپنے اس مختصر مضمون میں ذکر کیا، سچ یہ ہے آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک ورق درخشندہ و تابندہ ہے، ہر پہلو میں حیرت انگیز مقامات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعلیٰ حضرت کے فیضان سے مالا مال فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

امام احمد رضا اور تصلب فی الدین

مولانا شبیر احمد قادری ثقافی: استاذ جامعہ فاطمۃ الزہرا للبنات، نوری نگر کمات، اتر دیناج پور

اعلیٰ حضرت، امام عشق و محبت، قاطع شرک وبدعت، امام احمد رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مکمل حیات مبارکہ تصلب فی الدین سے عبارت تھی۔ آپ نے اپنے نوک قلم سے تمام فرق باطلہ اور بدمذہبوں کا مقابلہ کیا اور ان کی سرکوبی کی، کفر و ارتداد اور الحاد و بے دینی کے مہلک مرض سے امت مسلمہ کو بچایا۔ ایمان کی روشنی عطا کی۔ کفر کی ظلمت دور کیا۔ بے دینی کا پردہ چاک کیا۔ صراط مستقیم پر امت مسلمہ کو گامزن فرمایا۔ عظمت رسول اور ناموس رسالت کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ رب کائنات کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنے اور لکھنے والوں کو اپنی جلالت علم کے نیزے کی نوک سے ساکت کر دیا۔ رسول اقدس ﷺ کی شان میں گستاخانہ لب کشائی کی جرأت کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا۔

آپ اپنے آقا کے وفاداروں کے لیے پھول سے بھی زیادہ نرم و نازک اور شہد سے بھی زیادہ شیریں تھے۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کے لیے پتھر سے زیادہ سخت اور آگ سے زیادہ گرم تھے۔ آپ ہر فن اور ہر علم میں بے مثال تھے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی کے سخت پابند۔ استقامت فی الدین کے کوہِ ہمالہ۔ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی زندہ جاوید تصویر تھے۔ آقا و مولیٰ کی شایان شان نہ ہو، ایسا ایک جملہ تو در کنار بلکہ ایک لفظ بھی اگر کسی نے کہا یا لکھا تو اس کی تردید و تعاقب کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ یا کسی نے شریعت مطہرہ کے خلاف کسی فعل کا ارتکاب کیا تو بلا خوف و خطر اس کے خلاف صدائے حق بلند فرماتے۔ "لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ" کو اپنی زندگی کا آئین بنا کر اس پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ خدا و رسول کے گستاخوں کو اپنی زندگی کی آخری سانس تک راہ راست پہ لانے کوشش کرتے رہے، بالآخر اتمام حجت کے بعد عوام اہل سنت اور امت مسلمہ کو تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

دشمن احمد پہ شدت کیجیے
ملحدوں کی کیا مروت کیجیے

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ جو کچھ آپ کے دل میں ہوتا وہی زبان سے ادا فرماتے اور جو زبان سے فرماتے وہی دل و دماغ میں نقش ہوتا۔ کوئی شخص کتنا ہی دنیوی مراتب کا حامل ہو، کبھی اس کی رعایت کے پیش نظر کوئی بات شرع کے خلاف زبان سے نہ نکالتے، نہ تحریر فرماتے۔ رعایت و مصلحت کا وہاں گزر ہی نہ تھا۔ " اشداء علی الکفار

رحماء بینھم "کے مضمون کے مطابق جس قدر کافروں، مرتدوں، ملحدوں، بے دینوں پر سخت تھے یوں ہی سنی مسلمانوں اور علمائے حق کے لیے ابر کرم تھے۔ آپ کے حرکات وسکنات، عمل وکردار سب محض اللہ ورسول کے لیے تھا۔ نہ کسی کی تعریف سے مطلب، نہ کسی کی ملاقات کا خوف کرتے۔ حدیث شریف من احب للہ و ابغض للہ واعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان [مشکوۃ شریف کتاب الایمان] کے مطابق آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لیے، مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لیے، کسی کو عطا فرماتے تو اللہ ہی کے لیے اور نہ دیتے تو اللہ ہی کے لیے۔ فی الحقیقت یہی تصلب فی الدین ہے۔ امام عاشقاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کامل واکمل طور پر متصلب فی الدین تھے۔ اسی وجہ سے علمائے حق کے نزدیک آپ سے محبت والفت رکھنا سنیت کی علامت اور آپ سے بغض وعداوت رکھنا بد دین ہونے کی پہچان ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ جس سے ایک مرتبہ کلام فرمایا اس کو گرویدہ بنالیا، کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی، ہمیشہ حلم سے کام لیا۔ لیکن جب تصلب فی الدین کی بات آئی تو دین کے دشمنوں سے کبھی نرمی نہ برتی۔ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت ننھے میاں مولانا محمد رضا صاحب نے عصر کی نماز کے بعد آپ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ حیدر آباد دکن سے ایک رافضی صرف آپ کی زیارت کے لیے آیا ہے اور ابھی حاضر خدمت ہوگا، تالیف قلب کے لیے اس سے بات چیت کر لیجیے گا، دوران گفتگو ہی وہ رافضی آگیا۔ حاضرین مجلس کا بیان ہے کہ اعلی حضرت نے بالکل اس کی طرف توجہ نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ ننھے میاں نے اس کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا، وہ بیٹھ گیا، حضور اعلی حضرت کے گفتگو نہ فرمانے کی وجہ سے اس کو بھی کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا، اس کے بعد ننھے میاں نے اعلی حضرت سے کہا کہ اتنی دور سے صرف ملاقات کی غرض سے آیا تھا، اخلاقا توجہ فرمالینے میں کیا حرج تھا؟ حضور اعلی حضرت نے جلال کی حالت میں فرمایا کہ میرے اکابر پیشواؤں نے مجھے یہی اخلاق بتایا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد نبوی سے تشریف لا رہے تھے، راستے میں ایک مسافر ملا، سوال کیا، میں بھوکا ہوں، امیر المومنین نے چلنے کا اشارہ فرمایا: مسافر پیچھے پیچھے کاشانۂ اقدس تک پہنچا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خادم کو کھانا لانے کا حکم فرمایا، خادم نے دسترخوان پر کھانا حاضر کیا۔ کھانے کے دوران وہ مسافر بد مذہبی کے کچھ کلمات اپنی زبان سے نکالتا ہے، امیر المومنین فرماتے ہیں: کھانا اس کے سامنے سے فورا اٹھا لو اور باہر کا راستہ دکھاؤ۔ خادم اسی دم حکم بجا لایا۔ اعلی حضرت مزید فرماتے ہیں کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی سے نام لے لے کر منافقین کو نکلوایا۔ اخرج یا فلاں فانك منافق اے فلاں مسجد سے نکل جا اس لیے کہ تو منافق ہے۔

رب ذوالجلال نے اعلی حضرت کو تصلب فی الدین اور عشق رسول کا مجسمہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے سوزش عشق کی آنچ جس طالب پر پڑ جاتی اس کا دل عشق رسول کا مدینہ بن جاتا۔

*****

امام احمد رضا اغیار کی نظر میں

مولانا غلام حسین مصباحی: صدر المدرسین مدرسہ گلشن رسول پوٹھیا، کشن گنج، بہار

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بے شمار خوبیوں کی مالک ہے۔ آپ علم و دانش کے سمندر تھے۔ آپ نے ہر میدان میں فتوحات کے جھنڈے گاڑے، آپ کے علم کی ایک جھلک دیکھ کر علماے عرب وعجم حیران رہ گئے، عرب وعجم کی یگانۂ روز گار علمی ہستیوں نے آپ کے عظیم علمی مقام کو سراہا اور آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہے، یہ اعلی حضرت کے فضل وکمال کی بین دلیل ہے۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کے شدید مخالفین بھی آپ کی علمی بصیرت، عشق رسول اور ایمان کامل کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے تو فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بلند ترین علمی مقام کے لیے مزید کی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، لہذا ”الفضل ماشهدت به الأعداء“ کے مسلمہ اصول کے تحت چند مخالفین کے بیانات آئندہ سطروں میں نذر قارئین ہیں:

دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی:

دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی کہتے ہیں:

حضرت مولانا مغفور ومرحوم کی کے وصال کی اطلاع حضرت تھانوی صاحب کو ملی تو حضرت نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا کہ فاضل بریلوی نے ہمارے بعض بزرگوں کو یانا چیز کے بارے جو فتوے دیے ہیں وہ حب رسول ﷺ کے جذبے سے مغلوب ومجوب ہوکر دیے ہیں، اس لیے ان شاء اللہ عند اللہ معذور اور مرحوم ومغفور ہوں گے۔ [مسلک اعتدال، ص:۸۷، مطبوعہ کراچی]

سید سلیمان ندوی :

اس احقر نے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ ہوکر رہ گئیں۔ حیران تھا کہ واقعی مولانا بریلوی صاحب مرحوم کی ہیں جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں، مگر آج پتہ چلا کہ نہیں ہرگز نہیں، یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہ کار نظر آتے ہیں، جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاد مکرم مولانا شبلی صاحب، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت محمود الحسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی

کی کتابوں کے اندر بھی نہیں ہے۔[ماہنامہ ندوہ، اگست ۱۹۳۱ء]

شبلی نعمانی:

شبلی نعمانی دیوبندی لکھتے ہیں: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجر اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، اس احقر نے بھی آپ کی متعدّد کتابیں دیکھی ہیں۔[رسالہ ندوہ، ماہ اکتوبر ۱۹۱۴ء]

ابوالحسن علی ندوی:

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر جو ان [فاضل و محدث بریلوی] کو عبور حاصل تھا اس زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔[نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۱، طبع حیدرآباد]

مفتی محمود دیوبندی:

مشہور دیوبندی عالم مفتی محمود نے کہا ہے کہ میں اپنے عقیدت مندوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انہوں نے بریلوی حضرات کے خلاف کوئی تقریر یا ہنگامہ کیا تو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں رہے گا، میرے نزدیک ایسا کرنے والا نظام مصطفیٰ کا دشمن ہوگا۔[روزنامہ آفتاب ملتان، مارچ ۱۹۷۹ء]

ابوالاعلی مودودی:

جماعت اسلامی کے بانی مولوی مودودی لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علوم دینی پر بھی نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں، نزاعی مباحث کی وجہ سے جو تلخیاں پیدا ہوئیں وہی دراصل ان کے علمی کمالات اور دینی خدمات پر پردہ ڈالنے کی موجب ہوئیں۔[ہفت روزہ شباب ۲۵/ نومبر ۱۹۶۲ء، بحوالہ سفید وسیاہ، ص:۱۱۲]

منظور الحق:

جماعت اسلامی کے مشہور صحافی منظور الحق لکھتے ہیں:

جب ہم امام موصوف [فاضل بریلوی] کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنی علمی فضیلت اور عبقریت کی وجہ سے دوسرے علما پر اکیلا ہی بھاری ہے۔[ماہ نامہ حجاز جدید دہلی جنوری ۱۹۸۹ء ص:۵۴ بحوالہ سفید وسیاہ، ص:۱۱۲]

کوثر نیازی:

لکھتے ہیں: بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور احمد رضا بریلوی اس کا نام تھا، ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کا اختلاف ہو لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ عشق رسول ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔[کوثر نیازی

بحوالہ التقریب اشاعت ارمغان نعت کراچی، ص:۲۹۔۱۹۷۵ء]

مزید لکھتے ہیں: بریلوی مکتب فکر کے امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی بھی بڑے اچھے واعظ تھے، ان کی امتیازی خصوصیت ان کا عشق رسول ہے جس میں سر تا پاڈوبے ہوئے تھے، چنانچہ ان کا نعتیہ کلام بھی سوز و گداز کی کیفیتوں کا آئینہ دار ہے اور مذہبی تقریبات میں بڑے ذوق و شوق اور احترام سے پڑھا جاتا ہے۔[انداز بیاں، ص:۹، ۸۹ء]

ماہر القادری جماعت اسلامی:

مودودی گروپ کے مشہور صحافی ماہر القادری لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے۔۔۔اور ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول کو اپنے افکار کا موضوع بنایا، مولانا احمد رضا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خاں بہت بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے، مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ غزل کا مطلع

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں ۔۔۔ تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جب مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا کہ مولوی ہو کر اچھے شعر کہتا ہے۔[ماہنامہ فاران کراچی ستمبر ۱۹۷۳ء]

غلام رسول مہر:

مشہور متعصب وہابی مورخ مولوی غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

احتیاط کے باوجود نعت کو کمال تک پہنچانا واقعی اعلی حضرت [بریلوی] کا کمال ہے۔[۱۸۷۵ء کے مجاہد، ص:۱۱۲]

عامر عثمانی دیوبندی:

ماہنامہ تجلی دیوبند کے ایڈیٹر عامر عثمانی لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں اپنے دور کے بڑے عالم دین اور مدبر تھے، گو انہوں نے علمائے دیوبندی تکفیر کی مگر اس کے باوجود بھی ان کی علمیت اور تدبر وافادیت بہت بڑی ہے، جو بات ان کی تحریروں میں پائی جاتی ہے وہ بہت ہی کم لوگوں میں ہے، کیوں کہ ان کی تحریریں علمی وفکری صلاحیتوں سے معمور نظر آتی ہیں۔[ماہنامہ ہادی دیوبند، ص:۲۷، محرم الحرام ۱۳۶۰ء]

*****

امام احمد رضا علم وروحانیت کے پیکر جمیل

مفتی محمد عارف حسین نعیمی: استاذ دارالعلوم جلالیہ محبوب سبحانی، دکھن دیناج پور بنگال

کہا جاتا ہے کہ شیخ، اللہ اور بندے کے درمیان ایک مضبوط مستحکم ذریعہ و وسیلہ ہوتا ہے۔ شیخ گم گشتگان راہ ہدایت کو صراط مستقیم پر کھڑا کر دیتا ہے۔ شیخ اپنے مریدین و متوسلین کو بحر معرفت کا جام پلا کر خدا کا قرب عطا کرتا ہے۔ شیخ اللہ کے بندوں کو اپنے مولا سے ملا دیتا ہے۔ جب ہم اعلیٰ حضرت کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ ان الفاظ و معانی کی عکاسی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ عرب وعجم اور حل و حرم کے باشندگان خصوصاً اہل علم آپ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے اسیر تھے۔ علما ومشائخ نے آپ کی عظمت وبزرگی کی شہادت دی ہے۔ بے شمار لوگوں نے آپ کی بیعت وشاگردی اختیار کی ہے۔ آپ جیسی ہمہ جہت شخصیت صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر پہلو اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار ہے۔ جس پہلو سے بھی آپ کی شخصیت کا مطالعہ کیا جائے ہمیں بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے بلکہ امام عشق و محبت کی عظمت دل میں مزید بڑھ جاتی ہے، آپ کا بے مثال عشق رسول، خوف خدا، علمی جلالت، فقہی مہارت، شاعرانہ عظمت، قائدانہ صلاحیت، غرض کہ جس پہلو کو دیکھا جائے اس میں آپ یکتائے زمانہ نظر آتے ہیں۔ دور حاضر کا المیہ یہ ہے کہ شیخ مرید کی جستجو میں رہتا ہے، مگر میرے ممدوح کی ذات اتنی عظیم ہے، جن کی بارگاہ ناز میں علما و فضلا، امرا، مشائخ زمین دار جاگیر دار قدم بوسی و جاروب کشی کر کے نازاں نظر آتے ہیں۔

آپ نے اپنے والد ماجد رئیس المتکلّمین علامہ نقی علی خان اور تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہما کے ہمراہ مارہرہ شریف حاضر ہو کر ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں تاجدار مارہرہ حضرت سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل فرمایا۔ اہل نظر کہتے ہیں کہ حضرت پیر و مرشد اس بیعت کے چند روز پہلے سے یوں نظر آتے تھے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں اور جب یہ حضرات حاضر خدمت ہوئے تو ہشاش بشاش ہو کر فرمایا تشریف لائیے، آپ کا تو بڑا انتظار تھا۔ [سیرت امام احمد رضا، ص:۴۰]

مرشد برحق نے بیعت فرمانے کے ساتھ ہی تمام سلاسل کی خلافت و اجازت اور سند حدیث عطا فرمادی۔ اس پر آپ کے جانشیں پوتے اور خلیفہ باکمال سید شاہ ابو الحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی! حضور آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت و مجاہدہ کے

بعد خلافت دی جاتی ہے،ان کو ابھی کیسے دے دی گئی ؟ خاتم الاکابر نے فرمایا: دوسرے لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں۔ان کے تزکیہ کے لیے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ مصفی و مزکی قلب لے کر آئے،انہیں ریاضت و مجاہدہ کی کیا ضرورت۔صرف اتصال نسبت کی حاجت تھی،جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگیا۔

نمونۂ اسلاف ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری رقم طراز ہیں:

"اعلی حضرت میں امام احمد ابن حنبل اور شیخ عبد القادر جیلانی کا سا زہد و تقوی تھا۔ابو حنیفہ اور ابو یوسف کی سی ژرف نگاہی تھی۔رازی وغزالی کا سا طرز استدلال تھا۔مجدد الف ثانی اور منصور حلاج کے اعلاے کلمۃ الحق جیسا یارا دکھتا تھا۔آپ دشمنان اسلام کے لیے اشداء علی الکفار کی تفسیر اور عاشقان مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے رحماء بینہم کی تصویر تھے۔"[فاضل بریلوی اور ترک موالات ص:۵۳]

وقت کے عظیم محدث،حافظ بخاری محدث سورتی علامہ وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی امام اہل سنت سے عقیدت کی ایک روایت اعلی حضرت کی روحانی تربیت کی نمائندگی کرتی نظر آتی ہے کہ جب وقت کا محدث امام اہل سنت کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کر رہا ہے تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ایک بار محدث سورتی کے آخری تلمیذ سید محمد میاں کچھوچھوی [محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ] نے اپنے استاذ محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کو شرف بیعت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے،لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو جو محبت اعلی حضرت سے ہے وہ کسی دوسرے سے نہیں۔اعلی حضرت کی یاد،ان کا تذکرہ ان کے فضل و کمال کا خطبہ آپ کی زندگی کے لیے روح کا مقام رکھتا ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں ہے جو میں نے مولوی احمد علی محشی بخاری سے پائی اور وہ بیعت نہیں ہے جو گنج مرادآباد میں نصیب ہوئی،بلکہ وہ ایمان ہے جو مدار نجات ہے،جسے میں نے صرف اعلی حضرت سے پایا اور میرے سینے میں پوری عظمت کے ساتھ مدینہ کی محبت وعظمت بسانے والے اعلی حضرت ہیں،اسی لیے ان کے تذکرے سے میری روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ان کی ایک ایک بات کو اپنے لیے مشعل ہدایت جانتا ہوں۔[حیات اعلی حضرت ج:۱،ص:۱۳۵]

خانقاہ برکاتیہ کے چشم و چراغ حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں قدس سرہ کی زبان فیض ترجمان سے امام اہل سنت کی شان اقدس میں کس طرح کے گوہر آبدار ظاہر ہو رہے ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ مولانا احمد رضا صاحب کو اللہ تعالی نے ظاہری و باطنی صوری و معنوی کمالات کا جامع بنایا تھا۔اوصاف و کمالات میں جس کو بھی لے لیجیے مولانا کی ذات میں بروجہ کمال اس کا ظہور تھا۔[حیات اعلی حضرت،ج:۱،ص: ۱۰۳]

بریلی شریف میں ایک حاجی صاحب تھے [محلہ سوداگران میں حضور کے دولت خانہ سے کچھ فاصلہ پر اتر جانب ان کا مکان تھا] حضور کی نشست گاہ میں جاروب کشی فرما رہے تھے،چوں کہ ہم لوگوں کو یہ پہلا اتفاق دیکھنے کا ہوا،برادرم قناعت علی صاحب کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ ایک بزرگ ہستی جو نہ صرف ایک معمر دین دار اہل علم ہیں بلکہ معقول زمین دار بھی ہیں وہ جاروب کشی کریں اور میں کھڑا دیکھتا رہوں،اس لیے بڑھ کر اس خدمت کو خود انجام دینا چاہا،مگر حاجی صاحب نہ مانے اور فرمانے لگے صاحب زادے یہ میرا فخر ہے کہ اپنے شیخ کے آستانۂ عالیہ کی جاروب کشی کروں میں عمر میں حضور سے بڑا ہوں،جس کا بچپن دیکھا،جوانی دیکھی اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں،ہر

حالت میں یکتائے زمانہ پایا، تب ہاتھ میں ہاتھ دیا، بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہو جاتا ہے، انہیں بچپن میں ضرب المثل اور یکتائے روزگار دیکھا۔[حیات اعلیٰ حضرت ج:۱، ص:۸۱، ۸۲ ملخصًا]

مبلغ اسلام علامہ الشاہ عبدالعلیم میرٹھی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے حرمین شریفین سے واپسی پر امام اہل سنت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی شان میں ایک دل آویز منقبت لکھی تھی جس کے چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں:

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو
یہاں آکر ملیں نہر شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہ نما تم ہو

[حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۱۶]

امام اہل سنت نے پوری زندگی اسلام و سنیت کی اشاعت کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں صفحہ عالم پر اس کے آثار و نقوش آج بھی ہمیں نظر آرہے ہیں اور رب کریم کی رحمت سے امید قوی ہے کہ صبح قیامت تک نظر آتے رہیں گے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات مبارکہ آج دنیائے اسلام میں روز روشن سے بھی زیادہ روشن و تابناک ہے۔ آپ کی خدمات کا ڈنکا سارے عالم میں بج رہا ہے، مشرق و مغرب میں آپ کی خدمات کو سلام پیش کیا جا رہا ہے، پوری دنیا کے لوگ خصوصا مسلمانان عالم آپ کی علمی و روحانی فیضان سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ آپ نے اپنی یادگار کے طور پر عظیم تحقیقات و تدقیقات اور قابل فخر فرزند اور بے شمار خلفا و تلامذہ کی ایک ایسی عظیم جماعت چھوڑی جن کے ذریعے دین متین کی خدمت کا سلسلہ مزید وسیع ہوا اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا۔ آپ کی عظمت و شان یہ بے بضاعت کیا بیان کر سکتا ہے۔ فقط اتنا کہوں گا کے آپ کے افکار کو حرز جاں بنانے اور آپ کی تعلیمات کی ترویج و اشاعت وقت کا اہم ترین تقاضہ و فریضہ ہے۔ اللہ کریم بطفیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنی زندگی اعلیٰ حضرت کے افکار و تعلیمات کے مطابق گزارنے کی توفیق بخشے۔ اور جملہ مسلمین کو مسلک اعلیٰ حضرت پر استقامت عطا فرمائے۔ اور اس مشن کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

*****

امام احمد رضا: مرجع علما

مولانا نوشاد عالم نظامی: مالنگاؤں، ضلع اتر دیناج پور بنگال

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ہمالیائی شخصیت کا یہ پہلو بھی لائق توجہ ہے کہ عام طور پر مفتیان کرام کی طرف عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور احکام شرعیہ دریافت کرتے ہیں، فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی طرف رجوع کرنے والوں میں بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو اپنے وقت کے عظیم مفتی، مصنف، جج یا وکیل تھے، مولانا خادم حسین فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے اس حوالے سے فتاویٰ رضویہ کی نو جلدوں کا مطالعہ پیش کیا ہے، ان کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق ان جلدوں میں چار ہزار پچانوے [۴۰۹۵] استفتا ہیں، جن میں سے تین ہزار چونتیس [۳۰۳۴] عوام الناس کے استفتا ہیں اور ایک ہزار اکسٹھ [۱۰۶۱] استفتا علما اور دانشوران کے پیش کردہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ استفتا کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد علما اور دانشوران کی ہے، یہی وجہ ہے کہ عموماً امام احمد رضا فاضل بریلوی جواب دیتے وقت ہاں یا نہیں میں بات نہیں کرتے بلکہ دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی سے شدید اختلاف رکھنے والے بھی ان کی فقاہت اور تبحر علمی کے قائل ہیں، کون نہیں جانتا کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ندوۃ العلما کی صلح کلیت کا سخت تعاقب اور رد کیا تھا، اس کے باوجود ندوہ کے ناظم اعلیٰ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی کتاب "کفل الفقیہ" شاہد ہے، جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی۔" [نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۱]

یہ پہلو بھی لائق توجہ ہے کہ رام پور کے ایک شخص حضرت علامہ نقی علی خان [رحمۃ اللہ علیہ] کی شہرت سن کر بریلی تشریف لائے اور حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی کا فتویٰ جس پر اکثر علما کے دستخط ثبت تھے پیش خدمت کیا، حضرت علامہ نقی علی خان نے فرمایا کہ کمرہ میں مولوی صاحب ہیں ان کو دے دیجیے، جواب لکھ دیں گے، وہ کمرہ میں گئے اور آکر عرض کیا: کمرہ میں مولوی صاحب نہیں ہیں، صرف ایک صاحبزادہ صاحب ہیں، فرمایا انہیں کو دے دیجیے، وہ لکھ دیں گے، انہوں نے کہا حضور! میں تو آپ کا شہرہ سن کر آیا تھا، حضرت نے فرمایا: آج کل وہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں، انہیں کو دے دیجیے۔ اعلیٰ حضرت نے جو اس فتویٰ کو دیکھا تو ٹھیک نہ تھا، اعلیٰ حضرت نے اس جواب کے خلاف جواب تحریر فرمایا، اور اپنے والد صاحب کی خدمت میں پیش فرمایا،

حضرت نے اس کی تصدیق فرمائی، پھر وہ صاحب اس فتویٰ کو دوسرے علما کے پاس لے گئے، ان لوگوں نے حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب کی شہرت دیکھ کر انہیں کے فتویٰ کی تصدیق کی، جب والیِ رامپور نواب علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں وہ فتویٰ بھیجا، آپ نے شروع سے آخر تک اس فتویٰ کو پڑھا اور تمام لوگوں کی تصدیقات دیکھیں۔ دیکھا کہ تمام علمائے کرام کی رائے ایک ہے، صرف بریلی شریف کے دو عالموں نے اختلاف کیا ہے۔

حضرت مولانا ارشاد حسین کو یاد فرمایا، حضرت تشریف لائے، نواب صاحب نے فتویٰ ان کی خدمت میں پیش فرمایا، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کی انصاف پسندی دیکھیے کہ صاف فرمایا فی الحقیقۃ وہی حکم صحیح ہے، جو ان دو عالموں نے لکھا، نواب صاحب نے پوچھا پھر اتنے علما نے آپ کے فتویٰ کی تصدیق کس طرح کی؟ فرمایا ان لوگوں نے مجھ پر اعتماد میری شہرت کی وجہ سے کیا، اور میرے فتویٰ کی تصدیق کی، ورنہ حق وہی ہے جو انہوں نے لکھا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی سے استفتا کرنے والوں میں علما و فضلا کے علاوہ پاک و ہند کی عدالت ہائے عالیہ کے جج بھی شامل ہیں، اور کلیات و جامعات کے پروفیسر بھی۔ جسٹس محمد دین مرحوم [چیف کورٹ بہاول پور] جب ایک مقدمہ کا فیصلہ نہ کر سکے، مفتیوں سے آٹھ فتوے لیے، پھر بھی وہ مطمئن نہ ہو سکے تو انہوں نے ہدایت کی کہ پورا مقدمہ متعلقہ فتوؤں کی نقول کے ساتھ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمت میں پیش کیا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ ان تمام فتوؤں کو ملاحظہ فرمائیں، اور ان حل طلب سوالات کے متعلق اپنی رائے کا مع استناد جواب تحریر فرما کر بہت جلد مرحمت فرمائیں۔

علمائے اسلام کے کرنسی نوٹ کے تعلق سے جو نظریات و تخیلات تھے اس سے ملت اسلامیہ میں سخت تشویش پھیل گئی تھی، عوام تو عوام اہل علم حضرات بھی شش و پنج میں تھے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ یہاں تک کہ علمائے حرمین شریفین بھی اس مسئلہ میں اپنا موقف بیان نہیں کر سکتے تھے، حتیٰ کہ مکہ معظمہ کے مفتی احناف حضرت مولانا جمال الدین بن عبداللہ نے بھی اس مسئلہ کا کماحقہ شرعی حکم بیان کرنے سے اپنا عذر اس طرح بیان فرمایا کہ "العلم أمانة في اعناق العلماء" یعنی علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔ ۱۳۲۳ھ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی جب حرمین شریفین گئے اور وہاں پر آپ نے علم غیب کے مسئلہ پر ایک تاریخی کتاب "الدولة المكية" تصنیف فرمائی تو حرم شریف کے علما نے بھی آپ کی علمی جلالت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کیا، اور آپ کا چرچا بحیثیت فقیہ اعظم، حرم شریف کے علما میں عام تھا، آپ کی شان علمیت سے متاثر ہو کر حضرت مولانا عبداللہ مراد اور حضرت مولانا احمد جداوی نے نوٹ کے تعلق سے بارہ سوالات پر مشتمل ایک استفتا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس کا ایسا مفصل عالمانہ جواب دیا کہ علمائے مکہ حیرت زدہ رہ گئے، پوری دنیائے اسلام کے علما عش عش کر اٹھے، اس مسئلہ میں فقہ کی معتبر کتاب "فتح القدیر" سے امام احمد رضا بریلوی کے نقل کردہ جزئیہ "لو باع قرطاسا بالف يجوز و لا يكره" کو دیکھ کر مکہ معظمہ کے مفتی حنفیہ حضرت مولانا مفتی عبداللہ بن صدیق مچل گئے اور یہ پکار اٹھے کہ "این جمال ابن عبد الله من هذا النص الصريح؟" یعنی کہ حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نوٹ کے مسئلہ پر "كفل الفقيه الفاهم فی احكام قرطاس

الدراھم‘‘ میں علم کے دریا بہادیے اور مخالفین کے تمام باطل نظریات کی دھجیاں اڑانے کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ کا صحیح اسلامی حکم کتب معتبرہ کے دلائل کے روشنی میں بیان فرماکر تمام شبہات کا ازالہ فرمادیا۔ والحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین.

❊❊❊❊❊

امام احمد رضا اور احترام سادات

مولانا محمد سلطان مصباحی: متھراپور، رائے گنج، اتر دیناج پور، بنگال

اس میں کوئی شک نہیں کہ حب آل رسول ایمان کی علامت اور بغض آل رسول کفر ونفاق کی پہچان ہے، اہل بیت اطہار سے محبت کرنا دین کا تقاضا اور فرض قطعی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

مفہوم آیت یہ ہے کہ میں اس تبلیغ رسالت اور ہدایت وارشادات پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر تم پر میری قرابت کے حقوق واجب ہیں، ان کا لحاظ کرو اور میرے قربت والے تمھارے بھی قرابتی ہیں انہیں ایذا نہ دو۔[۱]

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرابت والوں سے مراد حضور سید عالم ﷺ کی آل پاک ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں:

عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه سئل عن قوله إلا المودة في القربى فقال سعيد بن جبير قربى آل محمد صلى الله عليه وسلم فقال ابن عباس عجلت إن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن بطن من قريش إلا كان له فيهم قرابة فقال إلا أن تصلوا ما بيني وبينكم من القرابة. [۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''الا المودة فی القربیٰ'' کے متعلق پوچھا گیا، تو حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آل محمد ﷺ کی قرابت داری مراد ہے، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا کہ آپ آیت کریمہ کی تفسیر میں جلد بازی سے کام لے رہے ہیں، قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس میں نبی پاک ﷺ کی قرابت داری نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت کی وجہ سے صلہ رحمی کرو جو میرے اور تمھارے درمیان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ آپ آیت کریمہ کی تفسیر میں جلد بازی کر رہے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل قرابت سے کون لوگ مراد ہیں، اس میں اختلاف ہے، اس میں کئی قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت علی وحضرت فاطمہ وحسنین کریمین رضی اللہ عنھم ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس مراد ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضور کے وہ اقارب ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے اور وہ

مخلصین بنی ہاشم و بنی مطلب ہیں۔ اور اہل بیت اطہار میں نبی کریم ﷺ کے ازواج مطہرات، حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا، حضرت علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم سب داخل ہیں۔ آیات واحادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔[۳]

بے شمار آیات واحادیث وآثار اور ارشادات اکابرین، اہل بیت اطہار کی عظمت شان پر شاہد وناطق ہیں، جن سے ہمیں یہی درس ملتا ہے کہ سادات کرام کی تعظیم وتوقیر اور ان کی قرابت کا پاس ولحاظ نہ صرف فرض ہے بلکہ اسی میں ہمارے لیے دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی مضمر ہے، سادات کرام کی عظمت ومحبت پر اتنی تاکیدیں وارد ہونے پر ایک مرد صالح کے اندر ان کا پاس ولحاظ پیدا ہوجانا ایک فطری عمل ہے، علماے کرام فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی محبت وتعظیم میں سے ہے کہ جس چیز کو بھی حضور سے نسبت وشرف حاصل ہے اس کی تعظیم وتکریم کی جائے، اور ان میں سادات کرام جزو رسول ﷺ ہونے کے سبب سب سے زیادہ مستحق تعظیم وتوقیر ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات اس کا عکس جمیل ومظہر کامل ہے۔ اس سلسلے میں ملک العلما علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اور اس پر [تعظیم وتوقیر] پورا عمل کرنے والا میں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو پایا، اس لیے کہ وہ کسی سید صاحب کو اس کی ذاتی حیثیت ولیاقت سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ وہ سرکار دوعالم ﷺ کا جز ہیں، پھر اس اعتقاد ونظریہ کے بعد جو کچھ ان کی تعظیم وتوقیر کی جائے سب درست وبجا ہے۔“[۴]

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

آپ نے سادات کرام کی اظہار عظمت میں وہ مثال قائم کی جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا، آپ نے ہمیشہ ان کا پاس ولحاظ رکھا اور کبھی بھی ان کی تعظیم وتوقیر میں حرف برابر کمی کی اور نہ ہی ادنیٰ سی گستاخی برداشت کی، آپ کے شب وروز کے معمولات اور ارشادات وتعلیمات میں اس کی ہزارہا مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں، ہم یہاں ان کی بعض جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، جن سے یہ عیاں ہوجائے گا کہ اعلیٰ حضرت سادات کرام سے کس طرح غایت درجہ عقیدت ومحبت، تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کیا کرتے تھے۔

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ انسانی زندگی پر والدین، گھریلو اور خاندانی ماحول کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور زندگی کی آخری گھڑی تک اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کی پیدائش ایک ایسے علمی وفکری خاندان میں ہوئی جہاں درس وتدریس، وعظ ونصیحت، فقہ وافتا، نعت نویسی ونعت خوانی، تحریر وانشا، تصنیف وتالیف اور عشق مصطفےٰ اور محبت واحترام سادات کا لازمی رواج بلکہ خاندانی دستور تھا، اب اعلیٰ حضرت نے چوں کہ اپنے آبا واجداد کی روایات ومعمولات کو دیکھا تھا، اس لیے آپ کا ان عادات واطوار کا حامل ہوجانا ایک بدیہی بات تھی، آپ کو عشق رسول ومحبت اہل بیت کا حصہ وراثت کے طور پر حاصل تھا، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ جو کہ اپنے دور کے ایک عظیم عالم اور مفتی تھے، کی تحریروں میں یہ چیز نمایاں ہے، آپ ایک مرتبہ اپنے دور طالب علمی میں ریاضی کی مشہور کتاب ”چغمینی“ کا مطالعہ فرما رہے تھے، آپ کے والد گرامی نے دیکھا تو فرمایا:

"بیٹا اس قسم کی چیزوں میں اپنا وقت کیوں برباد کرتے ہو، مصطفےٰ کریم ﷺ کے دربار سے کچھ عطا کر دیا جائے گا"۔[۵]

آپ کے دادا جان مولانا رضا علی صاحب روزانہ بعد نماز فجر سادات کرام کے نو محلہ کی خیریت دریافت کرنے اور سلام عرض کرنے جایا کرتے تھے، ان کا یہ عمل کسی خاص سبب ہی سے معطل ہو پاتا تھا، مولانا رضا علی خاں کے بعد مولانا نقی علی خاں نے بھی اس خاندان سے وابستگی کو برقرار رکھا، کیوں کہ وہ اپنے والد گرامی کو اسی طریقے پر عمل کرتے دیکھا کرتے تھے، مولانا نقی علی خاں نے بھی اسی جلیل القدر روایت کو قائم رکھا۔

ہر تقریب میں سادات کرام کو بطور خاص مدعو کیا جاتا اور ان کو زور دے کر شریک مجلس کیا جاتا اور انہیں اعزاز و تکریم میں دوگنا حصوں سے نوازا جاتا، یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی، اعلی حضرت نے بھی اس روایت کو زندہ رکھا اور سب سے بڑھ کر سادات کرام کی تکریم فرمائی، ایک بار سید محمود جان صاحب کو ایک ہی حصہ پہنچا، اعلی حضرت کو پتہ چلا تو تلافی میں باصرار پوری ایک سینی [بڑی پلیٹ] پیش کی اور خادم کے ذریعے ان کے یہاں بھیجوائی۔

ایک مرتبہ آپ کسی بات پر ناراض ہو گئے اور کھانا تناول فرمانا چھوڑ دیا، صرف ناشتہ پر اکتفا کرتے رہے، اہل خانہ نے لاکھ کوششیں کیں، پر آپ نے ان کی ایک نہ مانی، جناب سید مقبول صاحب کو اطلاع ہوئی تو کھانا لے کر حاضر بارگاہ ہوئے، اعلی حضرت اطلاع پاتے ہی فوراً قدم بوس ہوئے، سید صاحب نے عرض کی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے دو مہینے سے کھانا ترک فرما دیا ہے، اعلی حضرت نے جواب دیا کہ میں بس روزہ رکھتا ہوں، سید صاحب نے کہا: اچھا میں کھانا لے جاتا ہوں، کل قیامت کے دن سرکار دوجہاں کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ ایک سیدانی نے کھانا تیار کیا اور ایک سید لے کر آئے، مگر آپ کے احمد رضا نے کسی طرح نہیں کھایا۔ اعلی حضرت کا اتنا سننا تھا کہ آپ کانپ اٹھے، اور فرمایا کہ بندہ تعمیل حکم کے لیے حاضر ہے، ابھی کھانا کھا لیتا ہوں، شاہ صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اب تو آپ کھانا جبھی کھا سکتے ہیں، جب آپ یہ وعدہ فرمائیں کہ عمر بھر کبھی کھانا ترک نہیں فرمائیں گے، اعلی حضرت نے عمر بھر کھانا ترک نہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔

مفتی محمد راشد نظامی صاحب بحوالہ مولانا حسنین رضا خاں لکھتے ہیں:

"ہم نے آپ کے والد ماجد کا دور تو نہیں دیکھا مگر یہ دیکھا کہ اللہ و رسول کے حکم کے بعد اعلی حضرت کے یہاں سادات کرام ہی کا حکم نافذ ہوتا تھا، یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی آخری وصیت "اني تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي" پر عمل پورا کر کے اعلیٰ حضرت نے ہی دکھایا ہے۔"[٦]

امام عشق و محبت نسب سادات کرام کی عظمت و حشمت کے بارے میں ایک استفتا کے جواب میں سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے اخیر فتویٰ میں فرماتے ہیں:

"بالجملہ تفاضل انساب بھی یقیناً ثابت اور شرعاً اس کا اعتبار ثابت، اور انساب کریمہ کا آخرت میں نفع دینا بھی ثابت اور نسب کو مطلقاً محض بے قدر و ضائع و برباد جاننا سخت مردود و باطل، خصوصاً اس نظر سے کہ اس کا عموم عرب بلکہ قریش بلکہ بنی ہاشم بلکہ سادات کرام کو بھی شامل، اب یہ قول اشد غضب و ہلاک و بوار سے ہائل اور اسی پر نظر فقیر غفرلہ القدیر کو اس تطویل پر

حامل کہ نسب عرب نہ کہ قریش نہ کہ ہاشم نہ کہ سادات کرام کی حمایت ہر مسلمان پر فرض کامل۔"

آگے نقل فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ عِتْرَتِي وَالْأَنْصَارِ وَالْعَرَبِ فَهُوَ لِإِحْدَى ثَلَاثٍ : إِمَّا مُنَافِقٌ ، وَإِمَّا لِزَنْيَةٍ ، وَإِمَّا امْرُؤٌ حَمَلَتْ بِهِ أُمُّهُ فِي غَيْرِ طُهْرٍ .

جو میرے اہل بیت، انصار اور عرب کے حق نہ پہچانے وہ تین باتوں سے خالی نہیں، یا تو وہ منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ [۷]

علمائے اہل سنت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ سید اگرچہ فاسق وفاجر اور بدمذہب ہوں جب تک ان کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچے ان کا ادب واحترام اور تعظیم وتکریم تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ ہاں اگر گمراہی حد کفر تک پہنچ جائے تو نسبت رسول اللہ ﷺ منقطع ہو جائے گی اور وہ قابل تعظیم نہیں ٹھہریں گے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"پھر بھی سید کا فضل ذاتی ہے کہ فسق بلکہ بدمذہبی سے نہیں جاتا، جب تک معاذ اللہ حد کفر تک نہ پہنچے اور سید صحیح النسب بحمدہ تعالیٰ اس سے محفوظ رہے گا۔ اور متقی عالم کا فضل عملی ووصفی ہے، لہذا عالم اگر معاذ اللہ بدمذہب ہو، اس کی تعظیم حرام کہ اس کی عظمت نیابت رسول کی وجہ سے تھی اور جب وہ بدمذہب ہوا تو نائب شیطان ہوا، اور سید کی تعظیم بہ سبب جزئیت حضور ﷺ ہے اور جزئیت تابقائے اسلام باقی ہے تو اس کی تعظیم بھی باقی ہے۔" [۸]

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ ایک شخص سید ہے لیکن اس کے اعمال واخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ وعار ہیں تو اس سید سے اس کے اعمال کی وجہ سے اور نسبی حیثیت سے اس کی تکریم جائز ہے یا نہیں؟ اس سید کے مقابل کسی شیخ، پٹھان وغیرہ کو عمل وتقویٰ کی وجہ سے ترجیح دینا درست ہے یا نہیں؟۔ محب سادات کرام رقم طراز ہیں:

"سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، ان اعمال کے سبب ان سے تنفر نہ کیا جائے، نفس اعمال سے تنفر ہو، بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی۔ اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی، یعنی سیادت نہ رہی۔" [۹]

مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سادات کرام فسق وفجور اور کبائر میں مبتلا ہو جانے کے باوجود بھی ہمارے لیے قابل صد احترام اور واجب التعظیم ہیں، کیوں کہ سبب تعظیم یعنی جزئیت رسول اب بھی باقی ہے، اب کسی کو اس بات سے وہم نہ ہو کہ شریعت نے تو عظمت وکرامت کا سبب تقویٰ وپرہیزگاری قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم،، اور حدیث پاک میں ہے یایھا الناس الا ان ربکم واحد. لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الخ لہذا سادات کرام اگر سیادت کے ساتھ ساتھ تقویٰ شعاری وپرہیزگاری کے متحمل ہوں تو قابل تعظیم ورنہ نہیں اور نسبی فضیلت کوئی چیز نہیں۔ اس تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

"شریعت نے تقویٰ کو فضیلت دی ہے، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، مگر یہ فضل ذاتی ہے، فضل نسبی منتہائے

نسبت کی افضلیت پر ہے، سادات کرام کی انتہائے نسبت حضور سید عالم ﷺ پر ہے، اس فضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں حضور اقدس ﷺ کی تعظیم ہے۔"[۱۰]

نیز رسالہ اراءۃ الادب لفاضل النسب مشمولہ فتاوی رضویہ ج: ۲۳ میں فرماتے ہیں:

"جب کہ احادیث متواترہ سے فضل نسب، فرق احکام و نفع آخرت بلا شبہ ثابت تو امثال حدیث "الا لا فضل لعربی علی عجمی.....الخ و حدیث "انظر فانك لست بخیر من احمر....الخ" میں مثل آیت کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم سلب فضل کلی ہے نہ سلب کلی فضل۔"

یعنی صرف سید ہونا ہی معیار فضیلت و شرافت نہیں ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ سید ہونا [نسبت رسول کی فضیلت] کوئی فضیلت نہیں، ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے جب کہ کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کا نسب سب سے زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔

ایک دفعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی سے سوال ہوا کہ جو سیدوں کو کلمات بے ادبانہ کہا کرتے ہیں اور ان کے مراتب کا خیال نہیں کرتے بلکہ کلمہ تحقیر آمیز کہ بیٹھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے واضح بیان دیا:

"سادات کرام کی تعظیم فرض ہے اور ان کی توہین حرام بلکہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی عالم کو مولویا یا کسی کو میروا بروجہ تحقیر کہے کافر ہے۔

مجمع الانہر میں ہے: الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال لعالم عو یلم او لعلوی علیوی قاصدا به الاستخفاف کفر. [۱۱]

ایک استفتا کے جواب میں آپ نے اپنی محبت و عقیدت کا یوں اظہار فرمایا:

"یہ فقیر ذلیل بحمدہ تعالیٰ حضرات سادات کا ادنیٰ غلام و خاک پا ہے، ان کی محبت و عظمت ذریعۂ نجات و شفاعت جانتا ہے........اور یہ بھی فقیر بارہا فتویٰ دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو برا کہنا مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں، الناس امناء علی انسابھم، ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ سید نہیں ہے اور وہ سید بنے، ہم اس کی تعظیم نہ کریں گے، نہ اسے سید کہیں گے، اور مناسب ہوگا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کر دیا جائے۔"[۱۲]

معلوم ہوا کہ جو اپنے آپ کو سید کہتا ہو اور اس کا سید نہ ہونا ہمیں معلوم نہ ہو تو ہمیں طعن و تشنیع اور طنز و تنقید کرنے کا حق نہیں، ہمیں خاموشی اختیار کرنا چاہیے، بلکہ ہم اس کی تعظیم ہی کریں گے، اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اس کے سر پر۔ لیکن جس کے بارے میں تحقیق سے علم ہو کہ سید نہیں اور پھر بھی وہ اپنے آپ کو سید کہلواتا ہو تو ایسے شخص کو سید سی عزت دینا اور سید سا اس کے ساتھ معاملہ کرنا حرام ہے اور ایسا شخص عذاب نار کا مستحق ہے کہ اس نے اپنا نسب بدل کر دوسرا نسب اختیار کیا۔

دیوان رضا حدائق بخشش میں بھی اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی اہل بیت اطہار سے عقیدت و محبت کے نمونے بے شمار پائے جاتے ہیں، آپ اسے پڑھتے جائیے، اس کے ہر حرف سے وارفتگی اور دیوانگی اور سوزش عشق آل رسول ٹپکتا جائے گا، آپ نے جابجا اپنی نیاز مندیوں اور عقیدتوں کا اظہار فرمایا، آپ کا مشہور قصیدہ ”قصیدہ نور“ عشق رسالت وعشق اہل بیت اطہار کا اعلی نمونہ ہے، آپ فرماتے ہیں:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

ایک دوسری نعتیہ شاعری میں فرمایا:

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہیں کلی جس میں حسین اور حسن پھول

ماخذ و مراجع

[۱] خزائن العرفان، ص: ۸۹۳، تحت آیت ۲۳، سورہ شوریٰ، مطبوعہ مکتبہ المدینہ [دعوت اسلامی]۔

[۲] بخاری شریف، ج: ۱، ص: ۷۱۳، باب قولہ الا المودۃ فی القربیٰ کتاب التفسیر، مطبوعہ مجلس برکات مبارک پور۔

[۳] خزائن العرفان، ص: ۸۹۴، وص: ۷۸۰، مکتبۃ المدینہ [دعوت اسلامی]۔

[۴] حیات اعلیٰ حضرت از ظفر الدین بہاری، ص: ۲۰۱، مکتبہ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ کراچی۔

[۵] امام احمد رضا اور احترام سادات از علامہ سید صابر حسین شاہ بخاری، انجمن ضیاء طیبہ، کراچی۔

[۶] سیرت امام احمد رضا از مفتی راشد نظامی، ص: ۳۰، اعلیٰ حضرت نیٹ ورک۔

[۷] فتاوی رضویہ، ج: ۲۳، ص: ۲۵۴، رضا فاونڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ پاکستان۔

[۸] فتاوی رضویہ، ج: ۱۱، ص: ۲۶، رضا اکیڈمی ممبئی۔

[۹] فتاوی رضویہ ج: ۲۲، ص: ۴۲۲، رضا فاوندیشن۔

[۱۰] ر ر ج: ۲۲، ص: ۴۲۳۔

[۱۲] ر ر ج: ۲۲، ص: ۴۲۰۔

*****

امام احمد رضا ایک عظیم مصنف

مولانا انتخاب عالم رضوی: استاذ مدرسہ سبحانیہ، گڑھی سرائے، الہ آباد

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان چمنستان علم وادب کے ایسے شاداب وبے مثل گل دستہ تھے جس کی وجہ سے آپ کو مجمع محاسن اور جامع کمالات کہا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ جس طرح آپ ایک عظیم مجدد تھے اسی طرح ایک عظیم محقق بھی، ایک عظیم مفسر بھی، ایک عظیم محدث بھی، ایک عظیم فقیہ بھی اور ایک عظیم مناظر بھی اور ساتھ ہی ساتھ ایک عظیم مصنف بھی۔

آپ نے ہوش سنبھالتے ہی تصنیف و تالیف کا چرچا دیکھا۔ اس لیے قدرتاً آپ کی طبیعت کا میلان تدریس وتقریر سے کہیں زیادہ تصنیف و تالیف کی طرف تھا، کیوں کہ آپ خود وعظ وتقریر کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ان کے الفاظ تو ہوا میں اڑ جاتے ہیں اور کتابیں جب تک محفوظ رہیں گی ایک دنیا اس سے مستفیض ہو کر اسلام وسنیت کی راہ پائے گی۔ اس لیے آپ اکثر تقریر سے احتراز کرتے تھے اور اپنی مبارک زندگی کے بیشتر قیمتی لمحات تصنیف کتب میں صرف کرتے۔ جب تیرہ سال کی عمر کو پہنچے تو علم کلام میں حمد وہدایت کی تعریف میں عربی زبان میں ایک رسالہ جس کا تاریخی نام "ضوء النهاية فی اعلام الحمد والهداية ۱۲۸۵ھ" ہے تصنیف فرمایا۔

آپ نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ردالمحتار" [از: علامہ شامی] پر "جدالممتار" کے نام سے پانچ جلدوں میں شرح لکھی جو یقیناً فقہ حنفی میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ آپ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں جب دوسری بار حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مطہرہ کے لیے تشریف لیے گئے، اہل باطل کا سرخیل مولوی خلیل احمد انبیٹھوی بھی وہاں پہنچا ہوا تھا، جب فرقۂ دیابنہ کو معلوم ہوا کہ امام احمد رضا بھی آئے ہوئے ہیں تو انہوں نے شریف مکہ کے کان بھرنے اور آپ کے خلاف سازشوں کے جال بچھانے شروع کر دیے اور مسئلہ علم غیب کو اپنا سہارا بنانے کی کوشش کی اور تاثر یہ دیا کہ امام احمد رضا کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب علوم الٰہیہ کے برابر ہے اور وہ ذاتی وعطائی کے سوا اور کوئی فرق نہیں مانتے۔ چنانچہ سوال علوم غیبیہ کے متعلق حکومت کی جانب سے آپ کی خدمت میں پیش ہوئے، بفضلہ تعالیٰ بخار کے باوجود مختلف نشستوں کے اندر آٹھ گھنٹے میں آپ نے وہ تحقیقی جوابات بغیر کتابوں کی مدد کے اپنی خداداد عدیم النظیر ذہانت وعلمیت کے بل بوتے دیے کہ علمائے مکہ مکرمہ انگشت بدنداں رہ گئے اور آپ کی کتاب "الدولة المكية بالمادة الغيبية" پر تقریظ وتصدیق لکھنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھا۔

جب علماے مکہ مکرمہ نے آسمان علم وعرفان کے اس نیر تاباں کو دیکھا توانہوں نے نوٹ کے بارے میں بارہ [۱۲] سوالات آپ کی خدمت میں پیش کیے کیوں کہ اس وقت عالم اسلام کے کسی مفتی سے نوٹ کی شرعی حیثیت کا صحیح تعین نہیں ہوسکا تھا۔آپ نے اس سوال کاایسا محققانہ جواب دیاکہ ہمیشہ کے لیے نوٹ کامسئلہ حل ہوگیا۔اس مجموعے کانام ” کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم “ ہے۔اس محققانہ رسالے کی اہمیت وعظمت کااپنوں اوربیگانوں سب کواقرار ہے۔

آپ کاایک عظیم قلمی کارنامہ قرآن پاک کامقبول انام اردو ترجمہ ”کنزالایمان“ کے نام سے مشہور ومعروف ہے، جسے اگرایمانی عینک لگاکرپڑھاجائے تویقیناًیہی کہناپڑے گاکہ کلام الٰہی کی ترجمانی کااردو میں اگرکسی نے حق اداکیاہے تووہ امام احمد رضابریلوی ہیں۔

امام احمد رضانے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے خلاف لب کشائی کرنے والوں پربھرپور تنقیدکی اور”سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح ۱۳۰۷ھ “تصنیف فرمایاجس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرعیب ونقائص سے پاک ومنزہ ہے ،اس کی شان میں جھوٹ کاشائبہ بھی ضلالت وگمراہی ہے،جس میں مخالفین کی معرکۃالآرادلیل خلف وعید پراتنی زوردار بحث فرمائی ہے کہ ایسی بحث آپ کودوسری جگہ نہیں ملے گی،جس سے محبین کادل باغ باغ اور مخالفین کادل داغ داغ ہوجاتا ہے۔پھرآپ کاقلم یہیں پرنہیں رکابلکہ اس کے علاوہ امکان کذب کے رد پرپانچ رسالے اور تحریرفرمائے اوراللہ تعالیٰ کے لیے جسم ماننے والوں کے ردمیں رسالہ مبارکہ” قوارع القهار فی الرد علی المجسمة الفجار ۱۳۱۸ھ “تحریرفرمایا۔

جب فرقہ وہابیہ دیابنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اورآپ کے اہل بیت اطہارواصحاب کرام وائمہ دین واولیاے کاملین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی شان میں گستاخی کی اوران کے اختیارات کاانکارکیاتوامام احمد رضانے مختلف رسائل تحریرفرماکران کے عقائدباطلہ کے پرخچے اڑادیے اوراللہ والوں کے اختیارات کوقرآن وحدیث واقوال ائمہ سے ثابت فرماکراہل سنت وجماعت پراحسان عظیم فرمایامثلا:

امام احمد رضانے حبیب خدامحمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خداداداختیارات وتصرفات کاواضح ثبوت دینے والاایمانی دلائل کاگل دستہ ساٹھ آیات کریمہ اورتین سواحادیث مطہرہ سے مزین ومنورومطہر رسالہ بنام تاریخی ”الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء ۱۳۱۱ھ “تصنیف فرمایا۔”سلطنة المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ ۱۲۹۷ھ “لکھ کرآپ کے اقتدارواختیار کانظارہ کرایا۔ اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والأصحاب [۱۲۹۸ھ] لکھ کربتایاکہ سواداعظم اہل سنت وجماعت اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اورآپ کے آل واصحاب کے بارے میں کیااعتقادرکھتے ہیں۔المنعم المقیم فی فرحة مولد النبی الکریم [۱۲۹۹ھ] تحریرفرماکریہ بتایاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کایوم ولادت باسعادت خوشیاں منانے کادن ہے۔ منیرالعین فی حکم تقبیل الإبهامین [۱۳۰۱ھ]میں تصنیف فرماکریہ واضح کردیاکہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کامبارک نام سن کرعاشقوں کااپنے انگوٹھے کوچومناباعث خیروبرکت ہے۔انوار الانتباه فی حل نداء یارسول اللہ [۱۳۰۴ھ]تحریرکرکے یاحرف نداء کے ذریعہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کواورآپ کے غلاموں کواستعانت کے لیے پکارنے کے جواز کاثبوت فراہم فرمایا۔تجلی الیقین بان نبیناسیدالمرسلین

[۱۳۰۵ھ]جس میں تین سو احادیث کریمہ سے یہ ثابت فرمایا کہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں۔

حضور سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کے زمانے میں ایک مفتی سے سماع موتی کے بارے میں پوچھا گیا تو اس مفتی نے اپنے فتویٰ میں اہل قبور سے خطاب کو شرک یا کم از کم شبہ شائبہ شرک قرار دیا، نیز تصریح کردی کہ زائر اور مقبول کے درمیان چونکہ مٹی کا ڈھیر حائل ہے اس لیے مقبور سے کلام وخطاب کرنا اسے سمیع وبصیر علی الاطلاق ماننا ہے، سائل نے مفتی کا یہ جواب جو جمہور علما کے خلاف تھا، امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں بھیجتے ہوئے استفتا پیش کیا کہ سماع موتی کے بارے میں جمہور کا مذہب مدلل بیان فرمایا جائے نیز اس فتویٰ کی حقیقت بھی واضح کی جائے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے احقاق حق وابطال باطل کی خاطر اپنے قلم کو جنبش دی اور [۱۳۰۵ھ]میں ”حیات المو ات فی بیان سماع الاموات“ کے تاریخی نام سے ایسا محققانہ رسالہ تصنیف فرمادیا جس سے دشمنان اولیا کے تمام مزعومہ دلائل کو تار عنکبوت ثابت کر کے ایسے ساڑھے چار سو دلائل قائم فرمائے جن میں سے کسی ایک دلیل کو غلط یا دعویٰ سے لاتعلق ثابت کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی اور نہ کبھی ہوگی، کیوں کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے میدان تحقیق میں قدم رکھتے ہی اہل ایمان کو یہ مژدہ سنادیا تھا کہ یہ عجالہ نہ صرف سماع موتی کا ثبوت دے گا بلکہ بفضل اللہ تعالیٰ خوب واضح کرے گا کہ حضرات اولیاے کرام بعد وصال زندہ اوران کے تصرف وکرامات پائندہ اوران کے فیوض بدستور جاری اور ہم غلاموں، خادموں، محبوں، معتقدوں کے ساتھ وہی امداد وامانت داری۔

شمول الاسلام لاصول الرسل الکرام [۱۳۱۵ھ]میں تصنیف فرماکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد کی عظمتوں کو اجاگر فرمایا۔

تمہید ایمان بآیات قرآن [۱۳۲۶ھ]میں لکھ کر مقامات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیر کرائی اور یہ بتایا کہ ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی کفر ہے۔

دین اسلام کے مخالف قدیم فلاسفہ کے عقائد پر رد کرتے ہوئے مبسوط رسالہ ”الکلمة الملهمة“ رقم فرمایا۔ ان جواہر پاروں کو اگر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ لیتے تو ضروران کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اوران کے مولف کو اپنے اصحاب کے زمرے میں شامل کرلیتے۔ آپ کی تمام تصانیف کی بنیاد اسلام اور داعی اسلام سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری وابستگی پر ہے۔ مسلمانان عالم کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ومحبت کی شمع روشن کرنے میں آپ قدس سرہ نے اہم کردار ادا کیا۔ اسرار شریعت وطریقت کا اجالا پھیلا کر ۲۵/ صفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء بروز جمعہ عین اس وقت جب مؤذن اذان جمعہ میں کہہ رہا تھا ”حی علی الفلاح“۔ عبقری اسلام امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کی روح ۶۷/ سال ۵/ مہینے ۱۵/ دن کی عمر میں قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

*****

امام احمد رضا اور تواضع وانکساری

قاری محمد شبیر فیضی :استاذ جامعہ قادریہ بنگلور

امام احمد رضا بریلوی کی ذات سراپا تواضع وانکساری تھی، علم وہنر کا جبل شامخ ہونے کے باوجود خاکساری کا یہ عالم تھا کہ عوام الناس آپ اور آپ کے مریدین وتلامذہ حضرات کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے تھے، پوری زندگی آپ نے ایک معمولی طرز پر گزار دی، خورد ونوش اور آشائش وآرام کا قدرے بھی خیال نہ رکھتے تھے اور نہ ہی زیب وزینت اور نہ ہی شاہی ٹھاٹ باٹ کا التزام کرتے۔ اکابرین اور سادات کی تعظیم کے ساتھ ہر چھوٹے بڑے کا خیال رکھتے تھے۔ مناسب ہے کہ آپ کی حیات کی روشنی میں تواضع وانکساری کے چند مفید واقعات قارئین کی نذر کر دیے جائیں تاکہ ہمیں ایک نایاب سبق حاصل ہو، اس لیے کہ تکبر ونخوت ایک بہت بری بلا ہے، جس سے اچھے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں اور اللہ رسول کی ناراضگی ملتی ہے، جس میں بہرصورت نقصان ہی نقصان ہے، اگر سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی حیات کے آئینے میں تواضع وانکساری اور خاکساری کی نفیس صورت دیکھ لی جائے تو یقیناً ہم کہتروں اور ناواقفوں کو درس عبرت حاصل ہوگی۔ ذیل میں چند واقعات درج کیے جاتے ہیں بغور پڑھیں!

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہروی کا بیان ہے کہ حضرت جد امجد سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ کا عرس شریف ایک زمانے میں میرے والد ماجد صاحب قدس سرہ نہایت اہتمام وانتظام اور اعلیٰ پیمانے پر کیا کرتے تھے، اس میں بارہا حضرت امام احمد رضا صاحب قبلہ بھی تشریف لائے اور میرے اصرار سے بیان بھی فرمایا، مگر اس طرح کہ حاضرین سے فرماتے میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کہاں لائق ہوں؟ آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعیہ دریافت فرمائیں ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا، چوں کہ بعد سوال اسے ظاہر کر دینا حکم شریعت ہے، میں ظاہر کر دوں گا۔ فقیر قادری غفرلہ عرض کرتا ہے۔ اتنا سن کر حاضرین میں سے کوئی صاحب حسب حال سوال کر دیتے ہیں، حضور پرنور اپنی تقریر دل پذیر سے ایک موثر تقریر اس مسئلے پر فرما دیتے، حضرت سید صاحب موصوف نے فرمایا ایک بار میرے اصرار سے مولانا نے مزار صاحب برکات قدس سرہ پر اپنے والد ماجد قبلہ کا مؤلفہ مولود شریف "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" بھی پڑھا ہے۔ جامع حالات غفرلہ کہتا ہے تواضع وانکساری کی یہ حد ہے۔ اس لیے کہ کتاب دیکھ کر مجلس

میں ایک معمولی مولوی بھی پڑھنا پسند نہیں کرتا، اس کو لوگ شان علم کے خلاف سمجھتے ہیں۔

یقیناً آج پیشہ ور خطبا کے لیے یہ درس عبرت ہے جو مطالعہ کے بغیر صرف عوام الناس کے کانوں کو بھلے لگنے والے الفاظ اور جملوں کی برسات کرتے ہیں اور بسا اوقات نازیبا کلمات بکنے پر شرم وعار محسوس نہیں کرتے، اور مکمل ڈھٹائی کے ساتھ سینہ کشادہ کرکے چلتے ہیں، لگتا یوں ہے کہ وقت کا کوئی علامۃ الدھر ہو، جب کہ معمولی بھی پڑھے لکھے نہیں ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو ہوش کے ناخن لینا چاہیے کہ جب وقت کا امام کتاب دیکھ کر خطاب کر سکتے ہیں توما وشما کی کیا بات اور کیا حیثیت، ہم تو اسے ناک کٹنے سے تعبیر کرتے ہیں، اگر چہ شریعت کٹ جائے ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں، جب کہ اصل بات ایک مسلمان کے لیے ہر حال میں شریعت کا خیال رکھنا ہے۔ خطاب کا اصل مقصد حق بات عوام تک پہنچانا ہے چاہے جیسے بھی پہنچایا جائے اور کتاب دیکھ کر پیغامات پہنچانے کے طریقے سے کوئی اور بہتر طریقہ نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس میں ذہنی خطا کا کوئی احتمال نہیں۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ پیلی بھیت شریف حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے عرس سراپا قدس سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی۔ حضور نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفہ کی صندوقچی حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی، کسی نے جلدی سے آرام کرسی وٹینگ روم سے لاکر بچھادی، ارشاد فرمایا، یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے، جتنی دیر تک وظیفہ پڑھا، آرام کرسی کے تکیہ سے پشت مبارک نہ لگائی۔

موجودہ دور میں نام نہاد علما وخطبا کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی شایان شان خاطر تواضع نہ ہو جب کہ ان کی کوئی شان ہی نہیں ہوتی، بے جا انداز میں گرما جاتے ہیں اور کچھ کا کچھ کہہ بیٹھتے ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ نام کے خطبا کو اگر دیدہ زیب کرسی یا مسند میسر نہ آئے تو ناک منہ بسورنے لگتے ہیں، محسوس یوں ہوتا ہے کہ عالی جناب کرسی ہی کے لیے آئے تھے اور اپنی شان وعظمت کے پرچار کے لیے آئے تھے۔ جب کہ خطاب کا مقصد عوام کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت وو قار کا گیت گانا ہے، ہم جیسوں کو اعلیٰ حضرت کا یہ عمل پاک کافی ہے، جو کہ یقیناً قابل عمل ہی نہیں بلکہ واجب العمل ہے۔

مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے۔ ایک سال بریلی میں رمضان المبارک کی ۲۰ر تاریخ سے اعتکاف کیا اعلیٰ حضرت مسجد میں آتے تو فرماتے جی بہت چاہتا ہے کہ میں بھی اعتکاف کروں مگر فرصت نہیں ملتی، آخر ۲۶ ماہ رمضان کو فرمایا آج سے میں بھی معتکف ہی ہو جاؤں، اعلیٰ حضرت بعد افطار پان نوش فرماتے شام کو کھانا کھاتے، میں نے کسی دن نہیں دیکھا سحری کو صرف ایک چھوٹے سے پیالے میں فرنی اور ایک پیالی میں چٹنی آیا کرتی تھی، وہ نوش فرمایا کرتے، ایک دن میں دریافت کیا حضور فرنی اور چٹنی میں کیا جوڑ؟ فرمایا نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنت ہے، اس لیے یہ چٹنی آتی ہے ایک دن شام کو پان نہیں آئے اور یہ بہت پختہ عادت تھی کہ کھانے کی کوئی

چیز طلب نہیں فرماتے ،خاموش رہے، مگر چوں کہ پان کے از حد عادی تھے ،ناگواری ضرور پیدا ہوئی، مغرب سے تقریبا دو گھنٹہ بعد گھر کا ملازم ایک بچہ پان لایا، حضرت نے اسے ایک چپٹ مارا اور فرمایا کہ اتنی دیر میں لایا بعدہ سحری کے وقت سحری کھاکر مسجد کے باہر دروازے پر تشریف لائے اس وقت رحیم اللہ خان ملازم اور میں دو شخص مسجد میں تھے، فرمایا: آپ صاحبان میرے کام میں مخل نہ ہوں ،میں گھبرایا اور عرض کی حضور ہم تو خدام ہیں مخل ہونا کیا معنی؟ بعد اس بچے کو بلوایا جو شام کو پان دیر میں لایا تھا اور فرمایا کہ شام کو میں نے غلطی کی جو تم کو چپٹ ماری، دیر سے بھیجنے والے کا قصور تھا لہذا تم میرے سر پر چپٹ مارو اور ٹوپی اتار کر اصرار فرمارہے ہیں، ہم دونوں بہت مضطرب اور دم بخود پریشان اور وہ بچہ بھی بہت پریشان اور کانپنے لگا،اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، حضور میں نے معاف کیا فرمایا تم نابالغ ہو تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں، تم چپٹ مارو، مگر وہ نہ مار سکا، بعدہ اپنا بکس منگواکر مٹھی بھر پیسے نکالے اور پیسے دکھاکر فرمایا میں تم کو یہ دوں گا، تم چپٹ مارو، مگر وہ بے چارہ یہی کہتا رہا ، حضور میں نے معاف کیا، آخر کار اعلیٰ حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپٹیں اپنے سر مبارک پر اس کے ہاتھ سے لگائیں اور پھر ان کو پیسے دے کر رخصت فرمایا۔

حیات اعلی حضرت میں اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن سے آپ کی عاجزی اور انکساری کا ثبوت ملتا ہے۔

امام احمد رضا اور سائنسی علوم

مولانا فرید احمد خان شفیقی: صدر المدرسین دار العلوم افضل المدارس الہ آباد

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ علوم وفنون کے بحر ذخار تھے، دینی علوم میں آپ کی بصیرت کا تو ایک جہان قائل ہے، سائنسی علوم میں بھی دسترس کے سیکڑوں نمونے آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں۔ آپ فتاویٰ رضویہ کو سائنسی نقطہ نظر سے دیکھیں تو بحر حیرت واستعجاب میں ڈوب جائیں گے۔ ہم یہاں چند نمونے پیش کرنے پر اکتفا کریں گے:

امام احمد رضا اور الٹرا ساؤنڈ:

الٹرا ساؤنڈ کا تعلق علم جنسیات [Embryology] سے ہے، اگر ہم ماضی کی تاریخ کی اوراق گردانی کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا سے جب سوال کیا گیا کہ انگریز نے ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جس کے ذریعہ ماں کے پیٹ میں موجود [لڑکا، لڑکی] کو معلوم کیا جا سکتا ہے، تو آپ نے اس سوال کے جواب میں ایک تحقیقی رسالہ "الصمصام علی مشكك فی آیة علوم الارحام" تحریر فرما کر میڈیکل کے مضمون ایمبریالوجی پر زبردست بحث کرتے ہوئے ایسے نفیس انکشافات کیے کہ انسانی عقل کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور پھر اللہ کی عظمت [Supremacy] کو برقرار رکھتے ہوئے غیر مسلم سائنس دانوں کے باطل نظریات کا خوب آپریشن کر کے اسلامی نظریہ پیش کر دیا۔

امام احمد رضا اور نظریۂ طاعون [PLAGUE]:

امام احمد رضا نے میڈیکل سائنس کے اس مضمون [Plague] پر ایک حیران کن تحقیق کرتے ہوئے "تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون" نامی رسالہ لکھ کر میڈیکل سائنس کے باطل اور جھوٹے نظریات کو چیلنج کیا اور یہ ثابت کیا ہے کہ کسی وبا کے بارے میں اسلامی نظریہ یہ ہے کہ جہاں ہو وہاں جانے سے گریز کیا جائے اور جہاں یہ مرض ہو اس سے بھاگنا نہیں چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون سے بھاگنے کو میدان جنگ سے فرار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس فعل کو گناہ کبیرہ قرار دیا اور صبر واستقامت سے رہنے والے کو شہادت کے درجہ کی خوش خبری سنائی۔

امام احمد رضا اور ریاضی [MATHEMATIC]:

امام احمد رضا کو ریاضی [Mathematic] کی متعدّد شاخوں اور اس سے متعلقہ مختلف علوم پر مہارت تامہ اور مکمل دسترس

حاصل تھی۔امام احمد رضا نے ریاضی پر تقریباً ۴۲؍کتب تصنیف فرمائی ہیں، چند جھلکیاں قارئین ملاحظہ فرمائیں:

مقبول جہانگیر صاحب کی تحقیق انوار رضا ص:۳۴۷ کے حوالے سے عرض کرتا چلوں کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین جن کا برصغیر کے بلند پایہ ریاضی داں میں شمار ہوتا ہے]کو جب ریاضی کے کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا اور اپنی اس پیچیدگی کے ازالے کے لیے جرمنی جانے کا ارادہ کیا تو یونی ورسٹی کے شعبۂ دینیات کے ناظم سید سلیمان اشرف کے مشورہ پر امام احمد رضا کے پاس پہنچے تو آپ نے فوراً مسئلہ حل کر دیا، ڈاکٹر صاحب حیران ہو گئے اور امام احمد رضا کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے بہت کچھ لکھا۔

اس طرح ایم حسن امام ملک پوری ایم ایس سی کی بی ایل بی ایڈ کی تحقیق انوار رضا ص:۳۱۵ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں، انہوں نے امام احمد رضا کی عظمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

"امام احمد رضا کی اصل تصنیف [فتاویٰ رضویہ] کے نام سے مشہور ہے جس کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں، اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ [کتاب الطہارت] اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے، اس سے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین کے بحر بیکراں ہیں۔ علم ریاضیات مادّیات فلکیات اور علم ریاضی و ہندسہ کے اتھاہ سمندر ہیں، اس کے بعد موصوف فتاویٰ رضویہ، ص:۳۲۱ کے حوالے سے امام احمد رضا کی طویل عبارت جو کنوئیں کے پانی [دہ در دہ کے مسئلہ] سے متعلق سوال کے جواب میں تھی، کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ،کنواں مذکورہ کی صحیح دریافت یعنی ۴۴۹، ۳۵، ہاتھ کی دریافت کے لیے امام احمد رضا نے علم الحساب کی کس باریکی کا سہارا لیا ہے۔"

امام احمد رضا اور کیمیا [CHEMISTRY]:

علم کیمیا [Chemistry] جو کہ سائنس کی اہم شاخ تصور کی جاتی ہے، امام احمد رضا کو اس فن میں بھی عبور حاصل تھا، فتاویٰ رضویہ جلد اول میں اس عنوان کے سلسلے میں کثیر مواد موجود ہے:

فرماتے ہیں:

"جملہ معدنیات کا تکون گندھک [Sulphur] اور پارے [Mercury] کے ازدواج ہے، گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔" [فتاویٰ رضویہ جلد اول]

امام احمد رضا کی مراد اس عبارت سے کیا ہے، اس سلسلے میں ایم حسن کی تحقیق سپرد قلم کرتے ہیں:

"ایک عنصر دوسرے عنصر کے لیے کشش رکھتا ہے۔ جس کے تحت دونوں قریب آتے ہیں، پھر دونوں کے جوہر [Atoms] کے بیچ کا لین دین ہوتا ہے، تب جا کر ایک مرکب [نئی شئی] کی تشکیل ہوتی ہے، عام طور پر [Electron] دینے والا [بالفاظ امام احمد رضا] نر عتیق Donor اور لینے والا [بالفاظ امام احمد رضا] مادہ عتیق Acceptor کہلاتا ہے، لہٰذا نر مادہ اور نکاح یا اتصال کی بابت تو موجودہ نظریہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے بیان میں کافی ہم آہنگی نظر آتی ہے۔

اس کے علاوہ فتاویٰ رضویہ کے مذکورہ باب میں عمل احتراق [Combustion] اور [Roasting Smelting] وغیرہ کے متعلق علم کیمیا [Chemistry] کے بارے میں بے بہا خزینہ موجود ہے، جیسا کہ ایم حسن نے ذکر کیا ہے۔ [دیکھیں انوار رضا ص:۳۲۰]

امام احمد رضا کا نظریہ ایٹم[ATOM]:

یادرہے کہ ۴۰۰ء میں یونانی فلسفی دیموقراطس [Democritus] نے جزولا یتجزی کا نظریہ پیش کیا تھا، سینکڑوں برس بعد ۱۸۹۸ء میں جے جے تھامس [J.J Thomas] نے اس کے خلاف یعنی جزولا یتجزی کے بطلان کا نظریہ پیش کیا، یعنی ایٹم توڑا جا سکتا ہے کا دعویٰ اس نے کیا، چوں کہ یہی دور امام احمد رضا کا تھا، انہوں نے اسلام سے متصادم اس نظریہ کا رد کرتے ہوئے اپنی ایک تحقیقی تصنیف الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لو ھاء الفلسفۃ المشئمۃ، ص:۷ ۱۳مطبوعہ دہلی میں جو اسلام سے متصادم سائنسی نظریات کے رد بلیغ پر مشتمل ہے۔ جے جے تھامس کے باطل نظریہ کو چیلنج کیا۔

امام احمد رضا اور فزکس[PHYSICS]:

امام احمد رضا کو سائنس کے مضمون طبعیات [Physics] پر بڑی مہارت حاصل تھی، انہوں نے اس موضوع پر ایک رسالہ "الدقہ و التبیان لعلم الرقہ و السیلان" تصنیف فرمایا جس میں انہوں نے ماء جامد اور جاری کے بارے میں زبردست بحث کی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے "الکشف شافیا حکم فونو جرافیا" لکھ کر جدید ٹیکنالوجی کے ماہرین کو حیران کردیا۔ امام احمد رضا نے آواز [Sound] پر خالص سائنسی تحقیقی بحث کرتے ہوئے اپنے اس رسالے میں کئی مسائل ذکر کیے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

آواز کیا شئے ہے؟ یہ کیوں پیدا ہوتی ہے؟ کیوں اسے سنا جاتا ہے؟ بعد از حدوث باقی رہتی ہے یا ختم ہوجاتی ہے؟ آواز کنندہ کی طرف اس کی اضافت کیسی ہے؟ اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ، نیز امام احمد رضا نے اپنے ملفوظات میں بھی آواز کے نظریۂ تموج کو بیان فرمایا۔ ڈاکٹر محمد مالک کہتے ہیں گویا یہ نظریہ تموج [Wave Theory] امام موصوف کے دماغ کا کرشمہ تھا، ایک طرح سے آپ آواز کے نظریہ تموج کے بانی ہیں، جس طرح آکسیجن [Oxygen] بیک زمانہ تین اشخاص لواشے، پریسلے اور اسکیل نے ایجاد کی ہے۔ امام احمد رضا کے نظریات جدید ماہرین فزکس کے لیے دعوت فکر ہیں، علاوہ ازیں امام احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ جلد اول میں نور [Light] جو کہ فزکس کی اہم شاخ ہے کے متعلق بحث کی ہے، ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

> زاویۂ انعکاس زاویۂ شعاع کے برابر ہوتے ہیں [فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص:۵۹۱]
> یہ نظریہ آج کل انعکاس نور Reflection of Light کہلاتا ہے۔

امام احمد رضا اور انگریز سائنسدانوں کا تعاقب:

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۵۳۰ء میں کوپرنیکس نے مسئلہ حرکت زمین پیش کیا، اسی طرح آئن سٹائن [جو امام احمد رضا کا ہم عصر تھا] اور نیوٹن اور امریکی ہیئت دان پروفیسر البرٹ ایف پورٹا اس کے ہم نوا بن گئے۔ ان سائنس دانوں نے مل کر آسمان وزمین

متحرک اور سورج کے سکون کے نظریہ کو تقویت پہنچائی، آخر کار امام احمد رضا نے بحیثیت مسلم سائنس داں متذکرہ سائنسدانوں کے باطل نظریات کو جو اسلام کے سنہری اصولوں سے ٹکرا رہے تھے کو رد کرتے ہوئے تین تصانیف تحریر فرمائیں:

۱۔ معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین ۲۔ نزول آیات قرآن بسکون زمین و آسمان ۳۔ فوز مبین در ردِّ حرکت زمین۔ اس آخری رسالے میں امام احمد رضا نے انگریز سائنس دانوں کا زبردست تعاقب کیا ان کے باطل نظریات اور قرآن وحدیث سے متصادم غلط افکار کو چیلنج کیا، انہوں نے اپنے اس رسالے میں ۱۰۵ر دلائل کی روشنی میں اپنا نظریہ بیان کرکے اسلام کی سرحدوں کا دفاع کیا اور اس میں امام احمد رضا نے فزکس [Physics]، کیمیا [Chemistry] جغرافیہ، ہیئت [Astronomy] کمیت اور وزن [Mass and weight]، نجوم [Astrology] کشش ثقل [Gravitation] اور Density سیاروں ستاروں کی چال نظریہ اضافت Theory of Relativity اچھال تیراؤ [Floating] دخان [Smoke] بخارات [Vapors] حرارت [Heat] جزولا یتجزی [Atom] لوگارتھم [Logarithm] مساوات فیکٹر ڈائنامکس [Dynamics] محرک [Projectile] جیومیٹری [Geometry] ٹرگنومیٹری [Trigonometry] اور مثلث کروی وغیرہ کا استعمال کرکے انگریز سائنس دانوں کے باقاعدہ اسما لے کر ان کے غلط نظریات کو چیلنج کیا اور آخر دم تک کرتے رہے۔

ان کے علاوہ بھی امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے کثیر سائنسی علوم پر مباحث کیے ہیں کہ ان کو احاطۂ تحریر میں لانا بہت مشکل ہے۔ مثلاً پانی میں مسام ہیں یا نہیں؟ آئینہ میں اپنی صورت کے علاوہ پیچھے والی اشیا کس طرح دکھائی دیتی ہیں؟ جنسی شعاع رنگین تاریکی میں موجود رہتے ہیں۔ پتھر کس طرح بنتا ہے؟ یاوہ آگ پر کیوں نہیں ٹھہرتا؟ سونے چاندی کے پگھلنے کا سبب؟ رنگین پیشاب کا جھاگ سفید کیوں معلوم ہوتا ہے؟ پتھروں کے اقسام، برف کے سفید دکھائی دینے کی وجہ، اجزاے ارضیہ بلاواسطہ بھی آگ ہوجاتے ہیں، مٹی کی اقسام ودرجہ بندی، موتی، شیشہ، بلور پسینے سے خوب سفید کیوں ہوجاتے ہیں؟ ایٹم [ATOM] نور [LIGHT] آواز [SOUND] کیمسٹری، جیومیٹری، بایولوجی، فزکس الجبرا [ALGEBRA] ٹرگنومیٹری، لوگرتھم [TRIGNOMETRY] اسقاط، حمل، مصنوعی، اعضا، جنسیات [EMBRYOLOGY] جذام [LEPROSY] وغیرہ کئی سائنسی مسائل پر بحث کی ہے۔

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا کا ممتاز عہدِ طفولیت

مولانا مجاہد الاسلام، کوسنہ، اتر دیناج پور بنگال

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان ن کی ولادتِ باسعادت بریلی شریف کے محلہ جسولی میں ۱۰/ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بروزِ ہفتہ بوقتِ ظُہر مطابق ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ سن پیدائش کے اعتبار سے آپ کا نام المختار [۱۲۷۲ھ] ہے۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت ج:۱ص:۵۸ مکتبۃ المدینہ باب المدینہ، کراچی]

اعلیٰ حضرت کا سنِ ولادت :

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنا سن ولادت پارہ ۲۸/ سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ۲۲/ سے نکالا ہے۔ اِس آیتِ کریمہ میں عِلمِ ابجد کے مطابق ۱۲۷۲ عدد ہیں اور ہجری سال کے حساب سے یہی آپ کا سنِ ولادت ہے۔ چناںچہ مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ ملفوظات اعلیٰ حضرت ص:۴۱۰/ پر ہے: ولادت کی تاریخوں کا ذکر تھا اور اس پر [سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے] ارشاد فرمایا: بِحَمْدِ اللہِ تعالیٰ میری وِلادت کی تاریخ اس آیت کریمہ میں ہے :

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ [پ، ۲۸، المجادلہ: ۲۲]

ترجمۂ کنزالایمان: یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔

آپ کا نامِ مبارک محمد ہے اور آپ کے دادا نے احمد رضا کہہ کر پکارا اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔

حیرت انگیز بچپن:

عموماً ہر زمانے کے بچّوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل بچّوں کا ہے کہ سات آٹھ سال تک تو انہیں کسی بات کا ہوش نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی بات کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں، مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا بچپن بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ کم سنی وخُردسالی [یعنی بچپن] اور کم عمری میں ہوش مندی اور قوّتِ حافِظہ کا یہ عالم تھا کہ ساڑھے چار سال کی ننھی سی عمر میں قرآن مجید ناظرہ مکمل پڑھنے کی نعمت سے بارِیاب ہوگئے۔ چھ سال کے تھے کہ ربیع الاول کے مبارک مہینے میں منبر پر جلوہ افروز ہو کر میلادُ النّبی ﷺ کے موضوع پر ایک بہت بڑے اجتماع میں نہایت پر مغز تقریر فرما کر علمائے کرام اور مشائخِ عِظام سے تحسین وآفرین کی داد وصول کی۔ اسی عمر میں آپ نے بغداد شریف کے بارے میں سمت معلوم کرلی، پھر تادمِ حیات شہرِ غوث

اعظم کی طرف پاؤں نہ پھیلائے۔ نماز سے تو عشق کی حد تک لگاؤ تھا، چنانچہ نماز پنج گانہ باجماعت تکبیرِ اولیٰ کا تحفُّظ کرتے ہوئے مسجد میں جاکر ادا فرمایا کرتے، جب کبھی کسی خاتون کا سامنا ہوتا تو فوراً نظریں نیچی کرتے ہوئے سر جھکا لیا کرتے، گویا کہ سنّتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ پر غلبہ تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں یوں سلام پیش کرتے ہیں:

نیچی آنکھوں کی شرم وحیا پر دُرُود

اُونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے لڑکپن میں تقویٰ کو اس قدر اپنالیا تھا کہ چلتے وقت قدموں کی آہٹ تک سنائی نہ دیتی تھی۔ سات سال کے تھے کہ ماہ رمضان المبارک میں روزے رکھنے شروع کردیے۔ [دیباچہ فتاوی رضویہ، ج:۳۰، ص:۱۶]

بچپن کا ایک واقعہ:

جناب سید ایوب علی شاہ صاحِب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں آپ کو گھر پر ایک مولوی صاحب قرآنِ مجید پڑھانے آیا کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ مولوی صاحِب کسی آیت کریمہ میں بار بار ایک لفظ آپ کو بتاتے تھے، مگر آپ کی زبانِ مبارک سے نہیں نکلتا تھا وہ "زبَر" بتاتے تھے آپ "زیر" پڑھتے تھے، یہ کیفیت جب آپ کے دادا جان حضرت مولانا رضا علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے دیکھی تو حضور [یعنی اعلیٰ حضرت] کو اپنے پاس بُلایا اور کلامِ پاک منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب نے غلطی سے زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا، یعنی جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے نکلتا تھا وہ صحیح تھا۔ آپ کے دادا نے پوچھا کہ بیٹے جس طرح مولوی صاحب پڑھاتے تھے تم اُسی طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کی: میں ارادہ کرتا تھا مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔

اعلیٰ حضرت خود فرماتے تھے کہ میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا، جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے، ایک دو مرتبہ میں دیکھ کر کتاب بند کردیتا، جب سبق سنتے تو حرف بحرف لفظ بہ لفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر سخت تعجّب کرتے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ احمد میاں! یہ تو کہو تم آدمی ہو یا جن؟ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے، مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی! آپ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے میں انسان ہی ہوں، ہاں اللہ جل شانہ کا فضل وکرم شاملِ حال ہے۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۶۸]

پہلا فتویٰ:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے صِرف تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عُمر میں تمام مُروجہ علوم کی تکمیل اپنے والدِ ماجد رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان سے کرکے سند فراغت حاصل کرلی۔ اسی دن آپ نے ایک سوال کے جواب میں پہلا فتوٰی تحریر فرمایا تھا۔ فتوٰی صحیح پاکر آپ کے والد ماجد نے مسندِ افتا آپ کے سپرد کردی اور آخر وقت تک فتاوٰی تحریر فرماتے رہے۔ [ایضًا ص:۲۷۹]

حیرت انگیز قوتِ حافظہ:

حضرتِ ابو حامد سیّد محمد محدّث کچھوچھوی فرماتے ہیں کہ جب دارالافتا میں کام کرنے کے سلسلے میں میرا بریلی شریف میں قیام تھا تو رات دن ایسے واقعات سامنے آتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کی حاضر جوابی سے لوگ حیران ہوجاتے۔ ان حاضر جوابیوں میں

حیرت میں ڈال دینے والے واقعات اور علمی حاضر جوابی تھی جس کی مثال سنی بھی نہیں گئی۔ مثلا استفتا [سوال] آیا، دارالافتا میں کام کرنے والوں نے پڑھا اور ایسا معلوم ہوا کہ نئی قسم کا حادثہ دریافت کیا گیا اور جواب جزئیہ کی شکل میں نہ مل سکے گا، فقہاے کرام کے اُصولِ عامہ سے اِستنباط کرنا پڑے گا۔[یعنی فقہاے کرام کے بتائے ہوئے اصولوں سے مسئلہ نکالنا پڑے گا] اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا: عجب نئے نئے قسم کے سُوالات آرہے ہیں! اب ہم لوگ کیا طریقہ اختیار کریں؟ فرمایا: یہ تو بڑا پُرانا سُوال ہے۔ ابنِ ہُمام نے "فتح القدیر" کے فلاں صَفحے میں، ابن عابِدین نے "رد المحتار" کی فُلاں جلد اور فلاں صفحہ پر [لکھا ہے]، "فتاوٰی ہندیہ" میں، "خیریہ" میں یہ یہ عبارت صاف صاف موجود ہے، اب جو کتابوں کو کھولا تو صفحہ، سطر اور بتائی گئی عبارت میں ایک نقطے کا فرق نہیں۔ اس خداداد فضل و کمال نے علما کو ہمیشہ حیرت میں رکھا۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت ج:۱، ص: ۲۱۰]

کس طرح اِتنے علم کے دریا بہا دیے
علَماے حق کی عقل تو حیراں ہے آج بھی

صرف ایک ماہ میں حِفظ قرآن:

جناب سید ایّوب علی صاحِب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا بیان ہے کہ ایک روز اعلیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بعض ناواقِف حضرات میرے نام کے آگے حافِظ لکھ دیا کرتے ہیں، حالاں کہ میں اِس لقب کا اہل نہیں ہوں۔ سید ایّوب علی صاحِب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے اِسی روز سے دَور شُروع کر دیا جس کا وَقت غالباً عشا کا وضو فرمانے کے بعد سے جماعت قائم ہونے تک مخصوص تھا۔ روزانہ ایک پارہ یاد فرمالیا کرتے تھے، یہاں تک کہ تیسویں روز تیسواں پارہ یاد فرمالیا۔

ایک موقع پر فرمایا کہ میں نے کلام پاک بالترتیب بکوشش یاد کر لیا اور یہ اس لیے کہ ان بندگانِ خدا کا [جو میرے نام کے آگے حافظ لکھ دیا کرتے ہیں] کہنا غلط ثابت نہ ہو۔ [ایضًا ص ۲۰۸]

یقیناً امام اہل سنت کا عہد طفولیت بھی ممتاز تھا، سعادت اور بزرگی کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ اللہ جل شانہ ہمیں امام اہل سنت کے فیوض و برکات سے مالامال فرمائے۔

*****

امام احمد رضا اور غریبوں کی دل جوئی

مولانا حسیب اختر: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

اعلیٰ حضرت مجدددین وملت الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جہاں بہت سی خصوصیات کے حامل تھے، وہیں آپ غریبوں کی دل جوئی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے اور ان کی دل جوئی کا اہتمام فرماتے، حتیٰ کہ اپنی وصیت میں بھی غریبوں کے لیے طرح طرح کے لوازمات کے اہتمام کا حکم فرمایا، اس سلسلے میں ہم امام اہل سنت کی طرف سے غریبوں کی دل جوئی کے حوالے سے چند واقعات پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

مولانا سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک صاحب جس کا نام مجھے یاد نہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ان کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ان کے محلے کا ایک بے چارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی پر جو صحن کے کنارے پڑی تھی جھکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑے تیور سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ فرمایا نہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ صاحب امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضور اعلیٰ حضرت نے اپنی چارپائی پہ جگہ دی، وہ بیٹھے ہی تھے کہ اس دوران کریم بخش حجام آپ کا خط بنانے کے لیے آگئے، وہ اس فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہاں بیٹھوں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: بھائی کریم بخش کیوں کھڑے ہو؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا ارشادہ فرمایا، کریم بخش حجام یہ سن کر ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے، پھر تو ان صاحب کے غصے کی یہ کیفیت تھی جیسے سانپ پھنکارے مارتا ہے، فوراً اُٹھ کر چلے گئے، پھر کبھی نہیں آئے، خلاف معمول جب عرصہ گزر گیا تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے۔ پھر خود ہی فرمایا، میں بھی ایسے شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔ [حیات اعلیٰ حضرت]

دیکھا آپ نے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ غریبوں کی دل جوئی کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ جو لوگ غربا و مساکین سے نفرت و بیزاری کا ذہن رکھتے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے۔

ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری فرماتے ہیں: ”میرے قیام بریلی شریف کے زمانے میں محلہ بانس منڈی کے قریب ایک صاحب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے یہاں دعوت دے کر چلے گئے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے فرمایا: مولانا آپ بھی چلیں، گرمی کا زمانہ تھا اور مغرب کا وقت، مکان پر گاڑی پہنچی تو میزبان صاحب منتظر تھے، باہر بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی، مکان کے اندر تشریف لے گئے،

آنگن میں چار پائی بچھی ہوئی تھی اور اس پر دَری تھی، کھانے میں ایک ڈلیا میں چند روٹیاں اور قیمہ غالباً گائے کے گوشت کا تھا، مجھے یہ خیال ہو رہا تھا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تو گائے کا گوشت تناول نہیں فرماتے، اگر شوربے دار ہوتا تو شوربے پر ہی اکتفا فرماتے، میں اسی خیال میں تھا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: حدیث شریف میں ہے کہ بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض و لا فی السماء یا حی یا قیوم پڑھ کر مسلمان جو کچھ کھائے گا، ہرگز ضرر [نقصان] نہ دے گا، میں سمجھ گیا کہ میرے شبہہ کا جواب ہے۔

میزبان صاحب میرے ملاقاتی تھے، جب کھانے کے بعد ہاتھ دھلوانے لگے تو میں نے ان سے کہا: اس غربت کی حالت میں آپ کو اعلیٰ حضرت کی دعوت کی ضرورت ہی کیا تھی، بولے کہ غربت ہی کی وجہ سے تو اعلیٰ حضرت کی دعوت کی تاکہ اعلیٰ حضرت کے قدم مبارک میرے یہاں پہنچیں، نان نمک جو کچھ ہو سکے حاضر خدمت کروں، حضور کھانے کے بعد دعا فرمائیں تو گھر میں خوش حالی اور برکات دین و دنیا حاصل ہوں۔ [حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص:۱۲۴ ملخصًا]

دیکھا آپ نے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ایک غریب کی دعوت میں تشریف لے گئے اور صرف غریب میزبان کی دل جوئی کے لیے جو کچھ اس نے اہتمام کیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طبیعت کی پرواہ کیے بغیر اسے تناول فرمایا۔

مولانا حسنین رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب سیرت اعلیٰ حضرت میں نقل فرماتے ہیں کہ بریلی شریف کے محلہ بعض بازداران میں ایک بیوہ خاتون عنایتی بیگم [عرف انتابوا] رہتی تھیں، نہایت متین اور سنجیدہ تھیں، سرکار دو عالم محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء اور میلاد شریف سے بہت زیادہ محبت کیا کرتی تھیں، چکی پیس کر گزارہ کرتیں اور اس پیسائی سے جو کچھ ملتا اسے جمع کرتیں، اس سے سالانہ میلاد شریف کیا کرتیں، پہلے سال وہ آئیں تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے انھوں نے میلاد شریف منعقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور یہ بھی عرض کیا آپ کو شرکت کرنی ہوگی اور پڑھنے والے بھی آپ ہی تجویز فرمائیں گے۔ اعلیٰ حضرت نے بڑی خندہ پیشانی سے وعدہ فرمالیا اور مولانا جمیل الرحمٰن صاحب کو حکم دے دیا کہ عنایتی بیگم کے یہاں میلاد شریف آپ پڑھا کریں گے، انتابوا نے اپنے یہاں پانی بھرنے والے سقے سے کہا کہ میرے یہاں فلاں دن میلاد شریف ہے، اس میں اعلیٰ حضرت بھی تشریف لائیں گے، تم ذرا پانی کا خیال کرنا، اس نے اپنے لوگوں سے مل کر پانی کے چھڑکاؤ کی اسکیم بنالی۔ اعلیٰ حضرت باوجودیکہ مسجد تک عصا مبارک کے سہارے آتے تھے اور جہاں کہیں جاتے تھے سواری میں جاتے تھے، لیکن ان کے ہاں میلاد شریف میں پیدل ہی گئے اور کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ میلاد خواں اور دیگر پا پیادہ گئے اور پا پیادہ آئے۔ ان کی خالص اور نیک کمائی کا میلاد شریف ان کی حیات تک اسی طرح جاری رہا، دو تین دفعہ میں بھی اس تقریب سعید میں حاضر ہوا ہوں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نظر ہمیشہ غریب مسلمانوں کے دل خوش کرنے میں مائل رہی، جس غریب کے عقائد صحیح ہوتے تھے وہ ان کو دل سے عزیز ہوتا تھا۔
[سیرت اعلیٰ حضرت از مولانا حسنین رضا خاں، ص:۹۰]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے غربا پروری کے بے شمار واقعات موجود ہیں، یہاں ہم ان ہی واقعات پر اکتفا کرتے ہیں، اللہ جل شانہ ہمیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی سیرت و کردار کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا اور سنتوں کی پیروی

مولانا مکتوب حسین: گنجریا، اسلام پور، اتر دیناج پور، بنگال

اپنے اس مضمون میں راقم نے اعلیٰ حضرت کی اتباع سنت کے پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے معمولات کو سنت رسول کے مطابق کس طرح انجام دیتے تھے اور کیسے اعلیٰ حضرت نے اپنی پوری زندگی اتباع سنت میں گزاری ہے۔

اعلیٰ حضرت کا چلنا، بولنا، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، عبادت کرنا، سلام کرنا، کسی مریض کی عیادت کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، لوگوں سے معاملات کرنا، وعظ و نصیحت کرنا، بچوں کی پرورش کرنا، دوسروں کو تعلیم دینا، قرض لینا یا قرض دینا، خانگی زندگی میں اہل خانہ سے تعلقات رکھنا، لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کرنا سب کچھ سنت کے مطابق ہوتا تھا۔

اعلیٰ حضرت پوری زندگی شریعت و سنت کے پابند رہے، اپنے معمولات کو سنت رسول کے مطابق انجام دیتے، چھوٹا سے چھوٹا کام بھی شریعت اور سنت کے دائرے میں رہ کر انجام دیتے۔

ہمارے پیارے آقا ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ جمعہ اور منگل کے دن غسل فرمایا کرتے اور لباس تبدیل کرتے تھے، ہاں عیدین یعنی عید اور بقر عید کسی اور دن آجاتے تو اس دن بھی غسل فرما کر لباس تبدیل کرتے تھے۔

اب اعلیٰ حضرت کا معمول دیکھیے، اعلیٰ حضرت بھی ہفتہ میں دو مرتبہ یعنی جمعہ اور منگل کے دن غسل فرما کر لباس تبدیل فرمایا کرتے تھے۔

ہنسنا، رونا اور رنج وراحت بھی ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہے، ایسے موقعوں پر انسان اپنے معمول سے ہٹ کر زور سے ہنسنا یا رونا شروع کر دیتا ہے، لیکن اعلیٰ حضرت ایسے مواقع پر بھی سنت رسول کا خیال فرماتے۔

ہمارے نبی ﷺ کے ہنسنے کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے سوال ہوا کہ حضور ﷺ کی ہنسی کی کیا کیفیت تھی؟ تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کبھی ایسا کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ ان کا تالو نظر آجائے، آپ ﷺ صرف تبسم فرماتے۔ [بخاری شریف]

اسی طرح اعلیٰ حضرت ہنسنے میں کبھی ٹھٹھا نہیں کرتے یعنی کھل کر کبھی نہیں ہنستے، قہقہ کی بات تو بہت دور۔

اعلیٰ حضرت طہارت کے بہت پابند رہتے یعنی پاکی کا خیال رکھتے تھے، کیوں کہ طہارت کو اسلام میں امتیازی مقام حاصل

ہے، نیز وضو کرنے اور باوضو رہنے پر ثواب کی بشارت ہے۔

اعلیٰ حضرت کے سوانح نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف عالم ہی نہیں بلکہ عالم باعمل تھے، عامل قرآن تھے، عامل سنت تھے، اعلیٰ حضرت جہاں علم کے پہاڑ تھے وہیں عمل کے پیکر تھے، کوئی بھی کام چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اگر وہ کام سنت ہوتا تو اعلیٰ حضرت اس کام کو کرنے کی ضرور کوشش کرتے تھے، بلکہ قصداً اور لازماً کرتے تھے۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ حضور ﷺ بچوں پر شفقت فرماتے، ان سے محبت فرماتے، بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتے اور یتیم بچوں کی بالخصوص دل جوئی فرماتے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان بھی بچوں کے ساتھ محبت فرماتے۔

جناب سید ایوب علی صاحب اپنے بھائی قناعت علی کے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے قناعت علی کو حلوہ دینا چاہا تو قناعت علی پیچھے ہٹے، پھر اعلیٰ حضرت نے فرمایا یہ تیرا حصہ ہے، یہ سن کر قناعت علی نے کہا حضور شرم آتی ہے، تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اس میں شرم کی کیا بات ہے، میرے لیے جیسے مصطفیٰ [مفتی اعظم] ہے، ویسے تم ہو۔ سب بچوں کو حصہ دیا گیا آپ دونوں کے لیے بھی میں نے دو حصے رکھ لیے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی اتباع سنت میں گزری ہے، آپ کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف عالم ہی نہیں بلکہ سچے متبع سنت تھے۔ سنت رسول پر عمل کرنے میں کوئی شرم نہیں کرتے، کوئی جھجھک اور عار محسوس نہیں کرتے تھے، ہر حال میں سنت رسول پر عمل کرتے تھے رسول اللہ کی سنتوں کی اتباع کرتے تھے۔ ضرورت ہے کہ علماے کرام محفلوں اور مجلسوں میں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے اس پہلو کو بھی بیان کریں اور عوام کو بتائیں کہ اعلیٰ حضرت صرف سنتوں کے بارے میں لکھتے ہی نہیں تھے، بلکہ ہر حال میں سنتوں پر عمل بھی کرتے تھے۔

❋❋❋❋❋

مقالات

☆خدمات — واثرات اور روابط وتعلقات

امام احمد رضا کی عظیم یادگار: جامعہ رضویہ منظر اسلام

مولانا معلم الدین مصباحی: شیخ الحدیث مدرسہ سبحانیہ گڑھی سرائے، الہ آباد

فقیہ بے مثال، مجددِ اعظم، امام اہل سنت، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افق علم وفن کے وہ نیر تاباں ہیں کہ جن کی ضیا سے عالمِ سنیت منور ہے۔ آپ چودھویں صدی ہجری کے ایک متبحر عالم، عبقری فقیہ، جلیل القدر محدث، لاثانی مصنف، عظیم سائنس داں اور بہترین نعت گو شاعر اور سچے عاشق رسول تھے۔ آپ نے زندگی کا ہر لمحہ دین متین کی نشر واشاعت، اتباع سنت اور عشق رسول میں صرف کردی اور ہمیں علم وعرفاں کا ایسا خزانہ عطا فرمایا کہ قیامت تک ہماری نسلیں اس سے مستفید ہوتی رہیں گی۔ آپ جہاں ایک طرف تبحر علمی، زہد وتقوی اور روحانی تصرفات کے معیاری نمونہ تھے، وہیں دوسری طرف رسول اللہ ﷺ سے آپ کی محبت وعقیدت بھی مثالی تھی۔ آپ نہ صرف پچپن سے زائد علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے بلکہ ہر فن میں کوئی نہ کوئی گراں قدر تصنیف بھی یادگار چھوڑی ہے۔ علم وعرفاں کے جس میدان میں آپ نے قدم رکھا خواہ وہ فقہ وحدیث ہو یا دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ، علوم جدیدہ ہو یا قدیمہ، نثری ادب کا میدان ہو یا شاعری کا، مرتبہ امامت پر فائز ہوئے۔ آپ کی علمیت کا ہر گوشہ اور شخصیت کا ہر پہلو ایک مستقل علم وفن کا منبع ہے۔ آپ جیسے اصحابِ فضل وکمال، نادر روزگار شخصیت صدیوں میں کہیں پیدا ہوتی ہے۔

مجدد اعظم امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچاس سے زیادہ علوم وفنون پر ایک ہزار سے زیادہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔[۱] آپ کی ایک عظیم یادگار جامعہ رضویہ منظر اسلام بھی ہے۔ منظر اسلام مجدد اعظم اعلیٰ حضرت کا قائم کردہ اہل سنت وجماعت کا ایک عظیم دینی وعلمی گلستاں ہے، جس کی خوشبو سے عالم سنیت معطر ہے۔ جس کی ناقابل فراموش خدمات غیر منقسم ہندوستان میں اہل سنت کی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ جس کے فیض یافتگان نے ہر محاذ پر اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ کفر وبدمذہبی کی آلودگی سے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کی اور دین وسنیت پر ہونے والے تمام حملوں کا دنداں شکن جواب دیا۔ منظر اسلام سے ایسے افراد پیدا ہوئے جو اعلیٰ حضرت کے سچے جانشین اور ان کے علوم کے وارث تھے، جن کی علمی اور عملی قیادت نہ صرف تسلیم کی گئی بلکہ ان پر زمانہ کو ناز ہے[۲]

منظر اسلام کے قیام کا پس منظر

امام المحدثین، عمدۃ المتکلّمین، زبدہ العلماء الراسخین، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضرت

علامہ مفتی نقی علی خان علیہ الرحمۃ والرضوان ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہ تھے۔ فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کے ساتھ درس و تدریس کی طرف بھی توجہ دیتے تھے۔ آپ کی تدریس کا شہرہ سن کر طلبہ دور دور سے علمی پیاس بجھانے شہر بریلی آتے تھے[۳] آپ کے عہد تک ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی باضابطہ دینی تعلیمی مرکز نہیں تھا۔ تشنگان علم دہلی، لکھنو، خیر آباد اور بدایوں جیسی گنی چنی درسگاہوں میں علمی تشنگی بجھانے حاضر ہوتے۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بعد انگریز کے غاصبانہ قبضہ اور تسلط کی وجہ سے تعلیمی اداروں کو شدید مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اکثر اسلامی تعلیمی مراکز بند کر دیے گئے، جس کے نتیجے میں ان درسگاہوں کی لو بھی مدھم ہوگئی اور طلبہ کو دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ان حالات میں فرزندان توحید کو علوم و فنون سے آراستہ کر کے اسلامیان ہند کی دینی ضروریات اور ان کے بنیادی عقائد و اعمال کو کفر و بدمذہبی کی آلودگی سے محفوظ کرنے کے لیے ۱۸۷۲ء میں ایک مدرسہ مولانا مفتی نقی علی خان علیہ الرحمہ نے شہر بریلی میں قائم کیا، جو بعد میں مصباح التہذیب کے نام سے مشہور ہوا[۴] مصباح التہذیب اور اس کے بانی مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ نے عالم اسلام کو جو یکتائے روزگار شخصیات عطا کیں ان میں میں مجدد اعظم امام احمد رضا کا نام گرامی سب سے نمایاں ہے۔ مصباح التہذیب کا یہ فیضان سرمایہ کی کمی کی وجہ سے زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہ سکا۔ مصباح التہذیب کے بند ہونے کے بعد دور دراز سے تشنگان علم اعلیٰ حضرت ہی کی بارگاہ میں آکر سیراب ہوتے۔[۵]۔

مصباح التہذیب کے بعد یہاں اہل سنت وجماعت کا باقاعدہ کوئی دارالعلوم نہیں تھا، جب کہ ملک کے مختلف شہروں میں بدمذہبوں کے بڑے بڑے ادارے قائم ہو چکے تھے۔ باطل فرقے اور انگریز نواز علما قرآن و حدیث کی تاویلات فاسدہ کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے بنیادی عقائد اور اجتماعی مفادات کے خلاف شازشوں کے جال بچھا رہے تھے[۶] اور تمام تر توانائیاں صرف کر کے اولیا و صالحین سے مسلمانوں کی وابستگی پر شرک و کفر کا فتویٰ شائع کر رہے تھے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنی تبحر علمی اور تجدیدی کارناموں سے ان فتنوں کی سرکوبی فرما رہے تھے۔ تاہم ایسے نازک حالات میں ضرورت تھی ایسی درس گاہ کی جہاں سے ایسے مدرسین، مبلغین، محدثین، مناظرین، ادبا، فضلا پیدا ہوں جو آفاق میں پھیل کر مسلمانوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت کے ساتھ دین و سنیت پر ہونے والے حملوں کا بھی دفاع کریں۔

اعلیٰ حضرت فرق باطلہ کی تردید، فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف میں اس قدر مصروف تھے کہ اس طرف توجہ نہیں فرما سکے [۷] اور نہ ہی آپ کی مصروفیات کے پیش نظر کسی کو عرض مدعا کی جرأت ہو سکی، حالاں کہ اعلیٰ حضرت کے مخلصین میں علوم و فنون ، فضل و کمال میں عظیم شخصیات موجود تھیں، لیکن یہ حضرات چاہتے تھے کہ ادارہ آپ کی رضا سے قائم کیا جائے تاکہ یہ آپ کی روحانی توجہات کا مرکز بن جائے۔

بالآخر اعلیٰ حضرت کے مزاج شناس بعض احباب اور خدام نے اس حوالے سے سید امیر صاحب کو جو اعلیٰ حضرت کے نہایت مخلص دوست اور سید زادے تھے، واسطہ بنایا۔ سید امیر صاحب نے اصرار کرتے ہوئے کہا: ”اگر آپ نے اصلاح عقائد اور لادینیت کے سدباب کے لیے مدرسہ قائم نہیں کیا تو میں قیامت کے دن آپ کے خلاف نالش کروں گا۔“ آل رسول کی زبان سے یہ بات سن کر اعلیٰ حضرت لرزہ براندام ہو گئے اور فرمایا: ”آپ کا حکم بسر و چشم منظور ہے مدرسہ قائم کیا جائے گا اور اس کے پہلے ماہ کے اخراجات میں

خود اداکروں گا، پھر بعد میں دوسرے لوگ اس کی ذمہ داری سنبھال لیں۔"[۸]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے آپ کے مقدس ہاتھوں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس کا تاریخی نام "منظر اسلام" رکھا گیا جو اعلیٰ حضرت کے برادر صغیر استاد زمن علامہ حسن رضا خان علیہ الرحمہ نے تجویز کیا۔[۹]

۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت کے دارالافتا کے جوار میں ان کی سرپرستی میں دارالعلوم منظر اسلام کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ اور بریلی میں رحیم خان کے مکان پر صرف دو طلبہ مولانا ظفر الدین اور مولانا عبد الرشید عظیم آبادی علیہما الرحمہ سے مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ اور سب سے پہلے مجدد اعظم نے بخاری شریف کا درس دے کر اس درس گاہ کی عظمت کو بلند و بالا کیا۔ اور چند سالوں تک علم و فضل کی دولت سے طالبان علوم نبویہ کو بہرہ ور فرماتے رہے، پھر فتوی نویسی اور دیگر مشاغل علمی کی وجہ درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ خود جاری نہ رکھ سکے، آپ کے بڑے صاحب زادے حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خان علیہ الرحمہ پر دارالعلوم کی ذمہ داریاں ڈال دیں۔ حجۃ الاسلام کی معاونت کے لیے جامعہ کے دفتر کا انتظام اور دیگر امور کی نگرانی استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سپرد کیا[۱۰]

منظر اسلام کا نصاب تعلیم:

کسی بھی درس گاہ میں اعلی اور معیاری تعلیم کے لیے اس کے مقاصد کا موزوں، مکمل اور بلند ہونے کے ساتھ نصاب تعلیم کا جامع ہونا بھی ضروری ہے۔ جس قدر نصاب جامع ہوگا اسی قدر تعلیم عمدہ ہوگی، چوں کہ منظر اسلام کا قیام کسی شہرت یا دنیاوی منفعت کے لیے نہیں تھا، بلکہ صرف اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت مقصود تھی، اس لیے اعلیٰ حضرت نے قرآن و حدیث کی رو سے تعلیم و تدریس کے اہم مقاصد کا تعین کر کے اکابر علما کی مشاورت سے منظر اسلام کا نصاب خود ترتیب دیا۔ اس نصاب کے مطابق صحاح ستہ سمیت تمام مشہور کتب حدیث، مسانید، معاجم اور شروح جامعہ میں پڑھائی جاتی تھیں۔ فقہ حنفی کے علاوہ دیگر ائمہ ثلاثہ کے مذاہب سے متعلق کتب بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ مجموعی طور پر تیس علوم جامعہ میں پڑھائے جاتے تھے[۱۱]

"نصاب میں ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ طلبہ کے اخلاق و کردار کو بھی مد نظر رکھا گیا تھا۔ مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "نصاب میں مذکورہ علوم کی تدریس کے علاوہ طالب علم کی فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت کا بھی خیال رکھا گیا تھا۔،،[۱۲]۔

مرکز علم و فن جامعہ رضویہ منظر اسلام:

جامعہ رضویہ منظر اسلام جس مقصد کے لیے قائم کیا گیا تھا مجدد اعظم کے فیضان نظر سے جامعہ نے اس مقصد کو بحسن و خوبی حاصل کیا۔ چنانچہ جب مولانا ظہور الحسن رامپوری، صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہم الرحمہ جیسے علم فقہ کے قابل ترین اساتذہ کرام نے اخلاص و لگن کے ساتھ طلبہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا تو درس و تدریس کا سلسلہ عروج کو پہنچ گیا۔ اور محض چند سالوں کے اندر جامعہ نے ایک ممتاز مقام اور کامیابی کے اس منزل کو حاصل کر لیا جس کی مثال برصغیر ہندوپاک میں نہیں ملتی تھی، جیسا کہ علامہ شاہ سلامت اللہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ نے جامعہ کا سالانہ امتحان لینے

کے بعد اپنے تأثر میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ مدرسہ کو حسن ترقی روز فزوں عطا فرمائے۔ ہمت عالی اور توجہ خاص منتظم دفتر مولانا حسن رضا خان صاحب دام مجد ہم سے امید کامل ہے کہ اس مدرسہ مبارکہ سے جس کی نظیر اقلیم ہند میں نہیں ہے ایسی برکات فائض ہوں جو تمام اطراف وجوانب کی ظلمات اور کدورت کو مٹائیں اور ترویج عقائد حقہ حنفیہ اور مذہب بیضا شریفہ حنفیہ کے لیے ایسی مشعلیں روشن ہوں جس سے عالم منور ہو۔"[۱۳]

جامعہ نے قلیل مدت میں جس سرعت اور کامیابی کے ساتھ درس وتدریس اور تربیت اخلاق وتہذیب کے منزل ارتقا کی طرف بڑھنا شروع کیا، اس نے ملک بھر کے علما وعوام کو خوشگوار حیرت مبتلا کردیا۔ جامعہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ہر چہار جانب سے تشنگان علم بارگاہ رضوی اور مرکز علم وفن میں حاضر ہونے لگے۔ اعلیٰ حضرت کے علمی رسوخ کا چرچا سن کر دارالعلوم دیوبند اور گنگوہ سے بھی طلبہ بریلی آئے۔ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"بعض طلبہ دار لعلوم دیوبند اور گنگوہ چھوڑ کر بریلی آئے، کیوں کہ اختلاف مسلک کے باوجود ان کے مدارس کی خلوتوں میں امام احمد رضا کی علمیت کے چرچے تھے۔"[۱۴]

جب ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری، شہزادہ اعلیٰ حضرت علامہ حامد رضا خان، برہان ملت علامہ برہان الدین جبل پوری، علامہ حسنین رضا خان، مفتی غلام جان ہزاروی، مولانا حامد علی فاروقی رائے پوری رحمہم اللہ علیہم جیسے آسمان علم وفضل کے ماہ ونجوم، جن کی تابانی سے جہان سنیت ضیابار ہے، منظر اسلام سے فارغ ہوئے تو اعلی حضرت کی تصنیفات، مضامین اور فکر ونظر کو عوام تک پہنچانے اور ان کی تشہیر کرنے کے لیے متدین معتمد اور جامع علوم وفنون افراد تیار ہوگئے۔ فرزندان منظر اسلام ملک کے طول وعرض میں پھیل کر وارث علوم نبوی کی حیثیت سے تشنگان علم وعرفان کو سیراب کرنے، ان کے افکار وعقائد کی اصلاح اور کردار کی تعمیر وتربیت کا فریضہ انجام دینے میں مصروف ہوگئے۔ اور دین ومذہب، علوم وفنون کی نشر واشاعت میں مثالی کردار ادا کیا۔[۱۵]

منظر اسلام اپنے دور قیام کی اہم ضرورت:

۱۸۵۷ء سے قبل غیر منقسم ہندوستان کے تمام بڑے شہروں میں علوم وفنون کے سیکڑوں کی تعداد میں مدارس قائم تھے۔ جنگ آزادی کے بعد انگریز کے غاصبانہ قبضہ اور تسلط کی وجہ سے اہالیان ہند کو بالعموم اور علمائے اسلام اور علوم اسلامیہ کے مراکز کو بالخصوص مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ جہاد آزادی میں علمائے کرام ومشائخ عظام نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے جاری کیے تھے، اس لیے انگریزوں کے مظالم کا اصل نشانہ مسلمان ہی تھے۔ اکثر علمائے کرام کو تختہ دار پر چڑھا کر شہید کردیا گیا اور کچھ کو عبور دریائے شور کی سزا ہوئی اور جو بچ گئے وہ دور دراز کے علاقوں میں گوشۂ عافیت ومعاش کی تلاش میں روپوش ہوگئے۔ برصغیر میں تقریباً ایک ہزار سالہ مسلمانوں کی حکومت اور اقتدار کا دور ختم ہوگیا۔ مسلمانوں کے املاک کے ساتھ مساجد ومدارس اور خانقاہوں کے اوقاف ضبط کرلیے گئے[۱۶] علمی ذخائر اور نوادرات علمیہ کو شدید نقصان پہنچایا گیا، دہلی سمیت علوم اسلامیہ کے مراکز کو تاخت وتاراج کیا گیا، ہزاروں کی تعداد میں مدارس اسلامیہ جبراً بند کردیے گئے۔[۱۷]

جہاد آزادی کا معرکہ ٹھنڈا ہوا تو مختلف شہروں میں تعلیمی ادارے قائم ہونے لگے۔ کچھ ادارے علوم اسلامیہ کے بنے تو کچھ جدید علوم کے۔ اس تعلیمی انحطاط کے دور میں جہاں ایک طرف مسلمانان ہند کی دینی وعلمی ضروریات پوری کرنے، ان کی کردار سازی اور ان کو ایک اچھا مسلمان اور معاشرہ کا بااعتماد فرد بنانے کی کوششیں ہونے لگیں وہیں دوسری طرف نام نہاد مسلمان انگریزی پالیسی سے متاثر ہو کر اسے رحمت تصور کرنے لگے۔[۱۸]۔ ایک طبقہ [علماے سو] نے مشکل حالات کا سامنا کرنے کی بجاے حالات سے صلح کرلی اور انگریزوں کی حمایت ونصرت کے لیے قرآن وحدیث میں تحریف تک کرڈالا۔ ان علما کی انگریزی حکومت کی حمایت سے متعلق شبیر احمد پسر ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں:

"بقاوقیام سلطنت موجودہ کے لیے جس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے وفادارانہ کوشش کرنا ہر امن پسند رعایا کا فرض عین ہے۔ [آیت] حکم الٰہی کا بھی یہی منشا ہے۔"[۱۹]۔

اسی دور میں کچھ ایسے مدارس اسلامیہ قائم ہوئے جن میں بظاہر قرآن وحدیث کی تعلیم جاری ہوئی مگر غرض انگریزوں کی خوشنودی تھی اور ان مدارس کے ذریعہ ایسے افراد پیدا کرنا تھا جو انگریزوں کی وفاداری کو استوار کرسکیں [۲۰] ان ہی میں دارالعلوم دیوبند کا نام سرفہرست ہے جس کو اگرچہ ایک صوفی عالم اہل سنت مولانا حاجی سید عابد حسین علیہ الرحمہ نے سہارنپور کے ایک قصبہ دیوبند میں ۱۲۸۳ھ میں "مدرسہ عربی،، کے نام سے قائم کیا تھا جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا[۲۱] مگر جب وہابی فکر سے متاثر علما سید صاحب کی سادگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دارالعلوم کے انتظامی امور میں دخیل ہوگئے اور دارالعلوم سے اہل سنت کے اجتماعی عقائد و امور کے خلاف سرگرمیاں شروع ہوگئیں اور للّٰہیت ختم ہوگئی تو سید صاحب نے نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر دارالعلوم سے علاحدگی اختیار کرلی۔[۲۲]

پھر جب علماے دیوبند کی جانب سے تنقیص شان الوہیت ورسالت پر مبنی لٹریچر کی اشاعت ہوئی۔ اور عقائد ومعمولات اہل سنت کے رد میں کفر وشرک کے فتوے دارالعلوم دیوبند سے شائع ہونے لگے تو علماے اہل سنت میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ان نازک حالات میں امام احمد رضا قدس سرہ اپنی مجتہدانہ عظمت، حکیمانہ فراست، محدثانہ شان وشوکت اور فقیہانہ جلالت کے ساتھ میدان عمل میں تشریف لائے اور تنہا ان فتنوں کا کھل کر رد کیا اور ایسا دنداں شکن جواب دیا کہ عرب وعجم میں اس کے اثرات محسوس ہوئے۔ مگر یہ ضرورت بھی محسوس فرمایا کہ تحریری خدمات کے ساتھ علمی فیضان کو عام کرنے کے لیے معاشرہ میں ایسے افراد پیدا کیے جائیں جو دینی فکر وآگہی سے آراستہ ہوکر ہر محاذ پر تحریر وتقریر کے ذریعہ معاشرہ میں پھیلی بدعقیدگی کا خاتمہ کریں اور دین وسنیت پر ہونے والے تمام یلغار کا علمی انداز میں دفاع کریں۔ اسی احساس اور تقاضاے وقت کی بنا پر امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے ایمان وعرفاں کے تحفظ اور محبت رسول ﷺ کی ترویج واشاعت کے لیے منظر اسلام کا قیام فرمایا جو کہ اپنے دور قیام کی اہم ضرورت تھا۔

منظر اسلام منارۂ رشد وہدایت:

جامعہ رضویہ منظر اسلام کا قیام امام احمد رضا کا ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جس سے برصغیر کے مسلمانوں میں دینی، علمی اور سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ علماے اہل سنت کو وسائل ابلاغ کی اہمیت وضرورت محسوس ہوئی۔ جامعہ کے قیام کے بعد متعدّد رسائل وجرائد

بریلی سے شائع ہونے لگے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں ماہنامہ "الرضا، یادگار رضا" اور ماہنامہ ردمرزائیت کا اجرا ہوا۔ اس کی تقلید میں دیگر شہروں سے بھی رسائل وجرائد کا اجرا شروع ہوا۔ ابنا و وابستگان منظر اسلام کی کاوشوں سے علماے اہل سنت وطلبہ میں مطالعہ کتب، رسائل وجرائد بینی، تصنیف وتالیف اور تحریر وتقریر کا ذوق پیدا ہوا۔[۲۳]۔

منظر اسلام کا قیام در حقیقت مجدد اعظم امام احمد رضا کی ایمانی تحریک اور احیاے سنت کا نقطہ آغاز تھا۔ مسند رشد وہدایت ہو یا چمن زار علم وحکمت، سیاست ومعیشت ہو یا میدان نگارشات وصحافت ہر محاذ پر سرپرستان، فرزندان اور وابستگان منظر اسلام نے اہل سنت کی نمائندگی کرتے ہوئے زرین کارنامے انجام دیے۔ مختلف خطوں اور علاقوں میں ایسی تعلیم گاہیں قائم کیں جہاں سے علم وعرفان کے ایسے شہنشاہ پیدا ہوئے جن کی حکمرانی پورے عالم میں تسلیم کی گئی۔[۲۴]

منظر اسلام کے چشمۂ علم وحکمت سے سیراب ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے مسلک حقہ کی تبلیغ اور علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ اہل سنت کے بے شمار علما ومشائخ جنھوں نے دین حق کی نشر واشاعت کا اہم ترین فریضہ انجام دیا ان میں بیشتر کے علم اور دینی خدمات کا منبع جامعہ رضویہ منظر اسلام ہے۔

آج ہندوستان کا ہر وہ ادارہ جو بحمدہٖ تعالیٰ خدمت دین ومسلک میں مصروف ہے وہ منظر اسلام کا مرہون منت ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ امام احمد رضا کے عظیم تلامذہ کے فیضان علمی سے فیضیاب ہے۔ حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان، مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفی رضا خان، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد خان، صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی اعظمی، ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری، غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی، مناظر اعظم مولانا حشمت علی خان، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، قائد ملت حضرت مولانا احسان علی محدث مظفر پوری، برہان ملت حضرت علامہ مفتی برہان الحق جبل پوری، صدر العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی، امین شریعت حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین کان پوری، حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز مبارک پوری، شمس العلماء قاضی شمس الدین جون پوری، محدث اعظم ہند علامہ سید محمد کچھوچھوی، مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا خان، مفسر قران علامہ عبد الغفور ہزاروی، مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمن اڑیسوی، ریحان ملت علامہ ریحان رضا خان، تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر مشاہر علماے اسلام جنھوں نے اطراف عالم میں علم کی شمع روشن کیا، اسی خرمن علم وحکمت کے خوشہ چیں ہیں جس کے بانی امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ ہیں۔

امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ مذہبیات کے علاوہ سیاسیات میں بڑی بصیرت رکھتے تھے اس لیے کہ وہ ایک عظیم مدبر بھی تھے۔ ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد خان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"آپ پایہ کے مدبر وسیاست داں تھے۔ ہنود کی سیاسی چالوں سے بخوبی باخبر تھے۔ سیاست ملیہ کے ہر اہم موڑ پر آپ نے مسلمانوں کو خبردار کیا۔ ہنود کے چھپے ارادوں اور ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج سے بھی انھیں آگاہ کیا"[۲۵]۔ آپ ہی کے افکار پر آپ کے تلامذہ، خلفا، اور فرزندان منظر اسلام اہل سنت کی سیاسی نمائندگی مشکل حالات میں کرتے رہے۔

سیاست کے میدان میں منظر اسلام کا اہم کارنامہ "تحریک جماعت رضاے مصطفے" کا قیام ہے۔ جس نے پر آشوب دور میں

نہ صرف مخالفین کے افتراؤں اور بہتانوں کی پردہ دری کی بلکہ ان کی مختلف تحریکوں کے حملوں کا تحریروتقریر کے ذریعہ دفاع بھی کیا۔

۱۳۳۹ھ میں جب فتنہ ”خلافت“ سر ابھار رہا تھا۔ مسٹر گاندھی نے ترکی حکومت کی حمایت کے نام پر نام نہاد مسلم قائدین کو ساتھ لے کر تحریک خلافت چلائی تھی۔ حالاں کہ اس کا مقصد در حقیقت ترکی حکومت کی حمایت نہیں بلکہ مسلمانوں کے ذہنوں کو ہموار کر کے سیاسی اقتدار سنبھالنا تھا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت نے اس تحریک کا تعاقب کیا اور اس کے پوشیدہ عزائم سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔ ایسے پرفتن وقت میں فرزندان اور وابستگان منظر اسلام نے ”تحریک رضائے مصطفےٰ“ کے پلیٹ فارم سے اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کو چھاپ کر عوام کے سامنے پیش کیا اور کانگریس و کانگریسی علما کے شازشوں کو ناکام کیا۔[۲۶]۔

فرزندان ووابستگان منظر اسلام نے نہ صرف قلمی محاذ پر مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے مخالفین کے حملوں کا دفاع کیا بلکہ میدان عمل میں اتر کر لاکھوں مسلمانوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت کی اور باطل کو شکست دے کر حق کا پرچم لہرایا۔

۱۳۴۱ھ میں ہندوستان میں ”شدھی تحریک“ کے نام سے فتنہ ارتداد زور وشور سے پھیل رہا تھا۔ بعض سرگرم ہندوؤں نے سادہ لوح مسلمانوں کو ہندو بنانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ مسلمانوں کو یہ دعوت دی جارہی تھی کہ تمھارے باپ دادا کا پرانا دھرم ہندو تھا وہ اسلام میں داخل ہو کر ناپاک ہو گئے ہیں اب پھر پرانے دھرم میں داخل ہو کر شدھ اور پاک ہو جاؤ۔ دینی تعلیم سے نابلد ہونے کی وجہ بہت سے علاقے میں یہ جادو چل گیا اور سادہ لوح مسلمان ارتداد کے شکار ہو گئے۔ اس ہلاکت خیز طوفان کے مقابلہ میں نہ کوئی تنظیم نظر آئی اور نہ کوئی مسلم قائد کو اس کی فکر ہوئی۔ ایسی نازک گھڑی میں فرزندان اور وابستگان منظر اسلام ہی تھے جنھوں نے شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم علامہ مصطفےٰ رضا خان کی سرپرستی میں مصائب وآلام برداشت کر کے بستی بستی قریہ قریہ جا کر فتنہ ارتداد کا انسداد کیا، لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، توبہ کرائی، اور لاکھوں مشرکین و مرتدین کو مسلمان کیا۔ اس مہم میں ”ابناء“، منظر اسلام کے علاوہ سیکڑوں کی تعداد میں علما ومشائخ اور طلبا نے حصہ لیا۔[۲۷]۔

یادگار اعلیٰ حضرت مرکز علم وفن منظر اسلام کبھی باطل کے آگے سپر انداز نہیں ہوا اور نہ ہی لادینیت کے ساتھ کبھی صلح کی، اس لیے کہ اس کے بانی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ اخلاص وللّٰہیت کے پیکر عظیم تھے۔ اسلام کے سچے شیدائی اور سرکار دوعالم ﷺ کے جانثار غلام تھے۔ انھوں نے سب کچھ اللہ کے حبیب ﷺ کے عشق ومحبت کا پیغام عام کرنے کے لیے نچھاور کر دیا تھا۔ ان کے بعد آنے والے ناظمین جامعہ بھی اسی شاہراہ عشق وایماں پر چلتے رہے۔ نامساعد حالات کا مقابلہ کر کے باطل قوتوں کی ریشہ دوانیوں اور حملوں کا جواب دیتے ہوئے اپنے نظامت کے فرائض بحس وخوبی انجام دیتے رہے۔ جامعہ کو اپنے خون جگر سے سینچ کر بام عروج تک پہنچایا اور اعلیٰ حضرت کے مشن کو فروغ دیا۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا علمی ودینی فیضان ان کے تلامذہ، خلفا، خلفا کی اولاد، ان کی کتب ورسائل اور فرزندان جامعہ رضویہ منظر اسلام کے ذریعہ اطراف عالم میں پھیلا۔ الحمد للہ آج بھی جامعہ اپنے بانی کے فیضان علم کو عام کر رہا ہے۔ ہر سال علما، حفاظ اور قراء فارغ ہو کر دینی خدمات میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے بنام منظر اسلام علم وحکمت کا جو چراغ جلایا تھا اس کی روشنی سے عالم سنیت جگمگا اٹھا اور ان شاء اللہ اکناف عالم میں صبح قیامت تک پھیلتی رہے گی۔

دارالعلوم منظر اسلام محض کسی عمارت اور ادارہ کا نام نہیں ہے بلکہ مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی وہ ایمانی تحریک کا نام ہے جس نے کروڑوں دلوں کو نور ایمان سے منور کیا، جس نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں روشن کی۔ جس نے بے دینی اور بدمذہبوں کی طاغوتی شورشوں کا رخ موڑ دیا۔ جس نے ایسے ایسے جاں باز مجاہدین اسلام تیار کیے جنھوں نے وہابیت کی تیز و تند آندھیوں کا مقابلہ کر کے عظمت پرچم رسالت کو کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

دارالعلوم منظر اسلام دین وسنیت کی وہ تحریک ہے جو خلفاے راشدین صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ کرام اور اولیاے امت کے عقائد ونظریات کا امین ہے۔ آج برصغیر ہند وپاک میں محفل میلاد کی بہار اور نعرۂ رسالت کی گونج منظر اسلام کے دم قدم سے قائم ہے۔ سید وجاہت رسول قادری بانی منظر اسلام امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

"اے امام احمد رضا تمہیں سلام کہ تم نے منظر اسلام کی راہ دکھا کر مسلمانوں پر بڑا احسان کیا۔ تم پر اللہ رحمت و رحم فرمائے اور اس کے رسول رؤف رحیم کی جانب سے ابدالآباد تک رحمت و رضوان کی بارش ہوتی رہے۔ تم نے جس طرح ہمارے دلوں میں چراغ عشق مصطفی ﷺ کی لو مدھم نہ ہونے دیا بلکہ تیز سے تیز کر دیا اسی طرح اللہ تمھاری مرقد انور کو داغ عشق شہ سے منور سے منور تر رکھے"۔

منظر اسلام اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی عظیم یادگار ہے۔ مرشدی حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان علیہ الرحمہ والرضوان کا منظر اسلام پر اپنا تاثر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یادگار اعلیٰ حضرت منظر اسلام ہے	منبع نور رسالت منظر اسلام ہے
درسگاہ علم سنت منظر اسلام ہے	قبلہ گاہ دین وملت منظر اسلام ہے
منظر اصلاح خلقت منظر اسلام ہے	یادگار اعلیٰ حضرت منظر اسلام ہے

حوالے:

[۱] حیات اعلیٰ حضرت۔ پروفیسر مسعود احمد خان
[۲] ایضا
[۳] حیات مولانا احمد رضا خان مصنفہ پروفیسر مسعود احمد خان۔ ص:۱۱۸۔
[۴] حیات اعلیٰ حضرت مصنفہ مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ ص ۲۱۱، قادری بکڈپو
[۵] حیات اعلی حضرت
[۶] حیات جاوید مصنفہ الطاف حسین حالی۔ تفصیل۔ مقالات شبلی، تذکرۃ الرشید، حیات طیبہ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی ص:۲۹۶

[۷]تذکرۃ الجمیل ص:۱۷۶

[۸]حیات اعلیٰ حضرت، تذکرۃ الجمیل ص:۱۷۷

[۹]ایضا

[۱۰]حیات اعلیٰ حضرت، روداد منظر اسلام ۱۳۲۳ص:۵۱۔ بحوالہ ماہ نامہ اعلی حضرت منظر اسلام نمبر قسط دوم ۵۶۔ ومعارف رضا کراچی

[۱۱]حیات اعلیٰ حضرت ص:۱۱۹۔ روداد منظر اسلام ۱۳۲۳ص ۵۱۔ بحوالہ ماہ نامہ اعلی حضرت منظر اسلام نمبر قسط دوم ۵۶]۔

[۱۲]حیات اعلیٰ حضرت

[۱۳]روداد منظر اسلا۱۳۲۳ھ ص ۵۱۔ بحوالہ معارف رضا کراچی

[۱۴]حیات مولانا احمد رضا خان ص ۱۱۸۔ پروفیسر مسعود احمد خان قادری

[۱۵][السواد اعظم۔ پروفیسر مسعود احمد خان۔ آزادی ہند

[۱۶]الثورۃ الہندیہ

[۱۷]واقعات دارالحکومت دہلی

[۱۸][حیات جاوید۔ مصنفہ الطاف حسین حالی ص:۱۲۹۔ واقعات دارالحکومت دہلی

[۱۹]واقعات دار لحکومت دہلی ج اول ص:۷۰۳

[۲۰]سید وجاہت رسول قادری۔ معارف رضا کراچی

[۲۱]تذکرۃ العابدین۔ مولوی نذیر احمد دیوبندی ص:۳۷۔ جہان رضا لاہور ۹۸

[۲۲]ماہنامہ البلاغ کراچی۔ سید انظر شاہ استاد دارالعلوم دیوبند۔ بحوالہ معارف رضا

[۲۳]ماخوذ از جماعت رضائے مصطفے ص:۹۹

[۲۴]سواد اعظم۔ پروفیسر مسعود احمد خان۔ آزادی ہند

[۲۵]حیات مولانا احمد رضا خان

[۲۶]تاریخ جماعت رضائے مصطفے۔ ص:۳۱۸

[۲۷]حیات اعلیٰ حضرت۔ تذکرہ علمائے اہل سنت

*****

امام احمد رضا بریلوی اور رد تحریک ندوہ

مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی: سب ایڈیٹر سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنی پوری زندگی حق کے اثبات اور باطل کی تردید میں بسر فرمادی۔ بہت سارے باطل فرقے اور فتنے آپ کے زمانے میں ظاہر ہوئے اور انھوں نے بدعقیدگی وگمرہی پھیلانے کی حتی المقدور کوشش بھی کی، مگر آپ نے اپنی گراں قدر تصانیف اور خداداد صلاحیتوں اور طاقتوں کے ذریعہ ان کا کامل دفاع فرمایا اور ایسا رد بلیغ فرمایا کہ آپ کے زمانے میں پھر ان فتنوں کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ جن فتنوں اور فرقوں کی آپ نے تردید فرمائی اور ان کی اصلاح کی کوشش کی، ان میں تحریک ندوہ ایک بڑے نام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تحریک کی اصلاح اور اس کے ردّ و ابطال میں آپ نے ایسی غیر معمولی اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جن کا دائرہ بہت وسیع بھی ہے اور بہت متنوع بھی۔ وہ خدمات تحریری بھی ہیں اور تقریری بھی، دعوتی بھی ہیں اور اصلاحی بھی۔ ان تمام خدمات کا مجموعہ تاریخ اسلام کا ایک ایسا انوکھا اور روشن باب ہے جو اہل خرد کے لیے بار بار پڑھے جانے اور لکھے جانے کے قابل ہے۔

تحریک ندوہ کی اصلاح اور اس کے ردّ و ابطال کے حوالے سے آپ کی خدمات اور کارناموں کو پیش کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ اس کا پس منظر، اسباب قیام اور کچھ تعارفی خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ مقالے میں ربط پیدا کیا جا سکے اور اسے پڑھنے والوں کے لیے سمجھنے میں آسانی ہو۔ نیچے تحریک ندوہ کی حقیقت اور اس کی کچھ تفصیل پیش خدمت ہے:

تحریک ندوہ کا تعارف:

تحریک ندوہ ایک ایسی تحریک ہے جس کے قیام کے وقت کے حالات کچھ اور تھے اور آج کچھ اور ہیں، قیام کے وقت اس کے کارکنان اور محرکین کچھ اور لوگ تھے اور آج کچھ اور لوگ ہیں، اپنے بنیادی مقاصد اور اہداف کے لحاظ سے اس کے دونوں [بنیادی اور موجودہ] ادوار ایک دوسرے کے یکسر خلاف ہیں۔ یعنی جن مقاصد کے تحت اس کا قیام عمل میں آیا تھا آج ان کا نام و نشان تک موجود نہیں ہے، بلکہ قیام کے کچھ ہی دنوں بعد ان کے مقاصد کے ساتھ متعصبانہ اور منافقانہ کھیل کھیلا گیا۔ علمائے اہل سنت تو اس تحریک کے ذریعے مسلمانان ہند کو جو مختلف گروہوں میں بٹ چکے تھے ایک پلیٹ فارم پر لاکر اعلائے دین حق اور مسلک مستقیم کی ترویج واشاعت کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کی زبوں حالی اور انحطاط کو دور کرنا بھی اس کے مقاصد میں داخل تھا، مگر بے دینی اور گم رہی

پیدا کرنے والے عناصر کے ذہن ودماغ میں منافقت تھی، انھوں نے شیطانی راستے کو اپنا کر اس تحریک کو ناکام بنانے اور اپنے قبضے میں لانے کے لیے اختلاف وانتشار کے مختلف اسباب پیدا کیے۔ جس تحریک کا قیام مسلمانوں کی کشیدگیوں کو دور کرنے اور ان کے مابین اتحاد واتفاق کی فضا قائم کرنے کے لیے عمل میں آیا تھا وہ جلد ہی اختلاف وانتشار اور ضلالت وگم رہی کا اڈّہ اور پلیٹ فام بن چکا تھا۔ [ملخصا: حیات اعلی حضرت از: علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ، ج:۲، ص:۳۶۸ تا ۳۷۱]

تحریک ندوہ کے قیام کے اسباب وعوامل:

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی انگریز ہندوستان کے اکثر خطوں پر قابض ہو گئے تھے اور انھوں نے مسلمانانِ ہند پر مختلف طریقوں سے ظلم وستم ڈھانا شروع کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر علمائے اہل سنت خصوصاً قائدِ جنگ آزادی بطلِ حریت حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی اور حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی رحمۃ اللہ علیہما نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا۔ اس فتوی کا اثر یہ ہوا کہ اکثر جگہوں سے لوگوں نے ان کے خلاف معرکہ آرائی شروع کی مگر بنام مسلم کچھ فرقوں کی منافقت اور گندی پالیسی کی وجہ سے مسلمانوں کو اس میں مکمل کامیابی نہ مل سکی۔ اس پہلی جنگِ عظیم کے بعد مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی دشمنی اور بڑھ گئی، انھوں نے اب نئے سرِے سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچنا شروع کیا، ان کی ترقی کے ذرائع بند کر دیے، تعلیمی اداروں اور سرکاری دفتروں میں فارسی زبان چلتی تھی، اس کی جگہ انگریزی زبان رائج کر دی۔

فرنگی حکمرانوں کو ہندوؤں سے کوئی مسئلہ نہ تھا، انھوں نے ہندوؤں کو ترقی کے خوب مواقع فراہم کیے اور ہر طرح سے تعاون کا ہاتھ بھی بڑھایا اور ادھر مسلمانوں کی تعلیمی، سیاسی، معاشی اور اقتصادی ہر طرح کی ترقیوں کے دروازوں پر پہرے لگا دیے، نتیجے میں ہندوستان کی ہندو آبادی مسلمانوں سے ہر میدان میں آگے بڑھ گئی اور مسلمان جن کو حکمراں اپنا حریف اور دشمن سمجھتے تھے خصوصی طور پر تعلیمی ومعاشی اور عمومی طور پر ہر میدان میں بہت پیچھے رہ گئے۔

ان سب کے علاوہ علمائے اہل سنت کی خاص نگرانی کی گئی، جن علمائے اہل سنت اور مجاہدینِ آزادی نے جہاد کا فتوی دیا تھا ایک ایک کر کے سب کی تلاشی لی گئی اور انھیں قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار کیا گیا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی رحمۃ اللہ علیہما جو جنگ آزادی کے روح رواں اور قائد تھے، ان کو جزیرہ انڈمان میں کالا پانی کی سزا دے دی گئی، اسلامی شعائر اور اکابرین اہل سنت کے خلاف مہم چلایا، مسلمانوں کے دلوں سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کم کرنے اور ختم کرنے کے لیے نت نئے حربے استعمال کیے۔ سب سے بڑا خطرناک اور قابل مذمت ہتھکنڈہ جو اس وقت استعمال کیا گیا وہ شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی اور توہین کا تھا، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان برصغیر ہند وپاک میں شدید افتراق اور انتشار کے شکار ہو گئے اور جہاد آزادی کے بعد تقریباً نصف صدی کا زمانہ گزر گیا پھر بھی ان کے مابین مرکزیت پیدا نہ ہو سکی۔

چند حسّاس اور فعّال علما کو اس صورت حال کا شدید احساس تھا۔ جن میں شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا احمد حسن کان پوری اور مولانا محمد علی مونگیری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی فلاح

وبہبودی اور ان کی ترقی کے لیے دو چیزوں کی جانب کامل توجہ دینی ہوگی۔ایک یہ کہ ان کے درمیان تعلیم کو عام کیا جائے۔دوسری یہ کہ ان کے درمیان اتحاد واتفاق کی فضا قائم کی جائے،جب تک ان کے درمیان تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا اور محبت ویگانگت پیدا نہیں ہوگی،اس وقت تک وہ اپنا کھویا ہوا وقار اور عظمت رفتہ حاصل نہیں کرسکتے۔

سرسید احمد خان مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو عام کرنے میں تو لگے ہوئے تھے اور اس سلسلے میں وہ ایک بڑا اور اہم کردار بھی ادا کر رہے تھے،مگر اس کی فکر ایسی نہ تھی کہ تمام مسلمان اس سے اتفاق کرسکیں۔انھوں نے بین المسلمین انگریزی تعلیم کے فروغ کے درمیان دینی امور میں دخل دینا بھی شروع کر دیا تھا،اگر وہ دینی امور میں دخل نہ دیتے اور جدیدیت کی رو میں سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح نہ بہتے،صرف دنیوی تعلیم کی نشر واشاعت میں لگے رہتے تو شاید مسلمانانِ ہند ان کا ساتھ دیتے مگر انھوں نے دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی امور میں دخل دینا بھی شروع کر دیا تھا اور دین میں جدت پیدا کرنے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی، اس لیے مسلمان اس سے علاحدہ ہوگئے اور اس کا ساتھ نہ دیا۔[تذکرہ محدث سورتی،ص:۸۵،۸۴،مطبوعہ رضا اکیڈمی]

تحریک ندوہ کا قیام کہاں اور کب عمل میں آیا:

مسلمانانِ ہند کے مذکورہ احوال کی درستگی اور ان کی فلاح وبہبودی کے لیے جس طرح دنیوی تعلیم کو ان کے درمیان عام کرنا ضروری تھا اسی طرح دینی اور مذہبی تعلیم کو نئے خطوط پر استوار کرنے کی سخت ضرورت درپیش تھی،ایسے میں مدارس اسلامیہ کے نصاب کا معاملہ سامنے تھا۔اس لیے مذکورہ حضرات نے]جن کے دلوں میں دین کے فروغ وارتقا کی محبت رچی بسی ہوئی تھی [مدارس کے نصابِ تعلیم کی اصلاح کے لیے کوششیں شروع کیں،اس کے لیے انھوں نے ایک مذہبی تنظیم کے قیام کا منصوبہ بنایا اور اس منصوبے پر رائے مشورہ کے لیے دارالعلوم فیض عام کان پور کا انتخاب کیا۔

دارالعلوم فیض عام کان پور استاذالاساتذہ حضرت مولانا مفتی محمد عنایت رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ ادارہ تھا،جسے انھوں نے ۱۲۷۷ھ میں شہر کان پور میں بسایا تھا۔ابتداءً دو برس تک خود ہی درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے،اس کے بعد اپنے قابل فخر شاگرد رشید حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی جگہ تفویض کرکے حج کے لیے روانہ ہوگئے۔حضرت مولانا لطف اللہ نے وہاں سات سالوں تک خدمات انجام دیں پھر وہ بھی اپنے مولد ومسکن روانہ ہوگئے۔آپ کے بعد مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا احمد حسن کان پوری بحیثیت مدرس مقرر ہوئے اور درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء کا زمانہ تھا۔فارغ ہونے والے طلبہ کی دستار بندی کا جلسہ تھا۔اپنے وقت کی عظیم اور بین الاقوامی شخصیتیں جلسے میں تشریف فرما تھیں۔سارے علمانے ایک مجلس مشاورت قائم کی۔باہمی رائے اور مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ علما کی ایک مجلس قائم کی جائے،اسے کسی نام سے معنون کیا جائے اور آئندہ سال سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر ہندوستان کے تمام مشاہیر علما کی شرکت کی کوشش کی جائے۔چنانچہ جلسے میں موجود تمام علمانے اس مجلس کی داغ بیل ڈالی اور اس کا نام انھوں نے ”مجلس ندوۃ العلما“ رکھا۔اس کے بعد مجلس ہی میں اس کا ایک خاکہ بھی تیار کیا گیا اور سب نے مل کر مولانا محمد علی مونگیری کو اس کی نظامت کی ذمہ

داری تفویض کردی۔اس جلسے میں تاج الفحول محب رسول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی، مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی، مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا محمد عادل کان پوری، مولانا حکیم مومن سجاد کان پوری اور مولانا محمد علی مونگیری شامل تھے۔[حیات اعلی حضرت از: علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ، ص:۳۶۸]

مجلس ندوۃ العلما کے اغراض ومقاصد:

اس تحریک کے قیام کے مقاصد ضمناً کچھ تو اس کے اسباب میں گزر گئے، یہاں باقی مقاصد پیش کیے جا رہے ہیں:

[۱]مسلمانان ہند مذہبی اختلافات کی وجہ سے آپس میں الگ الگ ٹولیوں میں بٹ چکے تھے اور بہت سارے باشندگانِ ہند کے دلوں میں بدعقیدگی در آئی تھی ان کے عقائد کی اصلاح کرنا اور صحیح وسچی تعلیمات پر ان کو یکجا کر دینا۔

[۲]انگریزوں کی اسلام دشمن طاقتوں کی جواب دہی کے لیے ان کے بکھرے ہوئے شیرازہ اور جمعیت کو بحال کرنا، اور انھیں مضبوط ومستحکم کرنا۔

[۳]ان میں دینی تعلیم کو عام کرنا۔

[۴]ان کی سیاسی، معاشی اور اقتصادی احوال کو درست کرنا۔

[۵]انگریزوں کے فریب اور چال بازیوں کی وجہ سے مولوی اسماعیل دہلوی اور اس کے ماننے والے شان رسالت میں گستاخی اور توہین کو توحید کا نام دے رہے تھے، ایسے بگڑے اور بہکے ہوئے لوگوں کے عقائد وایمان کی اصلاح کرنا اور ان کو عقائدِ حقہ سے واقف اور آگاہ کرنا وغیرہ۔[ملخصاً ومفہوماً: تذکرہ محدث سورتی ص:۸۵،۸۴]

اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر علمائے اہل سنت کے اس تحریک سے علاحدہ ہونے کے اسباب وعوامل:

تحریک ندوہ کا قیام بظاہر تو بڑا اچھا اور خوش آئند لگ رہا تھا، مگر اندر ہی اندر یہ مختلف مذہبی اختلافات کا مسکن بن چکا تھا جس کی وجہ سے علمائے اہل سنت یکے بعد دیگرے اس سے علاحدہ ہوتے رہے۔جن اسباب وعوامل کی بنیاد پر علمائے اہل سنت نے کنارہ کشی کی ان میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اس میں شرکت کی دعوت عام تھی۔ہر مکتب فکر کے لوگوں کو شرکت کا حق حاصل تھا۔اس کے اجلاس میں غیر مقلدوں، رافضیوں اور نیچریوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور اتحاد بین المسلمین کا نعرہ لگا کر عوام اہل سنت کو خوب دھوکہ دینے کی کوشش کی۔انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی اور تمام اصحاب بدعت کی کھل کر تعریف کی، بلکہ مذہب اہل سنت اور ائمہ اہل سنت کی شدید توہین بھی کی اور اس مقدس مذہبِ حق اہل سنت وجماعت کی حقانیت پر طعن کرتے ہوئے کہا کہ مذہب اہل سنت کی حقانیت کچھ یقینی نہیں بلکہ رافضی، خارجی اور ناصبی وغیرہ سب حق پر ہیں۔سب ہدایت پر ہیں۔اللہ تعالی سب سے راضی ہے۔سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔سنیوں، رافضیوں کے اختلافی عقائد میں اہل سنت کا کوئی عقیدہ قطعی الثبوت نہیں۔ابو بکر صدیق وعمر فاروق [رضی اللہ تعالی عنہما] کا امام برحق ہونا یا جنتی ہونا در کنار، سرے سے ان کے مسلمان ہونے کا ہی ثبوت قطعی نہیں، نہ دیدار الٰہی قطعی

الثبوت ہے۔ نہ القدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالی قطعی الثبوت۔ ان سب کے علاوہ ان گروہوں کے سربراہان نے تحریک ندوہ کے پلیٹ فارم کو اپنے عقائد کے پرچار کے لیے استعمال کرنا شروع کیا اور اتحاد بین المسلمین کی بجائے تفرقہ امت کو ہوا دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔

اس تحریک کے قیام کے بعد ہندوستان کے مختلف خطوں میں اس کے متعدّد اجلاس منعقد کیے گئے تھے، [جن کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے] حیات اعلیٰ حضرت کے مؤلف حضرت علامہ ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جلسوں کی روداد اور احوال کے مطابق علماے اہل سنت کی علاحدگی کے اسباب ذکر کیے ہیں۔ یہاں بطور تفہیم ان میں سے کچھ خاص اسباب پیش کیے جارہے ہیں:

رودادِاول ص:۶۸/ میں ہے: [میر محمد شاہ رام پوری کی تقریر]

شافعی، حنفی، غیر مقلد بھی تم ہوگئے تو خدا کے نزدیک تو کچھ رتبہ نہ بڑھ گیا۔ اس کے نزدیک اس کی قدر ہے جس کے دل میں ایک ذرہ محبت کا ہے چاہے شافعی ہو، چاہے حنفی، چاہے غیر مقلد۔

القول الفاضل ص:۶، علماے ندوہ کی حقیقت کے وجوہات ص:۳۰/ میں ہے:

ابن ماجہ کے ص:۲۹۶/ میں ہے:

حضور ﷺ نے بقسم فرمایا: میری امت تہتر فرقے ہوجائے گی، ایک جنتی ہوگا باقی جہنمی۔ لوگوں نے عرض کیا: حضرت! جنتی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: جماعت۔ یعنی جدھر مجمع زیادہ ہو۔ جو ان حدیثوں پر غور کرے گا، ہرگز ندوہ کی مخالفت نہ کرے گا۔

اسی کے ص:۵/ میں ہے:

قرآن کے ساتھ تمسک کی یہی صورت ہوگی کہ ندوہ کے ساتھ اتفاق کریں ورنہ جہنم ہی ٹھکانہ ہے۔

رودادِاول ص:۶۲/ میں ہے: [تقریر مولوی عبدالحق دہلوی حقانی]

یہ مجلس کافہ اسلام کے علما کی ہے۔ سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد سب مل کر سرانجام کریں۔

اسی کے ص:۶۱/ اور ۶۲/ میں ہے: [تقریر حقانی]

ہندوستان میں تین قسم کے مسلمان ہیں۔ سنی، شیعہ۔ پھر سنیوں میں مقلد، غیر مقلد۔ افسوس ہے کہ سب کا ایک قرآن، ایک کعبہ، ایک نبی۔۔۔ پھر صاحبو! یہ جھگڑا اور تو تو میں میں کیسی؟ ذرا ذرا باتوں کو پہاڑ بنا کر کہاں تک نوبت پہنچائی گئی ہے۔

مضامین اربعہ روداد میں ہے: [رسالہ اتفاق مولوی ابراہیم آروی]

اگر کسی کافر کو مسلمان کرتے ہیں تو اس سے فقط کلمہ شہادت پڑھواتے ہیں۔ جہاں اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا سب نے اسے مسلمان جان لیا۔

اسی میں ہے:

مسلمانوں کا کوئی فرد ایسا ہے جو کلمہ شہادت کا اقرار نہیں کرتا پھر اس کی ہتک حرمت کیوں کر حلال ہوسکتی ہے؟

اسی میں ہے:

جب تم نے باوجود اس نسبت کے کہ وہ بلا اکراہ اللہ کو ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول کہتا ہے، اس کی اہانت کی۔ تو اب جس قدر اہانت کی جاتی ہے وہ اہانت اللہ کے نام اور رسول اللہ کی اہانت ہے۔

اسی میں ہے:

ندوہ یہ چاہتا ہے کہ ہر فرقہ کے مسلمان اپنے اپنے مذہب پر دیانتاً قائم رہنے کے ساتھ ساتھ ملے جلے رہیں۔ ان میں مذہب ایک نہیں چاہے سو ہوں۔

حصہ مضامینِ نظم ونثر میں ہے:

اسلام ایک سچا مذہب ہے اور اس کے اصول سب فرقوں میں یکساں مرتبہ رکھتے ہیں۔

اسی میں ہے:

یہاں تو ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق پر اپنی تمام ہمت کو صرف کرنا زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتے ہیں۔ اسلام میں یہ بلا سب بلاؤں سے زیادہ سخت ہے۔

روداد دوم ص:۹/ میں ہے: [تقریر ناظم تحریک ندوہ مولانا محمد علی مونگیری]

غیر مقلد کا اختلاف ایسا ہے کہ جیسا حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ کا۔

اسی روداد کے ص:۱۰/ میں ہے:

حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ کے عقائد میں بھی اس حد کا اختلاف ہے کہ ایک کے عقیدے کے مطابق دوسرے پر کفر کا الزام عائد ہوتا ہے۔ ان کے عقائد کی رو سے ان کی باہمی اسلامی شرکت بھی نہیں۔ اس لیے کہ ایک شئ حنفیہ کے یہاں فرض یا واجب اور شافعیہ کے یہاں حرام یا مکروہ۔ اور فرض کو ممنوع یا حلال کو حرام جاننے والا کافر ہوتا ہے۔

مضامین نظم ونثر میں ہے:

[الف] ص:۲۴/ میں ہے:

غیر مقلدین اتقاے اہل سنت ہیں۔

[ب] ص:۲۳/ میں ہے:

ان کے اختلافات سراسر مفید ہیں۔

[ج] ص:۳۲/ میں ہے:

مذہب اسلام کے معین و مددگار ہیں۔ ان سے بناے اسلام قائم ہے۔

یہ وہ اسباب وعوامل تھے جن کی وجہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر علماے اہل سنت نے اس تحریک سے علاحدگی اختیار کی اور اس کے اراکین کی بدنیتی سے لوگوں کو بچانے کی کوشش میں اپنی پوری زندگی صرف فرمادی۔ [حیات اعلی حضرت، ج:۲، ص:۳۷۰ تا ۳۷۴]

تحریک ندوہ کے متعدّد اجلاس اور ان کی تردید میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ کی تحریری وتقریری اور اصلاحی خدمات

تحریری جدوجہد اور خدمات:

اس سے پہلے بیان ہوچکا کہ تحریک ندوہ کا قیام ۱۳۱۰ھ میں عمل میں آچکا تھا۔ اس وقت سے لے کر ۱۳۲۱ھ تک کا زمانہ اس کا اصل زمانہ مانا جاتا ہے۔ یہی اس کے عروج اور زوال کا زمانہ ہے۔ اسی میں ساری خرافات اور بدعقیدگیاں ظاہر ہوئیں۔ اور اسی میں اعلی حضرت امام احمد رضا اور علماے اہل سنت نے ان کا بھرپور تعاقب کیا۔ اصلاح کی انتھک کوششیں کیں۔ پھر جب سدھار کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو عوام الناس کو ان کے مکروفریب سے آگاہ کیا اور کھل کر تردید کی۔ اہل ندوہ کی جانب سے اس پورے عرصے میں یوں تو متعدّد جلسے منعقد کیے گئے، مگر ۶/اجلاس ان میں بڑے اور اہم مانے جاتے ہیں: پہلا جلسہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ھ کو مدرسہ فیض عام کان پور میں ہوا۔ دوسرا جلسہ ۱۸۹۵ھ کو اپریل کے مہینے میں قیصرباغ لکھنو میں۔ تیسرا جلسہ بریلی شریف میں۔ چوتھا جلسہ میرٹھ میں۔ پانچواں جلسہ شاہ جہاں پور متّصل بریلی شریف میں جب کہ چھٹا جلسہ ۱۳۲۱ھ کو مدراس میں منعقد کیا گیا۔

اب ذیل میں مذکورہ تمام اجلاس میں ہونے والے خرافات وواقعات، اور ان کی تردید میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ کی تحریری وتقریری اور اصلاحی خدمات کا ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

پہلا جلسہ:

۱۵، ۱۶، ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء کو مدرسہ فیض عام کان پور میں اس کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں ہندوستان میں موجود اکثر مکاتب فکر کے سربراہان نے شرکت کی۔ علماے احناف کے علاوہ غیر مقلدین میں سے مولوی ابراہیم آروی اور مولوی محمد حسین بٹالوی، اور شیعہ مجتہدین میں سے مولوی غلام حسین کنتوری بھی موجود تھے۔ اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ نے مدارس اسلامیہ کے نصاب اور اس کی اصلاح کے حوالے سے ایک بہت ہی وقیع اور بے مثال مقالہ تحریر فرمایا تھا، یہ گراں قدر اور لاجواب مقالہ آپ نے سامعین کے سامنے پیش کیا۔ مقالہ اتنا عمدہ اور موزوں تھا کہ سارے شرکا سننے کے بعد محوِ حیرت ہوگئے اور دادوتحسین سے نوازنے پر مجبور ہوگئے۔

تحریک کے اصل محرکین اور روحِ رواں چوں کہ ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری، مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا احمد حسن کان پوری تھے جو ایک زمانے سے وہابیت اور عدم تقلید کی تردید میں سرگرمِ عمل رہ چکے تھے، اس لیے وہابیوں اور غیر مقلدوں کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ تحریک ان کے ہاتھ میں ہے، اگر ابھی سے ہم نے کچھ نہ کیا تو یہ تحریک خالص علماے اہل سنت کی ہوجائے گی اور آگے ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ ہمیں اپنے عقائد کے پرچار کے لیے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لیے ابھی ہی سے اسے ناکام بنانے کی کوشش کی جائے اور اختلافات کی بیج بوکر انھیں الجھادیا جائے۔ چناں چہ اسی پہلے جلسے ہی سے انھوں نے اپنی شیطانی شروع کردی۔ جلسے کی روداد کے مطابق مولانا شبلی نعمانی، مولوی غلام حسین کنتوری اور مولوی ابراہیم آروی نے جلسے میں

تقریریں کیں اور اراکین ندوہ میں شامل بھی کیے گئے۔اس کے علاوہ مولوی ابراہیم آروی جو غیر مقلد تھے اور عدم تقلید کے پرچار میں سرفہرست رہ چکے تھے انھوں نے اپنا رسالہ "اتفاق" اور ایک اور غیر مقلد مولوی احسن بہاری نے اپنا رسالہ "تحفہ محمدیہ" جو کان پور سے شائع ہوتا تھا تحریک ندوہ کی کارروائیوں اور عدم تقلید کی تشہیر کے لیے وقف کر دیا۔

ان دونوں رسالوں میں تقلید اور مقلدین کا مذاق اڑایا گیا اور ائمہ اربعہ کے باہمی فقہی اختلافات کے تعلق سے یہ رقم کیا گیا کہ ان میں خود ایک دوسرے پر تکفیر واجب آتی ہے۔ مولوی غلام حسین کنتوری جو شیعہ کے معتمد عالم تھے انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے تعلق سے تقریر کی اور کہا کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات ظاہری کے بعد خلافت کے حق دار حضرت علی تھے اور اس پر انھوں نے ایسے دلائل پیش کیے جن سے حضرات شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی شان رفیع میں توہین ہو رہی تھی۔[تذکرۂ محدث سورتی، ص:۸۸،۸۷بحوالہ سیوف العنوۃ علی ذمائم الندوہ، ص:۴]

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ردّعمل:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ بھی تشریف فرما تھے اور آپ سارا ماجرا ملاحظہ کر رہے تھے، مگر چوں کہ پہلے ہی سے یہ طے تھا کہ جلسے میں اگر کوئی خلافِ اصول کام کرے تو بروقت کسی طرح کی رد وقدح نہیں کی جائے گی، اس لیے آپ نے فوری تقریری دفاع نہیں کیا، بلکہ اصلاح کے تدریجی اصول اور حکمت پر عمل فرمایا۔

تقریر سن کر آپ نے فوراً حضرت مولانا وصی احمد محدثِ سورتی کو اشارے سے قریب بلایا اور فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے؟ اسی وقت دونوں حضرات اٹھے اور حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ یہ جلسے میں کیا ہو رہا ہے؟ مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے جواباً کہا کہ بات تو صحیح ہے یہ نہیں ہونا چاہیے اور یہ جلسے کے اصول وتقاضے کے بھی خلاف ہے، اچھا میں ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری سے اس پر گفتگو کرتا ہوں۔ چنانچہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے ناظم ندوہ سے بات چیت کی اور اس پر شدید نکیر کا مطالبہ کیا، ناظم ندوہ نے جواباً یہ عذر پیش کیا کہ غلطی تو ہمیں لوگوں سے ہوئی ہے کہ ہم نے اعلان عام کر دیا ہے، اب جو ہونا تھا ہو چکا، آئندہ اس کا خیال رکھا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو مولوی غلام حسین کنتوری کی غلط بیانی اور شریعت مخالف تقریر سے کافی تکلیف ہوئی۔ آپ چوں کہ ایک سچے عاشق رسول ہونے کے ساتھ ساتھ عاشق خلفائے راشدین اور صحابہ تھے، اس لیے آپ کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرنا آسان نہ رہا۔ آپ اظہار حق اور اصلاح کا مطالبہ کر کے تحریک سے الگ ہو گئے۔[حیات اعلیٰ حضرت، ص:۳۶۹]

دوسرا جلسہ:

تحریک ندوہ کا دوسرا جلسہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء ماہ اپریل کو قیصر باغ لکھنؤ میں ہوا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کو یہ یقین تھا کہ اس جلسے میں ویسا کچھ نہیں ہوگا جیسا پہلے جلسے میں ہو چکا تھا۔ مگر شیطان نے پھر وہی کچھ کروایا جس کا اس نے ٹھان لیا تھا۔ ان دشمنانِ دین کی منافقت اور عداوت کا ایک نتیجہ سامنے یہ آیا کہ انھوں نے جلسے کے اختتام میں ایک نظم پڑھوایا

جس میں غیر مقلد مولوی نذیر حسین دہلوی اور شیعہ مجتہد مولوی غلام حسین کنتوری اور حکومتِ وقت کی مدح کی گئی۔ جب کہ یہ جلسے کے شرائط اور تقاضے کے خلاف تھا، مگر ان کے دلوں میں پہلے ہی سے تحریک پر قبضہ کرنے کا بھوت سوار ہو چکا تھا، اس لیے ہر جلسے میں اس مقصد کو لے کر پروپیگنڈہ کرتے رہے اور اختلافات کے اسباب پیدا کرتے رہے۔ جو نظم وہاں پڑھوایا گیا اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

وہ ذی علم وفن مجتہد دوراں
غلامِ حسین پر جو ہے نازاں
ہو مجلس ندوہ پہ جن کا احساں
کیا متحد قوم کو جس نے ایں جا
الٰہی رہے اس کی توفیق یاور
کرے اب کی سال اور کچھ اس سے بڑھ کر
گورنمنٹ وکٹوریہ شادبادہ
دلش خرم وملکش آباد بادہ
فلک پر ہیں جب تک ستارے چٹکتے
زمیں پر رہیں جب تک جگنو چمکتے
گلستاں میں جب تک رہیں گل مہکتے
درختوں پر جب تک ہیں طائر چہکتے
رہے لارڈ الگن کا اقبال یاور
مدارج ہوں لیفٹنٹ صاحب کی برتر

[تذکرۂ محدث سورتی ص:۸۹، بحوالہ سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ ص:۱۰،۹]

اس کے علاوہ سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ خود ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری جس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصلاح ندوہ کے سلسلے میں کافی بھروسہ تھا، اپنا لب و لہجہ بدل لیا اور انھوں نے بھی اس دوسرے جلسے میں وہی کام کیا جو غیر مقلدین وغیرہ کر رہے تھے۔ تقریر کے دوران انھوں نے کہا: مقلد اور غیر مقلد کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ حنفی اور شافعی ،مالکی اور حنبلی کا اختلاف۔ ایک چیز شافعیوں کے نزدیک فرض یا واجب ہے، وہی چیز حنفیوں کے نزدیک حرام ومکروہ۔ اب خیال کیجیے کہ بلحاظ عمل واعتقاد دونوں فریقوں کے یہاں کس قدر فرق ہے؟ اگر اس پر خیال کیجیے کہ فرض کو ممنوع اعتقاد کرنے والا اور حرام کو حلال جاننے والا کیسا ہے؟ تو ایسا سخت حکم نکلے گا کہ ان چاروں مذاہب میں اسلامی شرکت بھی نہ رہے گی۔ [تذکرۂ محدث سورتی، ص:۸۹، بحوالہ سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ، ص:۸]

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جدوجہد:

پہلی کاوش:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری پر اعتماد تھا۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ وہ تحریک ندوہ میں پیدا کیے جانے والے خرافات اور مفاسد کا دھیرے دھیرے اصلاح کر لیں گے، مگر اس اجلاس میں رونما ہونے والے واقعات نے اس اعتماد کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ اب تک تو صرف تحریک ندوہ کے مفاسد کی اصلاح کے فکر میں مصروف تھے، اب ناظم تحریک کی اصلاح کی ذمہ داری بھی سر پر آچکی تھی، اس لیے آپ فکری طور پر بہت پریشان ہوئے اور مولانا محمد علی مونگیری کی اصلاح میں لگ گئے۔ اس اہم کام لیے آپ نے اپنے رفیق عزیز مولانا وصی احمد محدث سورتی کو شریک سفر اور مصاحب بنایا، وجہ یہ تھی کہ حضور محدث سورتی مولانا محمد علی مونگیری کے شاگرد تھے۔ دونوں میں اچھے تعلقات اور گہرے روابط تھے۔ اور چوں کہ یہ دونوں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی کے مرید وخلیفہ تھے، اور ظاہر ہے کہ ہر مرید اپنے مرشد کی بات بسر وچشم قبول کرتا ہے، اس لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بہترین صورت یہ نکالی کہ آپ نے محدث سورتی سے فرمایا: آپ اپنے پیرومرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی سے دونوں جلسوں کی ساری باتیں بتادیجیے اور مولانا محمد علی کی اصلاح کا مطالبہ کیجیے۔ وہ مولانا کی اصلاح فرمائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ پیرومرشد ہونے کی وجہ سے ان کی بات مان لیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ یہ سن کر حضور محدث سورتی نے گنج مرادآبا کے لیے رخت سفر باندھا اور بارگاہ مرشد میں حاضر ہو کر دونوں جلسوں کی تمام روداد اور سرگزشتیں سنادیں۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی یہ سب کچھ سن کر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور مولانا محمد علی کو بلا کر تحریک ندوہ کی خرابیوں کے سلسلے میں باز پرس کیا، لیکن اس وقت تک تحریک ندوہ پر چوں کہ غیر مقلدوں، وہابیوں اور نیچریوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا اس لیے سوائے خاموشی کے ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

اب تک حضور محدث سورتی تحریک سے علاحدہ نہ ہوئے تھے، مگر اس کوشش کے بعد وہ بھی علاحدہ ہو گئے ہاں اصلاح کی فکر اور کوشش حسب سابق ان سے جدا نہ ہوئی۔ [تذکرۂ محدث سورتی، ص:۹۱،۹۰]

دوسری کاوش:

اس کوشش کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید متفکر ہوئے۔ یہ وہ مرحلہ تھا کہ اب تک نہ تو علمائے اہل سنت نے علی الاعلان علاحدگی اختیار کی تھی اور نہ عوام اہل سنت کو اس تحریک سے بچنے کا حکم صادر فرمایا تھا، بلکہ جو لوگ بھی علاحدہ ہو رہے تھے بطور خفیہ ہو رہے تھے، جس کی سب کو خبر نہ تھی۔ اسی دوران تحریک ندوہ کے کارکنان نے اس کے تیسرے اجلاس کے بریلی شریف میں منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور دیگر علمائے اہل سنت کی ذمہ داریاں مزید بڑھ گئیں کیوں کہ یہ تیسرے اجلاس کا اعلان تھا۔ وہ بھی بریلی میں انعقاد کا تھا۔ آپ نے یہ سوچا کہ کئی بار تنبیہ اور اصلاح کی کوشش کی جاچکی ہے۔ اب تک کوئی

سدھار نہیں ہے۔ اسی حالت میں اگر وہ تیسرا اجلاس منعقد کرلیں گے وہ بھی بریلی میں تو عوام اہل سنت پر اس کا بڑا گہرا اثر پڑے گا۔ اس لیے انعقاد سے پہلے پہلے کچھ اور کوشش کرلی جائیں اگر مان جائیں تو ٹھیک ہے ورنہ کھل کران کے عزائم وعقائد کا رد کیا جائے گا اور لوگوں کو اس سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس مقصد کو لے کر آپ نے علمائے اہل سنت کی ایک مجلس طلب فرمائی، سارے علما کے باہمی گفت وشنید اور مشورہ سے یہ طے پایا کہ جلسے کے انعقاد سے پہلے پہلے پھر ناظم ندوہ سے ندوہ کے خرافات اور خرابیوں کی اصلاح کی درخواست کرلی جائے اگر مان جائیں تو فبہا ورنہ اگلی پیش قدمی کی جائے گی۔

اس کے بعد امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگلی کوشش کا سلسلہ آگے بڑھایا اور حضور محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کو خطوط کے لانے لے جانے کے لیے بطور سفیر منتخب فرمایا۔ ابتداءً کئی خطوط ناظم تحریک ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کو آپ نے ارسال فرمائے۔ ان میں بعض خطوط وہ تھے جن میں آپ نے انھیں مذہب اہل سنت پر کاربند رہنے اور اراکین ندوہ سے علاحدہ ہونے کی بڑی ہمدردانہ ومخلصانہ اپیل کی جب کہ بعض خطوط میں ستر سے زیادہ سوالات مرتب فرما کر ان کے جوابات اور وضاحت طلب فرمائی۔ یہ سارے خطوط "مراسلات سنت وندوہ" کے نام سے ۱۸۹۵ء میں آپ کی حیات ظاہری ہی میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکے تھے مگر اس وقت شاید دستیاب نہیں ہیں۔ حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی نے اپنی کتاب "امام احمد رضا خطوط کے آئینے میں" میں لکھا ہے کہ اس مجموعہ کے اندر جو خطوط ہیں ان کی تعداد کل پانچ ہیں۔ ان میں سے تین خطوط اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں جنھیں آپ نے مولانا محمد علی مونگیری کو ارسال فرمایا تھا اور دو خطوط مولانا محمد علی مونگیری کے ہیں جنھیں انھوں نے جواباً آپ کو رقم کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے لکھے ہوئے ان تینوں خطوں کو مفتی محمد محمود قادری کان پوری نے اپنی تالیف "مکتوبات امام احمد رضا" میں جمع فرما دیا ہے۔ [امام احمد رضا خطوط کے آئینے میں، ص: ۳۳۰، ۳۲، مطبوعہ رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور]

خطوں کے مضامین کے مطالعہ سے لگتا ہے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مولانا محمد علی مونگیری کے درمیان بہت دنوں تک یہ سلسلہ رہا ہے کیوں کہ متعدد اور گوناگوں سوالات، ان کے جوابات پھر استفسار اور بار بار کا استفسار ان میں نظر آرہا ہے۔

اب ذیل میں ان میں سے صرف دو خطوں کو بالترتیب پیش کیا جارہا ہے: ان خطوط کی اہمیت کتنی ہے؟ کس قدر خصوصیات کے حامل ہیں؟ کس طرح کی خوبیاں ان میں پائی جاتی ہیں؟ اور دین حق کے تحفظ کے تئیں آپ کے قلب مبارک میں کس قدر تڑپ تھی؟ ان ساری چیزوں کو آپ خود ہی ملاحظہ فرمالیں: پہلا خط یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

بگرامی ملاحظہ مولوی صاحب، نامی مراتب، سامی مناقب مولوی سید محمد علی صاحب ناظم ادامہ اللہ بالہدی والمواہب۔

بعد ماھو المسنون ملتمس، یہ بعض خدام اجلہ علمائے اہل سنت کے سوالات محض بنظر اتضاح حق حاضر ہوئے ہیں، اخوت اسلامی کا واسطہ دے کر بنہایت الحاح گذارش کہ للہ خالص انصاف کی نگاہ سے غور کامل فرمایا جائے، واقعی عرض ہے کہ ان میں کوئی غرض نفسانیت ملحوظ نہیں، صرف تحقیق حق منظور ہے، ولہذا باوصف خواہشِ احباب ہنوز ان کی اشاعت نہ کی کہ اگر حضرت بتوفیق

الٰہی جل وعلا خود ہی اصلاح مقاصد و دفع مفاسد فرمالیں تو خواہی نہ خواہی، افشائے زلات کی کیا حاجت؟

مولانا! ایک ایک سوال کو تامل بالغ سے فرماکر غور ہو کہ اگر ان خادمان سنت ہی کے خیالات حق ہیں تو معاذاللہ ضرر رسانیِ مذہب اہل سنت میں سعی کیسی سخت بات اور روز قیامت کس قدر باعث شدت مواخذات۔

مولانا! للہ رجوع الی الحق بہتر ہے یا تمادی فی الباطل۔ مولانا! ہم فقرا کو آپ کی ذاتِ خاص سے علاقہ نیاز ہے اور ارکین سے جدا بھی، خود اپنے علمِ نافع وفہمِ ناصح سے تامل فرمائیں، ان اخلاط کی مشارکت میں براہ بشریت خطافی الفکر واقع ہوئی تو رجوع الی الحق آپ جیسے علمائے کرام وسادات عظام کے زین ہے، نہ معاذاللہ عار وشین۔

مولانا! اس وقت ہم فقرا کا آپ کی جناب میں یہی خیال ہے کہ بوجہ سلامتِ نفس بعض چالاک صاحبوں کی ظاہری باتوں سے دھوکہ ہوا ہے ورنہ عیاذًا باللہ آپ کو ہرگز مخالفت واضرارِ مذہب اہل سنت پر اصرار مقصود نہیں، بعد تنبیہ ان شاء اللہ تعالی بعض اکابر علما کی طرح فورا بطیب خاطر موافقتِ حق فرمائیں گے۔ مبارک وہ دن کہ ہمارے معزز عالم آل پاک سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف مراجعت اور تلبیس مبتدعین اور تدلیس متصمین سے بالکلیہ مجانبت فرمائیں۔ ان ذلك على الله يسير، ان الله على كل شيء قدير۔

مولانا! للہ چند ساعت کے لیے لحاظِ ہر ایں وآں سے خالی الذہن ہوکر اپنے جد کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات والتسلیم کی احادیث پیش رکھ کر تنہائی میں نظرِ تدبر فرمائیں، پھر ان شاء اللہ تعالی آپ کی صلاحِ طبیعت سے بہت کچھ امید حق پسندی ہے، توفیق رفیق باد، بحرمة سيد الاسياد ،هادی السداد، قائد الرواة الى مناهج الرشاد عليه وعلى آله الامجاد وصحبه الاوتاد افضل الصلوات واكمل السلام الى يوم التناد ،آمين۔ فقیر احمد رضا قادری، از: بریلی ۲۹ر شعبان المعظم، یوم الجمعہ ۱۳۱۳ھ۔ [مکتوبات امام احمد رضا، ص: ۸۸،۸۹]

اس مکتوب میں اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ نے ان اعتراضات وایرادات کی وضاحت طلب فرمائی ہے جو براہ راست ناظم ندوہ اور ان کے ارکین پر عائد ہو رہے تھے، مگر ان کی جانب سے کوئی معقول جواب نہیں آیا، بلکہ مصلحت اور حکمت کو آڑ بناکر کے انھوں نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی اور یہ کہا کہ یہ امور تحریروں سے حل نہیں ہوسکتے، جیسا کہ آنے والے دوسرے مکتوب کے مضامین سے واضح اور عیاں ہے۔

دوسرے خط کے بعض اقتباسات:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم جناب مولانا دام فضلکم

ہدیہ مسنونہ۔۔۔ نامی نامہ آیا، ممنونی لایا، مظنون تھا کہ یہ قبل اصول نیاز نامہ صرف پرچہ سوالات دیکھ کر تحریر ہوا ہے، فقیر کی گزارش کا جواب اقرب الی الصواب عطا ہوگا، لہذا تین دن منتظر رہا اب جانا کہ ساری گذارشوں کا یہی پاسخ تھا کہ سوال نہ سنیں گے، جواب نہ دیں گے ہم سچے حنفی، دشمنِ نیچری ہیں۔

مولانا مکرما! بحمد اللہ تعالی۔۔۔آپ نے سوالات بالاستیعاب ملاحظہ فرمائے، تو غور نہ فرمایا، یا غور فرمایا تو انھیں تحریرات کتب ومضامین ندوہ سے نہ ملایا ور نہ آپ جیسے فضلا پر مخفی رہنے کی بات نہ تھی۔

مولانا! آپ ان حضرات کی تشریک میں مصلحت بتاتے ہیں، ہاں آپ کا قصد مصلحت ہی ہو مگر ذرا نظر تو فرمائیے کہ ابھی کئی دن کئی رات؟ ابتدا ہی میں اس خلطِ مفاسد سے کیسی کیسی آفتیں پیدا نہ ہوئیں۔ روداد وغیرہ کی کاپیاں مذہب اہل سنت کے حق میں زہر کی بجھی چھریوں سے بھر گئیں، ادنی برکت شرکت کا یہ نمونہ ہے کہ وہ رافضیوں کا مجتہد آج تک اشتہارات میں چھاپ رہا ہے کہ اس نے مجمع اہل سنت میں جناب امیر کے سر پر دستار خلافت بلا فصل کا بندھنا ثابت کر دیا اور سنیوں کا کوئی عالم جواب دہ نہ ہوا، بھلا بغرض باطل دو ایک معین بدمذہبوں کی تشریک میں کوئی مصلحت خاصہ خیال فرمائی، اگرچہ اس پر ہزار مفاسد دینیہ مترتب ہو چکے۔ یہ عام بد مذہبوں سے جو اتحاد، اختلاط، ایتلاف پکارا جا رہا ہے۔ للہ احادیث واقوال ائمہ ونصوص کتب عقائد وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ کس قدر بدخواہیِ دین وسنت میں ڈوبا ہوا ہے۔ احادیث واقوال ائمہ تو اگر ضرورت دے گئی بحولِ اللہ تعالی سبھی سن لیں گے، بالفعل آپ جیسے صوفی صافی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب رحمہ اللہ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں: "فساد مبتدع زیادہ تراز فساد صحبت صد کافر ست"۔

مولانا! خدارا انصاف، آپ یا زید یا اراکین مصلحت دین ومذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت شیخ مجدد؟ مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو معاذ اللہ لغو وباطل جانیے اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے تو کیوں نہ مانیے؟ جس سے ظاہر ہے کہ کافروں کے بارے میں فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین کا حکم ایک حصہ ہے تو بدمذہبوں کے باب میں سو حصے سے بھی زیادہ ہے۔

مولانا!۔۔۔پرچۂ سوالات کو اول تا آخر بنظر غور صاف قلب سے ملاحظہ فرمائیے اور کتب ندوہ مثل ہر دو روداد رسالہ اتفاق ومضامین نظم ونثر وغیرہا پر منطبق کرتے جائیے۔

مولانا! میں آپ کو سنی فاضل نہ جانتا تو بار بار یوں الحاح گزارش نہ کرتا، پھر عجب عجب ہزار عجب کہ آپ نظر نہ فرمائیں، یا سچے خادمِ سنت واہل سنت کی گزارشوں کو معاذ اللہ تعصب ونفسانیت کے سوئے ظن پر لے جائیں ۔۔۔ایک خالص اسلامی قلب سے ادھر توجہ کیجیے، میں بشہادت رب العزت کہتا ہوں و کفی باللہ شہیدا کہ فقیر کے اعتراضات زنہار زنہار تعصب ونفسانیت پر مبنی نہیں، صرف دین حق کی حمایت اور اہل سنت کی خیر خواہی مقصود ہے، بغرض باطل یہ فقیر نالائق، ننگ خلائق، نفسانیت بھی کرتا تو حضرت افضل العلما تاج الفحول، محب رسول مولانا مولوی محمد عبد القادر بدایونی کو معاذ اللہ نفسانیت پر کیا حامل تھا؟ فرض کرو کہ آپ ان کی صفات ملکیہ سے آگاہ نہیں تو کیا استاذ المدرسین بقیۃ الماہرین جناب مولانا مولوی محمد لطف اللہ صاحب کو بھی ندوہ سے تعصب ونفسانیت ہے؟ خدارا کسی ضدی عامی کی نہ سنیے، اپنے سچے خیر خواہوں کی بات پر کان رکھیے، چلیے یہ بھی مانا کہ یہ سب کسی کی خیال میں نفسانیت پر ہوں مگر جو بات کہی گئی اسے غور تو فرما لیجیے۔ اگر اس کے تسلیم میں دینی نفع اور انکار واصرار میں مذہب حق کی سخت بدخواہی ہو تو نفسانیت والے آپ کے بھلے کی ہی کہتے ہیں، اس پر کیوں کم نگاہی ہو؟

مولانا! بعنایت الٰہی، صوفی آپ، عالم آپ، مناظر آپ، آپ کو کسی کے بتانے کی کیا حاجت؟۔۔۔اب تمام کتب ندوہ مطبوعہ مفصلا بالاستیعاب ملاحظہ ہوں، آپ پر تو خود عیاں ہوجائے گا کہ آشکارا و نہاں کس کس قدر مخالفت شدیدہ مذہب سنت وائمہ اہل سنت کی صریح توہین، اصحاب بدعت نہ اصحاب بدعت کہ خود مذاہب بدعت کی اعلانیہ مدح وتحسین حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ میں اختلاف عقائد ہے، وہ بھی اس حد پر کہ ایک کے عقیدہ سے باقی تین پر کفر لازم، ان کے عقائد کی رو سے خیال کیا جائے تو باہم اسلامی شرکت بھی نہ رہے۔۔۔ابوبکر صدیق وعمر فاروق کا امام برحق ہونا یا جنتی ہونا درکنار، سرے سے ان کے مسلمان ہونے کا ہی ثبوت قطعی نہیں، نا دیدار الٰہی قطعی الثبوت، نہ القدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ قطعی الثبوت، نہ قرآن موجود کا محفوظ وتام مطابق ما انزل اللہ ہونا قطعی الثبوت، قرآن مجید انگریزی، پنڈتائی، سب کچھ پڑھنے کی فضیلت میں اترا ہے، اللہ عزوجل شفاعت سے ناچار ہوکر گناہ بخش دیتا ہے، الی غیر ذلک من الضلالات الواضحۃ والکفریات الفاضحۃ۔

کیا معاذ اللہ آپ سا فاضل، صوفی کامل، ایسی بددینیوں گمراہیوں کو روا رکھتا ہے؟ یا ایسی شرکتوں پر راضی ہوسکتا ہے؟ حاشا وکلاّ! بحمد اللہ مجھے اِس وقت تک آپ کی طرف سے یاس نہیں۔

مولانا! افسوس ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ امور تحریروں سے حل نہیں ہوسکتے، کرم فرما! تحریر نے کیا قصور کیا؟ اور یوں ہی سہی تو مباحثہ نہ کیجیے، مجادلہ نہ کیجیے، صرف حق کا سمجھنا سمجھانا ہے، وہ غور کیجیے تو ابھی کھلا جاتا ہے، نہ تحریر کی ضرورت نہ تقریر کی حاجت۔ آپ کا خیر خواہ نیاز مند صرف اتنا چاہتا ہے کہ کسی طرح آپ اِعمال نظر واستعمال فکر فرمائیں، سوالات مرسلہ کا جواب نہ دینا سہی، اب مختصر سوال حاضر کرتا اور ملک جبار جل جلالہ کے کلام سے دو آیتیں یاد دلاکر بواپسی ڈاک ان کا جواب مانگتا ہوں، آپ عالم ہیں، کتمان علم وشریعت نہ فرمائیں گے، آپ ان معاملات سے آگاہ ہیں اخفائے شہادت نہ فرمائیں گے اور اس کا جواب بھی عطا نہ ہو تو مولانا! یہ آپ کا نیاز مند حقِ خیر خواہی ادا کرچکا، آپ فرماتے ہیں زبانی ہم اور آپ بیٹھ کر صاف کرلیں گے، مولانا! خدا جانے وہ صاف کرنے کا دن کون سا آئے گا، پیش از انعقاد جلسہ طے ہونا لازم ہے، نجاست میں اختلاف ہے، کھانے سے پہلے سمجھ لینا چاہیے یا کھا کر سوچ لیں گے کہ پاک تھا یا ناپاک؟۔

مولانا! اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ آپ اپنے پاک دل، صاف طینت کو کام میں لائیں۔ فقیر اس نیاز نامہ اور اس طلب شہادت وطلب حکم شریعت کا جواب جلد عطا فرمائیں وباللہ التوفیق۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۵؍رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

[از: مکتوبات امام احمد رضا، ص:۸۹ تا ۹۵]

۱۵؍رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ کو آپ نے تیسرا خط رقم فرمایا۔ یہ خط مذکورہ دونوں خطوں سے تھوڑا بسیط اور تفصیلی تھا، اس میں بھی آپ نے سوالات کی وضاحت اور صفائی کا مطالبہ فرمایا، مگر مرتا کیا نہ کرتا، غیر مقلدوں اور وہابیوں کے بہکاوے میں آکر ان سوالوں کے جوابات سے پہلوتہی کی اور کوئی توجہ نہ دیا۔

تیسری کاوش:

بار بار کی گزارشات ومطالبات کے بعد بھی مولانا محمد علی مونگیری صاحب کی جانب سے جب کوئی جواب نہ آیا اور اس

طرح کی ساری کوششیں صرف ہوچکیں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور تدبیر اپنائی۔ اس کے لیے آپ نے اپنے وقت کے سرخیل علما سے مشورہ کیا، اکثر علما نے یہ رائے دی کہ ان کو ندویوں اور غیر مقلدوں کے تسلط سے نکال لی جائے۔ مگر چوں کہ یہ کام آسان نہیں تھا، کیوں کہ ان کو تحریک ندوہ کی جانب سے ایک اچھی خاصی رقم بطور تنخواہ مل رہی تھی، اس لیے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تجویز پیش فرمائی کی ان کو بریلی کے مدرسہ میں بحیثیت مدرس بلالیا جائے۔ اگر اس طور پر بلایا جائے گا تو وہاں کی تنخواہ چھوڑ کر یہاں آنا ان کے لیے آسان ہوگا۔ اس تجویز کو سارے علما نے پسند فرمایا اور حضور محدث سورتی کو اس کام لیے کان پور روانہ فرمادیا گیا۔ حضور محدث سورتی ابھی کان پور پہنچے ہی تھے کہ اس مقصد کی خبر ندوہ کے اراکین کو ہوگئی، انھوں نے مولانا محمد علی کی چاپلوسی شروع کردی اور انھیں بہکانے کے لیے نت نئے طریقے استعمال کیے، بالآخر وہ اس تجویز کو ناکام بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ نے ایک مکتوب کے ذریعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو ان حالات کی اطلاع دی جس کا متن یہ ہے:

”بعد اہدی ہدیہ۔۔۔ میں نے حسب ارشاد صواب بنیاد محض بنظر خیر خواہی اسلام تدابیر اصلاح میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب کو حضور کی ملازمت کے لیے آمادہ کیا، بلکہ ان سے عہد وثیق لیا۔ چناں چہ تاریخ روانگی سے بھی میں حضور کو اطلاع دے چکا۔ مگر افسوس کہ بوجوہ عدیدہ شاہد مقصود منصہ ظہور پر جلوہ گر نہ ہوا۔۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ وصی احمد حنفی، از: کان پور، ۱۵ر شوال ۱۳۱۳ھ۔ [تذکرۂ محدث سورتی، ص: ۹۵]

تحریک ندوہ کی اصلاح کے اِن ایام میں حضور محدث سورتی نے اس طرح سے بڑی محنتیں صرف فرمائی ہیں۔ آپ ہر طرح کی خبر سے امام احمد رضا رضی اللہ رعالی عنہ کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔ دوران خط وکتابت جب مولانا محمد علی کی جانب سے مطالبہ در مطالبہ کے باوجود کوئی جواب نہیں آرہا تھا تو آپ بھی بذریعہ خطوط مطالبہ کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ آپ نے جوابات کے مطالبہ کے لیے ایک خط ارسال فرمایا، اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کو جواب آگیا۔ اس جواب کی وصولیابی کے بعد آپ نے فوراً ایک خط تحریر فرمایا اور بغرض اطلاع اسے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمادیا۔ خط کا مضمون درج ذیل ہے:

بحر العلوم مولانا وبالفضل اولنا مولوی احمد رضا خاں عمت فیوضاتہم المشارق والمغارب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں نے سابق عریضے میں نظر فیض اثر سے گذارنا تھا کہ جناب ناظم صاحب پر میری تحریر کا کوئی اثر نہیں پڑنے کا مگر ان کو متنبہ کروں گا۔ چناں چہ ایک عریضہ میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے یہ عنایت کی کہ فوراً جواب دیا۔ جواب کے الفاظ بعینہ نیچے مرقوم ہے:

”عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ! محبت نامہ نے پہنچ کر مسرور کیا۔ آپ کا غصہ یا خفگی چوں کہ خلوص کی وجہ سے ہے، اس لیے مجھے مسرت ہوتی ہے۔ بریلی کی انجمن اسلامیہ نے دعوت جلسہ کی اور مولوی احمد رضا خان صاحب کا خلاف ذکر کیا اور مولوی خلیل الرحمن صاحب وغیرہ نے بھی حالت دریافت کی۔ اراکین اب تک اس بات پر ہیں کہ بریلی میں جلسہ ہونا چاہیے، دیکھیے کیا ہو“۔ انتہی

کلامہ۔ اصل حال یہ ہے کہ ناظم صاحب برائے نام ہیں۔ قابو اور ہی لوگوں کا ہے۔ اراکین موجودین میں کوئی خوش عقیدہ نہیں۔ جو خوش عقیدہ تھے مانند شاہ محمد حسین الہ آبادی وغیرہ وہ لوگ بھی ندوہ کی حرکتوں سے متنفر ہو کر اب کی سال سے علاحدہ ہو گئے ہیں۔ اب باقی ماندہ اراکین میں سب سے اول درجے کے دخیل شبلی معتزلی ہیں اور دوسرے درجے کے مولوی خلیل الرحمن صاحب سہارن پوری، مولانا شبلی نے ان کو لکھا ہے کہ جس طرح ہو ندوہ کا جلسہ بریلی ہی میں ہونا چاہیے۔ وصی احمد حنفی از: پیلی بھیت، ۱۱ر شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ [تذکرۂ محدث سورتی، ص:۹۵، ۹۴ بحوالہ مکتوبات علما۔ ص:۱۰۸]

القدوہ لکشف دفین الندوہ کی تالیف:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ وطیرہ تھا جب تک آپ کسی مسئلہ پر کامل تحقیق نہ فرمالیتے کوئی حکم صادر نہ فرماتے تھے۔ اس مسئلے میں بھی آپ نے یہی طریقہ اپنایا، تحقیق پہ تحقیق، خطوط پہ خطوط بھیجے، مسلسل جدوجہد میں لگے رہے، بار بار کی مخلصانہ اور ہمدردانہ اپیل، استفسار در استفسار اور کئی بار طلبِ جوابات کے بعد جب حق الیقین ہو گیا تب آپ نے "القدوہ لکشف دفین الندوۃ" تحریر فرمایا۔

ردّ تحریک ندوہ میں آپ کا یہ فتوی بہت ہی وقیع اور لائق تحسین تھا۔ بڑی اہمیت اور افادیت کا حامل تھا، اس کی اہمیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کے علاوہ ہندوستان کے تقریباً پچپن علماے متبحرین نے اس پہ تصدیقی دستخط ثبت فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورے ہندوستان میں بڑی قدر کی نگاہ سے اسے دیکھا بھی گیا اور اس پر عمل کی کوششیں بھی ہوئیں۔ [تذکرۂ محدث سورتی، ص: ۹۳]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور دیگر علماے اہل سنت ادھر اصلاح کے لیے کوششوں میں لگے ہوے تھے اور ادھر ارباب ندوہ بریلی میں اجلاس کی تیاریوں میں مصروف تھے، جب اہل ندوہ نے یہ دیکھا کہ امام احمد رضا اب ہمارے مفاسد کا کھل کر اعلان کر رہے ہیں اور ان کا ایک گراں قدر فتوی بھی منظر عام پر آچکا ہے جس میں پچپن علماے اہل سنت کی توثیقی دستخط ثبت ہیں تو انھوں نے جلسہ بریلی کے انعقاد کے لیے ایک ٹیم تیار کی اور اسے ہدایت کی کہ وہ بریلی کے قرب وجوار میں اپنے آپ کو سنی ظاہر کریں اور اجلاس کے انعقاد کے لیے راستہ ہموار کریں۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی ٹیم کے جواب میں چند علماے اہل سنت کو تیار فرمایا۔ اور بعض جگہوں میں تو عوام اہل سنت اور علما کو تیار کرنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئی وہ خود ہی ان کو اپنے شہروں سے بھگانے میں مصروف تھے۔ پیلی بھیت میں ندوہ کے پرچار کے لیے شاہ سلیمان پھلواری پہنچا تھا۔ یہ صلح کلی کی روپ میں بڑا اہم کردار ادا کر رہا تھا، مگر علماے پیلی بھیت نے اس کا اصلی چہرہ عوام اہل سنت کے سامنے واشگاف کیا جس کے بعد وہ وہاں سے ناکام واپس چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد مزید تحریک ندوہ کی خباثت کو ظاہر کرنے اور اس کے فریب سے لوگوں کو بچانے کے لیے پیلی بھیت کے عوام نے مولانا ہدایت رسول رام پوری ثم لکھنوی کو بلایا۔ حضرت مولانا ہدایت رسول صاحب نے پیلی بھیت پہنچ کر فروغ اہل سنت کے لیے جم کر کام کیا، ندویوں کے فریب اور مکاریوں سے لوگوں کو آشنا کیا اور تحریک ندوہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ [ملخصاً از: مصدر سابق ص:۹۶ تا ۹۸]

تیسرا جلسہ:

ندوۃ العلما کا تیسرا جلسہ بریلی میں منعقد ہوا، ارباب ندوہ کا خیال تھا کہ ہم عوام اہل سنت کو فریب دے کر بریلی میں اجلاس کر کے اپنی کامیابی پر فخر کریں گے، مگر ان کا یہ خیال باطل ٹھہرا، کیوں کہ علماے اہل سنت نے اپنی کوششوں سے انھیں اپنے مقصود میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ جلسہ تو منعقد ہوا مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ملی۔

اس جلسے میں مصنف تفسیر حقانی مولوی عبد الحق نے مدارس اسلامیہ کے نصاب پر شدید نکتہ چینی کی اور یہ کہا:

”اگر ناگوار خاطر علمانہ ہو تو صاف صاف عرض کر دوں کہ پگڑی باندھ کر نکلے ہوئے عالم یا مولوی کا علم میں بہت کم پایہ ہوتا ہے ،فقہ میں اس قدر مہارت نہیں ہوتی کہ معاملات کا فیصلہ کر سکے۔ وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کو کہیں کا جج بنادیا جائے“۔

[تذکرۂ محدث سورتی، ص: ۸۹ بحوالہ سیوف الغنوہ علی ذمائم الندوہ، ص ۱۳]

اس تیسرے جلسے میں مولوی عبد الحق نے اگرچہ اس طرح کے ہفوات کیے، مگر ان کا کچھ خاص نقصان نہ ہوا، کیوں کہ اس وقت تک لوگ ان کے دجل وفریب اور منشاو مقصود سے کامل آگاہ ہو چکے تھے۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے ایک اور کوشش:

اس تیسرے جلسے کے دوران امام احمد رضا اور تاج الفحول محب رسول مولانا عبد القادر بدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مل کر ایک کوشش یہ فرمائی کہ ان دونوں بزرگوں نے ارباب ندوہ سے براہ راست ملاقاتیں کیں اور کئی کئی گھنٹے مذاکرات کیے۔ جب ان کے پاس راہ فرار کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو انھوں نے مجبوراً یہ وعدہ کیا کہ اجلاس کے انعقاد سے پہلے پہلے اختلافات کو دور کر دیا جائے گا، لیکن جلسہ شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہوا، مگر اختلافات اپنی جگہ برقرار رہ گئے۔ [مصدر سابق]

چوتھا اور پانچواں جلسہ:

اس تحریک کا چوتھا جلسہ میرٹھ میں ہوا مگر چوں کہ ندوہ اور اہل ندوہ کے حقیقی حالات سے اہل میرٹھ واقف ہو چکے تھے، اس لیے اراکین ندوہ کو اس جلسہ کے انعقاد سے کچھ خاص فائدہ نہ ہوا۔

اس کے بعد انھوں نے پانچویں جلسے کی منصوبہ بندی شروع کی اور اس کے لیے شاہ جہاں پور میں انعقاد کا فیصلہ کیا۔

دونوں جلسوں کی تردید:

امام احمد رضا اور دیگر علماے اہل سنت اتنی کوششوں کے بعد بھی متحرک اور فعال ہی رہے۔ ایسا نہیں ہوا انتھک کوششوں کے بعد آپ کی جانب سے کسی طرح کی عدم توجہی پیدا ہو جائے بلکہ جلسوں کی روداد اور حالات کا برابر پتہ لگاتے رہتے۔ جب شاہ جہاں پور میں جلسہ کے انعقاد کا فیصلہ قرار پا چکا تو علماے اہل سنت کے اتفاق سے تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی اپنے چند جلیل القدر علماے کرام کو لے کر کے جن میں حضور محدث سورتی، مولانا عبد الواحد پیلی بھیتی، مولانا محمد حسن رضا خاں بریلوی، نواب سلطان احمد خاں بریلوی، مولانا عبد القیوم بدایونی، مولانا جمیل الدین بدایونی، مولانا حافظ بخش آنولوی اور مولوی حکیم محمد مومن سجاد

کان پوری وغیرہ شامل تھے۔ شاہ جہان پور پہنچے اور وہاں ایک ہفتے سے زائد قیام فرمایا۔ ندوہ کے فتنوں کو بلا خوف وخطر عام کیا، جگہ جگہ تقریریں کیں اور ردّ ندوہ پر متعدّد پمفلٹ بھی تقسیم کیے، ان سب کے علاوہ اراکین ندوہ سے براہ راست ملاقاتیں کیں اور انھیں دعوت مباحثہ دیتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ جہاں پور کے لوگ علمائے اہل سنت کے ساتھ ہو گئے اور جلسے میں سوائے چند حامیان ندوہ کے اور کوئی شامل نہ ہوا۔[تذکرہ محدث سورتی، ص:۱۰۱،۱۰۰،۹۸]

چھٹا اجلاس:

مذکورہ تمام جگہوں میں اجلاس کی ناکامی کے بعد ارباب ندوہ نے ساوتھ انڈیا کا پلان بنایا، چناں چہ اس کے چھٹے جلسے کے لیے مدراس شہر کا انتخاب کیا مگر وہاں بھی ناکامی ہی ہاتھ آئی۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ کی جانب سے جواب:

مدراسی عوام کے ایمان وعقائد کی حفاظت اور اہل ندوہ کے مکروفریب سے انھیں بچانے لیے امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے مرید وخلیفہ منشی محمد لعل خاں ویلوری مدراسی کو منتخب فرمایا۔ انھوں نے حکم پاتے ہی عوام الناس کو ندویوں کے عقائد باطلہ سے آگاہ کرنے کی جدوجہد شروع کردی۔ اس ضمن میں بڑے پیمانے پر متعدّد پمفلٹ اور کتابچے شائع کیے اور حضور محدث سورتی کا نظر ثانی شدہ فتوی "انفع الشواھد" بھی تقسیم کیا۔ نتیجے میں یہ جلسہ بھی درہم برہم ہو گیا۔ اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کامیابی اور جدوجہد پر الحاج منشی لعل خاں کو مبارک بادی پیش فرمائی اور ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون یہ ہے:

الحمدللہ کہ اللہ عزوجل نے مدراس میں ندوہ مخذولہ پر آپ کو فتح نمایاں بخشی۔ الحمدللہ کہ اللہ عزوجل نے علما کو حق کی طرف رجوع فرمایا۔ اللہ تعالی آپ کو دونوں جہاں میں بے شمار نعمتیں اور اجر کثیر عطا فرمائے اور آپ جیسے عالی ہمت، خادم سنیت، ہادم بدعت اہل سنت میں بکثرت پیدا کرے۔ آمین آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ اور مولانا قاضی عبدالوحید صاحب اور مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی کی شان کا ایک ایک سنی بھی ہر شہر میں پیدا ہو جائے تو ان شاء اللہ تعالی اہل سنت کا طوطی بول جائے۔[تذکرہ محدث سورتی ص:۱۰۵۔ بحوالہ خزانہ کرامت، ص:۷، از: حکیم منشی محمد لعل خاں ویلوری مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۴ھ]

ردتحریک ندوہ میں امام احمد رضا کی تصانیف:

تحریک ندوہ کے ردوابطال میں آپ نے مذکورہ تمام کاوشوں اور کوششوں کے ساتھ ساتھ اس دوران ایک درجن سے زائد کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں جو آپ کے تجدیدی اور تحریری کارناموں کا ایک بڑا روشن اور تابناک باب ہے، اس سلسلے میں جو کتابیں آپ نے تالیف فرمائی ہیں۔ مؤلفِ "حیات اعلی حضرت" علامہ ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ان کی مجموعی تعداد سترہ ہیں اور انھی کتابوں کو ماہنامہ المیزان کے امام احمد رضا نمبر میں آپ کی تصانیف کے باب میں ردّ تحریک ندوہ کے عنوان کے تحت بھی رکھا گیا ہے: کتابوں کی فہرست کچھ تفصیل کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے:

نمبر شمار	سن تصنیف	اسماے کتب ورسائل	زبان	موضوعات
۱	۱۳۱۲ھ	فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوۃ	اردو	ردّ تحریک ندوہ
۲	۱۳۱۷ھ	فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین	اردو	رد تحریک ندوہ میں حرمین شریفین کا فتوی
۳	۱۳۱۱ھ	مراسلات سنت وندوہ	اردو	ناظم ندوہ سے خط وکتابت
۴	۱۳۱۳ھ	سوالات حقائق نمابرؤس ندوۃ العلما	اردو	ندوہ سے ستر سوالات
۵	۱۳۱۳ھ	اشتہارات خمسہ	اردو	رد تحریک ندوہ
۶		عزوہ لہدم سماک دار الندوہ	اردو	خرافات ندوہ کا رد
۷		ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ	اردو	تحریک ندوہ کے تیسرے روداد کا رد
۸	۱۳۱۵ھ	بارش بہاری بر صدف بہاری	اردو	ایک ندوی تحریر کا رد
	۲۳۱۵ھ	سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ	اردو	رد تحریک ندوہ
		صمصام القیوم علی تاج الندوہ عبد القیوم	اردو	رکن ندوہ کی تحریر کے رد میں
	۱۳۰۰ھ	الاسئلۃ الفاضلۃ علی الطوائف الباطلۃ	اردو	وہ سوالات جو متعدّد لوگوں سے کیے گئے اور وہ عاجز رہے
	۱۳۱۹ھ	سوالات علما وجوابات ندوۃ العلما	اردو	خیالات تحریک ندوہ کا رد
	۱۳۱۷ھ	ترجمۃ الفتوی وجہ ہدم البلوی	اردو	فتاوی حرمین کا ترجمہ
	۱۳۱۷ھ	خلص فوائد فتوی	اردو	
	۱۳۱۳ھ	سرگزشت وماجراے ندوہ	اردو	
		ندوہ پر بریلی شریف میں کیا گزری	اردو	
	۱۳۱۸ھ	آمال الابرار وآلام الاشرار	عربی	
		تحریک ندوہ کے مقابل قائم ہونے والی مجلس، مجلس ندوۃ العلما کے بارے میں قصیدہ	عربی	
		سکین ونورہ بر کاکل پریشاں ندوہ	عربی	

[حیات اعلی حضرت، ص:۳۸۸، ۳۸۷۔ ماہنامہ المیزان ممبئی کا امام احمد رضا نمبر، منتخب از ص:۳۰۶ تا ۳۲۴، سن اشاعت ۲۶/ مارچ،۱۹۷۶ء]

تحریک ندوہ کی تردید میں امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی تقریری خدمات:

مجدّدِ دین و ملت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کی ذات بابرکات میں بے شمار فضائل وکمالات اور خوبیاں ودیعت فرمائی تھی۔ تحریک ندوہ کی تردید میں جہاں آپ نے تحریری وتصنیفی اور قلمی جہاد فرمایا ہے وہیں اپنی تقریر وخطابت اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ بھی اس کے مفاسد کا خوب آپریشن کیا ہے۔ اس حوالے سے آپ کی تمام تقریری وخطابی خدمات کا احاطہ تو میں نہیں کر سکتا تاہم دو اہم خطاب کا تذکرہ ضرور کر رہا ہوں جو مجھے حیات اعلیٰ حضرت اور تذکرہ محدث سورتی میں نظر آئے ہیں۔ ان میں سے ایک خطاب آپ نے عظیم آباد پٹنہ میں فرمایا تھا اور دوسرا خطاب کولکاتا دھرم تلہ جامع مسجد میں۔

ندوۃ العلما سے علاحدگی کے بعد علماے اہل سنت کا یہ معمول بن گیا تھا کہ جس شہر میں ندوہ کا جلسہ منعقد ہوتا وہاں علماے اہل سنت بھی جمع ہوتے اور اجلاس کر کے ندوہ کے فتنوں اور بد عقیدگیوں کو واشگاف کرتے۔ پٹنہ اور کولکاتا کا جلسہ اسی سلسلے کی دو اہم کڑی ہیں: تفصیل یہ ہے:

ردّ ندوہ پر پٹنہ میں تقریر:

۱۳۱۸ھ میں ندوۃ العلما کا ایک جلسہ پٹنہ میں منعقد ہوا۔ اس کے جواب میں قاضی عبد الوحید عظیم آبادی نے بھی وہیں ایک جلسہ رکھا اور علماے اہل سنت کو مدعو کیا، جلسے میں اعلی حضرت امام احمد رضا کو بھی دعوت تھی، جب آپ خطاب کے لیے کھڑے ہوے تو موجود علما میں سے کسی نے بتایا کہ سامعین میں کچھ دیوبندی علما بھی ہیں جو سننے یا جائزہ لینے کے غرض سے آئے ہوئے ہیں، اتنا سننے کے بعد آپ نے تقریر شروع کی، پہلے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی شان رفیع اور آپ سے عشق ومحبت پر مدلل گفتگو فرمائی، پھر ندوہ اور اس کے عقائد باطلہ کے رد میں ایسا مبرہن اور بسیط خطاب کیا کہ دیوبندیوں کو منھ چھپانے کی جگہ نہ ملی، ایک ایک کر کے کھسکتے گئے اور بھاگتے گئے۔ آپ کی یہ تقریر حیات اعلی حضرت، ج:ا میں کل ۱۵ر صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اگر مقالے کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو پوری تقریر من وعن نقل کر دیتا، اہم اس کا کچھ آخری حصہ آپ کے سامنے ہے:

تحریک ندوہ کی تمام گمراہیوں اور فتنوں کے تفصیلی بیان کے بعد فرمایا:

"یہ کلمات اور ان کے امثال خرافات کو اہل ندوہ کی جو روداد ہے، جو مقال ہے، ایسی ہی باتوں سے مالا مال ہے۔ سب صریح و شدید نکال و عظیم وبال و موجب غضب ذی الجلال ہیں۔ امیر المومنین مولی المسلمین شیر خدا مشکل کشا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ اقدس میں خوارج نے ظہور کیا وہ علما تھے، عباد تھے، قرا کہلاتے، راتیں شب بیداری، اور دن تلاوت قرآن و ذکر باری میں گزارتے، مگر گم راہ تھے، اہل سنت کے مخالف و بد خواہ تھے۔ امیر المومنین کرم اللہ تعالی وجھہ الکریم نے نہ ان کے علم وفضل پر نظر فرمائی، نہ ان سے اخوت اسلامی کی ٹھہرائی، بلکہ ان پر لشکر کشی فرمائی۔ سَراشرار پر برق بار ذوالفقار چمکائی۔ وہ دس ہزار مولویوں کا ندوہ تھا، فقط دو روپے کے ٹکٹ لے کر مولوی نہ بنتے تھے، بلکہ واقعی علم رکھتے تھے، حدیث

جانتے ،قرآن پڑھتے تھے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے ان کے شکوک کہ بعینہ وہابیہ کے شکوک تھے ،رفع فرمائے۔پانچ ہزار حق کی طرف رجوع لائے ، پانچ ہزار ختم اللہ علی قلوبھم رہے۔ان پر تیغ شرر بار اشرار شکار اسد کردگار، حیدر کرار چمکی ،اور ایک ایک کرکے ہر گردن کشیدہ خاک ذلت پر فرش کی۔وہ خبیث قتل ہورہے تھے ،کسی نے آکر خبر دی کہ بھاگ کر نہر کے پار گئے۔عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نائب ،اسد اللہ الغالب نے فرمایا: ہر گز نہیں ہے ان میں سے دس نہر کے پار نہ جاسکیں گے ،سب ادھر ہی قتل ہوں گے۔ پھر بہت وثوق کی خبریں آئیں کہ پار بھاگ گئے۔فرمایا واللہ وہ ادھر نہ جائیں گے ،اس پار ہلاک ہوں گے۔ سچا وعدہ اللہ تعالی کے سچے رسول کا، جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم ۔بالآخر تحقیق ہوا کہ واقعی دس بھی نہ جاسکے ،سب اسی طرف کنارہ آب سے کنارہ نار میں جاگزیں ہوئے۔ کسی نے کہا خدا کا شکر ہے کہ جس نے زمین کو ان کی نجاست سے پاک کیا۔امیر المومنین نے فرمایا: واللہ !وہ ابھی مردوں کی پیٹھ میں ہیں، عورتوں کے پیٹ میں ہیں،وہ قرن قرن ظاہر ہوتے رہیں گے۔ کلما قطع قرن نشا قرن جب ان کی ایک سنگت کاٹ دی جائے،دوسری سر اٹھائے گی۔حتی یخرج آخرھم مع المسیح الدجال یہاں تک کہ ان کا پچھلا گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔

اس وعدۂ صادقہ کے مطابق ،ایسے مولویوں کی سنگت ،ہر زمانہ ہر قرن میں مختلف نام مختلف صورت سے ظاہر ہوتی رہی ،یہاں تک کہ بارہویں صدی میں نجدی خبیث ظاہر ہوا،اور مذہب وہابیہ نے کہ خوارج مخذولین کا سچا فضلہ خوار ہے، شیوع کیا ۔ان کے وہی عقائد وہی مکائد، وہی دھوکے ،وہی تلبیس ،وہی ادعائے حمل قرآن وحدیث۔ان خبیثوں کا اعتراض تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم بنایا،اور اللہ عزوجل فرماتا ہے :ان الحکم الا للہ ، حکم نہیں مگر اللہ کے، یہ شرک ہوا۔حالاں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا، مردوزن میں اختلاف ہو تو ایک حکم اس کے لوگوں سے بھیجو اور ایک حکم اس کے لوگوں سے۔ حدیث میں ہے :ینزل عیسی حکما مقسطا، یعنی عیسی علیہ السلام حاکم عادل ہوکر نزول فرمائیں گے یہ وہابیہ، ان خوارج کے شاگرد کہتے ہیں :اہل سنت انبیا اولیا سے استعانت کرتے ہیں ،اور اللہ تعالی فرماتا ہے :ایاك نعبد وایاك نستعین، ہم تجھی کو پوجیں تجھی سے مدد چاہیں۔ یہ شرک ہوا۔حالاں کہ اللہ تعالی فرماتا ہے :تعاونو اعلی البر والتقوی، نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ حدیث شریف میں ہے : فالیناد اعینونی یاعباداللہ، یوں پکارے مدد کرو میری اے اللہ کے بندو۔

حقیقت ذاتیہ وعطائیہ میں نہ ان خبیثوں نے فرق کیا ،نہ انھوں نے ۔کذلك یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار ، یہ سب گم راہ فرقے ائمہ ہدی واکابر محبوبان خدا کے دشمن ہیں ۔۔۔ رافضیوں کی عداوت تو ہر بچے پر ظاہر۔اللہ اللہ !وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ جن کے فضائل سے ایک شمہ سن چکے۔ وہ صدیقہ بنت الصدیق ام المومنین رضی اللہ تعالی عنہا جن کا محبوبہ سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہونا آفتاب نیم روز سے روشن تر۔ وہ صدیقہ جن کی تصویر بہشتی حریر میں روح القدس خدمت اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر لائیں۔ وہ ام المومنین کہ جبرئیل امین باآں فضل مبین ،انھیں سلام کریں ،اور ان کے کاشانہ عزت وطہارت میں بے اذن لیے حاضر نہ ہوسکیں۔ وہ صدیقہ کہ اللہ عزوجل وحی

نہ بھیجے ان کے سوا کسی کے لحاف میں۔ وہ ام المومنین کہ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اگر کسی سفر میں بے ان کے تشریف لے جائیں، ان کی یاد میں واعروساہ! فرمائیں۔ وہ صدیقہ کہ یوسف صدیق علیہ السلام کی براءت کی شہادت اہل زلیخہ سے ایک بچہ ادا کرے، بتول مریم کا تبریہ روح اللہ و کلمۃ اللہ فرمائے، مگر ان کی براءت وطیب وطہارت کی گواہی میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں۔ وہ ام المومنین کہ محبوب رب العالمین ﷺ ان کے پانی پینے میں دیکھتے رہیں کہ کوزے میں کس جگہ لب مبارک رکھ کر پانی پیا ہے، حضور پر نور ﷺ اپنے لبہائے مبارک، خدا پسند وہیں رکھ کر پانی نوش فرمائیں۔ یہ اشقیائے ملاعنہ خذلہم اللہ ایسے محبوبان خدا اور رسول کے دشمن، ایسوں کے بدگو، ایسوں پر طعنہ زن، اور ندوہ مخذولہ ان سب کی دوست، ان سب کی انجمن، قاتلها الله من ندية الفتن. [حیات اعلی حضرت، ص:۲۱۶،۲۱۵]

ردّ ندوہ میں کولکاتا میں تقریر:

پٹنہ کے جلسہ کے بعد امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اور دیگر علمائے اہل سنت نے ارباب ندوہ کو کئی بار چیلنج کیا، مگر ان کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔ ۱۳۱۹ھ کولکاتا میں ندویوں کا جلسہ ہونے والا تھا، اس جلسے کے جواب میں مجلس علمائے اہل سنت کولکاتا نے ایک جلسہ رکھا اور ہندوستان کے مختلف بلاد وامصار سے علمائے اہل سنت کو مدعو کیا۔ امام احمد رضا اور دیگر علما نے موقع غنیمت سمجھ کر پھر مناظرہ کا چیلنج کروایا اور اس سلسلے میں آپ کے مرید وخلیفہ الحاج منشی لعل محمد خان نے [جو اس وقت کولکاتا میں مقیم تھے] بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اجلاس سے پہلے انھوں نے دعوت مناظرہ کو اشتہار کی صورت میں شائع کرا کے نہ صرف تقسیم کیا بلکہ اخبارات میں بھی شائع کرادیا۔ ناچار مولوی شاہ نظام الدین ندوی نے مناظرہ کی دعوت قبول کرلی مگر ارباب ندوہ نے کولکاتا پہنچ کر نہایت ہی خاموشی سے اس دعوت کو رد کرادیا اور مناظرہ کرنے سے معذرت کرلی۔

مجلس علمائے اہل سنت کی دعوت پر جو علما کولکاتا پہنچے تھے ان میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حافظ بخاری شاہ عبد الصمد سہسوانی پھپھوندوی، مولانا محمد عادل کان پوری، مولانا عبد السلام جبل پوری وغیرہ شامل تھے۔ ان علما نے کولکاتا میں کئی دنوں تک قیام فرمایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے متعدّد جگہوں میں تقاریر کیں اور عوام اہل سنت کولکاتا کو عقائد ندوہ اور اس کے مفاسد سے آگاہ فرماتے رہے۔ کولکاتا میں ان کارکردگیوں کے بارے میں اپنے خط میں حضور محدث سورتی کو آگاہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کلکتہ میں دیابنہ کا جلسہ تھا وہاں بھی جاکر مناظرہ کا غل کیا، پندرہ پندرہ ہزار روپے جمع کردینے ٹھہرے، تاروں اور خطوط پر بارہ دن مکالمہ رہا، نہ تھانوی نے اقرار مناظرہ کیا نہ دیابنہ جم سکے، حسب عادت قرار بر فرار افتاد۔ حامیِ سنت حاجی لعل خا ں صاحب سلمہٗ ان وقائع کی تفصیل کا رسالہ چھپوانے کو ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ، اسی طرح اسی ماہ صفر میں رہتک صوبہ پنجاب سے تھانوی صاحب نے پہلے ہی خط پر فرار کیا اس کا ان شاء اللہ تعالیٰ رسالہ چھپے گا۔ والسلام۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ [مکتوبات امام احمد رضا، ص:۵۴]

ان تمام تر جدو جہد اور عمل پیہم کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور دیگر علمائے کاملین ندوہ کی اصلاح اور اس کی سدھار میں مکمل کامیاب تو نہ ہو سکے لیکن اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اسے حسب توقع مقبولیت حاصل نہ ہو سکی اور ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لوگ اس

کے باطل نظریات اور گمراہ کن عقائد سے آگاہ ہوگئے، وہ ندوہ جس کو ایک دو سال میں ایک مضبوط تنظیم کی صورت اپنالینی تھی ایک دہائی کا عرصہ گزر گیا مگر وہ اپنا پیر ہندوستان کے کسی خطے میں جما نہ سکا۔ جس سرزمین میں بھی اس نے کھڑے ہونے اور جمنے کی کوشش کی داعیانِ حق و صداقت اور خصوصًا مجدد اعظم نے اسے ٹکنے نہ دیا۔ جس طرح آندھیاں خاک کے ذروں کو اڑاتی پھراتی رہتی ہیں اسی طرح علماے حق اس کا پیچھا کر کے مختلف خطوں اور گوشوں میں دوڑاتے رہے۔

اس کے علاوہ ندوہ کے اندر گروہ بندی بھی شروع ہوگئی، اندرونی معاملات اور اصول و قوانین کی تیاری اور اس کے نفاذ میں کھینچا تانی ہونے لگی، یہ معاملہ اتنا زور پکڑا کہ ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کو بھی حفظ عزت کی خاطر مستعفی ہونا پڑا۔

"حیات عبدالحی" کے مؤلف نے لکھا ہے:

"بالآخر ندوۃ العلما کی تاریخ میں وہ نازک موڑ آگیا جو تقریبًا تمام تحریکوں اور کوششوں کی تقدیر بن چکا ہے۔ یعنی مجلس انتظامی ندوۃ العلما کے اندرونی اختلافات، مزاجوں کے عدم توافق بلکہ تضاد اور تناقض کی بنا پر مولانا سید محمد علی مونگیری نے بار بار کی کوششوں اور ارکان کے معذرت و انکار کے بعد ندوۃ العلما کی نظامت سے استعفی دے دیا۔ اور وہ جلسہ انتظامیہ منعقدہ ۲۳/ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹/ جولائی ۱۹۰۳ء میں منظور ہوگیا۔ [حیات عبدالحیٔ، ص: ۱۴۷، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی]

مولانا محمد علی مونگیری کے بعد مولانا مسیح الزماں شاہ جہاں پوری ناظم مقرر ہوئے۔ اور انھوں نے بھی ۲۱/ اپریل ۱۹۰۵ء کو نظامت کے عہدہ سے استعفی دے دیا۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا ایک کے بعد ایک نظامت کا عہدہ سنبھالتے رہے اور آپسی خلش، نااتفاقی اور کچھ نہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے مستعفی ہوتے رہے، آخر میں یہ عہدہ مولوی عبدالحیٔ کے لڑکے حکیم عبدالعلی کے حوالے کیا گیا۔ جس کے بعد ندوہ کی نظامت اور ندوہ عبدالحیٔ کے گھر تک محدود ہوکر رہ گیا اور آج بھی اسی گھرانے کے زیر تسلط چل رہا ہے۔

تحریک ندوہ کے قیام کے بعد اہل ندوہ کی گندی پالیسیوں، ان کے باطل عقائد و نظریات اور مفاسد کا برصغیر میں جن لوگوں نے سب سے زیادہ نوٹس لی ہے ان میں مجدد دین و ملت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی کا نام سرفہرست ہے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے اس تحریک سے علاحدگی اور کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ آپ کی نگاہ دوررس اور خداداد بصیرت نے ندوہ کے پہلے ہی جلسے میں ان کی جانب سے ہونے والے تمام خرافات اور باطل نظریات کا پتہ لگا لیا تھا۔ ابتداءً آپ کے ساتھ ساتھ بے شمار علماے اہل سنت نے اس تحریک کی اصلاحی اور دفاعی کارروائیوں میں حصہ لیا، مگر حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی کی وفات کے بعد ۱۳۱۳ھ کو تمام علماے کرام آپ کی قیادت میں متحد ہوگئے پھر اخیر تک آپ ہی کی قیادت میں ندوہ کے خلاف کارروائی ہوتی رہی۔

جن بزرگوں نے اس پورے عرصے میں آپ کی نصرت و حمایت کی ہے اور ردّ تحریک ندوہ میں حصہ لیا ہے ان سب کا احاطہ تو یہاں مشکل ہے اس لیے بطور تبرک صرف چند مشاہیر اکابر علماے کرام کے اسما درج کیے جا رہے ہیں:

[۱] تاج الفحول محب رسول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی۔

[۲] کنزالکرامت جبل الاستقامت حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی۔

[۳] حافظ صحیح بخاری حضرت مولانا سید عبدالصمد سہسوانی پھپھوندوی۔

[۴] حضرت والادرجت شاہ امین احمد جانشین حضور مخدوم الملک بہاری۔

[۵] استاذالاساتذہ حضرت مولاناہدایت اللہ خاں جون پوری ثم رام پوری۔وغیرہم [رحمہم اللہ تعالی] [حیات اعلی حضرت ص:۷۴-۳۴]

مجدددین وملت اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ نے ردّ تحریک ندوہ میں جو خدمات انجام دی ہیں اور جو مساعیِ جمیلہ فرمائی ہیں ان سب کے احاطے کے لیے ایک نہیں کئی دفتروں کی ضرورت ہے اور مجھ جیسا ناقص المطالعہ اور کم فہم ان سب کا احاطہ ہی کیا کرسکتا ہے تاہم میں نے حسب مطالعہ ان کی ایک ادنی سی جھلک پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ آپ کے سامنے ہے۔

اللہ تعالی ہم کو اور تمام اہل سنت وجماعت کو امام اہل سنت، مجدددین وملت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر تمام بزرگوں کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور جذبہ خدمتِ دین حنیف سے شادکام فرماکر دینی وعلمی، ملی ومذہبی ہر طرح کی خدمات سے قوم کو فائدہ پہنچانے کی قوت وصلاحیت پیدا کرے۔آمین بجاہ النبی الکریم علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن اتبعھم باحسان الی یوم الدّین.

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور مشائخ کچھوچھہ: روابط وتعلقات

مفتی عبدالخبیر اشرفی مصباحی: پرنسپل دارالعلوم منظر اسلام التفات گنج امبیڈکر نگر

مختصر تعارف خانوادۂ اشرفیہ:

مولانا سید ابوالحسن مانک پوری نے اپنی کتاب "آئینۂ اودھ" میں اودھ کے سارے خانوادۂ اشراف کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ان خانوادوں میں دخیل فرقوں اور خارج جماعتوں کی نشان دہی کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

"جو سادات وہاں بلا بلاولاد سید اشرف جہاں گیر کے معروف ہیں۔ یہ واقعی میں اولاد سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ہیں"۔ [سید شاہ ابوالحسن مانک پوری، آئینہ اودھ، ص: ۱۷۰، مطبع: نظامی کانپور، ۱۳۰۳ھ۔]

ان واقعی اولاد سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کے خانوادۂ عالی وقار کا طریقی انتساب تارک السلطنت، غوث العالم، جہانگیر، مخدوم سید اشرف سمنانی کچھوچھوی ابن سلطان سید محمد ابراہیم نور بخشی ابن سلطان سید عماد الدین شاہ نور بخشی سمنانی علیہم الرحمہ کی طرف اور نسبی انتساب مخدوم آفاق سید عبد الرزاق نور العین ابن سید عبد الغفور حسن جیلانی علیہما الرحمہ کی طرف ہے۔

لطائف اشرفی کے مطابق حضرت مخدوم آفاق علیہ الرحمہ کی پانچ اولاد نرینہ کی تعلیم وتربیت بھی خود مخدوم سید اشرف جہاں گیر علیہ الرحمہ نے فرمائی تھی۔ بڑے صاحبزادے کا انتقال آپ کی ظاہری حیات میں ہوگیا تھا، باقی چار کو آپ نے خود علاقۂ ولایت وخلافت سپرد فرمایا تھا۔ سید شاہ حسن جیلانی سرکار کلاں کو کچھوچھہ، سید شاہ حسین جیلانی سرکار خورد کو جون پور، سید شاہ فرید جیلانی کو بسوڑی بارہ بنکی اور سید شاہ احمد جیلانی کو جائس کی ولایت عطا کی تھی۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں مخدوم سید اشرف جہاں گیر علیہ الرحمہ نے قیام فرمایا تھا اور مریدین ومتوسلین کی ایک بڑی تعداد ان علاقوں میں موجود تھی، ان علاقوں میں اپنے نبیروں کو بھیجنے کی یہ حکمت تھی کہ فروغ دین وسنیت کے لیے جو مشن آپ نے ان علاقوں میں شروع کیا تھا وہ جاری وساری رہے۔ حضرت مخدوم آفاق علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت سید شاہ حسن جیلانی کچھوچھوی سرکار کلاں آپ کے جانشیں ہوئے۔

مختصر تعارف امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی:

حضرت علامہ امام نقی علی خان علیہ الرحمہ کے صلب سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بوقت ظہر محلہ جسولی بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ صرف

عالم، مفتی، حافظ، مفسر، محدث، فقیہ، نعت گو شاعر، مصنف اور محقق ہی نہیں تھے بلکہ دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ سائنسی وعقلی علوم میں بھی آپ کو دست رس تھی۔ آپ کی ذات ہمہ جہت تھی، ہر فہرست میں سرفہرست تھی۔ علامہ ہدایت اللہ ابن محمود سندھی مہاجر مکی نے آپ کے تعلق سے نہایت جامع بات کہی ہے کہ:

”وہ [اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ] اس کے اہل ہیں کہ ان کے نام سے قبل اور بعد میں کوئی بھی فضیلت کا خطاب لگایا جائے“۔ [معارف رضا ۱۹۸۶ء، ص:۱۰۲، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، سال اشاعت ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۶ء]

اسی طرح مفتی غلام معین الدین صاحب نے آپ کا نہایت مختصر اور جامع تعارف ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

”حرمین طیبین اور دیگر بلاد اسلامیہ کی یگانۂ روز گار علمی ہستیوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو نابغۂ روز گار اور عدیم النظیر محقق تسلیم کیا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر اعلیٰ حضرت کی جملہ تصانیف اور خصوصاً فتاویٰ رضویہ اس امر کی واضح شہادت دے رہا ہے کہ اس کا مصنف دقائق کا خزینہ، حقائق کا گنجینہ اور تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ میں منصب امامت پر فائز تھا“۔ [ماہنامہ المیزان بمبئی، امام احمد رضا نمبر، جلد نمبر ۶، شمارہ نمبر ۹،۸،۷، اپریل، مئی، جون ۱۹۷۶، ص:۱۹۶، مضمون امام احمد رضا اور صدر الافاضل، مفتی غلام معین الدین نعیمی]

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی اڑسٹھ سالہ حیات میں دنیا کو بہت کچھ دیا۔ سیکڑوں تحقیقی کتابیں لکھیں، بہت سے لاینحل مسائل حل کیے اور اہل سنت وجماعت کی قیادت کے لیے ان گنت افراد تیار کر کے ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ میں دنیا سے روپوش ہو گئے۔

عہدِ امام احمد رضا کے سجادہ نشینان کچھوچھہ مقدسہ:

امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ جس زمانے میں آغوش عالم میں آئے۔ اس زمانے میں خانوادۂ اشرفیہ کے تیرہویں سجادہ نشیں شیخ طریقت سید شاہ منصب علی اشرفی جیلانی مسند سجادگی پر جلوہ ریز تھے۔ حضرت سید شاہ منصب علی کے بارے میں مولانا مفتی محمود احمد رفاقتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ:

”حضرت شاہ منصب علی صاحب نے رشد وہدایت میں زندگانی بسر فرمائی، صاحب صبرو رضا و توکل بزرگ تھے، ان کی ذات بابرکات مرجع انام تھی، خلائق کا ازدہام ان کے گرد رہتا تھا، سلسلۂ ارشاد وسیع تر تھا“۔ [حیات مخدوم الاولیا محبوب ربانی، محمود احمد قادری، ص:۴۹، ناشر حضرت امین شریعت ٹرسٹ اسلام آباد، سون برسا، مظفر پور، سال اشاعت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء ملخصًا]

حضرت شاہ منصب علی صاحب کا وصال شب دوشنبہ، بعد نصف لیل محرم الحرام سن ۱۳۰۷ھ کو ہوا۔ یوم دوشنبہ شام کو کنارۂ تالاب نیر شریف مسجد کے پاس تدفین ہوئی- فرحمہ رحمۃ واسعۃ-”فنافی اللہ کریم الخلق“ سے آپ کا سالِ وصال نکلتا ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے جس سال اپنی عمر کے تیرہویں زینہ پر قدم رکھا تھا، اسی سال سجادۂ مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی علیہ الرحمہ پر چودھواں سجادہ نشیں رونق آرا ہوئے تھے۔ چنانچہ حیات مخدوم الاولیاء میں ہے:

"حضرت شاہ منصب علی نے اپنی کبر سنی، ضعف ونقاہت اور امراض کے ہجوم کی وجہ سے اپنے برادر زادہ حضرت اشرف الاولیا مولانا الحاج سید شاہ اشرف حسین صاحب قبلہ قدس سرہ [برادر و مرشد طریقت ہم شبیہ غوث اعظم محبوب سبحانی مولانا الشاہ سید محمد علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ] کو ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء کو اپنا جانشین کیا اور سرکار کلاں کی سجادہ نشینی کا منصب تفویض فرمادیا اور خلافت نامہ بھی تحریر فرمادیا"۔

اشرف الاولیا سید شاہ اشرف حسین علیہ الرحمہ کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں حیات مخدوم الاولیا میں لکھا ہے کہ:

"واقف اسرار قاب قوسین، مجمع البحرین، صاحب القدوۃ القدسیہ، اشرف الاولیا حضرت مولانا الحاج سید شاہ اشرف حسین قدس سرہ کی ولادت باسعادت بروز دوشنبہ چودہ جمادی الثانیہ ۱۲۶۰ ھ کو حضرت کچھوچھا مقدسہ میں ہوئی۔ یہ امجد علی شاہ ودھ کا عہد تھا [۱۲۵۸-۱۲۶۳ھ]۔ "خود صاحب سجادہ نے اپنی تاریخ پیدائش ۲ر صفر ۱۲۴۰ھ [کے روزنامچہ] میں بعنوان "تاریخ خود گفتم" تحریر فرمایا ہے۔

"اختر ہند" آمدہ سال ولادت ایں فقیر
چہاردہ بود از جمادی آخریں و یوم پیر
سال دیگر خود بجستم آمدہ "خورشید علم"
عہد شاہ لکھنو بودا ے روشن ضمیر

[تفصیل دیکھیے: مرجع سابق:۵۲ مع حاشیہ]

حضرت اشرف الاولیا، صاحب قلم وقرطاس بزرگ تھے۔ آپ کی علمی یادگاروں میں ❶ انوار اشرفی۔ منظوم سوانح حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی۔ ❷ محضر جہانگیری۔ یہ رسالہ وہابیوں کے عقائد کے بطلان میں مضامین کی شکل میں لکھا گیا۔ ❸ منظوم شاہ نیاز اشرف ❹ نعتیہ دیوان ❺ ۱۳ر ضخیم جلدوں پر مشتمل روزنامچہ۔

حضرت اشرف الاولیا سید شاہ حسین اشرف علیہ الرحمہ نے تقریبا اسّی سال کی عمر پائی، ۲۵ر محرم ۱۳۴۸ھ کو وصال ہوا۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے دور میں ہم شبیہ غوث اعظم محبوب سبحانی، اعلیٰ حضرت ابو احمد سید محمد علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ بھی سجادہ نشین رہے۔ ہم ان کا مختصر تعارف آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام احمد رضا اور مولانا سید اشرف حسین اشرفی جیلانی:

اشرف الاولیا مولانا سید اشرف حسین جیلانی کچھوچھوی، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت سے ۱۴ر سال پہلے رونق آرائے جہاں ہوئے اور ان کی وفات کے بعد آٹھ سال تک دنیا کو زینت بخشتے رہے۔ گویا امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا بچپن، جوانی اور بوڑھاپا سب آپ کے زمانے میں آئے گزرے۔ دور طالب علمی، دور علمی عروج اور دور قیادت سب آپ کی مشیخت کے زمانے میں پایہ تکمیل کو پہنچے۔ ایک جہاں دیدہ شیخ سے

علمائے عصر کے حالات وکوائف پوشیدہ رہیں! یہ کہاں ممکن ہوتا ہے۔ چناں چہ امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی علمی ومذہبی خدمتیں بھی حضرت اشرف الاولیا علیہ الرحمہ سے پوشیدہ نہ رہیں، ان کی تصنیفات و تالیفات کی خبریں آپ تک برابر پہنچتی رہیں، آپ ان سے واقف بھی رہے اور مطالعہ بھی کرتے رہے۔

امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اور اشرف الاولیا مولانا الشاہ سید اشرف حسین جیلانی کچھوچھوی علیہما الرحمہ کے تبلیغی مشن میں یکسانیت تھی۔ دونوں بزرگ رد وہابیہ فرماتے تھے۔ اس میدان میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے کارنامے جگ ظاہر ہیں، محتاج بیان نہیں۔ حضرت اشرف الاولیا علیہ الرحمہ نے بھی وہابیوں کے عقائد باطلہ کی تردید اپنی زندگی کا حصہ بنالیا تھا۔ آپ جہاں تشریف لے جاتے تھے اپنے وعظ وبیان میں وہابیوں کی تردید ضرور فرماتے تھے۔ چنانچہ مفتی محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

”حضور اشرف الاولیا نے احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ بھی پورے انہماک سے انجام دیا۔ آپ کے زمانے میں مولوی اسماعیل دہلوی کی بدنام زمانہ [کتاب] تقویۃ الایمان کا زور ہوا۔ فرنگی محل، شاہ جہان پور، رام پور، بدایوں، بریلی کے علما اس کے رد پر مستعد ہوئے۔ حضرت کچھوچھہ مقدسہ میں آپ کی ذات گرامی نے وہابیت کی بلا کو دور رکھا“۔ [حیات مخدوم الاولیا محبوب ربانی، محمود احمد قادری، ص:۵۹، ناشر حضرت امین شریعت ٹرسٹ اسلام آباد، سون برسا، مظفر پور، سال اشاعت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء]

اشرف الاولیاء علیہ الرحمہ نے وہابی فتنہ کی سرکوبی کے لیے قلمی رد بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ حیات مخدوم الاولیا میں ہے کہ:”
حضرت اشرف الاولیا قدس سرہ نے نجدی فتنہ کے پر آشوب دور میں نجدی وہابیوں کے عقائد کے بطلان میں مسلسل مضامین کا سلسلہ شروع کیا جو دار العلم والعمل حضرت فرنگی محل کے ماہنامہ ”النظامیہ“ میں مسلسل چھپا کیا اور نظر ثانی کے بعد محضر جہاں گیری کے نام سے کتابی شکل میں چھپا۔ [مرجع سابق، ص:۶۴]

فروغ رضویات میں سید شاہ اشرف حسین کچھوچھوی کا کردار:

اشرف الاولیا سید شاہ اشرف حسین علیہ الرحمہ کا دور اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ابتدائی دور تھا۔ ہندوستانی مذہبی تاریخ میں آپ کا نام اور کام اپنی جگہ بنا رہا تھا۔ حضرت اشرف الاولیا نے اس دور میں آپ کی تصنیفات و پیغامات کو عام کرنے کا ایسا طریقہ اختیار کیا جو انوکھا اور عجیب وغریب تھا۔ وہ طریقہ یہ تھا کہ جب آپ کسی مرید کو اپنا شجرۂ طریقت دیتے تو اعلی حضرت محدث بریلوی کی کسی کتاب کا نام اس میں لکھ دیتے اور اس مرید کو وہ کتاب پڑھنے کی تاکید کر دیتے۔ فروغ رضویات کا یہ طریقہ شاید آپ سے شروع ہو کر آپ ہی پر ختم ہو گیا۔

اعلی حضرت اور ان کے شاگردوں کی کتابوں کی تائید:

حضرت اشرف الاولیا علیہ الرحمہ کو مطالعۂ کتب کا بڑا شوق تھا۔ ان کے مطالعہ میں عقائد وسلوک اور فقہ و تاریخ کی کتابیں خصوصی طور پر رہا کرتی تھیں۔ کتابوں کے مطالعہ کے بعد آپ حاصل مطالعہ بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کی زیادہ تر تحریریں مولانا سید

ظفر مسعود ابن مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی کے یہاں آج بھی موجود ہیں۔ حضرت اشرف الاولیاء علیہ الرحمہ نے اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل کی بریلوی کی کتابوں کا بھی مطالعہ فرمایا تھا۔ چنانچہ جب امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی کتاب "الکوکبة الشھابية" فرقۂ اسماعلیہ کی رد میں چھپ کر آئی تو آپ نے نہ صرف اس کا مطالعہ فرمایا بلکہ اس کی تائید و توثیق فرمائی اور اپنے مریدین کو مطالعہ کرنے کی تلقین بھی فرمائی۔ چناں چہ حیات مخدوم الاولیا میں ہے کہ "فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی کتاب "الکوکبة الشھابية" جب رد عقائد اسماعیلیہ میں چھپ کر آئی، حضرت اشرف الاولیاء نے اس کی تائید وتحسین فرمائی اور اپنے شجرۂ عالیہ میں مریدوں کو آگاہ فرمایا اور فرمان جاری فرمایا کہ مولانا احمد رضا علامۂ بریلی نے اس کتاب میں پچہتر وجوہ سے اسمٰعیل دہلوی کا کفر اور کفریات ثابت کیا ہے، قابل مطالعہ کتاب ہے، اس کو مطالعہ میں رکھنا چاہیے"۔[نفس مرجع، ص:۵۹]

حضرت اشرف الاولیا مولانا الشاہ اشرف حسین علیہ الرحمہ جس طرح امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، اسی طرح آپ کے شاگردوں کی کتابوں کو بھی پڑھا کرتے تھے۔ اپنے مطالعہ کی روشنی میں علما و مشایخ کے بتائے ہوئے طریقوں پر اپنے مریدین کی تربیت فرماتے تھے۔ چنانچہ صدر الشریعہ تلمیذ اعلی حضرت کی کتاب "بہار شریعت" جب منظر عام پر آئی تو آپ نے اپنے مریدوں کو اس کتاب مستطاب کے مطالعہ کی تاکید فرمائی، چناں چہ آپ نے اپنے شجرۂ عالیہ اشرفیہ میں لکھا کہ:

"مولوی امجد علی مفتی الہند نے بہار شریعت نام سے فقہ حنفی کے مفتی بہ مسائل کو مرتب کیا ہے۔ اس کو مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔ بے مثل دینی خزینہ ہے"۔[مرجع سابق، ص:۶۰]

امام احمد رضا بریلوی اور مولانا سید محمد علی حسین اشرفی میاں:

امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت سے چھ سال پہلے ہم شبیہ غوث اعظم محبوب سبحانی، اعلی حضرت ابو احمد محمد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی ولادت ہوئی، یعنی آپ ۲۲/ربیع الآخر ۱۲۶۶ھ مطابق ۷/مارچ ۱۸۵۰ء کو شکم مادر سے آغوش دنیا میں آئے۔ مولانا گل محمد صاحب خلیل آبادی نے بسم اللہ خوانی کرائی اور ان ہی سے خلیل آباد میں رہ کر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ فارسی کی تعلیم مولانا کرامت علی صاحب سے اور اس کے بعد کی تعلیم مولا امانت علی گورکھپوری اور مولوی قادر بخش کچھوچھوی صاحب سے حاصل فرمائی۔ اساتذۂ کرام بکمال محبت و شفقت آپ کو تعلیم دیتے تھے۔ علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ جن دنوں فیض آباد میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز تھے، حضرت اشرفی میاں کے بارے میں ان کے عہد شباب میں فرمایا تھا: "شاہ صاحب نے وہ لیاقت بہم پہنچائی ہے کہ علما کی مجلس میں بھی ایک شاندار رکن دکھائی دیں گے"۔[مرجع سابق، ص:۵۸]

اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی ۱۲۸۲ھ میں اپنے برادر حقیقی اشرف الاولیا مولانا الشاہ سید اشرف حسین علیہ الرحمہ کے

مرید ہوئے اور اسی سال خلافت سے نوازے گئے۔ مرشد گرامی نے راہ سلوک میں آپ کے انہماک وترقی کو جب ملاحظہ فرمایا تو ۳؍ربیع الاول ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۴جون ۱۸۶۱ء کو سجادہ نشینی کا منصب بھی عطا کردیا، اس وقت آپ کی عمر مبارک کا اکیسواں سال تھا۔ اللہ کریم نے آپ کو لمبی عمر عطا کی تھی، امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی کل عمر اڑسٹھ سال سے ایک سال زیادہ، انہتر سال آپ سجادہ نشیں رہے۔ بڑی بڑی عبقری اور خدار سیدہ شخصیتوں نے آپ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا، علماو مشائخ کی معتدبہ تعداد نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ بہت سے ایسے علما بھی تھے جو مدارس اسلامیہ سے فراغت کے بعد محض تعلیم سلوک حاصل کرنے کے لیے برسہابرس آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ معرفت وسلوک میں آپ کی عظمت کا اندازہ صدر العلما، امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی اس عبارت سے لگایا جاسکتا ہے:

”قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، ملجاوماوائے مابیکساں، مرجع وملاذ کاملاں، اشرف المشائخ سیدنا ومولانا الشاہ سید علی حسین صاحب کچھوچھوی قدس سرہ القوی [کے بارے میں] اہل کشف نے فرمایا کہ: آپ حسن صوری کے اعتبار سے اپنے جد امجد حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے شبیہ تھے اور حسن معنوی کے اعتبار سے اولیاے کرام میں محبوبیت کے مرتبۂ چہارم پر فائز، اول محبوب سبحانی حضور غوث اعظم، دوم محبوب الٰہی حضرت سلطان المشائخ، سوم محبوب یزدانی حضور مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی، چہارم محبوب رحمانی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ مجدد مائۃ حاضرہ، اعلی حضرت، عظیم البرکت، مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ القوی کے قلم حقیقت نے اپنے محققانہ انداز میں آپ کے مذکورہ بالا حسن صوری ومعنوی کی جانب رہنمائی کرتے ہوئے عرض کیا تھا:

اشرفی اے رخت آئینۂ حسن خوباں
اے نظر کردہ وپروردۂ سہ محبوباں

[بشیر القاری بشرح البخاری، علامہ سید غلام جیلانی، ص:۱۸،۱۷، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی - ملخصًا-]

چند زبانی اور تحریری روایتوں کا اعتبار کریں تو آپ کے مریدوں کی تعداد کم وبیش چار کروڑ اور خلفا کی تعداد دو ہزار سے زائد تھی۔ آپ کا وصال ۱۱رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۷؍ستمبر ۱۹۳۶ء کو رات ایک بج کر بیس منٹ پر ہوا۔

اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی اور اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کے آپسی مراسم:

ہم شبیہ محبوب سبحانی، اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے عمر میں بڑے تھے۔ لیکن دونوں بزرگ ایک دوسرے کے مراتب علیا سے واقف تھے اور ایک دوسرے کا غایت درجہ ادب و احترام کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ جس طرح امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے تبحر علمی، فہم وبصیرت اور تجدید واحیاے دین کے معترف تھے۔ اُسی طرح امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی مشیخت اور جمال ظاہری وباطنی وکمالات روحانی کے دلدادہ تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں۔ دونوں بزرگوں نے آپسی میل جول سے شجر اسلام کی خوب آبیاری کی

ہے، اہل سنت وجماعت کو بھرپور تقویت پہنچائی ہے اور عوام اہل سنت کے دلوں میں عشق رسول کا شمع فروزاں کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ جس طرح ان بزرگوں کے کارنامے جماعتی سطح پر مشعل راہ ہیں، اسی طرح ان کی آپسی محبت ومؤدت، تعلقات ومراسم اور آداب واحترام اتحاد ملت کے لیے دعوت عمل ہیں۔

کتاب لاجواب ''البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ'' میں لکھا ہے کہ:

''حضرت شاہ علی حسین اشرفی، آپ ۲۲؍ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ/ ۱۸۵۰ء کو کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱؍ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں وصال ہوا۔ علم وفضل، تقوی وطہارت اور تبلیغ اسلام میں اپنی مثال آپ تھے۔ خاندانی اعتبار سے سید تھے اور شکل وصورت کے لحاظ سے شبیہ سیدنا غوث اعظم جیلانی رضی اللہ عنہ تھے۔ ہزاروں علما آپ کے حلقہ ارادت سے وابستہ تھے۔ امام احمد رضا بریلوی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دیا کرتے تھے''۔ [البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، علامہ عبد الحکیم شرف قادری، ص: ۱۸۳، مکتبہ قادریہ لاہور، بار دوم، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء]

امام اہل سنت، اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ، ہم شبیہ غوث اعظم محبوب سبحانی، اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی دست بوسی وقدم بوسی فرماتے تھے۔ یہ عمل یک طرفہ نہیں تھا بلکہ اعلی حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ بھی اعلی حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی دست بوسی وقدم بوسی کرنے میں سبقت کے خواہاں تھے اور عملاً اس کو بجالاتے تھے۔ چنانچہ سید صابر حسین شاہ بخاری نے نقل کیا ہے کہ: ''شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ اور امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی آپس میں محبت وعقیدت کا یہ عالم تھا کہ جہاں بھی ملتے ایک دوسرے کے لیے قیام فرماتے۔ دست بوسی بلکہ قدم بوسی میں سبقت کرتے۔ احترام بین الاکابر کا حسین منظر سامنے ہوتا''۔ [امام احمد رضا محدث بریلوی اور فخر سادات سید محمد کچھوچھوی، سید صابر حسین شاہ بخاری قادری، ص: ۱۳۰، ناشر رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور، سال اشاعت، ندارد، بحوالہ تذکرۂ جمیل مصنفہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی]

اعلی حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے خاندان کے فرد فرید علامہ تقدس علی علیہ الرحمہ نے اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے، جسے مولانا سید خلیل احمد قادری صاحب نے نقل کیا ہے کہ:

''حضرت مولانا تقدس علی خان علیہ الرحمہ شیخ الحدیث پیر گوٹھ جو اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک روز میں اعلی حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک نورانی شخصیت اعلی حضرت [علیہ الرحمہ] کی مسند پر رونق افروز ہیں اور خود اعلی حضرت علیہ الرحمہ دوسری جگہ عقیدت مندوں، شاگردوں کی جگہ ادب واحترام سے تشریف فرما ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ یہ کون شخصیت ہے کہ جن کو اعلی حضرت بریلوی [علیہ الرحمہ] نے اپنی مسند پر بٹھایا ہے۔

اعلی حضرت نور اللہ مرقدہ نے مجھے فرمایا: ''انہیں تعظیم دو'' یہ حضور غوث الاعظم [قدس سرہ العزیز] کے نور نظر حضرت سید علی حسین شاہ صاحب عرف اشرفی میاں سجادہ نشین کچھوچھہ شریف ہیں'' [مقالات اشرفی، محمد منشا تابش قصوری، ص: ۱۴۰، ناشر حلقۂ اشرفیہ رجسٹرڈ، پاکستان، سال اشاعت ندارد، بحوالہ مولانا سید دیدار علی شاہ کی سوانح، مصنفہ سید خلیل احمد قادری]

علامہ حسنین رضاخان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

”حضرت سیدنا شاہ علی حسین صاحب قبلہ کچھوچھوی جو سیدنا غوث پاک کی شبیہ مشہور تھے، ان کی بزرگانہ شفقت و محبت تو آنکھوں دیکھی ہے۔ ان کا وصال اعلی حضرت قبلہ کے بعد ہوا ہے“۔[سیرت اعلی حضرت، علامہ حسنین رضاخان علیہ الرحمہ، ص:۱۱۶، ناشر رضا اکیڈمی صالح نگر، بریلی شریف، سال اشاعت ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۲ء]

خطاب اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کی اعلی حضرت امام محدث بریلوی کی طرف سے تائید و توثیق:

اعلی حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان جلسے جلوس میں بہت کم شرکت کرتے تھے۔ قلم وقرطاس آپ کی زندگی کا سرمایہ تھا۔ کبھی کسی اہم جلسے میں شرکت فرماتے تو اس بات کا پورا لحاظ رکھتے کہ پڑھنے والے سب باشرع ہوں اور موافق شرع کلام کریں۔ چنانچہ ملک العلما حضرت علامہ ظفرالدین بہاری رضوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”ایک بار مولانا فضل رسول صاحب قدس سرہ العزیز کے عرس میں مولانا احمد رضاخان صاحب تشریف لائے تھے۔ کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آنولوی کو میلاد شریف پڑھنے بٹھادیا تھا۔ انہوں نے اثنائے تقریر میں یہ کہا کہ پہلے حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک میں قیامت کے دن فرشتے روح ڈالیں گے۔ چوں کہ اس میں حیات انبیا علیہم السلام کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا۔ یہ سن کر مولانا موصوف کا چہرہ متغیّر ہوگیا اور جناب مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ اجازت دیں تو میں ان کو منبر پر سے اتاردوں۔ مولانا عبد القادر صاحب نے آنولوی صاحب کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبد المقتدر صاحب سے فرمایا کہ مولانا ایسے بے علم کو مولانا احمد رضاخان صاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے نہ بٹھایا کیجیے، جن کے سامنے بیان کرنے والے کے لیے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی سلسلے میں مولانا احمد رضاخان صاحب نے فرمایا کہ:”ان ہی وجوہ سے آج کل کے واعظین اور میلاد خوانوں کے بیانوں اور وعظوں میں جانا چھوڑ دیا ہے“ اور حضرت شاہ علی حسین صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے متعلق فرمایا کہ:”حضرت ان میں سے ہیں جن کا بیان میں بخوشی سنتا ہوں“۔[حیات اعلی حضرت، علامہ ظفرالدین بہاری رضوی، ج:۱، ص:۱۷۸،۱۷۷، ناشر امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، سال اشاعت ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء]

فتاواے اعلی حضرت محدث بریلوی کی اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کی طرف سے حمایت و تائید:

سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد ہندوستانی مسلمانوں میں ہیجانی کیفیت طاری تھی، مسلمانوں میں عام مایوسی کی کیفیت ہر کلمہ گو کے چہرے پر نمایاں نظر آتی تھی، قائدین قوم اور ہمدردان ملت بے قراری واضطرابی کی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ ہر طرف بے بسی وکس مپرسی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ اس عام اضمحلال واضطراب سے قوم کو نجات دلانے کے لیے ”تحریک خلافت“ نام سے ایک مرکزی کمیٹی قائم کی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی اس تحریک کی مرکزی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلنے لگی اور مسلمانوں کی انتھک محنت اور جاں فشانی کا فائدہ غیروں نے اٹھانا شروع کردیا۔ بعض اکابرین نے وقت کی نزاکت اور مسلمانوں کے زیاں کو دیکھتے ہوئے تنظیم کی قیادت ورفاقت سے اپنے آپ کو جدا کرلیا اور کھلے لفظوں میں مسلمانوں کو غیروں کی چال بازی سے واقف کرانا شروع کیا۔ ان اکابرین میں اعلی حضرت امام اہل سنت

امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور اعلی حضرت ہم شبیہہ محبوب سبحانی ابو احمد سید شاہ محمد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ بھی شامل تھے، جنھوں نے برقت خطرات کا ادراک کیا اور قوم کی باگ ڈور سنبھالی۔ اعلی حضرت امام اہل سنت نے رسالے اور کتابیں لکھ کر شائع کرائیں اور اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی نے اپنے وعظ و بیان کے ذریعے مسلمانان اہل سنت کو متنبہ کیا۔

مظہر اعلیٰ حضرت، شیر بیشۂ اہل سنت علامہ مفتی حشمت علی خان رضوی قادری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الصوارم الھندیه علیٰ مکر شیاطین الدیو بندیه" میں تحریر فرمایا ہے:

"حضرت والا مرتبت، عالی منزلت، گل گلزار جیلانی، گلبن خیابان سمنانی مولانا سید شاہ ابو احمد علی حسین صاحب چشتی اشرفی مسند نشیں سرکار کچھوچھہ کے دو ۲ر مقدس ارشاد واجب الانقیاد۔

فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ — فقیر سید ابو احمد المدعو علی حسین الاشرفی الجیلانی

بعد دعاے درویشانہ سلام خوب کیشانہ مدّعا نگار ہے: تمھارا کارڈ جوابی آیا، خوشی حاصل ہوئی۔ میں اُدھر آنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر چندہ وجوہ سے نہ آسکا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد عرس شریف حضرت جدّ اعلیٰ قدس سرّہٗ بشرط زندگی ماہ جمادی الآخرہ تک سورت میں آؤں گا۔ اب میرے آنے کو غنیمت سمجھنا میں بہت ضعیف ہوتا جاتا ہوں۔ اور فرقہ گاندھویہ کی رفاقت اور ان کا ساتھ دینا جائز نہیں ہے۔ اور مولانا احمد رضا خان صاحب، عالم اہل سنت کے فتوؤں پر عمل کرنا واجب ہے۔ کافروں کا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور ہمارے جملہ مریدان و محبان اور جمیع پرسان حال کو سلام و دعا کہنا"۔ ۲۱ر ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی اور عالم ربانی مولانا شاہ سید احمد اشرف جیلانی کچھوچھوی:

خلیفۂ اعلی حضرت محدث بریلوی عالم ربانی مولانا شاہ احمد اشرف جیلانی کچھوچھوی ابن اعلی حضرت ہم شبیہہ غوث اعظم محبوب سبحانی، ابو احمد سید محمد علی حسین اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ کی ولادت ۴ر شوال ۱۲۸۶ھ مطابق ۷ر جنوری ۱۸۷۰ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق کچھوچھہ مقدسہ میں ہوئی۔ مولانا شاہ آل احمد جعفری پھلواروی محدث مدنی نے بسم پڑھائی، استاذ العلما مولانا معین الدین ابو الخیر مانک پوری، مولانا شاہ احمد حسن چشتی صابری اور استاذ الکل مفتی لطف اللہ علی گڑھی علیہم الرحمہ سے اکتساب علم کیا۔ سلوک و معرفت کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی سے پائی۔ والد گرامی اور امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے مختلف سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ قیام علی گڑھ کے زمانے میں عالم رؤیا میں رسول اللہ ﷺ نے دستار بندی فرمائی، جس کے آثار صبح تک روشن و ظاہر رہے، اس کے بعد آپ نے کسی مدرسے سے دستار بندی کرانے سے انکار کر دیا۔

عالم ربانی مولانا احمد اشرف علیہ الرحمہ مروجہ علوم و فنون کے ساتھ غیر مروجہ علوم و فنون پر بھی کامل دست رس رکھتے تھے۔ ہیئت، توقیت وغیرہ علوم و فنون میں آپ یکتاے زمانہ تھے۔ مناظرہ اور وعظ و بیان میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ چنانچہ تذکرۂ مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی میں ہے:

"دو لاکھ برس تک کی جنتری انگریزی ماہ کے حساب سے مرتب فرما کر شائع فرمائی اور وہ بھی اتنی مختصر کہ صرف ایک بالشت

کاغذ میں آسکتی ہے۔اور ساتھ ہی یہ چیلنج بھی جنتری کے نیچے لکھ دیا کہ آج سے دولاکھ سال تک میری جنتری میں جو غلطی نکال دے اسے زر خطیر انعام دیا جائے گا۔ دوسری جنتری سن ہجری کے اعتبار سے مرتب فرمائی جو غیر محدود سالوں تک کے لیے کافی ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ اس میں سن و تاریخ کا دیکھنا ایسا آسان فرمادیا ہے، جیسے لوگ گھڑی دیکھ کر آسانی کے ساتھ وقت معلوم کر لیتے ہیں، اور یہ جنتری اتنی مختصر سائز میں ہے کہ گھڑی کے ڈائل میں آسانی کے ساتھ کندہ ہوسکتی ہے"۔[تذکرۂ مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا رضاء الحق راج محلی، ص:۲۴۰، ناشر الاشرف اکیڈمی، راج محل، صاحب گنج، بہار، سال اشاعت ۱۹۹۵ء]

حضرت ممدوح علیہ الرحمہ نے نہایت قلیل عمر پائی، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۳۱ر ستمبر ۱۹۲۸ء میں بعارضۂ اسہال وطاعون حالت نماز میں شہادت پائی -فرحمه الله تعالى رحمة واسعة-

عالم ربانی مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی دربار اعلیٰ حضرت میں:

یہ مسلمہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے اور زمانہ جانتا ہے کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور ہم شبیہ غوث اعظم محبوب سبحانی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہما الرحمہ ایک دوسرے کے محب و معتقد تھے۔اسی محبت واعتقاد کا نتیجہ تھا کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے فرزند دل بند عالم ربانی مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی کو ۱۵ر شعبان ۱۳۰۱ھ کو اپنے ساتھ بریلی شریف لے گئے اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے حوالہ کرکے فرمایا کہ "آپ ان کو پڑھادیں"۔لیکن کسی وجہ [وجہ غالباً مولانا سید جعفر اشرف ابن اشرف الاولیا حضرت سید شاہ اشرف حسین علیہما الرحمہ کی معیت مقصود تھی۔ چناں چہ مفتی محمود قادری صاحب ہی نے لکھا ہے کہ:"۷ار شوال المکرم ۱۳۰۱ھ کے روزنامچہ سے معلوم ہوا کہ حضرت اشرف الاولیا نے ان [سید جعفر اشرف] کو اور مولانا احمد اشرف کو اسی تاریخ کو گورکھپور استاذ العلما مولانا ابوالخیر معین الدین صاحب رئیس کڑامانک پور کی خدمت میں لے گئے۔دیکھئے: حیات مخدوم الاولیا عالم ربانی، مفتی محمد احمد قادری، ص:۶۹، ناشر حضرت امین شریعت ٹرسٹ اسلام آباد، سون برسا، مظفر پور، سال اشاعت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء] سے ۱۷ شوال ۱۳۰۱ھ کو حضرت عالم ربانی علیہ الرحمہ گورکھپور میں استاذ العلما مولانا ابوالخیر معین الدین رئیس کڑامانک پور الہ آباد کی درسگاہ فیض میں داخل ہوئے۔ پھر استاذ العلما کے مشورہ سے استاذ زمن مولانا شاہ احمد حسن چشتی صابری کی درسگاہ میں شریک ہوئے، یہاں ۱۳۰۲ھ تا ۱۳۰۷ھ پورے انہماک ولگن کے ساتھ تعلیم حاصل فرمائی۔ پھر ۱۳۰۷ھ میں استاذ الکل حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی کی خدمت میں علی گڑھ چلے گئے اور جب استاذ الکل علیہ الرحمہ ۱۹۸۵ء میں میں ریاست حیدر آباد دکن میں "مفتی اعظم" کے منصب پر فائز ہوئے تو ان کے ساتھ آپ بھی حیدر آباد چلے گئے اور تکمیل درس تک ان ہی کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔[تفصیل دیکھئے: حیات مخدوم الاولیا عالم ربانی، مفتی محمد احمد قادری، ص:۴۴۱،۴۴۰، ناشر حضرت امین شریعت ٹرسٹ اسلام آباد، سون برسا، مظفر پور، سال اشاعت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء]

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم ربانی مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان سے باضابطہ درس نہیں لیا یہی وجہ سے ہے مؤرخین اہل سنت کی ایک جماعت نے

آپ کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے شاگرد ماننے سے انکار کیا ہے، لیکن اکابر مؤرخین اہل سنت نے عالم ربانی مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے شاگرد لکھا ہے۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند علامہ عبد المصطفیٰ خاں قدس سرہٗ نے رسالہ الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد [ذکر احباب و دعاء احباب] پر تحریر فرمایا ہے کہ:

"حضرت بابرکت حامی سنت از اولاد امجاد حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ جناب مولانا سید ابوالمحمود احمد اشرف اشرفی جیلانی زینت کچھوچھہ شریف ابتدؔ تلمیذ اعلیٰ حضرت مد ظلہ العالی"۔ [الاستمداد علیٰ اجیال الار تداد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ، ص:۶۸، حاشیہ:۱، مطبوعہ رضا آفسیٹ ممبئی، سال اشاعت ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء]

علامہ حسنین رضا خان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

"اعلیٰ حضرت کے حاشیہ کے علما اور تلامذہ کا کہیں کہیں نام آگیا ہے۔ ان کی تفصیل کے لیے یہ کتاب ناکافی ہے، مگر میں حضرت مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے متعلق اتنا ضرور عرض کروں گا کہ وہ اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان جیسا شریں بیان واعظ پھر نہ دیکھا۔ انہوں نے تھوڑی سی عمر میں دین کی بڑی خدمتیں انجام دیں۔ جوانی میں وصال فرمایا۔ اعلیٰ حضرت انہیں اکثر یاد فرمایا کرتے تھے"۔ [اعلیٰ حضرت، علامہ حسنین رضا خان علیہ الرحمہ، ص:۱۱۷،۱۱۶، ناشر رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف، سال اشاعت ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۲ء]

ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ تلمیذ ارشد وخلیفۂ اجل امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی کتاب حیات اعلیٰ حضرت میں "اعلیٰ حضرت کے چند نامور شاگرد" کے عنوان سے ایک فہرست مرتب کی ہے۔ جس میں عالم ربانی مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا نام بھی شامل ہے۔ [دیکھیے: حیات اعلیٰ حضرت، علامہ ظفر الدین بہاری رضوی، ج:۱، ص:۲۹۴، ۲۹۳، ناشر امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، سال اشاعت ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء]

میرے خیال میں دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیوں کہ اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ ہم شبیہ غوث اعظم محبوب سبحانی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ، عالم ربانی علیہ الرحمہ کو، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے پاس، شعبان ۱۳۰۱ھ میں پڑھانے کے لیے لے کر گئے تھے۔ البتہ شوال ۱۳۰۱ھ میں بریلی کی بجائے آپ تحصیل علم کے لیے گورکھ پور چلے گئے۔ لہذا کہا جاسکتا ہے کہ عالم ربانی علیہ الرحمہ کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے ان کے دیگر شاگردوں کی طرح لمبے عرصے تک استفادہ کا موقع نہیں ملا، لیکن یہ عین ممکن ہے کہ وقتاً فوقتاً حاضری اور ماہ شعبان ۱۳۰۱ھ میں اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کی معیت میں حاضری کے وقت امام اہل سنت سے استفادہ کیا۔ واللہ تعالیٰ أعلم بحقیقۃ الحال۔

عالم ربانی مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی اور حسام الحرمین کی تصدیق:

علمائے دیوبند کے غلط پروپیگنڈوں کی وجہ سے شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خان علیہ الرحمہ نے حسام الحرمین پر اردو

زبان سے واقف علما و مفتیانِ کرام سے دست خط کرانے کا ارادہ کیا، چناں چہ انہوں نے استفتا و فتاواے حرمین شریفین کو بزبان اردو علماے ہند و پاک کے سامنے پیش کیا اور ان سے تصدیقات حاصل کیں، ان تصدیقات علما و مشائخ کو "الصوارم الهندیه" کے نام سے منظرِ عالم پر لایا۔ الصورام الہندیہ میں ۲۶۸ علماے کرام کی تصدیقات ہیں۔ پہلے نمبر پر علما و مشائخ مارہرہ مطہرہ، دوسرے نمبر پر علماے منظر اسلام بریلی شریف اور تیسرے نمبر پر علما و مشائخ کچھوچھو مقدسہ کے فتاوی و تصدیقات کو جگہ دی گئی ہے۔ عالم ربانی مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے اپنی تصدیق ان لفظوں میں درج فرمائی ہے: "نعم الجواب وحبذ التصدیق وبالقبول والاتباع حری حقیق-والله تعالیٰ اعلم- وأنا العبد الفقیر السید احمد اشرف القادری الجشتی الأشرفی الجیلانی کان له الفضل الربانی-

مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی اور کتب اعلیٰ حضرت کا دفاع:

ہر دانا و بینا جانتا ہے مشائخ کچھوچھہ و مشائخ بریلی شریف نے مل جل کر دین و سنیت کی تبلیغ و اشاعت اور احقاق حق و ابطال باطل کیا ہے۔ اس کے لیے کتابیں لکھیں، تقریریں کیں، تحریکیں چلائیں اور مناظرے کیے ہیں۔ یہ دونوں خانوادے ایک طرف وہابی نجدی فتنوں کا قلع قمع کر رہے تھے تو دوسری طرف مشرکین ہند کی فتنۂ ارتداد کو دفن کرنے کے لیے میدان جہاد میں مصروف عمل تھے۔ ایسے نازک حالات میں ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۹ء کا بڑا دردناک واقعہ یہ رونما ہوا کہ بسکھاری نزد کچھوچھہ شریف سے شاہ محمد شفیع و شاہ وجیہہ الدین صاحبان بسکھاروی نے وہابی فتنہ کو ہوا دینا شروع کیا۔ دونوں بھائی بھائی تھے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کے مدّاح اور حمایتی تھے، دونوں بھائی رسالہ حفظ الایمان کی کفری عبارتوں کو اسلامی عبارت ثابت کرنے پر تلے تھے، دونوں فتاویٰ حسام الحرمین کے سخت مخالف تھے۔ اور آئے دن نت نئے فتنے کی بات پیدا کرتے اور گروہ بندی کر کے شورش پیدا کرتے رہتے تھے۔ چناں چہ اسی نتیجہ میں ۱۳۳۵ھ میں شہر بھاگل پور میں سنّی وہابی مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ میں دونوں بھائیوں کی وہابیت کا پردہ چاک ہوا۔ اس مناظرہ کی روداد "قہر قہار بروے نابنجار" [اتمام حجت بر جند منکر نبوت حصہ دوم] کے نام سے چھپ چکی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے نزدیک عالم ربانی مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی کا مقام:

ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ تلمیذ ارشد و خلیفۂ اجل امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں کہ:

"میرے زمانۂ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علماے اہل سنت اور مشائخ کرام و داعیان دین وملت و دیگر حضرات اہل سنت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں۔ ان سب کی خاطر مدارات حسب مرتبہ کی جاتی اور علماے کرم کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت کی مسرت کی جو حالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے"۔

حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے مخصوصین علما و مشائخ کرام کی ایک فہرست دی ہے، جس میں ۲۱ علما و مشائخ کے نام ہیں۔ گیارہویں نمبر پر تاجدار کچھوچھہ مقدسہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی اور بارہویں نمبر پر ان کے صاحب زادے عالم ربانی

حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب قدس سرہ کے نام ہیں۔ان حضرات علماے کرام کی تشریف آوری کے وقت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مسرت وشادمانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "[ان] علماے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں تو بیان سے باہر ہے"۔[حیات اعلیٰ حضرت، علامہ ظفر الدین بہاری رضوی، ج:۱، ص:۲۹۴، ۲۹۳، ناشر امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، سال اشاعت ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء]

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے نہایت آسان اور روشن بحر میں ایک طویل قصیدہ لکھا، جس میں ۳۶۰/ اشعار ہیں۔ ۳۵/ نعتیہ اشعار کو چھوڑ کر باقی اشعار میں عموماً وہابیوں کے گمراہ کن اقوال کا بیان ہے۔آپ نے اس قصیدہ میں "ذکر اصحاب و دعاے احباب" کے عنوان سے ۲۴/ اشعار مرتب کیے ہیں جن میں سے آٹھواں شعر عالم ربانی مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی شان میں ہے۔وہ شعر یہ ہے:

احمد اشرف حمد و شرف لے

اس سے ذلت پاتے یہ ہیں

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں جہاں آپ کی شان بیان فرمائی وہیں آپ کی مناظرانہ صلاحیتوں کو نمایاں طور پر واضح فرمادیا۔[تفصیل دیکھیے:الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ، ص:۶۸، مطبوعہ رضا آفسیٹ ممبئی، سال اشاعت ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء]

امام احمد رضا اور محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی جیلانی:

محدث اعظم ہند ابو المحامد سید شاہ محمد بن مولانا حکیم نذر اشرف اشرفی جیلانی ۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ بروز چہار شنبہ بوقت قبل طلوع فجر جائس ضلع رائے بریلی[موجودہ امیٹھی] میں پیدا ہوئے۔رسم بسم اللہ خوانی آپ کے جد امجد سید شاہ فضل حسین اشرفی جیلانی نے ادا کرائی۔ناظرہ کی تعلیم اپنی والدہ کریمہ سے گھر ہی پر حاصل کی، ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے پائی، ابتدائی تعلیم کا نظام یہ تھا کہ صبح کو فارسی اور شام کو عربی کی تعلیم دی جاتی تھی، اس طرح صرف ونحو اور ابتدائی علوم عربیہ کی تعلیم آپ نے گھر ہی پر حاصل کرلی۔ متوسطات کی تعلیم کے لیے آپ کا داخلہ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل میں کرایا گیا، جہاں آپ نے حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی سے علوم عربیہ اور دیگر علوم مثلاً منطق وفلسفہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی ۔یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے علی گڑھ کا رخ کیا، اور استاذ الکل حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے درس لیا۔حضرت مفتی صاحب نے آپ کو سند عطا کی، اس پر بقلم خود آپ کے نام کے ساتھ "علامہ" لکھا۔علی گڑھ سے فراغت کے بعد علم حدیث کی تعلیم کے لیے پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت محدث وصی احمد سورتی کے درس میں شامل ہوئے اور سند حدیث حاصل کی۔اس کے بعد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے پاس تشریف لے گئے اور یہاں بڑی محنت وجانفشانی سے علم فقہ اور فتویٰ نویسی سیکھی۔پھر بریلی شریف سے بدایوں تشریف لے گئے اور حضرت علامہ مطیع الرسول کے درس میں شریک ہوکر مزید علم حدیث کی تعلیم حاصل کی اور سند حدیث سے نوازے گئے۔قیام بدایوں کے دوران ہی محدث کہے جانے لگے تھے۔بڑی حیرت کی بات ہے کہ یہ تمام مراحل طے

کرنے میں آپ نے اپنی عمر کے صرف ۱۷/ سال صرف میں لائے۔

جوانی کے ابتدائی مراحل میں آپ مسند تدریس پر فائز ہوگئے۔ دہلی میں آپ نے حضرت سید مہر محمد علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں مدرسۃ الحدیث قائم فرمایا اور کافی عرصہ تک اس مدرسہ میں درس حدیث دیتے رہے۔ اسی زمانے میں آپ نے اپنے نانا جان اعلی حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت حاصل کی اور خلافت سے بھی نوازے گئے۔

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے خطابت اور دیگر مصروفیات ومشاغل کے باوجود تالیف وتصنیف سے اپنا رشتہ ہموار کیا، تقریباً ۷۰/ سے زائد رسائل وکتابیں تصنیف کیں۔ قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ ماہنامہ "اشرفی" کی ادارت سنبھالی۔ آپ خطیب ومصنف ہونے کے ساتھ ایک بہترین شاعر بھی تھے۔ آپ کا مجموعہ کلام "فرش پر عرش" کے نام سے شائع ہوا۔

آپ نے بہت سے مدرسے اور تعلیم گاہوں کی بنیاد رکھی، بے شمار تعلیمی اداروں کی سرپرستی فرمائی۔ بہت سے ملکی وغیر ملکی تنظیموں کا انتظام سنبھالا۔ ۱۳۶۵ھ میں بالاتفاق آل انڈیا سنی کانفرس کے صدر چنے گئے۔ کافی زمانے تک جماعت رضائے مصطفیٰ کے عہدۂ صدارت پر فائز رہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں تبلیغی دورے فرمائے۔ آپ کا وصال ۶/ رجب المرجب ۱۳۸۳ھ کو بروز دوشنبہ ساڑھے بارہ بجے دن لکھنو میں ہوا۔

دل میں محبت رضا کی شمع روشن ہوئی:

محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی علیہ الرحمہ کے دل میں اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی محبت اس وقت راسخ ہوئی جب آپ پیلی بھیت میں زیر تعلیم تھے۔ اپنے استاد محدث سورتی شیخ وصی احمد علیہ الرحمہ سے بار بار اعلی حضرت کا ذکر سنتے تھے۔ اسی ذکر خیر نے آپ کے دل میں اعلی حضرت امام احمد رضا کی محبت پیدا کی ہے۔ چناں چہ سید صابر حسین شاہ بخاری لکھتے ہیں:

"زمانۂ طالب علمی میں پیلی بھیت شریف میں سید محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے استاذ المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ کو بارہا دفعہ اعلی حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے بکثرت تذکرے محویت کے ساتھ فرماتے دیکھا تو آپ نے ایک دن عرض کیا کہ: آپ سے آپ کے پیرو مرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلی حضرت کا خطبہ پڑھتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ: جب میں نے پیرو مرشد مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادی سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا، مگر جب میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی۔ اب میرا ایمان رسمی نہیں بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے۔ جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔ محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے پھر عرض کیا کہ علم حدیث میں کیا وہ آپ کے برابر ہیں؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا: شہزادہ صاحب آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے؟ سنیے کہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ اس فن میں "امیر المومنین فی الحدیث" ہیں کہ میں سالہا سال صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا سنگ پانہ ٹھہروں"۔

[امام احمد رضا محدث بریلوی اور فخر سادات سید محمد کچھوچھوی، سید صابر حسین شاہ بخاری قادری، ص:۲۵، ناشر رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور، سال اشاعت، ندارد، بحوالہ حیات محدث اعظم ہند مطبوعہ کراچی]

محدث اعظم ہند بارگاہ اعلیٰ حضرت میں:

محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا داخلہ عالم ربانی علامہ سید احمد اشرف جیلانی کچھوچھوی نے درس گاہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ میں کرایا۔ چناں چہ الملفوظ میں ہے:

”ایک روز حضرت مولانا شاہ سیِّد احمد اَشرف صاحب کچھوچھوی [علیہ رحمۃ اللہ القوی] تشریف لائے ہوئے تھے۔ رخصت کے وقت اُنہوں نے عرض کیا کہ مولوی سید محمد صاحب اشرفی اپنے بھانجے کو، میں چاہتا ہوں کہ حضور کی خدمت میں حاضر کر دوں، حضور جو مناسب خیال فرمائیں اُن سے کام لیں۔ اِرشاد ہوا: ”ضرور تشریف لائیں، یہاں فتوے لکھیں اور مدرسے میں درس دیں۔ ”رِدِّوہابیہ“ اور ”اِفتا“ یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیب حاذِق [یعنی ماہر طبیب] کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ بفضل ورحمتِ الٰہی [عَزَّوَجَلَّ] پھر بعون وعنایتِ رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [یعنی اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدد وعنایت سے] اِفتا اور رِدِّوہابیہ کے دونوں کامل فن دونوں نہایت عالی فن انہیں یہاں سے اچھا اِن شاء اللہ تعالیٰ ہندوستان میں کہیں نہ پایئے گا، غیر ممالک کی بابت [یعنی بارے میں] نہیں کہتا۔ میں تو ہر شخص کو بطِیْبِ خاطر [یعنی بخوشی] سکھانے کو تیار ہوں۔ سید محمد اشرفی صاحب تو میرے شاہزادے ہیں، میرے پاس جو کچھ ہے وہ انہیں کے جدّامجد یعنی حضور سیّدُ ناغوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ وعطیہ ہے“[الملفوظ مکمل معروف بہ ملفوظات اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان، مجلس المدینۃ العلمیہ، ص:۱۴۲، ۱۴۱، المدینہ لائبریری، [ڈیجیٹل] دعوت اسلامی، ورژن ۲۰۱۶ء، ملخصًا۔]

محدث اعظم ہند کچھوچھوی اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے شاگرد تھے، فقہ وافتا کی تعلیم آپ نے اسی دربار سے پائی، دل وجان سے اعلیٰ حضرت کے چاہنے والے تھے، اپنے خطاب وکتاب میں ان کا چرچا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بھی آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔

خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے جلیل القدر بزرگ تاج الاصفیا علامہ سید مصطفیٰ اشرف جیلانی علیہ الرحمہ کو بھی براہ راست اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے شرف کلام اوران کے گھر شرف طعام حاصل تھا۔ آپ بریلی شریف اپنے والد بزرگوار کے حکم پر تشریف لے گئے تھے۔ جن بزرگان خانوادۂ اشرفیہ کو براہ راست اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے ملاقات کا شرف نہیں ملا وہ بھی ان کے مداح اور پیروکار رہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے اس جملہ پر اپنے مقالے کا اختتام کرتے ہیں:

”خاندان اشرفی میں کوئی نہ گستاخ دربار رسالت تھا نہ گستاخی کو پسند کرتا تھا۔ سب سنّی تھے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کے جن سے تعلقات ہیں وہ اب بھی بحمد اللہ تعالیٰ سنّی ہیں“۔

***

امام احمد رضا اور بہار کے علما ومشائخ: روابط وتعلقات

مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی: رحمن پور کٹیہار، بہار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات جس طرح علم وفضل کے جبل شامخ اور عبقریت کے حامل ایک عظیم انسان کی تھی، اسی طرح آپ کی شہرت ومقبولیت بھی چہار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی، اور ایک جہاں آپ کا معترف ومداح تھا، ہندوسندھ تو ہندوسندھ ایشیا کے وسیع حلقے اور افریقہ ویوروپ اور امریکہ کے دور افتادہ خطے میں بھی آپ کا ڈنکا بجتا تھا، اور ان تمام مقامات کی آبادی آپ کے خوان علم سے لقمے چنا کرتی تھی۔

غیر منقسم ہندوستان تو آپ کا گھر ہی تھا، یہی وجہ تھی کہ یہاں کے ہر علاقہ وہر دیار کے لوگ بکثرت آپ کی جانب رجوع اور آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے، اس خصوص میں صوبہ بہار سرِفہرست آتا ہے، یہاں کے صاحبان علم وفضل، حاملان فکر وفن اور ارباب سلوک وتصوف کی ایک اچھی خاصی تعداد آپ سے منسلک ووابستہ تھی اور باہم مراسم وتعلقات استوار تھے، یہاں مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند ہی قابل ذکر شخصیات کا تذکرۂ جمیل کرنا چاہتا ہوں۔

[ا] حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی ثباتؔ بہاری۔

[ب] حضرت قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی۔

[ج] حضرت علامہ غلام قادر بخش شہسرامی۔

[د] حضرت علامہ سید شاہ شہود الحق اصدقی بہاری۔

[ہ] حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین لطیفی کٹیہاری۔

[الف] حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی ثباتؔ علیہ الرحمۃ والرضوان سابق صاحب سجادہ خانقاہ معظم بہار شریف نالندہ، بہار۔

جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی [۱۸۳۲ھ ۱۹۰۲ء] انیسویں صدی عیسوی کے ممتاز بزرگ وصوفی، خانقاہ معظم بہار شریف کے ۲۳؍ویں سجادہ نشین اور فی الحقیقت حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ [متوفیٰ: ۷۸۲ھ] کی دینی علمی اور روحانی روایات واقدار کے سچے امین تھے۔ آپ علم وفضل کے اعتبار سے ایک مکمل کتب خانہ تھے۔

معقولات ومنقولات پر گہری نظر تھی، فیاض مطلق نے غیر معمولی قوت حافظہ عطا کی تھی، تقویٰ وطہارت اور اخلاص وللّٰہیت کی دولت ورثے میں ملی تھی، شہرت و ناموری کی خواہش سے بالکل دور ونفور تھے، اس کے باوجود بے شمار متوسلین ومعتقدین ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے، حق گوئی حق آگہی کا وصف آپ کی شخصیت کا خاصہ تھا، آپ کی زندگی کے شب وروز عبادت و ریاضت، تصوف و معرفت، اس کے اسرار و معارف کی تعلیم، مریدین کی اصلاح وہدایت، اہل اللہ کی زیارت، اعراس کی شرکت، علمائے کرام ومشائخ عظام سے ملاقات، ان کی خاطر تواضع، خانقاہی نظام کی درستگی، امور خانہ داری کی مشغولیت، مخدوم جہاں کے افکار و نظریات کی ترویج واشاعت، تصنیف و تالیف اور فارسی واردو شعر وادب کی خدمات میں گزرے، حضرت جناب حضور کے نامور معاصرین میں متعدّد ارباب علم وتصوف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے، جن سے آپ کے گہرے مراسم ودینی تعلقات ہی نہیں بلکہ ایمان واعتقاد اور فکر ونظر کی مختلف جہتوں سے وابستگی کا تاریخی ثبوت بھی ملتا ہے، لیکن بالمشافہ ملاقات کا سبب سرزمین عظیم آباد پر ۱۳۱۸ھ میں تحریک ندوہ کے خلاف منعقد ہونے والا وہ ”جلسہء حق وہدایت“ ہے جس کی نہ صرف آپ نے ضعیف العمری کے باوجود صدارت فرمائی بلکہ امام احمد رضا کے دینی افکار ونظریات سے مکمل اتفاق فرماتے ہوئے مفاسد ندوہ کی اصلاح میں سرگرم حصہ لیا۔ اگرچہ حضرت شاہ امین اور حضرت شاہ رضا کے ذاتی مراسم وملاقات کا زمانہ چند برسوں پر ہی محیط ہے، کیوں کہ اول الذکر جلد ہی پردہ فرما گئے، مگر ان ملاقاتوں میں ایک خاص تواتر اور اخلاص کے ثبوت ملتے ہیں، حیات ثبات کا مصنف رقمطراز ہے:

”مولانا احمد رضا خان دامت برکاتہم جس وقت جلسہ مصلحین ندوۃ العلما کی شرکت کو پٹنہ تشریف لائے تھے، جناب حضور سے ملنے برابر تشریف لایا کیے اور جناب سے جیسا خلوص تھا، وہ چند اشعار میں نظم فرمائے ہیں:

بقیۃ الاولیا امین احمد
امین احمد اٗمن حمود
شمائلہ تذکرنا الصحابۃ
سحائبہ علیٰ کل تجود

[حیات ثبات، ص:۴۲]

[یادگارِاولیا حضرت شاہ امین احمد امانت دار، خوب حمد کرنے والے، سراپا امن اور ستودہ صفات ہیں، آپ کے اوصاف و عادات ہمیں صحابہ کرام کی یاد دلاتے ہیں، آپ کے فیوض کے بادل سب پر موسلا دھار برستے ہیں۔]

[ب] حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی:

بہار کے علما ومشائخ کی نورانی جماعت میں اس ہشت پہلو ذات کا نام نامی اسم گرامی ہے کہ جو امام احمد رضا قدس سرہ کے چنندہ متعلقین واحباب میں آتا ہے۔ ۱۳۱۰ مطابق ۱۸۹۲ء میں جب ایک انجمن بنام ”ندوۃ العلما“ کا قیام عمل میں آیا، اور پھر جس کے اسٹیج سے اہل سنت وجماعت کے مسلم الثبوت عقائد وافکار پر حملے ہونے لگے، سنی افراد واصحاب کو گمراہ وبدعقیدہ بتانے کی سعی نامسعود

کی گئی، تو ایسے آشوب آگیں و پر فتن ماحول میں امام احمد رضا کے اس جیالے نے ندوۃ العلماء کے سیلاب بلا خیز پر بند باندھنے کا عزم مصمم فرمایا، اور اپنے پیر و مرشد حضرت جناب حضور امین احمد فردوسی اور امام احمد رضا بریلوی و تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی جیسی سرکردہ ہستیوں کو اس جدوجہد میں پیشوائی کے لیے منتخب کیا، ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

ناصر ملت مصطفویہ، حامی مذہب حنفیہ، جناب مولانا الاجل مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی مد ظلہ العالی! تسلیم!!

محض غائبانہ اخوت اسلامی و حمایت مذہب حنفیہ کی جہت سے یہ خط لکھ رہا ہوں، اور مولانا عبد القادر صاحب بدایونی کو بھی لکھ رہا ہوں، جلسۂ ندوہ سے سخت بیزار ہوں اور شاید حضور بھی اس کے مخالف ہیں، لہٰذا موافقت فی المخالفت و حمایت مذہب حنفیہ کی جہت سے لکھتا ہوں، ایک اخبار تردید مذہب باطلہ و مخالفت ندویہ میں نکالنے والا ہوں، آپ سرپرستی کریں، مذہب حنفیہ کو حق سمجھتا ہوں اور اس ندوہ کو باطل، اگر آپ لوگ آمادہ ہوں تو ندوۂ حنفیہ پٹنہ میں بفضلہ تعالیٰ قائم کروں۔

خادم: عبد الوحید صدیقی حنفی

۹؍ ذی قعدہ ۱۳۱۳ھ

[مکتوبات علما و کلام اہل صفا۔ مرتبہ مولانا سید عبد الکریم]

معروف صاحب علم و قلم حضرت مولانا ڈاکٹر امجد رضا امجد مد ظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت قاضی عبد الوحید فردوسی نے ندوہ کے خلاف چہار طرف محاذ پر کام کیا، یعنی عظیم آباد سے ماہنامہ تحفۂ حنفیہ کا اجراء، مدرسہ حنفیہ کا قیام، مطبع حنفیہ کی بنیاد اور مجلس اہل سنت کے ذریعہ بہار و بنگال تک مناظرانہ سرگرمی کی تاریخ مرتب کی۔" [عرفان امین ص:۱۰۱]

معلوم ہوا کہ حضرت قاضی عبد الوحید فردوسی خانقاہ معظم بہار شریف کے سجادہ نشین حضرت جناب حضور امین احمد فردوسی کے مرید رشید اور فارسی و اردو ادب کے شہرۂ آفاق محقق و ممتاز ناقد قاضی عبد الودود کے والد ماجد تھے، آپ کا ہی وہ وجود گرامی ہے ۱۳۱۸ھ تک امام احمد رضا محدث بریلوی نے جتنی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں، ان میں نصف کتب و رسائل کا پہلا ایڈیشن آپ کے ہی چھاپہ خانہ "مطبع حنفیہ" سے منظر عام پر آیا تھا، آپ کی ہی وہ ہستی سراپا عشق و مستی ہے کہ جب اہل سنت و جماعت کے ارباب حل و عقد کو تحریک رد ندوہ کے رخ سے مالی ضرورت در پیش ہوئی تو آپ نے اپنے خزانۂ عامرہ سے پچاس ہزار روپے کی خطیر رقم صرف فرما کر سنیت پر ناقابل فراموش احسان کیا، آپ کی ہی وہ بیدار قسمت و خوش بخت شخصیت ہے کہ جب آپ کا سانحہ ارتحال ہوا، تو امام احمد رضا قادری بریلوی بنفس نفیس پٹنہ تشریف لائے اور یہاں اہل خانہ کو صبر و شکر کی تلقین فرمائی، اور تعزیت پیش کی۔

[ج] حضرت علامہ قادر بخش شہسرامی بہاری:

آپ ۱۲۷۳ھ میں محلہ بارہ شہسرام میں پیدا ہوئے، والد ماجد مولانا حکیم الحاج حسن علی عالی مرتبت عالم دین اور صاحب تصانیف بزرگ تھے، ابتدائی تعلیم والد ماجد سے پائی پھر مولانا سید شاہ احمد حسین سمروی سے مدرسہ و خانقاہ کبیریہ میں متوسطات کا خصوصی درس لیا، ان کے علاوہ قاضی حکیم نور الحسین سے شیر گھاٹی میں مولانا سید معین الدین فرنگی محلی اور مولانا معین الدین لکھنوی سے لکھنؤ میں تحصیل علم دین کی، حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے سند حدیث حاصل کی، حرمین طیبین کی حاضری کے وقت

مکہ معظمہ کے جلیل الشان محدث سید احمد دحلان مکی سے قرآن وحدیث کی سندیں لیں، سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ میں شیخ عصر شاہ عبد اللطیف سنّی ھینی سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے۔ آپ ایک کثیر الجہات وجامع ترین شخصیت تھے، بہتر عالم دین، بے بدل مفسر قرآن، منفرد حافظ الحدیث، وعظ وتذکیر کے بے مثل بادشاہ، فقیہ نکتہ سنج جلیس، نعت گو شاعر، ماہر طبیب، فاضل مصنف اور صحیح معنوں میں پاک باطن مرشد کامل تھے۔

حضرت مولانا عبد الکافی صاحب الہ آبادی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے:

"اگر کوئی ان سے [اعلیٰ حضرت امام احمد رضا] ایک مسئلہ پوچھتا تھا تو حوالہ میں دس کتابوں کی عبارت زبانی پڑھ دیتے تھے، اور مولوی قادر بخش سہسرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اگر ایک آیت کی تفسیر پوچھتا تو دس تفسیروں کی عبارت زبانی پڑھ دیا کرتے تھے" [تحریر شافی در مسلک کافی، ص:۴۲]

امام احمد رضا سے آپ کا بھی تعلق ووابستگی بڑی گہری ومستحکم تھی، مظہر المناقب معروف بہ حیات اعلیٰ حضرت میں ایک روایت ہے:

"آپ ایک مرتبہ بسلسلۂ وعظ موضع رجہت گیا تشریف لے گئے، یہ بستی سادات کرام کی ہے، اس بستی کے لوگ سجادہ نشینان سہسرام کے رشتے دار ہیں، وعظ کے بعد کھانا کھانے بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ مولانا! سنی ووہابی کی پہچان کیا ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کو ہم لوگ کر سکیں اور اس کے ذریعہ سنی ووہابی کو پہچان سکیں، کوئی بڑی علمی بات نہ ہو، انہوں نے فرمایا ایسا آسان کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے، آپ جب کسی کے بارے میں مشتبہ ہوں کہ سنی ہے یا وہابی بدمذہب، تو اس کے سامنے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجیے، اور اس کے چہرہ کو بغور دیکھیے، اگر چہرہ پر بشاشت وخوشی کے آثار دیکھیے تو یقیناً جانیے کہ سنی ہے، اور اگر چہرہ پر پژمردگی وکدورت دیکھیے تو سمجھیے کہ وہابی ہے، اگر وہابی نہیں تب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے، اس زمانے میں "لا یحبہ الا مؤمن و لا یبغضہ الا منافق" [ان سے محبت تو وہی کرے گا جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق] اس میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خاں صاحب کی طرف پھرتی ہیں" [حیات اعلیٰ حضرت قدیم ایڈیشن ج:۱ ص:۶۳، ۶۲]

[د] حضرت علامہ سید شاہ شہود الحق اصدقی چشتی سابق سجادہ نشین خانقاہ اصدقیہ پیر بیگھہ شریف نالندہ بہار:

آپ ماہ ربیع النور ۱۲۶۴ھ میں بمقام چشتی چمن پیر بیگھہ شریف نالندہ بہار پیدا ہوئے، والد ماجد نے پرورش وپرداخت فرمائی، ابتدائی تعلیم وتربیت کا سلسلہ بھی والدین کی آغوش محبت میں طے پایا، پھر متوسطات ودرجات عالیہ کے لیے فرنگی محل لکھنؤ کا سفر فرمایا، یہاں امام العلوم حضرت مولانا شاہ محمد یوسف فرنگی محلی اور بحر العلوم حضرت شاہ محمد جمال فرنگی محلی سے درسیات کی تکمیل فرمائی۔

حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی سے آپ کی بھی راہ ورسم اور پُر خلوص یگانگت ومحبت تھی، حضرت مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق سجادہ نشیں خانقاہ اصدقیہ چشتی چمن پیر بیگھہ اپنی تصنیف "حیات اصدق" میں خامہ فرسا ہیں:

"عمائدین ندوہ نے جب جمہور اہل سنت کی روش بھلا کر راہ ضلال اختیار کی تو سب سے پہلے حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ندوۃ العلما سے علیحدگی اختیار کرلی، اور رفتہ رفتہ سنیت کے سارے اکابر اس تحریک سے دامن کش ہوگئے، جب اہل ندوہ نے شہر عظیم آباد جو ہمیشہ سے لکھنؤ کا ہم پلہ رہا ہے میں اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے شروع کیے تو اہل بہار کو ان کے

منحوس سائے سے بچانے کے لیے حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ نے پہل کی اور سرگرم ہو کر میدان عمل میں آئے، اس تعلق سے بہار کے یہ حضرات بھی شریک سفر رہے، یعنی عظیم المرتبت مقبول بارگاہ احد حضرت شاہ امین احمد فردوسی بہاری سجادہ نشین مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری، حامی دین متین مولانا شاہ بدر الدین قادری سجادہ نشین خانقاہ پھلواری شریف، جامع المفاخر مولانا شاہ محمد اکبر ابوالعلائی سجادہ نشین داناپور پٹنہ، مولانا شاہ بصیر الحق چشتی نظامی، مولانا شاہ عبدالعزیز حنفی صابری، مولانا حافظ رحیم اللہ اکبر آبادی۔"

مزید آگے لکھتے ہیں:

"ملک العلما حضرت مولانا شاہ ظفر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان نے حیات اعلیٰ حضرت میں ملک بھر کے مشاہیر علما و مشائخ پر مشتمل جن تین سو تیرہ ناموں کی فہرست شمار کرائی ہے جو حضرات تحریک ردندوہ میں شریک ہوئے تھے، ان میں نواں نام میرے جد اعلیٰ مولانا الحافظ محمد شہود الحق چشتی قدس سرہ کا ہے، اس موقع پر آپ کی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی سے ملاقات ہوئی، حضرت رضا بریلوی آپ کی وجاہت اور شان فقر و استغنا سے بے حد متاثر ہوئے تھے، اور تحفۂ حنفیہ میں تفصیل سے اپنی عقیدت کا اظہار فرمایا تھا۔"[ص:۲۱۴/۲۱۵]

[ھ] حضرت علامہ مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہ النورانی بانی خانقاہ عالیہ مدرسہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف، بارسوئی، کٹیہار:

آپ ۱۲۴۵ھ کو کتم عدم سے عالم وجود میں آئے۔ والد محترم کا نام شیخ حسین علی تھا، شیخ موصوف ایک دیندار، رئیس اور بہت اثر و رسوخ کے حامل ایک معزز انسان تھے۔ حضرت لطیفی جب سن شعور کو پہنچے تو گھریلو مکتب میں تعلیم و درس کا آغاز کیا، پھر جب ابتدائی فارسی و عربی درجات کی تعلیم مکمل ہوئی تو فرنگی محل کا رخ فرمایا، فرنگی محل کی درسگاہ ان دنوں معیار و شہرت کے لحاظ سے ہفت افلاک کو چھو رہی تھی، آپ نے فرنگی محل کے اساتذہ کے پاس ایک عرصۂ دراز تک زانوے ادب تہ کیا، بعدہٗ تکمیل تعلیم کے لیے دہلی کا سفر فرمایا اور یہاں حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی و حضرت مولانا شاہ موسیٰ علیہما الرحمۃ والرضوان سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور دستار و سند سے بہرور ہوئے۔

حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی سے آپ کے بھی تعلقات و روابط تھے۔ ۲۲/ ۲۳/ اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ۳۰/ جمادی الاولیٰ و یکم جمادی الآخرۃ ۱۴۲۲ھ میں خانقاہ عالیہ مدرسہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف، بارسوئی کٹیہار بہار کے اندر آپ کے وصال مبارک کا جشن صد سالہ منعقد ہوا، تو اس میں ایک کل ہند سیمینار و اجلاس عام کا اہتمام و انصرام بھی پروگرام میں شامل تھا، ۲۳/ اپریل کی شب جب اجلاس عام شروع ہوا اور فقیہ النفس مناظر اہل سنت حضرت مفتی مطیع الرحمن مضطؔر رضوی منبر نور پر جلوہ بار ہوئے، تو انہوں نے دوران خطاب فرمایا:

"یہاں ایک بات پھر عرض کر دوں حالاں کہ اس سے قبل اولین جلسۂ دستار بندی منعقدہ ۱۹۹۸ء میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت لطیفی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے جہاں ہم عصر و ہم فکر تھے وہیں آپ کی عہد آفریں و ہمالیائی شخصیت کے رفقائے کار و سراپا مخلصین میں بھی تھے۔ تحریک ردندوہ کے جلسۂ عام منعقدہ ۱۳۱۸ھ بمقام پٹنہ میں

مشرقی بہار کی نمائندگی کے لیے آپ کا نام نامی اسم گرامی ہی منتخب ہوا تھا۔ نتیجتاً حضرت لطیفی نے ایثار واخلاص کا پیکر مجسم بن کر اس میں شرکت فرمائی تھی اور ہر گام پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ معلوم ہو کہ یہی وہ اجلاس عام تھا جس میں علماے ملت ومشائخ طریقت نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے مجدد ہونے پر اعلان واظہار فرمایا تھا۔ آپ کے اس شرعی منصب کے معترفین میں اوروں کے ساتھ ساتھ حضرت لطیفی بھی تھے۔

مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ کے اولین جلسۂ دستار بندی منعقدہ ۱۹۹۸ء کے اس سابقہ انکشاف حقیقت کی طرح اب کی بار بھی اس جشن صد سالہ کے یادگار ومبارک موقع پر ایک اور تاریخی امر واقعہ کو بے نقاب کرنے جارہا ہوں، وہ یہ ہے کہ حضرت لطیفی جب شاہجہاں پور یوپی کی کسی قدیم درس گاہ میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے تو علمی مباحثے اور دقیق ومغلق مسائل پر تبادلۂ خیال کی خاطر وقفہ وقفہ سے آپ بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس طرح ان دونوں ملکوتی صفت بزرگوں کے مابین خوشگوار ربط وتعلق کا سراغ ملتا ہے"۔ [عرفان حفیظ، ص:۲۰۵]

موضوع وعنوان کے حوالے سے یہ تھا ایک سرسری مطالعہ، جسے یہاں پیش کیا گیا، قرطاس وقلم کو زباں ملی اور حقائق و واقعات سپرد تحریر ہوئے۔

یہ قصۂ مختصر ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغاز باب تھا

*****

امام احمد رضا کے چند جلیل القدر اساتذہ

مولانا شاکر رضا: ڈانگی پارہ، اتر دیناج پور، بنگال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو اللہ جل شانہ نے بے پناہ ذہانت وفطانت سے نوازا تھا، عہد طفلی سے اس کے آثار نمایاں تھے۔ پاکیزہ علمی ودینی ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی، ابتدائی اور گھریلو تعلیم اپنے والد گرامی خاتم المحققین حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضون سے حاصل کی، والد گرامی علیہ الرحمہ کے علاوہ جن اساتذۂ کرام سے آپ نے تحصیل علم کیا، اس مضمون میں ان بابرکت شخصیتوں میں سے چند حضرات کا ذکر جمیل کیا گیا ہے۔

حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ:

حضرت علامہ نقی علی علیہ الرحمہ حضرت مفتی رضا علی خاں کے شہزادے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے والد گرامی تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء میں بریلی شریف میں ہوئی، آپ نے جملہ علوم وفنون کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ حضرت علامہ نقی علی علیہ الرحمہ علم وعمل کے بحر ذخار تھے، آپ کی ذات مرجع خلائق تھی، آپ کی آراواقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے، مختلف علوم وفنون میں آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف ہیں۔

آپ کا وصال ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء کو اکیاون سال کی عمر میں ہوا۔ شہر بریلی شریف میں اپنے والد گرامی کے قریب مدفون ہیں۔

مرزا غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ:

آپ کا اسم گرامی مرزا غلام قادر بیگ بریلوی ہے، آپ کا سلسلۂ نسب متعدّد واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ شہر لکھنو کے محلہ جھوائی ٹولہ میں یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۷ء کو پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد نے ترک وطن کر کے بریلی شریف میں سکونت اختیار کر لی تھی، آپ مایہ ناز عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین ومشفق استاذ بھی تھے، اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے طالب علم کو دیکھنے کے ساتھ ہی اس کی قابلیت کا اندازہ لگالیتے، آپ نے مولانا نقی علی خاں اور ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ مل کر تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا، آپ کے اور امام احمد رضا کے والد ماجد کے درمیان دیرینہ تعلقات تھے، اس لیے آپ نے امام احمد رضا کی تعلیم اپنے ذمہ لی تھی، امام احمد رضا نے ابتدائی کتابیں انھیں سے پڑھیں۔

آپ کا وصال یکم محرم الحرام ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۳ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا اور محلہ باقر گنج حسین باغ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مخدوم شاہ آل رسول قادری مارہروی:

حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ تیرہویں صدی ہجری کے اکابر اولیاء اللہ سے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۰۹ھ میں مارہرہ ضلع ایٹہ [یوپی] میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے والد ماجد سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہ [م ۱۲۸۱ھ] کے آغوش شفقت میں ہوئی۔ آپ نے علوم دینیہ کی تحصیل حضرت عین الحق شاہ عبد المجید بدایونی علیہ الرحمہ [م ۱۲۶۳ھ] مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی [م ۱۲۸۱ھ] حضرت شاہ نور الحق رزاق فرنگی محلی لکھنوی علیہ الرحمہ [۱۲۶۳ھ] ملا عبد الواسع رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔

۱۲۶۶ھ میں مخدوم شیخ العالم عبد الحق رودولوی قدس سرہ [م ۸۷۰] کے عرس مبارک کے موقع پر مشاہیر علما ومشائخ کی موجودگی میں دستار بندی ہوئی۔ اسی سال حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی علیہ الرحمہ [م ۱۲۳۵] کے ارشاد پر سراج الہند حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ [۱۲۳۹ھ] کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔ صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد حضرت محدث دہلوی قدس سرہ سے علویہ منامیہ کی اجازت اور احادیث ومصافحات کی اجازتیں پائیں۔

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ۵/جمادی الاول ۱۲۹۴ھ کو اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ ان سے آپ نے قراءت، تصوف، اخلاق، اسماء الرجال، تاریخ، لغت، ادب اور حدیث وغیرہ کی اجازت لی اور مجلس بیعت میں ہی خلافت سے سرفراز کردیے گئے۔

حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی:

حضرت مولانا سید ابو الحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹/ شوال ۱۲۵۵ھ بروز پنج شنبہ مارہرہ شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شاہ محمد سعید عثمانی بدایونی [م ۷۷ھ] مولانا فضل اللہ جالیسری [م ۱۲۸۳ھ] مولانا نور احمد عثمانی بدایونی [م ۱۳۰۱ھ] مولانا ہدایت علی بریلوی [م ۱۳۲۲ھ] سے حاصل کی۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۲۷ھ کو دادا بزرگوار حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور اجازت مطلقہ سے مشرف ہوئے۔

آپ بہت بڑے شیخ طریقت تھے اور حلقۂ بیعت بہت وسیع تھا۔ اصلاح عقیدہ آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کو آپ سے اذکار اور ادب، کتب حدیث اور فن تفسیر کی اجازت ہے۔ گیارہ رجب ۱۳۶۴ھ کو وصال فرمایا۔

حضرت شیخ عبد الرحمن سراج مکی قدس سرہ:

حضرت علامہ شیخ عبد الرحمن مکہ مکرمہ میں مفتی حنفیہ تھے۔ امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۹۵ھ میں پہلے حج کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو شیخ عبد الرحمن سراج مکی قدس سرہ نے آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ کی سند سے نوازا اور اپنے سلسلہ طریقت میں اجازت بھی عطا فرمائی۔ شیخ عبد الرحمن سراج مکی قدس سرہ نے جو سند فقہ حنفی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمائی۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس سند کے تمام اساتذہ ومشائخ حنفی ہیں۔ ۳۵/ واسطوں سے یہ سند حضور ﷺ تک پہنچتی ہے۔ حضرت

عبدالرحمن سراج کی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۳۰۱ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا اور جنت المعلی میں دفن ہوئے۔

حضرت سیدی شیخ احمد بن زینی دحلان شافعی مکی:

سیدی احمد بن زینی دحلان مکی کی ولادت ۱۲۳۲ھ مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ اپنے وقت کے بہتر مشہور و معروف عالم دین تھے۔ آپ حضرت شیخ عثمان دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے تھے۔ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے پہلے حج کے موقع پر آپ سے سند حدیث، فقہ واصول، تفسیر اور دیگر علوم میں اجازت پائی۔ آپ نے ۱۳۰۴ھ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

حضرت شیخ حسین بن صالح جمل اللیل شافعی مکی:

حضرت شیخ سیدی حسین بن صالح جمل اللیل علوی فاطمی قادری مکی قدس سرہ حرم مکہ میں شافعیہ کے مشہور ترین امام و خطیب تھے۔ آپ عجیب خوش اوقات اور بابرکت بزرگ تھے۔ بلاد عرب میں آپ کا حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ جب پہلی بار حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو ایک دن مقام ابراہیم میں نماز مغرب کے بعد حضرت شیخ حسین بن صالح نے بلا تعارف سابق آپ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر اپنے دولت کدہ لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا۔

"بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں"

اور تاقیام مکہ معظمہ حاضری کا تقاضا واصرار فرمایا۔ آپ کو صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی اور فرمایا "تمھارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔ اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری علیہ الرحمہ تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔ پھر آپ کو اپنی کتاب "الجوہرۃ المضیہ" سنائی اور فرمایا:

"اکثر اہل ہند اس سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ ایک تو عربی زبان میں ہے۔ دوسرے مذہب شافعی میں ہے اور اہل ہند اکثر حنفی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تشریح آپ اردو زبان میں کر دیں اور اس میں مذہب حنفیہ کی توضیح بھی کر دیں"

امام احمد رضا نے آپ کی کتاب "الجوہرۃ المضیۃ" جو کہ مسلک شافعی میں مناسک حج کے بیان پر مشتمل ہے، اس کا اردو ترجمہ کیا اور صرف دو دن میں اس کی اردو تشریح تحریر فرمائی اور اس کا تاریخی نام "النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوہرۃ المضیۃ" رکھا۔ پھر بعد میں تعلیقات و حواشی کا اضافہ فرمایا اور اس کا تاریخی نام "الطرۃ الرضیۃ علی نیرۃ الوضیۃ" رکھا۔

❋❋❋❋❋

امام احمد رضا پر تحقیقات کا ایک مختصر جائزہ

مولانا عبید الرحمن: بالیچر، اتر دیناج پور، بنگال

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر جہاں سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور ہزاروں مضامین ومقالات لکھے گئے وہیں جامعاتی سطح پر بھی ان پر تحقیق وریسرچ کا کام بھی وسیع پیمانے پر ہوا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔جس کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۹۷۹ء میں پہلی بار ڈاکٹر حسن رضا خان نے ڈاکٹر اطہر شیر کی زیر نگرانی احمد رضا خان کی فقہی خدمات پر پی ایچ ڈی کی،ان کے بعد ڈاکٹر اوشاسانیال نے جامعہ کولمبیا امریکا سے ۱۹۹۰ء میں کی،بعد ازاں خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ کے ڈاکٹر سید شاہ ابوطاہر ابوالعلائی نے الہ آباد یونیورسٹی سے "اردو شاعری کے ارتقا میں احمد رضا بریلوی کی شعری تخلیقات کا تنقیدی مطالعہ" کے عنوان سے اور احمد رضا خان کی شاعری پر ڈاکٹر سید جمال الدین نے ڈاکٹر ہری سنگھ کوردیشا ودھیالہ یونیورسٹی، آگرہ سے، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے، ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے کانپور یونیورسٹی سے، ڈاکٹر تنظیم الفردوس نے جامعہ کراچی سے پی ایچ ڈی کی۔ جب کہ فقہی خدمات پر ڈاکٹر محمد انور خان نے سندھ یونیورسٹی سے، ترجمۂ قرآن پر پروفیسر مجید اللہ قادری نے جامعہ کراچی نے، حیات وعلمی خدمات پر ڈاکٹر محمد طیب رضا نے ہندو یونیورسٹی بنارس سے اور ڈاکٹر حافظ الباری صدیقی نے سندھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ تصور عشق پر پر ڈاکٹر غلام مصطفٰی نجم قادری نے میسور یونیورسٹی سے، انشاء پردازی پر ڈاکٹر غلام غوث نے رانچی یونیورسٹی سے، افکار پر ڈاکٹر امجد رضا امجد نے ویر کنور سنگھ یونیورسٹی سے، ادبی خدمات پر ڈاکٹر رضا الرحمٰن عاکف سنبھلی نے روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے اور مکتوبات پر غلام جابر شمس مصباحی نے بی آر امبیڈکر، بہار یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ اس کے علاوہ عربی زبان ادب، فارسی زبان وادب، تفسیری خدمات، خدمات علوم حدیث، عربی شاعری، سیاسی افکار پر بھی پی ایچ ڈی کے مقالات لکھے جا چکے ہیں ان ۳۰؍ پی ایچ ڈی مقالات میں ۴؍ عربی زبان میں ایک انگریزی میں اور بقیہ اردو زبان میں لکھے گئے ہیں اور ان ۳۰؍ جامعات میں سے ایک امریکا، ایک سوڈان، ۱۹؍ بھارت اور بقیہ کا تعلق پاکستان سے ہے۔ جب کہ پاکستان کی جامعات میں ایک کا تعلق اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد، دو کا تعلق جامعہ پنجاب، دو کا تعلق سندھ یونیورسٹی اور بقیہ ۴؍ کا تعلق جامعہ کراچی سے ہے۔ جب کہ ایم فل کے ذیل میں بیس سے زائد تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ہیں، جن میں سے ۹؍ عربی زبان میں ہیں۔ مجموعی طور پر ۳۵؍ سے زائد جامعات میں تحقیقاتی کام ہو چکا ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔[ماخوذ از امام احمد رضا اور انٹرنیشنل جامعات]

❀❀❀❀❀

امام احمد رضا کے چند خلفائے بہار

مولانا غلام جیلانی مصباحی: استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ جہاں ایک عالم گیر حیثیت کے حامل مصنف و محقق تھے، وہیں تصوف ومعرفت کے میدان میں بھی معاصرین میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اسلامی افکار ونظریات کے فروغ وارتقا کے لیے جہاں آپ نے اپنی پوری زندگی وقف فرمادی وہیں اسلامی احکام کی نشرواشاعت کے لیے اپنے خلفا کا ایک مضبوط نیٹ ورک بھی قائم فرمایا، آپ کے خلفا کا یہ نیٹ ورک دنیا کے بے شمار ممالک کا احاطہ کرتا تھا۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فاضل بریلوی کے بے شمار خلفا تھے، جو پاک وہند اور حرمین شریفین میں پھیلے ہوئے تھے، الاجازات المتینة کے مطالعے سے حرمین شریفین میں آپ کے خلفا کا ایک سرسری اندازہ ہوتا ہے، فاضل بریلوی نے ایک ساتھ مختلف سندیں تحریر فرمائیں جو صاحب اجازت کے نام اور مرتبے کے لحاظ سے معمولی ترمیم واضافہ کے ساتھ عنایت کی گئیں۔" [سیرت امام احمد رضا از علامہ اختر شاہ جہاں پوری مطبوعہ لاہور]

علامہ عبد الستار طاہر نے "خلفائے محدث بریلوی" مولفہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کے ابتدائیہ میں حرمین شریفین کے تیس سے زائد خلفا کا ذکر فرمایا ہے۔ [ابتدائیہ خلفائے محدث بریلوی]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے سوانح نگاروں نے مختلف کتب سوانح میں آپ کے خلفا کی جو تعداد ذکر کی ہے وہ دو سو یا اس سے بھی زائد ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی شخصیت بڑی فعال و متحرک تھی، اس بلا کی حرکت اور جہد و عمل کی قوت ان کے معاصرین میں کہیں نظر نہیں آتی، آپ نے یہی جذبۂ عمل اپنے خلفا میں بھی منتقل کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے خلفا علم وعمل کے روشن مینارہ نظر آتے ہیں، انھوں نے دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کا پیغام پہنچایا اور مسلک اہل سنت کی ترویج واشاعت میں ملت اسلامیہ کی سرخ روئی کے لیے بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے خلفا کا دائرہ سمجھنے کے لیے پروفیسر مسعود احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اقتباس بڑی اہمیت کا حامل ہے:

"فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا قدس سرہ العزیز کو اپنے دور میں جو ہمہ گیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی

معاصرین علما و صوفیہ میں کسی کو حاصل نہ ہوسکی ،آپ کے خلفا کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ایک طرف صوبہ مدراس، صوبہ بنگال، صوبہ بہار میں آپ کے خلفا پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان اور تیسری طرف صوبہ سندھ پاکستان اور صوبہ راجستھان صوبہ سی پی اور یوپی تو گویا آپ کے زیر نگیں تھے۔ دائرۂ خلفا کی یہ ہمہ گیری شاید معاصرین صوفیہ میں کسی کو حاصل نہ ہوسکی۔ آپ کے خلفا پاک و ہند میں مختلف شہروں میں موجود تھے۔ مثلا: کلکتہ، عظیم آباد، جبل پور، محمود آباد، میرٹھ، مراد آباد، بجنور، نگینہ، کوٹلی لوہاراں، کراچی، سیالکوٹ، لاہور وغیرہ وغیرہ، صرف پاک و ہند نہیں بلکہ بلاد عرب افریقہ اور انڈونیشیا وغیرہ میں بھی آپ کے خلفا موجود تھے۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، طرابلس وغیرہ، ظاہر ہے کہ انہوں نے مجموعی طور پر حضرت فاضل بریلوی کے پیغام کو کہاں کہاں پہنچایا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند میں کوئی ایسا شہر نہیں، جہاں آپ کے معتقد اور جاں نثار موجود نہ ہوں۔ آپ کے خلفا میں حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ مفتی ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے مریدین و معتقدین تو تقریبا دنیا کے تمام گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں، خصوصاان ممالک میں بکثرت ہیں: ترکی، شام، مصر عراق، یمن، لیبیا، الجزائر، سوڈان، افریقہ اور انگلستان۔ اعلیٰ حضرت کی مقبولیت میں ان کے محیر العقول علم و فضل اور روحانیت کے علاوہ ان کے خلفا کی مساعی کا بھی پورا پورا دخل ہے۔

ایک بات اور قابل توجہ ہے اکثر بزرگوں کے خلفا میں چند ہی چمکتے ہیں، سب کے سب نہیں چمکتے، لیکن فاضل بریلوی کے بیشتر خلفا علم و عمل کے درخشاں آفتاب نظر آتے ہیں، اس سے خود فاضل بریلوی کی عظیم شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عظیم انسان ہی عظیم تاثیر رکھتے ہیں۔ ''[خلفاے محدث بریلوی از پروفیسر ڈاکٹر مسعود صاحب]

امام احمد رضا بریلوی کے خلفا میں ایک سے ایک عالم وفاضل، محقق و مصنف، فقیہ و محدث، مناظر و متکلّم، معرفت وروحانیت کے تاج دار، علم وادب کے شہ سوار، دعوت و تبلیغ کے ماہر، امامت وقیادت کے رمز آشنا نظر آتے ہیں، ضرورت ہے کہ خلفاے اعلیٰ حضرت کا ایک جامع تذکرہ مرتب کیا جائے، اب تک اس حوالے سے جو بھی کام ہوا ہے وہ منتشر ہے، پاکستان کے علما میں اس حوالے سے پروفیسر مسعود احمد اور ڈاکٹر مجید اللہ کا نام سر فہرست ہے، بعض ہندوستانی مصنفین نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے، قابل مبارک باد ہیں حضرت مولانا محمد شاہد القادری صاحب کلکتہ کہ انہوں نے تجلیات خلفاے اعلی حضرت کی ترتیب دے کر اس سلسلہ میں ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر کسی حد تک منتشر مواد کو یکجا کر کے انھیں تسلسل کے ساتھ مرتب کرنے کی قابل مبارکباد کوشش کی ہے۔ سر دست ہم اپنے عنوان یعنی ''امام احمد رضا بریلوی کے خلفاے بہار'' کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

بہار کی سرزمین کو علم وادب کے حوالے سے ہمیشہ اپنی ایک الگ شناخت حاصل رہی ہے، اس سرزمین سے امام احمد رضا بریلوی کا بڑا گہرا رشتہ رہا ہے، تحریک ردندوہ کو جو قوت اس صوبے سے ملی اور پٹنہ کی سرزمین سے تحریک کا جو کام ہوا، تاریخ کبھی اسے فراموش نہیں کر سکے گی، امام احمد رضا کے متعدّد ممتاز تلامذہ کا تعلق اس صوبے سے تھا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلفاے بہار میں سے چند اہم شخصیتوں کا اجمالی تذکرہ ہم نے اس مقالے میں شامل کیا ہے، پورا مقالہ پڑھنے کا وقت نہیں

ہے، اس لیے ہم یہاں ان ناموں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، جن کا تذکرہ اس مقالے میں شامل ہے۔

۱۔ علامہ عبدالرشید عظیم آبادی
۲۔ مفتی سید غیاث الدین رجہتی
۳۔ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی
۴۔ مفتی رحیم بخش مظفرپوری
۵۔ علامہ سید سلیمان اشرف بہاری
۶۔ ملک العلما علامہ مفتی ظفرالدین بہاری
۷۔ مفتی رحیم بخش آروی
۸۔ علامہ خلیل الرحمٰن بہاری
۹۔ علامہ سید عبدالرحمٰن گیاوی

[۱] حضرت مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت علامہ مفتی سید عبدالرشید عظیم آبادی قدس سرہ ۱۸۷۴ء میں سادات کے معزز اور روحانی گھرانے میں بمقام موہلی ضلع پٹنہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ فارسی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ حافظ قرآن بننے کا شوق پیدا ہوا، آپ کے والد ماجد نے حسب خواہش ایک حافظ صاحب کو ماہانہ وظیفہ مقرر کر کے حفظ قرآن کروانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی اور قلیل مدت میں آپ نے حفظ قرآن کریم کی عظیم دولت حاصل کی۔

اعلیٰ حضرت سے پہلی ملاقات:

حفظ قرآن کی تکمیل کے دوران ۱۳۱۸ھ میں تحریک ندوہ کے خلاف حضرت قاضی عبدالوحید عظیم آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر اہتمام سہ روزہ اجلاس شروع ہوا۔ پانچ سو سے زائد علما اور مشائخ نے شرکت فرمائی، بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی شرکت سے اجلاس کو تاریخی وقار حاصل ہوا، چوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمی شخصیت کا تذکرہ حضرت مولانا شاہ سید عبدالرشید عظیم آبادی صاحب نے سن رکھا تھا، جس کے سبب آنکھیں بے قرار اور دل مضطرب تھا کہ کب وہ ساعت سعید میسر ہو کہ امام عشق و محبت کے رخ زیبا کی زیارت کر کے پیاسی نگاہوں کی آسودگی کا سامان فراہم ہو، چنانچہ تحریک ندوہ کے خلاف منعقد ہونے والے اس عظیم الشان اجلاس میں آپ کو یہ موقع ملا، بلکہ آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے لیے اسٹیشن سے قیام گاہ تک کے لیے ایک شاندار لینڈو [برطانوی طرز کی بگھی جسے صرف روسا استعمال کرتے تھے] کا انتظام کیا اور اسی سے اعلیٰ حضرت آپ کے مکان پر رکتے ہوئے قیام گاہ تک تشریف لے گئے۔ مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف میں حضرت مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی استاذ العلما مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری اور مجدد عصر حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدست اسرارہم سے تکمیل درسیات کر کے فراغت حاصل

کی۔ ۱۳۲۵ھ میں دستار بندی ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حکم سے آپ کے سر پر حضرت شاہ حیات احمد سجادہ نشین شیخ العالم مخدوم احمد عبدالحق رودولوی نور اللہ مرقدہٗ نے دستار باندھی اور سند فراغت مرحمت کی [تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت، ص:۳۵۴]

بریلی کے طالب علمی کے زمانہ میں آپ اور ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری نے جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں اشرف علی تھانوی کے ورود بریلی کے موقع پر اُن کی قیام گاہ پر پہنچ کر دیوبندیوں کے ۲۰؍ عقائد باطلہ سے متعلق سوالات کیے، آخر میں عاجز آکر مولانا تھانوی نے کہا:

"میں اس فن میں جاہل ہوں، میرے اساتذہ بھی جاہل ہیں، اگر مجھے تھوڑی دیر کے واسطے معقول بھی کر دیجیے تو وہی کہے جاؤں گا، مجھے معاف کیجیے، آپ جیتے اور میں ہارا۔"

آپ نے فراغت کے بعد مختلف مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیے، اور بعد میں اخیر عمر تک بہار کی مشہور درس گاہ جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں فقہ و حدیث و تفسیر و منطق و فلسفہ کا درس دیا۔

اعلیٰ حضرت سے خلافت:

آپ کی خلافت کا ذکر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی فہرست میں ۳۳؍ واں نمبر پر اس طرح کیا ہے:

"جناب مولانا مولوی حافظ سید عبد الرشید۔۔۔ عالم، مجاز طریقت [مرتب]

ایک طویل مدت تک تدریسی خدمات اور دینی فریضہ انجام دیتے ہوئے ۱۹۴۷ھ میں اس دار فانی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا۔ [تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت، ص:۳۶۳]

[۲] قمر العلما حضرت علامہ سید غیاث الدین رجہتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ والد گرامی کا نسبی تعلق حضرت سید شاہ ابوالحسن مشہدی المعروف حضرت مخدوم بندگی دانشمندی سے ہے۔ جو چنگیز خان کے زمانے میں نقل مکانی کر کے وارد ہندوستان ہوئے۔ اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ تھے۔ اور حضرت سیدنا امام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کی والدہ کا نسب نامہ آپ کے آبائی وطن رجہت [گیا] کے بانی مخدوم قاضی سید عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ تک کئی واسطوں سے ملتا ہے۔ جو حضرت سید امام عبد اللہ الاصغر بن حضرت سید الساجدین امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں۔

ولادت باسعادت:

۱۳۰۴ ہجری اوائل شوال میں ہوئی۔ خاندان کے رسم و رواج کے مطابق چھٹے روز آپ کے نانا حضرت سید شاہ محی الدین صاحب عرف لالہ میاں رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام نے قرآن پاک سے نام نکالا اور والد ماجد سید شاہ فرزند علی نے عبد الغیاث یا غیاث الدین رکھا اور غیاث الدین سے مشہور ہوئے۔

حصول تعلیم:

پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخلہ کرایا گیا۔ابتدائی تعلیم موضع رجہت میں حاصل کی۔ ہمیشہ اول نمبر پر رہے۔اسکالر شپ بھی ملتی رہی، جو اپنے استاذ کی نذر کرتے رہے۔ پھر بہار کی مشہور درسگاہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں داخلہ لیا، خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت کے ماموں جان تھے۔ جب صاحب سجادہ حضرت سید شاہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو دل برداشتہ سہسرام سے الہ آباد کے محلہ دائرہ شاہ اجمل تشریف لے گئے۔ وہاں سید فاخر عرف سید شاہ راشد میاں صاحب بیخود الہ آبادی سے کافیہ، شرح جامی، شرح تہذیب، شرح وقایہ، مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھی، دریں اثنا کچھ مدت تک کان پور میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دوبارہ الہ آباد تشریف لائے اسی زمانے میں ملا عطا قندھاری کا شہرہ الہ آباد پہنچا کہ زبردست معقول ومنقول کے عالم ہیں، ان دنوں شہر جون پور میں استاذ الہند مولانا ہدایت اللہ خان صاحب سے شمس بازغہ وہدایہ حاشیہ افق مبین وغیرہ پڑھتے رہے۔ یہ سن کر الہ آباد سے جون پور تشریف لائے۔

بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضری:

آپ اپنے ماموں صوفی مولانا سید شاہ محمد شریف صاحب صدیقی چشتی سے مرید تھے، اپنے پیر ومرشد کے حکم سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے کسی محدث کی تلاش تھی، چنانچہ اس غرض سے شہسرام سے روانہ ہو گئے اور الہ آباد ہوتے ہوئے مسجد فتح پوری [دہلی] کے مدرسے میں پہنچے، وہاں مولانا عبد اللہ ٹونکی رہتے تھے۔ لیکن دورۂ حدیث کی تعلیم پورے شہر میں کہیں نہیں ہوتی تھی۔ ناچارہ ملا عبد اللہ ٹونکی سے شرح چغمینی وسبع شداد پڑھتے رہے، دورۂ حدیث کی خواہش دل میں مچلتی رہی۔ نیز آپ کی نیت تھی کہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ تک کسی واسطے سے سند مل جائے اور سند حدیث میں کوئی ایسا نہ ہو جو عقائد اہل سنت کے خلاف ہو۔ اسی خیال کے تحت مولانا سید فاخر حسین صاحب سے ایک خط محدث سورتی مولانا وصی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھوایا۔ خط کا مضمون اس طرح تھا۔

”حامل عریضہ ہذا بڑے شائق حدیث ہیں، دورے کا خیال ہے، عالی خاندان سادات ہیں، بہت مرتاض صوفی مشرب ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں بھیج رہا ہوں۔ ان کے قیام وطعام کا انتظام فرما کر مشکور ہوں۔،،

مولانا کا خط لے کر آپ محدث سورتی کی بارگاہ میں جانے کے خیال سے دہلی روانہ ہو گئے، راستے میں بریلی شریف اپنے پرانے رفیق ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے ملنے اتر گئے، مدرسہ منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی شریف تشریف لائے۔ ملک العلما سے خیال ظاہر کیا، انہوں نے مشورہ دیا کہ اعلیٰ حضرت سے عرض کروں، اگر یہیں اجازت مل گئی تو کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ شاید حضور مدرس اول سے وقت دلوا دیں۔ کیوں کہ وہ ابھی اچھے مدرس ہیں، فرماتے ہیں ہم نے اسی وقت لفافہ تبدیل کر دیا۔ سادے لفافہ میں محدث سورتی کے نام لکھا ہوا خط ڈال کر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے خدمت بابرکت میں پیش کر دیا، اعلیٰ حضرت مولانا بشیر احمد صدر مدرس کو طلب فرما کر دورۂ حدیث پر مستعد کیا۔ کچھ کتابیں مدرس دوم

ومہتمم مدرسہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان سے پڑھی۔ جیسے حمد اللہ، مطول اقلیدس اور تلویح وغیرہ کئی سال تک آپ اور آپ کے ساتھی مولانا ظفر الدین بہاری دونوں بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضر ہوکر خوشہ چینی کرتے رہے۔ دونوں صاحبان ایک ساتھ علوم ظاہری بھی اعلیٰ حضرت سے تبرکا حاصل کرتے رہے۔ مثلا تفاسیر اور شرح مقاصد وغیرہ آپ حضرات نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے پڑھا۔[تجلیات خلفاے اعلی حضرت، ص:۳۶۹]

رجب المرجب کا مہینہ آیا خواجہ غریب نواز کے عرس کا دن قریب آیا، مولانا غیاث الدین صاحب کو خواجہ غریب نواز سے بہت عقیدت تھی، دربار خواجہ میں حاضری کا اشتیاق حد سے زیادہ بڑھا، ملک العلما سے کہا: اعلیٰ حضرت سے سند حدیث دلوادیں، ملک العلمانے اعلیٰ حضرت سے عرض کیا: اعلیٰ حضرت نے طلب فرماکر ارشاد فرمایا کہ جلسۂ دستار بندی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ بہتر ہے کہ آپ نہ جائیں۔ جلسہ کے بعد جائیں۔ عرض کی حضور بارگاہ خواجہ غریب نواز میں جانے کے لیے دل مچل رہا ہے۔ ان شاء اللہ موقع ملا تو پھر آؤں گا، مجھ کو دستار بندی کی ضرورت نہیں، میرا یہاں آنا تو صرف حضور کی خدمت کا غرض اور سند حدیث حاصل کرنے سے تھا۔ میری درسیات تو متفرق جگہ ہوئیں۔ آپ سے اجازت حدیث میں صرف حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تک دو ہی واسطہ ہے۔ ایک آپ ہیں اور دوسرے حضرت سید شاہ آل رسول ہیں۔ علاوہ ازیں حضور کی ذات بہت محترم ہے۔ آپ مجدد مائۃ حاضرہ امام اہل سنت ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ مجھ کو اجازت سند علماے حرمین سے بھی ہیں، یہ ارشاد فرماکر سند حدیث لکھوایا اور فرمایا کہ تم خود لکھو۔ آپ خوش خط بھی تھے۔ اور خود اپنے دست کرم سے اعلیٰ حضرت نے لکھا۔ اجزت ما یجوزلی کل روایۃ عن شیوخی۔ جب سند صاف ہوئی تو اعلیٰ حضرت نے اپنی مہر پاک سے مزین فرماکر آپ کے حوالے فرمایا اور چند نصائح ووصایا فرماکر بخوشی رخصت فرمایا۔ چند دنوں کے بعد جلسہ دستار بندی ہونے پر مہتمم مدرسہ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے مطبوعہ سند حدیث اپنے دستخط اور مہر مدرسہ اور مہر اعلیٰ حضرت سے مزین فرماکر بذریعہ ڈاک ارسال فرمایا۔[ایضاص:۳۷۰]

خلافت اعلیٰ حضرت:

دس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اعلیٰ حضرت نے مزید کرم فرمایا اور اپنے خاندانی سلسلے کا خلافت نامہ اور سلسلہ قادریہ برکاتیہ [مارہرہ شریف] کا خلافت نامہ، اجازت قرآن، اسناد ائمہ، دلائل الخیرات شریف، حزب البحر الاعظم اربعین اور دیگر اوراد و وظائف مہر سے مزین فرماکر بذریعہ رجسٹری ڈاک ارسال فرمایا۔

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خلفا کی فہرست میں ۳۹/ واں نمبر پر آپ کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

”جناب مولانا مولوی غیاث الدین صاحب بہار۔۔۔عالم، واعظ، مجاز، طریقت،[مرتب]

وصال مبارک:

آپ کا وصال مبارک ۱۳/ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ۔ ۲۵/ مئی ۱۹۶۵ عیسوی کو ہوا، محلہ دائرہ سہسرام کے شاہی قبرستان میں آپ کی

تدفین ہوئی۔ آج بھی آپ کا عرس سراپا قدس شان وشوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ آپ کی تاریخ وفات حشر سہسرامی نے لکھی ہے۔

آرام گاہ عالم بلند پایہ عارف کامل قدس سرہ [۱۳۸۵ھ] [ایضاص:۳۷۳]

[۳] قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی:

اسمٰعیل بن قاضی اکرام الحق بن قاضی ابن الحق بن قاضی کمال الحق بن قاضی غلام یحیٰی بن قاضی غلام شرف الدین۔ قاضی صاحب کا تعلق بہار کے ایک مقتدر مذہبی وعلمی خانوادے سے ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام محمد ملقب بہ تاج فقیہ جعفری زینی فاتح منیر تک پہنچتا ہے۔ جو ان کے مورث اعلیٰ تھے۔ منظور النبی ان کا تاریخی نام ہے۔ قاضی عبد الوحید عظیم آباد [پٹنہ، بہار] میں ۱۲۸۹ھ میں پیدا ہوئے۔

تحصیلِ علم:

قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے درسی کتابیں شمس العلما مولانا عبدالحق خیر آبادی کے شاگردِ رشید مولانا سید عبدالعزیز چشتی صابری سے پڑھیں۔ عربی تعلیم کے علاوہ وہ انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔

بیعت وخلافت:

قاضی عبدالوحید کو بیعت سلسلہ فردوسیہ میں حضرت شاہ امین رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ اور انہیں مختلف سلسلوں، خاص طور پر سلسلۂ قادریہ میں اجازت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی علیہ الرحمۃ نے بہت ہی کم عمری میں علمی اعتبار سے بہت شہرت پائی۔ آپ بچپن ہی سے ذہین وفطین تھے جس کا اندازہ آپ کے دوران طالب علمی کے ایک واقعہ سے ہوتا ہے کہ آپ کے والد قاضی عبدالحمید سر سید احمد خاں اور قاضی رضا حسین کے مشورے سے آپ کو مزید انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان بھیجنا چاہتے تھے، مگر آپ کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے بلکہ مزید انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے بھی انکار کر دیا، کیوں کہ آپ مغربی تعلیم کو مذہب کے لیے سم قاتل سمجھتے تھے۔ آپ سر سید کی انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ ندوۃ العلما کی تعلیم تک کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے ندوۃ العلما کی سختی سے مخالفت کی، کیوں کہ وہ اس ادارے کو مسلمانوں کے لیے مضر سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں جہاں کہیں ندوہ کا جلسہ ہوتا تو وہاں آپ اس کی مخالفت میں جلسہ کرانا دین کی عین خدمت تصور کرتے تھے۔ آپ حضرت علامہ مولانا الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے بہت محب ومعتقد تھے۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات ومعتقدات کی اس زمانے میں دھوم تھی۔ ان کی علمی شہرت عظیم آباد تک بھی پہنچ چکی تھی۔ ان دونوں کے تعلقات کی ابتدا کب ہوئی قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ یقینی ہے کہ ۱۳۱۳ھ یا اس سے کچھ پہلے ان دونوں میں مراسلت شروع ہو چکی تھی، یہ تعلقات آخر عمر تک قائم رہے۔ اس وقت قاضی عبدالوحید کی عمر ۲۴/ سال کے لگ بھگ ہوگی، انہوں نے دینی تعلیم کے فروغ کے لیے ایک درس گاہ ''مدرسہ حنفیہ'' کے نام سے قائم کیا اور ایک روایت کے مطابق ۷۵/ ہزار کی جائداد اس کے اور دوسرے دینی کاموں کے لیے وقف کر دی

تھی۔ مشہور عالم شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے، ہر سال مدرسے کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا تھا، جس میں فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی ہوا کرتی تھی اور انہیں سند فراغت عطا کی جاتی تھی۔ اس موقع پر علماے کرام تشریف لاتے اور سیرت پاک کے جلسے ہوتے اور عوام وخواص علما کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوتے۔

قاضی عبد الوحید کا صرف ۳۷/ سال کی عمر میں ۱۳۲۶ھ میں محلہ لودی کٹرا، پٹنہ میں انتقال ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت چوں کہ آپ کی عیادت کے لیے اس وقت آپ ہی کے پاس تشریف رکھتے تھے، اعلی حضرت نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔[تجلیات خلفاے اعلی حضرت، ص:۳۷۴تا۳۸۰ملخصا]

[۴]امام علم وفن مفتی رحیم بخش مظفرپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت باسعادت:

عارف باللہ بڑے مولانا علامہ مفتی محمد رحیم بخش رحمہ اللہ موضع باتھ اصلی مظفر پور[سیتامڑھی]بہار میں ۱۳۱۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم اپنے خاندانی بزرگوں سے حاصل کی۔ اور اعلیٰ تعلیم کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ اس وقت وہاں باضابطہ مدرسہ کا انتظام نہیں تھا۔ سرکار اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ اپنے مکان پر ہی خاندان کے افراد اور مخصوص حضرات کو تعلیم دیتے تھے۔ بڑے مولانا کو حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے ہم درس وہم سبق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ پہلے سفر میں سات سال اور دوسرے سفر میں پانچ سال یعنی بارہ سال امام اہل سنت کی بارگاہ عالی میں رہ کر جملہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کی اور یگانۂ روزگار ہو کر واپس ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے انہیں ”بڑے مولانا“ کا خطاب ولقب عطا فرمایا ہے۔

درس وتدریس:

سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حکم پر شمالی دیناج پور مغربی بنگال کے علاقہ ڈھٹی اسلام پور میں خدمت دین واشاعت سنیت اور رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے آپ کا تقرر منظر اسلام بریلی شریف میں حضرت مولانا محمد رحم الہی منگلوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد کیا اور اس کے لیے حجۃ الاسلام خود آپ کے وطن باتھ اصلی بنفس نفیس تشریف لائے۔

خلافت:

سرکار اعلیٰ حضرت سے آپ کی خلافت واجازت کا واقعہ نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضور مفسر اعظم ہند رضی اللہ عنہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

"۲۰ اپریل ۱۹۶۲ عیسوی کو ڈھٹی اسلام پور [اتر دیناج پور مغربی بنگال] پہنچنا ہوا۔ ۲۵ کو یہاں سے روانگی ہوئی۔ یہاں بھی ایک دو جلسہ ہونے ہیں، یہاں حاجی محمد حلیم صاحب سے معلوم ہوا کہ ان کا ارادہ تھا کہ مرید ہوں، مونگیر [مولوی محمد علی مونگیری] کی طرف خیال تھا، کوئی فقیر منش شخص مانع ہوا۔ اور مولانا رحیم بخش صاحب باتھوی فاضل بریلوی مرحوم و مغفور کی طرف اشارہ کیا، ان سے ہو جاؤ۔ انہوں نے مولانا رحیم بخش صاحب مرحوم سے کہا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے اعلیٰ حضرت سے اجازت نہیں ہے۔ جب تک اجازت نہ لے لوں بیعت نہیں کر سکتا۔ چناں چہ قصداً اجازت کے لیے بریلی شریف کا سفر کیا۔ اور بھی کچھ صاحبان ہمراہ تھے۔ وہ فقیر صاحب بھی، اعلیٰ حضرت سے ملاقات ہوئی، ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ فرمایا: اجازت ہے فوراً واپس جاؤ، ہم راہیوں پر اعلیٰ حضرت کی اس کرامت کا عجیب اثر ہوا، چنانچہ مولانا رحیم بخش مرحوم باتھوی واپس ہوئے اور یہاں کے لوگوں کو مرید کیا، اس لیے اس نواح کے باشندگان کو حق و باطل، بریلوی دیوبندی کی خوب تمیز ہے؛ [ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی، جون ۱۹۶۲ عیسوی، ص: ۱۱ بحوالہ تجلیات خلفاے اعلی حضرت، ص: ۳۸۳]

غربا و حاجت مندوں کی امداد و اعانت آپ کی فطرت ثانیہ تھی، آپ خاندانی طور پر رئیس و زمیندار تھے، اگر آپ کے کھیت و باغات سے کوئی کچھ لیتا ہوا نظر آتا تو ادھر سے صرف نظر فرما لیتے کہ وہ دیکھ کر شرمندہ نہ ہو جائے، پھر جب کبھی ملاقات ہو جاتی تو آپ اس سے فرماتے کہ ضرورت ہو تو اور لے جانا۔

مرض طاعون میں آپ کا وصال ہوا، اس طرح شہادت کا مرتبہ پایا، باتھ اصلی کے جنوبی قبرستان میں آپ کا مزار مرجع و خلائق و منبع برکات اور فیض بخش عام ہے۔ [ماہنامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی، جولائی ۲۰۱۳ء]

[۵] عمدۃ المتکلّمین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سید المتکلّمین علامہ سید شاہ سلیمان اشرف اصدقی رضوی بہاری علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۱۲۹۷ھ، ۱۸۷۸ء محلہ میرداد بہار شریف ضلع نالندہ [بہار] میں ہوئی۔ آپ ایک ممتاز خاندانِ سادات کے چشم و چراغ تھے، آپ کے والد گرامی کا نام سید محمد عبداللہ اصدقی تھا، ایک درویش صفت بزرگ تھے، ریاضت و مجاہدہ، زہد و قناعت کے پیکر تھے، آپ نے اپنی ساری زندگی فقر و درویشی میں گزاری، آپ کا انتقال بہار شریف میں ہوا۔

چوں کہ بچپن ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لیے آپ مکمل طور پر والدہ ماجدہ کے زیر سایہ رہے، آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش و پرداخت کے ساتھ ساتھ بہتر تربیت بھی فرمائی اور اعلیٰ تعلیم کی رغبت دلا کر ایک مشفقہ ماں کا فریضہ ادا کیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے مادر وطن بہار شریف میں مولوی رمضان علی مرحوم سے حاصل کی، اس کے بعد بہار اسکول میں داخلہ لیا، یہاں آپ دسویں جماعت میں تھے، اچانک دل اچاٹ ہو گیا، عربی تعلیم کی طرف طبیعت مائل ہو گئی، لہٰذا والدہ ماجدہ سے رضا مندی حاصل کر کے آپ نے حضرت مولانا نور محمد اصدقی سے باضابطہ عربی و فارسی میں درس لینا شروع کیا، جب حضرت مولانا نور محمد اصدقی کا انتقال ہو گیا تو آپ بہت مغموم ہوئے، لیکن حصول تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ کیا، بلکہ مولانا ابو الحسن استھانوی کی خدمت میں رجوع فرما کر حصول تعلیم میں منہمک رہے، پھر بھی آپ کو سیرابی نہیں ہوئی تو کان پور کا سفر کیا، باضابطہ حضرت علامہ

احمد حسن کان پوری علیہ الرحمہ کے مدرسہ میں درس لینے لگے، تھوڑے ہی دنوں کے بعد مدرسہ حنفیہ جون پور تشریف لے گئے، وہاں بحر العلوم حضرت علامہ ہدایت اللہ فاضل رام پوری کی مکمل شاگردی اختیار کی اور تفسیر، حدیث، فقہ، منطق وفلسفہ کی سند سے سرفراز ہوئے، بعد فراغت استاذ محترم کے پاس جون پور میں مقیم رہے، جب آپ کا بروز دوشنبہ پانچ بجے شام یکم رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ جون پور میں وصال ہوا تو آپ نے جون پور کو خیرباد کہا۔

بیعت واجازت:

آپ طالب علمی کے ہی زمانے میں اپنے استاذ محترم عارف باللہ حضرت علامہ سید انور محمد اصدقی علیہ الرحمہ سے سلسلۂ اصدقیہ میں مرید ہوگئے تھے، اور استاذ محترم سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی اور سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت سے عقیدت:

آپ کو اساتذۂ کرام کے علاوہ جس دوسری عظیم المرتبت شخصیت سے گہری عقیدت تھی، وہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی تھی، جس کا تذکرہ آپ کے شاگرد عزیز جناب ڈاکٹر سید عابد علی [سابق ڈائرکٹر بیت القرآن، لاہور] نے اپنے ایک مضمون میں یوں کیا:

"استاذ محترم سید سلیمان اشرف بہاری پر حضرت مولانا بریلوی کا اتنا اثر تھا کہ میں مولانا احمد رضا خان قدس سرہ کی عظیم شخصیت کا اندازہ دراصل استاذ محترم کی شخصیت ہی سے لگایا۔ مجھے مولانا سلیمان اشرف سے شرف تلمذ کے علاوہ ان سے انتہائی قرب بھی رہا اور میں دیکھتا تھا کہ اکثر مولانا بریلوی کا ذکر چھیڑ دیتے اور یوں محسوس ہوتا کہ اکثر ان ہی کے تصور میں مگن رہتے، حتیٰ کہ استاذ محترم کی طبیعت ان ہی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، اور معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علوم عقلیہ میں خوش کلامی اور قوت بیان میں مولانا کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے، کانگریسی اور ہندوؤں کی ہمنوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ، مشرکین کو نجس سمجھنا اور ان کے معاملہ میں کوئی مداہنت روا نہ رکھنا، یہ سب صفات دونوں بزرگوں [علامہ بریلوی، استاذ محترم] میں مشترک تھی، اسی طرح عشق رسول کے معاملہ میں طبیعت کا ایک والہانہ انداز بھی سید صاحب میں حضرت فاضل بریلوی کی طرح پایا تھا۔ لباس اور وضع قطع میں بھی یاد ہے کہ آپ عمامہ بھی اسی انداز کا رکھتے جیسا کہ حضرت مولانا [بریلوی] استعمال فرماتے تھے،،

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے جو عشق تھا اور مسلک اہل سنت سے جو گہرا لگاؤ تھا، اس کا تذکرہ سلیمان ندوی نے بھی کیا ہے:

"ان کے مذہبی خیالات علمائے بریلی کے مطابق تھے، اور ان کے بڑے مداح تھے، صرف یہی نہیں بلکہ اپنے مذہبی معتقدات میں بڑے متصلب تھے، اور جب مذہبی گفتگو ہوتی تو جلال میں آجاتے"

دیوانگی عشق بڑی چیز ہے سیماب یہ ان کا کرم ہے جسے دیوانہ بنالیں

اس حقیقت کا اظہار مولانا نور محمد قادری اس طرح کرتے ہیں۔

"استاذ گرامی مولانا ہدایت اللہ خان کے وفات کے بعد اعلی حضرت ہی کی ذات تھی جو آپ کا ملجاوماویٰ تھا، اعلی حضرت کی وفات تک مولانا کے نیاز مندانہ تعلقات قائم رہے، جب کہ اعلیٰ حضرت کے مرض الموت کے دنوں میں آپ بریلی شریف میں تھے، اور اعلیٰ حضرت کی تجہیز وتد فین کا شرف بھی حاصل ہوا۔"

آپ کو امام احمد رضا کی علمی قابلیت کا اس قدر اعتماد تھا کہ جب ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو علم ریاضی کے ایک مسئلہ میں الجھن پیدا ہوئی اور وہ اس کی تحقیق کے لیے یورپ جانا چاہ رہے تھے جس کا تذکرہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری سے کیا، تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ یورپ کی بجائے بریلی شریف جائیں۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کے ہمراہ بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس خوبی سے مسئلہ کو حل کر دیا کہ وہ حیرت زدہ رہ گئے اور زندگی بھر کے لیے اعلیٰ حضرت کی قابلیت کے قائل ہوگئے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی آپ سے بے حد متاثر تھے اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ "مولانا سید سلیمان اشرف بہاری جب مناظرہ میں تنقیحات قائم کرتے ہیں تو مخالفین کو شکست ہو جاتی ہے۔" [تجلیات خلفاے اعلی حضرت، ص:۳۸۹/۳۹۰]

مسلم یونیورسٹی میں تقرر:

مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی علی گڑھ سے سید ضمیر الدین بہار سے ملنے پٹنہ تشریف لائے، اتفاق سے اسی درمیان مولانا سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ بھی مولانا سید ضمیر الدین بھی ملاقات کی غرض سے تشریف لے آئے۔ اور وہیں آپ کی ملاقات مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی سے ہوئی۔ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی علیہ الرحمہ نے پہلی ہی ملاقات میں آپ کے علم و فضل کو بھانپ لیا، اور آپ کے اندر چھپے ہوئے جوہر کا سراغ لگا لیا۔ لہٰذا مولانا شیروانی نے آپ کو علی گڑھ چلنے کو کہا، آپ راضی ہو گئے اور علی گڑھ تشریف لے گئے، وہاں پہنچے ہی تھے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۹۲۰ء میں شعبۂ دینیات کے لیے ایک لکچرر کی ضرورت پیش آئی، آپ کو اطلاع ملی، تو اپنے آپ کو آپ نے بحیثیت امیدوار پیش کیا، آپ سے انٹرویو میں معجزہ پر مقالہ لکھنے کی فرمایش کی گئی اور کہا گیا کہ اگر کتابوں کی ضرورت ہو تو حبیب گنج تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا بحمد اللہ! مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں، صرف کاغذ اور ایک قلم دے دیا جائے۔ لہٰذا آپ بعد نماز عشا کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گئے اور صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس پر ایک مدلل اور مفصل مضمون [جو ۲۲/ فل اسکیپ صفحات پر محیط تھا] قلم بند کر دیا، جسے ارباب وعلم فن نے بہت پسند کیا۔ پھر نماز جمعہ کے بعد توحید پر خطاب کرنے کو کہا گیا آپ نے اس موضوع پر پُر مغز تقریر فرمائی۔ جسے سن کر سامعین مست ہو گئے۔ سننے والوں میں نواب وقار الملک مشتاق حسین اور مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کے ساتھ ساتھ اراکین دینیات کمیٹی موجود تھے، متاثر ہوئے اور شعبۂ دینیات میں ۵۰/ روپے مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر لیا۔ [سید سلیمان اشرف بہاری حیات و کارنامے]

جمعیۃ العلما کا اجلاس:

ماہ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ / مارچ ۱۹۲۱ء کو بریلی شریف میں خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلما کی جانب سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک تھے، غیر شرعی حرکات کی بنا پر علماے اہل سنت نے اس کانفرنس کا بائیکاٹ کیا، ادھر اراکین کانفرنس کا پلان تھا کہ اس میں علماے اہل سنت کا رد کیا جائے گا۔ ان لوگوں نے کانفرنس کی جانب سے دو پوسٹر بعنوان ''آفتاب صداقت'' اور ''مستعار کی چند ساعتیں'' شائع کیے تھے، اشتہار میں علماے اہل سنت کو منکرین ومخالفین کے القاب دے کر چیلنج کیا گیا تھا اور رمز وکنایہ کے ساتھ مقابلہ کا اعلان بھی تھا، اس اشتہار کے چند سطور ملاحظہ ہوں:

''منکرین و مخالفین پر اتمام حجت، مسائل حاضرہ کا انقطاعی فیصلہ خدائی فرمان پہنچانے کے لیے بریلی شریف میں جمعیۃ العلما کا اجلاس ہونے والا ہے، سچائی ظاہر ہوگئی۔ جھوٹ بھاگ نکلا۔ خدا جبار وقہار کا فرمان پورا ہو کر رہے گا۔''

علماے اہل سنت نے اس چیلنج کو قبول کیا اور جماعت رضا مصطفیٰ بریلی شریف کی جانب سے صدر الشریعہ مولانا امجد علی [مصنف بہار شریعت] نے ستر سوالات پر مشتمل سوال نامہ مرتب کر کے قائدین جماعت کو بھجوایا کہ پڑھ کر اجلاس میں جواب دیں۔ ایسے موقع پر امام اہل سنت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ایما پر علامہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کو بریلی طلب کیا گیا۔ بالآخر ۱۴/ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ، بعد نماز مغرب حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی، حضرت صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی، صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی، ملک العلما مفتی ظفر الدین بہاری، حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خان بریلوی، برہان ملت علامہ برہان الحق جبل پوری علیہم الرحمۃ والرضوان پر مشتمل علماے اہل سنت کا قافلہ شان وشوکت کے ساتھ جمعیۃ العلما کے پنڈال میں پہنچا۔ اسٹیج پر عمائدین جمعیۃ کے علاوہ ابوالکلام آزاد بھی موجود تھا۔ آپ نے یہاں تقریر کا وقت مانگا، ابوالکلام آزاد نے ۳۰/ منٹ کا وقت دیا۔ کیوں کہ آپ کو جلسہ میں شرکت کی دعوت بھی دی گئی تھی، آپ نے اپنے مخصوص انداز میں ایسی دھواں دھار تقریر فرمائی کہ اراکین کانفرنس حواس باختہ ہو گئے، اور محو ہو کر تقریر سنتے رہے، ان پر وجدانی کیفیت طاری تھی۔

اللہ تعالیٰ نے علماے اہل سنت کو اس میں کامیابی عطا فرمائی اور امام احمد رضا کی دعاؤں کی برکت نے اہل سنت کے وفد کو سرخروئی عطا فرمائی اور اہل سنت کا پرچم بلند نظر آیا۔ اور مخالین کو ذلت ورسوائی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئی۔

تصنیفات:

آپ نے دینی اور مسلکی مصروفیات کے باوجود کئی علمی اور فکری تصنیفات اہل علم وفن کو عطا فرمائی ہیں جن میں چند کے نام یہ ہیں:

[۱] المبین　　[۲] النور　　[۳] الارشاد

[۴] النہار　　[۵] الحج وغیرہ

وصال:

طویل علالت کے بعد اہل سنت کا یہ عظیم ستارہ ہمیشہ کے لیے ربیع الاول ۱۳۵۸ھ / ۲۷/ اپریل / ۱۹۳۹ء کو روپوش ہو گیا ،آپ کی نماز جنازہ میں چاہنے والوں کا ازدحام تھا، آپ کی نماز جنازہ آپ کے شاگرد عزیز جناب مولانا محمد شفیع احمد نے پڑھائی اور شیروانی کے قبرستان علی گڑھ میں تدفین عمل میں آئی۔[سید سلیمان اشرف بہاری۔ حیات و کارنامے۔ بحوالہ تجلیات خلفاے اعلی حضرت، ص:۳۹۵/۳۹۶]

[۶] ملک العلما مفتی ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت باسعادت:

آپ رسول پور ضلع پٹنہ [اب ضلع نالندہ] صوبہ بہار میں ۱۰/ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ / مطابق ۱۹/ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

چار سال کی عمر میں رسم بسم اللہ خوانی حضرت شاہ چاند صاحب کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، ابتدائی فارسی کتب حافظ مخدوم اشرف، مولانا کبیر الدین اور مولانا عبد اللطیف سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ ''حنفیہ'' میں مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ پھر منڈی کان پور میں مولانا قاضی عبد الرزاق اور مولانا احمد حسن کان پوری اور مولانا شاہ عبید اللہ پنجابی کان پوری سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد خوب سے خوب تر کی تلاش انھیں بریلی شریف لے گئی۔ بریلی میں دار العلوم منظر اسلام کے قیام کے محرک بنے اور آپ ہی کی تحریک سے منظر اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ بریلی میں مولانا حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رام پوری، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہم الرحمہ سے بخاری شریف کا درس لیا ،اعلی حضرت قدس سرہ نے انہیں فتویٰ نویسی کے اسرار سکھائے، ریاضی، ہیئت، توقیت، جفر اور تکسیر جیسے پیچیدہ علوم کی تعلیم دی ،رسالہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، شرح چغمینی پڑھائی اور فن تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس دیا، ۱۳۲۵ھ میں تعلیمی سال مکمل ہونے کے بعد ماہ شعبان المعظم کے اخیر میں ملک العلما کو ان کے رفقاے درس کے ساتھ دستار فضیلت سے نوازا گیا، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ذکر کیا گیا کہ اس اجلاس کے خصوصی مہمان درگاہ شیخ العالم مخدوم عبد الحق رودولوی علیہ الرحمہ کے سجادہ نشین مخدوم شاہ التفات احمد رودولوی علیہ الرحمہ تھے جنھوں نے اعلی حضرت کی ایما پر ملک العلما کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور تدریس وافتا کی سند عطا کی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد منظر اسلام بریلی شریف، پھر اعلی حضرت کے حکم سے انجمن نعمانیہ لاہور تشریف لے گئے، وہاں سے بحکم اعلی حضرت شملہ بہ حیثیت خطیب و مفتی تشریف لے گئے، پھر وہاں سے مدرسہ حنفیہ آرہ بہار اور اس کے بعد مدرسہ شمس الہدی پٹنہ میں علم و فضل کے گوہر لٹاتے رہے، مدرسہ شمس الہدی پٹنہ کے عہدۂ صدارت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد آپ نے کٹیہار میں ۲۱ر شوال ۱۳۷۱ھ میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا۔ اور منصب صدارت کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے مدرسہ کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔

بیعت و خلافت:

محرم الحرام ۱۳۲۲ھ میں اعلیٰ حضرت سے مرید ہوئے اور ۱۳۲۵ھ میں تمام سلاسل میں اجازتِ عام عطا فرمائی۔ اور پیر و مرشد کی بارگاہ سے ملک العلما اور فاضل بہار کا ممتاز لقب بخشا گیا۔

سیدی اعلی حضرت نے اپنے پچاس خلفا کی فہرست میں ۲۴ر واں نمبر پر آپ کا ذکر خیر اس طرح کیا ہے:

”جناب مولانا مولوی ظفر الدین بہاری پروفیسر مدرسہ عربیہ خانقاہ شہسرام، عالم، فاضل، کامل، مفتی، مصنف، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت“

اعلی حضرت کا مکتوب شریف:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خلیفہ تاج الدین احمد، ناظم انجمن نعمانیہ لاہور کو اپنی رحلت سے بارہ سال پہلے ۵ر شعبان المکرّم ۱۳۲۸ھ کو آپ کے بارے میں ایک مکتوب تحریر کیا تھا: اس مکتوب شریف سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بارگاہ رضا میں آپ کا مقام و مرتبہ کیا ہے:

”مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا: سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالی عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علماے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علما، بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لیے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انھیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے۔“

تصنیفات وتالیفات:

ملک العلماعلامہ مفتی ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ نے مختلف علوم وفنون پہ کثیر تعداد میں کتب تصنیف فرمائیں، ان میں سے چند کے اسما حسب ذیل ہیں۔[۱]شرح کتاب الشفا[۲]جامع الرضوی[۳]التعلیق علی القدوری[۴]حیات اعلی حضرت [۵]سدالفرار وغیرہ

وفات:

شب دوشنبہ ۱۹/ جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ / ۱۸/ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکرِ جہر کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔آپ کی نماز جنازہ حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشیں خانقاہ اسلام پور پٹنہ نے پڑھائی اور محلہ شاہ گنج کے قبرستان میں مدفون ہوے۔
[ماخوذ از جہان ملک العلماو خلفاے اعلی حضرت]

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے   اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

[۷]حضرت مولانا رحیم بخش آروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت وتعلیم:

حضرت علامہ مفتی شاہ رحیم بخش قادری رضوی آروی علیہ الرحمہ کی ولادت مبارکہ ضلع آرہ میں ایک علمی اور دیندار گھرانے میں ہوئی،اور ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی،اور اعلی تعلیم کے حصول کے لیے رام پور اور سہارنپور کا رخ کیا اور علماے رام پور، وسہارن پور سے درسیات پڑھیں، حدیث کی چند کتابیں پھلواری شریف میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن ناصر گنجی سے پڑھیں، اعلیٰ حضرت کا شہرہ سُن کر سہارن پور سے بریلی پہنچے اور یہاں اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی فیض صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

درس وتدریس:

حصول تعلیم کے بعد وطن تشریف لائے اور مدرسہ حنفیہ[آرہ] میں منصب تدریس پر فائز ہوئے، آپ کی تدریسی صلاحیت کا شہرہ قرب وجوار میں ہونے لگا اور تشنگان علوم نبویہ دور دور سے آپ کی بارگاہ میں شرف تلمذ حاصل کرنے کے لیے آنے لگے اور چند مہینوں میں مدرسہ حنفیہ آرہ کو کافی شہرت حاصل ہوگئی اور اس کا شمار اس وقت کے ممتاز اداروں میں ہونے لگا۔

مدرسہ فیض الغربا کا قیام:

مدرسہ حنفیہ کے منتظمین اور مدرسین سے مسائل واعتقاد میں اختلاف کے باعث جدید مدرسہ قائم کیا، فیض الغربا نام رکھا، آرہ کے مشہور شیخ طریقت حضرت شاہ محمد فرید الدین علیہ الرحمہ نے بھرپور تعاون فرمایا، تاحینِ حیات آپ اس کے صدر مدرس

اور مہتمم رہے، اس مدرسہ کے سالانہ جلسۂ دستار بندی میں جماعت اہل سنت کے ممتاز علما ومشائخ شریک رہے، بالخصوص اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی، علامہ وصی احمد محدث سورتی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں، ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی علیھم الرحمۃ والرضوان وغیرہ کے اسما مبارکہ قابل ذکر ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں چند مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں:

[۱] حضرت مفتی ابراہیم آروی [۲] علامہ شاہ عبد الغفور آروی [۳] حضرت علامہ ولی الرحمٰن پوکھریروی

بیعت وخلافت:

حضرت علامہ شاہ مفتی رحیم بخش علیہ الرحمہ سہارن پور سے علمی تشنگی بجھا کر جب اعلی حضرت فاضلِ بریلوی علیہ لرحمہ کی بارگاہ علم وروحانیت میں حاضر ہوئے تو سرکار اعلی حضرت سے مرید ہو کر سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں داخل ہوئے اور اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔

سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے پچاس خلفا کی فہرست میں ۱۹؍واں نمبر پر آپ کا تذکرہ فرمایا ہے:

"جناب مولانا مولوی محمد رحیم بخش صاحب آرہ، اعلیٰ مدرس مدرسہ فیض الغربا، مدرس، مفتی، مناظر، واعظ ومجاز طریقت" [مرتب]

وصال: آپ کا وصال مبارک آپ کے پیر ومرشد کے ٹھیک چار سال کے بعد ۱۳۴۴ھ؍۱۹۲۵ میں ہوا۔ [ماخوذ از تجلیات خلفاے اعلی حضرت

[۸] علامہ مولانا محمد خلیل الرحمٰن بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت علامہ ومولانا الحاج الشاہ محمد خلیل الرحمٰن قادری رضوی علیہ الرحمہ خطۂ بہار کے ایک جلیل القدر عالم دین، ممتاز فقیہ، عدیم المثال مدرس اور مایہ ناز واعظ وخطیب تھے۔

اعلی حضرت سے ملاقات:

تجلیات خلفاے اعلی حضرت کے فاضل مرتب حضرت مولانا شاہد القادری صاحب لکھتے ہیں:

حضرت علامہ محمد خلیل الرحمن قادری رضوی نے جب سیدی اعلی حضرت مجدد اعظم علیہ الرحمہ کا علمی، فقہی، ملی، تصنیفی، روحانی، اور قومی خدمات کا شہرہ سنا تو پٹنہ کے رد تحریک ندوہ کے اجلاس میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے تشریف لائے، شرف زیارت سے مشرف ہوتے ہی اپنے دل کے نہاں خانہ میں ان کی تصویر جمالی اور ہمیشہ کے لیے انہی کے ہو کر رہ گئے۔ مرکز اہل سنت بریلی شریف تشریف لائے اور حضرت مجدد اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر رضویت کی غلامی کا قلادہ اپنی گردن پر ڈال کر داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ ہوئے، حضرت مرشد برحق نے آپ کی وسعت علمی، تفقہ فی الدین اور علوم اسلامیہ پر دسترس سے خوش ہو کر اس پیکر اخلاص ووفا کو سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ کی ا جازت وخلافت سے سرفراز فرما کر راہ سلوک کی منزل طے کرائی۔

درس وتدریس:

حضرت علامہ مولانا الشاہ خلیل الرحمٰن قادری رضوی جہاں ایک اچھے خطیب، بہترین عالم دین، ممتاز فقیہ تھے وہیں ایک کہنہ مشق مدرس بھی تھے۔ زمانہ آپ کے تبحر علمی کا معترف تھا۔ انداز درس بہت نرالا ہوتا تھا۔ دور دراز سے تشنگان علوم نبویہ کا قافلہ آپ کی بارگاہ علم وفضل میں حاضر ہوکر آسودہ ہوتا تھا۔ ریاست تمل ناڈو کی راجدھانی مدراس کے متیال مٹھ کے ایک مشہور ومعروف تعلیمی ادارہ ''مدرسہ عربیہ''میں لائق وفائق مدرس تھے۔

خلافت:

آپ کی اجازت وخلافت کا تذکرہ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے پچاس خلفاے عظام کی فہرست میں ۱۶/ واں نمبر پر یوں کیا ہے:

''جناب مولانا مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب بہاری، مدرس مدرسہ عربیہ مدراس، عالم، واعظ، مجاز طریقت''[مرتب]

حسام الحرمین کی تصدیق:

جب دیوبندیوں نے حسام الحرمین کے خلاف واویلا مچانا شروع کیا تو حضرت شیر بیشہ اہل سنت علامہ حشمت علی خان لکھنوی علیہ الرحمہ نے متحدہ ہندوستان کے علما کرام سے حسام الحرمین پر تصدیقات حاصل کرنا شروع کیں تو مدراس کے علماے کرام میں حضرت علامہ مولانا خلیل الرحمٰن حنفی قادری بہاری علیہ الرحمہ نے ان الفاظ کے ساتھ اپنی تصدیق ثبت فرمائی:

حسام الحرمین کے فتاویٰ حق ہیں اور مسلمانوں پر ان کا ماننا لازم اور ضروری اور واجب العمل ہے۔ ان فتاویٰ کا انکار گمراہی ہے۔ واللہ اعلم۔ فقیر محمد خلیل الرحمٰن بہاری قادری حنفی رضوی مقیم مدراس۔

آپ اپنے مرشد برحق امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی فعال تنظیم جماعت رضاے مصطفیٰ بریلی شریف اور جماعت انصار الاسلام بریلی شریف کے ہمدرد اور رکن تھے، آپ نے بھی حتی الوسع مرشد برحق کے شہزادگان، خلفا اور تلامذہ کے ہمراہ تحریک انسداد شدھی میں جم کر حصہ لیا۔ اس کی کارکردگی کے بارے آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

''آج بتاریخ ۱۴/ ذی القعدہ کو بحمد اللہ جماعت رضاے مصطفیٰ میں حاضری کا فخر حاصل ہوا، جماعت رضائے مصطفیٰ کو ہر طرح سے بہتر پایا، خداوند کریم اس جماعت کو ہمیشہ ترقی اور برکت عطا فرمائے، آمین۔''[تاریخ جماعت رضاے مصطفیٰ، ص: ۴۲۶/ بحوالہ تجلیات خلفاے اعلیٰ حضرت]

آپ کی تاریخ ولادت، وصال اور مدفن کا علم نہ ہوسکا۔

[۹] مخدوم العالم علامہ شاہ عبد الرحمٰن گیاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کا تعارف وتذکرہ فرماتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب قاضی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار رقم طراز ہیں:

آپ کا آبائی وطن موضع ترہٹ ضلع نوادہ بہار ہے۔ لیکن آپ کی ولادت ۱۲۹۴ھ میں آپ کے نانا جان عارف باللہ سید شاہ عبد

الحق قادری علیہ الرحمہ کے دولت کدہ "بیتھو شریف ضلع گیا بہار میں ہوئی، آپ کے بچپن کے زمانے ہی میں والد محترم سید شاہ عبد القادر قادری علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا، جو کیری شریف کی قبرستان میں آسودہ خاک ہیں۔ پھر آپ کی تعلیم و تربیت حضرت نانا جان قدس سرہ کے حصے میں آئی۔ نانا جان نے بچپن میں اپنے رنگ عرفان میں آپ کی ایسی تربیت کی کہ بڑا ہوکر وہ نکھر کر کندن ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ کی تعلیم کا باضابطہ تذکرہ دستیاب نہیں ہے۔ آپ کے سوانح نگار سید شاہ محمد حسنین رضا قادری مد ظلہ عالی سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ، کیری شریف ضلع بانکا، بہار نے ایک جگہ اس تعلق سے آپ کا تذکرہ کیا ہے، اس تذکرہ سے پتہ چلتا ہے کہ خانگی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوکر آپ نے سہسرام، کانپور اور بلند شہر کا رخ کیا۔ وہاں درس نظامی کی متوسطات تک تعلیم حاصل کی، اس تعلیمی سفر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اندر مزید حصول تعلیم کا ذوق اور بھی بڑھ گیا، اور یہ جذبہ جب طغیانی پر آگیا تو اب اس کی تسکین کے لیے صرف ایک بار گاہ تھی، جہاں سائلوں کی بھیڑ تھی پینے والوں کا میلا تھا، اور لے جانے والے بھر بھر کر جام علم شریعت و طریقت لے جا رہے تھے۔ آپ کو بھی وہاں پہنچنے کا باطنی اشارہ ہوا، اور آپ سیدھے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، گویا اب آپ اس در تک پہنچ گئے، جہاں آپ کی تشنگی دور ہو سکتی تھی، ہر خلش کا علاج تھا، اور جہاں آپ طبیعت کے مطابق شریعت و طریقت کا جام سیر ہو کر پی سکتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے آپ کی تربیت کا معقول انتظام کروایا، پھر رفتہ رفتہ انہیں اس قابل بنا دیا کہ رضوی دار الافتا میں آنے والے استفتا کا جواب دینا بھی آپ کے حصہ میں آگیا، حضرت شاہ صاحب قبلہ نے اعلیٰ حضرت کے حیات میں ہی ۱۳۲۸ھ تا ۱۳۴۰ھ تک فتاویٰ لکھے، اس پر اعلیٰ حضرت نے تصدیق فرمائی، گویا اعلیٰ حضرت نے اپنے فیض ظاہری و باطنی سے شاہ صاحب کو شریعت کا عالم اور طریقت کا عارف بنا دیا، بہار کے تلامذہ میں حضرت ملک العلما علامہ مفتی ظفر الدین بہاری اور حضرت مولانا عبد الرشید عظیم آبادی کا اسم گرامی خصوصیت سے آتا ہے۔ مگر اس میں ایک اہم نام علامہ سید عبد الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ کا بھی جوڑنا ہوگا، جنہیں ان کی فراغت [۲۰/ جمادی الآخر ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۳ء جمعہ] کے وقت اعلیٰ حضرت قبلہ نے دستار فضیلت و سند حدیث سے نوازا اور سند میں اپنے دست مبارک سے لکھا "ایها الفاضل الکامل مرضی الخصائل محمود الشمائل الرفیع الشان مولانا سید عبد الرحمٰن قادری بن سید عبد القادر بیتھوی،،

فراغت کے بعد آپ نانا جان کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے، ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا، ایک سال کے بعد آپ کے نانا جان حضرت شاہ عبد الحق قادری علیہ الرحمہ کا ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۶ء میں انتقال ہوگیا ایسے عالم میں آپ نے پھر بریلی شریف مراجعت فرمائی اور دو سال مسلسل درس و تدریس میں مشغول رہے، یہی وہ زمانہ تھا جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خدمت افتا پر آپ کو مامور کیا اور آپ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۰۹ء تا وصال اعلیٰ حضرت [۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء] یعنی ۱۰، ۱۱ سال تک آپ نے فتاویٰ نویسی کا فریضہ انجام دیا، یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا، اگر ان فتاویٰ کو تلاش کر کے جدید انداز میں اس کی اشاعت کر دی جائے۔ ۱۱/ سال تک کے فتاویٰ میں کیا کیا لعل و گہر ہوں گے اور وہ بھی امام احمد رضا کی تصدیقات سے مزین، ان میں بعض ایسے فتاویٰ ہیں جس سے آج کے زوال آمادہ خانقاہی مزاج کو اسلاف کا آئینہ دکھایا گیا ہوگا یا آج دکھایا جا سکتا ہے کہ اب اکثر خانقاہیں

اپنے اسلاف کی اعتقادی اور مسلکی روش سے ہٹ رہی ہیں، خدا ماضی کی طرف مراجعت کی توفیق خیر بخشے[آمین]

خلافت:

آپ کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوے ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت شاہ صاحب قبلہ ارادتاً رضوی تھے، اور بیعتاً قادری تھے، وہ اپنے نام کے ساتھ ”رضوی القادری“ لکھتے تھے، آپ کے سوانح نگار حضرت مولانا سید حسنین رضا صاحب نے لکھا ہے کہ [آپ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے خلافت سے نوازا تھا۔ اس کے سند کے لیے ان کے پاس بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ شجرۂ طیبہ جو مریدین کو عطا فرماتے تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی ان کو خلافت عطا فرمائی تھی] میں سمجھتا ہوں کہ یہ شہادت بھی بہت بڑی شہادت ہے۔ اگر خلافت نہیں تھی، صرف تلمذ کا شرف تھا تو شجرے میں اعلیٰ حضرت کے اسم گرامی کی کیا ضرورت تھی۔ شجرے میں اعلیٰ حضرت کا نام اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ کو سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے خلافت حاصل تھی، دوسری بات یہ کہ اعلیٰ حضرت نے ان کو ”ایھا الفاضل الکامل مرضی الخصائل، محمود الشمائل، الرفیع الشان“ لکھا ہے تو پھر خلافت ملنے پہ تحیر کا کیا معنیٰ؟ اس ثبوت کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہ بھی ہو، جب بھی یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے اجل خلفا میں سے ہیں۔[تجلیات خلفاے اعلی حضرت ص:۴۲۱ ملخصا]

وصال: آپ کا وصال ۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ جمعۃ المبارکہ کا دن گزار کر شب میں ہوا۔ آپ کو آپ کے حجرہ شریف میں ہی غسل دیا گیا اور کیری شریف میں دفن کیا گیا۔[ایضا]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلفاے بہار کی ایک ادنی جھلک تھی، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر باضابطہ کام کیا جائے اور جملہ خلفاے بہار پر باضابطہ لکھا جائے اور ان کی خدمات اور کارناموں کو منظر عام پر لایا جائے، اللہ تعالی سبیل پیدا فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین.

*****

مقالات

☆ضمیمہ

اتر دیناج پور میں مسلک اعلیٰ حضرت کے عظیم پاسبان

شیر بنگال علامہ شاہ غیاث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولانا مظفر حسین رضوی: دار العلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات اتر دیناج پور

ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، عالم ربانی، حضرت علامہ غیاث الدین علیہ الرحمۃ والرضوان جلیل القدر عالم، بے مثال صوفی اور دین وسنیت کے مخلص داعی و مبلغ تھے، ان کی پوری زندگی علم وادب کے فروغ، مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح، اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت اور باطل وگمراہ فرقوں کی تردید وابطال میں گزری، انھوں نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تعلیمات کے فروغ اور رضویات کی نشرواشاعت کے حوالے سے بڑے گراں قدر کارنامے انجام دیے، وہ ہمیشہ معتقدات اہل سنت کے خلاف کی جانے والی محاذ آرائیوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔ خانوادۂ رضویہ سے ان کی گہری وابستگی اور بدمذہبوں سے دلی نفرت و بے زاری کے حیرت انگیز واقعات سے ان کی حیات پاک کا ایک ایک گوشہ زندہ وتابندہ ہے۔

انہوں نے حصول علم سے فراغت کے بعد میدان عمل میں قدم رکھا تو اپنے علاقہ اتر دیناج پور بنگال کے مسلمانوں کی دینی ومذہبی صورت حال کو دیکھ کر بے چین ہو اٹھے اور اہل سنت کے عقائد واعمال کے تحفظ کے لیے تن تنہا ایک سرگرم تحریک چلائی، آپ نے مکمل عزم وحوصلے کے ساتھ قوم کی اصلاح اور بدمذہبوں کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا، اور پورے اخلاص کے ساتھ جدوجہد شروع فرمائی، نہایت ناساز گار حالات میں بھی آپ جبل استقامت بن کر دین کے دشمنوں کے سامنے سینہ سپر رہے، یہ اس دور کی بات ہے جب اتر دیناج پور کے اس علاقے میں دیوبندیت اور وہابیت کے فروغ کے لیے نہایت خاموشی کے ساتھ زمین دوز تحریک چلائی جارہی تھی، سادہ لوح مسلمانوں کو بڑی چالاکی کے ساتھ وہابیت کے جال میں پھنسایا جارہا تھا، مونگیر بہار کا منت اللہ رحمانی اس علاقے میں ڈیرہ ڈال رکھا تھا، اور دیوبندیوں کے افکار ونظریات کی خاموش تبلیغ کے لیے جتن کررہا تھا، پیشوایان دیوبند کی طرح یہ بھی تقیہ کے ذریعہ اپنی تحریک کو آگے بڑھارہا تھا، اس سے قبل اس علاقے میں دیوبندیت کا کوئی نام ونشان نہیں تھا، سارے لوگ سنی اور عقائد اہل سنت کے حامل تھے، معمولات اہل سنت پر عمل پیرا تھے، میلاد، سلام وقیام، درود فاتحہ وغیرہ سب کچھ ہوتا تھا، ان ہی حالات میں سنیت کا لبادہ اوڑھ کر یہ بہروپیہ اس علاقے میں وارد ہوا، اس کا حال یہ تھا کہ جس جس گاؤں میں جاتا، وہاں کے سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دے کر گمراہیت کے دل دل میں پھنسادیتا۔ ادارے قائم کرتا، مساجد میں اپنے خیالات کے امام مقرر کرتا۔

شیر بنگال حضرت علامہ غیاث الدین علیہ الرحمۃ والرضوان نے دیوبندیوں کی عیاری اور مکروفریب سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے اپنی تقریروں کے ذریعہ ان کے گمراہ کن افکار ونظریات کو طشت ازبام کیا، اور ان کا مسلسل ان کا تعاقب فرمایا، منت اللہ

کے فتنے کی سرکوبی کے لیے پیہم جدوجہد فرمائی، علاقے کے باصلاحیت علما کو بھی دیابنہ کی تردید وابطال کے کام میں لگایا۔

حضرت شیر بنگال اپنے زمانے میں عوام وخواص کے مرجع ومقتدیٰ اور علاقے کی کاروان سنیت کے قافلہ سالار تھے، ان کی جرأت وبے باکی، عزم واستقلال اور بے مثال مجاہدانہ کارناموں کی بنا پر انھیں **"شیر بنگال"** کا لقب دیا گیا، صحیح معنوں میں وہ اس کے مستحق بھی تھے۔ آج ضلع اتر دیناج پور خصوصا بنگلہ دیش کے سرحدی علاقوں میں جو سنیت کی بہاریں ہیں اس میں آپ کی جدوجہد کا بڑا دخل ہے۔ انہیں اس علاقے میں فکر رضا کا اولین ناشر ومبلغ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، آج ہمارے علاقے میں مسلک اعلیٰ حضرت کے جو نعرے لگ رہے ہیں اور ہر ہر فرد کی زبان پر اعلیٰ حضرت کے ترانے ہیں، یہ حضرت شیر بنگال اور اس عہد کے مقتدر علما کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ وہ خانوادہ رضویہ کے خوشہ چیں تھے، اور ان کی محبت کا دم بھرتے تھے، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ سے بیعت تھے، مرشد گرامی کا فیضان کرم ان پر جھوم جھوم کر برستا تھا۔ اور الحمدللہ حضرت شیر بنگال کے صدقے حضرت مفتی اعظم کا فیضان آج بھی یہاں خوب برس رہا ہے۔

آپ نے اپنے زمانے میں اس علاقے کی دیوبندیوں کی ناک میں نکیل ڈال رکھا تھا، آپ کے زمانے میں یہاں کئی مناظرے بھی ہوئے جن میں دیوبندیوں کی شکست فاش ہوئی، آپ اس وقت ہندوستان کے اکابر علمائے اہل سنت سے رابطے میں تھے، آپ کی دعوت پر یہ علما اس علاقے میں تشریف لایا کرتے، حضور مفتی اعظم ہند، شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ حشمت رضا خاں پیلی بھیتی، شہزادۂ شیر بیشہ اہل سنت علامہ مشاہد رضا پیلی بھیتی، مناظر اعظم حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمن صاحب اڑیسوی، پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی، فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمہم اللہ اور اس زمانے کے مشہور مناظر مولا انتخاب قدیری وغیرہ اکثر علاقے کا دورہ فرمایا کرتے تھے۔

انھوں نے اس علاقے میں دیابنہ کے ناپاک چہروں سے کس طرح پردہ اٹھایا اس کا اندازہ درج ذیل واقعے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا اشتیاق احمد مصباحی، مدرسہ عزیز الاسلام ہر بھنگہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ایک بار ادارے میں جلسے کا پروگرام طے پایا، یہاں کے لوگ اس علاقے کے مشہور عالم، ناشرِ مسلک اعلیٰ حضرت، مبلغِ اسلام وسنیت، شیر بنگال حضرت مولانا غیاث الدین علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پہنچے اور جلسے میں شرکت کی گزارش کی، آپ اپنے وقت کے زبردست عالم وفاضل اور بے مثال داعی ومبلغ تھے، مولوی عبد العزیز کی خباثت سے بھی واقف تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کے جلسے میں شرکت نہیں کرسکتا، اس لیے کہ تمھارے مدرسے میں مولوی عبد العزیز ہے جو دیوبندی عقیدے کا حامل ہے۔

حضرت شیر بنگال علیہ الرحمہ کے اس ارشاد پر کمیٹی بیدار ہوئی، پھر کمیٹی کے ارکان نے بڑی رسوائی اور فضیحت کے ساتھ مولوی عبد العزیز کو ادارے سے نکال دیا۔ اس طرح حضرت شیرِ بنگال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ سے یہ ادارہ اس دیوبندی تقیہ باز کی تقیہ بازی سے پاک ہوا، اللہ جل شانہ حضرت شیرِ بنگال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبرِ انور پر رحمت وانوار کی بارشیں برسائے، آمین۔" [سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور، شمارہ ۳]

حضرت شیر بنگال علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایک لازوال کارنامہ دار العلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات کا قیام ہے، انہوں نے

اعلیٰ فکرو بصیرت، حد درجہ دور اندیشی اور مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے فروغ علم دین اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت کے لیے مدرسہ فیض عام قائم کیا۔ آپ کے قائم کردہ اس ادارے نے اس علاقے میں فروغِ سنیت اور اشاعت علم وادب میں بڑا اہم کردار ادا کیا، مسلسل چھ دہائی سے یہ ادارہ اپنے بانی کے فیضان کرم سے علم وادب کی اشاعت میں مصروف ہے، ہزاروں نونہالان قوم اس ادارے سے فیض پاکر زیور علم سے آراستہ ہوئے ہیں۔ آج کونہ ونوری نگر کمات اور قرب و جوار کے قریات میں مسلک اعلیٰ حضرت کی جو بہاریں اور اہل علم کی جو ایک مضبوط ٹیم موجود ہے اس میں حضرت شیر بنگال کی مخلصانہ جدوجہد کا بڑا حصہ ہے۔

حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی کا یہ فکر انگیز اقتباس اہل نظر کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

”حضرت شیر بنگال کی حیات مبارکہ کا یہ پہلو بھی ہمارے لیے خاص طور سے توجہ کا طالب ہے کہ آپ اپنے زمانے میں اس علاقے میں تن تنہا دیوبندیت اور وہابیت کے خلاف محاذ آرا تھے، لیکن سنیت کا بول بالا تھا، دیوبندی وہابی ہر محاذ پر خائب و خاسر تھے، ان کی تحریک سمٹتی جارہی تھی، وہ اپنے ہدف کی تکمیل میں ناکام تھے۔ جب کہ آج ہمارے قرب وجوار میں علماے اہل سنت کی ایک بڑی ٹیم موجود ہے، ہمارے سماج میں دینی وعصری تعلیم کا گراف بھی بڑھا ہے، اہل سنت کے متعدّد دینی ومذہبی ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ اسباب ووسائل بھی پہلے سے زیادہ مہیا ہیں، اس کے باوجود ہم دیوبندیت کے سیلاب کو روکنے میں ناکام کیوں ہیں؟ بھولے بھالے سنی مسلمان وہابیت کے دلدل میں کیوں پھنستے جارہے ہیں۔ ہمارے علما کو سنجیدگی کے ساتھ ان سوالات پہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔“ [اصلاح فکروعمل، مولفہ مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، ص:۱۳۵]

حضرت شیر بنگال علیہ الرحمہ زندگی بھر دیوبندیوں کے خلاف محاذ آرا رہے، انہوں نے دعوت وتبلیغ کے قرآنی اصول یعنی حکمت وموعظت کو اپنا وطیرہ بنایا تھا، وہ مسخرہ اور بھونڈے الفاظ کبھی استعمال نہیں کرتے تھے، ان کا خطاب باوقار اور قرآن وحدیث کی دلائل سے مزین ہوتا تھا، وہ دیوبندیوں کے عقائد ونظریات اور ان کے کالے کرتوتوں کو موضوع سخن بناتے، لیکن اس کا مقصد انہیں حقائق سے آگاہ کرکے راہ راست پر لانا ہوتا تھا، نہ کہ جاہلانہ انداز میں ان کا مسخرہ کرنا، انہیں خوب معلوم تھا کہ مدعو قوم کو اپنی بات منوانے کے لیے انہیں پہلے اپنی بات سننے پر آمادہ کرنا ہوگا، اگر اول مرحلہ میں وہ ہماری بات سن کر بدک گئے تو ہم ان تک اپنا پیغام پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوں گے، اور ہمارا مقصد اصلی فوت ہوجائے گا۔ لیکن آج ہم اپنے غیر حکیمانہ طریقوں کی وجہ سے ناکام ہیں اور ہمارے اسلاف دعوت وتبلیغ کے قرآنی اور حدیثی اسلوب کو اپنے لیے نمونہ عمل بنایا تو کامیاب رہے۔

حضرت شیر بنگال علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے علاقے کے مختلف اطراف میں میلاد پاک کی محفلوں میں تشریف لے جایا کرتے اور مدلل ومفصل خطاب فرمایا کرتے تھے، آپ کا خطاب اس قدر شگفتہ اور آسان لب ولہجے میں ہوتا کہ سب لوگ آسانی سے سمجھ لیتے۔ آپ تن تنہا سائکل ہی سے دور دراز مقامات تک تشریف لے جاتے، اور رات کی تاریکی میں بلا خوف وخطر گھر واپس ہو جاتے، موسم کا مزاج کبھی آپ کی راہ کا روڑہ نہیں بنتا، سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا دھوپ ہر حال میں دینی کاموں میں مصروف رہتے، علاقے کے دیوبندی آپ کو قتل کرنے کے مواقع ڈھونڈھتے، لیکن اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے۔ ایک بار بعض شرپسندوں نے رات کی تاریکی میں آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور راستے میں گھات لگاکر بیٹھ گئے، بیان کرنے والوں کا بیان ہے

کہ جب آپ وہاں پہنچے تو دشمنوں نے دیکھا کہ شیر بنگال ہی کی شکل کے درجنوں لوگ سائیکل پر سوار ہیں، ان کے دلوں میں ہیبت بیٹھ گئی اور وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔[اصلاح فکر و عمل، ص:۱۳۷]

حاصل گفتگو یہ کہ حضرت شیر بنگال نے اپنی پوری زندگی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں اپنی پوری زندگی وقف فرما دی اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لیے ایسے افراد پیدا کیے جن کے ذریعہ آج بھی دین کا بڑا کام ہو رہا ہے۔

حضرت شیر بنگال علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی زندگی کو خدمت دین کے لیے وقف کر رکھا تھا، انھوں نے اپنے لیے دنیاوی مال جمع نہیں فرمایا، ایک کچے اور بوسیدہ مکان میں اپنی پوری زندگی گزاری، کھیتی باڑی کے ذریعہ معاش کا انتظام فرمایا، اور مکمل عالمانہ اور مجاہدانہ شان و شوکت کے ساتھ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا اور مکمل سرخروئی کے ساتھ اس دنیا کو خیر باد کہا۔

آپ کی حیات مبارکہ کے بہت سارے گوشے ابھی بھی پردۂ خفا میں ہیں، حالاں کہ محب گرامی مولانا الحاج سبحان رضا مصباحی نے آپ کے حالات پر چند سال قبل ایک مختصر رسالہ مرتب فرمایا ہے جو یقیناً لائق تحسین ہے، لیکن علاقے میں آج بھی کثیر تعداد میں بزرگ علما باحیات ہیں جنھوں نے حضرت شیر بنگال کو بہت قریب سے دیکھا ہے، ان کے احوال و کوائف کا مشاہدہ کیا ہے، ان علما کے پاس ان کی یادوں کے خزانے ضرور محفوظ ہوں گے، ان خزانوں کو سمیٹنے اور ان کو باقی رکھنے کی صورت نکالنی ہوگی، ان کو محفوظ کرنے کا سامان کرنا ہوگا۔

ہر سال ۱۰؍ شوال المکرم کو [جو آپ کی تاریخ وصال ہے] آپ کا عرس روایتی انداز میں منعقد ہوتا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر ایک سال علاقے کے بزرگ علما اور جواں سال اصحابِ قلم کو بلا کر حضرت شیر بنگال کی شخصیت پر سمینار کا انعقاد ہوتا اور علمائے کرام سے مقالے لکھوا کر اس کی اشاعت کی صورت نکالی جاتی، حضرت شیر بنگال کے عقیدت مند اور ان کے فیض یافتہ علما کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

حضرت شیر بنگال کے صاحب زادگان میں بڑے صاحب زادے جناب ڈاکٹر فیاض احمد صاحب مرحوم چند سال قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے، ابھی حال ہی میں ان کے دوسرے صاحب زادے حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب بھی وصال فرما گئے ہیں، اب صرف ان کے ایک صاحب زادے جناب غلام جیلانی صاحب باحیات ہیں، جنھوں نے اپنے لڑکے کو عالم دین بنایا ہے۔ حضرت مولانا راقب علی زید مجدہ حضرت شیر بنگال کے پوتے اور اپنے خاندان کے وارث ہیں، عالم دین اور حضرت شیر بنگال کے پسر زادہ ہونے کے ناطے ان کی خاص ذمے داری بنتی ہے کہ اس سلسلے میں پیش قدمی کریں اور اپنے جد گرامی کی عظمتوں کو اجاگر کرنے کے لیے لائحۂ عمل تیار کریں۔

اللہ تعالیٰ اہل سنت کے اس بطل جلیل کی روح پُر فتوح پر رحمت و انوار کی بارشیں برسائے۔۔۔آمین

*****

بابِ پنجم

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی کہانی اخبارات ورسائل کی زبانی

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کی

کہانی اخبارات و رسائل کی زبانی

ملک کے متعدّد اخبارات میں شائع رپورٹس کے تراشے (ادارہ)

اتر دیناج پور میں امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس 29 اور 30 دسمبر کو

اسلام پور (پریس ریلیز)

اتر دیناج پور میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے وصال کو سو سال مکمل ہونے پر عظیم الشان پیمانے پر امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا انعقاد کیا جارہا ہے ۲۹ر ۳۰ر دسمبر کو منعقد ہونے والے اس دو روزہ سیمینار و کانفرنس کی تیاریاں جنگی پیمانے پر جاری ہیں۔ پروگرام کے کنوینر حضرت مولانا احمد رضا قادری نے بتایا کہ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات اتر دیناج پور بنگال میں منعقد ہونے والے امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں ملک کے طول و عرض سے سیکڑوں اہل فکر و قلم، ارباب علم و دانش اور عصری دانش گاہوں کے اساتذہ شرکت فرمارہے ہیں ۔واضح رہے کہ اس پروگرام کی سرپرستی خانقاہ رضویہ بریلی شریف کے ترجمان حضرت علامہ توصیف رضا صاحب قبلہ دام ظلہ فرمائیں گے جبکہ خصوصی خطیب کی حیثیت سے مولانا غلام رسول بلیاوی اور مولانا سیف اللہ علیمی کلکتوی شرکت فرمائیں گے۔ مورخہ ۳۰ر دسمبر کو منعقد ہونے والے امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی چریا کوٹ، مولانا ڈاکٹر حسن رضا پٹنہ، مفتی شفیق احمد شریفی قاضی شہر الہ آباد، مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی الہ آباد، مفتی آل مصطفیٰ مصباحی جامعہ امجدیہ گھوسی مولانا ڈاکٹر امجد رضا امجد پٹنہ ،ڈاکٹر مولانا سجاد عالم مصباحی اسسٹنٹ پروفیسر پریسیڈنسی یونیورسٹی کولکاتا، مفتی عبدالخبیر اشرفی مصباحی ،مولانا صابر رضا رہبر مصباحی سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب پٹنہ ،مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی جائس رائے بریلی ،مفتی کونین رضا نوری گجرات ،مولانا غلام جیلانی مصباحی کچھوچھہ شریف ،مفتی رفیق الاسلام مصباحی کولکاتا ،مولانا شاہد القادری رضوی سکریٹری مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال ،مولانا اختر الایمان علیمی چریا کوٹ مئو ،مفتی قطب الدین رضا مصباحی دربھنگہ ،مولانا فیروز عالم مصباحی گنجریا اسلام پور، مولانا نعیم الدین رضوی مرشدآباد اور معروف نعت خواں شعیب رضا وارثی بھدوہی اور مولانا عادل رضا مرادآبادی، شرکت کریں گے جب کہ نظامت کے فرائض حضرت مولانا قیصر اعظمی انجام دیں گے ۔علاوہ ازیں بنگال اور سیمانچل کے ہزاروں علما، ائمہ، حفاظ اور عوام کی کثیر تعداد کی شرکت متوقع ہے۔ اس عظیم الشان پروگرام کی صدارت حضرت مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی اور قیادت حضرت مفتی عبدالغفور صاحب فرمائیں گے، ۲۹ر دسمبر کو بعد نماز عشا امام احمد رضا نیشنل کانفرنس منعقد ہوگی جب کہ ۳۰ر دسمبر کو صبح آٹھ بجے امام احمد رضا نیشنل سیمینار کا انعقاد ہوگا اسی دن بعد نماز عشا امام احمد رضا نیشنل کانفرنس کی آخری شب ہوگی ۔(محمد سبحان رضا قادری)

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے

علمائے اہلسنت اتر دیناجپور کے زیر اہتمام دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس میں علماو دانشوروں کا اظہار خیال

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے

علماء اہلسنت اتر دیناجپور کے زیر اہتمام دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس میں علماو دانشوروں کا اظہار خیال

کشن گنج سلام پور (علی رضا صدیقی) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی اپنے عہد کے عظیم داعی اسلام، دوراندیش مفکر اور بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے اتحاد امت کے لیے عظیم تر خدمات انجام دیں۔ ان کے افکار ونظریات سے امت میں اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ ان خیالات کا اظہار کا دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علماو دانشوروں نے کیا۔ یہ سیمینار امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس صد سالہ پر علمائے اہل سنت اتر دیناج پور انے دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری کمات کے احاطے میں کیا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر محمد سجاد عالم اسٹنٹ پروفیسر پریڈنسی کالج نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لیے رہنما نقوش فکر ملیں گے۔ اعلیٰ حضرت کی فکری وعلمی تحقیقات اور دین ومعاشرت کے لیے آپ کی تعلیمات ارشادات کو تحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے۔ اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمد رضا کا نمایاں نام کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہار نے کہا کہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی وشبلی، امداد امام، اثر نیاز فتحپوری، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اور وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری، نیز سلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نامور عالم دین اعلیحضرت قدس سرہ نے 1897ء میں تنقید کے اصول لکھ دیے تھے جو ان کی کتاب الزمزمۃ القمریہ میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر حسن رضا خان نے کہا امام احمد رضا بریلوی نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں آج ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پر ریسرچ وتحقیق کئے جارہے ہیں اور یونیورسٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔ حضرت مفتی عبدالخبیر اشرفی صاحب نے اپنے مقالے میں کہا ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کے لئے مثل آئینہ ہے، جس آئینہ میں سادات کچھوچھہ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔ صابر رضا رہبر مصباحی نے کہا کہ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی فقط عالم دین اور مفتی ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکر اور ماہر معاشیات واقتصادیات بھی تھے آپ نے 1921ء میں اسلامک بینکنگ کا نظریہ پیش کیا اور اس کے لیے مضبوط لائحہ عمل بھی تیار کیا۔ مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے لیے دبیر فلاح ونجات کے عنوان پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔ سیمینار کی صدارت مبلغ اسلام علامہ عبدالمبین نعمانی نے کی، جبکہ نظامت مفتی ساجد رضا مصباحی نے کی۔ اس موقع پر مفتی آل مصطفےٰ مصباحی، مولانا مجاہد حسین مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی کچھوچھہ شریف، مفتی قطب الدین رضا مصباحی، مفتی عبدالغفور، مفتی رفیق الاسلام سمیت درجنوں کی تعداد میں مقامی وبیرونی علما کرام ودانشوران شریک تھے۔ صلاۃ وسلام اور دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات پر عمل کر کے معاشرہ میں اصلاح کا کام منظّم طور پر کیا جا سکتا ہے: پروفیسر سجاد عالم

اسلام پور (مغربی بنگال)، 30 دسمبر (یو این آئی) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی اپنے عہد کے عظیم داعی اسلام، دوراندیش مفکر اور بڑے فقیہ تھے اور انہوں نے اتحاد امت کے لیے عظیم تر خدمات انجام دیں۔ ان خیالات کا اظہار دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد سجاد عالم اسسٹنٹ پروفیسر پریسڈنسی کالج نے کیا۔

انہوں نے کہا کہ ان کے افکارونظریات سے امت میں اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں اور اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لیے رہنما نقوش فکر ملیں گے اور ان کی فکری وعلمی تحقیقات اور دین ومعاشرت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ کی تعلیمات وارشادات کو تحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے اور اسی کے ساتھ ان کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جا سکتا ہے۔

اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمد رضا کا نمایاں نام' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہار نے دعوی کیا کہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی وشبلی، امداد امام، اثر نیاز فتحپوری، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اور وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری، نیز سلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نام ور عالم دین اعلیحضرت قدس سرہ نے 1879 میں تنقید کے اصول لکھ دئے تھے جوان کی کتاب الزمزمۃ القمریہ میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

پروفیسر حسن رضا خان نے کہا امام احمد رضا بریلوی نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں آج ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پر ریسرچ وتحقیق کئے جارہے ہیں اور یونیورسیٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔

حضرت مفتی عبد الخبیر اشرفی نے اپنے مقالے میں کہا ہے، اعلی حضرت امام احمد رضا خان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کے لئے مثل آئینہ ہے، جس میں آئینہ میں سادات کچھوچھہ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔

سیمینار کی صدارت مبلغ اسلام علامہ عبد المبین نعمانی نے کی، جبکہ نظامت مفتی ساجد رضا مصباحی نے کی۔ سیمینار امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس صد سالہ پر علمائے اہل سنت اتر دیناج پور انے دار العلوم فیض عام کونہ ونوری کمات کے احاطے میں کیا تھا۔

علمائے اہلسنت اتر دیناجپور کے زیر اہتمام دوروزہ

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر

اسلام پور/گوالپوکھر، 30 دسمبر (مشرق نیوز سروس۔ سلی گوڑی بیورو) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے عہد کے عظیم داعی اسلام، دوراندیش مفکر اور بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے اتحاد امت کے لئے عظیم تر خدمات انجام دیں۔ ان کے افکار و نظریات سے امت میں اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ ان خیالات کا اظہار دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علما و دانشوروں نے کیا۔ یہ سیمینار امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس صد سالہ پر علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام اسلام پور محکمہ کے تحت چاکولیہ بلاک کے دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری کمات کے احاطے میں کیا گیا۔

اس موقع پر ڈاکٹر محمد سجاد عالم اسسٹنٹ پروفیسر پریسڈنٹی کالج نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لئے رہنما نقوش فکر ملیں گے۔ اعلیٰ حضرت کی فکری و علمی تحقیقات اور دین و معاشرت کے لئے آپ کی تعلیمات و ارشادات کو تحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج و معاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے۔

اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمد رضا کا نمایاں نام' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہار نے کہا کہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی وشبلی، امداد امام، اثر نیاز فتحپوری، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اور وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری، نیز سلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نام ور عالم دین اعلیحضرت قدس سرہ نے 1879 میں تنقید کے اصول لکھ دئے تھے جو ان کی کتاب الزمزمۃ القمریہ میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر حسن رضا خان نے کہا کہ امام احمد رضا قادری بریلوی نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آج ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پر ریسرچ و تحقیق کئے جارہے ہیں اور یونیورسٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔ مفتی عبدالخبیر اشرفی نے اپنے مقالے میں کہا کہ اعلی حضرت امام احمد رضا خان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کے لئے مثل آئینہ ہے، جس آئینہ میں سادات کچھوچھہ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔

صابر رضا رہبر مصباحی نے کہا کہ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی فقط عالم دین اور مفتی ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکر اور ماہر معاشیات واقتصادیات بھی تھے۔ آپ نے 1291 میں اسلامک بینکنگ کا نظریہ پیش کیا اور اس کے لئے مضبوط لائحہ عمل بھی تیار کیا۔ مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے لئے دبیر فلاح ونجات کے عنوان پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔ سیمینار کی صدارت مبلغ اسلام علامہ عبدالمبین نعمانی نے کی، جبکہ نظامت مفتی ساجد رضا مصباحی نے کی۔ اس موقع پر مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا مجاہد حسین مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی پھپھوند شریف، مفتی قطب الدین رضا مصباحی، مفتی عبدالغفور، مفتی رفیق الاسلام سمیت درجنوں کی تعداد میں مقامی و بیرونی علماء کرام ودانشوران شریک تھے۔ صلاۃ وسلام اور دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے

علمائے اہلسنت اتر دیناجپور کے زیر اہتمام دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس میں علماودانشوروں کا اظہار خیال

اسلام پور 30 دسمبر - اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی اپنے عہد کے عظیم داعی اسلام، دوراندیش مفکراور بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے اتحادامت کے لیے عظیم تر خدمات انجام دیں۔ان کے افکارونظریات سے امت میں اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ان خیالات کااظہار دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علماودانشوروں نے کیا۔ یہ سیمینار امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس صد سالہ پر علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام اسلام پور محکمہ کے تحت چاکولیہ بلاک کے دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری کمات کے احاطے میں کیا تھا۔اس موقع پر ڈاکٹر محمد سجاد عالم اسسٹنٹ پروفیسر پریسڈنسی کالج نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لیے رہنما نقوش فکر ملیں گے۔اعلیٰ حضرت کی فکری وعلمی تحقیقات اور دین ومعاشرت کے لیے آپ کی تعلیمات وارشادات

کو تحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے۔اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمد رضا کا نمایاں نام کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہار نے کہا کہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی وشبلی، امداد امام، اثر نیاز فتحپوری، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اور وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری، نیز سلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نام ور عالم دین اعلیٰحضرت قدس سرہ نے ۱۸۷۹ء میں تنقید کے اصول لکھ دئے تھے جو ان کی کتاب الزمزمۃ القمریہ میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر حسن رضا خان نے کہا امام احمد رضا بریلوی نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں آج ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پر ریسرچ وتحقیق کیے جارہے ہیں اور یونیورسٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔حضرت مفتی عبد الخبیر اشرفی صاحب نے اپنے مقالے میں کہا ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کے لئے مثل آئینہ ہے، جس آئینہ میں سادات کچھوچھ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔صابر رضا رہبر مصباحی نے کہا کہ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی فقط عالم دین اور مفتی ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکر اور ماہر معاشیات واقتصادیات بھی تھے۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں اصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے

علماء اہلسنت کے زیر اہتمام دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس میں علماو دانشوروں کا اظہار خیال

کشن گنج/اسلام پور، 30 دسمبر (آفتاب عالم صدیقی) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی اپنے عہد کے عظیم داعی اسلام، دوراندیش مفکراور بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے اتحادامت کے لیے عظیم تر خدمات انجام دیں۔ان کے افکارونظریات سے امت میں اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ان خیالات کااظہارکا دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علماودانشوروں نے کیا۔ یہ سیمینار امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس صد سالہ پر علمائے اہل سنت اتر دیناج پورانے دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری کمات کے احاطے میں کیا تھا۔اس موقع پر ڈاکٹر محمد سجاد عالم اسسٹنٹ پروفیسر پریسڈنسی کالج نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لیے رہنما نقوش فکر ملیں گے۔اعلیٰ حضرت کی فکری وعلمی تحقیقات اور دین ومعاشرت کے لیے آپ کی تعلیمات وارشادات کو تحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔اعلیٰ

حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے۔ اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمد رضا کا نمایاں نام کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہار نے کہا کہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی وشبلی، امداد امام، اثر نیاز فتحپوری، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اور وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری، نیز سلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نام ور عالم دین اعلیٰحضرت قدس سرہ نے ۱۸۷۹ء میں تنقید کے اصول لکھ دئے تھے جو ان کی کتاب الزمزمۃ القمریہ میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر حسن رضا خان نے کہا امام احمد رضا بریلوی نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں آج ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پر ریسرچ وتحقیق کیے جارہے ہیں اور یونیورسٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔حضرت مفتی عبد الخبیر اشرفی صاحب نے اپنے مقالے میں کہا ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کے لئے مثل آئینہ ہے، جس آئینہ میں سادات کچھوچھ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔صابر رضا رہبر مصباحی نے کہا کہ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی فقط عالم دین اور مفتی ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکر اور ماہر معاشیات واقتصادیات بھی تھے آپ نے ۱۹۲۱ء میں اسلامک بینکنگ کا نظریہ پیش کیا اور اس کے لیے مضبوط لائحہ عمل بھی تیار کیا۔مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے لیے دبیر فلاح ونجات کے عنوان پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔سیمینار کی صدارت مبلغ اسلام علامہ عبد المبین نعمانی نے کی، جبکہ نظامت مفتی ساجد رضا مصباحی نے کی۔ اس موقع پر مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا مجاہد حسین مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی پھپھوند شریف، مفتی قطب الدین رضا مصباحی، مفتی عبد الغفور، مفتی رفیق الاسلام سمیت درجنوں کی تعداد میں مقامی وبیرونی علما کرام ودانشوران شریک تھے۔صلاۃ وسلام اور دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

Image View | Text View | Comment | Email | Print | SHARE

Published in 31 Dec-2018 | Print Edition of Roznama Sahara

اعلیٰ حضرت کے افکار سے اتحاد امت ممکن

سماج و معاشرہ میں دعوت و اصلاح کا کام بھی منظم طور پر کیا جاسکتا ہے، علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں علما و دانشوروں کا اظہار خیال

اسلام پور (ایس این بی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی اپنے عہد کے عظیم داعی اسلام، دوراندیش مفکراور بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے اتحادامت کے لیے عظیم تر خدمات انجام دیں۔ان کے افکارونظریات سے امت میں اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ان خیالات کااظہارکا دوروزہ امام احمدرضانیشنل سیمیناروکانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علماو دانشوروں نے کیا۔ یہ سیمینار امام احمدرضابریلوی علیہ الرحمہ کے عرس صدسالہ پر علمائے اہل سنت اتر دیناج پورانے دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری کمات کے احاطے میں کیا تھا۔

اس موقع پر ڈاکٹرمحمد سجاد عالم اسسٹنٹ پروفیسر پریسڈنٹی کالج نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لیے رہنما نقوش فکر ملیں گے۔اعلیٰ حضرت کی فکری وعلمی تحقیقات اوردین ومعاشرت کے لیے آپ کی تعلیمات وارشادات کوتحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے۔

اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمدرضا کا نمایاں نامٔ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہارنے کہا کہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی وشبلی، امداد امام، اثر نیاز فتحپوری، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اور وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری، نیز سلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نام ور عالم دین اعلی حضرت قدس سرہ نے ۹۷۸۱ میں تنقید کے اصول لکھ دئے تھے جوان کی کتاب الزمزمہ القمریہ میں آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں—پروفیسر حسن رضا خان نے کہا کہ امام احمد رضا بریلوی نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں ۔آج ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پر ریسرچ وتحقیق کئے جارہے ہیں اور یونیورسیٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔

حضرت مفتی عبدالخبیر اشرفی صاحب نے اپنے مقالے میں کہا کہ اعلی حضرت امام احمد رضا خان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کیلئے مثل آئینہ ہے، جس آئینہ میں سادات کچھوچھہ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔صابر رضا رہبر مصباحی نے کہا کہ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی فقط عالم دین اور مفتی ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکر اور ماہر معاشیات واقتصادیات بھی تھے۔آپ نے ۱۹۲۱ میں اسلامک بینکنگ کا نظریہ پیش کیا اوراس کے لیے مضبوط لائحہ عمل بھی تیار کیا۔مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے دبیر فلاح ونجات کے عنوان پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔سیمینار کی صدارت مبلغ اسلام علامہ عبدالمبین نعمانی نے کی، جبکہ نظامت مفتی ساجد رضا مصباحی نے کی۔ اس موقع پر مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا مجاہد حسین مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی کچھوچھہ شریف، مفتی قطب الدین رضا مصباحی، مفتی عبدالغفور، مفتی رفیق الاسلام سمیت درجنوں کی تعداد میں مقامی وبیرونی علما کرام ودانشوران شریک تھے۔صلاۃ وسلام اوردعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے

علمائے اہلسنت اتر دیناجپور کے زیر اہتمام دوروزہ امام احمدرضا نیشنل سیمینار وکانفرنس میں علماو دانشوروں کا اظہار خیال

کشن گنج / اسلام پور30 دسمبر (**محمد عظیم الدین**) -اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی اپنے عہد کے عظیم داعی اسلام، دوراندیش مفکراور بڑے فقیہ تھے۔انہوں نے اتحادامت کے لیے عظیم تر خدمات انجام دیں۔ان کے افکارونظریات سے امت میں اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ان خیالات کا اظہار دوروزہ امام احمدرضا نیشنل سیمینار وکانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علماو دانشوروں نے کیا۔ یہ سیمینار امام احمدرضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس صدسالہ پر علمائے اہل سنت اتر دیناج پو کے زیر اہتمام اسلام پور محکمہ کے تحت چاکولیہ بلاک کے دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری کمات کے احاطے میں کیا تھا۔اس موقع پر ڈاکٹر محمد سجاد عالم اسسٹنٹ پروفیسر پریسڈنٹی کالج نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لیے رہنما نقوش فکر ملیں گے۔اعلیٰ حضرت کی فکری وعلمی تحقیقات اوردین ومعاشرت کے لیے آپ کی تعلیمات وارشادات کو تحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کر کے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے۔اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمدرضا کا نمایاں نامٔ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہارنے کہا کہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی وشبلی، امداد امام، اثر نیاز فتحپوری، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اور وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری، نیز سلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نام ور عالم دین اعلیحضرت قدس سرہ نے ۱۸۷۹ء میں تنقید کے اصول لکھ دئے تھے جوان کی کتاب الزمزمۃ القمریہ میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر حسن رضا خان نے کہا امام احمد رضا بریلوی نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں آج ملک وبیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمدرضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پر ریسرچ وتحقیق کئے جارہے ہیں اور یونیورسیٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔حضرت مفتی عبدالخبیر اشرفی صاحب نے اپنے مقالے میں کہا ہے، اعلی حضرت امام احمد رضا خان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کے لئے مثل آئینہ ہے، جس آئینہ میں سادات کچھوچھہ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔صابر رضا رہبر مصباحی نے کہا کہ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی فقط عالم دین اور مفتی ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکر اور ماہر معاشیات واقتصادیات بھی تھے آپ نے ۱۲۹۱ء میں اسلامک بینکنگ کا نظریہ پیش کیا اوراس کے لیے مضبوط لائحہ عمل بھی تیار کیا۔مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے لیے دبیر فلاح ونجات کے عنوان پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔سیمینار کی صدارت مبلغ اسلام علامہ عبدالمبین نعمانی نے کی، جبکہ نظامت مفتی ساجد رضا مصباحی نے کی۔اس موقع پر مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا مجاہد حسین مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی کچھوچھہ شریف، مفتی قطب الدین رضا مصباحی، مفتی عبدالغفور، مفتی رفیق الاسلام سمیت درجنوں کی تعداد میں مقامی وبیرونی علما کرام ودانشوران شریک تھے۔صلاۃ وسلام اوردعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

ادارہ

'امام احمد رضاؒ اپنے وقت کے عظیم داعیٔ اسلام تھے'

دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں علما اور دانشوران کا اظہار خیال، اعلیحضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کرکے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے: ڈاکٹر سجاد عالم رضوی، اعلیحضرت نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی: پروفیسر حسن رضا

کشن گنج (انس رحمانی): اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی اپنے عہد کے عظیم داعیٔ اسلام، دوراندیش مفکر اور بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے اتحاد امت کیلئے عظیم تر خدمات انجام دیں۔ ان کے افکار ونظریات سے امت میں اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ ان خیالات کا اظہار دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علما و دانشوروں نے کیا۔ یہ سیمینار امام احمد رضا بریلویؒ کے صد سالہ عرس کے موقع پر علمائے اہل سنت اتر دیناج پور نے دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری کمات کے احاطے میں کیا تھا۔

ڈاکٹر محمد سجاد عالم اسسٹنٹ پروفیسر پریسیڈنسی کالج نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لیے رہنما نقوش فکر ملیں گے۔ اعلیٰ حضرت کی فکری وعلمی تحقیقات اور دین ومعاشرت کے لیے ان کی تعلیمات وارشادات کو تحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پر عمل کرکے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے۔ اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمد رضا کا نمایاں نام' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہار نے کہا کہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی و شبلی، امداد امام اثر، نیاز فتحپوری، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اور وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری، نیز سلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نام ور عالم دین اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تنقید کے اصول لکھ دئے تھے جو ان کی کتاب الزمزمۃ القمریہ میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

پروفیسر حسن رضا خان نے کہا امام احمد رضا بریلوی نے سائنسی اور جدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آج ملک وبیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پر ریسرچ وتحقیق کئے جا رہے ہیں اور یونیورسٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔ مفتی عبد الخبیر اشرفی نے اپنے کہا ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کے لئے مثل آئینہ ہے، جس آئینہ میں سادات کچھوچھ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔ صابر رضا رہبر مصباحی نے کہا کہ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی فقط عالم دین اور مفتی ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکر اور ماہر معاشیات و اقتصادیات بھی تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں اسلامک بینکنگ کا نظریہ پیش کیا اور اس کے لیے مضبوط لائحہ عمل بھی تیار کیا۔ مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے دبیر فلاح ونجات کے عنوان پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔ سیمینار کی صدارت مبلغ اسلام علامہ عبدالمبین نعمانی نے کی جبکہ نظامت مفتی ساجد رضا مصباحی نے کی۔ اس موقع پر مفتی آل مصطفےٰ مصباحی، مولانا مجاہد حسین مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی پھپھوند، مفتی قطب الدین رضا مصباحی، مفتی عبدالغفور، مفتی رفیق الاسلام سمیت درجنوں کی تعداد میں مقامی وبیرونی علما کرام ودانشوران شریک تھے۔ صلاۃ وسلام اور دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پرعمل کرکے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طور پر کیا جاسکتا ہے

علمائے اہلسنت اتر دیناجپور کے زیر اہتمام دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں علماودانشوروں کا اظہار خیال

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات پرعمل کرکے دعوت واصلاح کا کام منظّم طور پر کیا جاسکتا ہے

علمائے اہلسنت اتر دیناجپور کے زیر اہتمام دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں علماودانشوروں کا اظہار خیال

اسلام پور(شمس احمد) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی اپنے عہد کے عظیم داعی اسلام، دوراندیش مفکراور بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے اتحادامت کے لیےعظیم ترخدمات انجام دیں۔ان کے افکارونظریات سے امت میں اتحادکی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ان خیالات کااظہار دوروزہ امام احمد رضا نیشنل سیمینارو کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علماو دانشوروں نے کیا۔ یہ سیمینار امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس صدسالہ پر علمائے اہل سنت اتر دیناجپور کے زیر اہتمام اسلام پور محکمہ کے تحت چاکولیہ بلاک کے دارالعلوم فیض عام کونہ دلوری کمات کے احاطے میں کیا گیا تھا۔اس موقع پر ڈاکٹرمحمد سجادعالم اسسٹنٹ پروفیسر پریسڈنسی کالج نے کہاکہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں شرعی، سیاسی،معاشرتی اور تعلیمی مسائل کی تشریح کے لیے رہنما نقوش فکرملیں گے۔اعلیٰ حضرت کی فکری وعلمی تحقیقات اوردین ومعاشرت کے لیے آپ کی تعلیمات وارشادات کوتحقیقی خطوط پر پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وارشادات پرعمل کرکے سماج ومعاشرہ میں دعوت واصلاح کا کام منظم طورپرکیاجاسکتا ہے۔اردو تنقید کے اصول سازوں میں امام احمد رضا کانمایاں نام کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹرامجد رضاامجد قاضی ادارہ شرعیہ بہارنے کہاکہ تنقید کے اصول سازوں میں حالی وشبلی، امدادامام، اثر نیازفتحپوری، محی الدین قادری زور،کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور اوروزیرآغا، انورسدید، حسن عسکری، نیزسلیم اختر کا نام بار بار آتا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سے بہت پہلے اس ملک کے ایک نام ور عالم دین اعلیٰحضرت قدس سرہ نے ۱۸۷۹ء میں تنقید کے اصول لکھ دئے تھے جو ان کی کتاب الزمزمۃ القمریہ میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر حسن رضا خان نے کہاامام احمد رضا بریلوی نے سائنسی اورجدید علوم میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں آج ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی سائنسی علمی دینی اور سماجی خدمات پرریسرچ وتحقیق کئے جارہے ہیں اور یونیورسیٹیاں انہیں پی ایچ ڈی، ایم فل کی ڈگریاں دے رہی ہیں۔حضرت مفتی عبدالخبیر اشرفی صاحب نے اپنے مقالے میں کہاہے،اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان کی ذات خانوادہ اشرفیہ کے لئے مثل آئینہ ہے،جس آئینہ میں سادات کچھوچھہ کا حقیقی چہرہ نمایاں نظر آتا ہے۔صابررضارہبر مصباحی نے کہاکہ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی فقط عالم دین اورمفتی ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکراور ماہر معاشیات واقتصادیات بھی تھےآپ نے ۱۲۹۱ء میں اسلامک بینکنگ کانظریہ پیش کیا اوراس کے لیے مضبوط لائحہ عمل بھی تیارکیا۔مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے لیے دیرفلاح ونجات کےعنوان پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔سیمینارکی صدارت مبلغ اسلام علامہ عبدالمبین نعمانی نے کی،جبکہ نظامت مفتی ساجد رضا مصباحی نے کی۔پروگرام کے انعقاد اور اس کی کامیابی میں مقامی نوجوانوں نےبھی اہم رول اداکیا۔ پروگرام کی کامیابی پر علاقے کے لوگوں نے انعقاد کاروں اوراس کی کامیابی کے لئے کوشش کرنے والوں کومبارکباددی۔اس موقع پر مفتی آل مصطفےٰ مصباحی،مولانا مجاہدحسین مصباحی،مولانا غلام جیلانی مصباحی کچھوچھ شریف، مفتی قطب الدین رضا مصباحی،مفتی عبدالغفور،مفتی رفیق الاسلام سمیت درجنوں کی تعداد میں مقامی وبیرونی علماکرام ودانشوران شریک تھے۔صلاۃ وسلام اوردعاپرسیمینارکا اختتام ہوا۔

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا منصوبہ اور

علماے اتر دیناج پور کی دو ابتدائی نشستیں

[یہ رپورٹ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور شمارہ ستمبر تا نومبر ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی]

دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور بنگال کے احاطے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے عرس صد سالہ کی مناسبت سے امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کے انعقاد کے لیے مورخہ ۲۸/ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ اور ۲/ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ کو دو اہم اور کام یاب نشستیں منعقد ہوئیں، جن میں علاقے کے علما، حفاظ، طلبہ اور عوام اہل سنت نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔

پہلی میٹنگ خاص علماے کرام کی تھی، جو استاذ العلما حضرت علامہ ظہیر الدین رضوی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں منعقد ہوئی، جس میں جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے انعقاد کے لیے علماے کرام نے غور وخوض کیا، اور متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ دارالعلوم فیض عام میں جشن صد سالہ کا اہتمام بہت ہی تزک واحتشام کے ساتھ ہونا ہے، علماے کرام نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ اس موقع پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ہمہ جہت علمی ودینی شخصیت کو شایان شان خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ہمارے دیار کے عام جلسوں سے ہٹ کر ایک موثر، شفاف اور کارآمد جلسہ منعقد کیا جائے، اور جشن صد سالہ کو یادگار بنانے کے لیے ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو دن میں امام احمد رضا نیشنل سیمینار کا انعقاد کیا جائے، جس میں ملک کے مایہ ناز اہل قلم اور ارباب علم ودانش کو مدعو کر کے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے فضائل ومناقب اور خدمات وکارناموں پر مقالات لکھائے جائیں، پھر بعد سمینار ان مقالات کی کتابی شکل میں اشاعت ہو۔

انھی امور کی عوامی تائید کے لیے مورخہ ۲/ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ بروز یک شنبہ ایک جنرل میٹنگ کا انعقاد ہوا، جس میں علماے کرام کے علاوہ کثیر تعداد میں کونہ نوری نگر کمات اور قرب وجوار کی عوام اہل سنت نے شرکت کی۔ عوام اہل سنت نے جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا۔

اس موقع پر جشن کے انعقاد کے لیے مقامی علماے کرام کے تعاون کی لسٹ سازی کی گئی، جس میں علماے کرام اور حفاظ وقرا نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے حد درجہ عقیدت ومحبت کا ثبوت پیش کیا، میٹنگ کے بعد دور دراز علاقوں میں قیام پذیر علماے کرام سے رابطہ اور مشورہ کے لیے ”جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت“ کے نام سے ایک اہم واٹس اپ گروپ بنایا گیا، علماے کرام کی کثیر تعداد اس گروپ سے مربوط ہے۔ ☆☆☆

اتر دیناج پور، بنگال میں عظیم الشان

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا انعقاد

[ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ مارچ ۲۰۱۹ء میں شائع رپورٹ]

علمائے اہل سنت اتر دیناج پور بنگال کے زیر اہتمام دار العلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات اتر دیناج پور بنگال میں ۲۹؍۳۰؍ دسمبر ۲۰۱۸ء کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے جشن صد سالہ کی مناسبت سے عظیم الشان پیمانے پر امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس کا انعقاد ہوا، جس میں ملک کے مختلف گوشوں سے سیکڑوں علمائے کرام، مفتیانِ اسلام، اصحاب فکر و قلم ، اہل علم و دانش، اربابِ صحافت اور عصری دانش گاہوں کے اساتذہ نے شرکت کی۔

۲۹؍ دسمبر ۲۰۱۸ء کو بعد نماز عشا امام احمد رضا نیشنل کانفرنس کی پہلی شب تھی، جس میں اتر دیناج پور کے ہزاروں افراد نے شرکت کی، خاص طور سے اتر دیناج پور اور علاقہ سیمانچل کے سیکڑوں علما، حفاظ، قرا اور ائمہ مساجد شریک ہوئے، نقیب اہل سنت حضرت مولانا قیصر اعظمی نے نظامت کے فرائض انجام دیے، کانفرنس کی پہلی شب میں درج ذیل علما نے خطاب فرمایا: ماہر رضویات حضرت مولانا ڈاکٹر حسن رضا صاحب پٹنہ، صاحب فکر و فن حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی استاذ دار العلوم غریب نواز الہ آباد، خطیب اہل سنت حضرت مولانا سیف اللہ علیمی کولکاتا، فاضل نوجوان حضرت مولانا نوشاد عالم مصباحی استاذ دار العلوم غریب نواز شیشہ باڑی اتر دیناج پور، جب کہ مداح رسول حضرت مولانا عادل رضا نعیمی مرادآبادی، نعت خوان رسول جناب شعیب رضا وارثی نے نعت ومنقبت کے اشعار پیش کیے۔ خطبا نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فضائل ومناقب اور آپ کی گراں قدر علمی و دینی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کی تبلیغی واصلاحی خدمات کو اجاگر کیا اور امت مسلمہ کے درپیش مسائل کا حل فکر رضا کی روشنی میں پیش کیا۔

۳۰؍ دسمبر کو صبح نو بجے سے امام احمد رضا نیشنل سیمینار کا آغاز ہوا، معروف عالم دین، مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ نے صدارت کے فرائض انجام دیے اور حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی چیف ایڈیٹر سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور نے نظامت فرمائی، حضرت مولانا توحید عالم مصباحی استاذ دار العلوم افضل المدارس الہ آباد کی تلاوت سے سیمینار کا آغاز ہوا، ناظم سیمینار نے ملک کے مختلف گوشوں سے تشریف لانے والے مندوبین کا مختصر اور جامع تعارف پیش فرمایا۔ تحریری خطبۂ استقبالیہ حضرت مولانا الحاج سبحان رضا مصباحی نے پیش کیا، سیمینار کے لیے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ

والرضوان کے حیات وخدمات کے مختلف گوشوں پر تقریباستر اہم اور گراں قدر مقالات موصول ہوئے تھے، جن میں سے صرف تیرہ مقالات کی تلخیص پیش کی جاسکی، جن مندوبین نے مقالات پیش کیے ان کے اسما حسب ذیل ہیں:

حضرت مولانا ڈاکٹر حسن رضا صاحب پٹنہ، حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی مبارک پور، حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی استاذ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد، حضرت مفتی آل مصطفی مصباحی، استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی مئو یوپی، حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد ادارۂ شرعیہ پٹنہ بہار، حضرت مولانا ڈاکٹر سجاد عالم رضوی مصباحی اسسٹنٹ پروفیسر پریسیڈنسی یونی ورسٹی کولکاتا، حضرت مولانا مفتی عبدالخبیر اشرفی مصباحی پرنسپل دارالعلوم منظر اسلام التفات گنج امبیڈکر نگر، حضرت مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی صدر شعبۂ افتاو شیخ الحدیث ادارۂ شرعیہ اترپردیش جائس رائے بریلی یوپی، حضرت مولانا غلام جیلانی مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف، حضرت مولانا اختر الاسلام علیمی مصباحی، چریاکوٹ مئو، حضرت مفتی قطب الدین رضا مصباحی دربھنگہ بہار، حضرت مولانا مفتی رفیق الاسلام مصباحی کولکاتا، حضرت مفتی عارف حسین قادری مصباحی کان پور۔ حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی قبلہ نے خطبۂ صدارت پیش فرمایااور حضرت مولانا مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی بانی جامعۃ الزہرا للبنات راساکھوا نے علماے اہل سنت اتردیناج پور کی جانب سے تمام مندوبین اور دور دراز سے تشریف لانے والے علماے کرام اور دیگر مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

۳۰/ دسمبر ۲۰۱۸ء کو بعد نماز عشا امام احمد رضا کانفرنس کی آخری شب تھی، حضرت مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی نے صدارت فرمائی اور مولانا قیصر اعظمی نے نقابت کے فرائض انجام دیے، ابتدائی خطاب بنگلہ زبان کے خطیب حضرت مفتی محمد نعیم الدین رضوی مرشد آباد نے فرمایا، اس کے بعد بالترتیب حضرت مفتی فیروز عالم مصباحی صدر المدرسین دارالعلوم شہودیہ بھینس پیٹھ، خطیب عصر حضرت مولانا غلام رسول بلیاوی، حضرت مولانا شارب ضیا رضوی مصباحی نے شان دار خطاب فرمایا، سب سے اخیر میں ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ توصیف رضا صاحب قبلہ آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف رونق اسٹیج ہوئے اور ایک گھنٹہ مدلل خطاب فرمایا۔ صلاۃ وسلام اور حضرت توصیف ملت کی دعاؤں پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ اس جشن میں ایک لاکھ سے زائد سامعین اور سیکڑوں علماے کرام نے شرکت کی۔ خاص بات یہ ہے کہ اس سیمینار و کانفرنس کے اخراجات کا نصف سے زائد حصہ علماے اہل سنت اتردیناج پور اور قرب وجوار کے اضلاع کے علماے کرام نے اپنی جیب خاص سے پیش فرمایا۔ واضح رہے کہ سیمینار میں پیش کیے جانے والے مقالات زیر ترتیب ہیں، جلد ہی کتابی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے ۔ پروگرام کو کام یاب بنانے میں حضرت مولانا احمد رضا قادری، حضرت مولانا شکیل انور مصباحی، حضرت مولانا اسمٰعیل رضوی، حضرت مولانا شاکر رضا نظامی اور قرب جوار کے مدارس کے اساتذہ کی انتھک محنتیں شامل رہیں۔

[رپورٹ: محمد مظفر حسین رضوی، خادم دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات اتردیناج پور بنگال]

❋❋✿❋❋

بابِ ششم

ذکران کا جن کو یاد رکھا جائے گا

امام احمد رضا انٹرنیشنل سیمینار و کانفرنس کو کام یاب بنانے کے لیے

مسلسل جدو جہد کرنے والے علما و خواص اہل سنت

مولانا نور محمد رضوی، دار العلوم فیض عام، کونہ و نوری نگر، کمات، اتر دیناج پور

امام احمد رضا انٹرنیشنل سیمینار و کانفرنس کو کام یاب بنانے کے لیے مسلسل چھ مہینے تک جدو جہد کرنی پڑی، ابتدائی مرحلے میں مقامی علما کی چند میٹنگیں ہوئیں، بعد میں اتر دیناج پور کے چوٹی کے علما کی ایک مشاورتی نشست ہوئی، پھر ڈھائی مہینے تک بجٹ کی فراہمی اور ماحول سازی کے لیے علماے کرام کی کئی ٹیموں نے پورے اتر دیناج پور کا دورہ کیا، بعض مخلص افراد اہل سنت نے کئی بیرونی صوبوں کا سفر کیا، متعدّد علماے کرام نے اپنی تمام تر مصروفیات کو تج کر بیرون وطن سے وطن کا سفر کیا، خاص طور سے پروگرام کی تاریخوں میں ”امام احمد رضا انٹرنیشنل سیمینار و کانفرنس“ میں شرکت کے لیے سیکڑوں علما ملک کے مختلف حصوں سے سفر کر کے گھر پہنچے، ہم یہاں چند ان مبارک اسما کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے دو تین مہینے تک مسلسل تگ و دو کر کے پروگرام کو کام یاب بنانے میں خصوصی کردار ادا کیا۔

نمبر شمار	اسماے گرامی	سکونت	نمبر شمار	اسماے گرامی	سکونت
۱	حضرت مولانا احمد رضا قادری	نوری نگر کمات	۹	حضرت مولانا شاہ نواز عالم	نوری نگر کمات
۲	حضرت مولانا شکیل انور مصباحی	نوری نگر کمات	۱۰	حضرت قاری محمد حسین	بشن پور
۳	حضرت مولانا مظفر حسین رضوی	ڈیبھر	۱۱	حضرت مولانا انظار عالم	شیشہ باڑی
۴	حضرت مولانا نور محمد رضوی	مکھان پوکھر	۱۲	حضرت حافظ حبیب الرحمٰن	رحمٰن نگر
۵	حضرت مولانا انظر عالم	بشن پور	۱۳	حضرت مولانا ضمیر الاسلام صاحب	کوکیلا
۶	حضرت مولانا شمس الدین رضوی	مکھان پوکھر	۱۴	حضرت مفتی مشتاق احمد رضوی	کیہ پک ٹولہ
۷	حضرت مولانا عبد الغفار رضوی	کونہ	۱۵	حضرت مولانا حیدر علی	نوری نگر کمات
۸	حضرت مولانا عبد الجبار رضوی	املیہ	۱۶	حضرت مولانا حافظ شمیم اختر	نوری نگر کمات

۱۷	حضرت مولانا مجاہد الاسلام	کونہ	۳۱	حضرت مولانا تبریز عالم مصباحی	نوری نگر
۱۸	حضرت مولانا نوشاد عالم	شیشہ باڑی	۳۲	حضرت مولانا شہنواز عالم	نوری نگر
۱۹	حضرت مولانا اسمٰعیل رضوی	نوری نگر کمات	۳۳	حضرت مولانا سبحان رضا مصباحی	نوری نگر کمات
۲۰	حضرت مولانا صفدر عالم صاحب	مالن گاؤں	۳۴	حضرت مولانا شاکر رضا	نوری نگر کمات
۲۱	حضرت مولانا تجمل حسین صاحب	کونہ	۳۵	حضرت مولانا فیض الرحمن صاحب	کونہ
۲۲	مولانا بشیر الدین صاحب	املیہ	۳۶	حضرت مولانا انور رضا صاحب	حاجی بستی
۲۳	مولانا سلطان احمد مصباحی	رائے گنج	۳۷	حضرت مولانا عابد حسین مصباحی	لوہاگاچھی
۲۴	جناب سلیم الدین صاحب	نوری نگر کمات	۳۸	حضرت مولانا مختار احمد مصباحی	مجگاؤں
۲۵	جناب ضیاء الدین صاحب	نوری نگر کمات	۳۹	جناب شرافت علی	نوری نگر
۲۶	جناب طیب عالم صاحب	کونہ	۴۰	الحاج ڈیلر شہاب الدین مرحوم	نوری نگر
۲۷	جناب منشی معین الدین صاحب	نوری نگر کمات	۴۱	جناب منشی منیر الدین صاحب	ڈانگی پارہ
۲۸	جناب عبد الملک صاحب	کونہ	۴۲	جناب محمد حسین رضوی	نوری نگر
۲۹	جناب مشیر الدین صاحب	نوری نگر کمات	۴۳	جناب وکیل حبیب الرحمٰن صاحب	کونہ
۳۰	حضرت مولانا فرید اختر	کونہ	۴۴	جناب علی حسن صاحب	کونہ

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں

مالی تعاون فرمانے والے علماے کرام

مرتبین

امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس میں متعدّد علماے کرام نے گراں قدر تعاون فرمایا، ہم اس مجموعۂ مقالات میں تعاون فرمانے والے علماے کرام کے اسماے گرامی شامل کرر ہے ہیں ، تاکہ تاریخ گواہ رہے کہ جشن صد سالہ امام احمد رضا بریلوی میں علماے اہل سنت اتر دیناج پور نے کس جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے اپنی گہری وابستگی کا ثبوت پیش فرمایا:

نمبر شمار	اسماے گرامی	سکونت	نمبر شمار	اسماے گرامی	سکونت
۱	حضرت مولانا ابوالکلام مصباحی	کونہ	۱۷	حضرت مولانا معظم صاحب	بگرا گاچھی
۲	حضرت مولانا اکبر حسین صاحب	کونہ	۱۸	حضرت مولانا تاجر رضا صاحب	کونہ
۳	حضرت مولانا اختر عزیز صاحب	خبر گاؤں	۱۹	حضرت مولانا انظار عالم صاحب	کونہ
۴	حضرت مولانا مختار عالم مصباحی	مجگاؤں	۲۰	حضرت مولانا عمران صاحب	رسیا
۵	حضرت مولانا محفوظ عالم برکاتی	نوری نگر کمات	۲۱	حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب	نوری نگر کمات
۶	حضرت مفتی معراج عالم شمسی	خبر گاؤں	۲۲	حضرت حافظ جمشید رضا	جنگلی پیر
۷	حضرت مولانا غلام سرور صاحب	برسال پور	۲۳	حضرت مولانا نوشاد عالم صاحب	سانور
۸	حضرت مولانا احمد رضا ضیائی	پانجی پارہ	۲۴	حضرت حافظ محبوب عالم	سانور
۹	حضرت مولانا صادق عالم صاحب	رسکورہ	۲۵	حضرت مولانا توفیق مظہر	نوری نگر کمات
۱۰	حضرت مولانا ضمیر الاسلام صاحب	کوکیلا	۲۶	حضرت مولانا تنویر عالم	گوالڈوب
۱۱	حضرت حافظ تحسین رضا صاحب	ملک بستی	۲۷	حضرت مولانا مظفر حسین	ڈیہر
۱۲	حضرت مولانا شعیب صاحب	رحمن نگر کونہ	۲۸	حضرت حافظ شمیم اختر	نوری نگر کمات
۱۳	حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب	کوکیلا	۲۹	حضرت مفتی ممنون مصباحی	راساکھوا
۱۴	حضرت مولانا محفوظ عالم مصباحی	کوکیلا	۳۰	حضرت مولانا عارف حسین	مجھیا
۱۵	حضرت مولانا ایوب عالم صاحب	رحمن نگر	۳۱	حضرت مولانا حیدر علی	نوری نگر کمات
۱۶	حضرت مولانا رضوان احمد صاحب	ڈانگی پارہ	۳۲	حضرت مولانا غلام غوث	کونہ

۳۳	حضرت مولانا احمد رضا قادری	نوری نگر کمات	۵۹	حضرت مولانا عبد المحیط	ابھاری
۳۴	محمد ساجد رضا مصباحی	نوری نگر کمات	۶۰	حضرت مولانا شفیق عالم	ہاٹ گاچھی
۳۵	حضرت مولانا شاکر رضا نظامی	نوری نگر کمات	۶۱	حضرت مفتی مجاہد الاسلام	شبرام پور
۳۶	حضرت مولانا عبد الکریم	نوری نگر کمات	۶۲	جناب امجد علی خان	ناسک
۳۷	حضرت مولانا فرید اختر	کونہ	۶۳	حضرت مولانا شہباز ارشد	جھاڑ باڑی
۳۸	حضرت حافظ اصغر علی	ہاٹ گاچھی	۶۴	حضرت مولانا فیاض کوثر و برادران	بالیچر
۳۹	حضرت مولانا توصیف رضا	نوری نگر کمات	۶۵	حضرت مولانا صوفی ابوطالب	ڈیو گجرات
۴۰	حضرت مولانا عبد الرشید صاحب	مالن گاؤں	۶۶	حضرت حافظ کوثر رضا	نوری نگر کمات
۴۱	حضرت مولانا عبد الرزاق	کاشی ڈانگہ	۶۷	حضرت مولانا ابرار رضا مصباحی	بابھن ٹولی
۴۲	حضرت حافظ بدر الحق	نوری نگر کمات	۶۸	حضرت مولانا شاہ عالم	سوناپور
۴۳	حضرت مولانا سعید الرحمن	کونہ	۶۹	حضرت مولانا احمد رضا مصباحی	پتھار باڑی
۴۴	حضرت مولانا توقیر رضا	ڈاکھن پوکھر	۷۰	جناب علیم الدین صاحب	بنگلور
۴۵	حضرت مولانا شاہ عالم	جلجلی	۷۱	حضرت مولانا اسمعیل رضا مصباحی	مداتی
۴۶	حضرت حافظ غلام مصطفیٰ	نوری نگر کمات	۷۲	حضرت مولانا نجم الدین	بھوانی پور
۴۷	حضرت مولانا عبد الجبار رضوی	املیہ	۷۳	حضرت مولانا نظیر الدین	بشن پور
۴۸	حضرت مولانا توصیف رضا	کونہ	۷۴	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن	اترا ملیہ
۴۹	حضرت مفتی شعیب عالم نعیمی	سانور	۷۵	حضرت مولانا محمد حسین	رسکورہ
۵۰	حضرت مولانا عبد الحسیب	نوری نگر کمات	۷۶	حضرت مولانا علیم الدین نظامی	گیروا شکار پور
۵۱	حضرت مولانا توقیر عالم	گوالڈوب	۷۷	حضرت مولانا شمیم اختر	گوا باڑی
۵۲	حضرت حافظ عبد القادر	مکھان پوکھر	۷۸	حضرت قاری بہار الدین	جین گاؤں
۵۳	حضرت حافظ سنجر القادری	مکھان پوکھر	۷۹	حضرت مولانا شمشیر علی	ہربھنگہ
۵۴	حضرت مولانا ظہور رضا مصباحی	نوری نگر کمات	۸۰	حضرت مولانا مشاہد رضا	بھوانی پور
۵۵	حضرت مولانا شبیر احمد ثقافی	نوری نگر کمات	۸۱	حضرت مولانا قمر رضا	بمبئی
۵۶	حضرت مولانا مختار عالم	تال باڑی	۸۲	حضرت مولانا جنید رضا	دگھلی
۵۷	حضرت مولانا شہنواز عالم	کونہ	۸۳	حضرت مفتی نجم الدین	کالو گاؤں
۵۸	حضرت مولانا راقب علی	کونہ	۸۴	جناب سرفراز صاحب	ڈیبہر

۸۵	فرزندانِ مولانا مظفر حسین رضوی	ڈیہر	۱۱۱	حضرت مولانا آصف رضا	کٹیہار
۸۶	حضرت مولانا صلاح الدین	کونہ	۱۱۲	حضرت حافظ سرفراز	کونہ
۸۷	حضرت مولانا سبحان رضا مصباحی	نوری نگر کمات	۱۱۳	حضرت مولانا جاوید اختر	چانتھول
۸۸	حضرت مولانا اظہر جلیل مصباحی	جین گاؤں	۱۱۴	حضرت حافظ امام الدین	سنگنات
۸۹	حضرت مفتی عبد الغفور صاحب	ڈبکول	۱۱۵	حضرت مولانا حسن مصطفیٰ	کھچڑا
۹۰	جناب ماسٹر مغفور صاحب	شاہ پور	۱۱۶	حضرت مولانا عسجد رضا	ڈیہر
۹۱	ایک حاجی صاحب	ــــــ	۱۱۷	حضرت مولانا احمد رضا عرف پرویز	پرابھیٹہ
۹۲	حضرت مولانا عبد الجبار صاحب	املیہ	۱۱۸	حضرت مولانا فاروق	اسلام پور
۹۳	حضرت مولانا وصی اصغر مصباحی	دولہ	۱۱۹	حضرت مفتی غلام سرور مصباحی	ڈمٹھی
۹۴	حضرت مولانا انصار رضا نعیمی	بھوانی پور	۱۲۰	حضرت مولانا شاہ جہاں	رحمٰن نگر
۹۵	حضرت مولانا جعفر صادق	بدھا گچھ	۱۲۱	حضرت قاری غلام رسول	چپوا
۹۶	حضرت مولانا شکیل اختر	گوالڈوب	۱۲۲	حضرت مولانا منہاج	املیہ
۹۷	حضرت مولانا غلام مصطفیٰ مصباحی	پوٹھیا	۱۲۳	حضرت حافظ شہنواز	ہربھنگہ
۹۸	حضرت مولانا زبیر احمد صاحب		۱۲۴	حضرت مولانا شاداب	بائسی
۹۹	حضرت مولانا فیروز رضا	موبیہ	۱۲۵	حضرت مولانا انصار	بائسی
۱۰۰	حضرت مولانا شمیم اختر	آسجہ	۱۲۶	حضرت حافظ نیر رضا	بائسی
۱۰۱	حضرت مولانا ظفیر الدین	بھوانی پور	۱۲۷	حضرت مولانا مشتاق	چکنی
۱۰۲	حضرت مولانا اسمٰعیل نوری	شبرام پور	۱۲۸	حضرت حافظ رضاء المصطفیٰ	کرناٹک
۱۰۳	حضرت حافظ افروز	پوٹھیا	۱۲۹	حضرت مولانا عابد حسین مصباحی	لوہاگاچھی
۱۰۴	حضرت مولانا اصغر علی رشیدی	سدھانی	۱۳۰	حضرت مولانا حسنین رضا	کونہ
۱۰۵	حضرت مولانا محمود الباری	حسان	۱۳۱	حضرت مولانا قمر خوشنور	لہرا
۱۰۶	حضرت مولانا مجاہد حسین مصباحی	بڑھیان	۱۳۲	حضرت مولانا شاہ نواز قادری	چپوا
۱۰۷	حضرت حافظ احسان رضا	ہاٹ کھولہ	۱۳۳	حضرت مولانا آزاد عالم	دھنتولہ
۱۰۸	حضرت مولانا ثمیر اختر	برہوٹ	۱۳۴	حضرت مفتی داؤد عالم مصباحی	رحمن نگر
۱۰۹	حضرت مولانا جنید رضا مصباحی	گوہرہ	۱۳۵	حضرت مولانا نذیر احمد	مالن گاؤں
۱۱۰	حضرت مولانا بابل حسین	کونہ	۱۳۶	حضرت قاری مطیع الرحمن	دھنتولہ

۱۳۷	حضرت قاری عطاء الرحمن	دھنتولہ	۱۶۳	حضرت مولانا محسن رضا نظامی	مکھان پوکھر
۱۳۸	حضرت حافظ طارق انور	دھنتولہ	۱۶۴	حضرت مولانا مجاہد الاسلام	کونہ
۱۳۹	حضرت حافظ طارق عالم	کھجور باڑی	۱۶۵	حضرت مولانا صدام حسین	تلیا باڑی
۱۴۰	جناب ادریس رضا	کنجریا	۱۶۶	حضرت حافظ نسیم اختر	نوری نگر کمات
۱۴۱	طلبۂ دار العلوم ربانیہ کوئمبٹور	کوئمبٹور	۱۶۷	حضرت مولانا فرید احمد شفیقی	الہ آباد
۱۴۲	حضرت مولانا نادر شاہ صاحب	کچڑا	۱۶۸	حضرت مولانا توحید عالم مصباحی	چوراکٹی
۱۴۳	حضرت مولانا جنید رضا	کونہ	۱۶۹	حضرت مولانا حسن رضا مصباحی	پلنکاف
۱۴۴	حضرت مولانا آفتاب عالم	شبرام پور	۱۷۰	حضرت مولانا ظریف الاسلام	ہاٹ گاچھی
۱۴۵	حضرت قاری مسعود صاحب	مالن گاؤں	۱۷۱	حضرت قاری فضل عالم	ڈھیپہ
۱۴۶	حضرت حافظ شمیر الدین	شبرام پور	۱۷۲	حضرت مولانا آفتاب عالم	نیپال
۱۴۷	حضرت حافظ مناظر حسین	چپوا	۱۷۳	حضرت مولانا شاکر صاحب	لوہا گاچھی
۱۴۸	حضرت مولانا عبد المالک اشرفی	بربل بھیٹہ	۱۷۴	حضرت مولانا آزاد عالم	گیرواشکار پور
۱۴۹	حضرت مولانا عبد الرزاق	گجرات	۱۷۵	حضرت مولانا اشفاق عالم نظامی	مالن گاؤں
۱۵۰	حضرت مولانا کرم حسین	گورکھ پور	۱۷۶	حضرت مولانا عظمت رضا نظامی	نوری نگر کمات
۱۵۱	حضرت مولانا غلام محی الدین	دھنتولہ	۱۷۷	حضرت مولانا منظور عالم	کھمار پوکھر
۱۵۲	حضرت مولانا شمشیر علی محبوبی	برہوٹ	۱۷۸	حضرت مولانا شعیب عالم	چوراکٹی
۱۵۳	حضرت مولانا طارق عزیز محبوبی	برہوٹ	۱۷۹	حضرت مفتی نثار عالم رضوی	چانتھول
۱۵۴	حضرت مولانا محفوظ ہاشمی	کھمار پوکھر	۱۸۰	حضرت قاری رضوان	خبر گاؤں
۱۵۵	حضرت مولانا معراج عالم رشیدی	برسال پور	۱۸۱	حضرت حافظ احمد رضا	نوری نگر کمات
۱۵۶	حضرت مفتی اجمل حسین مصباحی	کان پور	۱۸۲	حضرت مولانا عادل رضا	بگلاڈانگی
۱۵۷	حضرت مولانا سفیر الحق صاحب	چھکریا بستی	۱۸۳	حضرت مولانا سعید الرحمن	گایہ
۱۵۸	حضرت مفتی افتخار علی نظامی	پناسی	۱۸۴	جناب ڈاکٹر رحمت حسین	رحمن نگر
۱۵۹	حضرت مولانا مکتوب عالم	کنجریا	۱۸۵	حضرت مولانا حسیب اقبال	سکھٹی مبارک پور
۱۶۰	حضرت مولانا صادق حسین صمدی	مال بستی	۱۸۶	حضرت حافظ کمال الدین	بگلاڈانگی
۱۶۱	حضرت مولانا مشتاق صمدی	تھاروٹولہ	۱۸۷	حضرت قاری عبد الرحیم اعظمی	اعظم گڑھ
۱۶۲	حضرت مولانا جاوید اختر	نوری نگر کمات	۱۸۸	حضرت مولانا معلم الدین مصباحی	چھکریا بستی

۱۸۹	حضرت مولانا واعظ الدین	بنگلور	۲۱۵	حضرت مولانا تنویر اشرفی	چونیہار
۱۹۰	حضرت حافظ محمد افضل حسین	بنگلور	۲۱۶	حضرت مولانا غلام جیلانی خان	الہ آباد
۱۹۱	حضرت حافظ محمد شاہ نواز	بنگلور	۲۱۷	حضرت مولانا تبریز عالم مصباحی	نوری نگر کمات
۱۹۲	حضرت مولانا شارب ضیا مصباحی	چپوا	۲۱۸	حضرت قاری ریاض الحسن	بشن پور
۱۹۳	حضرت مولانا صفدر رضا نظامی	مالن گاؤں	۲۱۹	حضرت مولانا پذیر احمد رضوی	کھمار پوکھر
۱۹۴	حضرت حافظ نفیس عالم	کشن گنج	۲۲۰	حضرت مولانا شبیر احمد عطاری	کشمیر
۱۹۵	حضرت مولانا حبیب الرحمن مصباحی	مجگاؤں	۲۲۱	حضرت مولانا محمد جاوید اختر	گوداسیمل
۱۹۶	حضرت مولانا شمیم اختر رضوی	صالحان	۲۲۲	حضرت مولانا منظور عالم	گوداسیمل
۱۹۷	حضرت مولانا آزاد عالم افضلی	حیدر آباد	۲۲۳	حضرت مولانا قربان علی	گوہرہ ہاٹ
۱۹۸	حضرت مفتی نعیم صاحب	کٹیہار	۲۲۴	حضرت حافظ مسعود رضا	گوہرہ
۱۹۹	حضرت مفتی رفیق الاسلام مصباحی	ڈمٹھی	۲۲۵	حضرت مولانا عبد المبین	چوراکٹی
۲۰۰	حضرت مولانا عادل رضا	پھول پور الہ آباد	۲۲۶	حضرت مولانا مفیض الرحمن مصباحی	بھیلا گاچھی
۲۰۱	حضرت مولانا ساجد رضا سبحانی	بشن پور	۲۲۷	حضرت مولانا شاہ نواز عالم	نوری نگر کمات
۲۰۲	حضرت مولانا فیاض صاحب	گیرواشکار پور	۲۲۸	حضرت مولانا حسن عباس	خبر گاؤں
۲۰۳	حضرت مولانا شاہ عالم صاحب	کٹیہار	۲۲۹	حضرت مفتی انور رضا مصباحی	مالن گاؤں
۲۰۴	حضرت مولانا شہنشاہ	قریات	۲۳۰	حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رضوی	ڈانگی پارہ
۲۰۵	حضرت مولانا اظہر عالم افضلی	ملک بستی	۲۳۱	جناب محمد زاہد عالم صاحب	گوداسیمل
۲۰۶	حضرت حافظ بابل حسین	سابٹ باڑی	۲۳۲	جناب محمد شاہد عالم	گوداسیمل
۲۰۷	حضرت مولانا شمیم ارشد صاحب	پھول پور الہ آباد	۲۳۳	حضرت مولانا تحسین رضا	کونہ
۲۰۸	حضرت مولانا اسلم رضا نظامی	پھول پور الہ آباد	۲۳۴	حضرت مولانا محفوظ عالم	جھاڑباڑی
۲۰۹	حضرت قاری صابر عالم	پنڈت پوتا	۲۳۵	حضرت مفتی عارف حسین نعیمی	کھمار پوکھر
۲۱۰	حضرت مولانا مظہر حسین مصباحی	کولکاتا	۲۳۶	حضرت مولانا مشتاق عالم	ہاٹ گاچھی
۲۱۱	حضرت مولانا مختار احمد قادری	بنگلور	۲۳۷	حضرت حافظ شمشیر علی	بشن پور
۲۱۲	حضرت مولانا ماہ زماں مصباحی	دولہ	۲۳۸	حضرت حافظ مجاہد حسین	بگلاڈانگی
۲۱۳	حضرت حافظ حبیب الرحمن	رحمن نگر	۲۳۹	حضرت حافظ عبد القادر	سورت
۲۱۴	حضرت حافظ ابوالقاسم	پٹوا	۲۴۰	حضرت مولانا شاکر رضا مصباحی	سورت

۲۴۱	حضرت مولانا اسیر الحق مصباحی	سورت	۲۶۷	حضرت مولانا شمس تبریز نظامی	پرتاب گڑھ
۲۴۲	حضرت مولانا زاہد	کونہ	۲۶۸	حضرت مولانا افسر رضا	کونہ
۲۴۳	جناب جمشید عالم ڈرائیور	برسال پور	۲۶۹	طلبۂ مدرسہ چنامنا	چنامنا
۲۴۴	حضرت حافظ عمران صاحب	ممبئی	۲۷۰	حضرت مولانا انتخاب عالم	مکھان پوکھر
۲۴۵	جناب شاہد عالم صاحب	گوداسیمل	۲۷۱	ارمغان رضا فرزند مولانا مظفر حسین	ڈیہر
۲۴۶	جناب معراج عالم صاحب	گوداسیمل	۲۷۲	اساتذۂ ادارہ مفتی عارف حسین نعیمی	دکھن دیناج پور
۲۴۷	حضرت مولانا ساجد رضا	مالن گاؤں	۲۷۳	حضرت مولانا نعمان رضا افضلی	گوداسیمل
۲۴۸	حضرت مولانا منصور علی نظامی	اسلام پور	۲۷۴	حضرت مولانا محمود عالم افضلی	چکنی
۲۴۹	حضرت مولانا نوشاد عالم نظامی	مالن گاؤں	۲۷۵	حضرت مولانا منظر عالم	مداتی
۲۵۰	حضرت مولانا شمیم نظامی	سلی گوڑی	۲۷۶	حضرت مولانا فیض الرحمن	کونہ
۲۵۱	حضرت مولانا مظفر حسین	مکھان پوکھر	۲۷۷	حضرت مولانا شفیق احمد مصباحی	منیر پور
۲۵۲	حضرت مولانا شبیر نظامی	بھیلا گاچھی	۲۷۸	حضرت مولانا راشد القادری مصباحی	جھاڑ باڑی
۲۵۳	حضرت مولانا مقیم صاحب	بھیلا گاچھی	۲۷۹	حضرت مولانا انوار عالم نعیمی	مجگاؤں
۲۵۴	حضرت مولانا شمیم اختر	بھیلا گاچھی	۲۸۰	جناب امتیاز اقبال صاحب	راج کوٹ
۲۵۵	حضرت مولانا اکرم صاحب	ڈیہ گاؤں	۲۸۱	حضرت مولانا مستقیم حبیبی صاحب	آگرہ
۲۵۶	حضرت مولانا اعجاز صاحب	مچھلی شہر	۲۸۲	حضرت حافظ مشتاق	کونہ
۲۵۷	حضرت مولانا عبد الرشید	بکسا باڑی	۲۸۳	حضرت مولانا رفیق الاسلام	دھنلیا
۲۵۸	حضرت مولانا نور الابصار ثقافی	کھمار پوکھر	۲۸۴	حضرت مولانا اشرف رضا	دھنلیا
۲۵۹	حضر مولانا شکیل انور مصباحی	نوری نگر کمات	۲۸۵	حضرت مولانا شمیم اختر نظامی	پنڈت پوتا
۲۶۰	حضرت قاری شبیر فیضی	بنگلور	۲۸۶	حضرت مولانا عبد المجید	گجرات
۲۶۱	حضرت مولانا ربیع اختر	الہ آباد	۲۸۷	حضرت مولانا صلاح الدین	ہاٹ گاچھی
۲۶۲	حضرت مولانا وسیم اختر	کشن گنج	۲۸۸	حضرت مولانا منظور عالم	مومن ٹولہ
۲۶۳	حضرت مولانا صدام حسین	مالن گاؤں	۲۸۹	حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی	کونہ
۲۶۴	حضرت مولانا عبد السبحان	مالن گاؤں	۲۹۰	حضرت مولانا غلام مرسلین	الہی پارہ سندھو
۲۶۵	حضرت مولانا یعقوب عالم نظامی	الہ آباد	۲۹۱	حضرت مولانا عبد القادر	نوری نگر کمات
۲۶۶	حضرت مولانا عمران رضا	آلہ آباد	۲۹۲	طلبۂ دار العلوم معدن خیرات بھکا باڑی	بھکا باڑی

۲۹۳	عالی جناب محمد شمیم اختر	کوٹی بستی	۳۲۰	حضرت حافظ مشتاق صاحب	پانجی پارہ
۲۹۴	حضرت مولانا زاہد عالم	ڈیہر	۳۲۱	حضرت مولانا اظہر عالم	خبر گاؤں
۲۹۶	حضرت مولانا نوشاد عالم مصباحی	شیشہ باڑی	۳۲۲	حضرت مولانا احتشام الدین	شمس پور
۲۹۷	حضرت مولانا راہی اللہ صاحب	خبر گاؤں	۳۲۳	حضرت مولانا ذاکر حسین مصباحی	کھچڑا
۲۹۸	حضرت حافظ محمد تنظیف رضا	چوراکٹی	۳۲۴	حضرت مولانا عبد الجلیل اشرفی	گچی نگر
۲۹۹	حضرت مولانا عبد السلام	کونہ	۳۲۵	حضرت مولانا طاہر عالم	چکنی
۳۰۰	حضرت حافظ اورنگ زیب	زینت پور	۳۲۶	حضرت مولانا غلام صابر	چکنی
۳۰۱	حضرت حافظ مزمل صاحب	چھوسیہ	۳۲۷	حضرت مولانا ذاکر حسین	چکنی
۳۰۲	حضرت مولانا اشتیاق احمد مصباحی	چوراکٹی	۳۲۸	حضرت حافظ سرفراز	مکھان پوکھر
۳۰۳	حضرت مولانا مشتاق الرحمٰن	بالیچر	۳۲۹	حضرت مولانا محمود صاحب	کالو گاؤں
۳۰۴	طلبۂ مدرسہ تعلیم الاسلام پھول پور	پھول پور	۳۳۰	حضرت مولانا فرید صاحب	پوٹی
۳۰۵	طلبۂ دار العلوم افضل المدارس	الہ آباد	۳۳۱	حضرت مولانا ظہور صاحب	بھگوان پور
۳۰۶	حضرت مفتی محبوب عالم نعیمی	گوالڈوب	۳۳۲	حضرت مولانا سعید حسنین	بالیگوڑہ
۳۰۷	حضرت مولانا ذوالفقار احمد مصباحی	منورہ	۳۳۳	حضرت مولانا عبد المنان	ہاٹ کھولہ
۳۰۸	حضرت مولانا مختار عالم صاحب	ڈیہر	۳۳۴	حضرت مولانا مزمل حسین	کھمار پوکھر
۳۰۹	حضرت مولانا عطاء الرحمٰن	ڈیہر	۳۳۵	حضرت مولانا حافظ عمران	چرچریا
۳۱۰	حضرت مولانا غلام سرور	شیشہ باڑی	۳۳۶	حضرت مولانا جمال الدین	کٹھل باڑی
۳۱۱	حضرت مفتی نیر رضا صاحب	شیشہ باڑی	۳۳۷	حضرت مولانا غلام حسین مصباحی	دگھلی
۳۱۲	باشندگان پھول پور الہ آباد	پھول پور	۳۳۸	حضرت حافظ فیروز عالم	نوری نگر کمات
۳۱۳	حضرت مولانا ظفر عالم	بہادر گنج	۳۳۹	حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ رضوی	کونہ
۳۱۴	جناب جنید صاحب	کونہ	۳۴۰	حضرت مولانا ناہید رضا	ڈیہ گاؤں
۳۱۵	حضرت مولانا عبد الغفار	کونہ	۳۴۱	حضرت حافظ منظر القادری	مالن گاؤں
۳۱۶	حضرت مولانا صادق عالم	رسکورہ	۳۴۲	جناب ذاکر حسین صاحب	گوداسیمل
۳۱۷	حضرت مولانا قمر رضا	بگڑا گاچھی	۳۴۳	حضرت مولانا مسلم رضا	گوداسیمل
۳۱۸	حضرت حافظ صدیق صاحب	دیگھل گاؤں	۳۴۴	حضرت مولانا سجاد عالم مصباحی	گوہاس شکار پور
۳۱۹	حضرت حافظ امتیاز صاحب	برہوٹ	۳۴۵	حضرت مولانا جمیل اختر اشرفی	گنجریا

۳۴۶	پردھان صاحب	خبر گاؤں	۳۶۴	حضرت مفتی طاہر حسین مصباحی	کونیہ بھیٹہ
۳۴۷	حضرت مولانا مفیض الدین	چنامنا	۳۶۵	حضرت مولانا تحمید عالم	کرن دیگھی
۳۴۸	حضرت قاری ریاض الحسن	بشن پور	۳۶۶	حضرت مولانا عبید الرحمن	بالیچر
۳۴۹	حضرت مولانا ناظم علی	نوری نگر کمات	۳۶۷	جناب فیاض عالم	کوٹھی ٹولہ
۳۵۰	سلیم شاہ	گجرات	۳۶۸	حضرت حافظ شاہ جہاں	بشن پور
۳۵۱	بندۂ خدا	گجرات	۳۶۹	جناب وزیر عالم صاحب	رحمن نگر
۳۵۲	سلیمان	راج کوٹ	۳۷۰	حضرت مولانا ساجد صاحب	دھنلیا
۳۵۳	صادق اختر	بگڑا گاچھی	۳۷۱	حضرت مولانا توحید عالم	پانجی پاڑہ
۳۵۴	حضرت مولانا افضل امام صاحب	بگڑا گاچھی	۳۷۲	حضرت مولانا الحاج اشفاق عالم	ابراہیم پور
۳۵۵	حضرت مولانا منظر صاحب	بگڑا گاچھی	۳۷۳	حضرت مولانا نور محمد صاحب	مکھان پوکھر
۳۵۶	نثار احمد	بگڑا گاچھی	۳۷۴	حضرت مولانا شمس الدین	مکھان پوکھر
۳۵۷	جہاں گیر اشرف	بگڑا گاچھی	۳۷۵	حضرت مولانا ضمیر الاسلام صاحب	کوکیلا
۳۵۸	حضرت مولانا غلام یسین	بھوانی گنج	۳۷۶	حضرت مولانا انظر القادری	بشن پور
۳۵۹	انجینئر نوشاد عالم	پٹوا	۳۷۷	حضرت حافظ محمد حسین	بشن پور
۳۶۰	حضرت مولانا مزمل حسین	اجالا پریس	۳۷۸	حضرت مولانا حافظ عمران	بھیلا گاچھی
۳۶۱	حضرت حافظ عبد المبین	اجالا پریس	۳۷۹	حضرت مولانا ارشاد القادری مصباحی	سسار کول
۳۶۲	حضرت قاری احسان صاحب	چین پور	۳۸۰	حضرت مولانا نور الاسلام	دکھن شاہ پور
۳۶۳	حضرت مولانا عبد الحکیم	پتھار باڑی	۳۸۱	حضرت مفتی نور القمر مصباحی	پناسی

نوٹ: اس فہرست میں صرف انھی علمائے کرام کے اسما شامل ہیں جنھوں نے ”جشن صد سالۂ اعلیٰ حضرت“ واٹسپ گروپ کے ذریعہ ”امام احمد رضا نیشنل سیمینار و کانفرنس“ کا مالی تعاون فرمایا، اس کے علاوہ بھی کثیر علمائے کرام نے مختلف ذرائع سے تعاون فرمایا ہے، ان کے نام یہاں شامل نہیں ہو سکے ہیں، ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں، اس فہرست میں نام شامل ہو یا نہ ہو اللہ جل شانہ انھیں بہتر جزا عطا فرمانے والا ہے۔ علمائے کرام کی اس فہرست میں گروپ کے ذریعہ تعاون فرمانے والے چند دیگر اصحاب خیر کے اسما بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

✼✼✼✼✼